فقیہِ ملت حضرت علامہ

تصنیف: مفتی جلال الدین احمد امجدی

مہتمم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف

مجدد دین و ملت شہر یار علم و ہدایت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت اپنی خدمات کے ساتھ اپنوں کے علاوہ اغیار کے حلقہ میں بھی محتاج تعارف نہیں آپ کے فکر و نظر کے فیضان سے مسلمانوں کے قلوب میں عشق رسول کے تحفظ و بقا اور اسلامی شعور کی صالحیت پر جو حیرت انگیز تاریخی اثرات مرتب ہوئے ہیں اس سے انکار قطعاً ممکن نہیں جماعت اسلامی کے بانی جناب ابوالاعلیٰ مودودی کا اعلیٰ حضرت کی دینی خدمت اور علم و فضل کا اعتراف الفضل ما شہدت بہ الاعداء کی منہ بولتی تصویر ہے یاد رہے کہ یہ وہی مودودی صاحب ہیں جن کی بے سروپا تنقید سے انبیاء تک کی شخصیتیں بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں

”مولانا احمد رضا خان صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے۔ فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔“

(مقالات یوم رضا حصہ دوم مطبوعہ لاہور)

امام اہلسنت کا ایک خاص وصف عشق رسول ہے ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ عشق رسالت پناہی میں ڈوبا ہوا ہے کوئی بھی ادارہ یا انجمن، فرد ہو یا جماعت، کسی کی تحریر ہو یا تقریر اگر وہ منصب رسول اور جذبۂ عشق رسول سے متصادم نظر آئی تو امام کا شمشیر براں صفت قلم مجاہدانہ انداز میں مخالفین کی سرکوبی کرتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہوا نظر آتا ہے ؎

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

اعلیٰ حضرت کے سلسلے میں ممتاز عالم دین و شیخ طریقت جسٹس پیر کرم شاہ ازہری کا یہ تبصرہ بڑا برمحل ہے کہ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کی زندگی کے یہ چند ما... ان کا گوشہ گوشہ علم و عمل کے نور سے منور ہے جہاں لمحہ لمحہ ذکر خدا اور یاد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معمور ہے جو دو ہزار تالیفات کی تصنیف سے مشرف ہے جو چند وقت اور ذکر و ارشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے جو پھیلا تو کائنات کی

پسپائیوں کو شرمسار کر گیا اور جو سراپا عشق مصطفےٰ بن کر رہ گیا۔ جس آپ کا ایمان تھا کہ حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جان و ایمان اور روح و دین ہے اس کے پرچار میں آپ نے اپنی ساری عمر صرف کر دی اس کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں اور قابلیتیں وقف کر دیں۔

(مقالات یوم رضا دوم مطبوعہ لاہور)

امام اہلسنت کی عشق رسول میں سرشاری اور اس میں انفرادیت کی سبب سے اب جہاں بھی عشق رسول کی بزم آراستہ ہوگی یا عاشقان رسول کی انجمن بھی ہوگی انہیں ضرور یاد کیا جائے گا کیونکہ بقول ملک شیر محمد خاں اعوان آپ کا لا بائغ۔

احمد رضا خاں کسی فرد کا نام نہیں، تقدیس رسالت کی تحریک کا نام تھا۔ ملت اسلامیہ کے زندہ ضمیر کا تھا۔ عشق مصطفےٰ میں ڈوب کر دھڑکنے پاک و بابرکت اور پرسوز دل کا نام تھا اور جب تک یہ سب چیزیں زندہ رہیں گی احمد رضا خاں کا نام زندہ رہے گا اس نام کو خلائے قدوس نے سورج کی کرنوں کے ساتھ آسمان کی وسیع البساط چھاتی پر ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیا ہے اور اب حادثات حیات کا بیداد جھونکا اور زمانے کی کوئی گردش اسے مٹا نہیں سکتی۔ (محاسن کنزالایمان مطبوعہ لاہور)

فاضل بریلوی کی رسول محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بے پناہ شیفتگی و وارفتگی اور والہانہ بیکراں جذبۂ عشق کا کرشمہ ہی تو ہے کہ یکساں طریقے پر اپنوں نے، بیگانوں نے حتیٰ کہ ان کے شدید ترین مخالفوں نے بھی ان کے "عاشق رسول" ہونے کا اعتراف واقرار کیا ہے۔

ان کی بابرکت شخصیت حب نبوی اور عشق مصطفوی کا اس طرح سمبل اور علامت بن چکی ہے کہ ان کے نام سے منسوب ہونا تو بڑی بات ہے ان کے شہر سے منسوب ہو جانا ہی عاشق رسول ہونے کا اظہار ہے۔ دنیائے سنیت کی مسلمہ بزرگ شخصیت شعیب الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا شاہ محمد یار علی العلوی الہاشمی القادری الیولی عنہ بانی دارالعلوم اہلسنت فیض الرسول ۱۳۶۸ھ جو اپنے تقویٰ و طہارت عشق و وجدان کی لطافت، اتباع سنت، دین پر استقامت۔ ۵۰ سال تک تکبیر اولیٰ تک نہ چھوٹنے پانے کے التزام کے ساتھ نماز باجماعت پر مداومت کے سبب اہلسنت کے عوام و خواص کے مرجع عقیدت ہیں سچے عاشق رسول اور بادۂ حب نبی سے سرشار تھے۔ حیات مقدسہ کا ایک ایک لمحہ یاد خدا اور رسول کی نذر اور اشاعت اسلام و سنیت کے لئے وقف تھا امام اہلسنت اور شعیب الاولیاء میں عشق رسول وہ قدر مشترک تھا جس نے حضرت شعیب الاولیاء کے دل میں امام اہلسنت کے تئیں بے پناہ محبت و عقیدت پیدا کر دی کہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر چاہے عقیدت مندوں کا ہجوم ہو یا تخلیہ، خلوت ہو یا جلوت، تنہائی ہو یا انجمن امام اہلسنت سے شدید وابستگی کا اظہار کرتے اور اپنے خلفاء متوسلین و مریدین کو مسلک اعلیٰحضرت پر چلنے کی تاکید فرماتے رہے اور بعد وفات آپ کے قبہ مزار کے دروازہ پر نصب سنگ مرمر کی تختی پر آپ کے نام کے ساتھ "شیدائے سرکار اعلیٰحضرت" کی عبارت فاضل بریلوی کی مقدس ذات کے ساتھ بے پناہ

وابستگی کا اعلان ہے آپ نے اپنے صاحبزادہ گرامی و جانشین پیر طریقت حضرت مولانا الحاج محمد صدیق احمد صاحب قبلہ کو اجازت و خلافت دیتے ہوئے انھیں اس بات کی پرزور تاکید کی ہے کہ مسلک امام احمد رضا رضی اللہ عنہ پر خود چلیں اور اپنے مریدین کو اس پر پابندی کا درس دیں۔ یاد رہے کہ موصوف کو حضور مفتیٔ اعظم ہند و شیر بیشۂ اہل سنت علیہما الرحمہ نے بھی اجازت و خلافت سے نوازا ہے ــــ اسی طرح مجھ بے بضاعت و ناسزاوار کو حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے سلسلہ کی اجازت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ دی ہے۔

"اس عزیز کو سلسلۂ عالیہ قادریہ مجوبیہ و چشتیہ لطیفیہ کی اجازت و خلافت دیتا ہے کہ جو مرد یا عورت ان کے پاس توبہ و بیعت کے لئے حاضر ہو اس سے توبہ لے کر ان مبارک سلسلوں میں داخل کریں اور مسلک اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کے مطابق اسلام و سنیت کا متبع بنائیں۔

خلافت نامہ کے اخیر میں ذمہ داریوں کی نشاندہی اور سنی مسلمانوں کو وہابیوں دیوبندیوں وغیرہ فرق باطلہ سے بچانے کی تاکید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ــ" اور ہرا نے مذہب اہلسنت پر جس کی تجدید و احیاء اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تحریرات مبارکہ و تصانیف مقدسہ میں کی ہے خود مضبوطی سے قائم رہیں اور سنی مسلمانوں کو عموماً اور اپنے متوسلین و معتقدین کو خصوصاً اس پر قائم رہنے کی تاکید شدید کی ہے۔ گذشتہ صفحات میں جیسا کہ ذکر کیا گیا حضرت

شعیب الاولیاء بحیثیت ایک شیخ طریقت اپنے حلقۂ ارادت و عقیدت میں اشاعت مذہب اہلسنت و ترویج مسلک اعلیٰحضرت کے لئے بھرپور جدوجہد فرماتے رہے مگر صرف اسی پر آپ نے قناعت نہ کی بلکہ اس سلسلے میں بھرپور سرگرمی لانے اور ٹھوس و مضبوط انداز میں مثبت تعمیری پیش رفت کے لئے ایک دینی ادارہ قائم کرنے کا ارادہ فرمایا جس کے قیام کی داستان بھی بڑی عجیب و غریب ہے۔ حضرت شعیب الاولیاء نے خواب میں دیکھا کہ خانقاہ کا وہ حصہ جہاں آج مکتب فیض الرسول ہے حضرت شاہ عبد اللطیف علیہ الرحمہ ستھن شریف مرشد اجازت حضرت شعیب الاولیاء اور امام اہلسنت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ دونوں حضرات تشریف فرما ہیں کچھ طلبہ پڑھنے کے لئے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں دونوں بزرگ ایک دوسرے کو اشارہ فرما رہے ہیں کہ آپ ان بچوں کو پڑھائیں" بیدار ہونے کے بعد حضرت نے اسے ان مقدس روحوں کی جانب سے اپنے لئے براؤں شریف میں ایک دینی مدرسہ کے قیام کا حکم سمجھا اور خواب کی جزئیات سمیٹ کر جب تعبیر نہیں تو براؤں شریف کی اس آبادی میں جہاں مشکل سے چند آدمی قرآن شریف پڑھنے والے تھے حیرت سے لوگ ایک ابتدائی دینی مدرسہ دیکھ رہے تھے جس کا نام حضرت نے "فیض الرسول" رکھا۔ ابتدا میں مکتب کی شکل میں قائم ہونے والا یہ مدرسہ دیکھتے ہی دیکھتے چند برسوں میں دار العلوم بن گیا۔ طلبہ دور دراز سے کھنچنے لگے اور آج اس کی مرکزیت کا یہ عالم

ہے کہ درجنوں دارالعلوم اس کی شاخ کی حیثیت سے بھارت کے مختلف حصوں میں دینی و علمی خدمت انجام دے رہے ہیں اور خود دارالعلوم فیض الرسول میں افریقہ، نیپال اور ہندوستان کے اکثر صوبہ جات کے سیکڑوں تشنگانِ علوم تقریباً دو درجن ذہین، مستعد با صلاحیت اساتذہ کے زیر تدریس ٹھوس تعلیم اور بے دین جماعتوں سے نمٹنے کے لیے مجاہدانہ تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ برصغیر میں مسلک اعلیٰحضرت کے نمائندہ چند بڑے اداروں میں اس کا نمایاں مقام ہے اور طلبہ کی تربیت میں تو اس کی انفرادیت امّ المدارس ضرب المثل بن چکی ہے۔ اشاعتی محاذ پر باطل جماعتوں کی جانب سے پھیلائے گئے باطل نظریات کے دفاع کے لیے حضرت علیہ الرحمہ کی حقیقی روحانی سرپرستی میں آپ کی حیات مبارکہ کے اخیر برسوں میں یعنی محرم الحرام ۱۳۸۵ھ مطابق جون ۱۹۶۵ء میں مسلک رضویت کے آرگن کی حیثیت سے "ماہنامہ فیض الرسول" کا اجراء عمل میں آیا جس کے بارے میں پہلے صفحہ پر "مذہب اہلسنت کا ترجمان و مسلک رضویت کا نقیب" شائع ہونا اس کی مخصوص صحافتی روش کا مظہر ہے۔

الحمدللہ اس کے حلقۂ قارئین کی وسعت جب ...... براعظموں ایشیا، امریکہ، یورپ و افریقہ پر محیط ہے۔ حضرت شعیب الاولیاء کو مسلک اعلیٰحضرت سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا جس کا اظہار ان کے کردار کے مختلف گوشوں سے ہوتا ہے۔ آپ نے خانقاہ یار علویہ کو دو سلاسل میں بحقیقہ امام احمد رضا کے نام وقف کرتے ہوئے قانونی طور پر رجسٹری کر دی ہے۔ اور رجسٹری کی دفعہ ۲ میں سجادہ نشینی کے لیے یہ ضابطہ مقرر فرمایا ہے۔

"خانقاہ کی سجادہ نشینی کا اہل وہ شخص قرار پا سکتا ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا ہم عقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ مستند عالم باعمل ہو انتظامی امور میں بیدار مغز اور ہوشیار ہو۔ انتہٰی بقدر الضرورۃ

اسی کی دفعہ ۹ میں خانقاہ کے داخلی و خارجی امور کے لیے ایک کمیٹی بنام مجلس عاملہ تشکیل دے کر اس کے ارکان نامزد کیے گئے ہیں پھر رجسٹری کی دفعہ ۱۰ میں تحریر ہے کہ

میرے مقرر کردہ سجادہ نشین یا آئندہ سجادہ نشین میں اگر معاذ اللہ کوئی مذہبی خرابی پیدا ہو جائے تو اس سجادہ نشین کو مجلس عاملہ معزول کر دے اور خانقاہ کا انتظام اپنے ہاتھ لے کر دفعہ ۲ کے مطابق کسی سجادہ نشین کا تقرر کرائے۔

اس پوری تفصیل میں قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ بعض حالات میں جس مجلس عاملہ کو خانقاہ کے متولی و سجادہ نشین اور ناظم اعلیٰ دارالعلوم فیض الرسول پر بھی بالادستی حاصل ہے اس کے ارکان کی مذہبی حیثیت کے بارے میں حضرت نے کیا ضابطہ مقرر فرمایا ہے؟ مسلک رضویت کے پیروکار رجسٹری کی دفعہ ۱۲ پڑھیں اور شعیب الاولیاء کی فاضل بریلوی کے ساتھ والہانہ محبت پر صاد کریں۔ ملاحظہ ہو دفعہ ۱۲

ارکان مجلس عاملہ کے لیے اعلیٰحضرت امام احمد رضا کا

جمعیت ہوتا ضروری ہے ورنہ وہ منصب رکنیت سے خارج ہے"

اعلیحضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی ظاہری حیات میں ملاقات بھی نہیں ہوئی اور آپ مشرباً رضوی یعنی سلسلۂ رضویہ میں بیعت بھی نہ تھے مگر آپ نے اپنی ذات کو امام اہلسنت کے مسلک کے مطابق مذہب اسلام وسنیت میں اس درجہ گم کر دیا تھا کہ جب پہلی بار براؤں شریف ذوالقعدہ ۱۳۸۹ھ کے جلسہ دستار فضیلت میں افتخار سلف و قار خلف تاجدار اہلسنت مفتئ اعظم ہند حضرت علامہ محمد مصطفےٰ رضا خان قدس سرہٗ العزیز تشریف لائے اور بچشم خود حضرت علیہ الرحمہ کی سرگرمی میں دارالعلوم کی خدمات ملاحظہ فرمائیں بوقت دستار بندی فارغ طلبہ کے اس عہد و اقرار کو سنا جس میں بمطابق تشریحات فاضل بریلوی خدمت سنیت کا اعتراف اور حسب تصریحات تصانیف امام اہلسنت بالخصوص حسام الحرمین، مذاہب باطلہ سے بیزار اور دور و نفور رہنے کا اقرار بھی شامل تھا جو اب تک معمول ہے تو غایت درجہ متاثر و مسرور ہوئے اور اپنے تاثرات پر مشتمل مندرجہ ذیل مکتوب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے نام بریلی شریف سے ارسال فرمایا۔ مکتوب میں خط کشیدہ جو مسلو لغزیب جملے جہاں سرکار مفتئ اعظم کی وسیع النظری کا مظہر ہیں وہیں آج کل کچھ بڑوں کی روش کو دیکھتے ہوئے نہایت حیرت انگیز بھی۔

حضرت با برکت محب سنیت مخلص مبلغ مذہب اہلسنت مسلک امام اہل سنت اعلیحضرت علیہ الرحمہ جناب شاہ یار علی صاحب دام بالمواہب و حضرات مدرسین اساطین دین و جمیع اراکین خدام ملت و طلبۂ علوم شریعت سلمہم ربہم وصانہم من الشرور والفتن

وعلیکم السلام ثم السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

خیر بحمدہٖ تعالیٰ مع الخیر حضرت شاہ صاحب کی کرم فرمائیوں ان کے صاحبزادہ بلند اقبال کی عنایتوں اور مدرسین واراکین وطلبہ و خدام مدرسہ فیض الرسول کی محبتوں کی یاد کو دل کی گہرائیوں میں لئے ہوئے وطن پہونچا فیض الرسول کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ واقعی یہ فیض الرسول ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم۔ مولیٰ عزوجل اسے روز افزوں ترقیاں بخشے اور اس کے فیوض کو عام تر فرمائے۔ دل بہت مسرور ہوا بحمد اللہ ایسی تربیت بہتر سنیت کی تبلیغ، رضویت کی اشاعت سنت کی ترویج کا جو جذبہ فیض الرسول میں پایا کہیں نہ پایا۔ اس فقیر کا اعزاز و اکرام نسبت اعلیحضرت کے سبب فرمایا جو اس کی حیثیت سے کہیں زیادہ تھا اور پھر یہ کہ بعض نے فرمایا کہ ہم کچھ عہد نہ کر سکے۔ طلبہ سے جو عہد نے کر داخل کیا جاتا ہے بعد فراغ وہ عہد سند میں لکھا ہوتا ہے جو طالب علم اہل جلسہ کو سنا کر اس پر گواہ کر لیتا ہے یہ ایسی بے مثال چیز ہے جو اور سنی مدارس تو اور خود مرکز اس ضروری امر کی طرف توجہ نہ کر سکا تھا اس سے فقیر بہت زیادہ متاثر ہوا اور جگہ جگہ اس کا فقیر نے ذکر کیا شاہ صاحب اور مدرسین کو ہر جگہ دعا کے ساتھ یاد کیا والسلام۔

فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہٗ ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۸۵ھ

(ماہنامہ فیض الرسول براؤں شریف شمارہ اگست ۱۹۶۱ء)

جب حضرت شعیب الاولیاء غالباً ۱۳۸۶ھ کے عرس رضوی کے موقع پر براؤں شریف سے بریلی شریف پہونچے تو حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ نے اپنے ایک نیازمند ماسٹر شفیق صاحب کے ہاں خصوصی طور پر قیام کا انتظام کروایا خانقاہِ رضویہ کے ذمہ داران کی خصوصی توجہ حضرت شاہ صاحب کے قیام وغیرہ کے سلسلہ میں دیکھ کر وہاں لوگوں کو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا کہ وہ کون صاحب ہیں جن کے لئے حضور مفتیٔ اعظم اتنی توجہ و منتظمین عرس اتنا اہتمام کر رہے ہیں یہ باتیں مجھے دارالعلوم فیض الرسول کے سابق شیخ المعقولات حضرتِ خواجہ مظفر حسین صاحب نے بتلائیں جو ان دنوں بریلی شریف میں مدرس تھے راقم سطور اس سفر میں ابی الکریم حضرت شعیب الاولیاء کے ہمراہ تھا اور کمسن تھا۔ حضور مفتیٔ اعظم نے موصوف کا اس سفر میں بڑا اعزاز فرمایا۔ قل کے موقع پر ایک تخت پر اپنے بغل بٹھلایا۔ تخت پر ان دونوں حضرات گرامی کے بیٹھنے کے بعد مقرر یا منقبت خواں کے علاوہ کی گنجائش نہ تھی یاد رہے کہ اس وقت قل کی تقریب آستانۂ رضویہ کے اوپر والے ہال میں ہوا کرتی تھی اس موقع پر میں نے قل سے چند منٹ پہلے شہزادۂ اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں یاد کی ہوئی ایک تقریر عربی زبان میں کی جس کا عنوان تھا "الامام احمد رضا" حضور مفتیٔ اعظم سن کر بیحد مسرور ہوئے تحسین فرمائی۔ اور حوصلہ افزائی کے طور پر اکیس روپئے بطور انعام عنایت فرمائے۔ حضرت کی اس عطا کے بعد میری عقیدت کا یہ فیصلہ ہے کہ اس سلسلہ میں کسی دنیادار کا محتاج نہ رہوں گا۔ حضرت شعیب الاولیاء سے نسبی تعلق کی بنا پر سرکار مفتیٔ اعظم اس سفر میں اور بعد میں بھی جہاں کہیں اس نیازمند کو شرف ملاقات نصیب ہوا اور اپنی غایت شفقت اور دعاؤں سے ذرہ نوازی فرمائی۔ بدمذہبیت کے مقابلہ میں سنیت کی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حضرت علیہ الرحمہ نے حصہ لیا چاہے وہ کانپور کی سنی کانفرنس ہو یا بمبئی میں جلوس غوثیہ کی قیادت ہو یا سنی جمعیۃ العلماء کانفرنس کی پرچم کشائی "مذہبی مناظرہ بھدرسہ ہو یا مناظرۂ ڈبراد سونہٹیا وغیرہ ہر ایک میں امتیازی شان سے شریک رہتے۔ مناظرہ بھدرسہ کے مقدمہ میں حضرت شعیب الاولیاء علیہ الرحمہ نے اپنی جیب خاص سے کافی رقم صرف کی اور ناشر مسلکِ رضویت مظہر اعلیحضرت شیر بیشۂ اہلسنت حضرت مولانا حشمت علی خان صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ کی ایسی ملدہی اور دلجوئی فرمائی جس کے وہ ہمیشہ معترف رہے انھیں لے کر بستی، گونڈہ، گورکھپور، فیض آباد وغیرہ اضلاع اور نیپال کی ترائی کے مواضعات میں وعظ و تقریر کروائی بہت سے ایسے مقامات جہاں کے لوگ اپنے طور پر جلسے کے انتظامات کے متحمل نہ ہوئے حضرت شعیب الاولیاء خود اپنے اخراجات سے نظر فرماتے جس کے سبب مسلمانوں کی کثیر آبادی نئی نئی گمراہیوں سے محفوظ ہو گئی اور انھیں عشق رسول اور اسلام و سنیت کی دولت ملی۔ خدمت دینی کے اسی جذبہ سے متاثر ہو کر حضرت شیر بیشۂ سنت۔ حضرت شعیب الاولیاء

سے ساتھ باوجود معاصرت کے عقیدت و نیازمندی کا تعلق رکھتے تھے۔ مسلک رضویت کے وفادار و پیروکار کو ٹوٹ کر چاہنا اور اپنی نوازش کرنا جس شیر اہلسنت کا طرۂ امتیاز ہو اس انداز کا ان کا تعلق حضرت شعیب الاولیاء کے ساتھ ہوتا جو علمبردار رضویت تھے۔ حیرت کی بات نہیں اس تعلق کا مشاہدہ کرنے والے کثیر تعداد میں لوگ آج بھی موجود ہیں اور حضرت علیہ الرحمہ کے نام آئے ہوئے شیر بیشہ سنت کے مکتوبات اس کا بین ثبوت ہیں بطور نمونہ ہم ایک خط کی تلخیص پیش کر رہے ہیں جو مظہر اعلیٰحضرت نے فیض آباد سے روانہ کیا تھا جس پر فیض آباد کے ڈاکخانہ کی مہر ۲ مئی ۱۹۴۸ء کی لگی ہوئی ہے اور چھپا ہوا اس وقت براؤں شریف کا پوسٹ آفس تھا ۳ مئی جولائی کی مہر ثبت ہے یہ خط مقدمہ بعدہ سے ہی متعلق ہے ــــ

انشاء اللہ تعالیٰ مجوزہ سوانح شعیب الاولیاء میں ان خطوط اور دیگر اکابر کے تاثرات کی تحریروں کا عکس پیش کیا جائے گا۔

قارئین کرام تحریر کا اندازِ عقیدت ملاحظہ کریں اور تحریر کی عظمت دھیان میں رکھ کر اس کے مرکزِ عقیدت کی عظمت کا اندازہ لگائیں۔

مخدومی و محترمی حامیٔ اسلام و سنیت ہادیٔ
شریعت مرشد طریقت گلِ گلزار قادریت شمع بزم
چشتیت گلبن چمنستان لطیفیت مولانا شاہ محمد یار علی
صاحب قبلہ ادامہ المولیٰ تعالیٰ بالفیوض والمواہب
آمین بحرمۃ حبیبہ سید المرسلین صلی المولیٰ تعالیٰ وسلم
علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وابنہ الغوث الاعظم وحزبہ اجمعین

وعلینا وعلیکم وعلیٰ سائر اہل السنۃ بعدد کل ذرۃ ہبا ءآب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کے مزاج مبارک کی ناسازی سے بہت پریشان ہوں خدا و رسول جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم آپ کو بہت جلد شفا تام و صحت کاملہ عطا فرمائیں اور ہم سب اہل سنت کے سروں پر بخیر وعافیت و صحت و سلامت و فرحت و مسرت سایہ گستر رکھیں آپ کی مبارک دعاؤں کی برکت سے مستغیث نمبر اول عبدالمجید خان خبیث تو سینے میں مبتلا ہو کر اپنے مقر کو پہنچا اور کارڈ کا مقدمہ خارج ہو گیا۔ وہیڑوں دیو کے بندوں تذلیم الواحد القہار ہم ہلکم کے چہرے کالے اور مسلمانان اہلسنت کے منہ اجالے اور اسلام و سنیت کے بول بالے ہوئے۔ فلو حمد ربنا الکریم الحمد وعلیٰ حبیبہ وآلہ الصلاۃ والسلام مجسٹریٹ نے بر سر اجلاس کہدیا ہے کہ یکم دوم سوم جولائی ۱۹۴۸ء کو بحث سنوں گا ۸ جولائی ۱۹۴۸ء کو فیصلہ سنا دوں گا اب آپ اپنے خاص اوقات میں دعا فرمائیں خدا و رسول جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس مقدمے میں مجھ گنہگار سگ بارگاہِ نبوی سیہ کار بندہ سرکار قادری خطا کار گدائے کوئے رضوی کو جملہ وہابی دیوبندی ستیشوں اور تمام بدمذہب بددین لامذہب بیدینوں پر کامل فتح مبین اور مکمل نصرتِ قاہرہ پوری ظفر عظیم عطا فرما کر ہمیشہ کے لئے وہابیت و دیوبندیت اور ہر

بدمذہبی بے دینی کا منہ کالا اور اسلام و سنیت کا بول بالا اور میرا اور میری امداد و اعانت کرنے والے جملہ سنی بھائیوں سلیم رہیم کا دارین میں چہرہ اجالا فرمائیں آمین۔

(تلخیص مکتوب شیر بیشۂ اہلسنت بنام شعیب الاولیاء)

ان اکابر کے علاوہ دیگر علماء و مشائخ مثلاً حضور مفسر اعظم ہند و حضور سید العلماء و حضور حافظ ملت و حضور مجاہد ملت علیہم الرحمہ و حضور محمد میاں سرکار کلاں دامت فیوضہم وغیرہ نے بھی حضور شعیب الاولیاء کی خدمت سنیت کا اعتراف فرمایا ہے یہ حضرات اس خصوص کی بنا پر بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہتے اور آپ نے تاثرات تحریری شکل میں بھی ظاہر کئے ہیں پروردگار عالم فیضان مسلک اعلیحضرت کو عام و تام فرمائے اور سرکار اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی و حضور شعیب الاولیاء و حضور مفتی اعظم و دیگر اکابرین اہل سنت علیہم الرحمہ کی قبروں پر رحمت و نور کا ساون و بھادوں برسائے آمین

ابر رحمت ان کے مرقد پہ گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

حیات شعیب الاولیاء ایک مختصر جائزہ

صاحبزادہ غلام عبد القادر رضا چشتی

اسم گرامی	محمد یار علی	عمر شریف	اسی سال
لقب	شعیب الاولیاء شیخ المشائخ	اسم گرامی والد محترم	محمد علی
مولد و مسکن	براؤں شریف	حسب نسب	علوی سادات
سن ولادت	۱۳۰۴ھ	براؤں شریف میں مدفون اکی آمد ۱۳۱۵ھ	

مشائخ کرام — حضرت محبوب علی علیہ الرحمہ (سلسلہ قادریہ) دولھو شریف نفعنا بہ
" — حضرت شاہ عبد اللطیف علیہ الرحمہ (سلسلہ چشتیہ) ستھن شریف
" — حضرت شاہ عبد الشکور علیہ الرحمہ (سلسلہ سہروردیہ) جھونسی شریف

خلفاء — مجاہد سنیت حضرت مولانا الحاج شاہ محمد صدیق احمد صاحب قبلہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ [illegible]
" — حضرت صوفی شاہ عبد الرحیم صاحب قبلہ سجادہ نشین آستانہ دولھو شریف
" — صاحبزادہ حضرت علامہ غلام عبد القادر صاحب قبلہ علوی مہتمم فیض الرسول براؤں شریف

اولاد — ۷ لڑکے ۴ لڑکیاں

گورنمنٹی ملازمت — پرائمری اسکول سکندر پور ضلع بستی یوپی ۱۹۱۱ء
" — شہرت گڑھ ضلع بستی ۱۹۲۷ء

غیر منقسم ہند و پاک کے بزرگان دین کے مزارات پر حاضری کے سفر کا آغاز ۱۹۲۶ء

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کانفرنس بمبئی میں شرکت ۱۹۶۳ء

زیارت حرمین طیبین ۳ مرتبہ

آپکی سرپرستی میں ماہنامہ فیض الرسول کا اجراء ماہ محرم ۱۳۸۵ھ مطابق مئی ۱۹۶۵ء

دارالعلوم فیض الرسول کی نشاۃ اولیٰ ۱۳۵۶ھ
" نشاۃ ثانیہ ۱۳۶۵ھ

سفر رنگون ۱۹۲۵ء

اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں استفتاء

وصال پر ملال ۲۲ محرم الحرام ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۶۷ء شب جمعرات ایک بجکر پندرہ منٹ۔ مزار پرانوار براؤں شریف جو زیارت گاہ خلائق ہے

فہرست مضامین فتاویٰ فیض الرسول

کتاب العقائد
عقیدے کا بیان

فہرست مضامین	صفحہ

فہرست مضامین	صفحہ

فہرست مضامین

کتاب الطہارۃ

وضو اور غسل کا بیان

کنویں کا بیان

تیمم کا بیان

باب الجماعت

جماعت کا بیان

فہرست مضامین

فہرست مضامین	صفحہ

فہرست مضامین	صفحہ

فہرست مضامین	صفحہ

فہرست مضامین	صفحہ

بَابُ المہر

مہر کا بیان

کتابُ الرضاع

دودھ کے رشتہ کا بیان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب العقائد

عقیدے کا بیان

مسئلہ :۔ از عبداللہ کورکپا ونٹلہ بیرٹی پور، ضلع بستی

قرآن پاک میں ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ تو جھوٹ بولنا، زنا کرنا، چوری کرنا، شراب پینا اور شادی وغیرہ کرنا بھی ایک شی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر بھی قادر ہے؟

الجواب :۔ جھوٹ بولنا، زنا کرنا، چوری کرنا اور شراب پینا عیب ہے اور ہر عیب خدائے تعالیٰ کے لئے محال ہے ممکن نہیں اور خدائے تعالیٰ کی قدرت صرف ممکنات کو شامل ہے۔ محالات کو۔ تفسیر جلالین میں ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَاءَہٗ قَدِیْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہر اس شی پر قادر ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔ صاوی میں ہے کہ شاءہ سے مراد ارادہ ہے اور ذات باری تعالیٰ کے ارادہ اور قدرت صرف ممکنات سے متعلق ہوتے ہیں نہ کہ محالات سے اور قدیر قدرت سے مشتق ہے جو خدائے تعالیٰ کی صفت ازلیہ قائم بذاتہ ہے اور ایجادا و اعداماً ممکنات سے متعلق ہوتی ہے۔ صاوی کی عبارت یہ ہے شاءہ ای ارادہ والارادۃ لاتتعلق الا بالممکن فکذا القدرۃ قولہ قدیر من القدرۃ وھی صفۃ ازلیۃ قائمۃ بذاتہ تعالیٰ تتعلق بالممکنات ایجادا واعداما اھ ملخصا اور تفسیر جمل میں ہے ای من شانہ ان یشاءہ وذلک ھو الممکن اھ یعنی شاءہ سے مراد یہ ہے کہ جس کا چاہنا اس کی شان کو زیبا ہو اور وہ صرف ممکن ہے اور شرح عقائد جلالی میں ہے الکذب نقص والنقص علیہ محال فلا یکون من الممکنات ولا تشملہ القدرۃ کسائر وجوہ النقص علیہ تعالیٰ کالجہل والعجز۔ یعنی جھوٹ بولنا عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے تو اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکنات سے نہیں نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اسے شامل جیسے تمام اسباب عیب مثلاً جہل اور عجز سب خدائے تعالیٰ کے لئے محال ہیں اور صلاحیت قدرت سے خارج ہیں اور علامہ کمال الدین قدسی شرح مسامرہ میں فرماتے ہیں۔ لاخلاف بین الاشعریۃ وغیرھم فی ان کل ما کان وصف نقص

فالباری تعالیٰ منزہ عنہ وھو محال علیہ تعالیٰ اھ یعنی اشاعرہ اور غیر اشاعرہ کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ ہر وہ چیز جو صفت عیب ہے باری تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ خدائے تعالیٰ پر محال ہے ممکن نہیں رہا شادی کرنا تو یہ بھی محال ہے۔ خدائے تعالیٰ کو شادی پر قادر ماننے سے کئی خدا کا ممکن ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ جب شادی کرنے پر قادر ہوگا تو استقرار حمل و تولید ولد پر بھی قادر ہوگا اور خدا کا بچہ خدا ہی ہوگا۔ قرآن مجید پارہ ۲۵ رکوع ۱۳ میں ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ یعنی تم فرماؤ کہ اگر رحمٰن کے لئے کوئی بچہ ہے تو میں سب سے پہلے (اس کا) پوجنے والا ہوں تو قطعاً و بلکہ کئی خدا کا ممکن ہونا لازم آیا کہ قدرت خدا کی انتہا نہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد نعمان قادری دارالعلوم تدریس الاسلام بسڈیلہ ضلع بستی

مشرکین کی بخشش تحت قدرت باری تعالیٰ ہے یا نہیں؟

الجواب: بیشک مغفرت مشرکین تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔ شرح مقاصد الطالبین فی علم اصول الدین میں ہے اتفقت الامۃ ان اللہ تعالیٰ لا یغفر عن الکفر قطعاً وان جاز عقلاً (بحوالہ بعض السبوح ص۔۔) لیکن ان کی مغفرت کا وقوع محال ہے لقولہ تعالیٰ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ حاصل یہ ہے کہ مغفرت مشرکین عقلاً ممکن بالذات اور شرعاً محال بالغیر ہے وھو تعالیٰ اعلم صلی المولیٰ جل وعلا علی حبیبہ وسلم۔

کتبہ
غلام جیلانی
مدرس دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف
۱۹ رجب المرجب ۱۳۹۳ھ

مسئلہ: از محمد حفیظ اللہ نعیمی دارالعلوم فاروقیہ مدہ نگر پوسٹ دھوائی ضلع گونڈہ

اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اوپر والا بولنا کیسا ہے؟ اس جملہ سے جہت کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یہ جملہ بول کر بلند و بالا اور برتری کے معنی میں استعمال کرے تو اس کی تاویل مسموع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: خدائے تعالیٰ کی ذات کے لئے اوپر والا بولنا کفر ہے کہ اس لفظ سے اس کے لئے جہت کا ثبوت ہوتا ہے اور اس کی ذات جہت سے پاک ہے جیسا کہ حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں اذا لم یکن فی مکان لم یکن فی جھۃ لا علو ولا سفل ولا غیرھما (شرح عقائد نسفی ص۳۳) اور حضرت علامہ ابن نجیم

مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں یکفر بوصفہ تعالیٰ بالفوق او بالتحت اھ تلخیصاً (بحر الرائق جلد پنجم ص۱۲۰) لیکن اگر کوئی شخص یہ جملہ بلندی / برتری کے معنی میں استعمال کرے تو قائل پر حکم کفر نہ کریں گے مگر اس قول کو برا ہی کہیں گے اور قائل کو اس سے روکیں گے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از عبد الحفیظ کانپور

۱۔ ہم لوگوں کا عقیدہ ہے کہ خدا حاضر و ناظر ہے۔ تو یہ درست ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ عقیدہ رکھنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؟

۲۔ جب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں تو ان کے درمیان خدا موجود ہوتا ہے یہ کہنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: (۱) اگر حاضر و ناظر بمعنی شہید و بصیر اعتقاد رکھتے ہیں۔ یعنی ہر موجود اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور وہ ہر موجود کو دیکھتا ہے تو یہ عقیدہ حق ہے مگر اس عقیدہ کی تعبیر لفظ حاضر و ناظر سے کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کے بارے میں حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کرنا نہیں چاہئے لیکن اگر پھر بھی کوئی شخص اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بولے تو وہ کافر نہ ہوگا جیسا کہ درمختار مع شامی جلد سوم ص۳۰۲ میں ہے یا حاضر یا ناظر لیس بکفر وھو اعلم۔

(۲) جب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں تو ان کے درمیان خدا موجود ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہنا چاہئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے۔ عقائد نسفی میں ہے۔ لا یتمکن فی مکان اھ۔ اس کے تحت شرح عقائد نسفی میں ص۳۲ پر ہے اذا لم یکن فی مکان لم یکن فی جھۃ لا علو ولا سفل ولا غیرھما اور ۔ پارہ ۲۸، رکوع ۲۲ میں ہے مایکون من نجویٰ ثلثۃ الا ھو رابعھم تو اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں مشاہدہ فرماتا ہے اور ان کے رازوں کو جانتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کے درمیان خدائے تعالیٰ موجود ہوتا ہے تفسیر جلالین میں ہے ھو رابعھم بعلمہ اور علامہ صاوی نے فرمایا قولہ بعلمہ ای وسمعہ وبصرہ ومتعلق بھم قدرتہ وارادتہ اھ۔ اور تفسیر مدارک میں اس آیت کریمہ کے تحت ہے یعلم ما یتناجون بہ ولا یخفی علیہ ما ھم فیہ وقد تعالیٰ عن المکان علوا کبیرا اھ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ ۔ از محمد قدرت اللہ خاں معرفت مولانا محمد فاروق خاں چھوٹی مسجد مکان ۱۸۱ گلی ۱ جونا رسالہ
اندور (ایم۔ پی)

اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر کہہ سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب ـــــــ حاضر و ناظر خدائے تعالیٰ کے اسمائے توقیفیہ میں سے نہیں ہیں اور ان الفاظ کے بعض معانی شان الوہیت کے خلاف ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر نہیں کہنا چاہئے لیکن اگر کسی نے کہا تو کفر نہیں ۔ درمختار مع شامی جلد سوم ص ۳۰۲ میں ہے یا حاضر یا ناظر لیس بکفر اس عبارت کے تحت ردالمحتار میں ہے فان الحضور بمعنی العلم شائع (کما قال اللہ تعالیٰ) ما یکون من نجوی ثلاثۃ الا ھو رابعھم ۔ والنظر بمعنی الرویۃ (کما قال تعالیٰ) الم یعلم بان اللہ یریٰ ۔ فالمعنی یا عالم یا من یری بزازیہ ۔ وھو تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ رجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ ۔ از یار علی وارثی ہنداول ضلع بستی

زید نے دیوبندیوں کی ایک کتاب میں لکھا ہوا دیکھا کہ اللہ و رسول ایک نہیں یہ دیکھ کر زید نے کہا میں یہ نہیں مان سکتا کیوں کہ میری سمجھ میں اللہ و رسول ایک ہیں چاہے میں اس کہنے سے کافر ہی کیوں نہ ہو جاؤں ۔ لیکن میں تو یہی جانتا ہوں کہ اللہ و رسول ایک ہیں یہ سنکر عمرو نے کہا زید تمہیں اس طرح نہیں کہنا چاہئے مجھے خوف ہے کہ کہیں تمہارا یہ کہنا واقعی کفر نہ ہو جائے اور تم کافر نہ ہو جاؤ ۔ عمرو کی باتیں سنکر زید بہت نادم ہوا اور فوراً اپنے قول سے توبہ بھی کرلی لیکن پھر بھی بہت پشیمان و خوفزدہ ہے ۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا یہ کہنا کیسا ہے ؟ زید اس کہنے سے گنہگار ہوا یا واقعی زید کا یہ کہنا کفر ہے ۔ بصورت دیگر زید کو تجدید ایمان و تجدید نکاح کرنا پڑے گا یا صرف توبہ کرلینا ہی کافی ہوگا ۔

الجواب ـــــــ اگر زید نے یہ کہا کہ اللہ و رسول ایک ہیں اور مراد یہ تھی کہ باعتبار ذات ایک ہیں تو یہ کفر ہے اور اگر مراد یہ تھی کہ باعتبار اطاعت ایک ہیں کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے تو کفر نہیں مگر ایسے کلمات سے جو موہم شرک یا کفر ہوں احتراز واجب ہے اور یہ کہنا کہ چاہے میں اس کہنے سے کافر ہی کیوں نہ ہو جاؤں چونکہ اس میں کفر کے ساتھ اپنی رضا ظاہر کر رہا ہے ۔ لہٰذا یہ بھی کفر ہے فتاوی عالمگیری مطبوعہ مصر جلد ثانی ص ۲۴۵ میں ہے من رضی بکفر نفسہ فقد کفر یعنی جو شخص اپنے کفر پہ راضی ہو تو وہ کافر ہو گیا ۔ لہٰذا زید توبہ کے ساتھ تجدید ایمان و تجدید نکاح بھی کرے ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مولوی خلیل احمد بیرگی گریڈیہ (بہار)

میں موضع بیرگی امامت اور بچوں کی دینی تعلیم کا کام انجام دیتا ہوں ایک روز رمضان شریف کے ماہ میں جمعہ کے دن نماز سے قبل ان اللہ مع الصابرین کی روشنی میں تقریر کرتے ہوئے آگے بڑھا یہاں تک کہ جمعہ کا خطبہ اور جمعہ کی فرض نماز جماعت کے ساتھ میں نے پڑھایا۔ اسی روز عصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد میرے ہی موضع کے تین طالب علم نوجوان شخصوں نے مجھ پر اعتراض کیا کہ آیت مذکورہ کا ترجمہ کرتے ہوئے تقریر کے درمیان آپ نے یہ کہا ہے کہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور صبر کرنے والے گنہگار انسان جب جہنم میں جائیں گے تو خدا بھی اس انسان کے ساتھ جہنم میں جائے گا جبکہ میں نے اپنی تقریر کے درمیان کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا ہے جس میں خدا کو جہنمی قرار دیا ہو اور میرے اس قول پر میرے مقتدی میں سے صرف ایک شخص میری بات کی تصدیق کرتا ہے باقی عوام کو کچھ یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے۔ لہٰذا آپ حضور والا سے گذارش ہے کہ تین شخصوں کے کہنے کے مطابق اور میں ایک مقتدی کے کہنے کے مطابق از روئے شرع کس حکم کے سزاوار ہیں۔ بینوا توجروا۔

نوٹ۔ خدا کو جہنمی قرار دینے والے کا عقد باقی رہا یا نہیں؟

الجواب: اگر آپ نے یہ جملہ نہیں کہا ہے کہ "صبر کرنے والے گنہگار انسان جب جہنم میں جائیں گے تو خدا بھی اس انسان کے ساتھ جہنم میں جائے گا" مگر طلبہ اس جملہ کو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو وہ سخت گنہگار ہیں توبہ کریں۔ اور اگر طلبہ نے اس جملہ کو بطور معارضہ پیش کیا کہ جب اللہ تعالٰی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے تو کیا صبر کرنے والے گنہگار انسان جب جہنم میں جائیں گے تو خدا بھی اس انسان کے ساتھ جہنم میں جائے گا تو انھوں نے اپنی جہالت سے معیت مکانی سمجھ کر معارضہ پیش کیا حالانکہ معیت سے مراد معیت بالعون والنصر ہے جو متقین، محسنین اور صابرین کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ تفسیروں میں مذکور ہے المعیۃ بالعون والنصر وھذہ خاصۃ بالمتقین والمحسنین والصابرین۔ اور یا تو ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ نے معیت کے معنی کی تشریح نہیں کی جو عوام کے لئے ضروری تھی بہر حال اس انداز کی گفتگو سے احتراز لازم ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

جواب نوٹ: استفتاء کی عبارت سے ظاہر ہے کہ کسی نے خدائے تعالٰی کو جہنمی نہیں قرار دیا ہے لیکن اگر کوئی خدائے تعالٰی کو جہنمی قرار دے نعوذ باللہ من ذلک تو اس کا نکاح فوراً ٹوٹ جائے گا کہ یہ صریح کفر ہے۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۵؍ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ ۔ از محمد اختر حسین نوری نیپالی متعلم جامعہ اشرفیہ مبارک پور۔ اعظم گڈھ

زید مدرسہ کا مدرس اور مسجد کا امام ہے میلاد پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھنے کے لئے مدعو کئے گئے دوران تقریر میں انھوں نے جملہ (اگر آپ لوگ اپنی عبادت سے اللہ تعالیٰ کا پیٹ بھرتے گا تو اللہ تعالیٰ آپ کا پیٹ بھی بھرے گا) استعمال کیا بکر اس میلاد پاک میں موجود تھا انھوں نے اس جملہ پر تنبیہ کیا اور کہا کہ آپ نے بہت گندہ جملہ کو استعمال کیا ہے جس سے توبہ لازم ہوتا ہے لہٰذا آپ توبہ کرلیں۔ اتنا کہنا تھا کہ وہ آپے سے باہر ہوگیا اور تاویل کرنی شروع کردی کہ ہم پیٹ سے مراد عبادت لیتے ہیں۔ بکر نے کہا صریح کے اندر تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ آپ توبہ کرلیں مگر وہ توبہ کرنے سے انکار کرتے رہے اور اڑے ہے کہ میرا یہ جملہ صریح صحیح ہے اور درست ہے۔ بکر نے کہا آپ کے اس جملہ سے پروردگار عالم کا حدوث ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ پروردگار عالم کی ذات ازلی اور ابدی ہے اور جمیع عوارض جو انسان کے لئے ہوتے ہیں ان سبھوں سے وہ پاک ومنزہ ہے۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ فریقین میں سے کون حق پر ہے۔ اور جو باطل پر ہے منجانب شریعت ان پر کیا حکم وارد ہوتا ہے۔

الجواب ـــــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔

زید کا جملہ مذکور کفر ہے اور اس کی یہ تاویل کہ ہم پیٹ بول کر عبادت مراد لیتے ہیں شرعاً مطرود و مردود ہے۔ لہٰذا زید پر توبہ و تجدید ایمان لازم و ضروری ہے۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ ـــــــ جلال الدین احمد الامجدی

۲۵۔ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ ۔ از شاکر علی مدرس مدرسہ غوثیہ سکوٹیا پوسٹ طرہ ضلع بستی

(۱) تقدیر کیا ہے؟ (۲) تقدیر کو اللہ تعالیٰ نے جو بری یا بھلی پیدا فرمائی تو اس میں کیا کیا لکھا رہتا ہے؟ (۳) کیا چوری کرنا، زنا کرنا، قتل کرنا، کسی کا گھر جلانا، کسی سے محبت کرنا وغیرہم یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے؟ (۴) کیا تقدیر بدل سکتی ہے؟ یعنی جو چیز قسمت میں نہیں لکھی ہے وہ کوشش کرنے پر مل سکتی ہے؟ (۵) جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے پیدا ہوتے ہی کیوں اللہ اچھی اور بری تقدیر بنا دیتا ہے جبکہ وہ اچھی اور بری باتیں پہچاننے کی عقل نہیں رکھتا ہے۔

الجواب ـــــــ (۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے موافق ہر بھلائی برائی کو مقدر فرما دیا ہے اسے تقدیر کہتے ہیں وھو تعالیٰ اعلم (۲) انسان کو جو کچھ نفع نقصان پہونچنے والا اور وہ جو کچھ اچھائی برائی کرنے والا تھا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوح محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے یہ نہیں کہ جیسا لکھ دیا گیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا

لکھا گیا وہو تعالیٰ اعلم (۳) چوری وزنا وغیرہ انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اس فعل کے کرنے کی قدرت منجانب اللہ ہوتی ہے اسی لئے اس فعل پر انسان سے مواخذہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ انسان نہ تو مجبور محض ہے اور نہ مختار کل (۴) تقدیر کی تین قسمیں ہیں۔ مبرم حقیقی۔ معلق محض اور معلق شبیہ بہ مبرم۔ ان میں مبرم حقیقی کا بدلنا ناممکن ہے اور معلق محض اکثر اولیاء کرام کی دعاؤں سے ٹل جاتی ہے اور معلق شبیہ بہ مبرم تک صرف خاص اکابر کی رسائی ہوتی ہے۔ ایک چیز کا کسی انسان کے لئے نہ ملنا اگر مبرم حقیقی میں سے ہے تو کوشش کرنے پر نہیں مل سکتی ہے اور اگر قضائے مبرم حقیقی نہ ہو تو ذکر و اذکار یا بزرگوں کی دعاؤں سے مل سکتی ہے اور آنے والی بلا ٹل سکتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ ان الدعاء یرد القضاء یعنی بیشک دعا قضاء (تقدیر) کو ٹال دیتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم (۵) انسان پیدا ہونے کے بعد جو کچھ نیکی و بدی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پیدا ہونے سے بہت پہلے ازل ہی میں اپنے علم سے وہ سب کچھ لکھ چکا ہے تقدیر کے مسائل عام عقلوں میں نہیں آسکتے ان میں زیادہ غور و فکر کرنا سبب ہلاکت ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے تو اوروں کی کیا حقیقت ہے؟ تقدیر حق ہے اس کے انکار کرنے والے کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس امت کا مجوس بتایا ہے واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۳ شعبان ۱۳۸۲ھ

مسئلہ از محمد حنیف رضوی خطیب سنی کھاڑی مسجد کرلا بمبئی

تیسرے پارہ کی آیت کریمہ میثاق واذ اخذ اللہ میثاق النبیین میں ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم کا کیا مطلب ہے جبکہ ہمارے رسول سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب انبیائے کرام کے بعد تشریف لانے والے تھے؟ مفصل البیان بخش جواب سے نوازیں۔

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب آیت کریمہ کے معنی میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کے لئے سب انبیاء سے عہد لیا گیا کہ اگر تمہارے پاس محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائیں تو تم ان پر ضرور ایمان لانا یہی قول حضرت علی، ابن عباس، قتادہ اور سدی کا بھی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم (تفسیر کبیر) اور یہ عہد حضور کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے علی سبیل الفرض ہے اگرچہ حضور سب انبیاء کے بعد تشریف لانے والے تھے اور علی سبیل الفرض کی مثالیں قرآن کریم میں بہت ہیں مثلاً پ ۲۴ رکوع ۵ میں ہے لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ یعنی اگر تو نے اللہ کا شریک ٹھہرایا

تو ضرور تیرا سب عمل برباد ہو جائے گا۔ حالانکہ کوئی نبی خدائے تعالیٰ کا شریک کسی کو ہرگز نہیں ٹھہرا سکتا اور ملائکہ کے بارے میں فرمایا وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْٓ اِلٰـهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ (پ ۱۷ ع ۲) یعنی جو ان میں سے کہے کہ اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے۔ حالانکہ ان کے بارے میں خدائے تعالیٰ نے خود فرمایا وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (پ ۱۷ ع ۲) یعنی ملائکہ اس کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ پ ۲۵ ع ۱۳ میں فرمایا قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ یعنی تم فرماؤ اگر رحمن کے لئے لڑکا ہوتا تو سب سے پہلے میں پوجتا۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ کی ذات باپ ہونے سے پاک ہے جیسا کہ سورہ اخلاص میں فرمایا لَمْ يَلِدْ۔ لہذا جس طرح یہ سب علیٰ سبیل الفرض ہیں ایسے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سب انبیائے کرام کے ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد بھی علیٰ سبیل الفرض ہے (تفسیر کبیر) اور بعض کا قول یہ ہے کہ سب انبیائے کرام سے ایک دوسرے کے بارے میں عہد لیا گیا۔ اس صورت میں ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ الخ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر نبی سے اس بات کا عہد لیا گیا کہ اگر تم کسی نبی کا زمانہ پاؤ تو ان کی تصدیق کرو اور ان کی مدد کرو۔ اور اگر کوئی نبی تمہارے زمانہ میں نہ ہو تو اپنی امت کو آنے والے نبی پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کی تاکید کر دو۔ یہ قول حضرت سعید بن جبیر، حسن اور طاؤس کا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تفسیر کبیر، تفسیر خازن، تفسیر معالم التنزیل اور تفسیر صاوی میں اسی قول کو مقدم کیا۔ اور تفسیر روح البیان میں صرف اسی قول کو بیان کیا۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ آیت میثاق میں نبی سے مراد امت ہے جیسا کہ آیت کریمہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ میں نبی سے مراد امت ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ امتوں سے عہد لیا گیا کہ آنے والے رسول پر تم ضرور ایمان لانا (تفسیر کبیر) اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ آیت کریمہ میں مضاف کا حذف ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی اولاد بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ جب تمہارے پاس تمہاری کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول آئے تم اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا (تفسیر کبیر، تفسیر مدارک) اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ انبیائے کرام اور ان کی امت سب سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا گیا مگر ذکر صرف انبیائے کرام کا اس لئے ہوا کہ انبیاء کا عہد ان کی امت کا عہد ہے کہ متبوع کا عہد تابع کا عہد ہوتا ہے (تفسیر خازن، تفسیر معالم التنزیل) اور بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی امتوں سے عہد لیتے تھے کہ جب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوں تو ان کے اوپر ضرور ایمان لانا اور ان کی ضرور مدد کرنا۔ تفسیر کبیر اور تفسیر خازن میں ہے کہ یہ قول اکثر مفسرین کا ہے مگر قول اول قوی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دنیا میں کوئی نبی و رسول نہیں آیا مگر خدائے تعالیٰ نے ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد لیا اور پیغمبر نے اپنی قوم سے عہد لیا کہ اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو ان پر ضرور ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا (تفسیر خازن) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ محمد یوسف بنارسی ۹۳/۱۲ بیچ باغ کانپور

(۱) زید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا وجود عقلاً ممکن ہے لیکن چونکہ شریعت مطہرہ نے حضور کا خاتم النبیین ہونا بتا دیا لہٰذا اب حضور کے بعد کسی نبی کا ہونا شرعاً محال ہے برائے کرم شریعت کی روشنی میں بیان کیجئے کہ زید کا قول کہاں تک صحیح ہے اور اگر غلط ہے تو زید کا ازروئے شرع کیا حکم ہے؟ جواب مدلل ومفصل مع حوالہ عبارات کتب معتبرہ عنایت فرمائیں۔

(۲) زید کہتا ہے کہ محال تحت قدرت باری تعالیٰ ہوتا ہے کیونکہ وہ ممکن بالذات اور محال بالغیر ہوتا ہے دلیل میں کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو جن کا کفر قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور وہ قطعی کافر ہیں جنت میں داخل کرنے پر قادر ہے لیکن وہ ایسا کرے گا نہیں کیونکہ ایسا نہ کرنے کی قرآن نے خبر دی ہے لیکن تحت قدرت داخل ہے۔ اور بکر اس کے خلاف کا قائل ہے۔ ازروئے شرع کس کا قول صحیح اور قابل عمل ہے اور کس کا قول غلط اور باطل ہے اور اس کا شرعاً کیا حکم ہے۔ جواب مدلل ومفصل مع حوالہ عبارات کتب معتبرہ مرحمت فرمائیں۔

(۳) زید عالم دین ہے اور مفتی بھی ازیں قبل ان علمائے دیوبند کو جن کو حسام الحرمین میں ان کی کفری عقائد کی بناپر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متحقق وثابت کرتے ہوئے ان پر فتوی کفر دیا ہے جس کے صحیح ہونے پر جمیع علمائے اہلسنت کا اتفاق ہے خود بھی کافر کہا کرتا تھا مگر اب یہ کہتا ہے کہ جب سے میں نے بسط البنان دیکھی ہے برنائے احتیاط کافر کہنے میں تامل کرتا ہوں دریں صورت زید کے لئے ازروئے شرع کیا حکم ہے براہ کرم سوالات مذکورہ بالا کا جواب مدلل ومفصل عنایت فرماکر مشکور فرمائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب ـــــ (۱) بیشک سرکار اقدس آخر الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا شرعاً محال اور عقلاً ممکن بالذات ہے۔ اما الاول فلورود النص ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین واما الثانی فلان خلق نبی بعد نبینا علیہ التحیۃ والثناء من المقدورات الالھیۃ وکل مقدور الٰہی ممکن۔ لیکن سرکار اقدس خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا خاتم الانبیاء پیدا ہونا محال بالذات ہے۔ لان ختم النبوۃ وصف لایقبل الاشتراک عقلا ولایکون موصوفہ الا واحد اوھو نبینا رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے وصف ختم نبوت میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نظیر ومثل محال بالذات ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین یعنی محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے صلی اللہ تعالیٰ

علی نبینا وسلم۔ اس آیت کریمہ کے نزول سے قبل سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا دو طرح ممکن تھا ایک بطور امکان وقوعی۔ دوسرے بطور امکان ذاتی۔ ورود آیت کریمہ نے صرف امکان وقوعی ختم کیا امکان ذاتی ختم نہیں کیا۔ صورت مسئولہ میں چونکہ زید نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے وجود کو محال شرعی مانتے ہوئے اس کے وجود کو ممکن کہا ہے اس لئے اس کا قول صحیح ہے کیونکہ وہ صرف امکان ذاتی کا قائل ہے امکان وقوعی کا قائل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جمہور اہل سنت کے نزدیک جنت میں کفار کا داخلہ شرعاً محال اور عقلاً ممکن بالذات ہے اور صاحب عمدہ امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی علیہ الرحمہ وغیرہ بعض علماء کے نزدیک عقلاً بھی محال ہے شرح مقاصد الطالبین فی علم اصول الدین میں ہے اتفقت الائمۃ ان اللہ تعالیٰ لایعفو عن الکفر قطعا وان جاز عقلا ومنع بعضھم الجواز العقلی ایضا لامخالف لحکمۃ التفرقۃ بین من احسن غایۃ الاحسان واساء غایۃ الاساءۃ وضعفہ ظاھر (سبحن السبوح مطبوعہ لاہور ص۸۲) امام ابن الہمام علیہ الرحمہ مسایرہ میں فرماتے ہیں صاحب العمدۃ اختاران العفو عن الکفر لایجوز عقلا (سبحن السبوح ص۹۷) مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ جمیع اہل سنت اس امر پر متفق ہیں کہ جنت میں کفار کا داخلہ ممتنع شرعی ہے۔ ہاں اختلاف جواز عقلی اور عدم جواز عقلی میں ہے جمہور اہل سنت جواز عقلی کے قائل ہیں اور امام ابوالبرکات نسفی وغیرہ بعض علماء امتناع عقلی کے قائل ہیں۔ صورت مسئولہ میں زید کا قول قوی مطابق جمہور ہے اور بکر کا قول ضعیف موافق مسلک صاحب عمدہ وغیرہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرفعلی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان کی عبارات کفریہ التزامیہ متعینہ کی صفائی میں بسط البنان لکھی جس نے تھانوی صاحب کے کفر پر رجسٹری کر دی معلوم ہوتا ہے کہ زید جو عالم اور مفتی بھی ہے اس نے بسط البنان کے مغالطہ وفریب کا پردہ چاک کرنے والے رسالہ وقعات السنان مصنفہ حضرت مولانا شاہ مصطفےٰ رضا شاہزادہ سرکار اعلیٰ حضرت نہیں دیکھا۔ اس مبارک رسالہ میں شاہزادۂ اعلیٰحضرت نے بسط البنان کا ایسا علمی رد تحریر فرمایا جس کا جواب نہ تو خود تھانوی صاحب دے سکے نہ آج تک ان کا کوئی حامی مولوی دے سکا۔ تعجب ہے کہ زید خود عالم دین اور مفتی بھی ہے اور اس کے سامنے حفظ الایمان ص۸ کی وہ عبارت ہے جو اپنے کفری معنی میں متعین ہے اور جس میں تھانوی صاحب نے صاحب وعلمک مالم تکن تعلم سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صریح گالی دی ہے اور سرکار کی شان میں کھلی توہین کی ہے

تو پھر بسط البنان دیکھنے کے بعد زید کے نزدیک حفظ الایمان کی گالی اور توہین کیونکر مدح و تعظیم بن گئی الحاصل چونکہ تھانوی کی حفظ الایمان والی کفری عبارت معنی میں متعین ہے اور صریح متعین کفری قول کے قائل کے بارے میں ائمہ فتویٰ کا ارشاد ہے کہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر اس لئے زید تکفیر تھانوی سے امتناع کے باعث بحکم شریعت اسلامیہ خود کافر ہو گیا اس پر توبہ تجدید ایمان فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ شعبان ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از سید محمد اختر چشتی آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف۔ ضلع اٹاوہ (یوپی)

کیا یہ عقیدہ حق ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے زمین کا جو حصہ لگا ہوا ہے وہ کعبہ شریف سے افضل ہے۔

الجواب: سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم انور سے زمین کا جو حصہ لگا ہوا ہے وہ کعبہ شریف سے بلکہ عرش و کرسی سے بھی افضل ہے۔ بیشک یہ عقیدہ حق ہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ تربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جسم انور سے متصل ہے کعبہ شریف بلکہ عرش سے بھی افضل ہے (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۶۸۶) اور در مختار مع شامی جلد دوم ص ۲۵۷ میں ہے۔ ما ضم اعضاءہ علیہ الصلاۃ والسلام فانہ افضل مطلقا حتی من الکعبۃ والعرش والکرسی اھ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از قطب الدین قادری زیتون پورہ مومن پورہ بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

(۱) زید خود کو عالم دین کہتا ہے اور ایک مسجد کا خطیب و امام بھی ہے۔ اس نے کہا کہ انبیائے کرام سے گناہ کبیرہ کا صدور ہوا ہے اور یہ بات اسلامی معتقدات کے عین مطابق ہے۔

(۲) تاریخ اسلام کی روایات میں ایک بات یہ طے ہے کہ کفار مکہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو اذیتیں دیں ان میں آپ پر کوڑا کرکٹ ڈالنا حالت نماز میں اوجھڑی ڈالنا بھی ثابت ہے مگر زید کہتا ہے کہ یہ سلوک عام مومنین کے ساتھ ہوا ہے۔

(۳) زید کہتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر سرفراز ہوئے۔

دریافت یہ ہے کہ ماقبل نبوت زندگی کیا نبوی زندگی نہ تھی، جبکہ اس سلسلے میں ایک حدیث بھی ہے کہ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام آب وگل کی منزلیں طے کر رہے تھے ــــــ براہ کرم ان سوالوں کے جواب قرآن وحدیث وسلف صالحین کے معتقدات کی روشنی میں دیں اور زید کی حیثیت وحکم شرعیہ سے آگاہ فرمائیں۔ اور بیشک اللہ ہی بہترین اجر دینے والا ہے حق واضح کرنے والوں کو۔

الجواب: انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے گناہ کبیرہ کا صدور ہرگز نہیں ہوا کہ وہ سب معصوم ہیں ان سے گناہ کبیرہ کے صدور کو اسلامی معتقدات کے عین مطابق بتانا شریعت مطہرہ پر افترا اور جھوٹ ہے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت ملا علی قاری علیہما الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں الانبیاء علیہم السلام کلہم منزھون ای معصومون عن الصغائر والکبائر یعنی جملہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام صغیرہ اور کبیرہ سب گناہوں سے منزہ اور معصوم ہیں۔ (شرح فقہ اکبر ص۵۶) اور حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ الانبیاء معصومون یعنی انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام معصوم ہیں (شرح عقائد نسفی) اور علامہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور عصمت انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لئے حفظ الٰہی کا وعدہ ہولیا جس کے سبب ان سے صدور گناہ محال ہے۔ انبیاء علیہم السلام شرک وکفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لئے باعث نفرت ہو جیسے کذب وخیانت اور جہل وغیرہ صفات ذمیمہ سے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروت کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقاً معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمد صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔ انتہی ملخصاً (بہار شریعت حصہ اول ص۱۲) اور اسی حصے ص۲۲،۲۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔ "انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں ان کا ذکر تلاوت قرآن اور روایت حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے۔ انتہی بحروفہ۔ لہٰذا زید پر علانیہ توبہ واستغفار کرنا لازم ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کو امامت سے معزول کر دیں اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) کفار مکہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو اذیتیں پہونچائیں ہیں ان میں بحالت نماز جسم اقدس پر اوجھڑی ڈالنا حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ بخاری شریف جلد اول ص۵۴۲ میں ہے۔ عن عبد اللہ قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساجد وحولہ ناس من قریش من المشرکین اذ جاء عقبۃ بن ابی معیط بسلا جزور فقذفہ علی ظہر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلم یرفع راسہ حتی

جاءت فاطمة فاخذت من ظهره ودعت على من صنع ذالك یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حالت سجدہ میں تھے اور مشرکین قریش ان کے قریب میں
تھے کہ عقبہ بن ابو معیط نے اوجھڑی لاکر حضور کی پیٹھ پر ڈال دی۔ تو حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں انہوں
نے اوجھڑی کو آپ کی پشت مبارک سے ہٹا دیا اور اس کو برا بھلا کہا۔ اور عام مومنین پر کوڑا کرکٹ ڈالنے کا
واقعہ کسی کتاب میں میری نگاہ سے نہیں گذرا۔ وھو اعلمہ و علمہ اتم۔

(۱۰) چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت پر سرفراز ہوئے اگر اس کا مطلب یہ ہے تو صحیح ہے کہ چالیس
سال کی عمر میں تبلیغ کا حکم ہوا تو حضور نے اعلان نبوت فرمایا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ چالیس سال کی عمر سے
پہلے وہ نبی نہیں تھے اور اس سے پہلے کی زندگی نبوی زندگی نہ تھی تو غلط ہے۔ حدیث شریف میں ہے عن
العرباض بن ساریة عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قال انی عبد اللہ مکتوب
خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔ " حاصل ایں معنی آنچہ مشہور ست بر زبانہا بلفظ کنت
نبیا و آدم بین الماء والطین و در روایتے کنت نبیا از کتابت یعنی نوشتہ شدم من پیغمبر و حال آں کہ آدم
میان آب و گل بود یعنی مخلوق نہ شدہ بود۔ ایں جا می گویند کہ از سبق نبوت آنحضرت چہ مراد ست اگر علم و تقدیر الٰہی
ست نبوت ہمہ انبیا را شامل ست و اگر بالفعل ست آں خود در دنیا خواہد بود۔ جوابش آنست کہ مراد اظہار نبوت
اوست صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیش از وجود عنصری وے در ملائکہ و ارواح چنانکہ وارد شدہ است کتاب اسم شریف
او بر عرش و آسمانہا و قصور بہشت و غرفہائے آں و در سینہ ہائے حور العین و برگہائے درختان جنت و درخت
طوبی و بر ابروہا و چشمہائے فرشتگاں۔ و بعضے عرفا گفتہ اند روح شریف وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی بود در
عالم ارواح کہ تربیت ارواح می کرد۔ یعنی اس حدیث شریف کے معنی کا حاصل وہ ہے جو کنت نبیا و آدم بین
الماء والطین کے لفظ سے لوگوں کے زبانوں پر مشہور ہے اور ایک روایت میں کنت نبیا ہے۔ یعنی میں
اس وقت نبی لکھا گیا جب حضرت آدم علیہ السلام آب و گل کے درمیان تھے۔ یعنی پیدا نہیں کئے گئے تھے۔
اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور کے پہلے نبی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اگر یہ مطلب ہے کہ ان کا نبی
ہونا مقدر ہو چکا تھا اور وہ علم الٰہی میں پہلے ہی سے نبی تھے تو ایسی نبوت تو تمام انبیائے کرام کو شامل ہے کہ
ہر ایک کا نبی ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ اور سب علم الٰہی میں پہلے ہی سے نبی تھے اور اگر بالفعل نبی ہونا مراد ہے۔

تو دنیا ہی میں ہوں گے۔ تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مطلب ملائکہ اور ارواح میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود عنصری سے پہلے ان کی نبوت کا ظاہر کرنا ہے جیسا کہ وارد ہے کہ عرش، ساتوں آسمان، جنت کے محلات اس کے دریچوں، حورالعین کے سینوں، جنت کے درخت اور درخت طوبیٰ کے پتوں اور فرشتوں کی آنکھوں اور ان کے ابروؤں پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم شریف لکھا ہوا تھا۔ اور بعض بزرگان دین نے فرمایا کہ حضور کی روح شریف عالم ارواح میں نبی تھی جو ارواح کی تربیت کرتی تھی (اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص۲۴۲) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ قالوا یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ (ای ثبت۔ مرقاۃ) قال وآدم بین الروح والجسد۔ یعنی صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے لئے نبوت کب ثابت ہوئی تو حضور نے فرمایا آدم علیہ السلام جب روح اور جسم کے درمیان تھے (مشکوٰۃ) ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے سے پہلے ہی نبی تھے۔ اور ان کے نبی ہونے کو خدائے تعالیٰ نے عرش اعظم وغیرہ پر ان کا نام لکھ کر پہلے ہی ظاہر فرما دیا تھا ——— یہ تینوں سوال اگر ایک ہی شخص کے بارے میں ہیں تو وہ جاہل نہیں تو گمراہ ہے اور گمراہ نہیں تو جاہل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۷ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد بشیر قادری چشتی یار علوی ڈاکخانہ ہواصلع گونڈہ

زید نے عوام لوگوں میں یہ پھیلایا۔ خدا اور رسول چاہے گا تو یہ کام ہو جائے گا یا کر دونگا یا مقدمہ میرا فتح ہو جائے گا تو ایسا نہیں کہنا چاہئے۔ خدا چاہے گا تو ہو جائے ایسا کہنا چاہئے خدا میں رسول کو نہیں شریک کرنا چاہئے کیونکہ دلیل قرآن میں ثابت ہے کہ وحدانیت میں رسول کو شریک نہیں کرنا چاہئے اور لوگ رسول کی تعریف اتنا کر دیتے ہیں کہ خدا سے بھی رسول کا مرتبہ بڑھا دیتے ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ للہ ما فی السموات وما فی الارض خدا نے زمین آسمان میں جتنا چیز ہے سب خدا نے پیدا کیا ہے اور جو کرنا ہوتا ہے وہ خدا ہی کرتا ہے اور کسی نبی ولی کو اختیار نہیں کہ جو چاہیں نبی ولی کر ڈالیں سب خدا ہی کرتا ہے اور کرے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول سے سوال کیا کہ یہ بتا دو تو آپ نے کہا کہ کل بتا دونگا۔ اس پر سولہ دن تک وحی نہیں لایا۔ سولہ دن کے بعد آیات ولا تقولن لشئی انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ آیا اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا۔ اے رسول جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرو یا بتانے کا ارادہ کرو تو انشاء اللہ کہہ لیا کرو کہ خدا چاہے گا۔

تو بتا دونگا یا کروں گا۔ اگر رسول کو معلوم ہوتا تو فوراً بتا دیتے یہ نہ کہتے کہ کل بتا دوں گا۔ تیسری دلیل حدیث شریف ہے یہ ہے۔ صحابی نے رسول سے کہا کہ حضور اگر آپ حکم دو تو ہم لوگ یہ کریں تو آپ نے جواب دیا کہ مجھے اللہ کے شریک نہ کرو میں غیر اللہ ہوں۔ اللہ کی وحدانیت میں مجھے شریک نہ کرو۔ تو یہ ثابت ہوا خدا میں رسول کو شریک نہیں کرنا چاہیے اور لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ خدا اور رسول چاہے گا تو یہ کام کروں گا یا ہو جائے گا ایسا کہنا شرک ہوگا۔ اور اگر رسول کو شامل کرنا ہوتا تو انشاء الرسول بھی قرآن میں آتا اور انشاء اللہ ہی کے آیات میں آتا لیکن قرآن میں انشاء الرسول نہیں آیا۔

(۴) اور بکر میلاد شریف میں ختم صلاۃ وسلام کے بعد یہ شعر پڑھتا ہے۔ اے خدا کے لاڈلے پیارے رسول۔ لو سلام اب تو ہمارا ہو قبول۔ عمرو کا کہنا ہے کہ وحدانیت کے آڑ میں رسالت کی توہین ہے۔ بکر یہ کہتا ہے کہ توہین نہیں ہے بلکہ تعریف ہے تو قرآن شریف و حدیث شریف کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔ عین مہربانی ہوگی۔ نیز قرآن شریف اور حدیث شریف سے زید کے اوپر حکم کیا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب نمبر ایک۔ بیشک مشیت حقیقیہ ذاتیہ مستقلہ صرف اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کے لئے ہے اور مشیت عطائیہ تابعہ لمشیۃ اللہ تعالیٰ رب العزت جل جلالہ نے اپنے عباد (بندوں) کو عطا فرمائی ہے پھر چونکہ تمام بندگان الہی میں سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے افضل و اعلیٰ بلند و بالا رب العالمین جل جلالہ کے خلیفۂ اعظم و نائب اکبر ہیں اس لئے سرکار کی مشیت کو اللہ تعالیٰ نے پورے کائنات عالم میں دخل عظیم عطا فرمایا ہے۔ امام طبرانی معجم کبیر میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امر الشمس فتأخرت ساعۃ من نہار۔ یعنی سرکار مصطفےٰ رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آسمان پر چلتے سورج کو حکم دیا کہ کچھ دیر چلنے سے ٹھہر جا وہ فوراً ٹھہر گیا۔ (معجم کبیر للطبرانی بحوالہ الامن والعلی ص۹۹) دیکھو دنیا کے کل جاہ وجلال والے بادشاہ اور حکمت و دانش والے تمام سائنس داں اپنا سارا زور لگا دیں مگر سورج کی رفتار ایک سکنڈ کے لئے بند نہیں ہو سکتی۔ لیکن قربان ہماؤ اللہ کے خلیفۂ اعظم پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کہ آپ نے اپنے رب جل جلالہ وعلا مجدہ کی عطا فرمودہ مشیت سے کروڑوں میل کی دوری پر چلتے سورج کو ٹھہرا دیا۔ فالحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین۔ بخاری شریف کے شارح مشہور محدث حضرت امام ربانی احمد بن محمد خطیب قسطلانی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

الا بابی من کان ملکا وسیدا ۔۔۔ وآدم بین الماء والطین واقف

اذا رام امرا لا یکون خلافہ ۔۔۔ ولیس لذلک الامر فی الکون صارف

یعنی خبردار میرے باپ قربان ان (پیارے مصطفےٰ) پر جو بادشاہ اور سردار ہیں اس وقت سے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی آب وگل۔ پانی اور مٹی کے اندر ٹھہرے ہوئے تھے وہ جس بات کا ارادہ کریں اس کے خلاف نہیں ہوتا تمام جہان میں کوئی ان کے حکم کا پھیرنے والا نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحوالہ الامن العلی صفحہ ۱۰۱ اللہ محمد رسول اللہ تو محمد رسول اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نائب اور خادم سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی نسبت امت مرحومہ کا جو اعتقاد ہے وہ حضرت شاہ محدث دہلوی کے صاحبزادے اور امام الوہابیہ کے چچا اور دادا پیر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے قلم سے۔ حضرت موصوف اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ کلکتہ صفحہ ۳۹۶ میں لکھتے ہیں۔ حضرت امیر وذریت طاہرہ را تمام امت بر مثال پیران ومرشدان می پرستند وامور تکوینیہ را بایشان وابستہ می دانند۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے شہزادگان کرامت کو سارے لوگ پیروں اور مرشدوں کی طرح بہت مانتے ہیں اور کاروبار عالم کو ان کے دامنوں سے وابستہ جانتے ہیں۔ اور سنیئے شہزادہ رسول سرکار غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدہ مبارکہ غوثیہ میں فرماتے ہیں۔ ولو القیت سری فوق میت لقام بقدرۃ المولیٰ تعالیٰ۔ یعنی اگر میں اپنا راز کسی مردہ پر ڈال دوں تو قدرت الٰہی سے وہ فوراً زندہ ہو جائے گا۔ بخاری، مسلم، نسائی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ائمہ حدیث نے یہ صحیح جلیل حدیث روایت کی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں۔ ما اری ربک الا یسارع فی ھواک یعنی یا رسول اللہ میں یہی دیکھتی ہوں کہ رب العزۃ جل جلالہ حضور کی چاہت پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے۔ سبحان اللہ کیسی پیاری چاہت ہے۔ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اور کیسی مبارک مشیئت ہے پیارے نبی کی کہ خود رب العٰلمین جل جلالہ کیسے جلد اسے قبول واجابت کا سہرا عطا فرماتا ہے۔ بس اسی مشیئت عطائیہ مبارکہ کے باعث مسلمان حضرات نام الٰہی جل جلالہ کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک ملا کریوں کہہ دیا کرتے ہیں کہ اللہ ورسول چاہیں تو یہ کام ہو جائے گا۔ شرع کے نزدیک ایسا کہنا ہرگز شرک نہیں۔ امام الوہابیہ ملا اسماعیل اور دیگر وہابیہ کی یہ سخت غلطی ہے کہ یہ لوگ اس کہنے کو شرک قرار دیتے ہیں۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے اعتقاد میں چونکہ اللہ رب العزۃ کی مشیئت ذاتی مستقل ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مشیئت عطائی تابع ہے اس لئے ہماری بولی میں

کوئی ایسا لفظ ضرور ہونا چاہئے جس سے سننے والے کو مشیت ذاتی مستقل اور مشیت عطائی تابع کے درمیان فرق واضح رہا کرے۔ لہٰذا مذکورہ بالا جملوں کو یوں استعمال کیا جائے۔ اگر اللہ پھر رسول چاہیں تو یہ کام ہو جائے گا جیسا کہ جانے عاملِ سنت بولتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ثم شاء رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صحابی نے خواب میں ایک کتابی (یہودی یا نصرانی) سے ملاقات کی اس کتابی نے کہا کہ تم لوگ کیا ہی اچھی قوم ہو اگر شرک نہ کرتے۔ تم لوگ کہا کرتے ہو ماشاء اللہ وشاء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو چاہے اللہ پھر جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا خواب سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ سرکار نے فرمایا سنتے ہو خدا کی قسم واقعی تمہاری اس بات پر مجھے خیال گذرتا تھا کہ کفار مخالفین مسلمانوں پر شرک کا الزام اٹھائیں گے چنانچہ خواب میں ایک کتابی نے شرک کا اتہام جڑ ہی دیا۔ اچھا اب یوں کہا کرو۔ ماشاء اللہ ثم شاء محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ حدیث ابن ابی شیبہ وطبرانی وبیہقی وغیرہ نے بھی روایت کی ہے۔ بحوالہ الامن والعلیٰ ۱۴۴

اس حدیث کریم سے صاف واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ جملہ کہ اللہ و رسول چاہیں تو فلاں کام ہو جائے گا خوب رواں دواں تھا لیکن چونکہ یہودی کافر صحابہ کرام پر شرک کی تہمت لگاتے تھے اس لئے سرکار نے اس کے بجائے یوں بولنا سکھایا کہ اللہ پھر رسول چاہیں تو فلاں کام ہو جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ دونوں جملے جائز اور شرک سے پاک ہیں۔ لیکن چونکہ صحابہ کے زمانہ میں یہودی اور ہمارے زمانہ میں وہابی پہلا جملہ بولنے پر طعنہ دیتے تھے اور دیتے ہیں اس لئے ہمیں سرکار کے سکھانے کے مطابق ہمیشہ دوسرا جملہ یعنی اللہ پھر رسول چاہیں تو یہ کام ہو جائے گا بولنا چاہئے کہ دوسرا جملہ طریقہ ادب سے زیادہ میل کھاتا ہے۔ یہ خوب واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقدس نام کے ساتھ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام ملا کر بولنا ہرگز ہرگز شرک نہیں۔ دیکھو قرآن شریف میں رب العزت جل جلالہ فرماتا ہے۔ وما نقموا الا ان اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ۔ اور ان کو کیا برا لگا یہی نہ کہ ان کو دولت مند کر دیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابن جمیل نے زکوٰۃ دینے میں کمی کی تو سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وما ینقم ابن جمیل الا انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ ورسولہ۔ یعنی ابن جمیل کو کیا برا لگ رہا ہے یہی نہ کہ وہ پہلے مفلس محتاج کنگال تھا پھر اللہ و رسول نے اسے مالدار بنا دیا۔ دیکھو قرآن وحدیث میں دولت مند بنانے کی نسبت ایک ساتھ اللہ و رسول کی طرف کی گئی ہے۔ اگرچہ وہابیوں کے جھوٹے مذہب میں ایسی نسبت جائز نہیں بلکہ شرک ہے مگر شریعت اسلامیہ میں

قطعی جائز اور حق ہے کیونکہ اغنا (محتاجوں کو مالدار بنا دینا) کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف مانی جائے گی اور اس سے مراد اغنا حقیقی ذاتی مستقل ہوگی۔ اور جب حضور کی طرف مانی جائے گی تو اس سے مراد اغناء عطائی تابع ہوگی۔ اب زید سے پوچھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ غنی بنا دینے میں رسول کو بھی ملایا تو شرک ہوا یا نہیں اور خدا کی وحدانیت کے خلاف ہوا یا نہیں۔ اگر کہے شرک ہو تو وہ کھلم کھلا کافر اور دیو کا بندہ ہو گیا اور اگر کہے کہ شرک نہیں تو اس سے کہو کہ اللہ و رسول چاہیں یہ بولنا کیونکر شرک ہے؟ یہ حقیقت پوست بر کندہ ہے کہ وہابیوں کے بڑے بڑے ملا شان الٰہی کے پہچان سے قطعی جاہل ہیں اور نرے بڑا خشش ہیں۔ ان کو ت، و، ح، ی، د کے صرف پانچ حروف رٹا دیے گئے ہیں۔ باقی اس کے معنی اور مفہوم کی انھیں بالکل خبر نہیں ان کو یہ پتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس غیر متناہی ہے اس کی صفات کی گنتی غیر متناہی ہے اس کی ہر یہاں تک کہ گھاس کے صرف ایک تنکے کے بارے میں اس کا جو علم ہے وہ بھی غیر متناہی ہے اس کی قدرت غیر متناہی ملاؤں کو رب العلمین جل جلالہ کی پہچان نصیب نہیں۔ اس لئے سنی مسلمان علما بیان کرتے ہیں کہ اللہ پاک کی تعلیم کی بدولت سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام ماکان وما یکون (جو کچھ ہوا اور قیامت تک جو کچھ ہوتا رہے گا) کا علم حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساری کائنات کا غیب جاننے پر قابو دیا ہے کہ پیارے نبی جب چاہیں زمین آسمان عرش کرسی، لوح و قلم کا غیب دریافت کرلیں تو بس وہابی ملا فوراً شور مچاتے ہیں کہ دیکھو لوگو رسول کو خدا کے برابر کر دیا۔ اور جب سنی علما سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ تمام ماکان وما یکون کا علم پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم عظیم کا ایک قطرہ ہے تو اتنا سنتے ہی وہابی ملا کو غشی آجاتی ہے اور بدحواسی کے عالم میں وہ چلا اٹھتے ہیں کہ اے لوگو سنیوں نے تو رسول کا مرتبہ خدا سے بھی بڑھا دیا۔ معاذ اللہ رب العلمین بات یہ ہے کہ وہابی حضرات جس خدا کی جھوٹی توحید کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ وہ ان کے نزدیک گھٹیا درجہ کا ہے تو جب سنی حضرات اپنے سچے خدا کے سچے رسول کا مرتبہ بے پایاں بیان کرتے ہیں تو وہابیوں کو اپنا وہمی خدا گھٹیا اور چھوٹا نظر آنے لگتا ہے۔ اسی لئے وہ شور مچاتے اور بطور اعتراض کہتے ہیں کہ رسول کا مرتبہ خدا سے بڑھا دیا۔ او ظالم وہابیو! خدائے تعالیٰ کا علم غیر متناہی اور رسول پاک کا علم متناہی ہے اور خدا سے رسول کا مرتبہ کیسے بڑھ سکتا ہے او توحید کے جھوٹے بجاریو! تم ایسے کو کیوں خدا مانتے ہو جو مسلمانوں کے سچے رسول کے مرتبے سامنے گھٹیا درجہ رکھتا ہے۔ تم اس ذات واجب الوجود کو خدا مانو جو سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خالق و مالک ہے جس نے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سارے جہان کے لئے رحمت بنایا اور سارے جہان والوں کو سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محتاج اور نیازمند

قرار دیا جس نے پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا علم عظیم عطا فرمایا کہ جس کی وسعت کے سامنے ساری کائنات جمیع ماکان وما یکون کا علم ایک قطرہ ہے۔ جو وحدہ لاشریک لہ ہے جس کی کسی شان کسی صفت میں کوئی شریک نہیں۔ جس کا علم غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہے جس کا صرف وہ علم جو ایک ذرہ کے بارے میں ہے وہ بھی غیر متناہی ہے اور بھاری ہے۔ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس علم عظیم پر جو کروڑوں سمندروں کی وسعت سے لاکھوں درجہ بڑا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی شخص اس کی گہرائی اور پھیلاؤ کو ناپ نہیں سکتا۔ اگر مسلمان بن کر دنیا سے جانا چاہتے ہو تو وہابیت سے توبہ کرکے خدائے تعالیٰ پر اس طرح ایمان لاؤ جس طرح سنی مسلمان اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیا اب بھی سنیوں پر رسول پاک کو خدائے تعالیٰ سے بڑھا دینے کا اتہام رکھوگے؟ ہیہات ہیہات مولیٰ تعالیٰ تمہیں توبہ کی دولت عطا فرمائے۔

جواب نمبر دوم:۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وللہ ما فی السموات وما فی الارض۔ یعنی آسمان وزمین کی ساری چیزوں کا (اکیلا مستقل) مالک اللہ ہی ہے۔ دوسری جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء۔ یعنی (اے پیارے مصطفےٰ بارگاہ الٰہی میں) عرض کرو اے اللہ ملک کے (مستقل) مالک تو جسے چاہتا ہے ملک عطا فرماتا ہے۔ قرآن شریف میں تیسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا۔ یعنی تیرے رب کی عطا پر کوئی روک نہیں۔ چوتھی جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ۔ یعنی اور لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جن پر چاہے قابو اور قبضہ دیتا ہے۔ پانچویں جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔ یعنی کہا اس شخص (آصف بن برخیا) نے جس کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا کہ (اے حضرت سلیمان علیہ السلام) میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے تخت (بلقیس، کو یمن سے یہاں) آپ کی خدمت میں لاؤں گا پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت اپنے پاس حاضر پایا تو فرمایا کہ یہ میرے رب کا کرم ہے۔

حضور پر نور سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيْ جِبَالُ الذَّهَبِ۔ (مشکوٰۃ شریف) یعنی اگر میں چاہوں تو میرے اردگرد سونے کے کئی پہاڑ چلیں۔ سرکار غوث اعظم جیلانی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدہ غوثیہ شریف میں فرماتے ہیں۔

وولانی علی الاقطاب جمعا   فحکمی نافذ فی کل حال

فلو القیت سری فی بحار ۔۔۔ لصار الکل غورا فی الزوال

فلو القیت سری فوق میت ۔۔۔ لقام بقدرۃ المولیٰ تعالیٰ

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام قطبوں پر حاکم اور ان کا والی بنایا ہے اس لئے میرا حکم ہر حال میں جاری اور نافذ ہے۔ پھر میں اگر اپنا راز سمندروں میں ڈال دوں تو ضرور سب کے سب خشک ہو کر ختم ہو جائیں گے اور اگر میں اپنا راز کسی مردہ پر ڈال دوں تو ضرور وہ قدرت الٰہی جل جلالہ سے زندہ ہو جائے گا۔

اب مذکورہ بالا آیات مقدسہ اور اقوال مبارکہ کے نتائج سنئے۔ پہلی آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر چیز کا تنہا مستقل مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ مالکیت ذاتی استقلالی ہے اس کا غیر خدا کے لئے ہونا محال ہے اور جو غیر کے لئے مانے وہ مشرک اور کافر ہے۔ دوسری آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور مالک بناتا ہے پھر بندوں کی یہ ملکیت تابع اور عطائی ہے۔ تیسری آیت کریمہ سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو چاہے پوری زمین عطا فرما کر اس کا مالک بنا دے یا سارے آسمان کی حکومت دیدے یا جس بندہ کو چاہے زمین و آسمان کی سلطنت عطا فرما کر اس کو دونوں جہان کا مالک بنا دے کیونکہ اس کی عطا کے لئے نہ کوئی حد ہے کہ اس کے بعد عطا نہیں فرما سکتا اور نہ عطا فرمانے میں اس کے لئے کچھ مجبوری ہے کیونکہ اس کی شان ہے۔ ان اللہ علی کل شئی قدیر (یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے) چوتھی آیت کریمہ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو اختیار و اقتدار عطا فرمایا ہے۔ پانچویں آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسا اقتدار عظیم عطا فرمایا تھا کہ انھوں نے ایک سکنڈ سے بھی کم مدت میں حضرت بلقیس کا شاہی بھاری بھرکم تخت یمن سے لا کر ملک شام میں حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے دربار میں موجود کر دیا۔ اور خود دربار سے ایک منٹ کے لئے بھی غائب نہیں ہوئے۔ مشکوۃ شریف سے نقل کردہ حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اقتدار و اختیار عطا فرمایا ہے کہ سرکار زمین کی تہ سے سونے کے بہت سے پہاڑ نکال کر ان کو اپنے ساتھ ساتھ چلائیں۔

قصیدہ غوثیہ کے اشعار مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرکار غوث اعظم محبوب سبحانی سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام جہاں کے اقطاب کا والی بنایا ہے کہ سرکار غوث اعظم جس کو چاہیں قطبیت کی کرسی پر بٹھائیں۔ اور جس کو چاہیں قطبیت کے تخت سے اتار کر نیچے کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے سرکار غوث اعظم کو متصرف بنایا ہے کہ سرکار جو کچھ چاہیں زمین و آسمان میں تصرف کریں اور جس مردے کو چاہیں باذن الٰہی زندہ

کردیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور اولیاء کو بہت کچھ اختیار عطا فرمایا ہے۔ ان حضرات نے باذن الٰہی جو چاہا کیا اور آئندہ جو چاہیں گے کریں گے۔ کوس کی کائیں کائیں اور کاؤں کاؤں سے ان حضرات کا اختیار سلب نہیں قرار پاسکتا۔ وہابیوں میں نہ کوئی ولی ہوا اور نہ ہوسکتا ہے لیکن پھر بھی اندھی عقیدت کے باعث عام دیوبندی وہابیوں نے اپنے گرو ملا رشید احمد کو بہت بڑا ولی تسلیم کیا ہے۔ اب سنو وہابی حضرات ملا گنگوہی جی کے بارے میں کیا بکتے ہیں۔ ہندوستانی وہابیوں کے شیخ الہنود محمود الحسن دیوبندی صاحب گنگوہی جی کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

۱۔ مردوں کو زندہ کیا اور زندوں کو مرنے دیا — اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

۲۔ نہ رکا پر نہ رکا پر نہ رکا — اس کا جو حکم تھا تھا سیف قضائے مبرم

پہلے شعر میں حضرت سیدنا عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں بدتمیزی کرنے کے ساتھ ساتھ یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ گنگوہی ملا نے بہت سے مردے زندہ کئے لیکن مردہ کو زندہ کرنا یہ ایک ایسا تصرف ہے جو وہابی دھرم میں غیر خدا کو حاصل نہیں لہٰذا وہابی جواب دیں کہ خدا کا تصرف گنگوہی کے لئے ماننا شرک ہے یا نہیں؟ اور گنگوہی کا اس طرح تعریف کرنے والا مشرک ہوگیا یا نہیں؟ اور سنو خدائے تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کو قضائے مبرم کہتے ہیں اور دوسرے شعر میں گنگوہی کے حکم کو قضائے مبرم کہا گیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ وہابی لوگ اپنے گرو ملا گنگوہی کو یا تو خدا مانتے ہیں یا خدا کا شریک سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ اب خود گنگوہی جی کا حال سنو دیوبندیوں کے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اپنی تصنیف تذکرۃ الرشید حصہ اول ص میں گنگوہی جی کا انگریزوں کے بارے میں جو اعتقاد تھا اس کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں (گنگوہی) جب حقیقت میں (انگریزی) سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام (بغاوت) سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر (میں گنگوہی جان سے) مارا بھی گیا تو سرکار (انگیز) مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ او بدنصیب وہابیو عبرت پکڑو اور آنکھیں کھولو دیکھو جھوٹی توحید کا علم بردار اعظم جب انگیز گورنمنٹ سے بغاوت کے الزام میں گرفتار ہوا تو اس کو یہ سبق یاد نہیں رہ گیا کہ خدائے تعالیٰ ہی مالک و مختار ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیدُ ہے وہی جو چاہے کرے بلکہ وہ انگریزوں کو سرکار مالک و مختار مان رہا ہے اور اپنی جان کا مالک انگریزوں کو قرار دے رہا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کا عقیدہ ہے کہ انگریز جو چاہیں کریں یعنی گنگوہی کو مار ڈالیں یا زندہ رکھیں۔ وہ مالک و مختار ہیں ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ سب وہابی مل کر جواب دیں کہ انگریزوں کو اپنی جان کا مالک و مختار ماننا یہ عقیدہ شرک ہے یا نہیں؟ اور گنگوہی مشرک ہوا یا نہیں؟ لاؤ تم لوگ ایسی کوڑی جس سے گنگوہی کا گلا کفر و شرک

کے شکنجے سے باہر آجائے۔

جواب نمبر سوم :- اللہ تعالیٰ پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے۔ وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ یعنی اے پیارے مصطفےٰ تمہیں جو باتیں معلوم نہ تھیں اللہ نے ان سب کا علم تمہیں عطا فرمایا اور تم پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔ ترمذی شریف میں سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ فتجلی لی کل شیئ وعرفت یعنی (اللہ تعالیٰ کے اپنے دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھنے کے بعد) میرے لئے (کائنات کی) ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے ہر چیز الگ الگ پہچان لی۔ مسلم شریف جلد ثانی میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فاخبرنا بما کان وما ھو کائن الی یوم القیامۃ فاعلمنا احفظنا۔ یعنی سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم حاضرین مجلس کو ان تمام چیزوں سے جو ہوچکیں اور ان تمام باتوں سے جو قیامت تک ہوتی رہیں گی۔ سب سے آگاہ فرمادیا اب ہم لوگوں میں بہت بڑا عالم وہ ہے جس کو سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے واقعات بہت زیادہ یاد ہوں۔ اس حدیث شریف میں کھلے طور پر ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بتعلیم الٰہی جمیع ماکان ومایکون کے عالم ہیں۔ اور حضور نے صحابہ کو بھی ماکان ومایکون سے آگاہ فرمایا پھر ماکان ومایکون کی تکمیل تعلیم سے پہلے اگر حضور کے علم فلاں واقعہ نہ ہو تو اب تکمیل تعلیم کے بعد حضور کے علم کی نفی اور نفی ثابت کرنے کے لئے اس فلاں واقعہ کو پیش کرنا کھلی ہوئی شیطانیت اور دیوکی بندگی ہے پھر کسی چیز کو بتانے کے لئے تو خود اس چیز کا علم لازم ہے لیکن کسی چیز کو جاننے کے لئے تو خود بتانا ہرگز لازم نہیں کفار مکہ نے بارہا پوچھا کہ قیامت کب آئے گی مگر اللہ تعالیٰ نے نہیں بتایا تو کیا کوئی ملعون دیو کا بندہ یہ کہہ سکتا ہے کہ قیامت کا وقت خدائے تعالیٰ کو معلوم نہ تھا۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من ذلک۔ لیکن بھینس جیسا موٹا دماغ رکھنے والے وہابی یہی جملہ ہمیشہ دہراتے رہتے ہیں کہ رسول کو فلاں بات معلوم نہیں اگر معلوم ہوتی تو فوراً بتادیتے۔ اچھا وہابیو ہم فیصلہ کئے دیتے ہیں تم پتھر جیسے مجبور اور جاہل کو اپنا رسول مانو اور ہم تو اس کو رسول مانتے ہیں جو ساری کائنات میں سب سے زیادہ بااختیار ہے اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کے غیبوں کو شہادت بنا دیا ہے۔ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

فضل خدا سے غیب شہادت ہوا انہیں   اس پر شہادت آیت و وحی و اثر کی ہے

جواب نمبر چہارم :- قرآن مجید کا ارشاد ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول یعنی حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو

رسول کا۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ یعنی پیارے مصطفےٰ تمہارے رب کی قسم وہ لوگ ہرگز مومن قرار نہیں پائیں گے جب تک اپنے آپس کے نزاعی معاملات میں تمہیں حاکم نہ مان لیں۔ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ نے حکم دینے اور چلانے کے لئے بھیجا ہی ہے۔ پھر وہابی کیوں دن دوپہر تندہ کھیان نکل رہا ہے جو اس نے یہ بک دیا کہ معاذ اللہ صحابی سے شرک کرنے کی اجازت مانگی تو حضور نے جواب دیا کہ مجھے اللہ کا شریک نہ بنا ڈ۔ کیا وہابیوں کے نزدیک حضور سے حکم مانگنا بھی شرک ہے۔ او اندھے وہابی! کسی کام کے جائز ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کا جائز ہونا صراحۃً قرآن میں بھی بیان کیا گیا ہو۔ بیشک قرآن مجید میں اغناھم اللہ ورسولہ آیا ہے شرع کے نزدیک جو شان اغنار کی ہے وہی شان مشیت کی بھی ہے تو اگر اغنار الٰہی کے ساتھ اغنار رسول کا ذکر شامل کرنا شرک نہیں تو مشیت الٰہی کے ساتھ مشیت رسول کا ذکر ملانا بھی ہرگز ہرگز شرک نہیں۔ سچ ہے کہ قرآن مجید میں ان شاء الرسول کا کلمہ نہیں آیا لیکن حدیث شریف میں تو آیا ہے۔ ماشاء اللہ ثم ماشاء اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بفضلہ تعالیٰ سمجھا سکتے ہیں لیکن دیو کے بندوں کو ایمان کی واقعی بات سمجھنے کے لئے دل ہی نہیں ملا۔ اس لئے ہم ان کو کس طرح سمجھائیں بس خدائے تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمائے کہ وہابی قرآن اور حدیث کی بات سمجھ سکیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

جواب نمبر پنجم:۔ بکر کا کہنا ٹھیک ہے مذکورہ بالا شعر میں رسالت کی کوئی توہین نہیں عمرو سے اس کے بیان کی وضاحت طلب کی جائے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ بدر الدین احمد القادری الرضوی
۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

مسئلہ:۔ از محمد اللہ کپتان گنج ضلع بستی

بکر نے بازار سے سامان خریدا اور اس کو لے کر گھر آیا اور گھر پر خالد سے ملاقات ہوئی تو خالد نے بکر سے کہا کہ یہ سامان خراب اور عیب دار ہے تو بکر نے کہا عیب کس کے اندر نہیں ہے عیب تو اللہ جل مجدہ کے علاوہ سب کے اندر ہے تو اس پر خالد نے کہا کہ کیا عیب رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اندر بھی ہے۔ تو بکر نے کہا ہاں پیر خالد نے کہا کیا فرشتوں کے اندر بھی ہے؟ تو بکر نے کہا کہ ہاں۔ فرشتوں کے اندر بھی ہے! پھر بکر کے اس کہنے پر خالد نے کہا کہ توبہ کرو۔ تو بکر نے کہا کہ میں تو برابر توبہ کرتا رہتا ہوں ایسے توبہ کرنے سے کیا فائدہ۔ تو مذکورہ

صورت میں بکر اسلام سے خارج ہوا یا نہیں اور اس پر توبہ اور تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کا ذبیحہ کھانا کیسا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب۔ صورت مستفسرہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ملائکہ میں عیب مان کر کافر و مرتد ہو گیا لہٰذا بکر پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا نیز تجدید ایمان اور بیوی والا ہو تو پھر سے نکاح کرنا فرض ہے۔ اگر خدا نخواستہ وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کا ذبیحہ کھائیں اس لئے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور ایسے کا ذبیحہ کھانا حرام و ناجائز ہے اور خالد بھی توبہ کرے اس لئے کہ اسی کے غلط سوال نے بکر کو کفر تک پہونچایا ہے ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الجواب صحیح
بدر الدین احمد القادری الرضوی

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی
۳ ر ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از حافظ سید جاوید حسین نوری معرفت حافظ عبد الحفیظ قادری رضوی مکان ۹۱/۱۴۹ کانپور

زید و عمر میں اس بات پر گفتگو ہوئی کہ حضور مظہر خدا ہیں اللہ عالم الغیب ہے حضور بھی عالم الغیب۔ اللہ حی و قیوم ہے حضور بھی حی و قیوم ہیں و بعطائے الٰہی تو بکر نے کہا کہ بندے پر عالم الغیب کا یا حی و قیوم کا اطلاق جائز نہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم غیب یعنی غیب داں ضرور ہیں اسی طرح قیوم نہیں قیم ضرور ہیں وغیرہ وغیرہ ان مسائل کو واضح طور پر تحریر فرمائیں۔

الجواب: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عالم غیب یعنی غیب داں ضرور ہیں لیکن عالم الغیب کا اطلاق حضور پر جائز نہیں۔ ھکذا قال العلماء لاھل السنۃ والجماعۃ اور بیشک حضور علیہ الصلوٰۃ کی یعنی زندہ ہیں حدیث شریف میں ہے ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق (مشکوٰۃ) مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیوم کہنا جائز نہیں کہ یہ خدائے تعالیٰ کے اسمائے خاصہ سے ہے جیسے رحمٰن۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۳ ر ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از ڈاکٹر شبیر احمد انصاری محلہ کریم الدین پور گھوسی ضلع اعظم گڈھ

سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب توحید پرست تھے یا نہیں؟ اگر توحید پرست تھے تو خانہ کعبہ کی کلید ان کے ہاتھوں میں ہوتے ہوئے خانہ کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت کیسے رکھے ہوتے تھے؟ جبکہ ان کو پورا اختیار تھا چاہتے تو رکھتے یا نکال دیتے۔ اور ان کی توحید پرستی واقعہ ابرہہ سے ثابت ہے۔

الجواب: سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبد المطلب توحید پرست تھے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے رسالہ مبارکہ شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام میں واضح دلائل کے ساتھ افادہ فرمایا ہے لیکن انھوں نے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک نہیں کیا اس لئے کہ پورا عرب بتوں کی عبادت اور ان کی محبت میں غرق تھا یہاں تک کہ حضرت عبد المطلب کا خاندان بھی۔ تو اس صورت میں بتوں کی مخالفت کرنا اور خانہ کعبہ سے ان کو نکالنا پورے عرب سے اعلان جنگ کے مترادف ہوتا جو ان کی طاقت سے باہر تھا۔ ھذا ما ظھرلی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۵ جمادی الاخری سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از غلام مرتضیٰ میواتی متعلم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف

ایک وہابی عالم ہے اور بکر ایک سنی عالم ہے اور وہ دونوں ایک مجلس عام میں مجتمع ہیں اور ان کے درمیان بحث شروع ہوگئی حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کے گندم خوری کے معاملے میں تو دوران بحث زید نے کہا کہ آدم علیہ السلام کا گندم کھانا یہ ان کی لغزش ہے تو بکر نے جواب میں کہا کہ نہیں نہیں جناب والا حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش نہیں کہی جائے گی اس لئے کہ انبیائے کرام سے لغزش و غلطی ہونا محال ہے پھر زید نے اعتراض کیا کہ آخر اس کو کیا کہا جائے تو بکر نے کہا کہ خطائے ایزدی تو زید نے کہا مولانا بکر صاحب! سمجھ کر بول رہے ہیں تو بکر نے کہا کہ ہاں میں سمجھتا ہوں اس میں اضافت مقلوبی ہے لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ زید و بکر پر شریعت کے کیا احکام جاری ہوں گے۔ مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حضرت آدم علیہ السلام کے گندم کھانے کو خطائے ایزدی کہنا کفر ہے بکر پر توبہ، تجدید ایمان لازم ہے۔ بیوی والا ہو تو تجدید نکاح کرے اور مرید ہو تو تجدید بیعت کرے اور لفظ خطائے ایزدی میں اضافت مقلوبی نہیں ہے بلکہ ترکیب وصفی ہے یعنی خطائے موصوف اور ایزدی صفت

ہے جیسے کہ عصائے موسوی میں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ر ذی القعدہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: از محمد مصلح الدین قادری نیپالی مدرس دارالعلوم جبل پور (ایم۔ پی)

قرآن افضل ہے یا صاحب قرآن؟ مفضول اور مفضول علیہ میں سے ہر ایک کی شرعی وعقلی علت بیان فرمائیں۔

الجواب: قرآن افضل ہے اس لئے کہ وہ کلام الٰہی ہے مخلوق نہیں ہے بلکہ قدیم بالذات ہے شرح فقہ اکبر ص۳۰ میں ہے کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق بل قدیم بالذات اور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری مخلوقات میں سب سے افضل ہیں۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد مصطفیٰ ناگا پار ضلع بستی

زید کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام بشر ہیں۔ اس لئے کہ ان کے ابوین بشر تھے؟

الجواب: حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانی بشریت سے کسی مومن کو انکار نہیں لیکن بشریت کی آڑ لے کر یہ کہنا کہ وہ ہم جیسے بشر تھے گستاخی اور بے ادبی ہے۔ حضور کا فرمانا انا بشر مثلکم تواضع اور انکسار کے طور پر ہے۔ وہابیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے تواضع کے طور پر احقر الناس رشید احمد لکھا ہے۔ احقر الناس کے معنی ہیں لوگوں میں ذلیل و کمینہ تو کیا کوئی دیوبندی یا وہابی یہ کہہ سکتا ہے کہ مولانا رشید احمد احقر الناس اور کمینہ تھے۔ کوئی وہابی ہرگز نہیں کہہ سکتا بلکہ کہنے والے کو جواب دے گا کہ ہمارے پیشوا نے یہ کلام بطور انکسار استعمال کیا ہے۔ اس مثال کی روشنی میں ہم اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطور تواضع کے فرمایا ہے۔ انا بشر مثلکم۔ لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے پیغمبر کو اپنے جیسا بشر کہے۔ اللہ ورسولہ اعلم۔ کتبہ بدر الدین احمد رضوی

۹ جمادی الاخریٰ ۷۷ھ

مسئلہ: از رفاقت خاں مؤذن جامع مسجد شاہ آباد ہردوئی

نبی اکرم حضور سید عالم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا سایہ نہیں پڑتا تھا یہ روایت

صحیح ہے یا اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے اس کے بارے میں اہل سنت والجماعت نے کوئی کتاب تصنیف کی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب بعون الملک العزیز الغفار الوھاب۔ بیشک حضور پر نور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہیں پڑتا تھا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ لم یکن له ظل لا فی الشمس ولا فی القمر یعنی سورج اور چاند کی روشنی میں حضور کا سایہ نہیں پڑتا تھا لیکن بعض لوگوں کا اس مسئلہ میں غور و اختلاف ہے لیکن سایہ نہ ہونے کے دلائل قوی ہیں اس مسئلہ میں اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسالہ ھدی الحیران فی نفی الفئ عن سید الاکوان اور علامہ ارشد القادری دام فیوضہم الجاریہ نے جسم بے سایہ تحریر فرمایا ہے وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد مصطفیٰ بھٹکلی ضلع بستی

(۱) واذکر اخا عاد اذ انذر قومه بالاحقاف الخ پ ۲۶ رکوع ۲، سورۂ ہود والی عاد اخاھم ھودا۔ والی ثمود اخاھم صالحا۔ والی مدین اخاھم شعیبا۔ ان آیتوں میں لفظ اخ سے کیا مراد ہے نیز حدیث پاک میں پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد لفظ اخ سے امت میں سے کسی کو یا سب کو کہیں ملتا ہے وہ عبارت کیا ہے اور راوی کون ہے؟

(۲) اول ما خلق اللہ نوری۔ انا نبی و الادم بین الماء والطین۔ لولاک لما خلقت الافلاک یہ تینوں ٹکڑے کیسے ہیں اور روایت اور سند کے اعتبار سے راوی ان تینوں کے کون سے لوگ ہیں اگر روایت صحیح ہے تو کوئی ان میں حدیث قدسی بھی ہے۔ نیز پھر لفظ نور کا معنی کیا ہے جو ساتھ ہی مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ اللہ کا نور، فرشتوں کا نور پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور۔ یہ تینوں کیا معنی رکھتے ہیں۔ اگر حضور پاک کا نور مان لیا جائے تو یہ مجسم ہے یا غیر مجسم اس طرح مان لینے میں کوئی تنقیص تو نہیں لازم آتی یہ چند باتیں بحث و جنگ جدال کے لئے نہیں پوچھی جا رہی ہیں بلکہ کبھی اس طرح کے لوگوں سے جو اپنے کو وہابی دیوبندی کہتے ہیں اور حضور پاک کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں۔ ملاقات ہو جانے پر اپنا خیال ظاہر کرنے کے لئے اور بس مجھے صحیح باتوں کی تلاش ہے۔

نوٹ: نور کا لفظی اور اصطلاحی دو طرح کا معنی ہے اور صرف لفظی یا صرف اصطلاحی۔

الجواب (۱) آیات مذکورہ میں۔ اخ سے مراد ہم قوم ہے۔ حضرت امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث روایت فرمائی جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے بعد پیدا ہونے والے بعض مخلصین مسلمانوں کو از راہ کرم لفظ اخوان سے یاد فرمایا ہے۔ راوی حدیث سے منقول کلمات یہ ہیں۔ واخواننا الذین لم یاتوا بعد (ملاحظہ ہو مسلم شریف جلد اول ص۱۲۶) واضح ہو کہ وہابیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا بھائی کہنا لکھنا اور کتابوں میں چھاپنا جائز ہے۔ بلکہ ملا رشید احمد گنگوہی نے تو فتاوی رشیدیہ میں اپنی طرف سے ایک حدیث گڑھ کر پیش کر دی ہے جیسا کہ وہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں۔ چونکہ حدیث میں آپ (حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے خود ارشاد فرمایا تھا کہ مجھکو بھائی کہو بایں رعایت تقویت الایمان میں اس لفظ کو لکھا ہے (فتاوی رشیدیہ کامل ص۵۰ مطبوعہ کراچی پاکستان) الا لعنۃ اللہ علی الظلمین۔ یہ مقام عبرت ہے کہ جب وہابیوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت گھٹانے اور حضور کو اپنا بھائی بنانے کے لئے کوئی ثبوت نہ مل سکا تو ان کے پیشوا گنگوہی نے اپنے جی سے ایک حدیث گڑھ کر اپنے فتاوی میں لکھ دی تاکہ وہابیت کے پجاریوں کو یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ جب خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ مجھ کو بھائی کہو تو ہم لوگ ضرور حضور کو اپنا بھائی کہیں گے (معاذ اللہ تعالیٰ) واضح ہو کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بعض انبیائے کرام کی بعثت کا ذکر فرماتے ہوئے ان کو ان کی قوموں کا اخ قرار دیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ والی عاد اخاھم هودا۔ یعنی قوم عاد کی طرف ہم نے ان کے ہم نسب ود ہم قوم ہود کو بھیجا تو اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ الصلاۃ والسلام کا نسب ظاہر کرنے کے لئے اخ کا کلمہ استعمال فرمایا ہے۔ یوں ہی مسلم شریف کی حدیث میں ہے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شفقت کاملہ کا اظہار کرتے ہوئے بعض مخلص مسلمانوں کو لفظ اخوان سے یاد فرمایا ہے۔ سرکار اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہایت کریم و مہربان ہیں۔ بطور تواضع جس کلمہ کو چاہیں اپنے حق میں استعمال فرمائیں۔ خود ملا رشید احمد گنگوہی ہی نے براہین قاطعہ میں اپنے آپ کو احقر الناس لکھا ہے پھر کیا گنگوہی کے کسی گستاخ شاگرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یوں کہے کہ ہمارے مولانا گنگوہی صاحب احقر الناس تھے۔ اگر حق حاصل نہیں ہے تو کیوں جبکہ خود گنگوہی ہی نے اپنے آپ کو احقر الناس لکھا ہے تو ان کو احقر الناس کیوں نہ کہا جائے۔ اس جگہ گنگوہی کے ماننے والے یہی کہیں گے کہ حضرت مولانا گنگوہی صاحب نے چونکہ بطور تواضع اپنے آپ کو احقر الناس لکھا ہے اس لئے دوسرا کوئی شخص اس کلمے کو ان کے حق میں نہیں بول سکتا پھر مسلمانوں کی طرف سے بھی یہی [جو]اب ہے یہ سرکار افضل المرسلین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیمِ امت کو بطور تواضع کلمۂ اخوان سے یاد فرمایا ہے اس لئے وہابی دیوبندی کو ہرگز ہرگز یہ حق حاصل نہیں کہ حدیث شریف کی آڑ لے کر سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا بھائی بنائے۔

(۱۱) وہابیوں کے مشہور و معروف ادارہ "کتب خانہ رشیدیہ دہلی" سے مولوی محمد ابراہیم دہلوی وہابی کی کتاب احسن الفوائد چھپوا کر شائع کی ہے۔ اسی کتاب مذکور کے ص۲ میں مولوی محمد ابراہیم دہلوی نے بحوالہ المواہب اللدنیہ زرقانی شرح مواہب تاریخ الخمیس۔ تاریخ انس الجلیل لکھا ہے۔ عن جابرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ نوری۔ یعنی سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ میرا نور ہے وہابیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی ہی نے اپنے فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ کراچی ص۱۵۷ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیثیں (یعنی اول ما خلق اللہ نوری اور لولاک لما خلقت الافلاک) کتب صحاح میں موجود نہیں ہیں مگر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اول ما خلق اللہ نوری کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ بندہ رشید احمد گنگوہی۔ علامہ فارسی مغربی کی تصنیف مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں ہے۔ قد قال الاشعری انہ تعالیٰ نور لیس کالانوار والروح النبویۃ القدسیۃ من لمعۃ نورہ والملئکۃ شرر تلک الانوار وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول ما خلق اللہ نوری ومن نوری خلق کل شیٔ یعنی سیدنا ابوالحسن اشعری قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نور ہے نہ اور نوروں کے مانند اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس اسی نور کی تابش ہے اور فرشتے ان نوروں کے پھول ہیں ــ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی۔ واضح ہو کہ حدیث اول ما خلق اللہ نوری کے موید وہ حدیث شریف ہے جس کو سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاد اور امام بخاری اور امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے استاذ الاساتذہ حافظ الحدیث عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی تصنیف میں سیدنا جابر بن سیدنا عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ـــ قال قلت یا رسول اللہ بابی انت وامی اخبرنی عن اول شیٔ خلقہ اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء قال یا جابر ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ (الحدیث بطولہ) یعنی سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان مجھے حضور بتا دیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کیا چیز بنائی۔ حضور نے فرمایا اے جابر

بیشک تمام مخلوقات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اس حدیث عبد الرزاق کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بنحوہ روایت کی ہے۔ بالجملہ حدیث اول ما خلق اللہ نوری اکابر علماء کی تصانیف میں بالتکیر شائع وذائع ہے۔ اس حدیث کو علماء متقدمین ومتاخرین کے درمیان قبول تام کا منصب جلیل حاصل ہے۔ علماء وہابیہ نے بھی اس حدیث کو تسلیم کیا ہے۔ اور تلقی علماء بالقبول وہ شئی عظیم ہے۔ جس کے بعد کسی سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی۔ نور عرف عام میں ایک کیفیت کا نام ہے کہ نگاہ پہلے اسے ادراک کرتی ہے اور اس کے واسطے سے دوسری اشیاء دیدنی کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیے کہ نور ضیاء، روشنی، چمک، جھلک، اجالا کو کہتے ہیں۔ علامہ سید شریف جرجانی اپنی کتاب التعریفات میں لکھتے ہیں۔ النور کیفیۃ تدرکھا الباصرۃ اولا وبواسطتھا المبصرات نور بایں معنی ایک عرض حادث ہے محققین کے نزدیک نور کی یہ تعریف ہے۔ الظاہر بنفسہ والمظہر لغیرہ کما ذکرہ الامام حجۃ الاسلام الغزالی ثم العلامۃ الزرقانی فی شرح المواہب۔ یعنی نور وہ کہ خود ظاہر ہو اور دوسروں کا مظہر، قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے۔ اللہ نور السموات والارض دوسری جگہ قرآن مجید کا ارشاد ہے قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین۔ اس آیت کریمہ میں نور سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر جلالین مطبوعہ کراچی ۹۸ قرآن مجید نے جس طرح ذات الٰہی جل جلالہ کے لئے رحیم کا کلمہ استعمال کیا اور وبالمومنین رؤف رحیم میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی رحیم کا کلمہ استعمال کیا یونہی اللہ تعالیٰ کے لئے نور کا کلمہ آیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بھی نور کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔ پھر جس طرح رحیم بمعنی ذات الٰہی خالق ازلی، ابدی ہے اور رحیم بمعنی ذات رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوق حادث ہے۔ یونہی نور بمعنی ذات قدوس سبوح غیر مخلوق ہے اور نور بمعنی ذات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوق حادث ہے۔

(الف) "اللہ کا نور" یہ فقرہ جب اضافت بیانیہ کے معنی میں ہو تو نور سے مراد خود ذات الٰہی ہے جو کہ نور حقیقی ازلی، ابدی ہے اور اگر یہ فقرہ اضافت بمعنی لام ہو تو نور سے مراد حسب استعمال متعدد چیزیں ہو سکتی ہیں مثلاً جلوہ تجلی، دین اسلام، کتاب الٰہی، شرائع، دین وغیرہ۔

(ب) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور، یہ فقرہ بھی جب اضافت بیانیہ کے طور پر ہوگا تو نور سے مراد خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں گے جیسا کہ اول ما خلق اللہ نوری اور ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک میں نوری اور نور نبیک سے مراد خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور جب یہ فقرہ اضافت لامیہ

کے معنی میں ہو تو اس وقت نور سے مراد چمک، دمک، روشنی ہے۔

(ج) فرشتوں کا نور، اس فقرہ میں نور سے مراد چمک، روشنی ہے۔ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تک عالم امر میں جلوہ گر رہا اس وقت وہ جوہر غیر مجسم رہا پھر جب باذن الٰہی عالم شہادت کی طرف تشریف آوری کی ہوئی تو لباس بشریت سے متشکل ہوا۔ الغرض نور مجسم بن کر رونق افروز ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور نرے نور ملک بشر بھی ہیں اور جو انکار کرے اور کہے کہ حضور بشر نہیں ہیں وہ کافر مرتد ہے ملحد و زندیق ہے۔ قرآن عظیم کا منکر ہے اس لئے کہ قرآن مجید نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں سراجاً منیراً کا اعلان کیا ہے۔ ظلمت جہالت سے جن کا ذہن مملو و مشحون ہے ان کے نزدیک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور ماننے سے تنقیص لازم آتی ہوگی لیکن وہ لوگ جن کا قلب نور ایمان سے روشن ہے ان کے نزدیک حضور کو نور ماننے میں حضور کی شان و عظمت کا اعتراف ہے۔ وللہ الحمد اولاً و آخراً۔ قولہ۔ انا نبی وا لادم بین الماء والطین۔ یہ حدیث تصانیف علماء میں انا اور لا آدم (معروف باللام) کے ساتھ مستعمل نہیں ہے بلکہ یوں مذکور ہے کنت نبیا و آدم بین الماء والطین۔ حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو قوی قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو موضوعات کبیر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص۸۶ اور حضرت ملا علی قاری نے حدیث مذکور کی شاہد میں یہ حدیث پیش کی ہے۔ کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد اس حدیث کو امام احمد اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت میسرۃ الفجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو موضوعات کبیر ص۸۶ لولاک لما خلقت الافلاک یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ناقدین حدیث کے نزدیک ثابت نہیں ہاں اس کا معنی دوسری معتبر حدیث سے ضرور ثابت ہے چنانچہ دیلمی نے حدیث لولاک بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعاً یوں نقل کی ہے اتانی جبریل فقال ان اللہ یقول لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار۔ یعنی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے جبریل نے حاضر ہو کر عرض کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اے پیارے رسول) اگر تم نہ ہوتے جنت کو نہ بناتا اور اگر تم نہ ہوتے میں دوزخ کو نہ بناتا۔ اور ابن عساکر نے بروایت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخر میں یہ ہے لولاک ما خلقت الدنیا یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے پیارے نبی! اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا کو نہ بناتا جس حدیث کا متن قول ربانی اور ارشاد الٰہی ہو اسے حدیث قدسی کہتے ہیں۔ دیلمی اور ابن عساکر کی تخریج کردہ دونوں روایات حدیث قدسی ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

استکتبہ عبدالرحمٰن المعروف بعلی حسن نعیمی الاشرفی

مسئلہ: از عبداللہ رفیق کانپور

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں یا نہیں؟ اگر اسحٰق علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں تو عام لوگ اپنے مضمون اور بیان میں حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے ساتھ ان کا ذکر کیوں نہیں کرتے کیا وہ نبی نہیں تھے اور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کی۔ اور قربانی کس کی ہوئی؟ اہل کتاب حضرت اسحٰق علیہ السلام کی قربانی بتاتے ہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کو دلیلوں کے ساتھ تحریر فرمائیں کرم ہوگا؟

الجواب: بیشک حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام دونوں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے ساتھ حضرت اسحٰق علیہ السلام کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی نے ان کے ساتھ اپنے کسی مضمون و بیان میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر نہ کیا تو عدم ذکر اس بات پر محمول نہ کیا جائے گا کہ صاحب مضمون و بیان کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کے نبی ہونے پر ایمان نہیں یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صاحبزادہ ہونا اسے تسلیم نہیں بلکہ جمہور علماء کے نزدیک چونکہ قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہوئی۔ ذبیح اللہ یہی ہیں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کعبہ معظمہ کی تعمیر انہوں نے کی آب زمزم ان کے قدم مبارک کے نیچے جاری ہوا مکہ معظمہ ان کے سبب آباد ہوا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے نبی سیدالانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی نسل پاک سے پیدا ہوئے۔ یہ تمام یادگاریں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے متعلق ہیں کہ مسلمان روزانہ پانچ وقت ان کے بنائے ہوئے کعبہ کی طرف متوجہ ہوکر نماز پڑھتا ہے۔ ان کی قربانی کے سبب بے شمار جانوروں کی ہر سال قربانی کرتا ہے۔ لاکھوں مسلمان ہر سال مکہ شریف میں حاضر ہوکر ان کے بنائے ہوئے کعبہ معظمہ کا اپنی آنکھوں سے نظارہ کرتے اور طواف کرتے ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان ان کے لئے پانی کی تلاش میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سعی کرنے کے سبب سعی کرتے ہیں۔ ان کی قربان گاہ منیٰ میں ٹھہرتے اور قربانی کرتے ہیں۔ ان کے لئے جاری شدہ آب زمزم کو پیتے ہیں اور سارے دنیا کے گوشے گوشے میں اسے پہونچاتے ہیں ان وجوہات کے سبب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر زیادہ ہونا فطری امر ہے جس سے کوئی عقل سلیم رکھنے والا انکار نہیں کرسکتا۔ برخلاف اس کے حضرت اسحٰق علیہ السلام سے کوئی خاص واقعہ متعلق نہیں اور اسلام میں ان کی کوئی یادگار نہیں اس لئے ان کا چرچا کم ہوتا ہے۔

اور قربانی کس کی ہوئی بیشک یہ مسئلہ اہل کتاب اور اہل اسلام کے درمیان مختلف فیہ ہے یہود و نصاریٰ اور کچھ اہل اسلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ نہیں تسلیم کرتے بلکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اللہ ٹھہراتے ہیں۔ لیکن جمہور اہل اسلام کے نزدیک قربانی کا واقعہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے متعلق ہے نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے جس کی تفصیل قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے وقال انی ذاھب الی ربی سیھدین رب ھب لی من الصٰلحین، فبشرنٰہ بغلٰم حلیم، فلما بلغ معہ السعی قال یٰبنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ قال یٰابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصٰبرین۔ فلما اسلما وتلہ للجبین ونادینٰہ ان یٰابراھیم قد صدقت الرؤیا۔ انا کذٰلک نجزی المحسنین۔ ان ھٰذا لھو البلٰؤا المبین وفدینٰہ بذبح عظیم۔ وترکنا علیہ فی الاٰخرین سلٰم علیٰ ابراھیم کذٰلک نجزی المحسنین انہ من عبادنا المؤمنین وبشرنٰہ باسحٰق نبیا من الصٰلحین ۰ (سورۃ الصٰفٰت پارہ ۲۳ رکوع ۷) اور کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں اب وہ مجھے راہ دے گا۔ الٰہی مجھے لائق اولاد دے تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک عقل مند لڑکے کی پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہوگیا۔ کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔ کہا اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کا حکم ہوتا ہے۔ خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا (اس وقت کا حال نہ پوچھ) اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم بیشک تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو بیشک یہ روشن جانچ تھی۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دیکر اسے بچالیا۔ اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بیشک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں۔ اور ہم نے اسے خوشخبری دی اسحٰق کی کہ غیب کی خبریں بتانے والا نبی ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں۔

ان آیات طیبات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وہ صاحبزادے جو دعا سے پیدا ہوئے وہی ذبیح اللہ ہوئے مگر ان کا نام مذکور نہیں۔ البتہ واقعہ کی تفصیل کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت ہے اس لئے کچھ اہل اسلام بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیتے ہیں لیکن جمہور اہل اسلام جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ مانتے ہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انا ابن الذبیحین یعنی میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں صححہ ابن الجوزی

اور ایک اعرابی نے حضور کو یا ابن الذبیحین کہہ کر پکارا تو حضور نے تبسم فرمایا۔ (تفسیر جلالین) جب لوگوں نے حضور سے ابن الذبیحین کی وجہ دریافت کی تو حضور نے فرمایا کہ ایک ذبیح تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں جو ہمارے آبائے کرام میں سے ہیں۔ اور دوسرے ذبیح ہمارے باپ حضرت عبداللہ ہیں کہ جب حضرت عبدالمطلب نذر پوری کرنے کے لئے انہیں ذبح کرنے چلے تو سو اونٹ کے فدیہ سے ان کی جان بچی اس طرح میں ابن الذبیحین ہوں۔ (تفسیر کبیر) معلوم ہوا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام۔

(۲) حضرت اصمعی نے حضرت ابو عمرو بن العلا سے دریافت کیا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت اسحٰق علیہ السلام؟ تو انہوں نے فرمایا اے اصمعی! تمہاری عقل کہاں ہے؟ حضرت اسحٰق علیہ السلام مکہ میں کب تھے وہ تو ملک شام میں تھے۔ مکہ معظمہ میں تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی تھے۔ انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ کعبہ معظمہ کی تعمیر کی اور قربان گاہ مکہ ہی میں ہے۔ (تفسیر کبیر و معالم التنزیل) ثابت ہوا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

(۳) قال اللہ تعالیٰ واسمٰعیل وادریس وذا الکفل کل من الصٰبرین (پارہ ۱۷، رکوع ۶) خدائے تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو صابر فرمایا کہ انہوں نے ذبح پر صبر کیا اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کو کہیں صابر نہ فرمایا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارے میں انہ کان صادق الوعد (پارہ ۱۶، رکوع ۷) یعنی وہ وعدہ کے سچے ہیں کہ انہوں نے ذبح پر صبر کرنے کا جو اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا اس کو پورا فرمایا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ فبشرناھا باسحٰق ومن وراء اسحٰق یعقوب (پارہ ۱۲، رکوع ۷) اس آیت کریمہ میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت کے ساتھ ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بھی خبر دی گئی ہے تو اگر حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بارے میں ذبح کا حکم مانا جائے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ذبح کا حکم حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہوا یا بعد میں اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ذبح کا حکم مانا جائے تو صحیح نہیں۔ اس لئے کہ جب ان کی ولادت کی خبر پہلے دی جا چکی ہے تو بیٹے کی پیدائش سے پہلے باپ کے ذبح کا حکم دینا وعدۂ الٰہی کے خلاف ہوگا جو باطل ہے۔ اور اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیدائش کے بعد ان کے باپ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے لئے ذبح کا حکم مانا جائے تو یہ بھی باطل ہے اس لئے کہ آیت کریمہ فلما بلغ معہ السعی قال یبنی انی اری فی المنام انی اذبحک (پارہ ۲۳، رکوع ۷) سے معلوم ہوا کہ ذبح کا واقعہ بیٹے کی کم عمری میں ہوا۔

لہٰذا حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اللہ ٹھہرانا صحیح نہیں۔

(۵) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ سے دعا کی رب ھب لی من الصّٰلحین (پارہ ۲۳ رکوع ۷) یعنی اے میرے پروردگار مجھے نیک اور صالح اولاد عطا فرما۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے کہ طلب حاصل محال ہے۔ اگر دعا کے وقت کوئی اولاد ہوتی تو یوں دعا فرماتے کہ پروردگار مجھے دوسری اولاد عطا فرما۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ دعا پہلے بیٹے کے لئے تھی اور سب مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے (تفسیر کبیر) اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دونوں صاحبزادوں کی پیدائش پر خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر پہلے کیا اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کا ذکر بعد میں۔ سورۂ ابراہیم میں ہے۔ الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل واسحٰق (پارہ ۱۳ رکوع ۱۸) تفسیر جلالین میں ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس وقت پیدا ہوئے جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۹۹ سال تھی اور جب آپ کی عمر ۱۱۲ سال ہوئی تو حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے اور تفسیر خازن و معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب آپ کی عمر ۹۹ سال ہوئی تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور ۱۱۲ سال کی عمر پر حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اور حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر جب ۱۱۷ برس کی ہوئی تو ان کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی گئی۔

اور تفسیر کبیر میں ہے بعض لوگوں کے نزدیک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ۹۹ سال اور حضرت اسحٰق علیہ السلام ۱۱۲ سال کی عمر میں پیدا ہوئے اور بعض علماء کا یہ قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۶۴ برس ہوئی تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش ۹۰ سال کی عمر میں ہوئی۔ اور حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ایک سو سترہ سال کی عمر کے بعد ہی پیدا ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ ان اقوال کے مابین سال کی تعین میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن سب اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہلے پیدا ہوئے یعنی ان کی ولادت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہوئی بلکہ اسی لئے ان کا نام اسمٰعیل پڑا۔ جیسا کہ تفسیر خازن و معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اولاد کی دعا کرتے تھے اور کہتے تھے اسمع یا ایل یعنی اے خدا تعالیٰ سن لے۔ اس لئے کہ ایل سریانی زبان میں خدائے تعالیٰ کو کہتے ہیں تو جب خدائے تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی اور صاحبزادے پیدا ہوئے تو ان کا نام وہی دعا کا جملہ اسمع یا ایل

رکھا گیا جو کثرت استعمال سے اسمٰعیل ہوگیا۔

اور توراۃ میں ہے کہ حضرت اسمٰعیل دعوت ابراہیم ہیں۔ یعنی حضرت ابراہیم کی دعا سے پیدا ہوئے اسی بنا پر خدا نے ان کا نام اسمٰعیل رکھا کیونکہ عبرانی زبان میں اسمٰعیل دو لفظوں سے بنا ہے۔ اسمع اور ایل۔ اسمع کے معنی سننا اور ایل کے معنی خدا (تکوین اصحاح ۱۵۔ ۱۷۔ ۱۸)۔

ان حوالوں سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ قرآن کریم کی آیات مبارکہ رب ھب لی من الصّٰلحین فبشرناہ بغلٰم حلیم۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ہیں پھر متصلاً فلما بلغ معہ السعی سے واقعہ ذبح کا بیان اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہلوٹھے ہیں اور قربانی کے وقت اکلوتے بھی اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق آپ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے اور دوسری روایتوں کے لحاظ سے اٹھارہ یا چھبیس سال بڑے تھے۔ توراۃ میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تھا اس کے بارے میں تصریح تھی کہ وہ اکلوتا ہو اور محبوب ہو۔ (تکوین اصحاح ۲۲۔ آیت ۱۲)

(۶) حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت سورۂ حجر میں غلٰم علیم کے ساتھ ارشاد ہے انا نبشرك بغلٰم علیم (پارہ ۱۴ رکوع ۴) یعنی ہم آپ کو علم والے بچے کی بشارت دیتے ہیں۔ اور سورہ ذاریات میں ہے کہ فرشتوں نے ان کی ولادت کی بشارت غلٰم علیم کے ساتھ دی۔ ارشاد ہے۔ وبشروہ بغلٰم علیم (پارہ ۲۶ رکوع آخر) یعنی فرشتوں نے انھیں علم والے بچے کی بشارت دی مگر جس بچے کی قربانی ہوئی اس کی بشارت غلٰم حلیم کے ساتھ ہے۔ ارشاد ہے فبشرناہ بغلٰم حلیم (پارہ ۲۳ رکوع ۷) یعنی ہم نے اس کو متحمل مزاج بچے کی بشارت دی۔

معلوم ہوا کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام صفت علم سے متصف ہوئے اور دوسرے صاحبزادے جن کی قربانی ہوئی وہ صفت حلم سے متصف ہوئے۔ لہٰذا حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبیح اللہ ٹھہرانا صحیح نہیں۔

(۷) سورۂ "الصّٰفّٰت" کی آیات میں واقعہ ذبح سے پہلے فرمایا فبشرناہ بغلٰم حلیم۔ پھر بعد میں فرمایا وبشرناہ باسحٰق نبیا من الصّٰلحین یعنی دوسری آیت کا پہلی آیت پر عطف ہے اور معطوف و معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے تو ثابت ہوا کہ ذبح کا واقعہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے غیر یعنی دوسرے صاحبزادے

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے متعلق ہے۔

(۸) جو مینڈھا کہ فدیہ میں ذبح کیا گیا تھا اس کی سینگ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کے قبضہ میں تھی جو کعبہ میں لٹکائی ہوئی تھی۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں یزیدی حملہ سے جل گئی اس کے بارے میں اخبار کثیرہ ہیں (تفسیر کبیر) حضرت شعبی نے فرمایا کہ مینڈھا کی سینگ ہم نے کعبہ میں لٹکی ہوئی دیکھی۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ ابتدائے اسلام میں مینڈھا کا سر اپنی دونوں سینگوں کے ساتھ کعبہ میں لٹکا ہوا تھا۔ جو سوکھا ہوا تھا۔ (تفسیر خازن و معالم التنزیل)

معلوم ہوا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور حضرت اسحٰق علیہ السلام ذبیح اللہ ہوتے تو مینڈھا کی سینگ ملک شام میں ان کی اولاد بنی اسرائیل کے قبضہ میں ہوئی۔

(۹) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل اور ان کی ملت کے متبعین میں قربانی کی متعدد یادگاریں آجتک پائی جارہی ہیں۔ توراۃ میں ہے کہ جو بچہ خدا کی نذر کر دیا جاتا اس کے سر کے بال چھوڑ دئے جاتے پھر معبد کے پاس مونڈے جاتے تھے (قضاۃ اصحاح ۱۳۔۱۴) تو مسلمان حج و عمرہ کا احرام باندھتے ہی بال کے مونڈنے کترنے اور اکھاڑنے سے رک جاتا ہے پھر حج و عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہی مونڈاتا یا کترواتا ہے۔

اور توراۃ میں ہے کہ جب خدا نے حضرت ابراہیم کو قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا اے ابراہیم! تو حضرت ابراہیم نے کہا کہ میں حاضر ہوں (تکوین اصحاح ۲۲ آیت ۱) تو مسلمان حج یا عمرہ کا احرام باندھتے ہی پکارتا رہتا ہے لبیک لبیک یعنی میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔

اور صاحبزادے کے بدلے جانور ذبح ہوا تو حج قران و تمتع کرنے والوں پر اور چند شرطوں کے ساتھ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر ہر سال قربانی واجب کی گئی۔ حدیث شریف میں ہے سنۃ ابیکم ابراھیم۔ یعنی قربانی تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے (احمد ابن ماجہ)

قربانی کی یہ تمام یادگاریں مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں نہ کہ بنی اسرائیل میں۔ اگر حضرت اسحٰق علیہ السلام کی قربانی ہوئی ہوتی تو اس کی یادگاریں بنی اسرائیل میں ضرور پائی جاتیں۔ معلوم ہوا کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق علیہ السلام نہیں ہیں۔ ذبح کا واقعہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے متعلق ہے۔ اور بنی اسرائیل صرف بغض و عناد سے ان کے ذبیح ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

(۱۰) خدائے تعالیٰ نے واقعۂ ذبح میں فرمایا فلما اسلما یعنی تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھ دی۔ اسلما کا مصدر اسلام ہے جس کے معنی فرمانبردار ہونا۔ کسی کی بات ماننا۔ تو ذبح کا حکم دونوں کے مان لینے کو خدائے تعالیٰ نے اسلما سے تعبیر فرمایا یعنی ان دونوں کو مسلم قرار دیا۔ پھر اس عظیم کارنامہ کے صلہ میں ان کے وارثین ومتبعین کا نام مسلمان رکھا کہ اعزازی نام نسلاً بعد نسل چلتا رہتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (پارہ ۱۷۔ آخری آیت) تفسیر جلالین میں ہے ای قبل هذا الكتاب وفي هذا القرآن تو آیت کریمہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے اس کتاب سے پہلے اور اس قرآن میں تمہارا نام مسلمان رکھا۔

لہٰذا قربانی کے اعزاز میں ملا ہوا خطاب مسلمان جن کے وارثین ومتبعین کا ہے وہی ذبیح اللہ ہیں اور وہ ذبیح اللہ نہیں ہیں کہ جن کے وارثین ومتبعین اپنے کو بنی اسرائیل اور یہود ونصاریٰ وغیرہ دوسرے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

تلك عشرة كاملة منصف مزاج کے لئے یہ دس دلیلیں کافی ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۴ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از شبیر احمد انصاری محلہ کریم الدین پور گھوسی۔ ضلع اعظم گڈھ

حضرت خضر علیہ السلام ولی تھے یا نبی؟ اگر ولی تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوتے ہوئے ان کے سامنے کیسے پریشان تھے جبکہ امتی اپنے نبی کا محتاج ہوا کرتا ہے۔ یا پھر دوسرے موسیٰ تھے جو نبی نہ تھے؟ اور اگر جلیل القدر پیغمبر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام مراد ہیں تو ایک ولی کے سامنے نبی کے پریشان ہونے کا کیا سبب ہے؟ بالتفصیل جواب سے بحوالہ کتب مطلع فرمائیں۔

باسمہ تعالیٰ والصلاة والسلام علی رسولہ الاعلیٰ

الجواب بعون الملك العزيز الوهاب حضرت خضر علیہ السلام ولی تھے یا نبی؟ اس میں مفسرین کرام کا بڑا اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا وہ اکثر کے نزدیک نبی نہیں تھے جیسا کہ تفسیر خازن و معالم التنزیل میں آیت کریمہ اٰتینٰه رحمة من عندنا وعلمنٰه من لدنا علما کے تحت ہے لم یکن الخضر نبیا عند اکثر اهل العلم اور تفسیر جلالین میں ہے اٰتینٰه رحمة من عندنا نبوة في قول وولاية

فی الخضر علیہ اکثر العلماء مگر حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ اکثر کے نزدیک نبی ہیں اور علامہ سلیمان جمل لکھتے ہیں صحیح یہ ہے کہ وہ نبی ہیں جیسا کہ تفسیر کبیر جلد خامس ص۱۱۵ میں ہے قال الاکثرون ان ذلک العبد کان نبیا اور تفسیر جمل میں ہے۔ اختلف فی الخضر اھو نبی او رسول او ملک او ولی والصحیح انہ نبی اور خضر علیہ السلام نبی ہوں یا غیر نبی بہر صورت بعض علوم میں وہ ایک نبی سے بڑھ سکتے ہیں اس لئے کہ جن علوم پر نبوت موقوف نہیں ان علوم میں نبی سے بڑھ کر غیر نبی ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ یجوز ان یکون غیر النبی فوق النبی فی علوم لا تتوقف علیہا نبوتہ (تفسیر کبیر جلد پنجم ص۵۱۵) اور بعض علوم جو حضرت خضر علیہ السلام کو حاصل تھے اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے نہیں جانتے تھے مگر جو علوم کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھے حضرت خضر علیہ السلام بھی اس سے واقف نہیں تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا یا موسیٰ انی علی علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلمہ انت وانت علی علم من علم اللہ علمکہ اللہ لا اعلمہ۔ (بخاری شریف جلد ثانی ص۶۸۸) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ پریشان نہیں تھے بلکہ متعجب تھے اور اس کی وجہ علم الاسرار سے عدم وقوف ہے۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از عبدالرزاق موضع کسواں پوسٹ ولدا ضلع بستی

زید کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے لیکن قیامت کے دن مردوں کو زندہ نہ کرے گا تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونا یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ خدائے تعالیٰ قیامت کے دن مردوں کو زندہ نہ کرے گا کفر ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں کا انکار ہے۔ پارہ ۱۸، سورۂ مومنون کے پہلے رکوع میں ہے ثم انکم یوم القیمۃ تبعثون اور پارہ ۲۳، سورۂ یٰسین کے آخری رکوع میں ہے قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ اور پارہ ۲۴، سورۂ زمر کے ساتویں رکوع میں ہے ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون اور پارہ ۳۰، سورۂ نبا کے پہلے رکوع میں ہے یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا۔ رئیس الفقہا ملا جیون رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ اعتقادِ واجب منکرہ کافر یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا عقیدہ واجب ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ص۳۲۳) اور بہار شریعت حصہ اول میں ہے۔ جو کہے صرف روحیں اٹھیں گی جسم زندہ نہ ہوں گے وہ بھی کافر ہے۔ لہذا شخص مذکور پر اس کفری عقیدہ سے توبہ کرنا فرض ہے اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب لوگ اس کا اسلامی بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۴ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از جمال الدین موضع کودر پوسٹ دھرگی ضلع ہزاری باغ (بہار)

قیامت کے آثار میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے منارے پر اتریں گے اور امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے اور شادی بھی فرمائیں گے اور اولاد بھی ہوگی۔ اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ انور میں دفن ہوں گے۔ زید کہتا ہے کہ اس پر میرا ایمان ہے اور بکر کہتا ہے کہ میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔ تو زید کا قول احادیث کریمہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور بکر کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب: زید کا قول احادیث کریمہ معتبرہ سے ثابت ہے اور بکر جو مذکورہ باتوں کو نہیں مانتا وہ گمراہ ہے اس پر توبہ لازم ہے وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۷ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از عبدالرحمن قادری موضع پڑروی پوسٹ ٹھوٹی باری ضلع گورکھپور

مردہ قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیسے پہچانے گا جبکہ کبھی دیکھا نہیں اور سلسلۂ چشتیہ والوں کا کہنا ہے کہ اپنے پیر کی شکل میں حضور تشریف لائیں گے۔ اور جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے لہذا وہ جہنمی یقینی ہے تو اس میں کیا اصل ہے؟

الجواب: مردہ جبکہ مومن ہوگا تو بتوفیق الٰہی وہ قبر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہچان لے گا اگرچہ اس نے کبھی دیکھا نہیں ہے۔ اور اگر کافر ہے تو نہیں پہچان سکے گا اگرچہ اس نے دیکھا ہو۔ اور یہ کہنا غلط ہے کہ قبر میں حضور اپنے پیر کی شکل میں تشریف لائیں گے۔ ایسی بات کوئی جاہل کہہ سکتا ہے سلسلۂ چشتیہ کا کوئی ذمہ دار بزرگ ایسی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ اور بیشک جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان

ہے ایسا ہی اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے ارشادات سے ثابت ہے۔ عوارف المعارف میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: روی عن ابی یزید انہ قال من لم یکن لہ استاذ فامامہ الشیطٰن۔ یعنی حضرت سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا امام شیطان ہے۔ لیکن مرشد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مرشد عام کہ کلام اللہ وکلام الرسول وکلام ائمہ شریعت وطریقت وکلام علمائے دین اہل رشد وہدایت ہے۔ اسی سلسلۂ صحیحہ پر عوام کا ہادی کلام علماء، علماء کا رہنما کلام ائمہ، کلام ائمہ کا مرشد کلام رسول اور کلام رسول کا پیشوا کلام اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ دوسرے مرشد خاص کہ بندہ کسی عالم سنی صحیح العقیدہ، صحیح الاعمال، جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔ لہٰذا جو شخص کسی مرشد خاص کا مرید نہیں ہے اس کا مرشد مرشد عام ہے اگر وہ علمائے کرام واولیائے عظام کا سچے دل سے معتقد ہے تو نہ وہ بے پیرا ہے نہ اس کا پیر شیطان۔ حضرت ابوالحسن نور الملۃ والدین علی قدس سرہٗ بہجۃ الاسرار شریف میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا گیا کہ اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو اور اس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو کیا وہ حضور کے مریدوں میں شمار ہوگا فرمایا: من انتمٰی الی وتسمی لی قبلہ اللہ تعالیٰ وتاب علیہ ان کان علی سبیل مکروہ وھو من جملۃ اصحابی وان ربی عزوجل وعدنی ان یدخل اصحابی واھل مذھبی وکل محب لی فی الجنۃ یعنی جو اپنے آپ کو میری طرف منسوب کرے اور اپنا نام میرے غلاموں کے دفتر میں شامل کرے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔ اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا اور وہ میرے مریدوں کے زمرے میں ہے اور بیشک میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں، ہم مذہبوں اور میرے ہر چاہنے والے کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ ھذا الخلاصۃ ما قال الامام احمد رضا البریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی فی فتاواہ۔ وھو اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از۔ عبدالرزاق موضع کسوار پوسٹ دلدلہ ضلع بستی (یوپی)

(۱) روح کا منکر کیسا ہے؟

(۲) نفخۂ اولی اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان جو چالیس سال کی مدت ہوگی کیا اسے بھی قیامت کا کہیں گے؟ اور اگر کہتے ہیں تو اس چالیس سالہ مدت کو قیامت کا دن نہ ماننے والا ازروئے شرع کیسا ہے؟

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ (۱) روح کہ جس سے انسان زندہ رہتا ہے اس کا منکر گمراہ و بدمذہب ہے۔ قال اللہ تعالیٰ قل الروح من امر ربی۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) لفظ قیامت مصدر ہے جس کے لغوی معنی کھڑے ہونے کے ہیں اور چونکہ محشر کے دن مردے زندہ ہو کر کھڑے ہوں گے اس لئے اسے قیامت کا دن کہتے ہیں۔ غیاث اللغات میں ہے قیامت بکسر اول مصدر است بمعنی قائم شدن و قیامت معروف را قیامت ہمیں سبب گویند کہ دراں وقت مردگاں زندہ شدہ قیام خواہند کرد۔ اور چونکہ قیامت بمعنی مصیبت بھی مستعمل ہے اس لئے نفخۂ اولیٰ کو بھی قیامت کہتے ہیں۔ بہار شریعت حصہ اول ص۳۴ میں ہے "جب قیام قیامت کو صرف چالیس برس رہ جائیں گے ایک خوشبودار ٹھنڈی ہوا چلے گی جو لوگوں کے بغلوں کے نیچے سے گذرے گی جس کا اثر یہ ہوگا کہ مسلمان کی روح قبض ہو جائے گی اور کافر ہی کافر رہ جائیں گے۔ اور انھیں پر قیامت قائم ہوگی" اور اسی کتاب کے اسی حصہ ص۲۵ پر ہے "جسم اگرچہ گل جائے جل جائے خاک ہو جائے مگر اس کے اجزائے اصلیہ قیامت تک باقی رہیں گے وہ مورد عذاب و ثواب ہوں گے اور انھیں پر روز قیامت دوبارہ ترکیب جسم فرمائی جائے گی" معلوم ہوا کہ نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ اور ان دونوں کے درمیان سب قیامت ہے درمیانی مدت کو قیامت نہ ماننے والا جاہل ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شاہ محمد قادری امام مسجد ماماری پوسٹ و مقام چپلون رتناگیری (مہاراشٹرا)

امداد اللہ مہاجر مکی، اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند، خلیل احمد انبیٹھی اسماعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان، حسین احمد اجودھیا باشی، مرتضیٰ حسن دربھنگی، خواجہ حسن نظامی، الیاس محمد کاندھلوی بانی تبلیغی جماعت اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ ان سب کے عقائد کیسے تھے۔ ان لوگوں کو اولیاء سمجھنا کیسا ہے؟ ان سب کو مسلمان جاننا یا جاننے والوں کو مسلمان جاننا کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں اور اقوال بزرگاں سے ثابت کریں۔

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ ہمارے علم میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا کوئی کفر اور گمراہی ثابت نہیں۔ بلکہ وہابی دیوبندی اگر حاجی صاحب کے "فیصلہ ہفت مسئلہ" کو مان لیں تو سنی اور وہابی کے درمیان کئی اختلافی مسئلہ کا خاتمہ ہو جائے۔ رہے مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی

اور خلیل احمد انبیٹھی تو یہ لوگ اپنی عبارات کفریہ قطعیہ مندرجہ حفظ الایمان ص۸ تحذیر الناس ص۳، ۱۴، ۲۸ اور براہین قاطعہ ص۵۱ کی بنا پر مطابق فتویٰ حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ کافر و مرتد ہیں اس طرح کہ جو ان کی کفریات پر یقینی اطلاع پانے کے باوجود انھیں مسلمان سمجھے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی مسلمان نہیں۔ اور اسمٰعیل دہلوی کی چونکہ توبہ مشہور ہے اس لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اسے کافر کہنے سے کف لسان کیا ہے۔ اور حسین احمد اجودھیا باشی، مرتضیٰ حسن دربھنگی، حسن نظامی، الیاس کاندھلوی اور ابوالکلام آزاد یہ سب عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ رکھتے تھے اس لئے ان میں سے بعض کے لئے کفریات ثابت ہیں اور بعض اگر کافر و مرتد نہیں تو کم از کم گمراہ ضرور ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں سے ظاہر ہے ان سب کو صحیح مسلمان جاننے والا جاہل نہیں تو گمراہ ہے اور گمراہ نہیں تو جاہل ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی۔

مسئلہ: از عزیز احمد بیگ رضوی خطیب مسجد اعظم بنگالی اسٹریٹ ویرو جیٹ کرناٹک

(۱) مولینا الیاس صاحب کاندھلوی کے عقائد کیسے تھے اور انھوں نے جو جماعت بنائی اور نام تبلیغی جماعت رکھا اس جماعت کا قیام کیسا ہے۔ اس جماعت کے چلے کو جانا اور اس جماعت کے اجتماع میں بیٹھنا ان کے ساتھ گشت کرنا کیسا ہے۔ جبکہ اس اجتماع میں وہ کتاب جس کا نام تبلیغی نصاب ہے جس میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں نقل کی گئی ہیں پڑھتے ہیں۔ اس کے سننے کے لئے بیٹھنے میں کیا حرج ہے۔ ان رسالت میں گستاخی اسمٰعیل دہلوی اشرف علی تھانوی وغیرہم نے کی۔ مولانا الیاس صاحب کی ذات توہین رسول سے بری ہے ان کی جماعت کا کام صرف کلمہ نماز کی تبلیغ ہے۔ جبکہ سرکار نے امر بالمعروف نہی عن المنکر کا حکم ہر مسلمان کے لئے فرمایا ہے اس جماعت میں شرکت صحیح ہے یا نہیں۔ تفصیل سے آگاہ فرمائیں؟

(۲) ایک صحیح العقیدہ سنی امام کو رضاخانی کہہ کر قبر پرست ہونے کا الزام لگانا مشرک قرار دینا اور اس کے پیچھے نماز نہ ہونے کا فتویٰ کیسا ہے؟

الجواب ــــــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔

(۱) مولوی الیاس کے عقائد وہی تھے جو مولوی اشرف علی تھانوی کے تھے اور مولوی اشرف علی تھانوی کے عقائد کفری تھے جیسا کہ ان کی کتاب حفظ الایمان ص۸ سے ظاہر ہے جس کے سبب مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اور ہند و پاکستان وغیرہ کے سیکڑوں علمائے کرام و مفتیان عظام نے حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں مولوی اشرف علی تھانوی کے کافر و مرتد ہونے کا فتویٰ دیا اور تحریر فرمایا کہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر اور مولوی الیاس کاندھلوی

کی تبلیغی جماعت کا مقصد چونکہ اشرف علی تھانوی اور رشید احمد گنگوہی وغیرہ کی کفری تعلیم کی نشر و اشاعت اور مسلمانان اہلسنت کو وہابی بنانا ہے اس لئے اس کا قیام ناجائز ہے تبلیغی جماعت کے پیچھے کو جانا۔ اس کے اجتماع میں بیٹھنا اور ان کے ساتھ گشت کرنا جائز نہیں کہ دین و ایمان کے لئے زہر قاتل ہے۔ اور تبلیغی نصاب جو اجتماع میں پڑھا جاتا ہے اگرچہ اس کی سب باتیں غلط نہیں ہیں کہ اس میں قرآن مجید کی آیتیں اور حدیثیں بھی ہیں۔ مگر بدمذہب و گمراہ سے قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنا بھی جائز نہیں مسلم شریف کی حدیث ہے انظروا عمن تاخذون دینکم یعنی جس سے اپنے دین کا علم حاصل کرو اسے دیکھ لو (کہ گمراہ و بدمذہب تو نہیں ہیں۔ مشکوٰۃ شریف ص ۳۷)

مولوی الیاس کاندھلوی کی ذات اگرچہ بظاہر توہین رسول سے بری ہے لیکن جب وہ مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ توہین رسول کرنے والوں کو اپنا پیشوا مانتے ہیں اور ان کی تائید کرتے ہیں تو وہ بھی مجرم ہیں۔ صرف ظاہر میں ان کی جماعت کا کام کلمہ و نماز کی تبلیغ ہے حقیقت میں مسلمانان اہلسنت کو وہابی بنانا ہے اس لئے اس جماعت میں شریک ہونا حرام و ناجائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۱۴۔ سنی صحیح العقیدہ امام کو رضا خانی کہہ کر قبر پرست و مشرک قرار دینا اور اس کے پیچھے نماز نہ ہونے کا فتوی دینا سراسر غلط اور باطل ہے بلکہ کفر ہے کہ سنی صحیح العقیدہ کو بلا وجہ مشرک کہنا خود شرک و کفر میں مبتلا ہونا ہے اس لئے کہ سنی قبر کو پوجتا نہیں ہے بلکہ اس کی زیارت کرتا ہے۔ اور قبروں کی زیارت کا حضور نے خود حکم فرمایا ہے جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا یعنی میں نے تم لوگوں کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب میں تمہیں اجازت دیتا ہوں) ان کی زیارت کیا کرو (مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۴) یہاں تک کہ حضور نے فرمایا من زار قبری وجبت لہ شفاعتی یعنی جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے (دار قطنی، بیہقی) اسی لئے ساری دنیا کے مسلمان قبر مبارک کی زیارت کرتے ہیں۔ لہٰذا قبر کی زیارت کرنے والے کو قبر پرست کہہ کر اسے مشرک قرار دینا ساری دنیا کے مسلمانوں کو مشرک ٹھہرانا ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۲/ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از۔ تراب علی رضوی جامع مسجد شیموگہ (کرناٹک)

عقائد و خیالات کے اعتبار سے مودودی جماعت و جماعت اسلامی ہند میں کیا فرق ہے؟ اور ایسے عقائد

والے مسلمان ہیں یا کافر نیز ان کو مساجد کا امام یا مؤذن یا متولی بنانا یا شادی بیاہ کا معاملہ کرنا قاضی نکاح بنانا۔ ان کی مجالس و اجتماعات میں شریک ہونا ان کی کتابیں پڑھنا پڑھانا ان کے ساتھ سلام و کلام کھانا پینا دوستی و محبت کا رشتہ قائم کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب مودودی جماعت اور جماعت اسلامی ہند میں کوئی فرق نہیں کہ عقائد و خیالات کے اعتبار سے یہ دونوں جماعتیں ایک ہیں علمائے اہلسنت نے تفہیمات وغیرہ کی کفری عبارتوں کے سبب اس جماعت کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی کو کافر قرار دیا ہے جس کی تفصیل مفتی محبوب علی خاں علیہ الرحمہ کے رسالہ "مودودی عقائد معروف کفریات" میں ہے لہٰذا جو لوگ مودودی کی کفری عبارتوں پر یقینی اطلاع پا کر بھی اسے مسلمان جانتے ہوں وہ بھی اسی کے حکم میں ہیں۔ اور جن لوگوں کو مودودی کفریات کی یقینی اطلاع نہیں مگر ان کا طریقہ کار مودودیوں اور وہابیوں کی طرح ہے وہ گمراہ اور بدمذہب ہیں۔ ان کو مساجد کا امام بنانا یا مؤذن و متولی بنانا ان کے ساتھ شادی بیاہ کا معاملہ کرنا، ان سے نکاح پڑھوانا۔ ان کی مجالس و اجتماعات میں شرکت کرنا۔ ان کی کتابیں پڑھنا پڑھانا۔ ان سے کسی قسم کا اسلامی تعلق رکھنا شرعاً ناجائز ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں کا بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین (پارہ ۷، رکوع ۱۴) اس آیت کریمہ کے تحت حضرت ملا جیون علیہ الرحمہ تفسیرات احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں ان القوم الظٰلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع اھ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم ولا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم یعنی بدمذہب اگر بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو۔ اگر مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ ان سے ملاقات ہو تو ان سے سلام نہ کرو۔ ان کے پاس نہ بیٹھو۔ ان کے ساتھ نہ پانی پیو۔ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ۔ ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرو۔ ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھو (مسلم شریف) اور اس حدیث کو ابوداؤد نے حضرت ابن عمر سے اور ابن ماجہ نے حضرت جابر سے اور عقیل و ابن حبان نے حضرت انس سے بھی روایت کیا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ وھو تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم
عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از محمد طاہر پاشاہ بنگا پور (کرناٹک)

بعض لوگ ابن تیمیہ کی بہت تعریف کرتے ہیں تو ابن تیمیہ کون تھا اور اس کے خیالات کیسے تھے؟ بینوا توجروا

الجواب بعون المولی تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ۔ جو لوگ ابن تیمیہ کی بہت تعریف کرتے ہیں یا تو وہ لوگ گمراہ و بدمذہب ہیں اور یا تو انھیں ابن تیمیہ کے بارے میں صحیح معلومات نہیں کہ وہ گمراہ و بدمذہب آدمی تھا اس نے بہت سے مسائل میں خرق اجماع کیا اور دین میں بہت سے فتنے پیدا کئے جیسا کہ فتاوی حدیثیہ میں ہے۔ اعلم انہ خالف الناس فی مسائل نبہ علیہا التاج السبکی وغیرہ. فمما خرق فیہ الاجماع قولہ ان طلاق الحائض لا یقع وکذا الطلاق فی طہر جامع فیہ. وان الصلاۃ اذا ترکت عمدًا لا یجب قضاءھا وان الحائض یباح لھا الطواف بالبیت ولا کفارۃ علیھا. وان الطلاق الثلاث یرد الی واحدۃ. وان المائعات لا تنجس بموت حیوان فیھا کالفارۃ. وان الجنب یصلی تطوعہ باللیل ولا یؤخرہ الی ان یغتسل قبل الفجر وان کان بالبلد. وان مخالف الاجماع لا یکفر ولا یفسق. وان ربنا محل الحوادث. وقولہ بالجسمیۃ والجھۃ والانتقال وانہ بقدر العرش لا اصغر ولا اکبر. وقال ان النار تفنی. وان الانبیاء غیر معصومین وان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا جاہ لہ ولا یتوسل بہ. وان انشاء السفر الیہ بسبب الزیارۃ معصیۃ لا تقصر الصلاۃ فیہ ویحرم ذلک یوم الحاجۃ ماسۃ الی شفاعتہ اھ ملخصًا۔ یعنی ابن تیمیہ نے بہت سے مسائل میں علمائے حق کی مخالفت کی ہے جس کی نشاندہی حضرت امام تاج الدین سبکی وغیرہ نے کی ہے۔ تو جن مسائل میں اس نے خرق اجماع کیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ حالت حیض میں اور جس طہر میں ہمبستری کی ہے طلاق نہیں واقع ہوتی اور نماز اگر قصدًا چھوڑ دی جائے تو اس کی قضا واجب نہیں۔ اور بحالت حیض میں بیت اللہ شریف کا طواف کرنا جائز ہے اور کوئی کفارہ نہیں اور تین طلاق سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے۔ اور تیل وغیرہ پتلی چیزیں چوہا وغیرہ کے مرنے سے نجس نہیں ہوتیں اور بعد ہمبستری غسل کرنے سے پہلے رات میں نفل نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ شہر میں ہو اور جو شخص اجماع امت کی مخالفت کرے اسے کافر و فاسق نہیں قرار دیا جائے گا۔ اور خدائے تعالیٰ کی ذات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے اور اس کے لئے جہت اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ خدائے تعالیٰ بالکل عرش کے برابر ہے نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ جہنم فنا ہو جائے گی۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام معصوم نہیں ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کا کوئی مرتبہ نہیں ہے ان کو وسیلہ نہ بنایا جائے اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت کی نیت سے سفر کرنا گناہ ہے ایسے سفر میں نماز کی قصر جائز نہیں جو شخص ایسا کرے گا وہ حضور کی شفاعت سے محروم رہے گا نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات۔

انھیں عقائد کی بنیاد پر جب خاتم الفقہا والمحدثین حضرت شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ذکر کیا گیا کہ ابن تیمیہ نے متاخرین صوفیہ پر اعتراض کیا ہے تو انھوں نے فرمایا۔ ابن تیمیہ عبد خذلہ واضلہ واعماہ واصمہ واذلہ۔ وبذلک صرح الائمۃ الذین بینوا فساد احوالہ وکذب اقوالہ ومن اراد ذلک فعلیہ بمطالعۃ کلام الامام المجتہد المتفق علی امامتہ وجلالتہ وبلوغ مرتبۃ الاجتہاد ابی الحسن السبکی وولد التاج والشیخ الامام العز بن جماعۃ واھل عصرھم وغیرھم من الشافعیۃ والمالکیۃ والحنفیۃ۔ ولم یقصر اعتراضہ علی متاخری الصوفیۃ بل اعترض علی مثل عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ والحاصل ان لایقام لکلامہ وزن بل یرمی فی کل وعر وحزن ویعتقد فیہ انہ مبتدع ضال ومضل جاھل غال۔ عاملہ اللہ بعدلہ واجارنا من مثل طریقتہ وعقیدتہ وفعلہ آمین اھ) یعنی ابن تیمیہ ایسا شخص ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اسے نامراد کر دیا اور گمراہ فرما دیا اور اس کی بصارت وسماعت کو سلب فرمالیا اور اس کو ذلت کے گڈھے میں گرادیا۔ اور ان باتوں کی تصریح ان اماموں نے فرمائی ہے جنھوں نے اس کے احوال کے فساد اور اس کے اقوال کے جھوٹ کا پول کھولا ہے۔ جو شخص ان باتوں کا تفصیلی علم حاصل کرنا چاہے اسے لازم ہے کہ وہ اس امام کے کلام کا مطالعہ کرے۔ جن کی امامت وجلالت پر سب علمائے کرام کا اتفاق ہے اور جو مرتبہ اجتہاد پر فائز ہیں یعنی حضرت ابوالحسن سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت تاج الدین سبکی کے فرزند اور حضرت شیخ امام عز الدین بن جماعہ اور ان کے ہمعصر شافعی، مالکی اور حنفی علماء کی کتابوں کو پڑھے اور ابن تیمیہ کے اعتراضات فقط متاخرین صوفیہ ہی پر نہیں بلکہ وہ تو اس قدر حد سے بڑھ گیا کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب اور امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی مقدس ذاتوں کو بھی اپنے اعتراضات کا نشانہ بنا ڈالا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ کی بکواسوں کا کوئی وزن نہیں بلکہ وہ اس قابل ہیں کہ گڈھوں اور کوؤں میں پھینک دی جائیں۔ اور ابن تیمیہ کے بارے میں یہی اعتقاد رکھا جائے کہ وہ بدعتی، گمراہ۔ دوسروں کو گمراہ کرنے والا۔ جاہل اور حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ خدائے تعالیٰ اس سے انتقام لے اور ہم سب لوگوں کو اس کی راہ اور اس کے عقائد سے اپنی پناہ میں

سکے۔ آمین (فتاویٰ حدیثیہ) اور عارف باللہ حضرت شیخ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ابن تیمیہ من الحنابلہ وقد رد علیہ ائمۃ مذھبہ حتی قال العلماء انہ الضال المضل ھ۱۔ یعنی ابن تیمیہ حنبلی کہلاتا تھا۔ حالانکہ اس مذہب کے اماموں نے بھی اس کا رد کیا ہے۔ یہانتک کہ علماء نے فرمایا کہ وہ گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ (صاوی جلد اول صـ۹۶) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ شعبان المعظم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از فقیر ابوالقمر غلام رضوی قادری غفرلہ موتی گنج گونڈہ

عمرو جو کہ روزہ نماز کا پابند ہو بزرگان دین کا فاتحہ قیام و سلام کا بھی قائل ہو لیکن دیوبندی وہابی وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھتا ہو اور یہ کہتا ہو سب فرقے حق پر ہیں کسی کو بھی برا نہیں کہنا چاہئے ہمارے دین نے کسی کو بھی برا کہنے کو نہیں کہتا تو کیا عمرو حق پر ہے عمرو کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: عمرو باطل پر ہے اس لئے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ستفترق امتی ثلثا وسبعین فرقۃ کلھم فی النار الا واحدۃ۔ یعنی عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں ایک فرقہ جنتی ہوگا۔ باقی سب جہنمی ہوں گے۔ لہٰذا عمرو کا یہ کہنا کہ سب حق پر ہیں گمراہی ہے۔ اور اگر دیوبندی وہابی کے عقائد کفریہ پر یقینی اطلاع پانے کے باوجود انہیں حق پر سمجھتا ہے اور مسلمان جان کر ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو بمطابق فتاویٰ حسام الحرمین کافر ہے۔ نماز کا پابند ہونا۔ بزرگان دین کا فاتحہ دلانا اور قیام و سلام وغیرہ کا قائل ہونا اسے کافر ہونے سے نہیں بچائے گا۔ اور عمرو نے جو یہ کہا کہ ہمارے دین نے کسی کو بھی برا کہنے کو نہیں کہا ہے تو وہابیوں کا خود ساختہ دین ضرور بروں کو برا کہنے سے روکتا ہے۔ لیکن مذہب اسلام کافر کو کافر کہنے اور سرکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گستاخوں کو برا کہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ میں کافروں کو کافر کہنے کا حکم دیا۔ اور ابولہب۔ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ کفار قریش نے جب حضور کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کی تو حضور نے انہیں کوئی جواب نہ دیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی برائی میں آیت کریمہ نازل فرمائی جس سے ثابت ہوا کہ ہمیں کوئی برا کہے اور ہماری شان میں گستاخی کرے تو جواب نہ دینا سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور اگر حضور کی شان میں بے ادبی کرے تو اسے سختی کے ساتھ جواب دینا اور برا کہنا طریقۂ الٰہیہ ہے بحمدہ تعالیٰ وبکرم حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ہم اہلسنت وجماعت سنت رسول اور سنت الہیہ دونوں پر عمل کرتے ہیں کہ ہمیں کوئی برا کہتا ہے تو ہم خاموش رہتے ہیں لیکن جب سرکار کی شان میں توہین کرتا ہے تو اسے منہ توڑ جواب دیتے ہیں لیکن قوم وہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ اس کے بالکل برعکس کرتے ہیں یعنی انھیں کوئی گالی دیتا ہے تو وہ بھی اسے گالی دیتے ہیں اور لڑنے جھگڑنے کو تیار ہوتے ہیں لیکن جب سرکار کی شان میں کوئی گستاخی کرتا ہے تو خاموش رہتے ہیں بلکہ گستاخی کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں اور جواب دینے والے کو جھگڑالو فسادی قرار دیتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ انھیں سمجھنے اور مذہب حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از رعب علی القادری۔ پیرولی بازار ضلع گورکھپور

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہوگا باقی سب ناری۔ اور غنیۃ الطالبین میں ان ۷۲ گمراہ فرقوں کا ذکر ہے لیکن ان میں قادیانی اور وہابی وغیرہ کا کہیں نام نہیں جس سے زید یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ زمانۂ موجودہ کے تمام فرقے فرضی ہیں۔ گمراہ نہیں تو اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد حق ہے اور غنیۃ الطالبین میں ۷۲ گمراہ فرقوں کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ بھی صحیح ہے لیکن زید کا اس سے نتیجۂ مذکورہ نکالنا گمراہی ہے حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ موجودہ کے تمام گمراہ فرقے قادیانی، چکڑالوی اور وہابی وغیرہ ہر ایک ان بہتر فرقوں میں سے کسی ایک کی شاخ ہیں اور ۷۲ اصل ہیں بلکہ قیامت تک جتنے گمراہ فرقے پیدا ہوں گے سب کے سب انہی اصلوں کی شاخ اور فرع ہوں گے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: صاحبزادہ خاں موضع شیوہروا پوسٹ بھدوکھر بازار ضلع بستی

زید کا اقرار ہے کہ میں مذہب اہل سنت ہی کو حق جانتا ہوں اور مانتا ہوں اس کے سوا جتنے مذاہب ہیں سب ناحق اور ان کے پیروکار گمراہ بددین اور کافر ہیں۔ آج سے تقریباً دس سال پہلے اپنی لڑکی کی شادی وہابی کے ساتھ کر دی تھی آج وہ اس کو بھیج رہا ہے مگر اس کا اقرار اب بھی یہ ہے کہ میں سنی ہوں اور وہابی

کافر ہے۔ عرض خدمت یہ ہے کہ آیا ایسی صورت میں زید کی جو دوسری لڑکی غیر منکوحہ ہے اس کی شادی بکر اپنے لڑکے کے ساتھ کر سکتا ہے یا نہیں؟ بکر کا عقیدہ مع اپنے گھر کے سنی ہے۔ زید کے بھائی اور باپ سبھی سنی ہیں۔ اور ان کی کوشش یہ ہے کہ زید کی دوسری لڑکی کو بکر ہی کے یہاں کی جائے۔ زید کی دوسری لڑکی کے ساتھ اگر شادی نہیں ہو سکتی ہے تو کیا زید کافر ہے یا گمراہ جواب سے ممنون کرم فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب برصحت اقوال مستفتی زید نہ کافر ہے نہ گمراہ بلکہ پکا دنیادار شدید فاسق معلن ہے۔ زید کی لڑکی کا بکر کے لڑکے کے ساتھ اگرچہ نکاح جائز ہے لیکن تحفظ دینداری کے خاطر بہتر نہیں کیونکہ آگے چل کر اس رشتہ سے بکر کے تصلب کے لئے خطرہ ہے لیکن اگر حالات اس قسم کے ہوں کہ زید کی لڑکی کو اپنے گھر لا کر وہابی کے گھر جانے سے بچاتا ہے اور اس رشتہ کے قیام سے اپنے دین پر کسی طرح کی آنچ آنے کا اندیشہ نہیں تو اس صورت حال کے پیش نظر زید کی لڑکی کو نکاح کرا کر اپنے گھر لانا ہی مناسب ہے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الجواب صحیح
غلام جیلانی قادری حنفی

کتبہ: جلال الدین احمد قادری رضوی
۲۰۔ محرم ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از عبد الغنی موضع محو گراچھوا مظفر پور (بہار)

ایک شخص داڑھی منڈاتا ہے اور پاجامہ ٹخنہ کے نیچے استعمال کرتا ہے جب کچھ کہا جاتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ قرآن میں ثبوت نہیں پاتے ہیں اور حدیث پر شک ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے داڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے آیت کریمہ اور حدیث شریف سے ثبوت لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحی میں ملاحظہ کریں۔ ٹخنہ سے نیچے پاجامہ کا استعمال اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو حرام ہے اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ تنزیہی اور نماز خلاف اولیٰ ہوگی فتاوی عالمگیری میں ہے اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراھۃ تنزیھۃ۔ بحوالہ فتاوی رضویہ جلد سوم ص ۴۴۸۔ شخص مذکور سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ تم یا تو قرآن مجید سے ثبوت لاؤ کہ داڑھی منڈانا جائز ہے ورنہ داڑھی منڈانا بند کرو۔ حیرت کہ وہ جاہل بے ادب داڑھی منڈانے کا ثبوت قرآن کریم میں پایا گیا اور داڑھی رکھنے کا ثبوت اس نے قرآن حکیم میں نہیں پایا حاصل گفتگو یہ ہے کہ اس شخص پر توبہ فرض ہے اور حکم شرع کے سامنے جھک جانا لازم ہے اگر توبہ نہیں کرتا تو مسلمان اس سے اسلامی

تعلقات منقطع کریں۔ جو احادیث مبارکہ داڑھی رکھنے کے بارے میں علمائے اہلسنت نے بیان فرمائی ہیں ان پر شک کرنے والا غیر مقلد گمراہ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: بدرالدین احمد القادری الرضوی

۱۹ر من ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از عزیز احمد بیگ رضوی خطیب مسجد بنگالی اسٹریٹ وبراج پیٹ۔ کرناٹک

مولانا ابوالوفا صاحب فصیحی غازیپوری نے اپنے مسدس میں لکھا ہے۔

ایک لکھتا ہے کہ برحق تھا یزیدی لشکر — باغی ومفسد وغدار تھے ابن حیدر

عظمت دین کو رسوا کیا کوفہ جاکر — خودکشی کا ہے یہ اقدام باندازِ دگر

بات تو جب تھی کہ لکھ دیتا تو یہ اے محمود

کربلا ہی کہیں دنیا میں نہیں ہے موجود

دریافت کرنا یہ ہے کہ محمود کون ہے؟ کس جماعت سے اس کا تعلق ہے؟ اور کس کتاب میں اس نے یہ جملے لکھے ہیں؟ اور علمائے حق کا ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: محمود عباسی امروہہ ضلع مرادآباد کا رہنے والا ہے جو تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلا گیا ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا۔ "خلافت معاویہ ویزید" اسی کتاب میں محمود نے یزید کو امیرالمومنین اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی قرار دیا تھا۔ جب مسلمانوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا تو حکومت نے اس کتاب کو ضبط کرلیا اور اس کی نشرواشاعت کو جرم قرار دیا۔ اسی لئے اب وہ کتاب کہیں دستیاب نہیں ہوتی۔ محمود علمائے حق کے نزدیک گمراہ وبدمذہب ہے۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: محمد ایوب قادری گونڈوی۔ نوری مسجد جنکشن بریلی شریف

زید کا اس شعر کے مطابق عقیدہ ہے اور زید کہتا ہے کہ میرے مرشد گرامی بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے اور لوگوں کو بیعت کرتے تھے میں ان کی خانقاہ کا سجادہ نشین ہوں اور میرے مرشد گرامی نے مجھے خلافت عطا فرمائی ہے۔ میرے مرشد گرامی یہ شعر پڑھتے تھے اور عقیدہ بھی رکھتے تھے اس لئے میں بھی وہی شعر پڑھتا ہوں اور میرا بھی

عقیدہ ہے وہ شعر یہ ہے۔

نہ ہندو ہوں نہ مسلم نہ عیسائی نہ کافر ہوں

ہوں خادم اپنے مرشد کا مرا مذہب محبت ہے

دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ شعر کیسا ہے اور اس کے مطابق عقیدہ رکھنے والے کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فتاوی عالمگیری جلد دوم احکام المرتدین میں ہے من شك فی ایمانه وقال انا مومن انشاء الله فهو کافر اھ۔ اور بہار شریعت حصہ نہم بیان مرتد میں ہے کہ جس شخص کو اپنے ایمان میں شک ہو یعنی کہتا ہے کہ مجھے اپنے مومن ہونے کا یقین نہیں یا کہتا ہے معلوم نہیں میں مومن ہوں یا کافر تو وہ کافر ہے اھ ان عبارتوں سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ جب اپنے ایمان میں شک کرنے والا کافر ہے تو جو شخص یہ کہے کہ میں مسلم نہیں ہوں وہ بدرجۂ اولی کافر ہے بعد میں یہ کہنا کہ میں کافر نہیں اسے کچھ فائدہ نہ دے گا۔ لہذا شعر مذکور کفری ہے۔ مرید ہو یا سجادہ نشین کوئی بھی ہو اس کے مطابق عقیدہ رکھنے والا کافر ہے۔ اس پر توبہ تجدید ایمان فرض ہے اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی ضروری ہے۔ وھو تعالی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۷ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

مسئلہ:۔ از چاند علی رضوی سنی نورانی مسجد سودیا نگر۔ وکرولی بمبئی ۸۳

زید کہتا ہے کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی نے سب مسلمانوں کو کفر و ضلالت سے نکالا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی نے مسلمانوں کو کفر و ضلالت سے نکالا ہے وہ اگر جاہل نہیں تو گمراہ اور گمراہ گر ہے۔ مسلمان اس کی بات سننے سے سخت پرہیز کریں صحیح یہ ہے کہ اس نجدی خبیث نے مسلمانوں کو کفر و ضلالت سے نکالا نہیں ہے بلکہ کفر و ضلالت میں مبتلا کیا ہے۔ انبیائے کرام و بزرگان دین کی شان میں سخت توہین کی ہیں۔ اس کے متبعین نے حرمین طیبین میں بے انتہا مظالم ڈھائے ہیں وہ صرف اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں باقی سب مسلمانوں کو مشرک سمجھتے ہیں اسی لئے علمائے اہلسنت وجماعت اور ان کے علماء کے قتل کرنے کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ جیسا کہ دیوبندیوں کے شیخ الاسلام مولانا حسین احمد ٹانڈوی سابق صدر المدرسین دیوبند اپنی کتاب الشہاب الثاقب صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی ابتداء

تیرہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہلسنت و جماعت سے قتل و قتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا۔ ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھتا رہا۔ ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کے فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے ـــــــ پھر یہی دیوبند کے شیخ الاسلام اپنی اسی کتاب الشہاب الثاقب کے صہ۴۳ پر لکھتے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانان دیار مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال و جائز ہے بلکہ واجب ہے اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ اتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد و تغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون و استباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم (شامی جلد سوم مطبوعہ دیوبند ص۳۰۹) وهو تعالى اعلم۔

کـ جلال الدین احمد امجدی ـ غفرلہ

۲۰ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد محی الدین محلہ باغیچہ التفات گنج ضلع فیض آباد

بعض لوگ کہتے ہیں کہ عرب میں کوئی کافر نہ ہوگا اور نہ کافروں کی حکومت ہوگی۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ عرب کے لوگ اس کو پوجیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آج ملک عرب خصوصاً مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں نجدی وہابی کی حکومت ہے جسے اہل سنت و جماعت مسلمان نہیں مانتے۔ تو اس صورت میں حدیث شریف کا مطلب کیا ہے؟ اطمینان بخش مفصل جواب تحریر فرما کر ہم اہلسنت و جماعت کو مطمئن فرمائیں۔

لك الحمد يا الله والصلوة والسلام عليك يا رسول الله

الجواب ـــــــ بعون الملك العزيز الوهاب نجدی وہابی وہ قوم ہے جو صرف اپنے کو مسلمان سمجھتی ہے اور جو لوگ ان کے فاسد اعتقادات کی موافقت نہیں کرتے انھیں کافر و مشرک کہتی ہے۔

اسی لئے وہ لوگ اہلسنت وجماعت کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں اور علمائے اہلسنت کے خون کو حلال ٹھہراتے ہیں جیسا کہ خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں اتباع عبد الوھاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستباحوا بذلک قتل اھل السنۃ وقتل علمائھم یعنی عبدالوہاب کے ماننے والے نجد سے نکلے اور مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ پر قبضہ کرلیا وہ لوگ اپنا مذہب حنبلی بتاتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی لوگ مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کی مخالفت کریں وہ کافر و مشرک ہیں۔ اسی سبب سے وہ لوگ اہلسنت اور ان کے علماء کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں (شامی مطبوعہ دیوبند ص۳۰۹ ج ۳) اور دیوبندیوں کے مولانا حسین احمد ٹانڈوی سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند لکھتے ہیں "محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداء تیرہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہلسنت والجماعت سے قتل و قتال کیا ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہونچائیں سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا پڑا۔ اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے (الشہاب الثاقب ص۴۲) اور اسی کتاب کے ص۶۲ پر لکھتے ہیں کہ "محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل اسلام و تمام مسلمانان دیار مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال و جائز بلکہ واجب ہے" اسی وجہ سے وہابیوں نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں بے انتہا مظالم ڈھائے یہاں تک کہ جنت البقیع مدینہ شریف کے قبرستان میں حضرت عثمان غنی، حضرت دائی حلیمہ، حضور کی صاحبزادی بی بی فاطمہ، حضرت امام حسن، حضور کی ازواج مطہرات اور بہت سے جلیل القدر صحابہ و صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات کو ہتھوڑوں اور پھاوڑوں سے توڑ اور کھود کر پھینک دیا اور مکہ معظمہ میں بھی جنت المعلیٰ قبرستان میں ام المومنین حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار مبارک کے گنبد کو توڑ دیا اور عالی شان مزار کو کھود کر پھینک دیا۔ بیچ قبرستان سے صحابۂ کرام کی قبروں پر پختہ سڑک بنادی۔ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مزار کے اوپر پکی سڑک بنادی۔ اور یہاں تک کہ سعودی جو بنص قرآن

اللہ تعالیٰ کی ہیں جیسا کہ پ۲۹ سورۂ جن میں ہے۔ وان المسجد للہ وہابیوں نے انھیں بھی گرا دیا۔ مسجد شجرہ جہاں درخت نے حضور کے سچے نبی ہونے کی گواہی دی تھی اسے کھود کر پھینک دیا اور غار ثور غار حرا کے مبارک پہاڑوں کی مسجدوں کو بھی ڈھا دیا اور اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گنبد خضرا کے توڑنے کا پروگرام بنا رہی ہے۔ حضرت سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ "وہابی جب مسجدوں اور قبروں کو مکہ معظمہ میں توڑ رہے تھے تو بڑی ڈینگیں مارتے تھے۔ ڈھول بجا بجا کر گانا گاتے تھے اور صاحب قرآن کو گالیاں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اس ظالم قوم وہابی نے بعض قبروں پر پیشاب بھی کیا۔ (خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام جلد ثانی ص۲۹۸)

سوال میں مشکوٰۃ شریف کی جس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔ ان الشیطان قد ایس من ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب ولکن فی التحریش بینہم۔ اس حدیث شریف کا ترجمہ مشکوٰۃ مترجم وہابی مطبوعہ کراچی جلد اول ص۲۳ میں یوں ہے۔ "شیطان اس امر سے مایوس ہوگیا ہے کہ مصلی (مومن) جزیرۂ عرب میں اس کی عبادت کریں (یعنی بت پرستی میں بتلا رہیں) اور اسی وجہ سے وہ ان کے درمیان لڑائی جھگڑا پیدا کیا کرتا ہے۔ انتہی بالفاظہ۔ وہابی کے اس ترجمہ سے واضح ہوگیا کہ شیطان کی عبادت کا مطلب ہے بت پرستی میں بتلا رہنا یعنی جزیرۂ عرب کے مسلمان بت پرستی میں بتلا رہیں ایسا نہ ہوگا۔ اور محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "طیبی گفتہ مراد بمصلین مومنانند و مراد بعبادت شیطان عبادت اصنام واگرچہ اصحاب مسیلمہ ومانعی الزکاۃ براہ ارتداد رفتند اما عبادت اصنام نہ کردند۔" یعنی علامہ طیبی نے فرمایا کہ مصلیوں سے مومنین مراد ہیں اور شیطان کی عبادت سے بتوں کی پوجا مراد ہے اور اگرچہ مسیلمہ کے ساتھی اور مانعین زکاۃ مرتد ہوئے لیکن ان لوگوں نے بتوں کی پوجا نہیں کی (اشعۃ اللمعات جلد اول ص۷۳) اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ معنی الحدیث ایس من ان یعود احد من المومنین الی عبادۃ الصنم ویرتد الی شرکہ فی جزیرۃ العرب ولا یرد علی ذلک ارتداد اصحاب مسیلمۃ ومانعی الزکاۃ وغیرہم ممن ارتد وابعد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لانہم لم یعبدوا الصنم یعنی حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ جزیرۂ عرب میں کوئی مومن بت پرستی کی طرف لوٹ کر شرک نہ کرے گا۔ اور اس پر اصحاب مسیلمہ اور مانعین زکاۃ وغیرہ کے مرتد ہونے کا اعتراض نہ پڑے گا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد مرتد ہوئے تھے اس لئے کہ ان مرتدوں نے بتوں کی پوجا نہیں کی تھی (مرقاۃ جلد اول ص۱۱۱) اور اسی طرح مشکوٰۃ شریف ص۱۹

میں حدیث مذکور کے حاشیہ پر لمعات سے بھی ہے۔

ان شروح و حواشی کے حوالہ جات سے حدیث شریف کا مطلب بالکل واضح اور متعین ہوگیا کہ مخبر صادق حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اب عرب کے مسلمان اپنے دین سے پھر کر بت پرستی نہ کریں گے۔ لہٰذا جزیرۂ عرب کے لوگوں کا کسی وقت مرتد ہوجانا یا اس پر کسی زمانہ میں مرتدوں کی حکومت قائم ہوجانا حدیث شریف کے خلاف اور منافی نہیں جیسا کہ حضور سرکار کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ کے فوراً بعد مسیلمہ کذاب اس کے متبعین اور مانعین زکاۃ جزیرۂ عرب ہی میں مرتد ہوئے اور ۳۲۰ھ میں عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ میں مرتد ابوطاہر قرمطی کے فتنہ کے سبب حج بند ہوگیا۔ اس نے خاص حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ پر غلبہ حاصل کیا مسجد حرام کے اندر ہزاروں حاجیوں کو قتل کر ڈالا اور مقدس پتھر حجر اسود پر اپنا گرز مار کر اس کو توڑ ڈالا پھر اس کو اکھاڑ کر اپنے دار السلطنت ہجر میں لے گیا۔ یہاں تک کہ بیس برس تک کعبہ معظمہ سے حجر اسود جدا رہا۔ پھر عباسی خلیفہ مطیع کے زمانہ میں جب قرامطہ مغلوب ہو گئے تو حجر اسود پھر "ہجر" سے لاکر کعبہ معظمہ کی دیوار کے کونے میں بدستور سابق جوڑا گیا۔ ان ساری تفصیلات کو حضرت علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ قال محمد بن الربیع بن سلیمان کنت بمکۃ سنۃ القرامطۃ فصعد رجل لقلع المیزاب وانا اراہ فعیل صبری وقلت ربی ما احملک فسقط الرجل علی دماغہ فمات وصعد القرمطی المنبر وھو یقول انا باللہ وباللہ انا اخلق الخلق وافنیھم انا یعنی محمد بن ربیع بن سلیمان نے بیان کیا کہ میں فتنۂ قرامطہ کے سال مکہ شریف میں موجود تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان میں کا ایک آدمی کعبہ معظمہ کے پرنالے کو اکھاڑنے کے لئے اس کی چھت پر چڑھ گیا۔ میں نے یہ منظر دیکھا تو مجھ سے صبر نہ ہوسکا میں نے کہا اے میرے پروردگار تو کیا ہی حلیم ہے۔ اسی وقت وہ شخص سر کے بل زمین پر گر پڑا اور مرگیا اور ابوطاہر قرمطی مسجد حرام کے منبر پر چڑھ کر کہنے لگا کہ میں خدا کی قسم۔ خدا کی قسم میں مخلوق کو پیدا بھی کرتا ہوں اور ان کو فنا بھی کرتا ہوں۔ (حجۃ اللہ علی العالمین جلد ثانی ص۸۲۹) اور پھر خلیفہ مستعصم باللہ کے دور ۶۵۴ھ میں مدینہ طیبہ پر رافضیوں کا قبضہ رہا اسی زمانہ میں مسجد نبوی میں ایسی بھیانک آگ لگ گئی کہ مسجد اور اس کی زیب و زینت کا سارا سامان جل کر راکھ ہوگیا۔ حضرت علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آگ کے اس واقعہ کو لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ ان الاستعلاء علی المسجد والمدینۃ کان فی ذلک الزمان للشیعۃ وکان القاضی والخطیب منھم حتی ذکر ابن فرحون ان اھل السنۃ لم یکن احد منھم یتظاھر بقراءۃ کتب اھل السنۃ

یعنی اس زمانہ میں مسجد نبوی اور مدینہ شریف پر رافضیوں کا قبضہ تھا قاضی شہر اور مسجد نبوی کے امام و خطیب سب روافض ہی تھے۔ یہاں تک کہ ابن فرحون کا بیان ہے کہ کوئی شخص مدینہ منورہ میں اہل سنت و جماعت کی کتابوں کو علانیہ نہیں پڑھ سکتا تھا۔ (وفاء الوفاء جلد اول ص ۴۲۹)

ان شواہد سے ظاہر ہو گیا کہ زمانہ موجودہ یا آئندہ میں اگر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر مرتدوں کا تسلط ہو تو یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی کہ پہلے زمانہ میں بھی اس مقدس سرزمین پر مرتدوں اور بدمذہبوں کا کئی کئی سال تک قبضہ و تسلط رہا پھر جب خدائے تعالیٰ نے چاہا تو حرم کو ان کے قبضہ و تسلط سے پاک فرمایا۔ هذا ما ظهر لي والعلم بالحق عند الله تعالیٰ ورسوله جل جلاله وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از حفیظ الدین رضوی احمد پور ضلع مالدہ۔ بنگال

حضرت مولانا فضل رسول عثمانی بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۲۶۵ھ میں ایک کتاب سیف الجبار تحریر فرمائی جس میں حضرت ممدوح نے پیشوائے وہابیہ ملا اسمٰعیل دہلوی کی گمراہیوں کو بے نقاب فرمایا ہے اور اس کے ساتھ سید احمد بریلوی کے کچھ حالات بیان کئے ہیں جس سے واضح ہے کہ سید احمد بریلوی ملا اسمٰعیل دہلوی کی اشاعت گمراہی سے متفق و راضی تھے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ سید احمد رائے بریلوی کو صحیح العقیدہ سنی مانا جائے یا فاسد العقیدہ گمراہ قرار دیا جائے۔ اور یہ کہ سید احمد رائے بریلوی صاحب کے سلسلۂ بیعت میں مرید ہونا جائز ہے یا نہیں۔ اور جو لوگ رائے بریلوی صاحب کے سلسلہ میں مرید ہیں وہ اپنی بیعت باقی رکھیں یا توڑ دیں، بینوا توجروا۔

الجواب: اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ حضرت مولانا شاہ فضل رسول بدایونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنی مسلمانوں کے ایک بہت ہی معزز قابل اعتماد عالم دین ہیں۔ واقعی حضرت نے ملاجی اسمٰعیل دہلوی کے مکر و فریب بیان کرنے کے ضمن میں سید احمد رائے بریلوی کے بھی کچھ مختصر حالات ذکر فرمائے ہیں جن سے واضح ہے کہ رائے بریلوی صاحب مذکور صحیح العقیدہ سنی نہ تھے۔ لہٰذا رائے بریلوی کے سلسلہ بیعت میں مرید ہونا درست نہیں۔ اور جو لوگ رائے بریلوی صاحب کے سلسلے میں بیعت ہو گئے ہیں وہ بیعت کو ختم کر کے کسی دوسرے قابل بیعت سنی پیر سے مرید ہو جائیں۔ جناب مولانا فضل احمد صاحب لدھیانوی اپنی کتاب

انوار آفتاب صداقت مطبوعہ لاہور ۱۹۳ء میں زیر عنوان " وہابیوں کے تاریخی حالات " جناب سید احمد رائے بریلوی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پھر (رائے بریلوی صاحب) پیری مریدی کے طریق سے اپنے گروہ کو تقویت دینے لگے اور ملکی جرگوں کو اپنے مریدوں میں داخل کرتے رہے مگر ان کی عادت جبلی سے خلیفہ (سید احمد) کو علم نہ تھا۔ ایک گروہ عظیم کے بھروسے پر جو لاکھ آدمیوں سے زائد تھا مطمئن ہوکر اپنے مشیروں کو صلاح سے خطاب امیر المومنین قبول کیا اپنی خلافت شرعی کی کاروائی شروع کردی اور شاہ بخارا اور امیر کابل کو اپنی استعانت کے بارے میں مراسلے روانہ کئے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دعوت اسلام کا پیغام دیا۔ امرار نامدار وعلماء لاہور کو مطلع کیا کہ (مجھ سید احمد) امیر المومنین سے بیعت حاصل کرو جب کوئی امیر مسلمان اور عالم پنجاب کا ان کی طرف متوجہ نہ ہوا تب انھوں نے ان کی تکفیر کا فتوی جاری کیا۔ اس فتوائے تکفیر کے اجراء سے تمام ملک پنجاب کے امیر اور علماء ناراض ہوگئے اور جواب لکھے کہ تم (سید احمد) وہابی مذہب ہو تم سے بیعت کرنا روا نہیں۔ (انتہی)

اس بیان سے واضح ہوا کہ رائے بریلوی صاحب کے ہمعصر پنجاب کے تمام علمائے کرام رائے بریلوی صاحب کو سنی صحیح العقیدہ نہیں مانتے تھے بلکہ ان کو وہابی سمجھتے تھے۔ واللہ تعالی ورسولہ الکریم اعلم بالصواب۔

کتبہ بدرالدین احمد الصدیقی الرضوی

من اساتذہ دارالعلوم فیض الرسول الواقعۃ فی براؤں شریف من اعمال بستی فی یوپی لاثنا عشر من ربیع الغوث سنۃ اربع وتسعین وثلثمائۃ والف من الھجریۃ للقدسۃ وصلی المولی تعالی علیہ وسلم علی اول خلق اللہ وافضل خلق اللہ واکبر خلق اللہ واعلم خلق اللہ واکرم خلق اللہ واسمع خلق اللہ وانفع خلق اللہ وابصر خلق اللہ واحسن خلق اللہ سیدنا محمد رسول اللہ وعلی الہ واصحابہ وازواجہ واصولہ وفروعہ ابنہ الغوث الاعظم الجیلانی البغدادی اجمعین واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

مسئلہ: از محمد سلیم الدین (بی۔ اے) مکان ۱۳۸/۳ سی ٹیودی روڈ گلبرگہ (کرناٹک)

زید کہتا ہے کہ اہل ہنود قطعی مشرک نہیں ہیں کہ ان کا پتھروں کے آگے سر جھکانا اور انھیں پوجنا بالکل ہماری عبادت کے عین مطابق ہے اس لئے کہ ان کے ذہنوں میں تصور صرف خدا کا ہوتا ہے دیوی اور دیوتا وغیرہ تو صرف بھگوان کے اوتار ہیں اس طرح خدا کی ذات میں کسی اور کو وہ شریک نہیں کرتے تو اس کے بارے میں قرآن وحدیث سے جواب تحریر فرمائیں اور شخص مذکور کے متعلق شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب۔ زید کا یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اہل ہنود قطعی مشرک نہیں ہیں۔ اس لئے کہ آدمی تین طرح سے مشرک ہوتا ہے۔ ایک تو خدائے تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوجود ماننے سے دوسرے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خالق تسلیم کرنے سے اور تیسرے خدائے تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت کرنے یا اسے مستحق عبادت سمجھنے سے جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ؎ شرک سہ قسم ست در وجود و در خالقیت و در عبادت۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص۷۲) اور حضرت علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ الاشراك هو اثبات الشرك فی الالوهية بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادة کما لعبدة الاصنام۔ (شرح عقائد نسفی ص۶۱) لہٰذا اہل ہنود بتوں کو پوجنے یا ان کو مستحق عبادت سمجھنے کے سبب قطعی مشرک ہیں ان کے ذہنوں میں خدا کا تصور ہونا انہیں مشرک ہونے سے نہیں بچا سکتا کہ اسی قسم کا عقیدہ اکثر مشرکین عرب کا بھی تھا کہ وہ بھی خدائے تعالیٰ کو مانتے تھے مگر بتوں کی پوجا کے سبب مشرک تھے جیسا کہ پ۱۳ رکوع ۶ میں ہے۔ وما یؤمن اکثرهم باللّٰه وهم مشرکون یعنی ان میں کے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے ہی کی حالت میں، مشرک ہیں۔ تفسیر جلالین میں ہے وما یؤمن اکثرهم باللّٰه حیث یقرون بانه الخالق الرزاق الا وهم مشرکون بعبادة الاصنام۔ یعنی ان میں کے اکثر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اس طرح سے کہ ان کو خدا کے خالق و رزاق ہونے کا اقرار تھا مگر بتوں کی عبادت کے سبب وہ مشرک تھے۔

اور تفسیر خازن میں اسی آیت کریمہ کے تحت ہے۔ یعنی ان من ایمانهم انهم اذا سئلوا من خلق السموات والارض قالوا اللّٰه واذا قیل لهم من ینزل المطر قالوا اللّٰه وهم مع ذلك یعبدون الاصنام وفی روایة ابن عباس انهم یقرون ان اللّٰه خالقهم فذلك ایمانهم وهم یعبدون غیره فذلك شرکهم۔ یعنی جب مشرکین عرب سے پوچھا جاتا کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا فرمایا تو وہ لوگ کہتے کہ اللہ۔ اور جب ان سے کہا جاتا کہ بارش کون نازل فرماتا ہے تو وہ لوگ کہتے کہ اللہ۔ مگر چونکہ خدائے تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے ساتھ وہ بتوں کی پوجا بھی کرتے تھے اس لئے وہ مشرک تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ہے کہ مشرکین عرب اقرار کرتے تھے کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے یہ تھا ان کا ایمان۔ مگر وہ خدائے تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے تھے یہ ان کا شرک تھا۔ اور تفسیر مدارک میں اسی آیت کریمہ کے تحت ہے۔ ای وما یؤمن اکثرهم فی اقرارہ باللّٰه وبانه خلقه وخلق السماوات والارض الا وهو مشرك بعبادة الوثن الجمهور

علی انھا نزلت فی المشرکین۔ یعنی مشرکین عرب میں سے اکثر کو اللہ تعالٰی پر ایمان کا اقرار تھا اور اس بات کا بھی اعتراف تھا کہ ان کو اور آسمان و زمین کو خدائے تعالٰی نے پیدا فرمایا ہے مگر بتوں کی پرستش کے سبب وہ مشرک تھے۔ اور جمہور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مذکورہ مشرکین ہی کے بارے میں نازل ہوئی اور تفسیر ابو السعود میں ہے۔ ومایؤمن اکثرھم باللہ فی اقرارھم بوجودہ وخالقیتہ الا وھم مشرکون بعبادتھم لغیرہ تعالٰی۔ یعنی اکثر مشرکین عرب اللہ تعالٰی پر ایمان رکھتے تھے کہ ان کو خدائے تعالٰی کے وجود و خالقیت کا اقرار تھا لیکن غیر اللہ کی عبادت کرنے کے سبب وہ مشرک تھے۔

بلکہ خدائے تعالٰی نے قرآن مجید میں خود مشرکین عرب کے ایمان کو مختلف آیتوں میں بالتفصیل بیان فرمایا ہے شاپ رکوع ۹ میں ہے۔ قل من یرزقکم من السماء والارض امن یملک السمع والابصار ومن یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ومن یدبر الامر فسیقولون اللہ۔ یعنی تم فرماؤ کہ آسمان و زمین سے تمہیں روزی کون دیتا ہے؟ یا کان اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے؟ اور تمام کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے؟ تو اب مشرکین عرب کہیں گے کہ اللہ اور پ رکوع ۵ میں ہے قل من رب السموات السبع ورب العرش العظیم سیقولون اللہ یعنی تم فرماؤ کہ عرش عظیم اور ساتوں آسمان کا مالک کون ہے تو اب مشرکین کہیں گے اللہ کی شان ہے اور پ ع میں ہے۔ ولئن سالتھم من خلق السموات والارض وسخر الشمس والقمر لیقولن اللہ۔ یعنی تم اگر ان سے پوچھو کہ آسمان و زمین کس نے پیدا فرمایا اور چاند و سورج کو کس نے کام میں لگایا تو مشرکین ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر اسی پارہ اور اسی رکوع میں ہے۔ ولئن سالتھم من نزل من السماء ماء فاحیا بہ الارض من بعد موتھا لیقولن اللہ۔ یعنی اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان سے پانی کس نے اتار کر اس سے مردہ زمین میں زندگی پیدا کر دی تو وہ ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ اور پارہ ۲۵ رکوع ۱۳ میں ہے۔ ولئن سالتھم من خلقھم لیقولن اللہ۔ یعنی اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور ضرور کہیں گے کہ اللہ نے ان عقائد کے باوجود مشرکین عرب چونکہ بتوں کی پوجا کرتے تھے اس لئے وہ مشرک تھے اسی طرح یہاں کے اہل ہنود بھی اگرچہ خدائے تعالٰی کو مانتے ہیں مگر بتوں کی پرستش کے سبب وہ بھی مشرک ہیں اور ان کا پوجا ہرگز ہماری عبادت کے مطابق نہیں کہ وہ معبودان باطل کو پوجتے ہیں اور ہم صرف معبود برحق کی پرستش کرتے ہیں۔ اور دیوی دیوتا وغیرہ کو اگرچہ وہ اوتار مانتے ہیں مگر ان کو پوجتے بھی ہیں۔ اس طرح خدائے تعالٰی کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرنے کے سبب وہ مشرک ہیں۔ لہٰذا زید پر لازم ہے کہ وہ اپنے عقیدۂ باطلہ

سے رجوع کرے اور علانیہ توبہ واستغفار و تجدید ایمان کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس سے دور رہیں ورنہ وہ اوروں کو بھی گمراہ کر دے گا۔ قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین (پ ۷ رکوع ۱۴) ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ و رسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۱، رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد رئیس القادری متعلم مدینۃ العلوم بلبھر یادھانے پور ضلع گونڈہ

کیا قبر میں سوال وجواب اور عذاب وثواب مردہ کو زندہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے؟

الجواب: قبر میں سوال وجواب اور عذاب وثواب مردہ کو زندہ کرنے کے بعد کیا جاتا ہے یا کسی دوسرے طریقے سے۔ اس میں اختلاف ہے۔ لہٰذا اس کے بارے میں صرف اس قدر عقیدہ رکھنا کافی ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق جسم کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ اور خدائے تعالیٰ مردہ میں ایسی حالت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ دیکھتا سنتا باتیں کرتا۔ سوال کا جواب دیتا اور عذاب وثواب سے رنج وراحت پاتا ہے۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہار شریعت حصہ اول صفحہ ۲۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی روح کا تعلق بدن انسان کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ اگرچہ روح بدن سے جدا ہو گئی۔ پھر چند سطر کے بعد اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد مسلمان کی روح حسب مرتبہ مختلف مقاموں میں رہتی ہے۔ مگر کہیں بھی ہو اپنے جسم سے اس کا تعلق بدستور رہتا ہے اھ ملخصاً۔ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں اگر ہمیں قدر بداند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتے پیدا کند کہ بداں چیزے از الم و راحت دریابد دراعتقاد صحیح کفایت است واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۱۴) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۳، صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از حاجی اقبال احمد عیسیٰ نگر ضلع لکھیم پور (یو۔پی)

اصطلاح شریعت اسلامیہ میں عبادت۔ شرک اور بدعت کی تعریف کیا ہے؟

الجواب: بعون الملک الوھاب۔ ۱۔ حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ العبادۃ ھو فعل المکلف علی خلاف ھوی نفسہ تعظیما لربہ یعنی مکلف کا جو فعل اپنی

خواہش نفس کے خلاف اپنے رب کی تعظیم کے لئے ہو اسے عبادت کہتے ہیں (التعریفات ص۱۲۷) اور حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ العبادۃ عبارۃ عن تعظیم اللہ تعالیٰ واظہار الخشوع لہ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی کرنے اور اس کے لئے اظہار خشوع کرنے کا نام عبادت ہے۔ (تفسیر کبیر جلد اول ص۲۱۱)

۲ حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ الاشراک ھو اثبات الشریک فی الالوھیۃ بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس او بمعنی استحقاق العبادۃ کما لعبدۃ الاصنام۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو بھی واجب الوجود ماننا جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے۔ یا کسی غیر خدا کو لائق عبادت سمجھنا جیسا کہ بت پرستوں کا اعتقاد ہے شرک ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص۶۱) اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ شرک سہ قسم است۔ در وجود و در خالقیت و در عبادت (اشعۃ اللمعات) اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک تین قسم پر ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی واجب الوجود ٹھہرائے۔ دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خالق جانے۔ تیسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت کرے یا اسے مستحق عبادت جانے۔

۳ شارح مشکوٰۃ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری حدیث شریف کل بدعۃ ضلالۃ کے تحت فرماتے ہیں۔ قال النووی البدعۃ کل شئی عمل علی غیر مثال سبق وفی الشرع احداث مالم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقولہ کل بدعۃ ضلالۃ عام مخصوص۔ یعنی شارح مسلم حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ایسا کام جس کی مثال زمانۂ سابق میں نہ ہو (لغت میں) اس کو بدعت کہتے ہیں اور شرع میں بدعت یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں نہ تھی۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول کل بدعۃ ضلالۃ عام مخصوص ہے۔ (یعنی بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے) (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص۱۷۹) واضح ہو کہ بدعت کی کئی قسمیں ہیں۔ جیسا کہ شامی ص۳۹۳ جلد اول میں ہے۔ قد تکون (ای البدعۃ) واجبۃ کنصب الادلۃ لرد علی اھل الفرق الضالۃ وتعلم النحو المفھم للکتاب والسنۃ ومندوبۃ کاحداث نحو رباط ومدرسۃ وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول ومکروھۃ کزخرفۃ المساجد ومباحۃ کالتوسع بلذیذ الماکل والمشارب والثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تھذیب النووی ومثلہ فی الطریقۃ المحمدیۃ للبرکلی اھ یعنی بدعت کبھی واجب ہوتی

ہے جیسے گمراہ فرقے والوں پر رد کے لئے دلائل قائم کرنا اور علم نحو کا سیکھنا جو قرآن و حدیث سمجھنے میں معاون ہوتا ہے اور بدعت کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے مدرسوں اور مسافرخانوں کی تعمیر کرنا اور ہر وہ نیک کام کرنا جو ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا۔ اور بدعت کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے مسجدوں کو آراستہ مزین کرنا اور بدعت کبھی مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑے کی کشادگی اختیار کرنا جیسا کہ مناوی کی شرح جامع صغیر میں تہذیب النووی سے منقول ہے اور اس کے مثل برکلی کی کتاب طریقۂ محمدیہ میں ہے۔ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بدانکہ ہر چہ پیدا شدہ بعد از پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدعت ست واز آنچہ موافق اصول وقواعد سنت اوست و قیاس کردہ شدہ براں آنرا بدعت حسنہ گویند وآنچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند وکلیت کل بدعۃ ضلالۃ محمول بریں است وبعض بدعتہاست کہ واجب ست چنانچہ تعلم وتعلیم صرف ونحو کہ بداں معرفت آیات واحادیث حاصل گردد۔ وحفظ غرائب کتاب وسنت ودیگر چیزہائے کہ حفظ دین وملت براں موقوف بود وبعض مستحسن ومستحب مثل بنائے رباطہا ومدرسہا۔ وبعض مکروہ مانند نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقول بعض۔ وبعض مباح مثل فراخی در طعامہائے لذیذہ ولباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشد وباعث طغیان وتکبر ومفاخرت نشوند ومباحات دیگر کہ در زمان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبودند چنانکہ بیری وغربال ومانند آں وبعض حرام چنانکہ مذہب اہل بدع واہوا برخلاف سنت وجماعت وآنچہ خلفائے راشدین کردہ باشند اگرچہ باں معنی کہ در زمان آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبودہ بدعت ست۔ ولیکن از قسم بدعت حسنہ خواہد بود۔ بلکہ در حقیقت سنت ست۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۱۲۵) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۳ر شوال ۱۳۸۹ھ

مسئلہ:- از محمد خورشید خاں، صدر مسلم جماعت بھوانی پٹنہ۔ ضلع کالا ہانڈی (اڑیسہ)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس فتویٰ کے بارے میں کہ ایک سنی حافظ صاحب ہیں وہ چھوٹی موٹی کتابوں کی تجارت کرتے ہیں ایک شخص حافظ صاحب سے بہشتی زیور طلب کیا اس کے آرڈر پر حافظ صاحب نے منگا کر دے دیا کیونکہ تاجر کی فطرت ہوتی ہے کہ وہ گاہک کو خوش کرے چند لوگوں نے کہہ دیا کہ آپ حافظ صاحب وہابی ہوگئے۔ وہابی کتاب منگا کر دے دیتے ہیں آپ پر توبہ تجدید ایمان واجب ہوگیا ہے۔ اب ہمارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا سنی ایمان یا مسئلہ کیا اتنا کمزور ہے کہ صرف ایک کتاب منگانے سے وہابی ہو جاتا ہے یا وہابی در اصل

وہ ہے جو وہابی عقیدہ دل میں جمائے اور اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے۔ خلاصہ فرمائیں۔ کیا واقعی حافظ صاحب وہابی ہوگئے اور توبہ تجدید ایمان ان پر لازم ہوگیا؟ مہربانی ہوگی۔

الجواب :۔ وہابی عقیدہ رکھنے والے ہی کو وہابی کہتے ہیں۔ حافظ صاحب مذکور اگر عقائد اہلسنت کے ماننے والے ہیں تو بہشتی زیور خریدنے اور بیچنے کے سبب وہابی نہیں ہوگئے مگر چونکہ بہشتی زیور گمراہ کن کتاب ہے اس لئے اس کی خرید و فروخت جائز نہیں حافظ گنہگار ہوئے توبہ کریں اور آئندہ اس قسم کی گمراہ کن کتاب نہ بیچنے کا عہد کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔ ک جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ر شوال ۱۳۹۸ھ

مسئلہ :۔ از حافظ امام بخش مدرس دارالعلوم آباد انیہ تیغیہ سرکانہی شریف۔ ضلع مظفر پور (بہار)

سوال (۱) مشکوٰۃ شریف ص ۴۵۴ میں ہے۔ (باب الریاء والسمعہ) قال اللہ تعالیٰ انا اغنی الشرکاء عن الشرک (الی) ترکتہ و شرکہ۔ اس حدیث شریف کا مطلب بیان فرمایا جائے۔

(۲) مذکورہ بالا حدیث میں انا اغنی الشرکاء عن الشرک پر جو حاشیہ ہے اس کا مطلب بھی واضح فرمایا جائے۔

الجواب :۔ حدیث شریف مسئول عنہ اور اس کا مطلب مع ترجمہ نیچے لکھا جاتا ہے۔ (قال اللہ تعالیٰ انا اغنی الشرکاء عن الشرک من عمل عملا اشرک فیہ معی غیری ترکتہ و شرکہ) مشکوٰۃ شریف باب الریاء والسمعہ ص ۴۵۴ ترجمہ۔ جو لوگ اپنے ہاتھوں سے شرک کرواتے ہیں معبودیت میں خود کو شریک گرداتے ہیں) اور جو لوگ شریک کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان شرکاء کی نسبت ان مشرکین کے اعمال شرکیہ سے زیادہ غنی (یعنی بے پروا) ہوں لہٰذا ان کو مقبول نہیں بناتا تو) جس نے کوئی عمل کیا جس میں میرے غیر کو شریک کر دیا (خواہ ریاء و سمعہ) ہی کے طور پر کیوں نہ ہو تو میں اس شریک کنندہ کو اور اس کے عمل شرک کو نامقبول بنا کر چھوڑ دیتا ہوں۔

شرکاء کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) قسم اول :۔ وہ شرکاء ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنے آپ کو بھی شریک سمجھتے ہیں۔ (جو عابد ان کو عبادت میں شریک کرے تو اس کا یہ فعل شرک اکبر ہے۔)

(ب) قسم دوم :۔ وہ شرکاء ہیں جو عبادت میں اپنی شرکت تو نہیں چاہتے مگر وہ اس کے متمنی اور

خواہشمند رہتے ہیں کہ عابدین انھیں دکھاسنا کر عبادت کیا کریں۔ یہ بھی ایک قسم کا شریک فی العبادت ہونا ہے۔ لہذا یہ بھی شرکاء ہوئے۔ (ایسی ریاء والی عبادت شرک اصغر ہے)

انا اغنی الشرکاء میں شرکاء سے مراد عام شرکاء لئے جائیں تاکہ دونوں قسموں کو شامل ہو جائے اور ترکتہ وشرکہ۔ میں شرک سے مراد شرکت لیا جائے۔ تاکہ شرک اصغر اور شرک اکبر دونوں قسموں کو حاوی ہو جائے۔

فائدہ: مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ مشکوٰۃ شریف کی مذکورہ حدیث کی حاشیہ پر دونوں جگہوں پر ضمیر ھم سے مراد شرکاء ہی ہیں۔

دونوں قسموں کے شرکاء چونکہ اپنی سربلندی اسی شرکت فی العبادہ سے سمجھتے ہیں اس لئے وہ اس دنیوی اور اپنی مزعومہ عزت افزائی کے لئے اس شرکت کے خواستگار اور محتاج ہوتے ہیں۔ ان کو اس سے غنا اور لاپرواہی بالکل ہی نہیں۔ اس کے برخلاف بندے کی مخلصانہ طاعت وعبادت سے عابدین کی سربلندی اور عزت ہوتی ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کی۔ وہ تو غنی بالذات ہے عزت وفضل میں ہماری طاعت کا محتاج نہیں۔

غنی ذاتش از طاعت جن وانس

بری ذاتش از تہمت ضد وجنس

(۱) **اعتراض:** حدیث شریف کی مذکورہ بالا توضیح پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ انا اغنی الشرکاء میں اغنی اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مفضل اور شرکاء مفضل علیہم ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شرکت کنندگان عابدین کی طاعت سے اللہ تعالیٰ اور شرکاء دونوں کو غنا ہے۔ اللہ عزوجل کو زیادہ اور شرکاء کو کم حالانکہ شرکاء کو مطلقاً غنا نہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ اپنی مزعومہ سربلندی کا معیار انھیں اعمال شرکیہ کو سمجھتے ہیں تو یہ لوگ اس کے محتاج ہوئے نہ کہ اس سے مستغنی۔ جب ان میں غنا ہے ہی نہیں، تو اللہ تعالیٰ کو اغنی نہیں کہہ سکتے۔

جواب محشی: مذکورہ بالا اعتراض کا جواب اس طرح دیا ہے کہ علی فرض ان لھم غنی یعنی یہاں شرکاء کے لئے فرض غنا ماننے کی صورت میں کلام ہو رہا ہے کہ شرکاء کے لئے بھی بندوں کے اعمال شرکیہ سے بالفرض غنا تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے لئے زیادتی غنا ہے کہ اس کا غنائے ذاتی ہے اور یہ شرکاء ممکن ہیں اور ممکن اپنی ذات اور اپنے وجود اپنے تمام صفات غنا وغیرہ میں محتاج الی الواجب ہوتا ہے۔ اور محتاج کو غنا ملا تو پھر واجب کے غنا کے بالمقابل ادنی اور اقل ہوگا۔ (یہاں سے حاشیہ کا مطلب بھی واضح ہو گیا۔)

محمد اویس حسن غلام جیلانی جہانگیری

۲۵۔ ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از اللہ بخش چھپڑ ضلع رتلام (ایم۔ پی)

شرک اور بدعت کسے کہتے ہیں؟ اور ان کی کتنی قسمیں ہیں؟ بالتفصیل لکھ کر عنداللہ ماجور ہوں؟

الجواب: شرک کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی۔ عمل میں ریاکاری کرنا شرک ہے اسی کو شرک اصغر بھی کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے الریاء شرک خفی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ "ہر عملے کہ بریا کنند شرک است۔ غایت آنکہ شرک جلی ست وخفی۔ شرک جلی آشکارا بت پرستی کردن وریائی کہ برائے غیر خدا عمل می کنند نیز بت پرستی می کنند لیکن پنہانی" (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد چہارم ص۲۵) اور شرک جلی جس کو شرک اکبر بھی کہتے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو بھی واجب الوجود ٹھہرانا شرک اکبر ہے جیسے آریہ جو خدائے تعالیٰ کے سوا روح اور مادہ کو بھی واجب الوجود مانتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کو خالق اور مؤثر بالذات ماننا یہ بھی شرک اکبر ہے جیسے ستارہ پرستوں کا عقیدہ کہ عالم کے تغیرات ستاروں کی تاثیرات سے ہیں اور ستارے مؤثر بالذات ہیں کسی کے محتاج نہیں۔ تیسرے یہ کہ خدائے عزوجل کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا یا اسے مستحق عبادت سمجھنا جیسے بت پرست جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور ان کو پرستش کا مستحق سمجھتے ہیں یہی شرک اکبر ہے اور جب مطلق شرک بولا جاتا ہے تو اکثر یہی شرک اکبر ہی مراد ہوتا ہے۔ محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔ "شرک سہ قسم ست در وجود، در خالقیت، در عبادت" (اشعۃ اللمعات جلد اول ص۷۲) اور حضرت علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

الاشراك هو اثبات الشريك في الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام۔ (شرح عقائد نسفی ص۶۱)

اور بدعت وہ اعتقاد یا اعمال ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات ظاہری میں نہ تھے بعد میں ایجاد ہوئے۔ یعنی بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی وہ برے عقائد ہیں جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے جیسے وہابیوں، دیوبندیوں کا یہ عقیدہ کہ خدائے تعالیٰ جھوٹ پر قادر ہے بدعت اعتقادی ہے۔ اور بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانۂ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی اور خواہ وہ کام صحابۂ کرام کے زمانہ میں ہو یا ان کے بعد۔ اشعۃ اللمعات جلد اول ص۱۲۵ میں ہے۔ "بداں کہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت ست۔"

یعنی جو چیز حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد پیدا ہوئی وہ بدعت ہے چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر کرنے کے بعد فرمایا نعمت البدعۃ ھذہ۔ (مشکوٰۃ ص۱۱۵) لیکن عرف عام میں ایجادات صحابہ کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں کہتے۔ اشعۃ اللمعات میں ہے "آنچہ خلفائے راشدین کردہ باشند اگرچہ باں معنی کہ در زماں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبودہ بدعت ست ولیکن قسم بدعت حسنہ خواہد بود۔ بلکہ درحقیقت سنت ست" پھر بدعت عملی کی تین قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ، بدعت سیئہ اور بدعت مباحہ۔ بدعت حسنہ وہ بدعت ہے جو قرآن وحدیث کے اصول وقواعد کے مطابق ہو اور انہی پر قیاس کیا گیا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اول بدعت واجبہ جیسے قرآن وحدیث سمجھنے کے لئے علم نحو کا سیکھنا اور گمراہ فرقوں پر رد کے لئے دلائل قائم کرنا۔ دوم بدعت مستحبہ جیسے مدرسوں کی تعمیر اور ہر وہ نیک کام جس کا رواج ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا۔ جیسے محفل میلاد شریف وغیرہ۔ بدعت سیئہ وہ بدعت ہے جو قرآن وحدیث کے اصول وقواعد کے مخالف ہو۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول بدعت محرمہ جیسے ہندوستان کی مروجہ تعزیہ داری۔ دوم بدعت مکروہہ جیسے خطبہ کی اذان مسجد کے اندر پڑھنا۔ اور بدعت مباحہ۔ وہ بدعت ہے جو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ظاہری زمانہ میں نہ ہو اور جس کے کرنے نہ کرنے پر ثواب وعذاب نہ ہو۔ اشعۃ اللمعات میں ہے۔ "آنچہ موافق اصول وقواعد سنت اوست وقیاس کردہ شدہ براں۔ آں را بدعت حسنہ گویند۔ وآنچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند وکلیت کل بدعۃ ضلالۃ محمول برین ست۔ وبعض بدعتہاست کہ واجب ست چنانچہ تعلیم وتعلم صرف ونحو کہ بداں معرفت آیات واحادیث حاصل گردد وحفظ غرائب کتاب وسنت ودیگر چیزہائے کہ حفظ دین وملت براں موقوف بود۔ وبعض مستحسن ومستحب مثل بناتے رباطہا ومدرسہا۔ وبعض مکروہ مانند نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقول بعض۔ وبعض مباح مثل فراخی در طعامہائے لذیذہ ولباسہائے فاخرہ بشرطیکہ حلال باشند وباعث طغیان وتکبر ومفاخرت نشوند ومباحات دیگر کہ در زماں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبودند چنانکہ غربال ومانند آں۔ وبعض حرام چنانکہ مذہب اہل بدع برخلاف سنت وجماعت" اور ردالمحتار جلد اول ص۳۹۳ میں ہے۔ قد تکون (البدعۃ) واجبۃ کنصب الادلۃ للرد علی اھل الفرق الضالۃ وتعلم النحو المفھم للکتاب والسنۃ ومندوبۃ کاحداث نحو رباط ومدرسۃ وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول ومکروھۃ کزخرفۃ المساجد ومباحۃ کالتوسع بلذیذ الماکل والمشارب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تھذیب النووی ومثلہ فی الطریقۃ

المعنیۃ للبرکلی۔ وھو تعالیٰ اعلم
کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از نظام الدین احمد متعلم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف

حضرت نے اپنے رسالہ آٹھ مسئلے کا محققانہ فیصلہ میں "بدعتوں کے رواج" کے تحت مخالفین پر معارضہ قائم کرتے ہوئے روزہ کے افطار کی دعا اللھم لک صمت وبک آمنت وعلیک توکلت وعلی رزقک افطرت۔ کو بھی بدعت لکھا ہے حالانکہ امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۶۵۲ پر تحریر فرمایا ہے۔ ابوداؤد عن معاذ بن زھرۃ انہ بلغہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا افطر قال اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افطار کے وقت دعا پڑھتے رہتے تو وہ بدعت کیسے ہوئی؟

الجواب: محققانہ فیصلہ میں جو لکھا گیا ہے وہ صحیح ہے بیشک اللھم لک صمت وبک آمنت وعلیک توکلت وعلی رزقک افطرت ان لفظوں کے ساتھ افطار کی دعا پڑھنا جیسا کہ عام طور پر رائج ہے بے اصل ہے بدعت ہے اور اس بدعت پر مخالفین کا بھی عمل ہے۔ البتہ حدیث شریف میں جو الفاظ مذکور ہیں یعنی اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت سنت ہے بدعت نہیں۔ امام المحدثین حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: واما اشتھر علی الالسنۃ اللھم لک صمت وبک آمنت وعلی رزقک افطرت فزیادۃ وبک آمنت لا اصل لھا وان کان معناھا صحیحا وکذا زیادۃ وعلیک توکلت (مرقاۃ جلد ثانی صفحہ ۵۱) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از رضی احمد حبیبی۔ غلام اصغر حبیبی۔ محمد علی رضوی و دیگر برادران منصوری معرفت محمد علی رضوی ہری ہرپور پوسٹ ڈرگاؤں ضلع سلطانپور

محمد عیسیٰ ولد امام بخش منصوری موضع پورے شیو چرن تیواری پوسٹ دہوا لال گنج ضلع پرتاب گڈھ کا رہنے والا ہے۔ معمولی اردو، انگریزی پڑھا ہوا ہے اور وہ اپنے آپ کو اپنے قلم سے حضرت مولانا مفتی اعظم مجدد اعظم امام مہدی اور سید بھی لکھتا ہے حالانکہ وہ منصوری برادری کا ہے۔ محمد عیسیٰ کی عمر تقریباً پچاس سال کی ہے وہ اپنے آپ کو تیمم بھی لکھتا ہے۔ زکوٰۃ، فطرے کی رقم وصول کرکے کھاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ

میرے مرنے کے بعد میری بیوی کا نکاح دوسرے سے حرام ہے اور میرے مرنے کے بعد نسیم کی والدہ بیراتی نہیں گی۔ نسیم محمد عیسیٰ کے لڑکے کا نام ہے۔ محمد عیسیٰ قلم کاغذ لئے ہر وقت فضول باتیں لکھا کرتا ہے لکھ کر علمائے کرام کے پاس بھیجا کرتا ہے۔ مہر بھی بنوائے ہوئے ہے مہر پر مجدد اعظم کا نشان ہے اپنے خطوط میں علمائے کرام کو کتا، سور، گدھا، مردود، کافر لکھا کرتا ہے۔ علمائے اہلسنت کی خاص کر توہین کر رہا ہے۔ اور نہ تو نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اوپر سے حکم ہے اگر اس سے کوئی کہتا ہے کہ تم علمائے کرام کے پاس چلو علمائے اہلسنت تمہاری تصدیق کریں تو ہم لوگ بھی مان لیں تو اس پر کہتا ہے کہ مجھے کہیں جانے کی اجازت نہیں ہے میرے پاس خود ان لوگوں کو لاؤ۔ اور جب اس کے پاس کوئی جاتا ہے تو اس کے دو بھائی اور لڑکے اور کچھ لوگوں کو بہکا کر اپنے گروپ میں لئے ہوئے ہے انھیں لوگوں کے زور سے وہ مار پیٹ پر آمادہ ہو جاتا ہے اور گالی دینے لگتا ہے۔ کتا، سور، مردود بناتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس کا گروپ بڑھتا جا رہا ہے تو ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ جو شخص اس طرح کی حرکتیں کرتا ہوا اور دین میں رخنہ اندازی کر رہا ہو ایسا شخص از روئے شرع مومن ہے یا کافر یا فاسق و فاجر اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں اس کی ہر طریقے سے مدد کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تحریر فرمائیں ورنہ مسلمانوں میں قتل و قتال کا سخت اندیشہ ہے۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ شخص مذکور کے بارے میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں اگر واقعی اس میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں کہ معمولی اردو انگریزی پڑھا ہوا ہے اور اپنے آپ کو مولانا مفتی اعظم اور مجدد اعظم لکھتا ہے تو وہ مکار عیار فریب کار ہے اور اپنے آپ کو امام مہدی لکھتا ہے تو وہ جھوٹا کذاب ہے کہ حدیث شریف میں امام مہدی کے بارے میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ میرے خاندان سے ہوگا اور اس کا نام میرے نام پر ہوگا۔ (ترمذی ابوداؤد)

اور ابوداؤد کی ایک روایت ہے کہ امام مہدی حضور کے خاندان سے ہوں گے۔ ان کا نام حضور کے نام پر ہوگا اور ان کے باپ کا نام حضور کے باپ کے نام پر ہوگا۔ یعنی امام مہدی محمد بن عبداللہ نام کے ہوں گے اور ابوداؤد میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے انھوں نے فرمایا سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول المھدی من عترتی من اولاد فاطمۃ۔ یعنی میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مہدی میری عترت سے ہوں گے یعنی اولاد فاطمہ سے رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت شیخ عبدالحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۳۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

بدانکہ احادیث درباب بودن مہدی از اولاد فاطمہ زہرا بحد تواتر رسیدہ۔ اور شخص مذکور سنوری ہوکر اپنے آپ کو سید لکھتا ہے تو اس پر جنت حرام ہے جیسا کہ مسلم شریف میں حضرت سعد و ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من ادعی الی غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام۔ یعنی جو شخص جانتے ہوئے اپنے باپ کے علاوہ اپنے کو دوسرے کی طرف منسوب کرے تو اس پر جنت حرام ہے۔ اور شخص مذکور پچاس سال کی عمر میں اپنے کو یتیم کہتا ہے تو وہ نرا جاہل ہے کہ یتیم اس نابالغ بچہ کو کہتے ہیں کہ جس کے باپ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ جائے۔ لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے۔ الیتیم من فقد اباہ و لم یبلغ مبلغ الرجال۔ اور تفسیر جلالین میں ہے۔ الیتامی الصغار الاُلی لا اب لھم اور شخص مذکور جو یہ کہتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری بیوی کا نکاح دوسروں سے حرام ہے: تو یہ اس کی بکواس ہے جو آیت کریمہ واحل لکم ما وراء ذالکم۔ کے سراسر خلاف ہے اور بے سبب علمائے اہلسنت کو گالی دیتا ہے اور ان کی توہین کرتا ہے اور ان کو کافر کہتا ہے تو وہ خود کافر ہے۔ بہار شریعت میں ہے کہ علم دین اور علمائے دین کی توہین بے سبب یعنی محض اس وجہ سے کہ عالم علم دین ہے کفر ہے۔ اور فتاوی عالمگیری میں ہے۔ یخاف علیہ الکفر اذا شتم عالما او فقیھا من غیر سبب۔ اور نماز نہ پڑھنے اور روزہ نہ رکھنے کے سبب فاسق و فاجر ہے۔ اور اس کے بارے میں جو یہ کہتا ہے کہ اوپر سے حکم ہوا ہے اگر اس کی یہ مراد ہے کہ میرے اوپر نماز، روزہ فرض نہیں کئے گئے ہیں تو وہ کافر ہے کہ نماز، روزہ کی فرضیت کا انکار سیکڑوں آیات و احادیث متواترہ کا انکار ہے جو صریح کفر ہے غرضیکہ شخص مذکور بعض صورتوں کے لحاظ سے کافر ہے اور کئی لحاظ سے فاسق ہے اور بہرحال بدمذہب گمراہ و گمراہ گر ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا اور اس کے ساتھیوں کا مکمل بائیکاٹ کریں اور اس فتنہ کو دبانے کی حتی الامکان کوشش کریں ورنہ وہ بھی گنہگار رہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین۔ (پارہ ۷، رکوع ۱۴) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم ولا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم۔ یعنی بدمذہب اگر بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو۔ اگر مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ ان سے ملاقات ہو تو ان سے سلام نہ کرو۔ ان کے پاس نہ بیٹھو۔ ان کے ساتھ پانی نہ پیو ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ۔ ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرو۔ ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو اور ان کے ساتھ ملکر

نماز پڑھو۔ (مسلم شریف) اس حدیث کو ابوداؤد نے حضرت ابن عمر سے اور ابن ماجہ نے حضرت جابر سے اور عقیلی ابن حبان نے حضرت انس سے بھی روایت کیا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان الناس اذا رأو منکرا فلم یغیروہ یوشك ان یعمھم بعقابہ۔ یعنی جب لوگ خلاف شرع (خصوصًا بدمذہبی کی) کوئی بات دیکھیں اور اس کو (حتی الامکان) نہ مٹائیں تو عنقریب خدائے تعالیٰ ان کو اپنے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از انصار نگر۔ ڈوگرہ۔ مظفر پور۔ مرسلہ ڈاکٹر محمد یونس مورخہ ۱۶ اپریل ۱۹۸۰ء

(۱) جب دیوبندیوں کے کفر پر شبہہ کرنے والا کافر ہے تو وائی برابر ایمان والا کس کو کہا جا سکتا ہے؟ نیز اس کی پہچان کیا ہے؟ (۲) حدیث شریف میں وارد ہے کہ مونچھیں کٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ بچی کے اغل بغل کے بال داڑھی میں شامل ہے یا نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شامل نہیں ہیں کیونکہ بہت سے عالم اسے کٹواتے ہیں۔ اگر داڑھی میں شامل ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کرتے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شامل ہیں جیسا کہ بہت سے عالموں کے فعل اور بہار شریعت جلد ۱۶ رص ۱۹۷ سے ثابت ہے کہ بچی کے اغل بغل کا بال کٹانا بدعت ہے اگر قائل آخر کا قول درست ہے تو یہ کس قسم سے ہے؟

الجواب: (۱) امام مذہب حنفی سیدنا قاضی ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں۔ ایما رجل مسلم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر باللہ تعالیٰ بانت منہ امرأتہ۔ جو شخص مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشنام دے یا حضور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے یا حضور کو کسی طرح کا عیب لگائے یا کسی وجہ سے حضور کی شان گھٹائے وہ یقینا کافر اور خدا کا منکر ہو گیا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ شفا شریف و بزازیہ۔ درر وغرر اور فتاوی خیریہ وغیرہا میں ہے۔ اجمع المسلمون ان شاتمہ صلی اللہ علیہ وسلم کافر ومن شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر۔ تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو شخص اس کے معذب یا کافر ہونے میں شبہہ وشک کرے وہ بھی کافر ہے۔ انھیں احکام شرعیہ کی روشنی میں حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں دوسو اڑسٹھ علمار مکہ معظمہ۔ ومدینہ منورہ۔ ہند، سندھ، بلوچستان

پنجاب، دکن، کوکن، بنگال اور بہار نے بالاتفاق فتویٰ دیا کہ جو شخص دیوبندیوں کے کفریات مندرجہ حفظ الایمان ص۹ براہین قاطعہ ص۵۱ تحذیر الناس ص۳،۱۴ پر یقینی اطلاع رکھتے ہوئے ان کے کافر ہونے میں شک کرے تو وہ کافر ہے۔ انتہائی ضعیف الایمان مومن اصطلاح شرع میں رائی برابر ایمان والا کہا جاتا ہے۔ لیکن کافر یقینی کے کفر میں شبہہ کرنے والا ضعیف الایمان نہیں رہ جاتا بلکہ وہ مسلوب الایمان ہو جاتا ہے۔ ہمیں کسی متعین رائی برابر ایمان والے کی پہچان حاصل نہیں۔ ہاں اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص رائی برابر بھی ایمان رکھتا ہے وہ ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ اور اگر کسی ایک بات کی بھی تکذیب کر دے تو وہ بھی دوسرے کافروں کی طرح کافر ہے۔ کیونکہ تکذیب کی صورت میں اب اس کے پاس ایمان ہی نہیں رائی برابر تو بڑی چیز ہے۔

(۲) قائل ثانی کا قول درست ہے یہاں بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

کتبہ
بدر الدین احمد الرضوی
۸، شعبان ۱۳۸۰ھ

مسئلہ : از عطاء اللہ و ضیاء اللہ و نظیم اللہ قادری چشتی یار علوی موضع سسہنیاں کلاں گونڈہ

(۱) ہم لوگ آج تک علمائے دین سے سنکر اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہتے تھے لیکن ایک مولوی صاحب سے ہم لوگوں نے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ میں ثبوت سے کہتا ہوں کہ اسمٰعیل دہلوی کو کافر نہ کہنا چاہئے بلکہ احتیاط کرنا چاہئے۔ آپ لوگ اس کا صحیح جواب دیجئے؟

(۲) ہمارے یہاں کے پیش امام حج کو چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد یہاں کے کچھ لوگ ملکر ایک شخص کو نماز پڑھانے کے لئے لائے تو ہم لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ حسام الحرمین کے اندر ہم لوگوں نے دیکھا ہے اور علمائے کرام سے سنا ہے کہ رشید احمد گنگوہی اور اشرف علی تھانوی و خلیل احمد انبیٹھی و قاسم نانوتوی اور اسمٰعیل دہلوی . . . . . آپ کیا کہتے ہیں تب اس نے کہا کہ ہم ان لوگوں کو کچھ برا بھلا نہیں کہیں گے تب ہم لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا الگ پڑھنے لگے تب دوسرے مولوی صاحب نے آکر اعلان کیا کہ آپ لوگ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے آپ کو پوچھنے کا کوئی حق نہیں اور اسے بتلانا حق نہیں۔ یہ مفتیوں کا کام ہے یہ صرف مفتی لوگ کہہ سکتے ہیں تو کیا ہم لوگ عقیدہ کے بارے میں کسی سے نہ پوچھیں اور جو بھی آئے اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں اور ان لوگوں کو کافر کہیں یا کہ نہیں؟

(۳) ہم لوگ سنی عقیدہ رکھتے ہیں اور بریلی کے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے پر چلتے ہیں لیکن

ایک مولوی نے تقریر میں اعلان کیا کہ تم لوگ بریلوی بنو نہ وہابی نہ دیوبندی اور نہ چودہ صدی کے مُلّوں کا کہنا مانو صرف محمدی بنو تو ہم لوگوں کے سمجھ میں نہیں آتا کہ بریلوی بننے سے بھی روکا جاتا ہے اور چودہ صدی کے مُلّوں کا کہنا ماننے سے بھی روکا جاتا ہے تو اب ہم لوگ کیا بنیں اور کس کا کہنا مانیں اور بریلوی و محمدی میں کیا فرق ہے جواب بحوالہ کتب ارسال فرمائیں؟

الجواب (۱) اسمٰعیل دہلوی اپنے کفریات مندرجہ تقویۃ الایمان و صراط مستقیم وغیرہ کی بنا پر بحکم فقہائے کرام شرعاً مرتد کافر ہے جو مسلمان اس کو ان کفریات کی وجہ سے کافر کہے گا اس کو منع نہیں کیا جائے گا تفصیل رسالہ صمصام حیدری بر گردن وہابی بیدین بسکوہری میں ملاحظہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۲) عوام کو فتویٰ دینے کا حق تو نہیں ہے لیکن مفتیان اہلسنت دامت برکاتہم العالیہ کے فتاوی حقہ سنا دینے کا ضرور حق ہے۔ مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ و عرب و عجم کے حضرات علمائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے جب فتویٰ صادر فرما دیا کہ تھانوی و گنگوہی و انبیٹھی و نانوتوی پر ان کے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان و براہین قاطعہ و تحذیر الناس وفوٹوے فتوی کے سبب شرعاً کافر و مرتد ہیں جو ان کے کفریات مذکورہ پر مطلع ہو کر ان کو کافر کہنے سے زبان روکے وہ بھی شرعاً کافر و مرتد ہے تو عامۂ اہل اسلام کو اس فتویٰ پر عمل کرنا فرض ہے اور اس فتوی کو سنا دینا حق ہے اور دوسرا مولوی اللہ و رسول کے دشمنوں کا حامی ہے ان کے کفریات پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے بحکم شریعت مطہرہ وہ بھی کافر مرتد ہے۔ تفصیل الصوارم الہندیہ میں ملاحظہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(۳) بریلی شریف کے فاضل افضل حضور اعلیٰ حضرت قبلہ مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دین و مذہب جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہے وہ وہی ہے جو خالص دین محمدی ہے جو بریلوی بننے سے روکتا ہے وہ محمدی بننے سے روکتا ہے وہ بھی بحکم شریعت مطہرہ عند الفقہاء کافر ہے وھو تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ بدرالدین احمد القادری الرضوی

۱۲ ربیع الاول ۷۷ھ

مسئلہ: از چھپا پوسٹ میاں بازار ضلع گورکھپور مرسلہ عبدالرب

زید پر زنا کا الزام تھا جلیل احمد نے کہا کہ پنچ نے اگر زید کو اپنے ٹاٹ پر نہیں ملایا تو میں کرسٹین ہو جاؤں گا۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ جلیل عند الشرع مجرم ہے یا نہیں؟

الجواب جلیل اپنے اس قول کہ "میں کرسٹین ہو جاؤں گا" مسلمان

نہیں رہ گیا بلکہ کافر ہوگیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی جلیل پر لازم ہے کہ پھر سے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے اور دل سے مانے اور زبان سے اقرار کرے کہ مذہب اسلام سچا اور حق ہے باقی تمام مذاہب اور کرسٹین مذہب باطل اور جھوٹا ہے اور کہے کہ یا اللہ میں توبہ کرتا ہوں۔ اور میری زبان سے جو کلمہ کفر نکل گیا ہے اس سے بیزار ہوں اور بیوی سے دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح کرے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: مسئولہ حفیظ اللہ مکان ۱۱/۱۱۱ بنارس

فقل اکرام الدین کی بیوی کے ماموں ہیں۔ فقل اور اکرام الدین نے آپس میں مذاق کیا تو فقل نے اکرام الدین سے کہا کہ میں نے تمہاری بیوی کو دکھا ہے۔ کھلایا ہے۔ دیا ہے اور لیا ہے۔ اس پر اکرام الدین نے کہا کہ کیا تم اس کا ثبوت دوگے تو فقل نے کہا ہاں دیں گے لیکن اگر تم ہار گئے تو اس پر اکرام الدین نے کہا کہ ہم اپنی بیوی تمہارے نام کر دیں گے۔ پھر اکرام الدین غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کے پاس آیا اس کو مارا اور اس سے پوچھا کہ کیا فقل تم کو دیکھے ہوئے ہے تمہارا خرچہ اور تمہاری ہر خواہش پوری کرتا ہے تو اس کی بیوی نے کہا کہ یہ سب باتیں جھوٹی ہیں اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائی اور کہا یہ سب جھوٹ ہے تو غصہ کی حالت میں اکرام الدین نے کہا کہ میں قرآن کو نہیں مانتا۔ اور پھر کہا جو ہوا سو ہوا بات ختم کرو۔ اس کے بعد اکرام الدین کی بیوی اکرام الدین کے ساتھ ایک ہفتہ تک رہی بعدہ میکے چلی آئی میکے آکر اس نے اپنے والد سے اس کا تذکرہ کیا تو اکرام الدین کے سسر نے فقل سے پوچھا اور وہاں کے پنچ نے بھی پوچھا تو فقل نے کہا کہ میں نے مزاق کے طور پر کہا تھا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان لوگوں کے لیے عندالشرع کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اکرام الدین یہ جملہ ملعونہ بول کر کہ میں قرآن نہیں مانتا" کافر و مرتد ہوگیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے باہر ہو کر اس پر حرام ہوگئی۔ اکرام الدین پر فرض ہے کہ وہ اپنے اس کفری جملہ سے توبہ کرے اور از سر نو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر تجدید ایمان کرے پھر مسلمان ہو جانے کے بعد اگر وہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں لانا چاہے تو نئے مہر پر اس کے ساتھ نکاح کرے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اکرام الدین جب تک توبہ و تجدید ایمان نہ کرے اس وقت تک اس سے اسلامی تعلقات منقطع کرلیں۔ توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اکرام الدین کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

پڑھے اور کہے کہ جو کچھ سرکار مصطفےٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے وہ سب حق ہے میں ان سب باتوں کو حق مانتا ہوں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے میں قرآن مجید کو سراپا حق مانتا ہوں۔ یا اللہ میں اس کفری جملہ سے توبہ کرتا ہوں اور تجھ سے اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ اس کے علاوہ میں اپنے تمام گناہوں سے خلاف شرع تمام بولیوں سے توبہ کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔ یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم میرے تمام گناہوں کو اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں بخش دے۔ یا رسول اللہ حضور۔ بارگاہ الٰہی میں میرے تمام گناہوں کی معافی کے لئے شفاعت فرمادیں۔ صلی اللہ علی النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاما علیك یا رسول اللہ یا الٰہ العلمین۔ مجھے اپنے نبی کریم علیہ التحیۃ والثنا کا سچا غلام بنا اور میری توبہ قبول فرما اور مجھے توبہ پر قائم رکھ۔ آمین۔

جب اکرام الدین سے کلمۂ کفر صادر ہوگیا تھا تو اس کی بیوی پر فرض تھا کہ وہ فوراً اکرام الدین سے جدائی کرلیتی لیکن وہ جدا نہ ہوئی اور ایک ہفتہ تک اکرام الدین کے ساتھ رہی اس لئے اس کی بیوی بھی اس خلاف شرع امر سے توبہ کرے ـــــــ فضل نے ہنسی مذاق کی آڑ میں یہ فتنہ کھڑا کیا اس پر بھی اپنے اس فتنہ انگیز فعل سے توبہ فرض ہے اگر اکرام الدین مسلمان ہوجانے کے بعد معاذ اللہ بلا تجدید نکاح کے اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھے تو مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ اس کا بائیکاٹ کریں تاوقتیکہ وہ دوبارہ اس عورت سے نکاح نہ کرلے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ بدرالدین احمد الرضوی
۲۱ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ

مسئلہ :۔ عبدالعزیز خاں اشرفی رضوی اتواری ریلوے اسٹیشن کے پاس جنگی تاکہ ۱۵ ناگپور۔ مہاراشٹر

(۱) اہل سنت وجماعت ان کے عقائد کیسے ہیں اس کا جواب شریعت مطہرہ کے مطابق مرحمت فرمائیں اور ان کا مسلک کونسا ہے؟

(۲) دیوبندی وہابی کے عقائد کیسے ہیں اور ان کا مسلک کس نام سے مشہور ہے اور وہابی کیوں کہا جاتا ہے؟ شرعی حوالوں سے جواب دیں۔

(۳) جو مسجدیں اہلسنت وجماعت کی ہیں ان میں دیوبندی، الیاسی، جماعت اسلامی، تبلیغی، قادیانی وغیرہم جماعت کے لوگوں کو نماز پڑھنے تقریر کرنے بلکہ داخل ہونے سے روکنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب (۱) اہلسنت وجماعت کے عقائد جو ان کی کتابوں سے ظاہر ہیں حق ہیں اور ان کا مسلک وہی ہے جس کی تبلیغ واشاعت حضور سیدنا غوث اعظم شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی بغدادی اور حضور خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری اور حضرت شیخ محقق عطائے رسول شاہ عبدالحق محدث دہلوی بخاری اور امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی وغیرہ پیشوائے دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے اپنے وقتوں میں کرتے رہے اور جس کی احیاء وتجدید شیخ الاسلام مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کی جو آپ کی تصنیفات فتاویٰ رضویہ، حسام الحرمین الکوکبۃ الشہابیہ اور سبحان السبوح وغیرہ سے ظاہر ہے۔

(۲) دیوبندی وہابی کے عقائد کفری ہیں جیسا کہ ان کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھی وغیرہ سے ظاہر ہے مثلاً مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان ص۸ پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کل علم غیب کا انکار کرتے ہوئے صرف بعض علم غیب کو ثابت کیا پھر بعض علم غیب کے بارے میں یوں لکھا کہ "اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید وعمر بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے معاذ اللہ) اور مولوی قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب تحذیر الناس ص۳ پر لکھا ہے کہ "عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانہ میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔" اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ خاتم النبیین کا یہ مطلب سمجھنا کہ آپ آخری نبی ہیں یہ ناسمجھ اور گنواروں کا خیال ہے۔ پھر اسی کتاب تحذیر الناس ص۲۸ پر لکھا کہ "اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی پیدا ہو سکتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور مولوی خلیل احمد انبیٹھی نے اپنی کتاب براہین قاطعہ ص۵۱ پر لکھا کہ "شیطان وملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہے فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے (معاذ اللہ رب العالمین) اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص شیطان وملک الموت کے لئے وسیع علم مانے وہ مومن مسلمان ہے لیکن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو وسیع اور زائد ماننے والا مشرک ہے۔ مذکورہ بالا عقیدوں کے علاوہ اور بھی اس گروہ کے کفری

عقیدے بہت سے ہیں اسی لئے مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، ہند، سندھ، بنگال، پنجاب، برما، مدراس، گجرات، کاٹھیاواڑ، بلوچستان، سرحد، دکن اور کوکن وغیرہ کے سیکڑوں علمائے کرام و مفتیان عظام نے ان لوگوں کے کافر و مرتد ہونے کا فتوی دیا ہے تفصیل کے لئے فتاوی حسام الحرمین اور کتاب الصوارم الہندیہ کا مطالعہ کریں۔ اور اس گروہ کا پیشوا محمد بن عبد الوہاب نجدی ہے جو تیرہویں صدی میں ظاہر ہوا وہ عقائد فاسدہ اور خیالات باطلہ رکھتا تھا وہ اور اس کے متبعین اہلسنت و جماعت کو کافر و مشرک سمجھتے تھے جیسا کہ خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ اتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وعلمائهم یعنی عبد الوہاب کے ماننے والے نجد سے نکلے اور مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ پر قبضہ کر لیا وہ لوگ اپنا مذہب حنبلی بتاتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ صرف وہی لوگ مسلمان ہیں اور جو ان کے اعتقاد کی مخالفت کریں وہ کافر و مشرک ہیں۔ اس سبب سے وہ لوگ اہلسنت اور ان کے علماء کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں (شامی جلد سوم مطبوعہ دیوبند ص ۳۰۹) اسی وجہ سے وہابیوں نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں بے انتہا مظالم ڈھائے کہ ان مقدس مقامات کے کئی ہزار اہلسنت و جماعت ان کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے یہاں تک کہ جنت البقیع مدینہ شریف کے قبرستان میں حضرت عثمان غنی، حضرت دائی حلیمہ، حضور کی صاحبزادی بی بی فاطمہ، حضرت امام حسن، حضور کی ازواج مطہرات اور بہت سے جلیل القدر صحابہ و صحابیات رضی اللہ تعالی عنہم کے مزارات کو ہتھوڑوں اور پھاوڑوں سے توڑا اور پھوڑ کر پھینک دیا اور مکہ معظمہ میں بھی جنت المعلی قبرستان میں ام المومنین حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے مزار مبارک کے گنبد کو توڑ دیا اور عالیشان مزار کو کھود کر پھینک دیا۔ پیچ قبرستان سے صحابۂ کرام کی قبروں پر پختہ سڑک بنادی۔ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے پیر و مرشد حضرت عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مزار پر پکی سڑک بنادی اور یہاں تک کہ مسجدیں جو بنص قرآن اللہ تعالی کی ہیں جیسا کہ پ ۲۹ سورۂ جن میں ہے۔ وان المسجد للہ وہابیوں نے انھیں بھی گرادیا۔ مسجد شجرہ جہاں درخت نے حضور کے نبی ہونے کی گواہی دی تھی اسے کھود کر پھینک دیا اور غار ثور و غار حرا کے مبارک پہاڑوں کی مسجدوں کو بھی ڈھا دیا۔ حضرت سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی رحمۃ اللہ تعالی علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ وهم عند الهدم يرتجزون ويضربون الطبل ويغنون بالغوا في شتم القبور التي هدموها حتى قيل ان

بعض الناس بال علی قبر السید المحبوب۔ یعنی وہابی جب مسجدوں اور قبروں کو مکہ معظمہ میں توڑ رہے تھے تو بڑی ڈینگیں مارتے تھے۔ ڈھول بجا بجا کر گانا گاتے تھے اور صاحب قبر کو بہت گالیاں دیتے تھے یہاں تک کہ بیان کیا گیا کہ بعض وہابیوں نے حضرت سید محبوب کی قبر پر پیشاب بھی کیا۔ (خلاصۃ الکلام فی بیان امراء البلد الحرام جلد ثانی ص۲۲۸) تو اب جو لوگ محمد بن عبد الوہاب نجدی کا مذہب اختیار کئے ہوئے ہیں ان کو وہابی کہا جاتا ہے۔

(۳) مذکورہ جماعتیں چونکہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان وایذا پہنچانے والی ہیں اس لئے ان کو مسجدوں میں نماز پڑھنے، تقریر کرنے بلکہ داخل ہونے سے بھی روکنا ضروری ہے در مختار مع شامی جلد اول ص۴۴۴ میں ہے یمنع منہ کل موذ ولو بلسانہ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد اسحٰق پھریندی گونڈہ

زید کہتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ صحابی ہیں اور بکر کہتا ہے کہ صحابی نہیں ہیں ان کو کیا کہا جائے تاکہ ایمان وعقیدہ خراب نہ ہو جائے؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلیل الشان صحابی اور منشی ہیں۔ حدیث کی مشہور و معروف کتاب مشکوٰۃ شریف ہے جس کے آخر میں حضرت محدث شیخ ولی الدین رازی عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث بیان کرنے والے چند صحابہ کی ایک مختصر فہرست شامل کی ہے۔ اسی فہرست میں حروف المیم فصل فی الصحابہ کا ایک عنوان قائم کیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اس فصل میں ان صحابیوں کا بیان ہے جن کے نام کا پہلا حرف میم ہے۔ اس عنوان کے نیچے حضرت محدث ولی الدین تحریر فرماتے ہیں: معاویۃ بن ابی سفیان القرشی الاموی کان ھو وابوہ من مسلمۃ الفتح وھو احد الذین کتبوا الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روی عنہ ابن عباس وابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔ یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاندان قریش قبیلہ بنی امیہ میں سے ہیں۔ آپ اور آپ کے والد ماجد حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما فتح مکہ کے دن مسلمان ہو کر سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہوئے۔ آپ بارگاہ رسالت

کے منشی بھی تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ سے سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں سنی ہیں۔ اس حوالے سے دن دوپہر کی طرح خوب واضح ہوگیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور حضور کے دربار کے منشی بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت امیر معاویہ کو صحابی رسول مان کر ان سے حضور کی حدیث سنی اور قبول کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں صحابہ کے متعلق اعلان فرماتا ہے وکلا وعد اللہ الحسنیٰ (پارہ ۲۷، سورۂ حدید) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام صحابیوں سے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ سرکار مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے صحابیوں کے حقوق بیان کرنے کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اذا رایتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم۔ (مشکوٰۃ شریف) یعنی اے مسلمانو! جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابیوں کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان سے برملا کہہ دو کہ تمہاری بدگوئی پر خدا کی پھٹکار پڑے۔ یہ حقوق تو عام صحابیوں کے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ایک جلیل القدر فقیہ صحابی ہیں ان کے حقوق تو اور زیادہ ہیں۔ اور ان کی جلالت شان کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ۴۱ھ میں شہزادہ رسول حضرت سرکار امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سارے جہاں کے مسلمانوں کا خلیفہ اور حاکم اعلیٰ بنایا اور خود ان کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور شہزادۂ اصغر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ کا خلیفہ ہونا ان کی زندگی بھر تسلیم فرمایا۔ یہ واضح رہے کہ سیدنا سرکار امام حسین وہی ہیں جنھوں نے راہ حق میں شہید ہونا تو منظور فرمایا مگر یزید پلید فاسق فاجر کی باطل خلافت تسلیم نہ فرمائی۔ اب اس کے بعد جو شخص سیدنا امیر معاویہ کی شان میں گستاخی کرے یا آپ کے خلافت کو حق نہ مانے وہ سرکار امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرکار امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھلا ہوا دشمن اور باغی قرار پائے گا۔ ہندوستان اور پاکستان کے تمام سنی مسلمانوں کی مستند کتاب بہار شریعت حصہ اول صـ۷۲ میں ہے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل خیر و صلاح ہیں اور عادل۔ ان کا جب ذکر کیا جائے تو خیر ہی کے ساتھ کیا جائے کسی صحابی کے ساتھ سوئی عقیدت بدگمان رکھنا بدمذہبی وگمراہی واستحقاق جہنم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ بغض ہے ایسا شخص رافضی ہے اگرچہ چاروں خلفاء (حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی، حضرت مولیٰ علی) کو مانے اور اپنے کو سنی کہے مثلاً حضرت امیر معاویہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابو سفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہندہ اسی طرح حضرت سیدنا عمرو بن عاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان میں سے

کسی کے شان میں گستاخی تبرا ہے اور اس کا قائل رافضی۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ زید کی بات حق ہے اور بکر کی بات جھوٹی اور باطل ہے۔ پھر چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحابی ہونے سے انکار کرنا یہ ان کے حق میں توہین اور گستاخی ہے اور بکر سے یہ گستاخی ہوئی ہے لہذا بکر کو یہ فتویٰ دکھا کر اس کو توبہ کرایا جائے اور اگر معاذ اللہ تعالیٰ بکر کے سر پر گمراہی اور رافضیت کا بھوت سوار ہو گیا ہو اور سمجھانے پر وہ نہ مانے تو جمعہ مسجد میں اعلان کر دیا جائے کہ بکر سنی نہیں رہ گیا وہ شہزادہ رسول سرکار امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دشمن ہو گیا ہے اعلان کے بعد مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ بکر کا بائیکاٹ کریں۔ اور اس سے تمام تعلقات اس وقت تک منقطع رکھیں جب تک وہ توبہ کر کے سنی مسلمان نہ ہو جائے۔

مسلمانوں کو سخت ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر وہ اپنے دین و ایمان کا بھلا چاہیں تو شمع نیازی مرتد اور دلشاد الہری رافضی گمراہ کی کتابیں ہرگز ہرگز نہ پڑھیں ورنہ شیطان مردود ان کے ایمان اور عقیدہ کو برباد کر کے جہنم میں ڈھکیل دے گا۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الجواب صحیح

بدر الدین احمد قادری رضوی

کتبہ فقیر بارگاہ حسنی و حسینی غلام غوث قادری

یکم صفر المظفر ۱۳۹۳ھ

مسئلہ:۔ از بدر عالم بستوی مدرسہ بحر العلوم کھیری باغ مئو ضلع اعظم گڈھ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناخلف بیٹا یزید کافر ہے یا مسلمان؟

الجواب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدبخت بیٹے یزید کے بارے میں اس امر پر سب ائمہ اہلسنت کا اتفاق و اجماع ہے کہ وہ فاسق و فاجر اور جری علی الکبائر تھا۔ لیکن اس کو کافر کہنے میں اختلاف فرمایا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے متبعین یزید کو کافر کہتے ہیں۔ اور ہمارے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافر کہنے سے احتیاطاً سکوت فرمایا ہے کہ اس سے فسق و فجور متواتر ہیں مگر کفر متواتر نہیں اور جبکہ احتمال ہو تو کسی کی جانب کبیرہ گناہ کی نسبت جائز نہیں ہے تو بصورت احتمال کافر کہنا کیسے جائز ہوگا۔ ھکذا قال الامام احمد رضا البریلوی رضی عنہ ربہ القوی فی الجزء السادس من الفتاوی الرضویہ اور شرح فقہ اکبر ص۸۸ میں ہے اختلف فی اکفار یزید قیل نعم یعنی لما روی عنہ مایدل علی کفرہ من تحلیل الخمر ومن تفوھہ بعد قتل الحسین

واصحابہ ای جازیتھم عافعلوا باشیاخ قریش وصنادیدھم فی بدر ای امثال ذلک۔ وقیل لا اذ لم یثبت لنا عنہ تلک الاسباب الموجبۃ ای لکفرہ وحقیقۃ الامر التوقف فیہ ومرجع امرہ الی اللہ سبحانہ اھ ملخصا۔ پھر اسی صفحہ پر دو سطر کے بعد ہے۔ لایخفی ان ایمان یزید محقق ولا یثبت کفرہ بدلیل ظنی فضلا عن دلیل قطعی۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱، ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: محمد عمران قادری رضوی مصطفوی غفر لہ، محلہ شیر خاں پیلی بھیت

یکم جمادی الاخری ۱۴۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع عظام دامت برکاتہم العالیہ مسائل ہذا میں

(۱) زید کہتا کہ جس شخص کے پاس اہل سادات کی مہر نہ ہو وہ عالم نہیں ہو سکتا۔ یوں ہی جس کے پاس اہل سادات کی مہر نہ ہو وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا عالم دین اور خلیفہ ہونے کے لئے اہل سادات کی مہر یا ان کی اجازت ہو کیا زید کا قول صحیح ہے؟

(۲) زید کہتا ہے کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کو رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنا کفر ہے اور جو کہے وہ کافر ہے؟

(۳) حضرت منصور رضی اللہ تعالٰی عنہ کو پھانسی کا فتوی دینے والے مع عالمگیر کے قابل گردن زدنی ہیں اور سب جہنمی ہیں جہنم میں جائیں گے۔ سب کو توبہ کرنا چاہئے اور جو حضرت عالمگیر کو جنتی کہے وہ توبہ کرے؟

(۴) زید یہ بھی کہتا ہے کہ عالمگیر عالم دین نہ تھا بلکہ ایک دنیاوی حاکم تھا اور حکمران تھا۔ اس کو عالم دین کہنا جائز نہیں؟

(۵) حضرت عالمگیر کو جہنمی کہنے پر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ قرآن میں ہے ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔ یعنی قتل مومن عمداً قصداً کفر ہے۔ اور جو مومن کو قتل کرے وہ بحکم قرآن کافر اور جہنمی ہے اور عالمگیر نے اپنے بھائی کو قصداً قتل کیا اس لئے وہ کافر اور جہنمی ہے اور اپنے باپ کو بھی قید کیا اور ان پر ظلم کیا اس لئے وہ ظالم وجابر بھی ہے کیا زید کا قول صحیح ہے۔ اگر نہیں تو زید کے اس دلیل کا جو اس نے قرآن سے پیش کیا ہے کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ (۱) زید جاہل محض

اور اس کا قول غلط ہے عالم دین ہونے کے لئے عقائد دینیہ واحکام شرعیہ سے واقفیت ضروری ہے اور یونہی کسی شخص کا خلیفہ ہونے کے لئے جامع شرائط بیعت شیخ کی اجازت ضروری ہے۔ ان دونوں امور میں بحیثیت سیادت نسب حضرات سادات کرام کی ہر دا اجازت کو کوئی دخل نہیں۔

(۲) یہ زید صرف جاہل ہی نہیں بلکہ جری اور بیباک اور شریعت مطہرہ سے بالکل بے لگام معلوم ہوتا ہے۔ اس نے حضرت عالمگیر علیہ الرحمۃ والرضوان کے حق میں کلمہ ترحمی استعمال کرنے والوں کو کافر کہہ کر اپنے اوپر کفر لازم کر لیا اس پر توبہ تجدید ایمان اور کسی جامع شرائط بیعت پیر سے مرید ہو تو تجدید بیعت اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح فرض ہے اور جن مسلمانوں کے سامنے یہ کلمہ خبیث بول کر انھیں ایذا پہونچائی ہے ان سے معافی مانگنا لازم ہے۔ زید اگر توبہ وغیرہ امور انجام دینے کے بجائے اپنی بے لگامی پر قائم رہے تو مسلمانوں پر فرض ہے اور اہم فرض ہے کہ اس سے سارے اسلامی تعلقات منقطع رکھیں۔

(۳) ان جملوں کو بک کر زید فاسق موذی ہوگیا اس پر توبہ فرض ہے جن مسلمانوں کے سامنے یہ جملے بول کر زید نے انھیں ایذا پہونچائی ان سے معافی مانگنا اس پر لازم ہے۔

(۴) حضرت محی الدین عالمگیر اورنگ زیب علیہ الرحمۃ والرضوان سلطان اسلام ہونے کے ساتھ حافظ قرآن عالم دین عادل متقی پرہیزگار تھے جن کی نگرانی میں فتاوی عالمگیری جیسی عظیم وجلیل ضخیم کتاب مرتب ہوئی وہ عالم دین نہ ہوگا تو پھر عالم دین کون ہوگا۔

(۵) عمداً مومن کا قتل سخت ترین گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق و مستحق عذاب نار ضرور ہے لیکن کافر نہیں اہلسنت کی مستند و متداول کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے "الکبیرۃ لاتخرج المومن عن الایمان" آیت کریمہ میں قتل مومن بالعمد پر شدید ترین سزاؤں کی وعید ضرور ہے لیکن قاتل مومن کو کافر نہیں فرمایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ مفسرین کرام نے یہاں "خلود فی النار" سے مدت ہائے دراز مراد لیا ہے۔ اگر قاتل مومن شرعاً کافر ہو جاتا تو خلود فی النار سے ابدی جہنمی مراد لیتے۔ زید کا یہ قول کہ "جو مومن کو قتل کرے وہ بحکم قرآن کافر اور جہنمی ہے" غلط اور باطل ہے کیونکہ قاتل مومن اشد فاسق اور مستحق جہنم ضرور ہے لیکن کافر نہیں اور یہ بحث تو اس صورت میں ہے کسی کلمہ گو مسلمان کو بلا وجہ شرعی قتل کیا جائے اور اگر شرعی وجہ کے پیش نظر کوئی مسلمان قتل کیا گیا تو قاتل پر کوئی مواخذہ نہیں مثلاً جو لوگ مسلمان ہوتے ہوئے ڈاکہ زنی کرتے ہوں یا بغیر کسی حق شرعی کے بادشاہ اسلام سے بغاوت کر کے ساعی فساد ہیں وہ ضرور قتل کئے جائیں گے اور قتل کرانے والے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ دارا شکوہ تو باغی فتنہ و ساعی

فساد ہونے کے ساتھ دشمن شعار دین و مروج الحاد و زندقہ تھا کیونکہ اور مصاحبت ہنود و جوگیان بے ایمان شدہ بود (ملاحظہ ہو وقائع عالمگیری ص۲۷ مرتبہ شیخ احمد سندیلوی) لہٰذا دارا کا قتل بربنائے وجہ شرعی ہے۔ رہا شاہجہاں مرحوم پر ظلم و ستم کا افسانہ تو وہ زید کی من گھڑت کہانی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ والرضوان شعائر اسلام کے پاسباں، مروج شریعت اسلامیہ، دین کے غازی، مجاہد اور مجدد تھے۔ آپ کے زہد و تقوی، حق پرستی، عدل و انصاف، حمایت دین، نکایت مفسدین پر اگر شہادت درکار ہو تو ملاحظہ ہو تفسیرات احمدیہ حضرت مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ والرضوان مصنف نور الانوار حضرت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ والرضوان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔ ناصر الشریعۃ القویۃ سالک الطریقۃ المستقیمۃ باسط مھاد العدل والانصاف ھادم اساس الجور والاعتساف مروج الشریعۃ الغراء مؤسس الملۃ الحنفیۃ البیضاء صاحب المفاخر صاحب جامع المراتب والمناقب محی الدین ربانی الظفر موفی ذی الفضل الصغیر والکبیر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر (تفسیرات احمدیہ ص۱)۔ فتاوی عالمگیری جلد اول کے خطبہ میں اکابر علمائے اسلام کی متفقہ گواہی ملاحظہ ہو۔ ھو المطبوع علی العدل والشجاعۃ والندی والمفطور نفسہ من الزھد والورع والتقوی امیر المومنین ورئیس المسلمین امام الغزاۃ ورأس المجاھدین ابو الظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو بادشاہ اپنے زمانے کے اکابر حاملین شریعت علماء کی نگاہوں میں عادل و منصف متقی و زاہد متورع حامی دین مروج شریعت ہو اس کو ظالم و جابر کافر و جہنمی کہنا کتنی بڑی بدبختی اور شقاوت ہے اور اگر ملحد جوگیوں اور فرقہ پرست غیر مسلموں سے متاثر ہو کر یہاں کہ شخص یہ کہہ دے کہ حضرت مولانا احمد جیون مصنف نور الانوار اور اکابر علمائے مصنفین فتاوی عالمگیری (معاذ اللہ تعالی) جھوٹے تھے تو قطع نظر اس امر کے کہ ایسا دعوی کرنے والا خود کذاب و مکار، عیار و بہتان طراز ہے۔ مگر اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ تو اگر سچا ہے تو حضرت عالمگیر کے زمانے کے حاملین شریعت علماء کی اس امر پر تو بھی گواہی پیش کر کہ حضرت عالمگیر ظالم و جابر، کافر و جہنمی تھے۔ زید اور اس کے جیسا خیالات فاسدہ رکھنے والے سب لوگ کان کھول کر سن لیں کہ مطالبہ مذکور قیامت تک پورا نہیں کیا جا سکتا۔ تو اے لوگو! اس جہنم کی آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

بالجملہ زید اگر اپنی آخرت کی بھلائی کا خواہاں ہے تو وہ اپنے ان اقوال باطلہ سے فوراً توبہ کر ڈالے کہ موت کا وقت معلوم نہیں۔ واللہ تعالی ھو الہادی یھدی من یشاء الی صراط مستقیم واللہ تعالی

ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ بدرالدین احمد القادری الرضوی

من اساتذۃ فیض الرسول ببراؤں الشریفۃ من اعمال بستی (یوپی)

۲۱ من جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از عطاء اللہ سہنیاں کلاں ضلع گونڈہ

زید کہتا ہے کہ حضرت مولائے کائنات جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے تھے اور زمانۂ بچپن ہی سے کفر و شرک سے پاک تھے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے کافر تھے اس کے بعد ایمان لائے تو پھر اس صورت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر تمام صحابہ سے افضل کیوں قرار دیا گیا اور کس خوبی سے ان کو خلیفہ اول بنایا گیا۔ فضیلت کے لحاظ سے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ اول ہونا چاہیے تھا۔ قرآن و حدیث سے حوالہ ملنا چاہیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد سب سے افضل ہونا تمام علمائے اہلسنت کے نزدیک مسلم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وسیجنبہا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی (پ ۳۰) یعنی اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ ستھرا ہو (ترجمہ از کنز الایمان) تمام مفسرین کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اور اتقی یعنی سب سے بڑا متقی و پرہیزگار انھیں کو کہا گیا ہے۔ اور پھر پارہ ۲۶ میں یوں ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت و فضیلت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی و پرہیزگار ہو۔ ان دونوں آیت کریمہ کے ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ سے افضل ہیں چنانچہ مشہور کتاب شرح عقائد نسفی ص ۱۰۸ میں ہے۔ افضل البشر بعد نبینا ابوبکر الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورین ثم علی المرتضیٰ۔ یعنی تمام نبیوں کے بعد بشر میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان ذوالنورین پھر حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور امام جلیل خاتم الحفاظ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تاریخ الخلفاء میں فرماتے ہیں۔ اَجْمَعَ اَھْلُ السُّنَّۃِ اَنَّ اَفْضَلَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ ثُمَّ عَلِیٌّ ثُمَّ سَائِرُ الْعَشَرَۃِ ثُمَّ بَاقِیْ اَھْلِ

بدر، ثم باقی اهل احد ثم باقی اهل البیعۃ ثم باقی الصحابۃ هٰکذا حکی الاجماع علیہ
ابو منصور البغدادی. یعنی علمائے اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد سیدنا
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام امت سے افضل ہیں آپ کے بعد حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی
پھر عشرہ مبشرہ پھر اہل بدر پھر اہل احد پھر باقی اہل بیت پھر باقی تمام صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین -
ابو المنصور بغدادی نے اجماع اسی طرح نقل کیا ہے روی البخاری عن ابن عمر قال کنا نخیر بین
الناس فی زمان رسول اللہ فنخیر ابابکر ثم عمر ثم عثمان وزاد الطبرانی فی الکبیر فیعلم بذلک
النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا ینکرہ یعنی روایت کیا ہے امام بخاری نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
وہ فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افضل الصحابہ شمار کیا کرتے تھے پھر حضرت عمر
کو پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خیال کرتے تھے. طبرانی نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ سید عالم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم اس بات کو جانتے اور ناپسند نہ فرماتے. خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادے حضرت محمد رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے اخرج البخاری عن محمد بن علی ابن طالب قال قلت لابی ای الناس
خیر بعد رسول اللہ قال ابوبکر قلت ثم من قال عمر وخشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت قال
ما انا الا رجل من المسلمین. یعنی محمد بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت علی
کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت
ابوبکر- میں نے کہا ان کے بعد؟ فرمایا حضرت عمر ہیں اور میں ڈرا کہ اب حضرت عثمان کو فرمائیں گے. میں نے عرض
کیا پھر آپ افضل ہیں تو آپ نے (خاکساری کے طور پر) فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان ہوں (بخاری) اس کے
علاوہ اور بھی حدیثیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت بعد الانبیا سے متعلق پیش کی جا سکتی ہیں
مگر بخوف طوالت اتنے ہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے زید کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کو کافر کہنا زید کی جہالت و نادانی ہے اس لئے کہ اہل فترت یعنی جنھیں انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت نہ
پہونچی تین قسم پر ہیں. اول موحد جنھیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہ توحید دکھائی جیسے قس بن
ساعدہ، زید بن عمرو بن نفیل اور زہیر بن ابی سلمہ شاعر مشہور وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم. دوم مشرک. کہ اپنی جہالتوں اور
ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے جیسے کہ اکثر عرب. سوم غافل کہ انہماک فی الدنیا کے سبب انھیں اس مسئلے سے

کوئی بحث ہی نہ ہوتی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم دوم وسوم میں سے نہ تھے بلکہ قسم اول کے لوگوں میں سے تھے اس لئے کہ چند برس کی عمر میں ان کے والد ماجد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو بعد میں صحابی ہوئے زمانۂ جاہلیت میں انھیں بت خانے لے گئے اور بتوں کو دکھا کر فرمایا ھذہٖ الھتک الشم العلی فاسجد لھا یعنی یہ تمہارے بلند وبالا خدا ہیں انھیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر گئے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور بت کی عاجزی وبت پرستوں کی جہالت ظاہر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا انی جائع فاطعمنی یعنی میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا۔ آپ نے پھر کہا انی عار فاکسنی یعنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ پھر وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا میں تجھے پتھر مارتا ہوں۔ فان کنت الھا فامنع نفسک یعنی اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا وہ اب بھی خاموش رہا آخر بقوت صدیقی پتھر مارا تو وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گر پڑا۔ آپ کے والد ماجد واپس آرہے تھے یہ ماجرا دیکھ کر کہا اے میرے بچے یہ کیا کیا؟ فرمایا وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی والدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو بعد میں صحابیہ ہوئیں) کے پاس لائے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا انھوں نے فرمایا اس بچے سے کچھ نہ کہو جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے۔ یا امۃ اللہ علی التحقیق ابشری بالولد العتیق اسمہ فی السماء الصدیق لمحمد صاحب ورفیق یعنی اے اللہ کی سچی بندی تجھے خوشخبری ہو اس بچے کی اس کا نام آسمان میں صدیق ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یار ورفیق ہے۔ رواہ القاضی ابوالحسین احمد بن محمد الزبیدی بسندہٖ فی معالی العرش الی عوالی العرش۔ اور امام اجل سیدی ابوالحسن علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ——

الصواب ان یقال ان الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لم یثبت عنہ حالۃ کفر باللہ تعالیٰ کما ثبت عن غیرہٖ ممن اٰمن وھوالذی معناہ من اشیاخنا ومن یقتدی بہ اھ ھوالصواب یعنی درست یوں کہنا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کی حالت ثابت نہیں جیسا کہ دیگر ایمان والوں سے یہ حالت ثابت ہے اور یہ وہ بات ہے جس کو ہم نے پیران عظام اور مقتدایان کرام سے سنی ہے اور یہی درست ہے۔ اور سیدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں لم یزل ابوبکر بعین الرضا منہ امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں۔ اختلف الناس فی مرادہ بھذا الکلام فقیل لم یزل مومنا قبل البعثۃ وبعدھا وھوالصحیح المرتضٰی یعنی امام ابوالحسن اشعری کے

مذکورہ بالا کلام کی مراد میں لوگوں نے اختلاف کیا اور کہا گیا مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلان نبوت سے پہلے اور اس کے بعد مومن تھے اور یہی بات صحیح اور پسندیدہ ہے۔ الحمد للہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا موحد ہونا اور شرک وکفر سے پاک رہنا ثابت ہوگیا۔

لیکن زید کو اپنی لاعلمی کی بنا پر یہ شبہہ پیدا ہو سکتا ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا تو اگر وہ پہلے ہی سے مسلمان تھے تو پھر اسلام قبول کرنے کا کیا مطلب؟ تو اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پارہ الم رکوع ۱۶ میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی نسبت فرماتا ہے۔ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی جب اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا ایمان لاؤ تو آپ نے کہا میں رب العلمین پر ایمان لایا۔ جب خلیل کبریا علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو اسلام لانے کا حکم ہونا اور ان کا عرض کرنا کہ میں اسلام لایا ان کے ایمان قدیم کا منافی نہ ہوا کیونکہ حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف نبوت کے بعد یا پہلے کبھی بھی کسی وقت ایک آن کے لئے بھی کفر کو ہرگز راہ نہیں تو پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ الفاظ کہ وہ فلاں دن مسلمان ہوئے ان کے اسلام سابق کے ہرگز ہرگز مخالف نہیں۔ پھر یہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابتداء ہی مومن ہونا یعنی موحد غیر کافر ہے بعدہ قبولیت اسلام بقوانین محمدیہ کے محل میں ہے۔ ولا تعارض فیہ فھذا کلہ واضح مبین لمن لہ عقل وتفقہ فی الدین فالحمد للہ رب العالمین۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضرات قدیم الاسلام ہیں کہ ایک آن ایک لمحہ کو ہرگز ہرگز متصف بکفر نہ ہوئے مگر اسلام میثاقی و اسلام فطری کے بعد اسلام توحیدی و اسلام اخص دونوں میں صدیق اکبر کا مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بلند و بالا، ارفع و اعلیٰ ہے اور بعد الانبیاء تمام مسلمانوں سے افضل و خلیفہ اول ہونے کی وجہ یہی ہے کہ مردوں کے ابتدا اسلام اخص میں ان کا کوئی مقابل نہیں اور اسلام توحیدی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی وہ افضل ہیں اس لئے کہ سیدنا صدیق اکبر کی عمر کا زیادہ حصہ زمانہ ظلمت وجہالت میں گزرا۔ ابتدا مدتوں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ سے دوری رہی۔ اس پر بچپنے کی سمجھ میں ان کے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو کہ اس وقت مبتلائے شرک تھے اپنے دین باطل کی تعلیم دینے کے لئے بت خانہ میں لیجا کر سجدۂ بت کی تفہیم کرنا اس کے

باوجود آنحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توحید خالص پر قائم رہنا بہت اہم واعظم ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آنکھ کھولی تو حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا جمال جہاں آرا دیکھا حضور ہی کی گود میں پرورش پائی حضور ہی کی باتیں سنی حضور ہی کی عادتیں سیکھیں شرک وبت پرستی کی صورت ہی اللہ تعالیٰ نے کبھی نہ دکھائی آٹھ یا دس سال کے ہوئے تو آفتاب رسالت اپنی عالمگیر تابشوں کے ساتھ چمک اٹھا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اور اسلام اخص میں ان کی فضیلت یوں ہے کہ مردوں میں وہ سب سے پہلے اسلام لائے اور فوراً اپنا اسلام سب پر ظاہر کر دیا۔ ہدایتیں فرمائیں۔ کفار سے اذیتیں اٹھائیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت یوں مروی ہے کہ انھوں نے اپنے باپ ابوطالب کے خوف سے ابتداءً اپنے اسلام کو ظاہر نہ فرمایا امام حافظ الحدیث خیثمہ بن سلیمان وامام دارقطنی ومحب الدین طبری وغیرہم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ان ابابکر سبقنی الی اربع لم اوتھن سبقنی الی افشاء الاسلام وقدم الھجرۃ ومصاحبتہ فی الغار واقام الصلاۃ وانا یومئذ بالشعب یظھر اسلامہ واخفیہ الحدیث یعنی بیشک ابوبکر ان چار باتوں میں مجھ سے بڑھ گئے کہ جو مجھے نہ ملیں (۱) انھوں نے مجھ سے پہلے اسلام کو ظاہر کیا اور (۲) مجھ سے پہلے ہجرت کی حضور علیہ السلام کے یار غار ہوئے (۳) اور نماز قائم کی اس حالت میں کہ میں ان دنوں گھروں میں تھا (۴) وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے اور میں چھپاتا تھا۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں اول ذکر اسلم علی بن ابی طالب وھو صبی لم یبلغ الحلم وکان مستخفیا باسلامہ واول رجل عربی بالغ اسلم واظھر اسلامہ ابوبکر بن ابی قحافۃ یعنی پہلا وہ شخص جو چھپے اور نابالغی کی حالت میں مسلمان ہوا حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ اپنے اسلام کو چھپاتے تھے۔ اور پہلا وہ شخص جو حالت بلوغ میں مسلمان ہوا۔ اور اپنے اسلام کو ظاہر کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

لہٰذا احادیث و آثار صحابہ کرام واقوال ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی کافر نہ تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نیز دیگر تمام صحابہ سے ان کا ایمان قوی واکمل اور ان کا مرتبہ بعد الانبیاء سب سے اعلیٰ وافضل ہے۔ اسی لئے وہی خلیفہ اول بنائے جانے کے بھی مستحق ہوئے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۴۔ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۹ھ

مسئلہ :۔ از خلیل الرحمٰن مظفر پوری متعلم مدرسہ مصباح العلوم مبارکپور۔ اعظم گڑھ

شیعوں کے جلسے میں کوئی سنی مولوی شریک ہوا اور تبرا سنکر خاموش چلا آئے۔ بعض سیاسی یا ذاتی اغراض کے تحت جو کسی شیعہ سے وابستہ رہے تردید نہیں کرتے بلکہ تردید کرنے والے کو یہ کہہ کر باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ شیعہ تو وہابی سے اچھا ہے وہابی تو خدائے وحدہ قدوس کی ذات پر کذب کا امکان عائد کرتا ہے اور شیعہ تو محض خلفائے ثلثہ کو ہی برا کہتا ہے کیا عند الشرع ایسا شخص مجرم ہے بالتفصیل تحریر فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب جس طرح وہابیوں دیوبندیوں کے جلسے میں شریک ہو کر ان کے سواد (جتھے) کو بڑھانے والا سنی مولوی فاسق معلن ہے یونہی رافضیوں کے جلسے میں شریک ہو کر ان کی جتھا بڑھانے والا سنی مولوی رافضیوں کے جلسے میں شریک ہو کر تبرا سنے اور خاموش چلا آئے وہ فاسق معلن ہونے کے ساتھ شیطان اخرس بھی ہے اور جو سنی مولوی یہ بکے کہ رافضی تو وہابی سے اچھا ہے وہابی تو خدائے وحدہ قدوس کی ذات پر کذب کا امکان عائد کرتا ہے اور رافضی تو محض خلفائے ثلثہ ہی کو برا کہتا ہے" وہ گمراہ بددین ہے بلکہ حسب ارشاد کتب فقہیہ اس پر کفر عائد ہوتا ہے جس طرح امکان کذب باری کا عقیدہ کفر ہے یونہی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہنا ان پر تبرا کرنا بھی کفر ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ رد الرفضہ ص ۹ میں تحریر فرماتے ہیں تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للعلامۃ الشرنبلالی قلمی کتاب السیر میں ہے الرافض اذا سب ابابکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اولعنہما یکون کافرا وان فضل علیہما علیا لایکفر وھو مبتدع یعنی رافضی اگر شیخین (صدیق اکبر و فاروق اعظم) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو برا کہے یا ان پر تبرا بکے تو کافر ہو جائے گا۔ اور اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو ان دونوں حضرات سے افضل کہے تو کافر نہیں گمراہ و بدمذہب ہے (بشرطیکہ صرف تفضیل ہی کا عقیدہ رکھے اور ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا منکر نہ ہو) جب خلفائے ثلثہ میں حضرات شیخین داخل ہیں اور حضرات شیخین کو برا کہنے والا کافر و مرتد ہے تو خلفائے ثلثہ کو برا کہنے والا رافضی بھی حسب فتویٰ کافر ہوگا۔ پھر اس کو وہابی سے اچھا بتانے والا یا تو نرا جاہل ہے یا شدید گمراہ ہے واقعی مرتدوں بدمذہبوں کی صحبت دین و ایمان کے حق میں زہر ہلاہل ہے جبھی تو رافضیوں کی صحبت سے متاثر ہو کر سنی مولوی نے کہا کہ رافضی تو محض خلفائے ثلثہ ہی کو برا کہتا ہے گویا خلفائے ثلثہ کو برا کہنا کوئی بڑی بات نہیں۔ معاذ اللہ رب العالمین۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ تمام مسلمانوں کو عموماً اور آج کل

کے نوعمر ناتجربہ کار سنی مولویوں کو خصوصاً شیطان کے مکر و کید سے بچائے اور مرتدوں بدمذہبوں وہابیوں دیوبندیوں رافضیوں کے جلسے جلوس میں شریک ہونے سے بچائے اور محفوظ رکھے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللّٰہ تعالٰی و رسولہ الاعلی جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وبارک وسلم۔

الجواب صحیح	کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
غلام جیلانی الاعظمی	۲۲ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

فتوٰی متعلق باغِ فدک

مسئلہ: از عبد الحق قادری غوثیہ منزل منڈی حویلی پونچھ (جموں کشمیر)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رافضی لوگ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نے باغ فدک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا کو دیا تھا جسے حضرت صدیق اکبر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ نے اپنے دور خلافت میں غصب کر لیا اور حضور کا فرمان ہے کہ جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے مجھ کو ستایا تو اس حدیث شریف کی روشنی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ کا کیا حال ہے؟

الجواب ـــــــــ بعون الملک العزیز الوھاب۔ بعض حصہ زمین جو کفار نے مغلوب ہو کر بغیر لڑائی کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا تھا ان میں سے ایک فدک بھی تھا جس کی آمدنی حضور سید عالم صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے اہل وعیال ازواج مطہرات وغیرہ پر صرف فرماتے تھے اور تمام بنی ہاشم کو بھی اس کی آمدنی سے کچھ مرحمت فرماتے تھے۔ مہمان اور بادشاہوں کے سفراء کی مہمان نوازی بھی اسی آمدنی سے ہوتی تھی۔ اس سے غریبوں اور یتیموں کی امداد بھی فرماتے تھے۔ جہاد کے سامان تلوار، اونٹ اور گھوڑے وغیرہ اس سے خریدے جاتے تھے اور اصحاب صفہ کی حاجتیں بھی اس سے پوری فرماتے تھے۔ ظاہر ہے کہ فدک اور اس قسم کی دوسری زمینوں کی آمدنی مذکورہ بالا تمام مصارف کے مقابلہ میں بہت کم تھی اسی سبب سے بنی ہاشم کا جو وظیفہ حضور نے مقرر فرما دیا تھا وہ زیادہ نہیں تھا اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا جو حضور کو حد سے

زیادہ پیاری تھیں مگر آپ ان کی بھی پوری کفالت نہیں فرماتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ اس قسم کی زمینوں کی آمدنی مخصوص مدوں میں حضور صرف فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا مال اسی کی راہ میں خرچ فرماتے تھے آپ نے ان کو ذاتی ملکیت نہیں قرار دیا تھا۔

پھر جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے بھی فدک کی آمدنی کو انھیں تمام مدوں میں خرچ کیا جن میں حضور خرچ فرمایا کرتے تھے فدک کی آمدنی خلفائے اربعہ کے زمانہ تک اسی طرح صرف ہوتی رہی۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق حضرت عثمان غنی اور حضرت مولیٰ علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب نے فدک کی آمدنی کو انھیں مدوں میں خرچ کیا جن میں حضور خرچ کیا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد باغ فدک حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضہ میں رہا پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اختیار میں رہا۔ ان کے بعد علی بن حسین اور حسن بن حسن کے ہاتھ آیا۔ ان کے بعد زید بن حسن بن علی ہوا اور حسن بن حسن کے تصرف میں آیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پھر مروان اور مروانیوں کے اختیار میں رہا یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے باغ فدک حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کے قبضہ و تصرف میں دے دیا۔ باغ فدک کی اس تاریخ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ معاملہ کچھ بھی نہ تھا مگر لوگوں نے بلاوجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام لگا کر ان کو مطعون کیا۔

حضور نے باغ فدک حضرت فاطمہ کو نہیں دیا تھا

یہ کہنا صحیح نہیں کہ باغ فدک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دیا تھا۔ یہ رافضیوں کا افترا ہے جس کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں۔ یعنی اہل سنت کی معتبر کتابوں سے باغ فدک کا دینا ثابت نہیں بلکہ ہماری کتابوں سے حضور کا حضرت سیدہ کو باغ فدک کا نہ دینا ثابت ہے جیسا کہ مشہور و معروف کتاب ابوداؤد شریف کی حدیث ہے۔ عن المغیرۃ قال ان عمر بن عبدالعزیز جمع بنی مروان حین استخلف فقال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کانت لہ فدک فکان ینفق منہا و یعود منہا علی صغیر بنی ھاشم و یزوج منہا ایمھم و ان فاطمۃ سألتہ ان یجعلہا لہا فابی فکانت کذلک فی حیوۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی مضی لسبیلہ فلما ان ولی ابوبکر عمل فیہا بما عمل

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی حیوتہ حتی مضی لسبیلہ فلما ان ولی عمر بن الخطاب عمل فیہا بمثل ما عملا حتی مضی لسبیلہ ثم اقطعہا مروان ثم صارت لعمر بن عبد العزیز فرایت امرا منعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاطمۃ لیس لی بحق وانی اشہدکم انی رددتہا علی ما کانت یعنی علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجب[۱۴] ردوعمر۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا جب زمانہ آیا تو انھوں نے بنی مروان کو جمع کیا اور ان سے فرمایا کہ فدک رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس تھا جس کی آمدنی وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے تھے اور بنی ہاشم کے بچوں کو پہنچاتے تھے اور اس سے مجرد مرد و عورت کا نکاح بھی کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور سے سوال کیا کہ فدک ان ہی کے لئے مقرر کردیں تو حضور نے انکار کردیا تو ایسے ہی آپ کی زندگی بھر رہا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی پھر جب حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے فدک میں ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی رحلت فرماگئے پھر جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ حضور اور ابوبکر نے کیا تھا یہاں تک کہ وہ بھی انتقال فرماگئے۔ پھر مروان نے (اپنے دور میں) فدک کو اپنی جاگیر میں لے لیا یہاں تک کہ وہ عمر بن عبد العزیز کی جاگیر بنا پس میں نے دیکھا کہ جس چیز کو حضور نے اپنی بیٹی فاطمہ کو نہیں دیا اس پر میرا حق کیسے ہوسکتا ہے لہٰذا میں آپ لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اسی دستور پر واپس کردیا جس دستور پر کہ وہ پہلے تھا یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ مبارکہ میں۔ (مشکوۃ شریف ص ۳۵۲)

اس حدیث شریف سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت سیدہ کو باغ فدک کا نہ دینا واضح طور پر ثابت ہے بلکہ شرح ابن الحدید جو رافضیوں کی معتبر مذہبی کتاب نہج البلاغۃ کی شرح ہے اس میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ قال لہا ابوبکر لما طلبت فدک بابی وامی انت الصادقۃ الامینۃ عندی ان کان رسول اللہ عہد الیک عہدا او وعدک وعدا صدقتک وسلمت الیک فقالت لم یعہد الی فی ذلک۔ جب فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فدک طلب کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ میرے نزدیک صادقہ امینہ ہیں۔ اگر حضور نے آپ کے لئے فدک کی وصیت کی ہو یا وعدہ کیا ہو تو اسے میں تسلیم کرتا ہوں اور فدک آپ کے حوالے کردیتا ہوں تو سیدہ نے فرمایا کہ فدک کے معاملہ میں حضور نے میرے لئے کوئی وصیت نہیں فرمائی ہے۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت سیدہ کو باغ فدک دینے کا جو افسانہ بنایا گیا ہے وہ صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت سیدہ خود فرما رہی ہیں کہ حضور نے فدک کے لئے میرے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی ہے اور نہ وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا جب حضور نے باغ فدک حضرت سیدہ کو دیا نہیں اور دینے کا وعدہ بھی نہیں فرمایا اور نہ وصیت فرمائی تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غصب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ کو فدک ہبہ کر دیا تھا تو یہ مسئلہ رافضی و سنی دونوں کے یہاں متفقہ طور پر مسلم ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز پر تاوقتیکہ موہوب لہ یعنی جس کو ہبہ کیا گیا ہے اس کا قبضہ و تصرف نہ ہو جائے وہ چیز موہوب لہ کی ملک نہیں ہو سکتی اور فدک بالاتفاق حضور کی ظاہری حیات میں کبھی حضرت سیدہ کے قبضہ میں نہیں آیا بلکہ حضور ہی کے اختیار میں رہا اور وہی اس میں مالکانہ تصرف فرماتے رہے۔

حضور نے کوئی وراثت نہیں چھوڑی

اگر یہ کہا جائے کہ حضور نے اپنی ظاہری حیات میں حضرت سیدہ کو فدک نہیں دیا تھا ہم نے یہ تسلیم کر لیا لیکن جب وہ حضور کی صاحبزادی تھیں تو فدک حضرت سیدہ کو وراثت میں ضرور ملنا چاہیے تھا کہ ہر شخص اپنے باپ کی جائداد کا وارث ہوا اور حضرت سیدہ حضور کی وارث نہ ہوں یہ کہاں کا انصاف ہے ؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتہا درجہ کے فیاض تھے جو کچھ آتا تھا سب غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ کچھ اپنے پاس باقی نہیں رکھتے تھے یہاں تک کہ حضور ایک بار نماز عصر پڑھ کر فوراً اٹھے اور نہایت تیزی کے ساتھ گھر تشریف لے گئے پھر علی الفور واپس آ گئے لوگوں کو تعجب ہوا تو فرمایا مجھے خیال آیا کہ سونے کی ایک چیز گھر میں پڑی رہ گئی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑی رہ جائے اس لئے میں اسے خیرات کرنے کے لئے کہہ آیا ہوں۔ (رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ ص ۱۶۹)

اور حدیث شریف میں ہے کہ آخری بیماری میں حضور کی ملکیت میں چھ سات اشرفیاں تھیں حضور نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم فرمایا کہ اسے خیرات کر دیں مگر وہ مشغولیت کے سبب خیرات نہ کر سکیں تو حضور نے ان اشرفیوں کو منگا کر خیرات کر دیا اور فرمایا۔ مَاظَنُّ نَبِیِّ اللّٰہِ لَوْ لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَھٰذِہٖ عِنْدَہٗ (رواہ احمد مشکوٰۃ ص ۱۶۹) یعنی اللہ کا نبی خدائے تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اشرفیاں اس کے

قبضہ میں ہوں تو یہ مقام نبوت کے منافی ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد دوم ص۴۸) جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ انہوں نے اپنی ذاتی ملکیت میں کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں تو ایسی صورت میں وراثت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لئے کہ وراثت اس چیز میں جاری ہوتی ہے جو مورث کی ملکیت ہو اور سرکار اقدس نے ایسا کوئی مال چھوڑا ہی نہیں۔ اور ازواج مطہرات جو اپنے حجروں کی مالک ہوئیں تو وہ بطور میراث ان کو نہیں ملے تھے بلکہ حضور نے اپنی ظاہری حیات میں ایک ایک حجرہ ہر ایک کو ہبہ کر دیا تھا اور اسی زمانہ میں ان لوگوں نے اپنے اپنے حجروں پر قبضہ بھی کر لیا تھا اور ہبہ جب قبضہ کے ساتھ ہو تو ملکیت ثابت ہو جاتی ہے جیسے کہ حضور نے حضرت فاطمہ کے لئے بھی گھر بنوا کر ان کے قبضہ میں دے دیا تھا جو ان کی ملکیت تھا اور پھر فدک مال فَی سے تھا اسی لئے محدثین کرام فدک کی حدیث کو باب الفَی میں لائے ہیں اور فَی کسی کی ملکیت نہیں ہوتا اس کے مصارف کو خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں خود بیان فرمایا ہے۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ. جو غنیمت دلایا اللہ نے اپنے رسول کو شہر والوں سے وہ اللہ اور رسول کی ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے (پ۲۸ ع۴)

اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد چہارم ص۲۱۳ پر مغرب سے ہے حکمۃ ان تکون لکافۃ المسلمین فَی کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں، حکم فَی آنست کہ مر عامہ مسلمانان را می باشد و در وے تخمیس و قسمت نیست واختیار آں بدست آنحضرت ست۔ فَی کا حکم یہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے ہے۔ اس میں خمس و تقسیم نہیں ہے اور اس کی تولیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ہے (اشعۃ ج۳ ص۴۴) معلوم ہوا مال فَی وقف ہوتا ہے کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فدک کی آمدنی کو قرآن کی تصریح کے مطابق اپنی ذات پر۔ ازواج مطہرات اور بنی ہاشم پر غریبوں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ فرما دیتے تھے جو اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ فدک کسی کی ملکیت نہیں تھا بلکہ وقف تھا اور مال وقف میں میراث جاری ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

انبیائے کرام کسی کو مال کا وارث نہیں بناتے

اگر فدک کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملکیت مان بھی لی جائے پھر بھی اس میں وراثت نہیں جاری ہوگی بلکہ وہ صدقہ ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

قال رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لانورث ما ترکناہ صدقۃ۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ہم (گروہ انبیاء) کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ ص۵۵۰) اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور کے وصال فرما جانے کے بعد ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ حضور کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا الیس قد قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لانورث ما ترکناہ صدقۃ۔ کیا حضور نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔ (مسلم شریف جلد دوم ص۹۱) جب حضرت عائشہ نے ازواج مطہرات کو یہ حدیث شریف سنائی تو انھوں نے میراث طلب کرنے کا ارادہ ختم کر دیا۔

اور حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ جویریہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے انھوں نے فرمایا: ما ترک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند موتہ دینارا ولا درھما ولا عبدا ولا امۃ ولا شیئا الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضا جعلھا صدقۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وصال کے وقت درہم و دینار اور غلام و باندی کچھ نہیں چھوڑا مگر ایک سفید خچر اپنا ہتھیار اور کچھ زمین جس کو حضور نے صدقہ کر دیا تھا۔ (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص۵۵۰)

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لا یقتسم ورثتی دینارا ما ترکت بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے وارث ایک دینار بھی تقسیم نہیں کریں گے میں جو کچھ چھوڑ جاؤں میری ازواج کے مصارف اور عاملوں کا خرچ نکالنے کے بعد جو بچے وہ صدقہ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۰) اور بخاری و مسلم میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مجمع صحابہ جن میں حضرت عباس، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام اور سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو قسم دے کر فرمایا کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ تو سب نے اقرار کیا کہ ہاں حضور نے ایسا فرمایا ہے۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ انشدکم باللہ الذی باذنہ تقوم السماء والارض ھل تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال لا نورث ما ترکنا صدقۃ قالوا قد قال ذلک فاقبل عمر علی علی وعباس فقال انشدکما باللہ ھل تعلمان ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قد قال ذلک قالا نعم۔ حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو ان لوگوں نے کہا بے شک حضور نے ایسا فرمایا ہے پھر وہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں آپ دونوں کو خدائے تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور نے ایسا فرمایا ہے تو ان لوگوں نے بھی کہا کہ ہاں حضور نے ایسا فرمایا ہے (بخاری ج ۲ ص ۵۷۵ مسلم ج ۲ ص ۹۰) ان احادیث کریمہ کے صحیح ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور حضور کا ترکہ خیبر اور فدک وغیرہ ان کے قبضہ میں ہوا اور پھر ان کے بعد حسنین کریمین وغیرہ کے اختیار میں رہا مگر ان میں سے کسی نے ازواج مطہرات حضرت عباس اور ان کی اولاد کو باغ فدک وغیرہ سے حصہ نہ دیا لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی ورنہ یہ تمام بزرگوار جو رافضیوں کے نزدیک معصوم اور اہلسنت کے نزدیک محفوظ ہیں حضرت عباس اور ازواج مطہرات کی حق تلفی جائز نہ رکھتے۔

ان تمام شواہد سے خوب واضح ہوگیا کہ انبیائے کرام کے ترکہ میں وراثت نہیں جاری ہوتی اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ کو باغ فدک نہیں دیا نہ کہ بغض و عداوت کے سبب جیسا کہ رافضیوں کا الزام ہے اس لئے کہ اگر حضرت سیدہ سے ان کو دشمنی تھی تو ازواج مطہرات کو حضور کے ترکہ سے حصہ پہونچتا تو ان سے اور ان کے باپ بھائی وغیرہ متعلقین سے کیا عداوت تھی کہ ان سب کو محروم المیراث کر دیا جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ ان کی صاحبزادی بھی ازواج مطہرات میں سے تھیں بلکہ حضرت عباس حضور کے چچا اور حضرت ابوبکر کے ابتدائے خلافت سے شیر و رفیق تھے جن کو تقریباً نصف ترکہ ملتا وہ کس دشمنی کے سبب وراثت سے محروم ہوتے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد رسول لانورث ماترکنا صدقۃ کے سبب حضرت سیدہ کو فدک نہ دیا کہ حدیث پر عمل کرنا ان پر لازم تھا۔ اس لئے کہ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت سیدہ کو خوش کرنے کے لئے انہیں حدیث کو پس پشت ڈال دینا چاہئے تھا اور ارشاد رسول پر انہیں عمل نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق نے حدیث رسول پر عمل کیا تو ان پر الزام کیا ہے جبکہ یہ روایت کہ حضرات انبیا کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے رافضیوں کی معتبر کتابوں سے بھی ثابت ہے جیسا کہ اصول کافی باب العلم والتعلم میں ہے۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن

اور ثوا العلم فمن اخذ منه اخذ بحظ وافر۔ ابو عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علمائے دین انبیائے کرام کے وارث ہیں اس لئے کہ انبیائے کرام کسی شخص کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے تو جس شخص نے علم دین حاصل کیا اس نے بہت کچھ حاصل کیا اور اسی کتاب اصول کافی کے باب صفۃ العلم میں ہے۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذلک ان الانبیاء لم یورثوا درھمًا ولا دینارًا وانما اورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشئ منھا فقد اخذ حظا وافرا۔ حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ علمائے کرام انبیائے عظام کے وارث ہیں اور یہ اس لئے کہ حضرات انبیائے کرام نے کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بنایا انھوں نے تو صرف اپنی باتوں کا وارث بنایا تو جس شخص نے ان کی باتوں کو حاصل کر لیا اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رافضیوں کے نزدیک معصوم ہیں اور اہلسنت کے نزدیک محفوظ ہیں۔ ان کی روایتوں سے بھی ثابت ہو گیا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی میراث صرف علم شریعت ہی ہے وہ درہم و دینار اور مال و اسباب کا کسی کو وارث نہیں بناتے اور جب یہ بات رافضیوں کی روایات سے بھی ثابت ہے تو پھر سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کرنے کے سبب حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فدک کے غصب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ وورث سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وغیرہ قرآن و حدیث میں جہاں بھی انبیائے کرام کی وراثت کا ذکر ہے اس سے علم شریعت و نبوت مراد ہے نہ کہ درہم و دینار۔

اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث نہ جاری ہوتی تو حضرت ابو بکر حضرت علی کو حضور کی تلوار، زرہ اور دلدل وغیرہ کیوں دیتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کو حضور کی تلوار وغیرہ کا دینا ہی اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ حضور کے ترکہ میں میراث نہیں۔ اس لئے کہ حضرت علی حضور کے وارث نہ تھے۔ اگر حضور کے ترکہ کے وارث ہوتے تو صرف فاطمہ زہرا، ازواج مطہرات اور حضرت عباس ہوتے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، مگر چونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ کا مال وفات کے بعد عامۂ مسلمین کے لئے وقف کا حکم رکھتا ہے اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان چیزوں کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زیادہ لائق سمجھا تو ان کے لئے مخصوص کر دیا اور بعض چیزیں حضرت زبیر بن العوام اور حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو بھی دیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ترکہ میں میراث نہیں

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہ کو نہیں ستایا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بیشک جس نے فاطمہ کو ستایا اس نے حضور کو ستایا اور جس نے فاطمہ کو ایذا دی اس نے حضور کو ایذا دی

اس مضمون کی حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ قال فاطمۃ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی وفی روایۃ یریبنی ما ارابھا ویوذینی ما اذاھا۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے تو جو شخص اس کو غضب میں لایا مجھ کو غضب میں لایا۔ اور ایک روایت میں ہے مجھ کو اضطراب میں ڈالتی ہے جو چیز فاطمہ کو اضطراب میں ڈالتی ہے اور مجھ کو تکلیف دیتی ہے جو چیز اس کو تکلیف دیتی ہے۔ (بخاری۔ مسلم مشکوٰۃ ص۵۶۸)

یہ حدیث شریف حق ہے جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن یہ سمجھنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ کو ستایا یہ غلط ہے۔ ستانے کا مفہوم کیا ہے؟ جب حضرت سیدہ نے حضرت ابوبکر سے فدک کا مطالبہ کیا تو انھوں نے وہ حدیث شریف سنائی کہ جس کی تصدیق بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ یہاں تک کہ حضرت علی بھی کرتے رہیں تو حضرت سیدہ خاموش ہو گئیں کیا حدیث سنانا اور اس پر عمل کرنا سیدہ فاطمہ کو ستانا ہے؟ کون مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ حدیث پر عمل کرکے ان کو ستایا گیا اور جب عام مسلمانوں کو حدیث رسول پر عمل کرنے سے تکلیف نہیں پہونچ سکتی تو حضرت فاطمہ زہرا جو حضور کی لخت جگر اور نور نظر ہیں حضور کی حدیث پر عمل کرنے سے کیونکر تکلیف پہونچ سکتی ہے؟ اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ حضرت سیدہ کو حدیث رسول پر عمل کرنے کے سبب تکلیف پہونچی جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو خود حضرت سیدہ پر الزام آتا ہے کہ ان کو حدیث رسول سے تکلیف پہونچی اور یہ بات سیدہ کی ذات سے ناممکن ہے۔ ہاں بخاری شریف کی بعض روایتوں میں حضرت سیدہ اور حضرت ابوبکر کے سوال وجواب کو نقل کرنے کے بعد حدیث کے راوی نے اپنے خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے۔ فغضبت فاطمۃ وھجرت ابابکر فلم تزل مھاجرتہ حتی توفیت وعاشت بعد رسول اللہ ستۃ اشھر۔ پس حضرت فاطمہ ناراض ہو گئیں اور انھوں نے حضرت ابوبکر کو چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی اور حضرت فاطمہ حضور کے بعد چھ ماہ باحیات رہیں۔ یہاں یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ یہ الفاظ حضرت سیدہ کی زبان سے نہیں نکلے ہیں بلکہ یہ حدیث کے راوی کا اپنا ذاتی خیال ہے جس کو انھوں نے اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے یعنی حضرت ابوبکر کی شکایت کسی روایت میں حضرت سیدہ کی زبان سے ثابت نہیں

ہے نہ کوئی حدیث کا راوی یہ کہتا ہے کہ ہم نے ابوبکر کی شکایت جناب سیدہ سے سنی ہے اور چونکہ ناراضگی دل کا فعل ہے اس لئے جب تک اس کو زبان سے ظاہر نہ کیا جائے دوسرے شخص کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی البتہ آثار وقرائن سے دوسرے لوگ قیاس کر سکتے ہیں مگر ایسے قیاس میں غلطی ہو جانے کا بہت امکان ہے جیسے کہ ایک بار بہت سے صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلوت نشینی سے یہ نتیجہ نکالا کہ حضور نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے مگر جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ طلاق نہیں دی ہے۔ اسی طرح فدک کے معاملہ میں بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت سیدہ کی خاموشی اور ترک کلام سے راوی نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت سیدہ ناراض ہیں حالانکہ یہ بات نہیں کہ ناراضگی ہی ترک کلام کا سبب ہو بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے والد گرامی کی حدیث سنکر وہ مطمئن ہو گئیں اس لئے پھر کبھی انھوں نے حضرت ابوبکر سے فدک کے معاملہ میں گفتگو نہیں کی۔ اور حضرت سیدہ کے ناراض نہ ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ وہ برابر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گھر کے سارے اخراجات لیتی تھیں اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس حضرت سیدہ کی تیمارداری کرتی تھیں اگر واقعی حضرت سیدہ ناراض ہوتیں تو ان کی اور ان کی بیوی کی خدمات وہ ہرگز قبول نہ فرماتیں اور پھر حضور نے یہ فرمایا مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ یعنی جو شخص اپنے قول یا فعل سے قصداً فاطمہ کو غضب میں لائے اس کے لئے وعید ہے۔ اس لئے کہ اغضاب کے معنی یہی ہیں اور پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غضب میں لانے اور ایذا پہونچانے کا قصد ہرگز نہیں کیا بلکہ وہ بالاہتمام فدک میں فرماتے ہے یا انتقد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احب الی من ان اصل قرابتی۔ قسم ہے خدا کی اے رسول اللہ کی صاحبزادی مجھے اپنی قرابت سے حضور کی قرابت کے ساتھ صلہ رحمی زیادہ محبوب ہے۔ اور اگر حضرت سیدہ کا غضب میں ہونا بمقتضائے بشریت مان بھی لیا جائے تو یہ ان کا اپنا فعل ہے حضرت ابوبکر پر کوئی الزام نہیں اس لئے کہ اغضاب یعنی قصداً غضب میں لانے پر وعید ہے نہ کہ غضب پر۔ ہاں اگر اس لفظ کے ساتھ وعید ہوتی کہ مَنْ غَضِبَتْ عَلَيْهِ غَضِبْتُ عَلَيْهِ یعنی جس پر فاطمہ غصہ ہوں گی تو اس پر میں غصہ ہوں گا۔ تو اس صورت میں البتہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر الزام عائد ہوتا مگر اس طرح کے الزام سے پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہیں بچ سکتے۔ اس لئے کہ حضرت سیدہ بارہا ان پر غصہ ہوئی ہیں جیسا کہ رافضیوں کے معتبر کتاب جلاء العیون ص۱۸۲ پر ہے کہ ایک بار حضرت سیدہ زہراء مولیٰ علی سے ناراض ہوئیں تو حسن و حسین اور ام کلثوم کو لے کر اپنے میکہ چلی گئیں بلکہ بعض

مرتبہ اس قدر غصہ ہوتی تھیں کہ حضرت علی کو سخت دست بھی کہہ دیا کرتی تھیں جیسا کہ رافضی مذہب کی مشہور کتاب حق الیقین کے ص۲۳۳ پر ہے کہ حضرت سیدہ نے ایک بار حضرت علی سے ناراض ہو کر یہ جملہ کہہ دیا "مانند جنین در رحم پردہ نشین شدہ دشل خائناں در خانہ گریختہ، حمل کے بچہ کی طرح ماں کے پیٹ میں چھپ گئے اور نامرادوں کی طرح گھر میں بیٹھ گئے۔

خلاصہ یہ کہ رافضی اور سنی دونوں کی معتبر کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس سے حضرت سیدہ کا حضرت علی پر ناراض ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ ان کی ناراضگی حضرت علی سے وقتی اور عارضی ہوتی تھی پھر اس کے بعد آپ راضی بھی ہو جاتی تھیں تو ہم کہتے ہیں اول تو حضرت ابوبکر پر حضرت سیدہ کی زبان سے ناراض ہونا ہی ثابت نہیں۔ اور اگر حدیث شریف کے راوی کے خیال کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ ناراضگی بھی عارضی اور وقتی تھی جیسا کہ رافضی اور سنی دونوں کی روایتوں سے ثابت ہے کہ مطالبۂ فدک کے بعد حضرت سیدہ نے حضرت ابوبکر سے بولنا چھوڑ دیا۔ تو آپ نے حضرت علی کو اپنا سفارشی بنایا۔ یہاں تک کہ حضرت زہرا آپ سے راضی ہو گئیں جیسا کہ سنیوں کی کتاب مدارج النبوۃ، کتاب الوفا بیہقی اور شروح مشکوۃ میں یہ روایت موجود ہے۔ بلکہ محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطالبۂ فدک کے بعد حضرت سیدہ کے گھر گئے اور دھوپ میں ان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سے راضی ہو گئیں۔ (اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۵۴۳) اور رافضیوں کی کتاب محاج السالکین میں ہے۔

ان ابابکر لما رأی ان فاطمۃ انقبضت عنہ وھجرتہ ولم تتکلم بعد ذلک فی امر فدک ذکر ذلک عندہ فاراد استرضاءھا فاتاھا فقال لھا صدقت یا ابنۃ رسول اللہ فیما ادعیت ولکنی رایت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقسمھا فیعطی الفقراء والمساکین وابن السبیل بعد ان یوتی منھا قوتکم والصانعین بھا فقال افعل فیھا کما کان ابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یفعل فیھا فقال ذلک اللہ علی ان افعل فیھا ما کان یفعل ابوک فقالت واللہ لتفعلن فقال واللہ لافعلن فقالت اللھم اشھد فرضیت بذلک واخذت العھد علیہ وکان ابوبکر یعطیھم منھا قوتھم ویقسم الباقی فیعطی الفقراء والمساکین وابن السبیل۔ بیشک جب حضرت ابوبکر نے دیکھا کہ فاطمہ مجھ سے تنگ دل ہو گئیں اور چھوڑ دیا اور فدک کے بارے میں بات کرنا ترک کر دیا تو یہ ان پر بہت گراں ہوا انھوں

نے حضرت سیدہ کو راضی کرنا چاہا تو ان کے پاس گئے اور کہا اے رسول کی صاحبزادی آپ نے جو کچھ دعویٰ کیا تھا سچا تھا لیکن میں نے حضور کو دیکھا کہ وہ فدک کی آمدنی کو فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کو بانٹ دیتے تھے اسی میں سے آپ کو اور فدک میں کام کرنے والوں کو دیتے تھے تو حضرت سیدہ نے کہا کہ جیسا کہ میرے باپ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرتے تھے تو حضرت ابوبکر نے کہا قسم ہے خدا کی میں آپ کے واسطے وہ کام کروں گا جو آپ کے والد گرامی کرتے تھے تو حضرت سیدہ نے کہا قسم ہے خدا کی آپ ضرور ویسا ہی کریں گے پھر حضرت ابوبکر نے کہا خدا کی قسم میں ضرور کروں گا تو حضرت سیدہ نے کہا اے خدا تو گواہ ہے پھر حضرت سیدہ راضی ہو گئیں اور حضرت ابوبکر سے عہد لیا اور وہ فدک کی آمدنی سے پہلے حضرت سیدہ وغیرہا کو دیتے تھے پھر باقی فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کو بانٹ دیتے تھے۔

حضرت سیّدہ حضرت ابوبکر سے ناراض نہیں تھیں

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

رافضی لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وصیت کر دی تھی کہ ابوبکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں اسی لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ کو رات ہی میں دفن کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ سیدہ ان سے راضی نہیں ہوئی تھیں اور ان لوگوں کے مابین صلح صفائی نہیں ہوئی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہلسنت کی معتبر کتابوں سے یہ ہرگز ثابت نہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا نے یہ وصیت کی تھی کہ حضرت ابوبکر میرے جنازہ میں شریک نہ ہوں۔ یہ رافضیوں کا افترا و بہتان ہے اس لئے کہ وہ ایسی وصیت کیسے کر سکتی تھیں جبکہ نماز جنازہ پڑھانے کا حق بحیثیت امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ہی کو تھا اسی لئے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ کے حاکم مروان بن حکم کو (اور ایک روایت میں سعید بن عاص کو) حضرت امام حسن کا جنازہ پڑھانے سے نہیں روکا اور فرمایا کہ اگر شریعت کا حکم ایسا نہ ہوتا تو میں جنازہ کی نماز نہیں نہ پڑھانے دیتا۔ (اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۴۵۲) اور جب نماز جنازہ پڑھانے کا حق خلیفۃ المسلمین ہی کو تھا تو حضرت سیدہ کسی کی حق تلفی کی وصیت ہرگز نہیں کر سکتیں معلوم ہوا کہ اس قسم کی وصیت کی نسبت حضرت سیدہ کی جانب غلط ہے البتہ انھوں نے مرض الموت میں یہ وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد مجھے بے پردہ مردوں کے سامنے نہ نکالیں اس لئے کہ اس زمانہ میں یہ رسم تھی کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی بے پردہ نکالتے تھے۔

تو حضرت ابوبکر کی بیوی اسماء بنت عمیس نے حضرت سیدہ کے جنازہ کے لئے لکڑیوں کا ایک گہوارہ بنایا جس کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئیں لہٰذا ان کی وصیت انتہائی شرم و حیا کے سبب سے تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے خاص نہ تھی بلکہ عام تھی اسی لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ کو رات ہی میں دفن کر دیا۔ اور سیدہ کے جنازہ میں حضرت ابوبکر صدیق کا شریک نہ ہونا بخاری یا صحاح کی کسی روایت سے ثابت نہیں بلکہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق ہی نے پڑھائی جیسا کہ طبقات ابن سعد میں امام شعبی اور امام نخعی سے متعدد روایتیں مروی ہیں۔

عن الشعبی قال صلی علیہا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن ابراہیم قال صلی ابوبکر الصدیق علی فاطمۃ بنت رسول اللہ وکبر علیہا اربعا۔ حضرت امام شعبی اور ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حضور کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر نے پڑھائی اور نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہیں۔ اور اگر جنازہ میں شریک نہ ہونا مان بھی لیا جائے تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کو بلانے کے لئے کسی کو نہ بھیجا ہو تو حضرت ابوبکر نے سمجھا ہو کہ اس میں کوئی مصلحت ہے اس لئے شریک نہ ہوئے ہوں۔ اور حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر انتظار میں رہے ہوں کہ ان کو بلایا جائے گا اور حضرت علی نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ خود آئیں گے اور رات کا وقت تھا اس لئے ان کی شرکت کے بغیر تجہیز و تکفین کر دی گئی۔ کذا ذکرہ السمہودی فی تاریخ المدینۃ (اشعۃ اللمعات جلد سوم ص۴۹۲) اور اگر رافضی کسی بات کو نہ مانیں اور جنازہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ حضرت سیدہ کی وصیت ہی کو ٹھہرائیں تو پھر ان کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا کہ سیدہ کی نماز جنازہ صرف سات آدمیوں نے پڑھی جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب جلاء العیون میں کلینی سے روایت ہے کہ۔ از امیر المومنین صلوات اللہ تعالیٰ علیہ روایت کردہ است کہ ہفت کس بر جنازۂ فاطمہ نماز کردند ابوذر و عمار و حذیفہ و عبداللہ بن مسعود و مقداد و من امام ایشاں بودم۔ امیر المومنین حضرت علی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صرف سات آدمیوں نے فاطمہ کی نماز جنازہ پڑھی، ابوذر، سلمان، عمار، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود، مقداد اور میں ان کا امام تھا۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ صرف سات آدمیوں نے حضرت سیدہ کی نماز جنازہ پڑھی اور مندرجہ ذیل حضرات ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے۔ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عقیل بن طالب، حضرت جعفر بن طالب، حضرت قیس بن سعد حضرت ایوب انصاری، حضرت ابو سعید خدری، حضرت سہل بن حنیف، حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت

براء بن عازب اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔ یہ تیرہ حضرات جن کو رافضی بھی مانتے ہیں اور یہ لوگ نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہوئے ان کے بارے میں وہ کیا کہیں گے؟ کیا حضرت سیدہ ان سے بھی ناراض تھیں کیا انھوں نے یہ بھی وصیت کر دی تھی کہ میرے جنازہ میں امام حسن و امام حسین بھی شریک نہ ہوں جو ان کے لاڈلے اور چہیتے بیٹے تھے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جنازہ میں شریک ہونے نہ ہونے کو رضامندی یا ناراضگی کی بنیاد بنانا ہی غلط ہے ورنہ حضرات حسنین کے بارے میں بھی کہنا پڑے گا کہ ان حضرات سے سیدہ ناراض تھیں اور جنازہ میں شریک نہ ہونے کے لئے وصیت کر گئی تھیں تو ثابت ہوا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت سیدہ کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی تو اس کو آپ سے حضرت سیدہ کی ناراضگی کی دلیل ٹھہرانا غلط ہے۔

حضرت ابوبکر نے حضرت سیدہ کو اپنی پوری جائداد پیش کی

رضی اللہ تعالیٰ عنہما

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت التجا کے ساتھ اپنی پوری جائداد حضرت سیدہ کو پیش کی جیسا کہ رافضیوں کی معتبر کتاب حق الیقین میں ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فدک کا مطالبہ کیا تو انھوں نے حدیث رسول لا نورث ما ترکناہ صدقۃ کو سنانے کے بعد بہت معذرت کی اور کہا کہ ۔ اموال و احوال خود را از تو مضائقہ نمی کنم آں چہ خواہی بگیر تو سیدۂ امت پدر خودی ۔ و شجرۂ طیبہ از برائے فرزندانِ خود انکار فضل تو کسے نمی تواند کرد و حکم تو نافذ است در اموال من اما در اموال مسلمانان مخالفت گفتہ پدر تو نمی توانم کرد ۔ میرے جملہ اموال و احوال میں آپ کو اختیار ہے آپ جو چاہیں بلا روک ٹوک لے سکتی ہیں آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی سردار ہیں اور آپ کے فرزندوں کے لئے شجرۂ مبارکہ ہیں آپ کی فضیلت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور آپ کا حکم میرے تمام مالوں میں نافذ ہے لیکن مسلمانوں کے مالوں میں آپ کے والد ماجد سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت میں نہیں کر سکتا۔ (حق الیقین ملا مجلسی ص ۲۳۱) رافضیوں کی اس مذہبی کتاب سے خوب واضح ہو گیا کہ حضرت سیدہ حضرت ابوبکر کے نزدیک بہت محترم تھیں وہ حضرت سیدہ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ہرگز ہرگز ان کے دل میں حضرت سیدہ کی طرف سے کوئی بغض و عناد نہ تھا صرف حدیث رسول کے سبب فدک ان کے حوالہ نہ کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن ہر طرح کے الزام سے پاک ہے۔

اور ان پر باغ فدک کے غصب اور حضرت سیدہ کی دشمنی کا الزام لگانا سراسر غلط ہے۔ اس مفصل جواب کا مقصد بحث و مناظرہ نہیں ہے بلکہ اپنے مسلک کی وضاحت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی واجب الاحترام ہستی پر جو طعن کیا جاتا ہے اس سے مدافعت مقصود ہے۔ خدائے تعالیٰ سب کو ہٹ دھرمی سے بچائے اور حق بات قبول کرنے کی سب کو توفیق رفیق بخشے آمین بجاہ حبیبک یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۴؍ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

فتویٰ متعلق حدیث قرطاس

مسئلہ: از محمد قمر الدین قادری چشتی ڈاکخانہ منڈی ضلع پونچھ (جموں کشمیر)

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت اسلامیہ اس مسئلہ میں کہ رافضی لوگ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے درد کی شدت میں صحابہ سے فرمایا کہ قلم دوات لاؤ تاکہ میں تم لوگوں کے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس سے تم لوگ کبھی گمراہ نہ ہو تو حضرت عمر نے کہا کہ اس وقت حضور کو درد کی شدت ہے وہ ہذیان بول رہے ہیں لکھنے کا سامان لانے کی ضرورت نہیں تمہارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے اس بات پر جب صحابہ نے قلم دوات لانے میں اختلاف کیا اور لوگوں کی گفتگو سے شور و غل ہوا تو حضور نے سب کو اپنے پاس سے اٹھا دیا اس واقعہ سے چار اعتراض پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کو رد کر دیا حالانکہ حضور کا قول وحی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ اور وحی کا رد کرنا کفر ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت کی یعنی بہکی بہکی باتیں کرنا اس میں حضور کی توہین ہوئی اس لئے کہ نبی کو کبھی جنون نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی وہ بہکی بہکی باتیں کر سکتا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں نے شور وغل کیا اور چلائے جبکہ قرآن حکیم میں ہے کہ جو پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرے گا اس کی سب نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔

(۴) چوتھے یہ کہ لکھنے کا سامان نہ دینے سے مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی اگر حضور تحریر لکھ دیتے تو مسلمان گمراہی سے محفوظ ہو جاتے۔

ان اعتراضوں کے مدلل اور مفصل جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جوابات لکھنے سے پہلے ہم اس واقعہ سے متعلق دو روایتیں درج کرتے ہیں تاکہ اصل واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد جوابات کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

پہلی روایت

عن سعید بن جبیر قال قال ابن عباس یوم الخمیس اشتد برسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وجعہ فقال ایتونی بکتف اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ما شانہ اھجر استفھموہ فذھبوا یردون علیہ فقال دعونی ذرونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ فامرھم بثلث فقال اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفد بنحو ما کنت اجیزھم وسکت عن الثالثۃ۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جمعرات کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو درد زیادہ ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس شانہ کی ہڈی لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ اس کے بعد تم لوگ کبھی نہ بہکو تو لوگوں نے آپس میں اختلاف کیا اور نبی کے پاس اختلاف مناسب نہیں۔ تو کچھ لوگوں نے کہا کہ حضور کا کیا حال ہے کیا جدائی کا وقت قریب آگیا ہے آپ سے دریافت کرو۔ بعض صحابہ نے لکھنے کے بارے میں آپ سے دریافت کرنا شروع کیا تو جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اس لئے کہ میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم لوگ مجھے بلاتے ہو اور آپ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی اول مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ دوم ایلچیوں کو انعام دو جیسا کہ میں دیتا تھا۔ یہ کہہ کر تیسری وصیت سے خاموش ہو گئے یا راوی نے کہا کہ میں اس کو بھول گیا۔

(بخاری، مسلم)

دوسری روایت

عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفی البیت رجال فیھم عمر بن الخطاب قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھلموا اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ فقال عمر قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ فاختلف اھل البیت واختصموا فمنھم من یقول قربوا یکتب لکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومنھم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغط والاختلاف قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قوموا عنی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جب حضور کے وصال کا وقت قریب آیا تو حجرۂ مبارکہ میں بہت سے لوگ موجود تھے جن میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا آؤ میں تم لوگوں کے لئے ایک تحریر لکھدوں تاکہ اس کے بعد تم نہ بہکو تو حضرت عمر نے کہا کہ اس وقت حضور کو بیماری کی تکلیف زیادہ ہے تمہارے پاس قرآن ہے وہی اللہ کی کتاب تمہارے لئے کافی ہے تو حجرہ میں جو لوگ موجود تھے انھوں نے اختلاف کیا۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ حضور کے پاس لکھنے کا سامان رکھدو تاکہ وہ تمہارے لئے تحریر لکھدیں۔ اور بعض لوگ وہی کہتے تھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ جب لوگوں نے باتیں بڑھادیں اور اختلاف زیادہ پیدا ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔ (بخاری ومسلم)

اجمالی جواب

حدیث شریف سے اصل واقعہ کی تفصیل کے بعد اجمالی جواب یہ ہے کہ یہ کام صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں کیا بلکہ دوسرے صحابہ بھی اس میں شریک ہیں۔ اس لئے کہ جتنے صحابہ اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ میں موجود تھے اس معاملہ میں وہ لوگ دوگروہ ہوگئے تھے اور حضرت عباس وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس وقت موجود تھے تو اگر یہ دونوں حضرات لکھنے کا سامان نہ لانے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت کئے تو یہ سارے الزامات ان دونوں حضرات پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ لوگ لکھنے کا سامان لانے کی تائید میں تھے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مخالفت کئے تو اس صورت میں حضور کی بارگاہ میں آواز بلند کرنے اور روکنے والوں کے سبب رک جانے یعنی لکھنے کا سامان حاضر نہ کرنے کا الزام ان دونوں حضرات پر بھی عائد ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے لکھنے کا سامان کیوں نہ پیش کردیا۔ اور پھر یہ واقعہ جمعرات ۲ کا ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال دوشنبہ یعنی کہ پیر کو ہوا تو فرصت کا موقع بہت تھا۔ حضرت عباس وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

عنہما نے اس درمیان میں حضور سے کیوں نہ کہا ایسا۔ اور پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ان لفظوں کے ساتھ تھا۔ ائتونی بقرطاس یعنی تم لوگ میرے پاس کاغذ لاؤ۔ تو یہ حکم سب حاضرین سے تھا نہ کہ صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لہٰذا اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حکم فرض یا واجب مانا جائے تو حاضرین میں سے ہر ایک کو گنہ گار تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور اگر فرض و واجب نہ مانا جائے تو ان میں سے کسی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا اور یہی حق ہے۔ رافضیوں کے سارے اعتراضات باطل و غلط ہیں۔ ہر ایک کے تفصیلی جوابات نمبروار درج ذیل ہیں۔

حضور کے قول کو حضرت عمر نے نہیں رد کیا
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱) یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کو رد کر دیا اس لئے کہ انھوں نے درد کی شدت میں حضور کے آرام و راحت کا خیال کیا کہ حضور محنت و مشقت میں نہ پڑیں اور ایسے رد نہیں کہتے۔ ہر شخص اپنے عزیز بیمار کو محنت و مشقت میں پڑنے سے بچاتا ہے خاص کر بزرگ اگر کسی وقت شدت مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور حاضرین کے فائدہ کے لئے خود ہی کچھ اٹھانا چاہتا ہے تو کوئی بھی اسے گوارا نہیں کرتا یہی سب لوگوں میں معمول ہے۔ لہٰذا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کے فائدے کے لئے مشقت میں پڑنا چاہتے ہیں کہ خود لکھیں یا لکھائیں بہر حال مضمون بتانا یا خود لکھنا شدت مرض میں تکلیف کا سبب ہوگا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے از راہ محبت گوارہ نہ کیا اور ملحوظ ادب حضور کو خطاب نہ کیا بلکہ اور لوگوں کو کتاب اللہ کے اشارہ سے ثابت کیا کہ حضور کو مشقت میں پڑنے کی ضرورت نہیں تاکہ حضور کے کان مبارک تک یہ آواز پہونچے اور آپ جان لیں کہ شدت مرض میں ایسی مشقت اٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اور اس معاملہ میں عقلمندوں کے نزدیک حقیقت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باریک بینی ہے جو لائق صد تعریف ہے کہ تقریباً تین ماہ پہلے یہ آیۂ کریمہ نازل ہو چکی تھی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ۔ آج کے دن میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر تمام کر دیا۔ (پ ۶ ع ۵)

تو اس آیت کریمہ نے نسخ و تبدیل اور دین کے احکام میں کمی بیشی کے دروازے کو بالکل بند کر کے اس پر مہر لگا دی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کی اسی آیت کریمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ حسبکم کتاب اللہ یعنی اللہ کی کتاب تم کو کافی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ سمجھا جائے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حالت میں کوئی ایسی نئی بات لکھانے والے ہیں جو پہلے سے کتاب و شریعت میں نہیں آئی ہے تو آیت کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا جھٹلانا لازم آتا ہے اور یہ ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محال ہے لہذا حضور کا مقصد یہ ہے کہ ان احکام کی تاکید فرمائیں جو پہلے مقرر فرما چکے ہیں تو شدت مرض میں حضور کو مشقت اٹھانے کی ضرورت نہیں بہتر ہے کہ وہ آرام فرمائیں ہم کو خدائے تعالیٰ کی کتاب اور اس کی تاکید کافی ہے اور اس بات پر حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جملہ گواہ ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے وہی اللہ کی کتاب تم کو کافی ہے۔

لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ کہنا کہ انھوں نے حضور کی بات کو رد کر دی۔ انتہائی نادانی وجہالت اور بغض وعداوت ہے کہ اس قسم کی مصلحت آمیز باتیں اور مشورے حضور و صحابہ کے درمیان اکثر ہوا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خصوص میں سب سے زیادہ ممتاز تھے کہ منافقوں پر نماز پڑھنے، ازواج مطہرات کو پردہ نشین کرنے، جنگ بدر کے قیدیوں کو قتل کرنے، مقام ابراہیم کو مصلےٰ ٹھہرانے اور بشر منافق کے قتل وغیرہ بہت سے معاملات میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عرض و مشورے کے مطابق وحی نازل ہوئی اور اکثر واقعات میں ان کی بات اللہ و رسول کی بارگاہ میں مقبول ہوئی اور اگر اس قسم کی مصلحت آمیز باتوں کے پیش کرنے کو حضور کی بات کا رد کرنا یا وحی کا ٹھکرانا قرار دیا جائے جیسا کہ رافضی لوگ کرتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی کئی معاملہ میں حضور کی بات کے رد کرنے اور وحی کے ٹھکرانے کا الزام عائد ہو جائے گا۔ اول یہ کہ بخاری شریف میں متعدد طریقے سے مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت علی و حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مکان پر رات کے وقت تشریف لے گئے ان کو خواب گاہ سے اٹھایا اور نماز تہجد ادا کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا قوما فصلیا — یعنی تم دونوں اٹھ کر نماز پڑھو اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ واللہ لا نصلی الا ما کتب اللہ لنا یعنی خدا کی قسم ہم فرض نماز سے

زیادہ نہیں پڑھیں گے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے گھر سے واپس ہو گئے اور فرمایا۔ وکان الانسان اکثر شیء جدلا۔ اور آدمی ہر چیز سے بڑھکر جھگڑالو ہے (پ ۱۵ ع ۲۰)

کیا اس واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وحی کا ٹھکرانے والا کہا جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ ان کی ملامت نہ فرمائی۔ دوسرے یہ کہ صحیح بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو صلحنامہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کافروں کے درمیان لکھا جا رہا تھا اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کے نام کے ساتھ لفظ "رسول اللہ" لکھا تو مشرکین مکہ نے اس لفظ کے لکھنے پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم اگر رسول اللہ ملتے تو پھر آپ سے کیوں لڑتے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا۔ اُمْحُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یعنی رسول اللہ کا لفظ مٹادو تو حضرت علی نے کہا قسم خدا کی ہم ہرگز نہیں مٹائیں گے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صلحنامہ ان کے ہاتھ سے لیکر خود مٹایا۔ کیا اس واقعہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور کی بات رد کرنے والا اور وحی کا ٹھکرانے والا قرار دیا جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ جذبۂ حضرت ان کو حضور سے محبت کرنے والا قرار دیا جائے گا تو پھر از راہ محبت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ درد کی شدت میں حضور کا مشقت میں پڑنا گوارا نہ فرمایا تو ان کو وحی کا ٹھکرانے والا کیوں قرار دیا جائے گا۔ اگر رافضی ایسی باتوں کو بھی پیغمبر کے قول کا رد کرنا اور وحی کا ٹھکرانا کہیں گے تو اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے اس لئے کہ رافضی کی معتبر کتابوں میں بھی اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم پر عمل نہیں کیا جیسا کہ شریف مرتضیٰ نے جس کا لقب امامیہ کے نزدیک علم الہدیٰ ہے اپنی کتاب "درر و غرر" میں محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی اور انھوں نے اپنے باپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تہمت کے بارے میں لوگوں نے بہت باتیں کیں اس لئے کہ ان کا چچازاد بھائی ان سے کبھی کبھی ملنے کے لئے آیا کرتا تھا تو حضور نے حضرت علی سے فرمایا خُذْ ھٰذَا السَّیْفَ وَانْطَلِقْ فَاِنْ وَجَدْتَہٗ عِنْدَھَا فَاقْتُلْہُ یعنی اس تلوار کو لیکر جاؤ اور ماریہ کے پاس اگر اس مرد کو پاؤ تو قتل کردو

حضرت علی فرماتے ہیں کہ جب حضور کے حکم کے مطابق اس مرد کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے جان لیا کہ میں اس کا قصد رکھتا ہوں تو وہ میرے پاس اگر کھجور کے درخت پر چڑھتے ہوئے اپنے آپ کو پیٹھ کے بل گرا دیا اور دونوں پاؤں کو اٹھا دیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مجبوب ہے یعنی مقطوع الذکر والخصیتین ہے اس کے پاس مردوں

کے جیسا کچھ نہیں ہے تو میں نے اپنی تلوار میان میں کرلی اور واپس آکر حضور سے اس کا سارا حال بیان کیا تو حضور نے فرمایا۔ الحمد للہ الذی یصرف عنا الرجس اھل البیت۔ خدائے پاک کا شکر ہے کہ وہ ہمارے جملہ اہل بیت کو گندگی سے بچاتا ہے۔

اور محمد بن بابویہ نے امالی میں و دیلمی نے "ارشاد القلوب" میں روایت کی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعطی فاطمۃ سبعۃ دراھم وقال اعطیھا علیا ومریہ ان یشتری لاھل بیتہ طعاما فقد غلبھم الجوع فاعطتھا علیا وقالت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امرک ان تبتاع لنا طعاما فاخذھا علی وخرج من بیتہ لیبتاع طعاما لاھل بیتہ فسمع رجلا یقول من یقرض الملی الوفی فاعطاہ الدراھم یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سات درہم عطا فرمایا اور حکم دیا کہ یہ درہم علی کو دے کر کہدو کہ وہ اپنے اہل بیت کے واسطے کھانا خرید لائیں کہ ان پر بھوک غالب ہورہی ہے تو حضرت فاطمہ نے وہ درہم علی کو دیا اور کہا بے شک حضور نے حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے واسطے کھانا خرید لائیں تو حضرت علی وہ درہم لے کر اپنے اہل بیت کے واسطے کھانا خریدنے کے لئے گھر سے نکلے راستہ میں سنا ایک شخص کہتا ہے کہ کون ایسا آدمی ہے جو سچے وعدہ پر ہم کو قرض دے تو حضرت علی نے وہ درہم اس کو دیدیے۔ اس واقعہ میں حضور کے حکم کی مخالفت بھی ہے اور غیر کے مال میں بلا اجازت تصرف بھی اور اپنے اہل وعیال کے حق کا تلف کرنا بھی اور حضور کی اولاد کو بھوکا رکھ کر ان کو تکلیف پہونچانا بھی مگر یہ سب انھوں نے اللہ واسطے کیا اور ایثار کیا جو قابل تعریف وتحسین ہے۔ حضور کے حکم کا رد کرنا اور وحی کا ٹھکرانا نہیں ہے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب جانتے تھے کہ ہمارے اس فعل سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت فاطمہ زہرا، اور حسنین بھی راضی ہونگے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان تمام واقعات سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر قول وحی الٰہی نہیں ہے۔ ورنہ لفظ رسول اللہ کے مٹانے، قبطی مرد کے قتل کرنے، کھانا خریدنے اور تہجد کی نماز پڑھنے کا حکم سب وحی الٰہی ہوتا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وحی الٰہی کے ٹھکرانے کا الزام عائد ہوتا اور جنگ تبوک کے موقع پر جبکہ حضور نے حضرت علی کو اہل وعیال میں رہنے کا حکم دیا تو ان کا یہ کہنا ہرگز نہ ہوتا اتخلفنی فی النساء والصبیان۔ یعنی کیا آپ ہم کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑ جاتے ہیں۔

بلکہ ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ رافضی سنی دونوں کے نزدیک حکم الٰہی کے خلاف مصلحت کو پیش کرنا

اور مشقت کو ٹالنے کے لیے بار بار اصرار کرنا بھی وحی الٰہی کو ٹھکرانا نہیں۔ جیسا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے نو بار خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹ لوٹ کر گئے اور عرض کیا یاالٰہ العالمین میری امت اتنی نمازوں کا بوجھ نہ اٹھاسکے گی۔ اگر معاذاللہ رب العلمین یہ دعا کا رد کرنا اور ٹھکرانا ہوتا تو سید الانبیاء سرکار مصطفےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا صدور ہرگز نہ ہوتا اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسا مشورہ دیتے۔ اور قرآن مجید سورۂ شعراء میں ہے۔ واذ نادی ربک موسیٰ ان ائت القوم الظٰلمین قوم فرعون الا یتقون قال رب انی اخاف ان یکذبون ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی فارسل الی ھٰرون ولھم علی ذنب فاخاف ان یقتلون قال کلا فاذھبا بایٰتنا انا معکم مستمعون (پ۱۹ ع۶) اور یاد کرو جب تمھارے رب نے موسیٰ کو ندا فرمائی کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ جو فرعون کی قوم ہے کیا وہ نہیں ڈریں گے عرض کیا اے میرے رب میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی۔ لہذا تو ہارون کو بھی رسول کر اور اس قوم کا مجھ پر ایک الزام ہے تو میں ڈرتا ہوں کہیں مجھ کو قتل کر دیں۔ فرمایا یوں نہیں۔ تم دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ بیشک ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔

ان آیات مبارکہ سے بھی واضح ہو گیا کہ خدائے تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں مصلحت کو پیش کرنا وحی الٰہی کا رد نہیں ہے۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولو العزم پیغمبروں میں سے ہیں ہرگز اس کے مرتکب نہ ہوتے۔ اور پھر رافضی سنی دونوں کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ اللہ و رسول کا ہر حکم وجوب کا مقتضی نہیں ہوتا بلکہ مستحب ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے جیسا کہ سنیوں کی کتاب "نور الانوار" اور رافضیوں کی کتاب "درر غرر" میں مذکور ہے۔ لہذا جس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض حکم کو مستحب سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا اور مورد الزام نہ ہوئے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی حضور کے حکم کو مستحب ٹھہرا کر درد کی شدت میں آپ کو مشقت میں ڈالنا ضروری نہ سمجھا تو وہ بھی مورد الزام نہ ہوئے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

حضور کی طرف حضرت عمر نے ہذیان کی نسبت نہیں کی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۲) اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف

ہذیان کی نسبت کی ہے اس لئے کہ حدیث شریف کا یہ جملہ اھجر استفہموہ (کیا حضور نے پریشان بات کہی ان سے پوچھو) حضرت عمر ہی نے کہا تقین کے ساتھ ہرگز ثابت نہیں کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی اکثر روایتوں میں یوں ہے۔ قالوا ماشانہ اھجر استفہموہ لوگوں نے کہا حضور کا کیا حال ہے کیا انہوں نے پریشان بات کہی ان سے پھر پوچھو۔

مطلب یہ ہے کہ ہجر کے معنی پریشان و ہذیان اور بیہودہ بکنے کے بھی ہیں یہ تو تسلیم ہے مگر ہو سکتا ہے کہ کلام میں استفہام انکاری ہو جیسے پارۂ اول رکوع دوم میں ہے کہ منافقوں نے کہا۔ انؤمن کما آمن السفہاء یعنی کیا ہم ایمان لائیں جیسے کہ بیوقوف لوگ ایمان لائے۔ یعنی ہم ایمان نہیں لائیں گے تو اسی طرح جو لوگ لکھنے کا سامان لانے کی تائید میں تھے ہو سکتا ہے انہی لوگوں نے کہا ہو اھجر استفہموہ کیا حضور نے ہجر کیا یعنی ہذیان نہیں کیا ہے۔ لکھنے کا سامان لانا چاہئے ان سے پھر پوچھو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ لکھنے کا سامان لانے کے مخالف تھے انہیں لوگوں نے استفہام انکاری کے طور پر کہا ہو اھجر استفہموہ یعنی حضور کو ہذیان تو ہوا نہیں اس لئے کہ نبی اس سے محفوظ ہوتے ہیں تو آپ کا کلام ہماری سمجھ میں نہیں آتا کون سی ایسی ضروری چیز ہے جسے حضور شدت درد میں لکھنا چاہتے ہیں پھر سے پوچھو۔

اور نہ سمجھنے کی وجہ بالکل ظاہر تھی اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ احکام کو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب فرماتے تھے اور اس موقع پر یہ نہیں فرمایا کہ ان اللہ امرنی ان اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی بے شک اللہ نے مجھ کو فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں کے لئے ایک کتاب لکھ دوں تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔

لہذا جو لوگ لکھنے کا سامان نہ لانے کی تائید میں تھے ان کو شبہ پیدا ہوا کہ حضور نے تو عادت کے مطابق ہی فرمایا ہوگا مگر ہم نہیں سمجھے پھر سے پوچھو۔

اور صحابۂ کرام خوب جانتے تھے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا تہت کے لئے کبھی لکھتے نہ تھے قرآن مجید پارہ ۲۱ رکوع ۱ میں ہے وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک۔ اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ مگر اس موقع پر حضور نے خود لکھنے کو فرمایا اس لئے صحابہ کو دوبارہ سمجھنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ ھجر ہجر و ھجرا ان سے مشتق ہو جس کے معنی چھوڑنے کے ہیں اور لفظ الحیاۃ مفعول مقدر ہو تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کیا حضور نے ظاہری زندگی چھوڑ دی۔ معلوم کرو جیسا کہ قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد جگہ چھوڑنے کے معنی میں

استعمال ہوا ہے مثلاً پارہ ۱۶ رکوع ۶ میں ہے واھجرنی ملیا یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آزر نے ان سے کہا کہ تم مجھے زمانہ دراز تک چھوڑ دو۔ اور سورۂ مزمل میں ہے۔ واھجرھم ھجرا جمیلا۔ یعنی انھیں اچھی طرح چھوڑ دو۔

اور بعض روایتوں میں جو ہمزۂ استفہام نہیں ہے تو مقدر ہے جیسے پارہ ۷ ع ۱۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول ھذا ربی کے شروع میں بہت سے مفسرین کے نزدیک ہمزۂ استفہام مقدر ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ اگر در بعضے روایات حرف استفہام مذکور نباشد مقدر است۔ اگر بعض روایتوں میں حرف استفہام مذکور نہیں ہے تو مقدر ہے (اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۶۱)

اور اگر ہجر کے معنی اختلاط کلام ہی کے لئے جائیں تو اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ اختلاط جو بالاتفاق انبیائے کرام کو ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قوت گویائی کے اعضاء کمزور ہو جائیں یا آواز بیٹھ جائے یا زبان پر خشکی کا غلبہ ہو جن کے سبب الفاظ اچھی طرح سننے میں نہ آئیں تو یہ حالتیں انبیاء کو لاحق ہو سکتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف کی صحیح کتابوں میں موجود ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو آخری بیماری میں آواز بیٹھنے کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔ اور اختلاط کلام کی دوسری قسم کا عارضہ غشی کے سبب یا دماغ پر بخارات کے چڑھ جانے سے سخت بخار میں ہوتا ہے کہ اکثر اس حالت میں مقصد کے خلاف کلام زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اختلاط کلام کی یہ قسم انبیاء کو ہو سکتی ہے یا نہیں۔ علماء کو اس میں اختلاف ہے جو لوگ اسے جنون کی قسم قرار دیتے ہیں وہ انبیاء کرام کے لئے اسے جائز نہیں ٹھہراتے۔ اور بعض لوگ اسے غشی و بے ہوشی کے مثل قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس طرح کا عارضہ لاحق ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ پارہ ۹ رکوع ۷ میں ہے وخر موسی صعقا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔

اور پ ۲۴ ع ۴ میں ہے ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ ثم نفخ فیہ اخری فاذا ھم قیام ینظرون اور صور پھونکا جائے گا تو جسے اللہ چاہے گا اس کے علاوہ جتنے زمین و آسمان میں ہیں سب بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر صور دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ سب دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فاکون اول من یفیق فاذا موسی اخذ بقائمۃ من قوائم العرش۔ تو پہلے جس کو ہوش ہوگا وہ میں ہوں گا اور موسیٰ علیہ السلام کو

دیکھوں گا کہ وہ عرش کے پایوں میں سے ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔

ثابت ہوا کہ انبیائے کرام پر غشی و بیہوشی طاری ہوتی ہے اور یہ ان کی شان کے خلاف نہیں۔ اور خوب ظاہر ہے کہ اس حالت کو جنون پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ جنون میں پہلے قوائے مدرکہ کی روح میں خلل واقع ہوتا ہے اور ہمیشہ رہتا ہے لیکن اس حالت میں روح کے اندر ہرگز خلل نہیں ہوتا بلکہ کچھ وقت کے لئے جسم کے صرف اعضاء مرض کے سبب قابو میں نہیں رہتے۔ مگر خدائے تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کو اس حالت میں بھی اپنی مرضی کے خلاف کچھ کرنے اور کہنے سے بچائے رکھتا ہے۔ لہٰذا اگر بعض حاضرین کو وہم پیدا ہوا کہ حضور کا حکم اختلاط کلام کی قسم سے ہے جو ایسے مرضوں میں ظاہر ہوتا ہے تو کچھ بعید بھی نہیں کہ درد سر کی شدت کے ساتھ اس وقت حضور پر بخار بھی بہت زور کئے ہوئے تھا مگر اس کے باوجود کہنے والے نے بلحاظ ادب قطعی طور پر بات نہ کہی بلکہ بطریق تردد کہا۔ ماشانہ اھجر استفہموہ یعنی ان کا کیا حال ہے کیا اختلاط کلام ہوا ہے یا ہم سمجھے نہیں دوبارہ پوچھو۔

واضح فرمائیں اگر حکم ہو لکھنے کا سامان لائیں ورنہ جانے دیں کہ درد کی شدت میں مشقت اٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اور یہ سب باتیں اس صورت پر ہیں جبکہ اختلاط کلام سے آخری قسم مراد ہو اور اگر قسم اول مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اس مضمون کو ہم حضور کی عادت کے خلاف دیکھتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کی قوت گویائی میں کمزوری پیدا ہو گئی ہو اس سبب سے ہم آپ کے کلام کو بخوبی نہیں سمجھ سکے لہٰذا دوبارہ پوچھو تاکہ ظاہر فرمائیں اور ہم یقین کے ساتھ جان لیں کہ حضور کیا سامان طلب فرما رہے ہیں تو ہم اسے حاضر کریں اور اس صورت میں بھی کسی پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حضور کی آواز پر کسی نے آواز اونچی نہیں کی

(۳) بیشک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز پر آواز کو اونچی کرنا سب نیکیوں کو برباد کرتا ہے۔ اور حضور کی آواز پر آواز کو بلند کرنا سخت گناہ ہے مگر اس واقعہ میں کسی نے ایسا نہیں کیا اور نہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور نہ کسی دوسرے صحابی نے۔ البتہ آپس کی گفتگو میں حضور کے سامنے ان لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ صحابہ کرام آپس کی بحثوں اور جھگڑوں میں حضور کے سامنے ایک دوسرے پر آوازیں بلند کرتے تھے نعرے لگاتے تھے اور حضور منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس قسم کی بحثوں کے جائز ہونے کا قرآن کریم سے بھی دو طرح اشارہ ملتا ہے۔ اول یہ کہ قرآن کریم نے ان لفظوں کے ساتھ حضور کے سامنے آواز بلند کرنے

کو منع فرمایا ہے۔ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی۔ نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو پ۲۶ ع ۱۳۔ اور اس طرح منع نہیں فرمایا لا ترفعوا اصواتکم بینکم عند النبی نبی کے پاس اپنی آوازوں کو آپس میں بلند نہ کرو۔ معلوم ہوا کہ حضور کی آواز پر آواز بلند کرنا منع ہے مگر حضور کے سامنے آپس میں ایک دوسرے پر آواز بلند کرنا جائز ہے۔ دوسرے قرآن مجید نے فرمایا کجھر بعضکم لبعض یعنی جس طرح کہ ایک دوسرے پر آواز بلند کرتے ہو۔

معلوم ہوا کہ صحابہ کا ایک دوسرے پر آواز بلند کرنے میں کوئی حرج نہیں البتہ حضور کی آواز پر آواز بلند کرنا بربادی اعمال کا سبب ہے۔ اور پھر یہ کہاں سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آواز بلند کی پہلے ان کا آواز بلند کرنا ثابت کیا جائے پھر اعتراض کیا جائے بہت ممکن ہے کہ مجموعی طور پر ایسا ہوا ہو اس لئے کہ جب بہت سے صحابہ حجرۂ مبارکہ میں حاضر تھے تو سب کی گفتگو سے آواز کا بلند ہونا یقینی ہے اور یہ گناہ نہیں اور یہ بھی گناہ ہو تو سب حاضرین یہاں تک حضرت عباس و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر بھی یہ گناہ عائد ہوگا اور حضور کا ارشاد گرامی لا ینبغی عندی تنازع یعنی میرے پاس جھگڑا نامناسب نہیں۔

اسی بات کی تائید کر رہا ہے کہ یہ گناہ نہیں بلکہ خلاف اولیٰ ہے اس لئے کہ جو بربادی اعمال کا سبب ہوتا ہے اس سے منع کرنے کے لئے کبھی یوں نہیں کہا جاتا کہ نامناسب نہیں ہے اور جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قوموا عنی یعنی تم لوگ میرے پاس سے اٹھ جاؤ تو یہ کلام ان اقسام میں سے ہے جو مرض کے سبب مریض سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ذرا سی گفت و شنید کو برداشت نہیں کرتا اور پھر یہ خطاب تو سب حاضرین سے تھا جس میں لکھنے کا سامان لانے کی تائید کرنے والے اور مخالفت کرنے والے دونوں شامل تھے تو صرف حضرت عمر ہی پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ حضرت عباس و حضرت علی اور دوسرے لوگوں پر کیوں نہیں کیا جاتا۔

مسلمانوں کی حق تلفی نہیں ہوئی

(۴) یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لکھنے کا سامان نہ دینے کے سبب مسلمانوں کی حق تلفی ہوئی، اس لئے کہ حق تلفی اس صورت میں ہوتی جبکہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے کوئی نئی بات آئی ہوتی اور امت کے لئے نفع بخش ہوتے۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی۔ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کر دی (پ۶ ع ۵)

یہ آیت کریمہ جو تقریباً تین ماہ پہلے نازل ہو چکی تھی اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ کوئی نیا حکم نہیں تھا

بلکہ کوئی امر دینی بھی نہیں تھا بلکہ صرف ملکی مصلحتوں کا ارشاد اور نیک مشورہ تھا کہ وہ وقت اسی قسم کی وصیتوں کا تھا کوئی عقل مند اسے ہرگز نہیں مان سکتا کہ تیئیس برس کی مدت جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری نبوت کا زمانہ تھا اور آپ اپنی امت پر بے حد مہربان تھے اس مدت میں پورا قرآن انکو پڑھایا اور بے شمار حدیثیں ارشاد فرمائیں مگر ایک اہم بات کہنے سے رہ گئی تھی جو اختلاف دفع کرنے کے لئے تریاق مجرب تھی حضور اسے لکھتے یا لکھاتے۔ مگر حضرت عمر کے کہنے سے رک گئے اور اس کے بعد پانچ روز تک ظاہری حیات کے ساتھ موجود رہے لیکن حضرت عمر کے ڈر سے اسے نہیں لکھا اور اہل بیت کی ہر وقت آمدورفت رہتی تھی مگر ان سے زبانی بھی نہیں فرمایا جبکہ حضرت عمر وہاں ہر وقت موجود بھی نہیں رہتے تھے «ھذا ابھتان عظیم» ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ اور اس بیہودہ خیال کے باطل ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تحریر لکھنے کا حکم اگر خدائے تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر تھا تو جمعرات سے دوشنبہ پیر تک نہ لکھنے کے سبب حضور پر تساہلی کا الزام عائد ہوتا ہے جو شان رسالت کے سراسر خلاف اور باطل ہے۔

خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس۔ اے رسول تیرے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے تو اسے پہونچادے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اس کا پیغام تو نے پہونچایا ہی نہیں۔ اور اللہ لوگوں کے شر سے تجھکو محفوظ رکھے گا۔ (پ ۶ ع ۱۴) کیا اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوتے۔ جبکہ ظاہری حیات کے آخری ایام تھے۔ حضور حضرت عمر سے ڈر گئے اور خدائے تعالیٰ کے وعدہ پر کہ وہ لوگوں کے شر سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔ حضور نے یقین نہ کیا؟ معاذ اللہ من ذلک۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ کا حکم نہیں تھا بلکہ آپ اپنی طرف سے لکھوانا چاہتے تھے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور نے اپنے اس خیال سے رجوع فرمایا کہ نہیں؟ اگر جواب دیا جائے کہ رجوع فرمالیا تو اس صورت میں سارا اعتراض ہی ختم ہوگیا اور اس واقعہ نے بھی موافقات عمری میں سے ہوکر ان کی عزت کو اور چار چاند لگا دیا اور اگر یہ کہا جائے کہ حضور نے رجوع نہیں فرمایا تو امت کی نفع بخش چیز کا چھوڑ دینا حضور پر لازم آیا اور یہ باطل ہے اس لئے کہ خدائے تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رءوف رحیم۔ بیشک تمھارے

پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر بڑے ہی شفیق و مہربان (پ ۱۱ ع ۵) اور دوسری دلیل اس خیال کے باطل ہونے پر یہ ہے کہ جو بات آپ لکھنا چاہتے تھے وہ یا تو کوئی نئی بات تھی جو تبلیغ سابق پر زائد تھی یا تبلیغ سابق کو منسوخ کرنے والی اور اس کے مخالف تھی اور یا تو تبلیغ سابق کی تاکید تھی، پہلی اور دوسری صورت باطل ہے اس لئے کہ آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم کی تکذیب لازم آتی اور تیسری صورت میں امت کی کوئی حق تلفی نہ ہوئی اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاکید خدائے تعالیٰ کی تاکید سے بڑھ کر نہیں ہے تو جن لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی تاکید کا لحاظ نہیں ہوگا ان کو حضور کی تاکید سے بھی کچھ فائدہ نہ پہونچے گا۔ اور حدیث شریف سے اس بیہودہ خیال کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت جو ابتدائے جواب میں لکھی گئی ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بولنے سے پہلے حاضرین نے آپس ہی جھگڑا کیا اور جو کچھ کہنا تھا کہا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دوبارہ پوچھا مگر حضور نے قلم دوات منگانے اور لکھنے لکھانے سے خاموشی اختیار فرمائی اگر یہ بات قطعی ہوتی تو آپ ہرگز خاموش نہ ہو جاتے اور اگر اس وقت خاموش ہو گئے تھے تو اس کے بعد پانچ روز ظاہری حیات کے ساتھ موجود رہے جس کا اقرار رافضی لوگوں کو بھی ہے تو اس درمیان میں اسے ضرور لکھا دیتے۔

لہذا معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں سے کسی چیز کا لکھنا منظور نہ تھا بلکہ دنیوی معاملات میں کچھ کہنا تھا جس کی وصیت فرمائی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔ ایلچیوں کی خاطر مدارات کرو اور تیسری چیز کہ جس سے اس حدیث شریف میں سکوت کا ذکر ہے غالباً حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کی درستگی ہے۔ جیسا کہ دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے اور اس بات پر کہ وہ دینی معاملہ نہ تھا دلیل یہ ہے کہ جب دوسری بار صحابۂ کرام نے قلم و دوات وغیرہ لانے کے لئے پوچھا تو حضور نے فرمایا ذرونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو کہ میں اپنے باطن سے مشاہدۂ حق میں مشغول ہوں اور یہ حالت اس سے بہتر ہے کہ جس کی طرف تم بلا رہے ہو۔

اگر کوئی دینی معاملہ یا تبلیغ کا پہونچانا منظور ہوتا تو بہتری کا معنی کیسے درست ہوتا اس لئے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیائے کرام کے حق میں وحی پہونچانے اور دینی احکام جاری کرنے سے بڑھ کر

کوئی عبادت نہیں۔

اور اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسری بار اس عالم سے بے تعلقی کا جواب ارشاد فرمایا تو حاضرین کو حسرت و یاس دامن گیر ہوئی اور ناامید ہوئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا عندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ۔ مطلب یہ ہوا کہ حضور کے اس جواب سے تم لوگ مایوس نہ ہو تمہاری تعلیم اور تمہارے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کلام اس گفتگو کے بعد صحابۂ کرام کی تسلی کے لئے فرمایا نہ کہ تحریر سے منع کرنے کے لئے۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس واقعہ کے وقت حاضر تھے اس پر رافضی سنی دونوں کا اتفاق ہے مگر حضرت عمر یا حاضرین مجلس میں سے کسی پر کہ جن لوگوں نے تحریر کی مخالفت کی تھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی پر انکار یا افسوس ہرگز منقول نہیں نہ آپ کے زمانۂ خلافت میں نہ آپ کی پوری زندگی میں اور نہ آپ کی وفات کے بعد نہ کسی شیعہ سے اور نہ کسی سنی سے۔ لہذا اگر حضرت عمر اس معاملہ میں خطاوار ہیں تو حضرت علی بھی اس کام کی تائید میں ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس کے علاوہ کہ جو اس وقت کمسن تھے کسی کا افسوس اور کسی کی حسرت کسی سے ہرگز منقول نہیں ہوئی اگر کوئی بہت بڑی چیز فوت ہوگئی ہوتی تو بڑے بڑے صحابہ اور کم از کم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر یقیناً حسرت و افسوس ظاہر کرتے اور تحریر سے روکنے والوں کی شکایت زبان پر ضرور لاتے۔ اور اگر کسی کو شبہہ ہو کہ جب کسی اہم بات کا لکھنا منظور نہ تھا تو حضور نے یہ کیوں فرمایا۔ لن تضلوا بعدی یعنی تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ دین کے بارے میں کوئی اہم بات تھی اس لئے کہ دین میں خلل پڑنا ہی گمراہی کے معنی ہیں۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ لفظ ضلال عرب کی بولی میں جیسا کہ دین کی گمراہی کے معنی میں آتا ہے۔ دنیا کے معاملات میں بد تدبیری کے معنی میں بھی بہت بولا جاتا ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قول حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں قرآن مجید میں منقول ہے۔ ان ابانا لفی ضلال مبین یعنی بے شک ہمارے باپ صریح غلطی پر ہیں (پارہ ۱۲ رکوع ۱۲) اور اسی سورۂ یوسف میں دوسری جگہ ہے انک لفی ضلالک القدیم یعنی بے شک آپ اپنی اسی پرانی غلطی پر ہیں (پارہ ۱۳ ع ۵) ظاہر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کافر نہ تھے کہ اپنے باپ یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو گمراہ سمجھتے۔ معاذ اللہ۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ دنیوی معاملات میں آپ بے تدبیری برتتے ہیں کہ ہم لوگوں سے جو ہر طرح کی خدمتیں کرتے ہیں الفت کم رکھتے ہیں اور جو لوگ چھوٹے ہیں اور خدمت کرنے میں قاصر

ان سے عشق کی حد تک محبت کرتے ہیں۔ لہٰذا اسی طرح یہاں بھی "تضلو" سے مراد ملک کی تدبیریں یا خطا ہے نہ کہ دین کی گمراہی۔ اور واضح دلیل اس پر یہ ہے کہ ۲۳ برس کی مدت میں قرآن کا نزول۔ اور احادیث کریمہ کا ارشاد ان کی گمراہی کے دفع کرنے کے لئے اگر کافی نہ ہو تو چند سطروں کی تحریر اس کام کے لئے کیسے کافی ہو سکتی ہے۔ اور بعض لوگوں کے دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ شاید حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلافت کا معاملہ لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روک دینے سے یہ اہم معاملہ رہ گیا۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ خلافت کا معاملہ لکھنا ہرگز منظور نہ تھا اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے متعلق حضور نے اسی مرض میں ارادہ فرمایا تھا جیسا کہ مسلم شریف جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔ ادعی لی ابابکر اباک و اخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی اللہ والمؤمنون الا ابابکر۔ اپنے باپ ابوبکر اور اپنے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ان کے لئے وصیت نامہ لکھ دوں اس لئے کہ میں ڈرتا ہوں کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے یا کوئی کہنے والا کہے کہ میں افضل ہوں حالانکہ خدا اور مومنین علاوہ ابوبکر کے کسی کو قبول نہ کریں گے۔ مگر ایسا ارادہ فرمانے کے بعد پھر حضرت عمر یا کسی دوسرے کی ممانعت کے بغیر حضور نے خود بخود لکھنا موقوف کر دیا۔

اور پھر اگر خلافت کے لئے وصیت ہی کرنی تھی تو اس کے لئے لکھنا ضروری نہ تھا بلکہ جو لوگ حجرۂ مبارکہ میں موجود تھے ان کے سامنے زبانی وصیت کر دینا ہی کافی تھا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی نے لکھنے سے منع نہیں کیا اور اگر منع کرنا فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے امت کی کوئی حق تلفی ہرگز نہیں ہوتی۔ یہ رافضیوں کا وسوسہ ہے اور وسوسہ کا کوئی علاج نہیں۔

ھذا ما ظھر لی وھو تعالٰی ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۳؍ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

سابق فتوی پر ایک شبہ اور اس کا جواب

مسئلہ ۱۸ از: حیات علی بجاؤپوری، بجاؤپور ضلع بستی

مکرمی حضرت مفتی صاحب قبلہ دام الطافکم۔ السلام علیکم

الناس الیکم حدیث قرطاس کے بارے میں آپ کے فتوی کا مطالعہ کیا۔ بجز عبارت ذیل کے آپ نے بہت خوب تحریر فرمایا ہے وہ عبارت یہ ہے کہ "محبوب خدا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الہی نہیں ہے تو یہ نص صریح وما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ لہذا اس کے بارے میں اطمینان بخش مدلل جواب تحریر فرمائیں۔ فقط

باسمہ تعالی والصلاۃ والسلام علی رسولہ الاعلی

محترم المقام زید احترامکم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ثم السلام علیکم

محبوب خدا صلے اللہ تعالی علیہ وسلم کا ہر کلام وحی الہی نہیں ہے یہ بات نص صریح کے خلاف نہیں اس لئے کہ آیت کریمہ وما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی میں ھو کا مرجع قرآن عظیم ہے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے کہ انہ ضمیر معلوم وھو القرآن کانہ یقول ما القرآن الا وحی یعنی آیت کریمہ ان ھو الا وحی یوحی میں ھو کا مرجع قرآن ہے۔ گویا کہ خدائے تعالی فرماتا ہے کہ قرآن صرف وحی ہے۔ اور تفسیر روح البیان میں ہے ان ھو ای ما الذی ینطق بہ من القرآن الا وحی من اللہ تعالی یوحی الیہ بواسطۃ جبرئیل علیہ السلام۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحی الہی ہے جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے حضور صلے اللہ تعالی علیہ وسلم کی جانب وحی کیا جاتا ہے۔ اور مدارک میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں

ہے۔ وما اتاکم بہ من القرآن لیس بمنطق یصدر عن ھواہ ورایہ انما ھو وحی من عند اللہ یوحی الیہ یعنی جو قرآن کہ رسول تمہارے پاس لائے ہیں وہ ایسا کلام نہیں ہے جو ان کی خواہش اور رائے سے ہو۔ وہ صرف وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اور تفسیر ابو السعود میں ہے ان ھو ای ما الذی ینطق بہ من القرآن الا وحی من اللہ تعالیٰ اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جسے رسول قرآن بتاتے ہیں وہ صرف وحی الٰہی ہے اور تفسیر خازن میں ہے وما ینطق عن الھویٰ ای بالھویٰ والمعنی لا یتکلم بالباطل و ذلک انھم قالوا ان محمدا یقول القرآن من تلقاء نفسہ ان ھو ای ما ھو یعنی القرآن وقیل نطقہ فی الدین الا وحی من اللہ یوحی الیہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ کفار مشرکین سمجھتے تھے کہ محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم، قرآن اپنی طرف سے کہتے ہیں اس لئے آیت کریمہ کا یہ ہوا کہ وہ باطل کلام نہیں فرماتے ہیں۔ قرآن اور بعض لوگوں نے کہا کہ ان کا ہر وہ کلام جو دین کے بارے میں ہو صرف وحی الٰہی ہے جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور معالم التنزیل میں وما ینطق عن الھویٰ کی تفسیر خازن کی مثل لکھنے کے بعد تحریر فرمایا ان ھو ما نطقہ فی الدین وقیل القرآن یعنی دین کے بارے میں رسول کا کلام اور بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن صرف وحی خداوندی ہے جو رسول کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

ان معتبر تفسیروں سے واضح ہو گیا کہ آیت کریمہ ان ھو الا وحی یوحی میں ھو کا مرجع قرآن عظیم ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن وحی الٰہی ہے نہ کہ ہر کلام۔ اور تفسیر معالم التنزیل میں جو ھو کا مرجع نطقہ فی الدین بتایا تو اس سے بھی ہر کلام کا وحی الٰہی ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف دینی کلام کا وحی ہونا ثابت ہوتا ہے البتہ تفسیر جمل اور صاوی میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال۔ اور سب احوال وحی الٰہی ہیں جیسا کہ ہمارے مقررین عام طور پر بیان کرتے ہیں۔ مگر اس کے بارے میں علامہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ وہ ظاہر کے خلاف ہے اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس آیت کریمہ سے حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کا وحی ثابت کرنا ایک وہم ہے اس لئے کہ ھو کا مرجع اگر قرآن کو تسلیم کیا جائے تو اس معنی کا خلاف ہونا ظاہر ہے اور اگر ھو سے مراد حضور کا قول ہو تو ان کے قول سے وہی قول مراد ہے کہ جسے کفار و مشرکین شاعر کا قول کہتے تھے تو خدائے تعالیٰ نے رد کرتے ہوئے فرمایا و ما ھو بقول شاعر اور وہ قول قرآن کریم ہی ہے۔ علامہ امام رازی کی

اصل عبارت یہ ہے الظاھر خلاف ما ھو المشھور عند بعض المفسرین وھو ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما کان ینطق الا عن وحی ولا حجۃ لمن توھم ھذا فی الایۃ لان قولہ تعالٰی ان ھو الا وحی یوحی ان کان ضمیر القرآن فظاھر وان کان ضمیرا عائدا الی قولہ فالمراد من قولہ ھو القول الذی کانوا یقولون فیہ انہ قول شاعر ورد اللہ علیھم فقال ولا بقول شاعر وذلک القول ھو القرآن۔

اور علامہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہر قول کو وحی الٰہی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور نے کبھی اپنے اجتہاد سے کچھ نہیں فرمایا اور یہ بھی ظاہر کے خلاف ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لڑائیوں میں اجتہاد فرمایا ہے اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو یا شہد کو حضور نے اپنے لئے حرام فرما لیا تو آیت کریمہ نازل ہوئی یایھا النبی لم تحرم یعنی اے نبی تم نے کیوں حرام فرما لیا (پ۲۸ سورۂ تحریم) معلوم ہوا کہ اگر حضور کا حرام فرمانا وحی الٰہی ہوتا تو لم تحرم نہ فرمایا جاتا اسی طرح حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب کچھ لوگوں کو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دیدی تو آیت کریمہ عفا اللہ عنک لم اذنت لھم نازل ہوئی یعنی اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انھیں کیوں اذن دیدیا۔ (پ۱۰ ع۱۳) ثابت ہوا کہ حضور کا ہر کلام وحی الٰہی نہیں، ورنہ حضور کے اجازت دینے پر لم اذنت لھم نہ فرمایا جاتا۔ علامہ امام رازی کے اصل الفاظ یہ ہیں ھذا یدل علی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یجتھد وھو خلاف الظاھر فانہ فی الحروب اجتھد وحرم ما قال اللہ لم تحرم واذن لمن قال اللہ تعالٰی عفا اللہ عنک لم اذنت لھم۔ (تفسیر کبیر جلد ھفتم ص۔۔۔)

علاوہ ان کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہر قول و فعل وحی الٰہی نہیں ہے۔ مثلاً بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۶۷۴ میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصلحت سے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھائی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی لا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ (پ۱۰ ع۱۷) اور کھجور کے بارے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول مشہور ہے انتم اعلم بامور دنیاکم اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھارہ دن تک طائف کا محاصرہ جاری

رکھا اور وہ فتح نہیں ہوا حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے پر حضور نے محاصرہ اٹھالیا (زرقانی جلد سوم صفحہ ۳۲) معلوم ہوا کہ طائف کا محاصرہ وحی الٰہی سے نہیں تھا ورنہ صحابی کے کہنے پر حضور محاصرہ ہرگز نہ اٹھاتے۔

ان تمام شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل وحی الٰہی نہیں ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے کہا کہ ان کا ہر قول و فعل وحی الٰہی ہے تو ان کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دینی امور میں حضور کا ہر قول و فعل وحی الٰہی ہے جیسا کہ معالم التنزیل میں فرمایا اور یا تو ان لوگوں کا قول عام مخصوص منہ البعض ہے۔ ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ عز اسمہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ

مسئلہ

از غلام رسول پوسٹ و مقام شری دت گنج ضلع گونڈہ

زید جو عالم ہے اس نے اپنے وعظ میں بیان کیا کہ ایک روز جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے سرکار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا یا اخی جبرئیل تم کو پیغام خدا کیسے ملتا ہے۔ حضرت جبرئیل نے کہا عرش سے ندا آتی ہے میں آگے بڑھتا ہوں پھر پردے کے آڑ سے مجھے پیغام ملتا ہے۔ سرکار نے فرمایا کہ کیا کبھی آپ نے پیغام دینے والے کو بھی دیکھا ہے۔ فرمایا نہیں۔ سرکار نے ارشاد فرمایا کہ اچھا اب اگر جائیں تو پردہ ہٹا کر دیکھ لیں گے۔ حضرت جبرئیل جب تشریف لے گئے تو آپ نے پردہ ہٹا کر دیکھا کہ آئینہ دربار قدرت لگا ہوا ہے۔ سرکار اس کے سامنے کھڑے عمامہ شریف سر پر باندھ رہے ہیں حضرت جبرئیل بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو فرمایا یا رسول اللہ! میں نے آپ کو بعینہ ایسے وہاں بھی دیکھا ہے اے مصطفیٰ! میں نے آپ کو قرآن لیتے بھی دیکھا ہے اور دیتے بھی دیکھا ہے۔ پھر اس نے یہ شعر پڑھا۔

تمہیں ہو اول تمہیں ہو آخر، تمہیں ہو ظاہر تمہیں ہو باطن
جہاں بھی دیکھا تمہیں کو پایا تمہیں ہو تم دوسرا نہیں ہے

بکر بھی عالم ہے اس نے کہا اس بیان سے سرکار کو خدا کہنا مفہوم ہوتا ہے۔ لہٰذا زید کافر و مرتد ہوگیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں۔ نیز بکر کے قول کو واضح فرمائیں۔

الجواب :- زید نے محفل وعظ میں جو روایت بیان کی وہ باطل اور بے حقیقت ہے

سائل نے اپنے سوال میں زید کو ناحق عالم قرار دیا ہے۔ زید اگر عالم ہوتا تو جھوٹی کہانی کو حدیث شریف نہ قرار دیتا۔ زید رٹو طوطا ہے۔ آداب شرع سے آزاد چرب زبان مقررین کی نقالی سیکھ کر طلیق اللسان خطیب بن گیا ہے۔ جس کی وجہ سے گنوار عوام اسے عالم کہتے ہیں۔ زید کی بیان کردہ بے اصل روایت کا متبادر ظاہری معنی کفری ہیں اس لئے زید پر حکم کفر لازم ہے زید پر فرض ہے کہ وہ مجمع عام میں اس بے اصل روایت کے کفری مضمون سے توبہ کرے۔ اور بارگاہ احدیت جل جلالہ میں استغفار کرے اور روایت مذکورہ کے باطل ہونے کا اعلان کرے اور تجدید ایمان کے لئے بالاعلان کلمہ طیبہ پڑھے، اور اگر بیوی رکھتا ہے تو تجدید نکاح کرے اور اگر بیعت والا ہے تو تجدید بیعت کرے، اگر زید کو لوٹ عالم دین، نائب رسول بنتے میں تو زید پر لازم ہے کہ وہ سرکار اعلیٰحضرت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کا مقدس دامن تھامے اور بہار شریعت اول دوم، سوم، چہارم، پنجم، نہم، شانزدہم، تصنیف خلیفہ اعلیٰحضرت اور الامن والعلی، تجلی الیقین، احکام شریعت فتاوی رضویہ وغیرہ تصانیف سرکار اعلیٰحضرت کا مطالعہ کریں۔ بکر کا قول بطور فتوے فقہی صحیح ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

بدر الدین احمد رضوی
۷، ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ :- از، نور محمد مسجد قلیان سنٹرل اسٹیشن جیا ذلی کا پور

عمرو کی داڑھی حد شرع سے کم ہونے کی بنا پر زید نے عمرو کو کہلاتے ہوئے کہا کہ تمہاری داڑھی حد شرع سے کم ہے اگر رکھنی ہے تو شریعت کے مطابق رکھو اور اس میں کاٹ چھانٹ نہ کرو۔ اس پر عمرو نے کہا شریعت وریعت اپنے پاس رکھو مجھے نہ بتاؤ۔ اس جواب پر غصہ ہو کر زید نے کہا تو پھر یہ تمہاری داڑھی داڑھی ہی نہیں ہے جتنی بڑی تمہاری داڑھی ہے اس سے کہیں بڑے تو میرے موئے زیر ناف ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ عمرو کا جواب اور پھر زید کا جواب الجواب کس حد تک درست یا نا درست ہے۔؟

الجواب :- شریعت وریعت اپنے پاس رکھو مجھے نہ بتاؤ یہ کہنا کفر ہے کہ اس میں شریعت مطہرہ کی توہین کے ساتھ مسائل شرعیہ سے انکار بھی ہے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ جیسا کہ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شرع کی توہین کرنا خلاً کہے کہ میں شرع ورع نہیں جانتا کفر ہے (بہار شریعت حصہ نہم ص۱۷۲) اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ

والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص مسائل شرعیہ کے مقابلے میں کہے کہ وہ مسائل شرعیہ کو نہیں مانتا وہ اسلام سے خارج ہو گیا (فتاوی رضویہ جلد ششم ص۱۵۱) لہذا عمرو توبہ و تجدید ایمان کرے۔ اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے۔ اور زید نے چونکہ عمرو کے کلمات کفریہ سن کر اس کی داڑھی کے بارے میں الفاظ مذکورہ کہا اس لئے اس پر کوئی جرم عائد نہیں کہ عند الشرع کافر کی داڑھی قابل عزت نہیں۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۶ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از: فخر محمد موضع جمائی ڈیہہ پوسٹ شیوپورہ بازار ضلع گونڈہ۔

بکر نے اپنی عورت سے کہا نماز پڑھو، عورت نے کہا کیا تم اللہ ہو؟ بکر نے کہا ہاں میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہوں تو بکر کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: بکر اپنے قول کے سبب کہ میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہوں کافر ہو گیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ اس پر توبہ تجدید ایمان فرض ہے اور بیوی کو رکھنا چاہے تو اس سے دوبارہ نکاح پڑھانا ضروری ہے، بکر توبہ تجدید ایمان اگر نہ کرے یا بیوی کو بغیر نکاح رکھے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از: محمد شرف معرفت آکا اپان دوکان مین روڈ دھاراوی بمبئی ۱۷

(۱) کیا یزید جنتی ہو سکتا ہے؟
(۲) امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی بنا پر یزید گنہ گار ہوا کہ نہیں؟
(۳) کیا یزید بن معاویہ کو برا کہنا جائز ہے
(۴) یزید کی موت حالت کفر پر ہوئی یا حالت ایمان پر؟
(۵) یزید کے بارے میں اور پوری پوری روشنی ڈالئے؟

الجواب: (۱) بعض ائمہ کے نزدیک جنتی ہو سکتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہو سکتا۔

(۲) امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قتل کی بنا پر یزید پلید سخت گنہ گار، حق العبد میں گرفتار،

لائق عذاب قہار اور مستحق عذاب نار ہوا۔

(۳) بے شک و یزید خبیث کو برا کہنا جائز ہے۔

(۴) اگر کفر سرزد ہو تو غرغرہ کے وقت تک توبہ مقبول ہے اور آدمی زندگی بھر مسلمان ہو تو موت سے پہلے کفر میں مبتلا ہو سکتا ہے تو یزید کی موت حالت کفر پر ہوئی یا حالت ایمان پر اسے اللہ و رسول ہی جانتے ہیں صلے اللہ تعالے علیہ وسلم۔

(۵) یزید کے بارے میں اعلحضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ یزید پلید علیہ ما یستحقہ من العزیز المجید قطعاً یقیناً باجماع اہلسنت فاسق و فاجر و جری علی الکبائر تھا۔ اس قدر پر ائمہ اہلسنت کا اطباق و اتفاق ہے صرف اس کی تکفیر و لعن میں اختلاف فرمایا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں۔ اور اس آیت کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں۔ فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اولئک الذین لعنھم اللہ فاصمھم واعمی ابصارھم۔ کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی تو انھیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں (پ ۲۶ ع ۷) شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلا دیا حرمین طیبین و خود کعبہ معظمہ و روضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن مسجد نبی صلے اللہ تعالی وسلم بے اذان و نماز رہی۔ مکہ و مدینہ و حجاز میں ہزاروں صحابہ و تابعین بے گناہ شہید کئے کعبہ معظمہ پر پتھر پھینکے، غلاف کعبہ شریف پھاڑا اور جلایا۔ مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا مصطفے صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے گود کے پالے ہوئے تن نازنین پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوان مبارک چور ہو گئے۔ سر انور کہ محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا۔ حرم محترم مخدرات مشکوئے رسالت قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق و فجور نہ جانے قرآن عظیم میں صراحۃً اس پر لعنھم اللہ فرمایا

لہذا امام احمد اور ان کے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت کہ اس کا فسق و فجور تو احادیث کفر متواتر نہیں اور بحال احتمال نسبت کبیرہ بھی [illegible] تکفیر اور امثال وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں لقولہ تعالیٰ فسوف یلقون غیا الا من تاب [illegible] نادم عزہ مقبول ہے اور اس کا عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط و اسلم ہے (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص [illegible])

وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۱ر صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از بشیر احمد صدر انجمن فروغ اسلام کریم الدین پور گھوسی اعظم گڈھ

(۱) چند سنی آدمیوں نے کاٹھ کا ایک پتلا گھوڑے کی شکل کا بنایا۔ اور اسے سہروں سے سجا کر دلدل کے نام پہ اٹھایا اور نوحہ و ماتم کے ساتھ پورے گاؤں کا چکر لگایا۔ از روئے شرع یہ فعل کیسا ہے؟ اور ایسا کرنے والوں پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ جبکہ دیکھنے والا برجستہ پکار اٹھتا ہے کہ یہ بت ہے۔ اور یہ فعل بت پرستی ہے۔

(۲) محرم الحرام کی چھ تاریخ کو ہمارے یہاں جھولا اٹھایا گیا جس میں کچھ رافضی نوحہ خوانی کے لئے آئے اور اس میں ان کے ہمراہ کچھ سنی حضرات بھی پڑھ رہے تھے۔ رافضیوں نے یہ شعر پڑھا

شعر

سبھی کو یاد خلافت تو رہ گئی لیکن
رسول پاک کے دفن و کفن کو بھول گئے

اور سنی حضرات نے بھی روافض کے ہمراہ اس شعر کو بار بار پڑھا۔ تو اب شریعت کا ان پڑھنے والوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حکم شرعی سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب:

(۱) اس جعلی و اختراعی دُلدُل کا مجسمہ بنانے والے بنوانے والے مجسمہ مذکورہ کو دلدل کے نام پر اٹھانے والے اور اس دلدلی میلہ میں شرکت کرنے والے سب کے سب شریعت اسلامیہ کی رو سے گنہگار، مستحق عذاب نار، فاسق معلن اور مردود الشہادہ ہوگئے۔ ان سب پر فرض ہے کہ علی الاعلان توبہ کریں اور رب تبارک و تعالیٰ سے معافی مانگیں، اور اپنے گناہ پر نادم ہوں ورنہ دوسرے مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ ان مرتکبین سے میل جول اٹھنا بیٹھنا بند کر دیں۔ وھو اعلم بالصواب

(۲) اس خبیث شعر میں حضرات صحابۂ کرام بالخصوص خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر کھلے الفاظ میں طعن و تشنیع ہے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں ومن یکون یطعن فی معاویۃ فذالک من کلاب الھاویۃ یعنی جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زبان طعن دراز کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے (احکام شریعت حصہ اول صـ ۹۹) اور اس ملعون شعر میں سبھی کہہ کر کسی صحابی کو نہیں چھوڑا سب پر زبان طعن درازی ہے۔ تو جب تنہا حضرت امیر معاویہ پر زبان طعن دراز کرنے والا جہنمی کتا ہو جاتا ہے۔ تو تمام صحابۂ کرام پر زبان طعن دراز کرنے والا کس قدر گمراہ و بد دین ہوگا۔ الحاصل اس مردود شعر کے پڑھنے والے، اس پر راضی رہنے والے سب کے سب گمراہ ہوگئے ان پر فرض ہے کہ توبہ کرکے تجدید ایمان کریں اور بیوی والے ہوں تو تجدید نکاح بھی کریں۔ اور اگر بیعت والے ہوں تو تجدید بیعت بھی کریں اور اگر وہ لوگ ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان سے قطع تعلق کریں۔ رہا شعر مذکور تو وہ جہالت کا مردہ ہے۔ کفن و دفن میں تاخیر کا سبب یاد خلافت نہیں بلکہ جمہور کے قول کے مطابق یہ امر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جنازہ مبارکہ حجرۂ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں تھا جہاں اب مزار انور ہے اس سے باہر نہیں لیجایا جاتا تھا۔ چھوٹا سا حجرہ اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس نماز سے شرف ہونا تھا ایک جماعت آتی پڑھتی اور باہر جاتی پھر دوسری جماعت آتی یوں یہ سلسلہ تیسرے روز ختم ہوا۔ اگر اس نماز اقدس سے فراغت کے لئے تین برس درکار ہوتا تو جنازۂ اقدس تین برس یونہی رکھا رہتا۔ یہ ہے دفن اقدس میں تاخیر کا سبب اصلی۔ اور اگر طاعنین کے نزدیک تاخیر دفن کا سبب امر خلافت کی یاد اور لالچ ہے تو سب سے سخت تر الزام حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم پر عائد ہوگا۔ کہ اور حضرات تو معاذ اللہ تعالیٰ حصول خلافت کی لالچ میں پڑ کر کفن و دفن کو بھول گئے لیکن آپ کو تو خلافت کی لالچ نہ تھی تو آپ کیوں بھول گئے۔ پھر کفن و دفن کا کام گھر والوں ہی سے متعلق ہوتا ہے تو آپ کیوں تین دن تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہ گئے کم از کم آپ تو حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کفن و دفن کی یہ آخری خدمت بھی بجا لائے ہوتے۔ مگر چونکہ یہ الزام و اعتراض مردود و ملعون ہے اس لئے ثابت ہوگیا کہ تاخیر دفن کا سبب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا افسوس کہ دین و ایمان سنیت و اسلام جیسی عظیم الشان جلیل القدر نعمت کی لوگوں کے دلوں میں عزت و قدر نہیں۔ اس لئے بد دینوں اور گمراہوں کی صحبت اختیار کرکے بعض مسلمان اپنا دین و ایمان برباد کر رہے ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت فرمائے اور بد دینوں گمراہوں کے ساتھ

www.alahazratnetwork.org

میل جول سے مسلمانوں کو بچائے آمین ۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ اکرم الصلوٰۃ وافضل التسلیم ۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۱ من صفر المظفر ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از محمد یعقوب خاں موضع پڑولی پوسٹ جھنگٹی ضلع گورکھپور

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین جب پہلے ہی سے مومن تھے تو بعد میں سرکار نے حجۃ الوداع کے موقع پر زندہ فرما کر کلمہ کیوں پڑھایا۔ ؟ بینوا

الجواب: بے شک حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابوین کریمین پہلے ہی سے مسلمان تھے پھر سرکار نے زندہ فرما کر اس لئے کلمہ پڑھایا تاکہ وہ لوگ بھی حضور کی صحابیت سے مشرف ہو جائیں۔ ھکذا قال الامام احمد رضا البریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از فقیر محمد صابر حسین رضوی راج گانگ پور اڑیسہ

مندرجہ ذیل افعال زید بالعلبار کے ہیں۔ ان افعال کے پیش نظر کیا کوئی شخص ولی بننے کا اہل ہو سکتا ہے ؟ فاضل علمائے کرام شریعت مطہرہ کی روشنی میں فیصلہ صادر فرما کر ہماری الجھنوں کو دفع فرمائیں۔ آیا ہم زید بالعلبار کو ولی مانیں یا نہ مانیں۔

(۱) زید بالعلبا جماعتوں کو چھوڑ کر قبرستان کے ایک گوشے میں حواریوں کے ساتھ رہ کر اپنی الگ جماعت ادا کرتے تھے اور قبرستان میں ہنسی مزاق اور دیگر دنیاوی امور کی باتیں بھی کیا کرتے تھے ۔

(۲) زید بالعلبا نے اپنے علاقے کا مشہور شراب فروش کی بیوی سے بہن کا رشتہ قائم کیا تھا اور اپنی منہ بولی بہن کے یہاں کھانے پینے میں کوئی پرہیز نہیں کرتے تھے ۔

(۳) زید بالعلبا کے پاس شراب فروشوں کے یہاں سے بریانی اور دیگر مرغن غذائیں جایا کرتی تھیں جنھیں زید اور ان کے حواری بڑے شوق سے کھاتے تھے۔

(۴) زید بالعلبا جب حج کرنے جانے لگے تو ان کے سفر کے آغاز کا پہلا قدم شہر کے ایک مشہور شراب فروش کے گھر سے نہایت تزک و احتشام سے نکلا اور اسی موقع پر زید نے خصوصی پوز بنا کر اپنی تصویر کھنچائے

سے بھی گریز نہ کیا۔

(۵) ترہجا شریف میں ایک زندہ ولی ہیں حاجی عبدالشکور دامت برکاتہم المعروف ترہجا والے بابا انھوں نے اپنے نیازمندوں سے کہا ہے کہ زید بالعلیا ولی نہیں ہے اس کو ولی ماننے والا بے ایمان ہے۔

براہ کرم محررہ بالا تحریروں کی روشنی میں فرمائیں کہ کیا زید بالعلیا ولی ہیں؟ زید بالعلیا کا قبرستان کے اندر ایک پختہ مزار بنایا گیا ہے اور زید کا عرس بھی منایا جا رہا ہے۔ زید کے مزار میں اکثر قوالی کا اہتمام بھی ہوا کرتا ہے اور باجے وغیرہ کا استعمال دھڑے سے ہوا کرتا ہے جبکہ قبرستان میں ہزاروں مردے مدفون ہیں۔

الجواب :- ولی وہ مسلمان ہے جو بقدر طاقت بشری ذات وصفات باری تعالیٰ کا عارف ہو، احکام شرعیہ کا پابند ہو اور لذات وشہوات میں انہماک نہ رکھتا ہو جیسا کہ شرح عقائد نسفی میں ہے الولی ھو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ بحسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانہماک فی اللذات والشہوات۔ اور محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۵۹۵ میں تحریر فرماتے ہیں، " ولی کسے ست کہ عارف باشد بذات وصفات حق بقدر طاقت بشری ومواظب باشد بر اتیان طاعت وترک منہیات در لذات وشہوات وکامل باشد در تقوی واتباع برحسب تفاوت ومراتب آں۔ شراب فروشوں کا بائیکاٹ کرنا مسلمانوں پر لازم ہے اور جاندار کی تصویر کھینچنا و کھنچوانا حرام ہے۔ لہٰذا شخص مذکور جس نے شراب فروشوں سے نفرت نہیں کی اور بھرے مجمع میں اپنی تصویر کھنچوائی ظاہر ہے کہ ایسا شخص ولی نہیں۔ کہ ولی ہونے کے لئے شرع کا پابند ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا کتابوں کے حوالوں سے ظاہر ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ :- از انور حسین ایوبی پردھان نوگواں پوسٹ جوجھیا ضلع رامپور (یوپی)

دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف کے شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی مدظلہ العالی کی تصنیف نوادر الحدیث ص ۵۴ پر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روزانہ بارہ ہزار رکعات نفل پڑھا کرتے تھے حالانکہ بارہ ہزار رکعات کے لئے کم سے کم پندرہ ہزار منٹ یا ڈھائی سو گھنٹے درکار ہیں۔ تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کیوں کر توقع کی جا سکتی ہے کہ انھوں نے تمام ضروریات زندگی

حتی کہ فرائض و واجبات کو بالائے طاق رکھ کر سیکڑوں گھنٹے میں پڑھی جانے والی بارہ ہزار رکعات کو ایک دن میں پڑھتے رہے ہوں۔ میری نظر میں یہ خرافات ہے اطمینان بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب :- جو شخص ہر چیز کو عقل کے کانٹے پر تولتا ہے کہ جو چیز اس کی عقل میں نہیں سما سکتی اسے تسلیم نہیں کرتا ہے تو وہ پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں کا انکار کرتا ہے پھر کرامت معجزہ یہاں تک کہ جنت و دوزخ اور قرآن کریم کلام الٰہی ہونے سے بھی انکار کر بیٹھتا ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بارہ ہزار رکعات نفل پڑھنا کرامت ہے۔ مگر چونکہ یہ بات آپ کی عقل میں نہیں سما سکتی اس لئے آپ کو انکار ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط سے دریائے نیل کے جاری ہونے کا بھی آپ کو انکار ہوگا اس لئے کہ یہ بھی خلاف عقل ہے کہ سوکھا ہوا دریا کسی کے خط سے جاری ہو جائے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسجد نبوی کے منبر سے نہاوند میں مصروف جنگ اسلامی لشکر کے لاحظہ فرمانے امیر لشکر حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متنبہ کرنے اور حضرت ساریہ کا حضرت عمر کے کلام سننے سے بھی آپ کو انکار ہو گا جس کا بیان حدیث شریف کی مشہور کتاب مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۶ میں ہے کہ بغیر کسی مشین کے اتنے دور دراز مقام کو ملاحظہ فرمانا اور کلام کا سننا سنانا بھی آپ کے عقل کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ نہاوند مدینہ سے اتنی دور ہے کہ ایک مہینہ میں قافلہ وہاں نہیں پہونچ سکتا تھا جیسا کہ حاشیہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم صفحہ ۶۰۱ میں ہے کہ "نہاوند" در ایران صوبہ آذربائیجان از بلاد جبال ست کہ از مدینہ بیک ماہ آں جانتواں رسید ـــــ یہاں تک کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت بلقیس کے عظیم تخت کو پلک جھپکتے ملک یمن سے ملک شام میں پہونچا دینے سے بھی آپ کو انکار ہوگا جس کا ذکر پ۱۹ سورۂ نمل میں ہے یہ بھی آپ کی عقل میں آنے والی بات نہیں ہے اس لئے کہ اتنی مسافت کے لئے بہت وقت چاہئے اتنی جلد تو راکٹ بھی جا کے نہیں لا سکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت بیت المقدس میں تھے۔ حضرت بلقیس کا تخت ملک یمن کے شہر سبا میں تھا جو بیت المقدس سے دو مہینے کے راستے پر تھا۔ جیسا کہ تفسیر جمل جلد سوم صفحہ ۳۱۴ میں ہے۔ کان سلیمان اذ ذاک فی بیت المقدس وعرشھا فی سبا بلدۃ بالیمن وبینھا وبین بیت المقدس مسیرۃ شھرین ـــــ بلکہ شہدائے اسلام کی زندگی سے بھی آپ کو انکار ہوگا جس کا ذکر پ۲ ع۳ اور پ۴ ع۸ میں ہے۔ اس لئے کہ سر کا دھڑ کا جسم سے الگ ہو جانا پھر اسے زمین میں دفن کر دینا۔ اس کا مال ورثہ میں تقسیم ہو جانا اور بیوی کا دوسرا عقد کر لینا۔ ان تمام باتوں کے باوجود شہید کو زندہ قرار دینا بھی

آپ کی عقل کے خلاف ہے ـــــ بلکہ یہاں تک کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج یعنی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ پھر وہاں سے ساتوں آسمان عرش اعظم اور جنت وغیرہ کی سیر بھی آپ کے نزدیک خرافات ہی ہوگی جس کا ذکر چل رہا۔ اور احادیث مشہورہ میں ہے اس لئے کہ اتنے لمبے سفر کے لئے بھی کئی مہینہ درکار ہے تھوڑے سے وقت میں اتنا طویل سفر بھی آپ کی عقل سے باہر ہے ـــــ خوب سمجھ لیجئے کہ جو شخص اسی بات کو مانتا ہے کہ جسے اس کی عقل تسلیم کرتی ہے تو وہ اپنی عقل کا پجاری ہے اور صرف اسی کو وہ مانتا ہے۔ خدا اور رسول جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن وحدیث کو اس کے ماننے کا دعویٰ غلط ہے، اس لئے کہ ماننے کا مطلب یہ ہے کہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے تسلیم کر لیا جائے اگر سمجھ میں آنے کے بعد ہی مانا تو اپنی سمجھ کو مانا قرآن وحدیث کو نہ مانا ـــــ کرامت حق ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور جس طرح سے معجزہ کا انکار کرنا گمراہی ہے اسی طرح کرامت کو تسلیم نہ کرنا بھی بد مذہبی ہے کہ ولی کی کرامت نبی کے معجزہ کا عکس دپرتو ہے۔ اور معجزہ کے معنی ہیں عاجز کر دینے والا۔ تو جس طرح معجزہ عقل انسانی کو عاجز کر دینے والا ہے اسی طرح کرامت کو بھی انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرامت ہی سے روزانہ بارہ ہزار رکعات پڑھا کرتے تھے تو اس کو بھی انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہی رہے گی۔ دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ آپ کو گمراہی سے بچائے رکھے کسی عالم دین کی صحبت عطا فرمائے اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ودیگر علمائے اہلسنت کی کتابوں کے مطالعہ کی توفیق بخشے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

کتبہٗ جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از مغفران احمد موہنا پور ڈھالا آراشین۔ پونہ پور ضلع گورکھپور

معراج کی رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کندھے پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہوئے یہ واقع صحیح ہے کہ نہیں اگر صحیح ہے تو کتاب کا حوالہ تحریر کریں اور اگر صحیح نہیں ہے تو مولوی لوگ کیوں بیان کرتے ہیں۔

الجواب: فتاویٰ افریقہ میں ہے کہ تفریح الخاطر وغیرہ میں ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب معراج حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوش مبارک پر پائے انور رکھ کر براق پر تشریف فرما ہوئے۔ اور بعض کے کلام میں ہے کہ عرش پر حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

تشریف لے جاتے وقت ایسا ہوا۔ وھو تعالٰی اعلم۔ کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ ذی الحجہ

مسئلہ ۱۰ از محمد اسرائیل رضوی مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا بستی

(۱) زید کہتا ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زید کا یہ قول صحیح ہے۔ اگر صحیح نہیں ہے تو از روئے شرع زید کے لئے کیا حکم ہے۔

(۲) بکر کہتا ہے کہ کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بکر کا قول صحیح ہے اور شرعاً بکر کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: (۱) بہت سی ایسی حدیثیں آئی ہیں جن کا ظاہر یہ ہے کہ جان بوجھ کر نماز ترک کر دینا کفر ہے۔ اور بعض صحابۂ کرام مثلاً امیر المومنین حضرت فاروق اعظم و عبدالرحمٰن بن عوف و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عباس و جابر بن عبداللہ و معاذ بن جبل و ابوہریرہ اور ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا یہی مذہب تھا کہ قصداً نماز ترک کرنا کفر ہے اور بعض ائمہ مثلاً امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مبارک اور امام نخعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کا یہی مذہب تھا۔ اور امام اعظم و دیگر ائمہ نیز بہت سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والے کی تکفیر نہیں کرتے۔ لہٰذا زید کا قول بہت سے صحابۂ کرام اور ائمہ مذہب پر صحیح ہے، اور امام اعظم نیز بہت سے صحابہ کے مذہب پر صحیح نہیں اگر زید حنفی ہے تو اس پر لازم ہے کہ قصداً نماز ترک کرنے والے کو مذہب حنفی کے مطابق کافر کہنے سے کف لسان کرے اسی میں احتیاط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) یہ کہنا کہ کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، قرآن مجید کی آیت کریمہ کا انکار اور کفر ہے پ ۳ میں ہے والذین کفروا وکذبوا بآیتنا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خلدون۔ لہٰذا بکر پر توبہ و تجدید ایمان لازم ہے۔ اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ ربیع الاول

مسئلہ ۱۱ از محمد علی رضوی

(۱) شہر میں دیوبندیوں اور صلح کلیوں نے ایک جلسہ کیا اور ایک سنی عالم سے صدارت کے لئے کہنا

جواب میں سنی مولوی نے کہا کہ میں ایسے اسٹیج پر جس میں وہابی دیوبندی گستاخان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود ہوں اور تقریریں کریں اس اسٹیج پر پیشاب بھی نہیں کروں گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا کہنے والوں پر شریعت مطہرہ کے جانب سے کوئی توبہ عائد نہیں ہوتا۔

(۲) زید نے عرصہ ہوا اپنی تقریر میں بیان کرتے ہوئے فضائل درود پر زور دیا اور کہا خدائے تعالیٰ اور اس کے فرشتے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور درود پڑھنا عبادت ہے۔ لہذا خدائے تعالیٰ بھی (معاذ اللہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے۔ اس تقریر پر لوگوں نے سخت اعتراض کیا اور بہت ملامت کی تو زید نے مہینوں کے بعد جبراً و قہراً توبہ کی مگر تجدید نکاح آج تک نہیں کیا۔ ایسے شخص کے لئے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے۔ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔

(۱) سنی مولوی کا یہ جملہ کہ، جس اسٹیج پر گستاخان خدا و رسول وہابی دیوبندی موجود ہوں اور تقریر کریں میں اس پر پیشاب بھی نہیں کروں گا۔ اس اسٹیج سے شدید بیزاری ظاہر کرنے کے لئے ہے اور بے شک ہمیں خدا و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دشمنان دین و گستاخ مرتدین سے بیزار رہنے کا حکم دیا ہے ایسا جملہ بولنے والا شرعاً مجرم نہیں۔ ہاں جہاں فتنہ فساد پھیلانے والوں کا غلبہ ہے وہاں اس انداز و طرز کا جملہ بولنے کی بجائے ایسا جملہ استعمال کرنا چاہئے جو صاف صاف بیزاری پر دلالت کرے اور جس میں ارباب فساد کو غلط معنی پہنانے کا موقع نہ ملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) زید کا یہ جملہ، کہ لہذا خدائے تعالیٰ بھی (معاذ اللہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا ہے، اشد ترین خبیث ملعون کفر ہے زید قطعی طور پر کافر مرتد ہو گیا۔ لا الٰہ الا اللہ لا معبود الا اللہ۔ زید پر اس ملعون کلمہ کفریہ سے توبہ کرنا اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھنا اور نئے مہر پر بیوی سے نکاح کرنا فرض ہے بصورت مسئولہ میں اگر زید نے لوگوں کے بعض دباؤ سے توبہ کی ہے تو شرعاً یہ توبہ نہیں زید کافر کا کافر ہی رہے گا اور اس صورت میں تجدید نکاح کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہے پھر تاوقتیکہ زید نادم ہو کر توبہ، تجدید ایمان اور تجدید نکاح نہ کرے تمام مسلمان اس سے سلام و کلام وغیرہ سارے اسلامی تعلقات منقطع کر لیں۔ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ بدرالدین احمد رضوی

مسئلہ: از چاند علی رضوی سنی نورانی مسجد سوریہ نگر اسلام پورہ نرکر دلی بمبئی ۱۳

ہمارے یہاں سنی وہابی کا جھگڑا ہو رہا تھا تو اس جھگڑے کے دوران پیر طریقت عبدالرشید عرف سنا میاں قادری نقشبندی بانی فیض آبادی نے بڑی دلیری کے ساتھ ان کلمات کو ادا کیا ہے "کہ مسلمان مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑا لڑائی کرتے ہیں۔ ہمارے مذہب سے تو اچھا ہندوؤں کا مذہب ہے کہ ان لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ صبح و شام دو اگربتی لیجا کر جلا کر پوجا پاٹ کر لیتے ہیں پھر دوسرے دن ایک پنڈت سے کہتے ہیں کہ میں تمہارے مذہب میں آگیا تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت مطہرہ کیا کہتی ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: شخص مذکور اپنے کلمات مذکورہ کے سبب کافر و مرتد ہو گیا اور بیوی والا ہو تو اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔ علانیہ توبہ و استغفار کرنا اس پر لازم ہے اور بیوی کو رکھنا چاہے تو تجدید نکاح کرے اور کسی سے مرید ہو تو تجدید بیعت بھی کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ اس کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سلام و کلام اور شادی بیاہ میں شرکت وغیرہ ہر قسم کے تعلقات اس سے منقطع کر دیں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۷ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد عارف متعلم مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا ضلع بستی۔

زید کہتا ہے کہ مسلمانوں کو دیکھ کر میرا خون جل جاتا ہے مسلمانوں کو دیکھنا پسند نہیں کرتا ہوں بالخصوص نمازی اور داڑھی رکھنے والے مسلمانوں کو اس لئے کہ یہ سب غدار و بے ایمان ہوتے ہیں ان سے مجھے نفرت ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میری ولادت مسلمان کے گھر ہو گئی، لیکن میں عنقریب ہی آریہ سماج کا مذہب اختیار کر لوں گا اس لئے کہ غیر مسلموں کا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے اچھا ہے۔ مسلمانوں کے دین میں معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ ہی جھوٹ داخل ہے پھر یہ بھی کہتا ہے کہ جنازہ کی نماز پڑھنے سے کیا ہوتا ہے؟ تو شریعت مطہرہ کا زید پر کیا حکم جاری ہوگا۔ اور مسلمان حضرات زید سے کیسا تعلق اختیار کریں۔ اس سے سلام و کلام کھانا پینا جاری رکھیں یا ترک کر دیں اور پھر ایسے شخص سے جو سلام و کلام کھانا پینا جاری رکھے اس کے لئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بعون الملک الوھاب۔ صورت مستفسرہ میں برصدق مستفتی زید اپنے اقوال کفریہ مذکورہ کی بنا پر کافر و مرتد بے دین و بے ایمان ہوگیا۔ اس پر واجب ہے کہ فوراً تجدید ایمان اور توبہ و استغفار کرے اور بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا اور سلام و کلام اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات ختم کر کے پورے طور پر اس کا بائیکاٹ کریں۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو زید کے ساتھ وہ بھی سخت گنہ گار لائق عذاب قہار ہوں گے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ رجب المرجب [illegible]ھ

مسئلہ: از مرزا کفایت اللہ بیگ لچھمی نگر (راج نیپال) [illegible]

زید ایک خالص شرعی مسئلہ کی بنیاد پر (جو اس کے مقصد کے خلاف تھا) بلا تحقیق ایک مستند باعمل عالم دین جو اپنے مخلصانہ دینی خدمت کی بنا پر مرجع خواص و عوام ہے۔ گالی دیتا ہے توہین کرتا ہے اور بلا ثبوت شرعی الزام عائد کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے اوپر کونسا حکم شرع عائد ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو ایسے آدمی سے تعلقات کس طرح رکھنا چاہئے؟ کیا اس کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے کہ عالم دین کی توہین کرنا کفر ہے۔ جواب مع ثبوت و حوالہ تحریر فرماکر عند اللہ ماجور ہوں کیا ایسا آدمی کسی دینی مدرسہ کا ذمہ دار بھی ہوسکتا ہے۔؟

الجواب: بلا وجہ شرعی عالم سنی عالم دین کو گالی دینے والا اور توہین و تنقیص کرنے والا سخت گنہ گار مستحق عذاب نار ہے بلکہ اس کے کافر ہونے کا اندیشہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم مصری ص [illegible] میں ہے: یخاف علیہ الکفر اذا شتم عالما او فقیہا من غیر سبب لہٰذا صورت مستفسرہ میں برصدق مستفتی زید اس عالم دین سے معافی مانگے اور توبہ و استغفار کرے۔ عالم دین کی عالم دین ہونے کے سبب توہین کرنا کفر ہے۔ بہار شریعت جلد [illegible] ص [illegible] میں ہے: "علم دین اور علماء کی توہین بے سبب یعنی محض اس وجہ سے کہ عالم علم دین ہے کفر ہے۔" انتہیٰ بالفاظہ۔ جو باتیں زید کے بارے میں بیان کی گئی ہیں اگر صحیح ہیں تو ایسا شخص قبل معافی اور توبہ کسی دینی مدرسہ کا ذمہ دار بھی نہیں ہوسکتا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
[illegible]

مسئلہ: مسئولہ احمد عرف بگو پہلوان متولی جامع مسجد اترولہ ضلع گونڈہ

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام کے نام کے ساتھ بجائے پورا درود یا سلام لکھنے کے صرف صلعم یا ؐ یا ؑ نیز صحابۂ کرام اور اولیاء عظام کے نام کے ساتھ رضؓ اور رحؒ لکھنا کیسا ہے۔؟

الجواب: حضور فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے مبارک ناموں کے ساتھ بجائے پورا درود یا سلام کے صرف صلعم یا ؐ یا ؑ یا عم لکھنا اگر شان انبیاء کی تخفیف کے لئے ہو تو کفر ہے۔ علامہ سید طحطاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں۔ فتاوی تاتارخانیہ سے منقول ہے۔ من کتب علیہ الصلاۃ والسلام بالھمزۃ والمیم یکفر لانہ تخفیف وتخفیف الانبیا کفر۔ یعنی جو انبیاء کرام علیہ الصلاۃ والسلام کے نام میں علیہ السلام کی جگہ ء، م (یا صلعم، م) لکھے تو کافر ہو جائیگا کیوں کہ ایسا لکھنا ان کی شان کو ہلکا کرنا ہے اور یہ یقیناً کفر ہے۔ اور اگر صرف کاہلی نادانی اور جہالت سے ایسا کیا تو کفر نہیں مگر حرام اور ناجائز ضرور ہے۔ اسی طرح صحابۂ کرام اور اولیاء عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مبارک ناموں کے ساتھ رضؓ اور رحؒ بھی لکھنا نہیں چاہئے کہ علماء کرام نے مکروہ اور باعث محرومی بتایا ہے۔ چنانچہ علامہ سید طحطاوی فرماتے ہیں یکرہ الرمز بالترضی بالکتابۃ یعنی رضی اللہ عنہم کی جگہ رضؓ لکھنا مکروہ ہے۔ اور بہار شریعت ص۲۹۵ میں ہے اکثر لوگ درود شریف کے بدلے صلعم، عم، ؐ، ؑ لکھتے ہیں یہ ناجائز اور سخت حرام ہے۔ یوں ہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ رضؓ اور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جگہ رحؒ لکھتے ہیں یہ بھی نہ چاہئے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۷ شعبان المعظم ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از نثار احمد بہرائچ گنج پوسٹ ہوت چاند پارہ ضلع بہرائچ یوپی

(۱) چاند کا جائے وقوع کیا ہے۔ انسان کی اس پر رسائی و رہائش ممکن ہے یا نہیں؟ بینوا بالبراہین توجروا عند احکم الحاکمین۔

الجواب: بعون الملک الوھاب (۱) چاند کے محل وقوع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ آسمان کے نیچے ہے اور جو چیز آسمان کے نیچے ہے منافقی تدابیر کے ساتھ اس پر انسان کی رسائی و رہائش ممکن ہے۔ قرآن مجید سورۂ انبیاء پارہ ۱۷ رکوع ۳ کی آیت کریمہ وھو الذی خلق اللیل والشمس والقمر کل فی فلک یسبحون۔ کے تحت علامہ

ابوالبرکات نسفی (متوفی ۷۱۰ھ) تفسیر مدارک التنزیل جلد ثالث ص۸۰ میں فرماتے ہیں عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما الفلک السماء والجمہور علی ان الفلک موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر والنجوم اھ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ فلک (جس میں شمس و قمر پیر رہے ہیں) آسمان ہے اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ فلک آسمان کے نیچے ایک ٹھہری ہوئی موج ہے جس میں سورج چاند اور ستارے پیر رہے ہیں۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۸ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ

الجواب صحیح: غلام جیلانی الاعظمی۔

مسئلہ: زید کامل اکمل مسلم اہلسنت وجماعت صحیح العقیدہ عرصہ دراز سے کسی بیماری میں مبتلا رہا۔ ایک کافر غیر مسلم نے خود اس کی بیماری دیکھ کر کہا کہ تمہارے اوپر بیار ہے اگر ہم کو تم پوجا دو پٹھیا، دھوتی، کراہی، شراب تو ہم اس بیار کو پکڑ لوں۔ صحیح العقیدہ نے کہا کہ تم بیار کو پکڑ لو اگر میں صحت مند ہو جاؤں گا تو پوجا دیدوں گا۔ زید کو صحت حاصل ہو گئی اور اس نے پوجا کا سارا سامان دے دیا تو اب اس پر کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں زید پر توبہ تجدید ایمان فرض ہے اگر بیوی والا ہے تو تجدید نکاح بھی کرے۔ واللہ ورسولہ اعلم

کتبہ: بدر الدین احمد

۲۷ شوال ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: از محمد بشیر قادری چشتی دفل ڈیہہ ضلع گونڈہ

(الف) زید ایک چمار کی لڑکی لاکر اپنے گھر والوں کے ساتھ رہتا ہے اس کا پکایا ہوا کھانا کھاتا ہے اور اس سے حرام کاری بھی کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اور زید کے گھر والے دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے یا نہیں؟

(ب) زید اور زید کے گھر والے کو مسجد کے اندر نماز پڑھنے سے روکنا جرم ہے یا نہیں؟

(ج) زید اور زید کے گھر والوں پر شرعاً کوئی کفارہ لازم ہے یا نہیں؟ (د) اگر اس چمار کی لڑکی کو مسلمان کیا جائے تو کیا طریقہ ہے۔ دیہات میں کافرہ کو مسلمان کر کے اس سے نکاح پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

(ہ) زید اور زید کے گھر والوں کو تجدید ایمان اور تجدید بیعت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: (الف) زید اور اس کے گھر والے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوئے لیکن زید سخت گنہگار ہوا اور اس کے گھر والے اگر زید کے اس فعل سے راضی ہیں تو وہ بھی گنہگار ہوئے ورنہ نہیں۔ (ب) زید اور اس کے گھر والے جبکہ مسلمان ہیں تو انھیں مسجد کے اندر نماز پڑھنے سے روکنا یقیناً جرم ہے۔ (ج) زید اور اس کے گھر والوں پر شرعاً کوئی کفارہ نہیں۔ لیکن زید کو اس چمار کی لڑکی سے الگ ہونا اور لوگوں کے سامنے اس فعل قبیح سے توبہ کرنا واجب اور لازم ہے اور زید کے گھر والے اگر اس کے فعل سے راضی ہوں تو وہ بھی توبہ کریں۔ (د) کسی کو دائرہ اسلام میں لانے کا افضل طریقہ یہ ہے کہ پہلے اسے نہلایا جائے پھر کفر سے توبہ کروا کے کلمہ طیبہ پڑھا دیا جائے۔ دیہات میں ہو یا شہر میں جو مسلمان ہو جائے اس سے نکاح جائز ہے۔ (ہ) زید اور اس کے گھر والوں کو تجدید ایمان اور تجدید بیعت ضروری نہیں۔ مگر کرلینا بہتر ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: بدر الدین احمد
۲۴ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۷۱ء

مسئلہ: از محمد ہارون خاں مدرسہ اسلامیہ ہرا پٹی سبندا ول

زید نے برسر عام چائے کی دوکان پر بہت سے لوگوں کی موجودگی میں دوران بحث و گفتگو حسب ذیل الفاظ کہے۔ علما کی بات جو مانے گا سیدھے جہنم میں جائے گا۔ بعد میں جب کچھ لوگوں نے زید سے کہا تمہارا ایسا کہنا ٹھیک نہیں ہے تو انھوں نے کہا کہ میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شخص مذکور پر از روئے شرع کیا حکم لاگو ہوتا ہے۔ اس اصرار پر اس کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟

الجواب: زید جھوٹا، شدید فاسق، فتنہ پرور، فسادانگیز اور موذی ہے۔ اس پر توبہ و استغفار واجب ہے۔ جن مسلمانوں کے سامنے اس نے یہ ملعون جملہ کہا ان سے معافی مانگے اگر بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح بھی کرنا مناسب ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جب تک زید توبہ و استغفار نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ اسلامی تعلقات قائم نہ رکھیں۔ پنچایت کرکے اس کے بارے میں قطع تعلق کا اعلان کر دیں۔ لیکن اگر زید کا مذکورہ بالا جملہ خاص علمائے سو یعنی باطل پرست مولویوں کے بارے میں ہے تو اس پر یہ احکام نافذ نہیں۔ مگر طرز تعبیر محتاج اصلاح ہے۔ ھذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ

ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ المولی تعالیٰ علیہ وسلم۔

الجواب صحیح۔ بدرالدین احمد القادری الرضوی ک جلال الدین احمد الامجدی غفرلہ

۳۰ رجب المرجب ۹۲ھ

مسئلہ: از جان محمد مقام و پوسٹ مجھلی گاؤں بازار ضلع گونڈہ

زید کے آباء و اجداد مسلمان تھے اور رہیں خود زید بھی مسلمان تھا مگر مشرکین کی سازش اور پرانی دشمنی کی وجہ سے زید کو جگدیون مشرک نے زید کو اپنے دھرم کا ایک دھاگا پہنا دیا ساتھ ہی اس مشرک نے زید کو اپنے دھرم کی دوسری باتیں بھی بتائیں جس پر زید چلنے لگا مگر اب عرصہ دو ماہ سے زید اس غلط مذہب سے تائب ہو چکا ہے۔ نماز پڑھتا، روزہ رکھتا نیز اسلام کے دوسرے ارکان بھی کر رہا ہے مسلمانوں نے اندرون مسجد زید سے توبہ کرایا اس نے توبہ کیا اسی رمضان المبارک میں الوداع کی نماز پڑھ کر زید اپنے گھر واپس آ رہا تھا کہ ایک مشرک نے روکا اور کہا کہ میرے پیر کی انگلی میں درد ہے ذرا دیکھ لو زید دیکھنے لگا اسی دوران کئی مشرک آ گئے اور زبردستی پکڑ کر زید کے اوپر شراب کی بوتل انڈیل دیا اور مشرکین نے یہ کہا کہ اب تم نماز پڑھنے کے لائق نہیں رہے تمہارے اوپر خنزیر کا تیل ڈال دیا گیا۔ زید نے اپنے گھر آ کر غسل کیا اور حسب عادت نماز و روزہ اور دوسرے دینی ارکان ادا کرتا رہا۔ زید کی برادری کے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں علمائے دین کے پاس استفتا کیا جائے۔ جو شرعی حکم بیان کریں گے۔ برادری کے لوگ تسلیم کر لیں گے۔ لہذا حضور والا سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ مذکورہ بالا تحریر کے پیش نظر حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مستفسرہ میں مسلمان ہونے کے سبب زید کے اوپر شراب یا خنزیر کا تیل ڈالا گیا تو وہ مظلوم ہے اس پر شرعا کوئی مواخذہ نہیں بلکہ ظلم کئے جانے کے سبب اسے ثواب ملا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

ک جلال الدین احمد الامجدی غفرلہ

۱۹ شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از طفیل احمد قادری تشمتی بعد وکھر ضلع بستی

(۱) منافق کسے کہتے ہیں۔

(۲) زید سنی صحیح العقیدہ علماء اہلسنت کے اقوال حقہ کو ماننا ہے حافظ قرآن مجید بھی ہے بکر نے اسے محض اپنی امامت میں روڑا سمجھتے ہوئے علی الاعلان متعدد بار منافق کہا کیا زید کو ایسی صورت میں منافق کہنا جائز ہے ؟ اگر جائز ہے تو مع حوالہ تحریر فرمائیں اور اگر نہیں جائز ہے تو اس کا الزام کس حد تک ہے ؟

(۳) اگر کسی نے بکر سے تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم کیا تو یہ حکم شرع کس بنا پر شمار ہوگا ؟

الجواب

(۱) سورۂ بقرہ رکوع اول کی آیت کریمہ ان الذین کفروا سواء الخ کے تحت تفسیر خازن میں ہے کہ کفر کی چار قسمیں ہیں جن میں سے ایک ہے کفر نفاق وھو ان یقر بلسانہ و لا یعتقد صحۃ ذلک بقلبہ یعنی کفر نفاق یہ ہے کہ آدمی زبان سے اسلام کا اقرار کرے مگر دل سے اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔ اور ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من ادرک الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجۃ وھو لا یرید الرجعۃ فھو منافق یعنی اذان کے بعد جو شخص مسجد سے چلا گیا اور کسی حاجت کے لئے نہیں گیا اور نہ واپس ہونے کا ارادہ ہے تو وہ منافق ہے اور مشکوۃ شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی یدعھا اذا اؤتمن خان و اذا حدث کذب و اذا عاھد غدر و اذا خاصم فجر۔ یعنی جس میں یہ چار باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان خصائل میں سے ایک ہوگی اس میں ایک خصلت نفاق کی پائی جائے گی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے۔ جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب عہد کرے تو دغا کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ صاحب ایں خصال بحقیقت منافق نیست بلکہ مراد آن ست کہ ایں صفات لائق منافقاں ست و سزاوار بحال مسلمانان آنست کہ ازینہا پاک و مبرا باشند (اشعۃ اللمعات جلد اول ص۔۔) ثابت ہوا کہ منافق کی دو قسمیں ہیں۔ منافق اعتقادی اور منافق عملی۔ منافق اعتقادی وہ شخص ہے جو زبان سے اپنے اسلام کو ظاہر کرے اور دل میں کفر کو چھپائے رکھے جیسے عبد اللہ بن ابی وغیرہ قرآن مجید کی آیت کریمہ ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار اسی منافق اعتقادی کے بارے میں ہے جو کافروں کی بدترین قسم

ہے۔ اور منافق عملی وہ شخص ہے کہ جس کے ایمان میں خرابی نہ ہو مگر سیرت و کردار میں نفاق ہو جیسے کذاب خائن اور بدعہد وغیرہ۔

(۲) زید کو بکر کے منافق کہنے کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ منافق اعتقادی یعنی کافر جان کر کہا تو یہ کفر ہے اس صورت میں بکر پر توبہ اور تجدید نکاح واجب ولازم ہے۔ دوسرے یہ کہ منافق عملی جان کر کہا کہ احادیث کریمہ میں جس کے اعمال و کردار میں نفاق ہو اسے منافق کہا گیا ہے تو یہ کفر نہ ہوا، اس صورت میں بکر پر تجدید ایمان و تجدید نکاح واجب نہ ہوگا مگر کسی سنی صحیح العقیدہ کو منافق کہنا جائز نہیں، لہذا بکر توبہ کرے۔

(۳) جس نے بکر کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دیا اس سے دریافت کیا جائے کہ اس نے بکر کے قول کو منافق اعتقادی پر محمول کیا ہے یا منافق عملی پر، اگر منافق اعتقادی پر محمول کیا تو تجدید ایمان و نکاح کا حکم صحیح ہے۔ مگر جس کلام کے دو معنی ہوں ایک کفری، دوسرا اسلامی تو متکلم کی مراد معلوم کئے بغیر کلام کو کفری کے معنی کی طرف پھیرنا اور قائل کو کافر سمجھ کر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم دینا دیانت کے خلاف اور خیانت کی طرف مضاف ہے۔ شرح فقہ اکبر للملا علی القاری علیہ رحمۃ الباری ص۲۳۲ میں ہے نقل صاحب المضمرات عن الذخیرۃ ان فی المسئلۃ اذا کان وجوہ توجب التکفیر و وجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم ثم ان کان نیۃ القائل الوجہ الذی یمنع التکفیر فھو مسلم وان کان نیتہ الوجہ الذی یوجب التکفیر لا ینفعہ فتوی المفتی ویومر بالتوبۃ والرجوع عن ذلک و بتجدید النکاح بینہ و بین امرأتہ اھ۔ یعنی صاحب مضمرات نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں متعدد احتمالات (قائل کی) تکفیر کا سبب بنتے ہوں اور ایک احتمال تکفیر کا سبب بنتا ہو تو مفتی کو چاہیے کہ اس احتمال کی طرف مائل ہو جس سے (اس کی) تکفیر نہ ہوتی ہو اس لئے کہ اس صورت میں مسلمان کے ساتھ حسن ظن ہے۔ پھر متکلم کی مراد اگر وہی معنی ہے جس سے اس کی تکفیر نہ ہوتی تھی تب تو وہ مسلمان ہے اور اگر اس کی مراد وہ معنی ہیں جو اس کے کافر کیے جانے کا سبب ہیں تو (اس کے مسلمان ہونے کے متعلق) مفتی کا فتوی کچھ بھی مفید نہ ہوگا اور اس کو اس قول سے توبہ، رجوع اور اپنی بیوی سے تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ اھ اور اگر بکر کے قول کو منافق عملی پر محمول کیا تو پھر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم کرنا صحیح نہیں بالخصوص جبکہ منافق کا لفظ یہاں کے اطلاق میں عملی کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔ لہذا وہ شخص تجدید ایمان اور تجدید نکاح کے حکم سے رجوع کرے کہ

اس میں ایک مومن کے لئے دینی اور دنیاوی تنگی پیدا کر رہا ہے۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۳، ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ

مسئلہ:
از نور محمد انصاری بڈول بازار ضلع بستی

زید نے دوران تقریر کہا کہ نسبت سے شئی ممتاز ہوا کرتی ہے، مثلاً عام کتوں کو لوگ مارتے رہتے ہیں لیکن جس کتے کے گلے میں پٹہ پڑا ہوتا ہے اسے یہ سمجھ کر نہیں مارتے کہ کسی بڑے آدمی کا کتا ہوگا۔ یعنی وہ کتا مالک سے نسبت کے سبب اور کتوں سے ممتاز ہوگیا۔ بلا تمثیل امت محمدیہ کو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہے کہ اس کے گلے میں حضور کی غلامی کا پٹہ پڑا ہوا ہے تو کیوں کر یہ قوم اور قوموں سے ممتاز نہ ہو۔ بکر کا یہ کہنا ہے کہ اس طرح بیان کرنا کفر ہے۔ تو اس کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو بکر کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:
بیان مذکور کفر نہیں ہے بکر کا قول غلط ہے اس پر اپنے قول سے رجوع اور توبہ و استغفار لازم ہے۔ ھذا ما ظہر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۴، محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

مسئلہ:
از ملا محمد حسین اوجھا گنج۔ ضلع بستی

کامل ایمان والا کون ہے؟

الجواب:
حضور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر بات کو سچ جاننا اور حضور کی حقانیت کو دل سے ماننا ایمان ہے۔ جو شخص اس بات کا اقرار کرے اسے مسلمان سمجھا جائے گا بشرطیکہ اس کے کسی قول، فعل یا حال سے اللہ و رسول جل مجدہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار، تکذیب یا توہین نہ پائی جائے پھر جس شخص کے دل میں اللہ و رسول کی محبت تمام لوگوں پر غالب ہو اور اللہ و رسول کے محبوب سے محبت رکھے اگرچہ وہ اپنے دشمن ہوں۔ اور اللہ و رسول کی شان میں گستاخی و بے ادبی کرنے والوں سے دشمنی رکھے اگرچہ وہ اپنے عزیز ترین بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ اور جو کچھ دے اللہ کے لئے

دے اور جو نہ دے اللہ کے لئے نہ دے تو وہ کامل ایمان والا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا من احب للہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان یعنی جو شخص اللہ کے لئے محبت رکھے اور اسی کے لئے دشمنی کرے اور اللہ ہی کے لئے دے اور اسی کیلئے روکے تو اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا (ابوداؤد، مشکوۃ ص ۱۴) وھو سبحانہ و تعالی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد عبد الوارث اشرفی الیکٹرک دوکان مدینہ مسجد ریتی روڈ گورکھپور

زید کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم کرنا شرک ہے اسی لئے صحابہ نے حضور کی تعظیم نہیں کی ہے۔ لہذا اگر حضور کی تعظیم جائز ہے اور صحابہ نے حضور کی تعظیم کی ہے تو قرآن و حدیث کے حوالے سے تحریر فرمائیں۔

الجواب: حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم کو شرک کہنا وہابیوں دیوبندیوں کی جہالت ہے کہ حضور کی تعظیم شرک نہیں ہے بلکہ واجب و لازم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے وتعزروہ وتوقروہ یعنی رسول کی تعظیم و توقیر کرو (پ ۲۶ ع ۹) حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں فاوجب اللہ تعالی تعزیرہ وتوقیرہ والزم اکرامہ وتعظیمہ یعنی خدائے تعالی نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حرمت و توقیر کو واجب قرار دیا اور ان کی تکریم و تعظیم کو لازم فرمایا (شفا شریف جلد ۲ ص ۲۹) یعنی آیت کریمہ میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا جو حکم دیا گیا ہے وہ واجب و لازم ہے اور زید کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعظیم نہیں کی ہے اس لئے کہ صحابہ نے حضور کی بے انتہا تعظیم کی ہے حدیث شریف میں ہے کہ عروہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ جب کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے حدیبیہ کے مقام پر حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے صلح کی گفتگو کرنے کے لئے آئے اس موقع پر صحابہ کو حضور کی تعظیم کرتے ہوئے جو انہوں نے دیکھا تھا واپسی کے بعد مکہ شریف کے کافروں سے ان لفظوں میں انہوں نے بیان کیا واللہ لقد وفدت علی الملوک و وفدت علی قیصر وکسری والنجاشی واللہ ان رأیت ملکا قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد محمدا۔ واللہ ان تنخم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منہم

فدلک بها وجهه وجلده واذا امرهم ابتدروا امره واذا توضأ کادوا یقتتلون علی وضوئه واذا تکلم خفضوا اصواتهم عنده وما یحدون الیه النظر تعظیما له۔ یعنی قسم خدا کی میں بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں لیکن خدا کی قسم میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد کے ساتھی ان کی تعظیم کرتے ہیں خدا کی قسم جب وہ تھوکتے ہیں تو ان کا تھوک کسی نہ کسی آدمی کی ہتھیلی پر ہی گرتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو فوراً ان کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے اور جب وہ وضو فرماتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ وضو کا مستعمل پانی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور جب ان کی بارگاہ میں بات کرتے ہیں تو اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں اور تعظیماً ان کی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے۔ (بخاری شریف جلد اول صفحہ ۳۷۹)

اور بخاری ومسلم میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بمکۃ وھو بالابطح فی قبۃ حمراء من ادم ورأیت بلالا اخذ وضوء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورأیت الناس یبتدرون ذلک الوضوء فمن اصاب منہ شیئا تمسح بہ ومن لم یصب منہ اخذ من بلل ید صاحبہ یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ شریف کے ابطح مقام میں دیکھا جبکہ وہ چمڑے کے سرخ خیمہ میں تشریف فرما تھے اور میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ انھوں نے حضور کے وضو کا مستعمل پانی ایک لگن میں لیا اور لوگوں کو دیکھا کہ اس پانی کی طرف دوڑ رہے ہیں تو جس کو اس میں سے کچھ حاصل ہو گیا اس نے اپنے چہرہ وغیرہ پر اس کو مل لیا اور جو نہیں پایا تو اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری لے لی (بخاری، مسلم، مشکوۃ صفحہ ۶۵) ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر طرح سے بے انتہا تعظیم کرتے تھے۔ وہابی دیوبندی جو نہایت ادنیٰ درجہ کی تعظیم کھڑے ہونے کو بھی شرک کہتے ہیں۔ خدائے عز وجل انھیں صحابۂ کرام کے عقیدے اور ان کے ایمان وعمل سے ہدایت حاصل کرنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین۔ بحرمۃ النبی الکریم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات

واحکم التسلیم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از عبدالوارث اشرفی الیکٹرک دوکان پتہ مسجد پتی روڈ گورکھپور

مرتد کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ وہ مرتد کہ جو کھلم کھلا اسلام سے پھر گیا اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا انکار کر دیا اس کے بارے میں شریعت کا یہ حکم ہے کہ حاکم اسلام اسے تین دن قید میں رکھے پھر اگر وہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائے فبہا ورنہ اسے قتل کر دے (درمختار مع شامی جلد سوم صفحہ ۲۸۶) اور وہ لوگ جو کہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے ہیں اور نماز و روزہ بھی کرتے ہیں مگر اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یا کسی دوسرے نبی کی توہین کر کے مرتد ہو گئے تو وہ چاہے سنی بریلوی کہے جاتے ہوں یا وہابی دیوبندی بادشاہ اسلام ان کی توبہ نہیں قبول کرے گا یعنی انھیں قتل کر دے گا۔ فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مرتد اگر ارتداد سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہے مگر بعض مرتدین مثلاً کسی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا کہ اس کی توبہ قبول نہیں۔ توبہ قبول کرنے سے مراد یہ ہے کہ توبہ کرنے کے بعد بادشاہ اسے قتل نہ کرے گا (بہار شریعت جلد نہم صفحہ ۱۲۷) لیکن نبی کے گستاخ کو قتل کرنا چونکہ بادشاہ اسلام کا کام ہے اور یہ ہمارے یہاں ممکن نہیں۔ تو اب موجودہ صورت میں مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ ایسے لوگوں کا مذہبی بائیکاٹ کریں، ان کا ذبیحہ نہ کھائیں، ان کے یہاں شادی بیاہ نہ کریں۔ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اپنے قبرستان میں انھیں دفن ہونے دیں، مسلمان اگر ان کے ساتھ ایسا نہیں کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ ارشاد خداوندی ہے وامایُنسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین۔ یعنی اور اگر شیطان تمکو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھو (پ ۷ ع ۱۴) اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہو کہ تمھیں (جہنم کی) آگ چھوئے گی (پ ۱۲ ع ۱۰) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ مسئولہ مولوی قیام الدین احمد خاں فیضی موضع پڑریا پوسٹ لوٹن ضلع بستی

سورۂ مومن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے واستغفر لذنبک (پ ۲۴ ع ۱۱) اور سورۂ

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں ارشادِ خداوندی ہے واستغفر لذنبك (پ ۲۶ ع ۶) اور سورۂ فتح میں ارشاد ہے لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تأخر (پ ۲۶ ع ۹) دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں تو پھر ان آیات کریمہ میں ذنب یعنی گناہ کی نسبت حضور کی طرف کیسے کی گئی؟ اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب بعون الملك الوهاب ۔ بے شک سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سارے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہیں جیسا کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں الانبیاء علیہم السلام کلہم منزھون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح ۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ منزھون کی شرح میں لکھتے ہیں۔ ای معصومون یعنی سارے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام صغیرہ، کبیرہ، کفر اور بری باتوں سے معصوم ہیں (فقہ اکبر مع شرح ملا علی قاری ص ۶۸) اور مذہب اصح پر انبیاء کرام کے لئے یہ عصمت قبل نبوت اور بعد نبوت دونوں زمانے میں ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ھذہ العصمۃ ثابتۃ للانبیاء قبل النبوۃ وبعدھا علی الاصح (شرح فقہ اکبر ص ۶۹)۔ پھر قرآن مجید میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ذنب (گناہ) کی نسبت کیوں کی گئی۔ ؟ مفسرین کرام اور محققین عظام کئی معانی اس کے تحریر فرمائے ہیں۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورۂ مومن کی آیت کریمہ واستغفر لذنبك کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں الطاعنون فی عصمۃ الانبیاء (علیہم السلام) یتمسکون بہ ونحن نحملہ علی التوبۃ عن ترك الاولی والافضل او علی ما کان قد صدر منہم قبل النبوۃ وقیل ایضاً المقصود منہ محض التعبد کما فی قولہ ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلك فان ایتاء ذلك الشئ واجب ثم انہ امرنا بطلبہ وکقولہ رب احکم بالحق مع انا نعلم انہ لا یحکم الا بالحق۔ وقیل اضافۃ المصدر الی الفاعل والمفعول فقولہ واستغفر لذنبك من باب اضافۃ المصدر الی المفعول ای واستغفر لذنب امتك فی حقك۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت میں طعن کرنے والے اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں اور ہم اسے محمول کرتے ہیں اولیٰ اور افضل کے چھوڑنے سے توبہ کرنے پر۔ یا ان باتوں پر جو قبل نبوت

انبیاء کرام سے صادر ہوئیں۔ اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ مقصود اس سے صرف اظہار بندگی کا طلب کرنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول (پ۴ ع ۱۱) میں ہے کہ اے ہمارے رب! اور ہمیں دے وہ جس کا تو نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ کیا ہے، اس لئے کہ اس چیز کا دلیا یقینی ہے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کی طلب کا حکم فرمایا اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول (پ۱۷ ع۷) میں ہے کہ اے میرے رب حق فیصلہ فرمادے باوجودیکہ ہم جانتے ہیں وہ حق ہی فیصلہ فرمائے گا۔ اور بعض لوگوں نے کہا مصدر کی اضافت فاعل اور مفعول دونوں طرف ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول واستغفر لذنبك میں مصدر کی اضافت مفعول کی جانب ہے۔ یعنی آپ کی امت نے آپ کے حق میں جو گناہ کیا ہے اس سے استغفار کریں (تفسیر کبیر جلد ہفتم ص۲۳۲)

اور یہی امام رازی سورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیت کریمہ واستغفر لذنبك وللمؤمنین والمؤمنٰت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں واستغفر لذنبك یحتمل وجهین احدهما ان یکون الخطاب معه والمراد المؤمنون وهو بعید لافراد المؤمنین والمؤمنٰت بالذکر وقال بعض الناس لذنبك ای لذنب اهل بیتك وللمؤمنین والمؤمنات ای الذی لیسوا منك باهل بیت۔ ثانیهما المراد هو النبی صلی اللہ علیه وسلم والذنب هو ترك الافضل الذی هو بالنسبة الیه ذنب وحاشاه من ذلك یعنی واستغفر لذنبك میں دو معنی کا احتمال ہے اول یہ کہ خطاب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے اور مراد مومنین ہیں مگر یہ معنی بعید ہے اس لئے کہ مومنین و مومنات کا ذکر الگ سے ہے اور بعض لوگوں نے کہا لذنبك کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اہل بیت کے لئے مغفرت طلب کریں اور دیگر مومنین و مومنات جو اہل بیت سے نہیں ہیں ان کے لئے بھی استغفار کریں۔ دوسرے یہ کہ مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں اور گناہ وہ افضل کا ترک ہے جو حضور کے لحاظ سے گناہ ہے اور وہ اس سے مستثنیٰ ہیں (تفسیر کبیر جلد ہفتم ص۵۲۱) اور پھر یہی امام رازی سورۂ فتح کی آیت کریمہ لیغفر لك اللہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں لم یکن للنبی صلی اللہ علیه ذنب فماذا یغفر له۔ قلنا الجواب عنه قد تقدم مرارا من وجوہ احدها المراد ذنب المؤمنین ثانیها المراد ترك الافضل ثالثها الصغائر فانها جائزة علی الانبیاء بالسهو

والعمد و یصونهم عن العجب یعنی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے گناہ نہیں ہے تو کیا معاف کیا جائے گا؟ اس سوال کا جواب متعدد بار کئی طریقے سے گزر چکا ہے اول یہ کہ مراد مومنین کا گناہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ترک افضل ہے۔ تیسرے یہ کہ گناہ صغیرہ مراد ہیں۔ اس لئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر وہ سہواً و عمداً جائز ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ فخر وغرور سے ان کی حفاظت فرماتا ہے (تفسیر کبیر جلد ہفتم ص۵۲۳)

اور عارف باللہ حضرت علامہ صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورۃ مومن کی آیت کریمہ واستغفر لذنبك کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں ای اطلب المغفرۃ من ربك لذنبك والمقصود من هذا الامر تعلیم الامة ذلك والا فرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معصوم من الذنوب جمیعا صغائرا وکبائرا قبل النبوۃ وبعدها علی التحقیق کجمیع الانبیاء۔ واجیب ایضا ان الکلام علی حذف مضاف والتقدیر واستغفر لذنب امتك واجیب ایضا بان المراد بالذنب خلاف الاولی وسمی ذنبا بالنسبۃ لمقامه من باب حسنات الابرار سیئات المقربین۔ یعنی اپنے رب سے اپنے گناہ کی مغفرت طلب کرو اور اس حکم کا مقصد امت کو اس کی تعلیم دینا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو صغیرہ وکبیرہ سب گناہوں سے قبل نبوت اور بعد نبوت سارے انبیاء کرام کی طرح معصوم ہیں تحقیق یہی ہے۔ اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ آیت کریمہ میں مضاف محذوف ہے تقدیر کلام ہے واستغفر لذنب امتك۔ یعنی اپنی امت کے گناہ کی مغفرت طلب کرو اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ گناہ سے مراد خلاف اولیٰ ہے اور گناہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرتبہ کے لحاظ سے کہا گیا ہے جو اس قبیل سے ہے کہ اچھے لوگوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔ (تفسیر صاوی جلد چہارم ص۱۰)

اور سورۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیت مبارکہ واستغفر لذنبك کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا۔ قیل له ذلك مع عصمته لتستن به امته۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ گناہ کی مغفرت طلب کرو باوجودیکہ وہ معصوم ہیں تاکہ حضور کی امت ان کی پیروی کرے (تفسیر جلالین ص۴۲۲) اس پر حضرت علامہ صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں قوله لتستن به امته ای تقتدی به وهذا احد اوجه فی تاویل الایة وهو احسنها۔ وقیل المراد بذنبه ذنب اهل بیته۔ یعنی

علامہ محلی کا قول لتستان الخ کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ان کی پیروی کرے اور یہ آیت کریمہ کی تاویلوں میں ایک بہترین تاویل ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ حضور کے گناہ سے ان کے اہل بیت کا گناہ مراد ہے (صاوی جلد چہارم ص۷۶) اور سورۂ فتح کی آیت کریمہ لیغفرلک اللہ ماتقدم من ذنبک کی تفسیر میں علامہ صاوی تحریر فرماتے ہیں اسناد الذنب الیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مؤول اما بان المراد ذنوب امتک اوھو من باب حسنات الابرار سیئات المقربین او بان المراد بالغفران الاحالۃ بینہ وبین الذنوب فلا تصدر منہ لان الغفر ھو الستر اما بین العبد والذنب او بین الذنب وعذابہ فاللائق بالانبیاء الاول وبالامم الثانی یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف گناہ کے منسوب ہونے کی تاویل کی گئی ہے یا تو اس طرح کہ آپ کی امت کا گناہ مراد ہے اور یا تو اس قبیل سے ہے کہ اچھوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں اور یا تو غفران سے مراد حضور اور گناہوں کے درمیان رکاوٹ پیدا کرنا ہے کہ گناہ ان سے صادر نہ ہو اس لئے کہ غفر کا معنی ہے پردہ اور پردہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک بندہ اور گناہ کے درمیان۔ دوسرے گناہ اور اس کے عذاب کے درمیان۔ تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے پہلی صورت مناسب ہے اور امتیوں کے لئے دوسری صورت (تفسیر صاوی جلد چہارم ص۸۰)

اور حضرت علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیت مبارکہ واستغفر لذنبک کی تفسیر تحریر فرماتے ہیں وفی القرطبی واستغفر لذنبک یحتمل وجہین احدھما یعنی استغفر اللہ ان یقع منک ذنب۔ الثانی استغفر اللہ لیعصمک من الذنوب یعنی قرطبی میں ہے کہ واستغفر لذنبک دو معنی کا احتمال رکھتا ہے اول یہ کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو کہ تم سے گناہ صادر ہو۔ دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ سے استغفار کرو تاکہ وہ تم کو گناہوں سے بچائے (تفسیر جمل جلد چہارم ص۱۴۰) اور آیت مبارکہ سورۂ مومن کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ علاء الدین علی خازن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ واستغفر لذنبک یعنی الصغائر وھذا علی قول من یجوزھا علی الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام وقیل علی ترک الاولیٰ والافضل وقیل علی ماصدر منہ قبل النبوۃ وعند من لا یجوز الصغائر علی الانبیاء یقول ھذا تعبد من اللہ تعالیٰ لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیزید درجۃ ولتصیر سنۃ لغیرہ

من بعدہ۔ یعنی اپنے گناہوں سے استغفار کا مطلب گناہ صغیرہ ہیں اور یہ اس مفسر کے قول پر ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر گناہ صغیرہ کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا کہ افضل اور اولیٰ کے ترک پر استغفار کا حکم ہوا۔ اور کچھ لوگوں نے کہا جو گناہ کہ قبل نبوت صادر ہوا۔ اس پر استغفار مراد ہے۔ اور جو لوگ کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر گناہ صغیرہ کو جائز نہیں ٹھہراتے وہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کا اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اظہار بندگی کا طلب کرنا ہے تاکہ ان کا درجہ بڑھ جائے اور استغفار دوسروں کے لئے ان کا طریقہ بن جائے (تفسیر خازن جلد ششم ص۱۹۷) اور سورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیت کریمہ واستغفر لذنبك کی تفسیر میں حضرت علامہ ابو السعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں وھو الذی ربما یصدر عنه علیه الصلاۃ والسلام من ترك الاولیٰ عبر عنه بالذنب نظرا الی منصبه الجلیل کیف لا وحسنات الابرار سیئات المقربین۔ یعنی گناہ وہ ہے جو بسا اوقات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ترک اولیٰ صادر ہوتا ہے اسی کو ان کے منصب جلیل کا لحاظ کرتے ہوئے گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اچھوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں۔ (تفسیر ابو السعود مع تفسیر کبیر جلد ہفتم ص۳۷)

اور حضرت علامہ نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ تعالےٰ علیہ سورۂ مومن کی آیت کریمہ واستغفر لذنبك کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں ای لذنب امتك یعنی اپنی امت کے گناہ کی مغفرت طلب کریں۔ (تفسیر مدارک جلد چہارم ص۸۲) اور اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علامہ ابو محمد حسین فرا بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں ھذا تعبد من اللہ لیزیدہ به درجة ولیصیر سنة لمن بعدہ۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اظہار بندگی کو چاہنا ہے تاکہ اس کے سبب حضور کا درجہ بلند فرمائے اور ان کے بعد استغفار لوگوں کا طریقہ ہو جائے (تفسیر معالم التنزیل جلد ششم ص۱۹۷)

اور اعلیٰحضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سورۂ فتح کی آیت کریمہ پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقۃً ذنب بمعنی گناہ نہیں۔ ماتقدم سے کیا مراد لیا؟ وحی اترنے سے پیشتر کے اور گناہ کسے کہتے ہیں مخالفت فرمان کو۔ اور فرمان کاہے سے معلوم ہوگا وحی سے۔ تو جب تک وحی نہ اتری تھی فرمان کہاں تھا؟ اور جب فرمان نہ تھا تو مخالفت فرمان کیا معنی؟ اور جب مخالفت فرمان نہیں تو گناہ کیا۔ اور

جس طرح ماتقدم میں ثابت ہوگیا کہ حقیقۃً ذنب نہیں یوہیں ماتاخر میں نقد وقت ہے۔ قبل ابتدائے نزول فرمان جو افعال جائز ہوتے کہ بعد کو فرمان ان کے منع پر اترا اور انھیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ ان کا حقیقۃً گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا۔ یوں بعد نزول وحی وظہور رسالت بھی جو افعال جائز فرمائے اور بعد کو ان کی ممانعت اتری اسی طریقے سے ان کو ماتاخر فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعۃً (فتاوی رضویہ جلد نہم ص۷۵)

اور پھر تحریر فرماتے ہیں کہ سورۃ مومن اور سورۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیت کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے مومن میں تو اتنا ہے واستغفر لذنبک اے شخص اپنی خطا کی معافی چاہ۔ کسی کا خاص نام نہیں کوئی دلیل تخصیص کلام نہیں۔ قرآن عظیم تمام جہاں کی ہدایت کے لئے اترا نہ صرف اس وقت کے موجودین بلکہ قیامت تک آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے اقیموا الصلوۃ نماز برپا رکھو یہ خطاب جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تا قیام قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی۔ اسی قرآن عظیم میں ہے لانذرکم به ومن بلغ کتب عامہ کا قاعدہ ہے کہ خطاب ہر سامع سے ہوتا ہے۔ بدان اسعدک اللہ تعالیٰ۔ یہں کوئی خاص شخص مراد نہیں۔ خود قرآن عظیم میں فرمایا ارأیت الذی ینھی ۝ عبدا اذا صلی ۝ ارأیت ان کان علی الھدی ۝ او امر بالتقوی ۝ ابو جہل لعین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا اس پر یہ آیت کریمہ اتریں کہ کیا تو نے دیکھا اسے جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے بھلا دیکھ تو اگر وہ بندہ ہدایت پر ہوگا یا پرہیزگاری کا حکم فرماتے۔ یہاں بندے سے مراد حضور اقدس ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور غائب کی ضمیریں حضور کی طرف ہیں اور مخاطب کی ہر سامع کی طرف بلکہ فرماتا ہے فما یکذبک بعد بالدین ان روشن دلیلوں کے بعد کیا چیز تجھے روز قیامت کے جھٹلانے پر باعث ہو رہی ہے۔ یہ خطاب خاص کفار سے ہے بلکہ ان میں بھی خاص منکرین قیامت مثل مشرکین آریہ وہنود سے یوں ہی دونوں سورۂ کریمہ میں کاف خطاب ہر سامع کے لئے ہے کہ اے سننے والے اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ۔

(۲) بلکہ یہ آیت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں اس کی ابتدا یوں ہے فاعلم انہ لا الہ الا اللہ واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنت

جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی معافی چاہ۔ تو یہ خطاب اس سے ہے جو ابھی لا الٰہ الا اللہ نہیں جانتا اور نہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے، تو معنی یہ ہوتے کہ اے سننے والے جسے ابھی توحید پر یقین نہیں کیسے باشد توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ تتمہ آیت میں اس عموم کو واضح فرمادیا کہ واللہ یعلم متقلبکم ومثوٰکم۔ اللہ تعالٰی جانتا ہے جہاں تم لوگ کروٹیں لے رہے ہو اور جہاں جہاں تم سب کا ٹھکانا ہے، اگر فاعلم میں تاویل کرے تو ذنبک میں تاویل سے کون مانع ہے اور اگر ذنبک میں تاویل نہیں کرتا تو فاعلم میں کیسے تاویل کرسکتا ہے؟ دونوں پر ہمارا مطلب حاصل اور سرے سے معاند کا استدلال زائل۔

(۳) دونوں آیت کریمہ میں صیغۂ امر ہے اور امر انشاء ہے اور انشاء وقوع پر دال نہیں تو حاصل اس قدر کہ بفرض وقوع استغفار واجب نہ یہ کہ معاذ اللہ واقع ہوا جیسے کسی نے کہا اکرم ضیفک اپنے مہمان کی عزت کرنا اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئے گا ہی بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا۔

(۴) ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عمد ہی سے خاص نہیں قال اللہ تعالٰی وعصیٰ اٰدم ربہ آدم نے اپنے رب کی معصیت کی حالانکہ خود فرماتا ہے فنسی ولم نجد لہ عزما۔ آدم بھول گیا ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اس پر مواخذہ خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔ اے ہمارے رب ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

(۵) جتنا قرب زیادہ اسی قدر احکام کی شدت زیادہ ہے۔ جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے بادشاہ جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہرگز شہریوں سے پسند نہ کرے گا شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے اسی لئے وارد ہوا حسنات الابرار سیئات المقربین نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں۔ وہاں ترک اولٰی کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولٰی ہرگز گناہ نہیں۔

(۶) ہر ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لئے ادنیٰ ملابست بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی اردو، ہندی سب زبانوں میں رائج ہے۔ مکان کو جس طرح اس کے مالک کی طرف نسبت کریں گے یونہیں کرایہ دار کی طرف۔ یونہیں جو عاریت لے کر بس رہا ہے اس کے پاس ملنے آئے گا یہی کہے گا ہم فلانے کے گھر گئے تھے بلکہ پیمائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں ایک دوسرے سے پوچھے گا تمہارا کھیت کے جریب ہوا یہاں نہ ملک نہ اجارہ نہ عاریت اور اضافت موجود یونہی بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں سے عطا ہوا تھا تو ذنب سے مراد اہل بیت کرام کی لغزشیں ہیں اور اس کے بعد وللمؤمنین والمؤمنات تعمیم بعد تخصیص ہے یعنی شفاعت فرمایئے اپنے اہل بیت کرام اور سب مسلمان مردوں عورتوں کے لئے اب اس جنون کا بھی علاج ہوگیا کہ پیروؤں کا ذکر تو بعد کو موجود ہے۔ تعمیم بعد تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں ہے رب اغفرلی ولوالدی ولمن دخل بیتی مؤمنا وللمؤمنین والمؤمنات۔ اے میرے رب مجھے بخشدے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آیا اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو۔

(۷) اسی وجہ کر کریمہ سورۂ فتح میں لام للہ تعلیل کا ہے اور ماتقدم من ذنبک تمہارے اگلوں کے گناہ یعنی سیدنا عبد اللہ و سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام و امہات طیبات باستثناء انبیاء کرام مثل آدم و شیث و نوح و خلیل و اسمٰعیل علیہم الصلاۃ والسلام وماتاخر تمہارے پچھلے یعنی قیامت تک تمہارے اہل بیت و امت مرحومہ تو حاصل کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لئے فتح مبین فرمائی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے بخشدے تمہارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کے گناہ والحمد للہ رب العٰلمین (فتاویٰ رضویہ جلد نہم ص۷۵) وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی النبی الکریم وعلی الہ واصحابہ اجمعین

جلال الدین احمد الامجدی

۔۔۔۔۔۔۔۔۔ک

مسئلہ ۹

ازمحمد ہارون فاروقی سعدی مدنپور ضلع باندہ یوپی

غوث صمدانی قطب ربانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حنفیہ کو گمراہ فرقوں میں سے شمار فرمایا ہے تو اس کا جواب کیا ہے؟ تحریر فرمائیں بے انتہا کرم اور بے پایاں نوازش ہوگی۔

الجواب

از اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کتاب غنیۃ الطالبین کی نسبت حضرت شیخ محقق محدث عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تو یہ خیال ہے کہ وہ سرے سے حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہی نہیں۔ مگر یہ نفی مجرد ہے اور امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے تصریح فرمائی کہ اس کتاب میں بعض مستحقین عذاب نے الحاق کر دیا ہے فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں و ایاك ان تغتر بما وقع فی الغنیۃ للامام العارفین وشیخ الاسلام والمسلمین الاستاذ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فانہ دسہ علیہ فیھا من سینتقم اللہ منہ والافھو بریٔ من ذلك یعنی خبر دار دھوکہ نہ کھانا اس سے جو امام الاولیاء سردار اسلام و مسلمین حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غنیہ میں واقع ہوا کہ اس کتاب میں اسے حضور پر افترا کر کے ایسے شخص نے بڑھا دیا ہے کہ عنقریب اللہ عزوجل اس سے بدلہ لے گا۔ حضرت شیخ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس سے بری ہیں۔

ثانیاً۔ اسی کتاب میں تمام اشعریہ یعنی اہلسنت و جماعت کو بدعتی گمراہ گمراہ گر لکھا ہے کہ خلاف ماقالتہ الاشعریۃ من کلام اللہ معنی قائم بنفسہ واللہ حسیب کل مبتدع ضال مضل۔ کیا کوئی ذی انصاف کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ یہ سرکار غوثیت کا ارشاد ہے؟ جس کتاب میں تمام اہلسنت کو بدعتی گمراہ گمراہ گر لکھا ہے اس میں حنفیہ کی نسبت کچھ ہو تو کیا جائے شکایت ہے۔ لہٰذا کوئی محل تشویش نہیں۔

ثالثاً۔ پھر یہ خود صریح غلط اور افترا در افترا ہے کہ تمام حنفیہ کو ایسا لکھا ہے۔ غنیۃ الطالبین کے یہاں صریح لفظ یہ ہیں کہ ھم بعض اصحاب ابی حنیفۃ۔ وہ بعض حنفی ہیں اس سے نہ حنفیہ پر الزام آسکتا ہے نہ معاذ اللہ حنفیت پر، آخر یہ تو قطعاً معلوم ہے اور سب جانتے ہیں کہ حنفیہ میں بعض معتزلی تھے جیسے زمخشری صاحب کشاف و عبدالجبار و مطرزی صاحب مغرب و زاہدی صاحب قنیہ و حاوی و مجتبیٰ پھر اس سے حنفیت و حنفیہ پر کیا الزام آیا؟ بعض شافعیہ زیدی رافضی ہیں اس سے شافعیہ و شافعیت پر کیا الزام آیا؟ نجد کے وہابی سب حنبلی ہیں۔ پھر اس سے حنبلیہ و حنبلیت پر کیا الزام آیا؟ جانے دو رافضی خارجی معتزلی وہابی سب اسلام ہی میں سے نکلے اور اسلام کے مدعی ہوتے پھر معاذ اللہ اس سے اسلام و مسلمین پر کیا الزام آیا؟

رابعاً۔ کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار میں بسند صحیح حضرت ابوالتقی محمد بن ازہر صریفینی سے ہے مجھے رجال الغیب کے دیکھنے کی تمنا تھی مزار پاک امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور ایک مرد کو دیکھا دل میں آیا کہ مردان غیب سے ہیں وہ زیارت سے فارغ ہو کر چلے یہ پیچھے ہوئے۔ ان کے لئے دریائے دجلہ کا پاٹ سمٹ کر ایک قدم بھر کا رہ گیا کہ وہ پاؤں رکھ کر اس پار ہو گئے۔ انھوں نے قسم دے کر روکا اور ان کا مذہب پوچھا فرمایا حنیفا مسلما وما انا من المشرکین۔ یہ سمجھے کہ حنفی ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بارگاہ میں عرض کے لئے حاضر ہوئے، حضور اندر ہیں دروازہ بند ہے ان کے پہونچتے ہی حضور نے اندر سے ارشاد فرمایا اے محمد آج روئے زمین پر اس شان کا کوئی ولی حنفی المذہب نہیں۔ کیا معاذ اللہ گمراہ بد مذہب لوگ اولیاء اللہ ہوتے ہیں جن کی ولایت کی خود سرکار غوثیت نے شہادت دی (فتاوی رضویہ جلد نہم ص ۲۹) خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں جبکہ کتابیں چھپتی نہیں تھیں بلکہ قلمی ہوا کرتی تھیں ان میں الحاق آسان تھا۔ اسی لئے حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے کلام میں بھی الحاقات ہوئے۔ اور حضرت شیخ اکبر محی الدین بن عربی علیہ الرحمۃ والرضوان کے کلام میں تو اس قدر الحاقات ہوئے کہ شمار نہیں کئے جا سکتے۔ جن کو حضرت امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر" میں بیان فرمایا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ خود میری زندگی میں میری کتاب میں حاسدوں نے الحاقات کر دیئے۔ اسی طرح حکیم سنائی اور حضرت خواجہ حافظ شیرازی وغیرہما اکابرین کے کلام میں الحاقات ہونا حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں بیان فرمایا تو اسی طرح غنیۃ الطالبین میں حنفیہ کا گمراہ فرقوں سے شمار الحاقات میں سے ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہی ایسا لکھا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضرت نے بعض اصحاب حنفیہ کو گمراہ فرمایا ہے جو فروعی مسائل میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تقلید کرتے تھے۔ جیسے کہ آج کل دیوبندی اور مودودی وغیرہ فروعی مسائل میں حضرت امام اعظم کی اتباع کرنے کے سبب حنفی کہلاتے ہیں اور گمراہ و بد مذہب ہیں

وھو تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم جل شانہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ ۴۰: از ابرار احمد قادری، امجدی منزل اوجھا گنج ضلع بستی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ زید جو عالم دین ہے اسے معلوم ہوا کہ بکر نے خداوند قدوس کو گالی دی ہے اتفاق سے بکر اسی عالم دین کے پاس سیمنٹ کی بوریہ مانگنے آیا۔ عالم نے کہا کہ تم نے خدائے تعالٰی کو گالی دی ہے اس سے توبہ کرو تو ایک بوریہ کی بجائے ہم تمہیں دو بوریہ دیں گے، اگر توبہ نہیں کرو گے اور اسی حال میں مرجاؤ گے تو ہم تمہارا جنازہ نہیں پڑھیں گے نہ کسی کو پڑھنے دیں گے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے دیں گے۔ بکر نے عالم دین کی یہ باتیں سن کر توبہ نہیں کی اور بوریہ لئے بغیر اٹھ کر چلا گیا دو تین روز کے بعد بکر سخت بیمار ہوا اس عالم دین کو جب بکر کی بیماری کا علم ہوا تو پڑھے لکھے دو آدمیوں کو اس نے توبہ کرانے کے لئے بکر کے پاس بھیجا مگر وہ نزع کی حالت میں تھا توبہ کے الفاظ بھی نہ کہہ سکا، یہاں تک کہ مرگیا۔ کئی لوگوں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نہیں وہ اکثر خدائے تعالٰی کو فحش گالیاں دیا کرتا تھا، چونکہ جس آبادی کا یہ معاملہ ہے وہاں اکثر لوگ جاہل اور گنوار ہیں اس لئے بکر کی موت کے بعد عالم دین نے فتنہ و فساد کے خوف سے یہ کہا کہ ہم اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے مگر دوسروں کو پڑھنے سے روکیں گے بھی نہیں۔ آبادی میں جب یہ بات مشہور ہوگئی کہ فلاں عالم دین جو مسائل شرعیہ زیادہ جاننے والے ہیں انھوں نے خداوند قدوس کو گالی دینے والے کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کردیا تو پھر کوئی اس کی نماز جنازہ پڑھنے کو تیار نہیں ہوا۔ بکر کی موت کے وقت جن لوگوں کو عالم دین نے توبہ کرانے کے لئے بھیجا تھا ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ جب ہم لوگوں نے اس سے توبہ کرنے کے لئے کہا تھا تو اس نے کچھ ہونٹ ہلایا تھا۔ عالم دین نے کہا کہ اگر آپ کو اطمینان ہو کہ اس نے توبہ کرلی ہے تو جاکر نماز جنازہ پڑھادو مگر وہ بھی نماز جنازہ پڑھنے کی ہمت نہ کرسکا۔ زید عالم دین کا بیان ہے کہ میں یقین کی حد تک جانتا تھا کہ میرے انکار کردینے کے بعد کوئی جنازہ نہیں پڑھے گا اس لئے میں نے دوسروں کو روکنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ اور صرف انکار کردینے ہی کو کافی سمجھا۔ آبادی کے کچھ مسلمان خدائے تعالٰی کو گالی دینے والے کی حمایت میں کھڑے ہوگئے اسلامی طور و طریقہ پر اسے غسل و کفن دیکر مسلم قبرستان میں بغیر نماز جنازہ پڑھے ہوئے لے جاکر دفن کردیا۔ اور دوسرے روز عالم دین مذکور کے خلاف پنچایت کیا کہ انھوں نے نماز جنازہ پڑھنے سے کیوں انکار کیا۔ پنچایت میں آبادی کے سابق پردھان نے گالی دینے والے کی حمایت میں عالم دین مذکور کی سخت توہین کی۔ عالم دین نے پردھان سے اپنی غلطی ماننے اور

گالی دینے والے کی حمایت سے توبہ کرنے کو کہا اگر وہ غلطی ماننے اور توبہ کرنے کو تیار نہیں ہوا بلکہ برابر اس عالم دین کی مخالفت کر رہا ہے اور گالی دینے والے کے گھر والوں کو اس قدر اس عالم دین کے خلاف ابھارا کہ وہ عالم دین کے سخت دشمن ہوگئے ہیں اور مار پیٹ پر آمادہ ہیں۔ عالم دین نے پردھان اور گالی دینے والے کے گھر والوں سے کہا آپ اس کی حمایت میں اڑے ہوئے ہیں تو اب گالی دینے والے کی نماز جنازہ نہ ہونے کا غم نہ کرو بلکہ اپنی نماز جنازہ کی فکر کرو۔ کہ گالی دینے والے کی حمایت کرنے والے بھی گالی دینے والے کے حکم میں ہوگئے۔ مگر بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ پردھان کہتا ہے ہم توبہ نہیں کریں گے اپنے لڑکوں کو ہندی میں نماز جنازہ لکھا دیں گے وہ ہم لوگوں کی نماز جنازہ پڑھا دیں گے۔ اب دریافت طلب یہ امور ہیں۔

(۱) بکر خداوند قدوس کو گالی دینے کے بعد مسلمان رہ گیا یا کافر و مرتد ہوگیا؟

(۲) خداوند قدوس کو گالی دینے والے کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ اور اسے اسلامی طور و طریقہ سے غسل و کفن دے کر مسلم قبرستان میں دفن کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۳) جن لوگوں نے اسے شریعت کے مطابق اعزاز کے ساتھ غسل و کفن دے کر مسلم قبرستان میں دفن کیا ان پر توبہ لازم ہے یا نہیں؟

(۴) کیا زید عالم دین پر اس کی نماز جنازہ پڑھنا فرض تھا؟ اگر نہیں تو انکار کے سبب پردھان نے جو اس عالم دین کی توہین کی اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۵) پردھان اور گالی دینے والے کے گھر والے جو اس کی حمایت پر اڑے ہوئے ہیں اور نماز جنازہ سے انکار کے سبب عالم دین سے دشمنی کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(۶) اگر وہ لوگ اپنی غلطی نہ مانیں اور توبہ نہ کریں تو ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور زندگی میں مسلمان ان کے ساتھ کیسا سلوک کریں۔ بینوا توجروا

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب ۱، ۲ و ۳ خداوند قدوس کو گالی دینا کفر و ارتداد ہے۔ لہٰذا بکر دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہوگیا۔ شفا شریف اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے۔ (لاخلاف ان ساب اللہ تعالیٰ) ینسبہ الکذب او العجز ونحو ذلک (من المسلمین کافر حلال الدم) بل واجب السفک۔ ج ۲ ص ۳۹۱ اور جب کفر بکنے کے بعد مطالبہ کے باوجود اس نے توبہ نہ کی اور اسی حالت میں مر گیا

تو ہرگز ہرگز اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھنی چاہئے تھی اور نہ ہی بروجہ سنت اسے غسل وکفن دیکر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے تھا۔ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنا حرام اشد حرام بلکہ کفر انجام ہے۔ عینی اور کنز میں ہے "و(شرطها) ای شرط الصلاۃ علیہ (اسلام المیت) لقولہ تعالٰی ولا تصل علی احد منہم مات ابدا یعنی المنافقین وہم الکفرۃ" (عینی علی الکنز ج ۱ صـ۱۵ مطبوعہ پاکستان) ایسے کو بروجہ سنت غسل وکفن دے کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ناجائز در مختار اور شامی میں ہے "(اما المرتد فیلقی فی حفرۃ) ای لا یغسل ولا یکفن ولا یدفن الی من انتقل الی دینہم بحر عن الفتح" (شامی مطبوعہ پاکستان ج ۲ صـ۲۳۰) جن لوگوں نے غسل وکفن دیکر مسلمانوں کے قبرستان میں اعزاز کے ساتھ اسے دفن کیا سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے ان پر توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) زید عالم دین پر شخص مذکور کی نماز جنازہ پڑھنے سے احتراز فرض تھا اور اس احتراز کی وجہ سے پردھان کا اس عالم دین کی توہین کرنا کفر ہے۔ الاشباہ والنظائر صـ۱۹۱ میں فرمایا "الاستہزاء بالعلم والعلماء کفر"، پھر اس کی شرح غمز العیون ج ۲ صـ۲۳ میں فرمایا "قال فی البزازیۃ الاستخفاف بالعلماء کفر، لکونہ استخفافا بالعلم الخ"، مذکورہ پردھان پر توبہ تجدید ایمان اور بیوی رکھتا ہو تو تجدید نکاح اور عالم دین سے معافی مانگنا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۵) شخص مذکور بکر کا کفر وارتداد واضح ہوجانے کے بعد جو لوگ بھی اسکی حمایت کر رہے ہیں وہ اسکے کفر سے راضی ہونے کے باعث خود بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہوگئے۔ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری علیہ الرحمہ میں فرمایا "وفی الظہیریۃ۔ ان الرضا بکفر غیرہ ایضا کفر۔ وفی موضع آخر منہ الرضا بالکفر کفر۔" (شرح فقہ اکبر للملا علی القاری علیہ الرحمۃ الباری صـ۲۱۸) نیز اونر قدوس کو گالی دیکر بغیر توبہ مرجانے والے شخص کی نماز جنازہ سے انکار کے باعث عالم دین سے الجھنا ان کا کفر پر مزید اصرار اور خبث باطنی کا آئینہ دار ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا "لیس من امتی من لم یعرف لعالمنا حقہ" یعنی جو ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں۔ رواہ احمد والحاکم والطبرانی فی الکبیر عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ (فتاوٰی رضویہ جلد دہم نصف اول صـ۱۴۰) دوسری حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "لا یستخف بحقہم الا منافق بین النفاق" یعنی ان کے حق کو ہلکا نہ سمجھے گا مگر کھلا منافق۔ رواہ ابوشیخ فی التوبیخ عن جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (فتاوٰی رضویہ جلد دہم نصف اول صـ۱۴۰) خلاصہ پھر فتاوٰی رضویہ میں ہے "من ابغض عالما من غیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر" اور منح الروض الازہر میں ہے "الظاہر انہ یکفر" (فتاوٰی رضویہ ج ۱۰ نصف آخر صـ۱۴۰) واللہ تعالٰی اعلم

(۶) اگر وہ لوگ اپنی غلطی نہ مانیں اور بے توبہ مرجائیں تو ہرگز ہرگز ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی اور نہ ہی مسلمانوں

کے طریقہ پر غسل و کفن دے کر انھیں مقابر مسلمین میں دفن کیا جائیگا۔ اور زندگی میں اگر وہ لوگ توبہ، تجدید ایمان اور بیوی والے ہوں تو تجدید نکاح نہ کریں تو ان کے ساتھ مسلمانوں کو سلام و کلام نشست و برخاست اور مسلمانوں کا سا برتاؤ ناجائز و حرام ہوگا۔ علاقہ کے سبھی مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ ان کا شدید مقاطعہ اور سخت بائیکاٹ کریں تاکہ وہ توبہ پر مجبور ہو جائیں فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ محمد قدرت اللہ الرضوی غفرلہ،
دار الافتاء فیض الرسول براؤں شریف
۲۲، شوال المکرم ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۱۰: از مکان ۱۲۲ محلہ اسلام پورہ مالیگاؤں ضلع ناسک

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان میں لفظ دشمن کا استعمال کرنا کیسا ہے اور لفظ دشمن کے معنی و مطلب کیا ہیں؟

(۲) کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کا دشمن ہو سکتا ہے؟ جواب صواب سے مرحمت فرمائیں۔

الجواب: دشمنان دین کے مقابلہ میں لفظ دشمن کا اطلاق خدا پر ہو سکتا ہے دشمن کے لغوی معنی یہ ہیں، مخالف، بیری، بدخواہ، حریف، رقیب۔ (فیروز اللغات ص۵۹۵) اول الذکر معنی مراد لیتے ہوئے لفظ دشمن کے اطلاق میں شرعی جرم نہیں قرآن کریم میں ہے من کان عدو اللہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکٰل فان اللہ عدو للکفرین (پ۱ سورۂ بقرہ) اس آیت کریمہ کا ترجمہ امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ نے کنز الایمان میں یوں کیا ہے جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم

کتبہ غلام عبد القادر العلوی
۱۱، رجب، ۱۴۰۳ھ

کتابُ الطَّہارَۃ

وضو اور غسل کا بیان

مسئلہ۔ از عبدالمبین نعمانی۔ ذاکر نگر۔ جمشید پور۔

عورتیں وضو میں سر کا مسح کس طرح کریں؟ کیا مردوں کی طرح یہ بھی گدی سے ہاتھ پیشانی پر واپس لائیں؟

الجواب وضو میں سر کے مسح کا مستحب طریقہ دو طرح ہے۔ اول یہ کہ پوری ہتھیلیاں انگلیوں کے سرے تک تر کرکے پھر انگوٹھے اور کلمے کی انگلی کے سوا ایک ہاتھ کی باقی تین انگلیوں کا سرا دوسرے ہاتھ کی باقی تین انگلیوں کے سرے سے ملائے اور پیشانی کے بال یا کھال پر رکھکر گدی تک مسح کرتا ہوا اس طرح لیجائے کہ ہتھیلیاں سر سے جدا رہیں پھر وہاں سے ہتھیلیوں سے مسح کرتا ہوا آگے تک واپس لائے جیسا کہ جوہرہ نیرہ عنایہ اور کفایہ میں ہے واللفظ للکفایۃ کیفیتہ ان یضع من کل واحدۃ من الیدین ثلاث اصابع علی مقدم راسہ ولا یضع الابہام والسبحۃ ویجافی کفیہ ویمدھما الی القفا ثم یضع کفیہ علی مؤخر راسہ ویمدھما الی المقدم مراہ۔ فتاوی رضویہ میں مسح کے اس طریقہ کو بہتر فرمایا اور بہار شریعت میں اسی طریقہ کو بیان کیا گیا۔ اور مسح کا دوسرا مستحب طریقہ یہ ہے کہ سب انگلیاں سر کے حصے پر رکھے اور ہتھیلیاں سر کی کروٹوں پر اور ہاتھ جمائے ہوئے گدی تک کھینچ لے جائے بس جیسا کہ فتاوی قاضی خاں اور عالمگیری میں ہے واللفظ للھندیۃ یضع کفیہ واصابعہ علی مقدم راسہ ویمدھما الی قفاہ علی وجہ یستوعب جمیع الراس اھ۔ شرح نقایہ اور عمدۃ الرعایہ میں اسی دوسرے طریقہ پر جزم کیا اور فتاوی رضویہ میں فرمایا کہ سر کے مسح میں ادائے سنت کو یہ طریقہ بھی کافی ہے۔ رد المحتار اور بحر الرائق میں ہے قال الزیلعی تکلموا فی کیفیۃ المسح والاظہر ان یضع کفیہ واصابعہ علی مقدم راسہ ویمدھما الی القفا علی وجہ یستوعب جمیع الراس اھ۔ طحطاوی علی المراقی میں فرمایا وقال الزاھدی

ھٰکذا روی عن ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی اھ۔

لہٰذا عورتیں اور مرد بھی اگر پوری انگلیاں اور ہتھیلیاں سر کے اگلے حصے پر جا کر گدی تک لیجائیں اور پھر ہاتھ پیشانی پر واپس نہ لائیں تو ادائے مستحب کے لئے یہ طریقہ بھی کافی ہے۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
یکم شعبان المعظم ۹۹ھ

مسئولہ:۔ محمد عبداللطیف، ڈین اسٹریٹ کلکتہ

زید تین مرتبہ کہنیوں سمیت ہاتھ دھونے کے بعد کہنیوں سے ہتھیلی تک پانی بہاتا ہے پھر تین مرتبہ چلو میں پانی لے کر کہنیوں تک بہاتا ہے تو اسطرح وضو کرنا کس قدر جائز یا ناجائز ہے؟ دلیل کے ساتھ فتوی عنایت فرمائیں۔

الجواب:۔ وضو میں جس عضو کو جہاں تک دھونے کا حکم ہے اس مقدار کے ہر حصے پر ایک بار پانی بہانا فرض اور تین بار پانی بہانا سنت ہے خواہ تین بار پانی بہانے کے لئے کئی چلو پانی لینا پڑے یعنی تین چلو پانی لینا سنت نہیں بلکہ تین بار پانی بہانا سنت ہے جیسا کہ درمختار میں ہے تثلیث الغسل المستوعب ولاعبرۃ للغرفات اھ لہٰذا زید اگر کہنیوں سمیت ہاتھ کے ہر حصہ پر تین بار پانی بہانے کے بعد پھر کہنیوں سے ہتھیلیوں تک پانی بہاتا ہے تو اسراف وگناہ ہے لیکن اگر تین بار دھونے سے کہنیوں تک ہاتھ کے ہر حصہ پر تین بار پانی نہیں بہتا اسلئے پھر کہنیوں سے ہتھیلیوں تک بہاتا ہے تو کوئی گناہ نہیں کہ ہر حصہ پر تین بار پانی بہانے کے حکم پر عمل کرتا ہے مگر پھر تین مرتبہ چلو میں پانی لے کر کہنیوں تک بہانا ضرور اسراف وگناہ ہے بشرطیکہ تبرید یعنی ٹھنڈک پہونچانا مقصود نہ ہو۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۹ صفر المظفر ۱۳۹۹ھ

مسئلہ:۔ از حیدر علی متعلم دارالعلوم منظر اسلام التفات گنج ضلع فیض آباد۔

زید نے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے وضو کیا اور اس کی نیت صرف نماز جنازہ پڑھنے کی تھی لیکن نماز جنازہ پڑھنے

کے بعد اسی وضو سے نماز ظہر ادا کرلی تو اس کی نماز ظہر ادا ہوئی کہ نہیں؟ یا اسے نماز ظہر ادا کرنے کے لئے دوسرا وضو کرنا چاہئے تھا؟

الجواب ــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ــــ زید نے جو وضو کہ صرف نماز جنازہ پڑھنے کی نیت سے کیا پھر اس وضو سے نماز ظہر پڑھی تو وہ ادا ہوگئی کسی دوسرے فرض یا سنت کو ادا کرنے کیلئے بلا ناقض وضو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں۔ مسئلہ اصل میں یہ ہے کہ غیر ولی کو اگر نماز جنازہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اجازت ہے کہ پانی پر قدرت کے باوجود تیمم کرکے نماز جنازہ میں شامل ہوجائے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری صـ۲۹ میں ہے۔ یجوز التیمم اذا حضرت جنازۃ والولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطہارۃ ان تفوتہ الصلوٰۃ ولا یجوز للولی وھو الصحیح۔ ھکذا فی الھدایۃ۔ اس صورت میں تیمم کا جواز اس مجبوری کے سبب ہے کہ نماز جنازہ کی نہ قضا ہے نہ تکرار۔ مگر اس تیمم سے نہ وہ دوسری نمازیں پڑھ سکتا ہے اور نہ کوئی ایسا کام کرسکتا ہے کہ جس کے لئے باوضو ہونا شرط ہے اس لئے کہ پانی پر قدرت کے باوجود ایک عذر خاص کے سبب تیمم کو جائز قرار دیا گیا ہے تو وہ نماز جنازہ ہی تک محدود رہیگا کہ دوسری نمازوں کے لئے وہ عذر نہ رہا۔ مسئلہ تو صرف اسی قدر تھا مگر عوام نے اسے کچھ کا کچھ مشہور کردیا حالانکہ جو شخص پانی پر قادر نہ ہو اگر نماز جنازہ کے لئے تیمم کرے تو جب تک عذر باقی رہے گا وہ تیمم سب نمازوں کے لئے کافی ہوگا۔ اور جب تیمم جو وضو کا خلیفہ ہے اس کے لئے یہ حکم ہے تو اگر نماز جنازہ کے لئے وضو کیا گیا جو اصل ہے تو وہ بدرجۂ اولیٰ سب نمازوں کے لئے کافی ہوگا۔ ھکذا فی الجزء الاول من الفتاوی الرضویۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۱۸؍ ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ

مسئلہ: از زر محمد حنیف مدرسہ اسلامیہ جلال پور سکندرہ دریاپور ضلع کانپور۔

وضو کرنے کے بعد یا سنتیں پڑھنے کے بعد کبھی جمعہ کی نماز ختم ہونے کے بعد کبھی عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد منہ میں پاخانہ کی بو محسوس ہو اس وقت کیا کرنا چاہئے گاؤں میں جتنے کنویں ہیں ان میں تقریباً اسی طرح کا پانی ہوتا ہے کبھی کونوں میں وضو کرنے کے بعد بو معلوم ہوتی ہے۔ اور شہروں میں مساجد کے نلوں کا پانی کبھی نمکین ہوتا ہے جو پانی آج نمکین معلوم ہوتا ہے پہلے ایسا نہیں تھا بارہا کئی مہینہ پایا گیا مگر کبھی نمکین نہیں معلوم ہوا؟

الجواب بعون العزیز الملک الوهاب۔ ظاہر ہے کہ پانی بدبودار نہیں ہے اسلئے کہ اگر اس میں بدبو ہوتی تو وضو کرنے کے موقع پر خاص کر ناک میں پانی ڈالتے وقت ضرور محسوس ہوتی۔ غالباً جن لوگوں کے منہ میں نماز کے بعد پاخانہ کی بدبو محسوس ہوتی ہے ان کو پائریا کی بیماری ہے کہ اس مرض کی زیادتی میں ایسی ہی بدبو محسوس ہوتی ہے جس پانی میں پاخانہ کی بدبو ہو اس سے وضو وغیرہ ناجائز ہے اور نمکین پانی سے جائز ہے۔ درمختار مع شامی جلد اول ص۱۲۳ میں ہے یتنجس الماء القلیل بتغیر احد اوصافه من لون او طعم او ریح بنجس او تلفیصاً۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۲۱ میں ہے لا یجوز التوضؤ بماء الملح اذا ذهبت رقته وصار ثخینا فان بقیت رقته ولطافته جاز کذا فی فتاوی قاضی خان ملخصاً۔ وهو تعالی اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۴ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد حنیف مدرسہ اسلامیہ جلال پور سکندرہ پوسٹ دریاپور ضلع کانپور

نابالغ یا بالغ طلبہ وطالبات کا کنواں یا نل سے بھرا ہوا پانی مدرس وضو، غسل، طہارت کے کام میں لا سکتا ہے یا نہیں؟ اور مصلی حضرات اس پانی سے جو اوپر لکھا گیا وضو، غسل وطہارت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب دوسروں کے نابالغ بچے خواہ طلبہ ہوں یا طالبات، ان کا کنویں یا نل سے بھرا ہوا پانی بلا معاوضہ مدرس اور مصلی حضرات کو وضو، غسل، اور طہارت وغیرہ کسی کام میں لانا جائز نہیں۔ بہار شریعت حصہ چہاردہم ص۴۲ میں ہے "بعض لوگ دوسرے کے بچے سے پانی بھرا کر پیتے یا وضو کرتے ہیں یا دوسری طرح استعمال کرتے ہیں یہ ناجائز ہے۔ اور درمختار مع شامی جلد چہارم ص۵۳۱ میں ہے لا تصح هبة صغیر اهـ۔ البتہ اپنے نابالغ لڑکے یا دوسرے کے بالغ لڑکا لڑکی کا بھرا ہوا پانی استعمال کرنا جائز ہے۔ وهو تعالی اعلم

کتبہ
جَلَالُ الدِّین اَحْمَدُ الْاَمْجَدِی
۱۰ ربیع النور ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۔ از سمیع اللہ موضع جلالہ ضلع فتح پور۔

پاخانہ کے مقام سے اگر باریک کیڑا نکلا جو مثل چاول کے ہے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب ـــــ پاخانہ کے مقام سے باریک کیڑا نکلنے کے سبب بھی وضو ٹوٹ جائے گا درمختار میں ہے ینقضه خروج ریح او دودة او حصاة من دبر اھ ملخصاً۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۱ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۔ از محمد حنیف رضوی سنی رضوی مسجد۔ آگرہ روڈ کرلا بمبئی۔

اگر اعضائے وضو یا غسل پر تیل لگا ہو تو طہارت حاصل ہوگی یا نہیں؟

الجواب ـــــ جب کہ عضو کے ہر حصہ پر پانی گزر جائے تو طہارت حاصل ہو جائے گی اگرچہ تیل کے سبب عضو پانی کو قبول نہ کرے جیسا کہ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص۲۳ میں ہے اذا ادھن فامر الماء فلم یصل یجزی اھ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ ذوالقعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از غلام مرتضٰی حشمتی خطیب مسجد گلشن بغداد۔ آزاد نگر گھاٹ کوپر بمبئی ۸۶

باوضو کا عضو بعد وضو کچھ یا زیادہ کٹ گیا مگر خون کچھ بھی نہ نکلا کیا دوبارہ وضو کرے یا عضو مقطوع پر پانی بہانا کافی ہوگا؟

الجواب ـــــ جبکہ کٹے ہوئے عضو سے خون کچھ بھی نہ نکلا تو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں کما ھو الظاھر۔ اور کٹے ہوئے عضو پر پانی بہانا بھی لازم نہیں لان الغسل فی محله وقع طھارة حکمیة للبدن کله من الحدث لا یختص بذلک المحل فلا یزول حکمه بزواله کما ھو مصرح فی الکتب الفقھیة۔ اسی لئے وضو یا غسل کے بعد کسی نے اگر اپنے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے کسی حصہ سے کچھ چمڑا کاٹ کر نکال لیا اور خون نہیں بہا تو اس حصہ

پر پانی بہانا بھی ضروری نہیں جیسا حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں تشرّبعض جلد رجله او غیرها من الاعضاء بعد الوضوء او الغسل لایبطل طهارتہ ما غسل ذلك۔ (غنیہ ص۱۳۲) وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از ڈاکٹر شبیر احمد انصاری محلہ کریم الدین پور گھوسی ضلع اعظم گڈھ

زید نے نجس کپڑا پہن کر غسل جنابت کیا اور غسل کے درمیان کپڑا تن سے جدا نہیں کیا اس کا غسل ہوا کہ نہیں؟ اگر نہیں تو کیا علت ہے؟ حدیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکتب فقہ کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: نجس کپڑا پہن کر غسل کرنے کے بارے میں حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر غسل کرنے والے نے اپنے کپڑے پر بہت پانی ڈالا تو وہ پاک ہو جائے گا اور جب کپڑا پاک ہو جائے تو وہ صحت غسل کو مانع نہ ہوگا۔ فتح القدیر جلد اول ص۱۸۵ میں ہے قال ابو یوسف فی ازار الحمام اذا صب علیہ ماء کثیر و ھو علیہ یطھر بلاعصر اس لئے کہ غسل میں بہت زیادہ پانی ڈالنا یقیناً تین بار دھونے اور نچوڑنے کے قائم مقام ہو جائے گا جیسا کہ بحر الرائق جلد اول ص۲۳۹ میں ہے لایخفی ان الازار المذکور ان کان متنجسا فقد جعلوا الصب الکثیر بحیث یخرج ما اصاب الثوب من الماء ویخلفہ غیرہ ثلاثا قائما مقام العصر لیکن لوگ عموماً بہت زیادہ پانی نہیں ڈالتے جس سے نجاست اور پھیل جاتی ہے بلکہ ہاتھ میں نجاست لگ جاتی ہے پھر بے احتیاطی سے سارا بدن یہاں تک کہ برتن بھی نجس ہو جاتا ہے اس لئے پاک ہی کپڑا پہن کر غسل کرنا چاہئے اور یا تو محفوظ مقام پر ننگے نہانا چاہئے۔ ہاں اگر ندی وغیرہ میں غسل کرے اور نجاست ایسی ہو کہ بغیر ملے زائل نہ ہو تو اسے مل کر دھوئے۔ اور اگر ایسی نہ ہو تو پانی کے دھکے اور بہاؤ سے کپڑا خود بخود پاک ہو جائے گا۔ شامی جلد اول ص۲۲۲ میں ہے الجریان بمنزلۃ التکرار والعصر ھو الصحیح سراج وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد یعقوب جہنی پوسٹ تلولی ضلع بستی — ہمبستری کے بعد غسل کیوں واجب ہوتا ہے جبکہ دوسری نجاستیں صرف مقام مخصوص کو دھونے سے پاک ہو جاتی ہیں۔ دلیل کے ساتھ تحریر فرمائیں؟

الجواب ـــــــ قرآن مجید میں جنب کے متعلق مبالغہ کا صیغہ آیا ہے جیسا کہ پ۶ رکوع ۶ میں ہے وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا اور اس میں طہارت کے لئے حکم کو وضو کی طرح بعض اعضاء کے ساتھ خاص نہیں کیا گیا جس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ پورے بدن کی طہارت مطلوب ہے اور اس کی عقلی وجہیں تین ہیں۔ اول یہ کہ انزال منی کیساتھ قضائے شہوت میں ایسی لذت کا حصول ہوتا ہے کہ جس سے پورا بدن متمتع ہوتا ہے اس لئے اس نعمت کے شکریہ میں پورے بدن کے دھونے کا حکم ہوا۔ اسی سبب سے وجوب غسل کے لئے علی وجہ الدفق والشہوۃ کی قید ہے کہ بغیر ان کے لذت کا حصول نہیں ہوتا اسی لئے اس صورت میں وضو واجب ہوتا ہے نہ کہ غسل۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جنابت پورے بدن کی قوت سے حاصل ہوتی ہے اسی لئے اس کی زیادتی کا اثر پورے جسم سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا جنابت سے پورا بدن ظاہر و باطن بقدر امکان دھونے کا حکم ہوا اور یہ باتیں پیشاب وغیرہ میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں حاضری کے لئے کمال نظافت چاہئے اور کمال نظافت پورے بدن کے غسل ہی سے حاصل ہوگا مگر پیشاب وغیرہ جس کا وقوع کثیر ہے اس میں خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بندوں کی آسانی کے لئے وضو کو غسل کے قائم مقام کر دیا اور جنابت کا وقوع چونکہ کم ہے اس لئے اس میں پورے بدن کا دھونا لازم قرار دیا گیا جیسا کہ تفسیر روح البیان جلد دوم ص۳۵۵ اور بدائع الصنائع جلد اول ص۳۶ میں ہے۔ انما وجب غسل جمیع البدن بخروج المنی ولم یجب بخروج البول والغائط وانما وجب غسل الاعضاء المخصوصۃ لاغیر بوجوہ احدھا ان قضاء الشہوۃ بانزال المنی استمتاع بنعمۃ یظہر اثرھا فی جمیع البدن وھو اللذۃ فامر بغسل جمیع البدن شکرا لھذہ النعمۃ وھذا لایتقرر فی البول والغائط۔ والثانی ان الجنابۃ تاخذ جمیع البدن ظاھرہ وباطنہ لان الوطی الذی ھو سببہ لایکون الا باستعمال لجمیع ما فی البدن من القوۃ حتی یضعف الانسان بالاکثار منہ ویقوی بالامتناع فاذا اخذت الجنابۃ جمیع البدن الظاھر والباطن وجب غسل جمیع البدن الظاھر والباطن بقدر الامکان ولا کذلک الحدث فانہ لایاخذ الا الظاھر من الاطراف لان سببہ یکون بظواھر الاطراف من الاکل والشرب ولایکونان باستعمال جمیع البدن فاوجب غسل ظواھر الاطراف لاجمیع البدن والثالث ان غسل الکل او البعض وجب وسیلۃ الی الصلاۃ التی ھی خدمۃ الرب سبحانہ وتعالٰی والقیام بین یدیہ وتعظیمہ فیجب ان یکون المصلی علی اطھر الاحوال وانظفھا لیکون اقرب الی التعظیم واکمل فی الخدمۃ وکمال النظافۃ یحصل بغسل جمیع البدن وھذا ھو العزیمۃ فی الحدث ایضا الا ان ذلک مما یکثر وجودہ فاکتفی فیہ بالیسر النظافۃ وھی تنقیۃ الاطراف التی تنکشف کثیرا وتقع علیہ الابصار ابدا واقیم ذلک مقام غسل کل البدن دفعا للحرج وتیسیرا وفضلا من اللہ ونعمۃ ولاحرج فی الجنابۃ لانھا لاتکثر فبقی الامر فیھا علی العزیمۃ۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۹ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ :- از برکت علی رضوی، مسجد نواپارہ (راجم) ضلع رائے پور (ایم۔ پی)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آلہ تناسل فرج میں داخل کیا گیا اور غیبوبت حشفہ پایا گیا مگر درمیان میں کپڑا حائل تھا اور انزال نہیں ہوا تو غسل واجب ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- جبکہ آلہ تناسل فرج میں داخل کیا گیا اور غیبوبت حشفہ پایا گیا تو اگرچہ کپڑا حائل ہو اور انزال ہونا معلوم نہ ہو احتیاطاً وجوب غسل کا حکم کیا جائے گا۔ اس لئے کہ نفس انزال آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا اور کبھی منی کی قلت کے سبب منزل کو انزال کا ادراک نہیں ہوتا تو دخول حشفہ ہی کو انزال کے قائم مقام قرار دیا جائے گا بشرطیکہ اس کی گرمی محسوس ہو۔ ہدایہ میں ہے لانہ سبب الانزال ونفسہ یتغیب عن بصرہ وقد یخفی علیہ لقلتہ فیقام مقامہ اور عنایہ میں ہے نفس الانزال الذی ترتب علیہ الغسل یتغیب عن بصر المنزل وقد یخفی الانزال لقلۃ المنی فیقام الالتقاء مقام الانزال اور کفایہ میں ہے لانہ سبب الانزال اذ الغالب فی مثلہ الانزال وھو مغیب عن بصرہ وربما یخفی علیہ الانزال لقلتہ فاقیم السبب الظاھر وھو الالتقاء مقام الانزال۔ اور فتح القدیر میں ہے ربما یلتذ فیتنزل ویخفی۔ اور حاشیہ ہدایہ میں ملا الہداد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ جب دخول حشفہ کو وجوب حد میں انزال کے قائم مقام کیا گیا تو وجوب غسل میں بدرجۂ اولٰی انزال کے قائم مقام قرار دیا جائے گا۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے لان ھذا الفعل اقیم مقام الانزال فی حق وجوب الحد فلان یقوم فی الاغتسال اولٰی۔ اور الاشباہ والنظائر ص۲۳۳ میں ہے لا فرق فی الایلاج بین ان یکون بحائل اولا لکن بشرط ان تصل الحرارۃ معہ۔ وھو تعالٰی اعلم۔

جلال الدین احمد الامجدی
کتبہ
۱۰ ذی القعدہ ۹۸ھ

مسئلہ :- از چاند علی رضوی سنی نورانی مسجد سوریہ نگر وکرولی بمبئی ۸۳

زید نے اپنے ہاتھ سے منی نکالی تو اس پر غسل واجب ہوگا یا نہیں ؟ اور روزہ کی حالت میں ایسا کیا تو روزہ جاتا رہا یا نہیں ؟

الجواب :- استمنا بالید یعنی جلق اور مشت زنی کے سبب اگر منی اپنی جگہ سے شہوت کیساتھ

جدا ہو کر عضو سے نکلی تو غسل واجب ہے اور روزہ یاد ہوتے ہوئے اگر ایسا کیا تو روزہ جاتا رہا فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۳ میں ہے المعانی الموجبۃ للغسل ثلاثۃ منہا الجنابۃ وھی تثبت بسببین احدھما خروج المنی علی وجہ الدفق والشہوۃ من غیر ایلاج باللمس او النظر او الاحتلام او الاستمناء کذا فی محیط السرخسی تلخیصًا۔ اور عالمگیری کی اسی جلد کے ص۱۹۱ میں ہے الصائم اذا عالج ذکرہ حتی أمنی فعلیہ القضاء وھو المختار وبہ قال عامۃ المشائخ کذا فی البحر الرائق۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۱۴ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

کوئیں کا بیان

مسئلہ: از قاضی محمد طیب الحق عثمانی قادری رضوی مصطفوی گونڈوی علاؤالدین پور سعداللہ نگر ضلع گونڈہ۔

۱ — ایک مسلمان بے نمازی جو چھوٹا استنجا پانی یا ڈھیلے سے نہیں کرتا ہے معمولی طور پر غسل کر کے یعنی ایک دو ڈول پانی سر پر ڈال کر استعمالی کپڑا پہنے ہوئے بغرض نکالنے ڈول کے کنویں میں داخل ہوا اور غوطہ لگایا اب اس کنویں کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اگر اسی طرح کافر کنویں میں گھسا تو کنواں پاک رہا یا ناپاک ہوگیا؟

۲ — جس شخص پر غسل فرض ہوا اور وہ بغیر غسل کے کنویں میں داخل ہوگیا بغرض نکالنے ڈول کے تو اس کنویں کا کیا حکم ہے؟

۳ — ناپاک آدمی نے ڈول بھر کر سر پر ڈالا پھر دوسرا ڈول بھرنے میں کچھ قطرے اس کے بدن و کپڑے سے ٹپک کر کنویں میں گرے یا غسل کرنے میں چھینٹیں اڑ کر کنویں میں گریں تو کنواں نجس ہوگا یا نہیں؟

الجواب — اگر یقینی طور پر معلوم تھا کہ کنویں میں داخل ہونے والے کے بدن یا کپڑے پر نجاست حقیقیہ تھی تو سب پانی نکالا جائے۔ اور اگر کسی چیز کا نجس ہونا یقینی طور پر معلوم نہیں جب بھی احتیاطی حکم یہی ہے کہ کل پانی نکالا جائے اس لئے کہ عوام جاہل بے نمازی اور کافر غالبًا نجاست سے خالی نہیں ہوتے اور ان کا دو ایک ڈول سر پر ڈالنا عمومًا طہارت کے لئے کافی نہیں ہوتا ھکذا فی الجزء الاول

من الفتاوی الرضویۃ۔

۲ــــــ جس شخص پر غسل فرض ہوا اگر بلا ضرورت کنویں میں اترے اور اس کے بدن پر نجاست حقیقیہ نہ لگی ہو تو بیس ڈول نکالا جائے اور اگر ڈول نکالنے کے لئے اترا تو کچھ نہیں (فتاوی رضویہ ص۳۰۹ ج۱ و بہار شریعت ص۵۲ ج۲)

۳ــــــ غسل کرنے والے کے بدن یا کپڑے پر اگر کوئی نجاست حقیقیہ تھی اور اس کے پانی کی کوئی چھینٹ یا قطرہ کنویں میں گرا تو کل پانی ناپاک ہو جائے گا ورنہ مستعمل بھی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مستعمل پانی اگر غیر مستعمل پانی میں پڑے تو اسی وقت مستعمل کرے گا جب کہ مقدار میں اس کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے (فتاوی رضویہ) وھو تعالی اعلم۔

کتبــــــہ جلال الدین احمد امجدی
۲۴ر شوال ۱۳۹۰ھ

مسئلہ:۔ مسئولہ شاہ محمد۔ گورا۔ پوسٹ بھرا بازار بستی۔

ایک عورت حالت نفاس میں کنویں میں گر کر مر گئی گرنے کے بعد نکال دی گئی ایسی صورت میں کنویں کا پانی کس مقدار میں نکالا جائے جس سے کنواں پاک ہو جائے اور کنویں کا پانی بوجہ سوتا ہونے یکدم نکالنا دشوار ہے تو کس طریقے سے نکالا جائے؟

الجوابــــــ صورت مسئولہ میں کل پانی نکالا جائے اور اس قسم کے کنویں کے پانی نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پانی کی گہرائی کسی لکڑی یا رسی سے صحیح طور پر ناپ لی جائے چند آدمی بہت پھرتی سے سو ڈول نکال ڈالیں پھر پانی ناپیں جتنا کم ہو اسی حساب سے پانی نکالیں کنواں پاک ہو جائے گا۔ وھو اعلم۔

کتبــــــہ بدر الدین احمد
۷ر رجب ۱۳۷۷ھ

تیمم کا بیان

مسئلہ:۔ از جمیل احمد سائکل مستری بہراج گنج۔ ضلع بستی۔

ایک شخص کو غسل کی حاجت ہے۔ اتفاق سے اس کی آنکھ ایسے وقت کھلی جبکہ فجر کی نماز کا وقت بہت تنگ ہوگیا کہ اگر غسل کرے تو نماز قضا ہوجائے گی۔ تو کیا ایسا شخص غسل کا تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب ــــــ جبکہ نماز کا وقت اتنا تنگ ہوگیا کہ جلدی سے غسل کرکے نماز نہیں پڑھ سکتا تو اگر جسم پر کہیں نجاست لگی ہو تو اسے دھوکر غسل کا تیمم کرے اور وضو بناکر نماز پڑھ لے پھر غسل کرے اور سورج بلند ہونے کے بعد نماز دوبارہ پڑھے۔ ایسا ہی فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ ۵۸۳ میں ہے۔ مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے اور سارے بدن پر پانی بہانے کے بعد دو رکعت فرض پڑھنے بھر کا بھی وقت نہیں ہے اور اگر اتنا وقت تو ہے لیکن صابن وغیرہ لگاکر اہتمام سے نہانے بھر کا وقت نہیں ہے تو فرض ہے کہ صابن وغیرہ کے بغیر غسل کرکے نماز پڑھے۔ اس صورت میں اگر تیمم کرکے نماز پڑھی تو سخت گنہگار ہوگا۔ کما ھو الظاھر۔

کتبــــــــہ
جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از محمد حسن اشرفی مقام وپوسٹ سندھاوار ضلع راجکوٹ (گجرات)

اگر کسی نے اپنے گھر کو گوبر اور مٹی سے لیپا تو یہ لیپنا کیسا ہے؟ اور اس سے تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ــــــ مٹی کے ساتھ گوبر ملاکر لیپنا جائز نہیں کہ وہ نجاست غلیظہ ہے۔ بہار شریعت حصہ دوم طبع لاہور صفحہ ۹۵ پر ہے گائے بھینس کا گوبر اور بکری اونٹ کی مینگنی سب نجاست غلیظہ ہیں۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۴۳ پر ہے اخثاء البقر نجس نجاسۃ غلیظۃ ھکذا فی فتاوی قاضی خاں اور اس سے تیمم کرنا بھی جائز نہیں کہ تیمم کے لئے مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے قال اللہ تعالیٰ فتیمموا صعیدا طیبا وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبــــــــہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

معذور کا بیان

مسئلہ: از صغیر احمد یوسف زئی۔ اسٹیشن ماسٹر موتی گنج۔ گونڈہ

بکر جس کی عمر پچھتر سال ہے مفلوج بھی ہو گئے تھے جس کا اثر اب بھی ہے اب کچھ دنوں سے قطرہ قطرہ پیشاب ہر وقت آتا رہتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اپنی نماز کیسے ادا کرے؟

الجواب — وہ شخص کہ جسے ہر وقت پیشاب کا قطرہ آنے کی بیماری ہے اگر نماز کا ایک وقت پورا ایسا گذر گیا کہ وضو کے ساتھ نماز فرض ادا نہ کر سکا تو وہ معذور ہے اس کا حکم یہ ہے کہ فرض نماز کا وقت ہو جانے پر وضو کرے اور آخر وقت تک جتنی نمازیں چاہے اس وضو سے پڑھے اس وقت میں پیشاب کا قطرہ آنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا پھر اس فرض نماز کا وقت چلے جانے سے وضو ٹوٹ جائیگا۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۳۸ میں ہے المستحاضۃ ومن بہ سلس البول او استطلاق البطن او انفلات الریح او رعاف دائم او جرح لایرقأ یتوضؤن لوقت کل صلوٰۃ ویصلون بذلک الوضوء فی الوقت ماشاء وامن الفرائض والنوافل ھکذا فی البحر ۔ ویبطل الوضوء عند خروج الوقت المفروضۃ بالحدث السابق ھکذا فی الہدایۃ وھو الصحیح ھکذا فی المحیط فی نواقض الوضوء۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از چاند علی رضوی سنی نورانی مسجد سوریا نگر وکرولی ممبئی ۸۳ ...

خالدہ کو وزنی چیز اٹھانے یا چیخ کر بولنے اور شہوت کی بات ہونے سے پیشاب کے قطرے نکل آتے ہیں تو اس کے لئے نماز کی کیا صورت ہے۔؟

الجواب — خالدہ کو چاہئے کہ لنگوٹ باندھے رہے اگر اس کے باوجود پیشاب کے قطرے نکلیں تو جو کپڑا پیشاب سے ناپاک ہو جائے اسے اتار کر پاک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۰ رجمادی الاخری سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ:۔ از شکیل احمد خاں معرفت عبد الغنی اوشا انجینیرنگ جی۔ٹی روڈ۔ درگاپور۔

زید ایک نمازی لڑکا ہے اور جوان بھی ہے اس کو قطرہ قطرہ منی ٹپکنے کی بیماری ہے جب وہ پیشاب کرنے

جاتا ہے تو پیشاب کے بعد قطرہ ٹپک پڑتے ہیں اور ایسے بھی ٹپکتے ہیں۔ ایسی حالت میں بار بار کوئی بھی شخص دوسرا پاجامہ تبدیل نہیں کرسکتا ہے لہٰذا اس نے ایک ہاف پینٹ سلایا ہے جو پیشاب سے فارغ ہوکر اس کو پہن لیتا ہے ایسی صورت میں جو قطرے ہوتے ہیں وہ خالی کپڑے کے بنے ہوئے ہاف پینٹ جذب ہو جاتے ہیں اس طرح اوپر کی لنگی یا پاجامہ محفوظ رہتا ہے۔ تو کیا اس طرح اندر سے ہاف پینٹ پہن کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرسکتا ہے؟ اگر ہاف پینٹ نہ پہنے تو نماز ہی میں قطرہ ٹپکنے کا ڈر رہتا ہے!

الجواب ــــــ اگر کسی کپڑے میں ایک درہم سے زیادہ پیشاب یا منی لگ جائے تو اسے پہن کر نماز پڑھنے سے بالکل نہیں ہوگی جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۵۲ میں ہے اذا اصاب الثوب اکثر من قدر الدرهم یمنع جواز الصلاۃ کذا فی الکافی۔ لہٰذا اگر دوسرا پاک کپڑا پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے تو پاک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا زید پر فرض ہے اور اگر جانتا ہے کہ نماز پڑھتے پڑھتے پھر درہم سے زیادہ نجس ہو جائیگا تو اس نجس کپڑے کے ساتھ پڑھے نماز ہو جائے گی فتاوی عالمگیری جلد اول ص۴۹ میں ہے ان کان بحال لو غسله یتنجس ثانیا قبل الفراغ من الصلاۃ جاز ان لا یغسله وصلی قبل ان یغسله والا فلا هذا هو المختار هکذا فی المضمرات۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبــــــــه جلال الدین احمد الامجدی
۱۱ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ:۔ از میرپور پوسٹ قیصر گنج ضلع بہرائچ شریف مرسلہ محمود علی محمد صدیق محمد نذیر

زید کے کپڑے پر اگر ایک دن سے لے کر سات سال کا لڑکا پیشاب کردے تو بغیر صاف کئے اس کپڑے کو پہن کر وہ امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــ لڑکا یا لڑکی خواہ ایک روز کے ہوں یا سات سال کے ان کے پیشاب نجاست غلیظ ہیں کہ اگر کپڑے یا بدن میں لگ جائیں تو ان کا پاک کرنا فرض ہے بغیر پاک کئے نماز پڑھائی تو امام و مقتدی کسی کی نماز نہیں ہوگی۔ اور قصداً پڑھائی تو گناہ بھی ہوا۔ اور اگر بہ نیت استخفاف ہے تو کفر ہوا اور اگر درہم کے برابر ہے تو پاک کرنا واجب ہے بے پاک کئے نماز پڑھائی تو مکروہ تحریمی ہوئی یعنی ایسی نماز کو امام و مقتدی دونوں پر اعادہ واجب ہے اور قصداً پڑھائی تو گنہگار بھی ہوا اور اگر درہم سے کم ہے تو پاک کرنا سنت ہے بے پاک کئے نماز ہوگئی مگر خلاف سنت ہوئی

ایسی نماز کا اعادہ بہتر ہے هکذا فی بهار الشریعة لصدر الشریعة رحمة اللہ تعالٰی علیہ۔

کتبــــــــہ جلال الدین احمد امجدی
۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ

بَابُ الاوقَاتُ

نماز کے وقتوں کا بیان

مسئلہ: محمد صابر خان پرنس ٹیلر متصل گنا دفتر اسٹیشن روڈ بلرام پور گونڈہ۔

(۱) زید کا کہنا ہے کہ نماز عشاء تہائی رات کے بعد تاخیر سے ادا کرنا مستحب ہے مگر بعض اکابر حضرات علماء کرام ومشائخ عظام کو شروع وقت میں ادا کرتے دیکھا گیا استفسار پر معلوم ہوا کہ عوام خاص طور پر سردیوں میں لحاف میں گھس جانے کے بعد لحاف چھوڑ کر وضو کرنے اور مسجد جانے کی مشقت مشکل سے اٹھا پائیں گے اس طرح بعض کی جماعت جائیگی اور بعض کی تو نمازیں ہی جاتی رہیں گی اس اندیشہ کے پیش نظر بغرض حفاظت جماعت وفرض تسهيلاً للمسلمين ويسروا ولا تعسروا کو مدنظر رکھتے ہوئے شروع وقت ہی میں جبکہ عشاء کا وقت ہو جائے تو جماعت قائم کرنا نماز عشاء ادا کرنا فی الجملہ مستحب کہا جا سکتا ہے اور حدیث ما رواہ المسلمون حسنا فهو عند اللہ حسن کے تحت حسن بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ علماء ومشائخ کا نظراً الی تکاسل العوام مسجدوں میں سنن ونوافل کا ادا فرمانا۔ بکر کہتا ہے کوئی بھی ہو کچھ بھی کہے سب بیکار دیکھو اس نے مستحب جو ہے وہی ہے اس کے خلاف کو مستحب کہنا اور سمجھنا سراسر جہالت اور انتہائی بیوقوفی کی باتیں ہیں۔ ایسی صورت میں زید بکر کے بارے میں کیا حکم ہے اور کون حق پر ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: نماز عشاء میں تہائی رات تک تاخیر کو فقہائے کرام نے ضرور مستحب فرمایا ہے اسلئے

کہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے یستحب ان یؤخر العشاء یعنی سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشاء کی نماز میں تاخیر کو پسند فرماتے اور ایک روایت میں ہے لا یبالی بتاخیر العشاء الی ثلث اللیل یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشاء کی نماز کو تہائی رات تک پڑھنے میں کوئی تامل نہ فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۶۰) اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک دن عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے اس وقت تشریف لائے جب کہ تہائی رات گذر چکی تھی اور صحابۂ کرام بہت پہلے سے بیٹھے ہوئے انتظار کر رہے تھے تو حضور نے فرمایا لولا ان یثقل علی امتی لصلیت بھم ھذہ الساعۃ یعنی اگر میری امت پر گراں نہ گذرتا تو میں ان کو عشاء کی نماز تہائی رات ہی میں پڑھاتا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۶۱) اور احمد ترمذی، ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فرمایا، لولا ان اشق علی امتی لامرتھم ان یؤخروا العشاء الی ثلث اللیل او نصفہ یعنی اگر اپنی امت پر مجھے شاق گذرنے کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ عشاء کی نماز تہائی یا آدھی رات تک پڑھا کریں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۶۱) امام ترمذی نے فرمایا حدیث ابی ھریرۃ حدیث حسن صحیح وھو الذی اختارہ اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والتابعین، یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ و تابعین کے اکثر علماء نے اختیار فرمایا ہے (ترمذی شریف جلد اول ص۲۳) اور حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحریر فرماتے ہیں، وورد فی التاخیر اخبار کثیرۃ صحاح وھو مذھب اکثر اھل العلم من الصحابۃ والتابعین، یعنی عشاء کی نماز کے مؤخر کرنے کے بارے میں بہت سی صحیح حدیثیں مروی ہیں اور یہی صحابہ و تابعین کے اکثر علماء کا مذہب ہے (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۹۹) ظاہر ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے علمائے کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے عشاء کی نماز کو تہائی رات ہی میں پڑھنے کو پسند فرمایا کہ عبادات الٰہی میں مشقت زیادتی ثواب کا باعث ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحریر فرماتے ہیں، "تاخیر نماز عشاء مستحب ست بجہت حصول تعب و مشقت در عبادت حق" یعنی خدائے تعالٰی کی عبادت میں کلفت و مشقت حاصل ہونے کے لئے عشاء کی نماز میں تاخیر مستحب ہے (اشعۃ اللمعات جلد اول ص۲۸۳) اسی لئے نماز عشاء میں تہائی رات تک تاخیر کو مستحب فرمایا گیا تسہیلاً للمسلمین اور یسروا ولا تعسروا کے پیش نظر اسے واجب نہیں قرار دیا گیا اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم، صحابۂ کرام، تابعین عظام اور فقہائے اسلام نے تہائی رات میں عشاء کی نماز کو پسند فرماتے ہوئے اسے مستحب قرار دیا تو ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ

حسن کے تحت ان حضرات کی پسند پر آج کے مسلمانوں کی پسند کو ترجیح دے کر ہر حالت میں اول وقت میں پڑھنے کو حسن نہیں قرار دیا جا سکا "جس مسئلہ میں کوئی روایت منقول نہ ہو صرف اسی میں مسلمانوں کی پسند کو حسن قرار دیا جائیگا۔
پھر بعض فقہائے کرام تہائی رات تک مؤخر کرنے کو مطلق رکھا یعنی سردی اور گرمی کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۴۸ میں ہے یستحب تاخیر العشاء الی ثلث اللیل اھ تلخیصاً مگر بعض حدیثوں میں چونکہ سردی اور گرمی کے موسم کا حکم الگ الگ ہے اس لئے بہت سے فقہائے کرام نے صرف سردی میں تہائی رات تک مؤخر کرنے کو مستحب فرمایا اور گرمیوں میں تعجیل ہی کو مستحب فرمایا جیسا کہ فقیہ النفس حضرت قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں یعجل العشاء فی الصیف ویؤخر فی الشتاء الی ثلث اللیل ۔ لقولہ علیہ السلام لمعاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخر العشاء فی الشتاء فان اللیل فیہ طویل وعجل فی الصیف فان اللیل فیہ قصیر ھٰذا اذا کانت السماء مصحیۃ فان کانت متغیمۃ یعجل اھ ملخصاً یعنی گرمیوں میں عشاء کی نماز جلدی پڑھی جائے اور جاڑوں میں تہائی رات تک مؤخر کیا جائے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ سردی میں عشاء کی نماز مؤخر کرو اس لئے کہ رات اس موسم میں بڑی ہوتی ہے اور گرمیوں میں عشاء کی نماز کے لئے جلدی کرو کہ اس موسم میں رات چھوٹی ہوتی ہے اور یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جبکہ آسمان صاف ہو اور اگر ابر آلود ہو تو ہر موسم میں عشاء کی نماز کے لئے جلدی کی جائے۔ اور حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں یستحب تاخیر صلاۃ العشاء الی ثلث اللیل قیدہ فی الخانیۃ والتحفۃ والمحیط الرضوی والبدائع بالشتاء اما بالصیف فیستحب التعجیل نھر لئلا تقل الجماعۃ لقصر اللیل فیہ اھ یعنی عشاء کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے اس حکم کو خانیہ، تحفہ، محیط رضوی اور بدائع میں صرف جاڑے کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور گرمیوں میں جلد پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے تاکہ جماعت کم نہ ہوسکے کہ اس موسم میں رات چھوٹی ہوتی ہے (طحطاوی علی مراقی ص۹۹) حدیث شریف اور فقہائے کرام کی مذکورہ بالا عبارتوں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ سردی کے سبب عشاء کی نماز میں تعجیل کو مستحب نہیں قرار دیا جائے گا گرمیوں میں دن بڑھنے اور رات کے چھوٹی ہونے کے سبب یا بارش کی وجہ سے البتہ تعجیل مستحب ہے پھر زمانۂ سابق میں سردی سے بچنے کے لئے لوگوں کے پاس سامان کم تھے اس کے باوجود حضور سردی میں تاخیر کو پسند فرمایا تو آج جب کہ لوگوں کے پاس سردی سے بچاؤ کے سامان زیادہ ہیں سردی میں تعجیل کو کیوں کر مستحب قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ آج کل عام شہروں، قصبوں بلکہ

بعض دیہاتوں میں بھی روشنی کی سہولتوں اور ہوٹلوں وغیرہ کے سبب تہائی رات کے بعد بھی کافی چہل پہل اور لوگوں کی آمدرفت رہتی ہے لہٰذا کچھ کاہلوں کے سبب ہر موسم میں تعجیل کو مستحب قرار نہیں دیا جا سکتا کہ سردی میں رات بڑی ہونے کے سبب بعد نماز لوگ دنیاوی باتوں میں مصروف ہونگے جس کی حدیث شریف میں ممانعت ہے ہاں اگر کسی گاؤں کے لوگ عام طور پر اول وقت کھا پی کر سونے کے عادی ہوں اور تہائی رات تک عشاء کے مؤخر کرنے میں اکثر لوگوں کی جماعت ترک ہوجاتی ہو تو خاص کر اس صورت میں تعجیل کو مستحب ضرور قرار دیا جائے گا جیسا کہ طحطاوی کی تعلیل: لئلا تقل الجماعۃ سے ظاہر ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۸ر جمادی الاخری سنہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ:۔ از ابوالکلام احمد کسم کھور۔ ضلع فرخ آباد۔

مجھ سے ایک بزرگ نے صلوٰۃ الاولیا پڑھنے کو فرمایا تھا صرف صبح کا نام لیا تھا میں تفصیلی طور پر ان سے یہ دریافت نہ کر سکا کہ صبح کو کس وقت، صبح صادق سے پہلے یا بعد میں پڑھی جائے اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ صبح صادق کے بعد فجر کی نماز سے پیشتر اگر پڑھی جائے تو کیا حرج ہے اس لئے کہ صبح صادق سے قبل ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے تفصیل طور پر ارشاد فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب ـــــــ صلاۃ الاولیا نماز نفل ہے اور صورت مستفسرہ میں نفل نماز رات میں صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے پڑھ سکتے ہیں پھر بعد طلوع فجر طلوع آفتاب تک سوائے دو رکعت سنت فجر کے اور کوئی نفل نماز تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضو وغیرہ جائز نہیں (بہار شریعت) اور فتاوی عالمگیری میں ہے یکرہ فیہ التطوع باکثر من سنۃ الفجر۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۴ر ربیع الاول سنہ ۹۷ھ

مسئلہ:۔ از قاضی نہال الدین مقیم بارک پار ضلع بستی

(۱) مغرب کی نماز میں دوسرے نمازیوں کے وضو کے انتظار میں دیر کرنا صحیح و درست ہے یا نہیں؟

عشاء کے پہلے سونے سے عشاء کا وقت ختم ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــ جماعت کے آدمی موجود ہوتے ہوئے وقت مستحب سے زیادہ انتظار کی ضرورت نہیں

بلکہ بعض دوسرے مقتدیوں کو گراں گذرے تو انتظار منع ہے اور مغرب میں تاخیر کرنی مکروہ ہے پھر جتنی تاخیر ہوگی کراہت بڑھتی جائیگی لہذا ایسی صورت میں جماعت کے آدمی موجود ہونے پر دوسرے بعض نمازیوں کے لئے انتظار کرنا اور جماعت کو مؤخر کرنا جائز نہیں حتی کہ اگر خود جماعت تاخیر سے ہونے والی ہو تو تنہا نماز پڑھ لے اور تاخیر کی کراہت سے بچے هکذا فی الفتاوی۔ (۲) مغرب کا وقت ختم ہو جانے کے بعد صبح صادق کے پہلے تک عشاء کا وقت ہے۔ لہذا اس درمیان میں جب بھی نماز پڑھے خواہ سو کر یا بغیر سوئے نماز ادا ہو جائے گی ہاں نماز عشاء پڑھنے سے پہلے سونا مکروہ ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کان یکرہ النوم قبلها والحدیث بعدها (متفق علیہ مشکوٰۃ شریف) سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عشاء پڑھنے سے پہلے سونا اور عشاء پڑھنے کے بعد بات چیت کرنا (مکروہ) ناپسند فرماتے تھے۔ پھر دوسری حدیث حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متن سے مروی ہے آپ نے فرمایا فمن نام فلا نامت عینہ فمن نام فلا نامت عینہ فمن نام فلا نامت عینہ (رواہ مالک عن عمر بن الخطاب مشکوٰۃ شریف) یعنی جو شخص عشاء پڑھنے سے پہلے سوئے تو اس کی آنکھیں نہ سوئیں جو سو جائے تو اس کی آنکھیں نہ سوئیں جو سو جائے تو اس کی آنکھیں نہ سوئیں" حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی غضب میں یہ دعا فرمائی کہ ایسے شخص کو آرام و سکون نصیب نہ ہو۔ بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ عشاء پڑھنے سے پہلے سونا تنگی رزق اور افلاس پیدا کرتا ہے۔ لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے سو کر دینی اور دنیاوی نعمتوں سے محروم نہ ہوں۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد نعیم الدین عفی عنہ
۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۸۱ھ

مسئلہ۔ از محمد فیروز عبد الجبار گمان اسٹرڈم (ہالینڈ)

سال گذشتہ ہم نے کوشش کر کے حضرت علامہ مفتی سید محمد افضل حسین صاحب فیصل آباد پاکستان کے ذریعہ اور دیگر علماء معتبرین کی نگرانی میں ایمسٹرڈم (ہالینڈ) کا نقشہ اوقات الصلاۃ تیار کرایا تھا۔ شائع ہونے کے بعد گرمی کے چند ایام جن میں حنفیہ کے نزدیک عشاء کا وقت نہیں ہوتا اس کے بارے میں یہاں کچھ انتشار پیدا ہو گیا ہے۔ مسلمانوں میں انتشار اور فتنہ و فساد کو دفع کرنے کے لئے جن ایام میں شفق ابیض غروب نہیں ہوتی کیا اگر صرف

شفق احمر کے غروب کا ثبوت مل جائے تو صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے نماز عشاء ادا کی جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب غروب شفق احمر کے بعد شفق ابیض میں عشاء کی نماز اگرچہ صاحبین کے قول پر ہو جائیگی لیکن امام مذہب حنفیہ حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جمہور مشائخ مذہب کے نزدیک اس صورت میں عشاء کی فرض نماز ذمہ سے ساقط نہ ہوگی پڑھی بے پڑھی برابر رہے گی اور بعد میں پڑھنے سے سب کے نزدیک متفقہ طور پر ہو جائے گی فتاویٰ قاضی خان میں ہے اول وقت العشاء حین یغیب الشفق لا خلاف فیہ وانما اختلفوا فی الشفق قال ابویوسف ومحمد والشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ: ھی الحمرۃ وقال ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ھو البیاض المعترض الذی یلی الحمرۃ حتی لو صلی العشاء بعد ماغابت الحمرۃ ولم یغب البیاض المعترض الذی یکون بعد الحمرۃ لا تجوز عندہ ۱ھ اور پھر ائمہ مذہب حنفیہ میں کسی امام سے یہ منقول نہیں کہ بلغاریہ اور لندن وغیرہ میں جبکہ شفق ابیض غروب نہ ہو تو صاحبین کے قول پر اسی میں نماز عشاء پڑھ لی جائے لہٰذا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب جو احتیاط پر مبنی ہے اسی کو اختیار کیا جائے اور اسی پر عمل کیا جائے جیسا کہ درمختار و ردالمحتار کے حوالے سے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قول امام کو اختیار کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ جن شہروں میں عشاء کا وقت ہی نہ آئے کہ شفق ڈوبتے ہی یا ڈوبنے سے پہلے فجر طلوع ہو جائے (جیسے بلغاریہ و لندن کہ ان جگہوں میں ہر سال چالیس راتیں ایسی ہوتی ہیں کہ عشاء کا وقت آتا ہی نہیں اور بعض دنوں سکنڈوں اور منٹوں کے لئے ہوتا ہے) تو وہاں والوں کو چاہیے کہ ان دنوں کی عشاء اور وتر کی قضا پڑھیں۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص۱۹) ھذا ما ظھر لی وھو اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

بَابُ الاذانُ وَالاقامَۃ

اذان اور اقامت کا بیان

مسئلہ ۱ ۔ از سید شاہ محمد حسنی حسینی چشتی القادری اشرفی صوفیہ اسٹریٹ گنگل (اے پی)

یہاں چند مخلفانہ خیالات رکھنے والے مسلمان بھائی اعتراضات کرتے ہیں کہ قبل اذان اور قبل اقامت بلند آواز سے درود شریف پڑھنا اور پڑھکر اذان واقامت دینا درست نہیں۔ مگر مسجد میں روزانہ بلند آواز سے درود شریف پڑھکر یہیں اذان دی جاتی ہے اور پست آواز سے درود شریف پڑھکر اقامت کہی جاتی ہے اس کو روکنے کیلئے روزانہ تحقیقات مخالفانہ مسلمان بھائی کر رہے ہیں۔ امید رکھتا ہوں براہ کرم اس کا جواب عنایت فرماکر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب ـــــــ بعون الملک الوھاب ۔ اذان واقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا جائز ہے مگر درود شریف پڑھنے کے بعد قدرے ٹھہر جائے پھر اذان واقامت پڑھے تاکہ دونوں کے درمیان فصل ہوجائے یا درود شریف کی آواز اذان واقامت کی آواز سے پست رہے تاکہ امتیاز رہے۔ بلکہ علمائے کرام کثرہم اللہ تعالیٰ نے اقامت سے پہلے اور اس قسم کے دوسرے مواقع میں درود شریف پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے جیساکہ ردالمحتار جلد اول ص۳۴۳ مطبوعہ دیوبند میں ہے نص العلماء علی استحبابها فی مواضع یوم الجمعة ولیلتها وزید یوم السبت والاحد والخمیس لما ورد فی کل من الثلاثة وعند الصباح والمساء وعند دخول المسجد والخروج منه وعند زیارة قبره الشریف صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وعند الصفا والمروة وفی خطبة الجمعة وغیرها وعقب اجابة المؤذن وعند الاقامة واول الدعاء واوسطه وآخره وعقب دعاء القنوت وعند الفراغ من التلبیة وعند الاجتماع والافتراق وعند الوضوء وعند طنین الاذان وعند نسیان الشئ وعند الوعظ ونشر العلوم وعند قراءة الحدیث ابتداءً وانتهاءً وعند کتابة السؤال

والفتیا ولکل مصنف ودارس ومدرس وخطیب وخاطب ومتزوج ومزوج فی الرسائل وبین یدی سائر الامور المهمة وعند ذکر وسماع اسمه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او کتابتہ عند من لا یقول بوجوبہا کذا فی شرح الفاسی علی دلائل الخیرات ملخصًا وغالبہا منصوص علیہ فی کتبنا اھ۔ اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "درود شریف قبل اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے (فتاویٰ رضویہ جلد دوم باب الاذان والاقامۃ ص۳۹۵ مطبوعہ لائل پور) اگر منافقین اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عہد میں اذان واقامت سے پہلے درود شریف نہیں پڑھا جاتا تھا تو منافقین سے کہئے کہ مسلمان بچوں کو جو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے۔ ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں۔ کلموں کی تعداد ان کی ترتیب اور ان کے نام سب بدعت ہیں۔ قرآن شریف کا تیس پارہ بنانا، ان میں رکوع قائم کرنا اس پر اعراب یعنی زبر زیر وغیرہ لگانا اور آیتوں کا نمبر لگانا سب بدعت ہے۔ حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا حدیث کی قسمیں بنانا پھر ان کے احکام مقرر کرنا سب بدعت ہیں۔ اصولِ حدیث اصولِ فقہ کے سارے قاعدے قانون سب بدعت ہیں۔ نماز کیلئے زبان سے نیت کرنا یہ بھی بدعت ہے۔ روزہ کی نیت اس طرح زبان سے کہنا نویت ان اصوم غدًا للہ تعالیٰ اور افطار کے وقت ان الفاظ کو زبان سے کہنا اللّٰھم لک صمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت وعلیٰ رزقک افطرت یہ دونوں بدعت ہیں اور خطبہ کی اذان داخل مسجد کہنا یہ بھی بدعت ہے حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اول ص۱۶۲ میں ہے عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں۔ اذان واقامت سے پہلے درود شریف پڑھنے کی مخالفت کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ ان بدعتوں کی بھی مخالفت کریں۔ مگر وہ لوگ ان بدعتوں کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ جس سے انبیائے کرام وبزرگان دین کی عظمت ظاہر ہو صرف اسی کی مخالفت کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی بات یہ نہیں کہ عظمت نبی کا دشمن ابلیس جنت سے نکال دیا گیا اور یہ لوگ عظمت نبی کی مخالفت کرکے جنت میں جانے کا خواب دیکھتے ہیں خدائے تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲ر جمادی الاخریٰ سنہ [illegible]ھ

مسئلہ: از شوکت علی موضع پوریہ پوسٹ دیوکلی پور ضلع بستی۔

ہندہ نماز کے لئے مسجد میں اذان دیتی ہے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: نماز کے لئے ہندہ کی اذان صحیح نہیں اور جائز بھی نہیں کہ عورت کو آواز بلند کرنا حرام ہے اور جو نمازیں اس کی اذان پر پڑھی گئیں وہ نمازیں بغیر اذان پڑھی گئیں۔ ردالمحتار جلد اول ص۲۶۵ میں ہے اما النساء فیکرہ لھن الاذان وکذا الاقامۃ لما روی عن انس وابن عمر من کراھتھما لھن ولان مبنی حالھن علی الستر ورفع صوتھن حرام اھ۔ الطحطاوی علی مراقی ص۱۰۷ میں ہے قال فی السراج اذا صلوا باذان المرأۃ فکانھم صلوا بغیر اذان وجزم بہ فی البحر والنھر اھ۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از زکی الدین پڑی ضلع بستی

نابالغ لڑکے کی اذان درست ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نابالغ لڑکا اگر سمجھدار ہے تو اس کی اذان درست ہے۔ بہار شریعت میں ہے کہ سمجھ وال بچہ، غلام، اندھے اور ولد الزنا کی اذان صحیح ہے اھ۔ درمختار میں ہے ویجوز بلا کراھۃ اذان صبی مراھق اھ۔ ردالمحتار میں ہے المراد بہ العاقل وان لم یراھق کما ھو ظاھر البحر وغیرہ اھ۔ اور فتاوی عالمگیری میں ہے اذان الصبی العاقل صحیح من غیر کراھۃ فی ظاھر الروایۃ ولکن اذان البالغ افضل اھ۔ یعنی ظاہر روایت میں سمجھدار بچے کی اذان بلا کراہت درست ہے لیکن بالغ کا اذان پڑھنا افضل ہے اور اگر لڑکا سمجھدار نہیں تو اس کی اذان درست نہیں جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے اذان الصبی الذی لا یعقل لا یجوز ویعاد وکذا المجنون ھکذا فی النھایۃ۔ اور سمجھدار بچے کی پہچان یہ ہے کہ لوگ اس کی اذان کو اذان سمجھیں کھیل نہ سمجھیں۔ واللہ تعالٰی ورسولہ الاعلی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از۔ غلام جیلانی خلیل آباد ضلع بستی۔

کیا فرماتے ہیں حضرت مفتی صاحب قبلہ اس مسئلہ میں کہ آپ کی تصنیف انوار الحدیث ص۱۱۹ میں درمختار اور بہار شریعت کے حوالے سے تحریر ہے کہ فاسق کی اذان کا اعادہ کرے۔ اور حضرت مفتی اعظم ہند بریلی شریف نے فتاوی مصطفویہ ص۴۵ میں عالمگیری کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ فاسق کی اذان کا اعادہ نہیں۔ تو اس کے بارے میں تحقیقی جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب بعون الملك العزيز الوهاب: فقہائے کرام نے بالاتفاق فاسق کی اذان کو مکروہ فرمایا ہے تنویر الابصار اور درمختار میں ہے یکرہ اذان جنب وامرأۃ وفاسق ولو عالما اھ یعنی جنب، عورت اور فاسق کی اذان مکروہ ہے اگرچہ وہ عالم ہو۔ اور کنز الدقائق و بحر الرائق میں ہے کرہ اذان الجنب والمرأۃ والفاسق اھ تلخیصا یعنی جنب، عورت اور فاسق کی اذان مکروہ ہے اور فتح القدیر جلد اول ص۲۱۵ میں ہے صرحوا بکراهة اذان الفاسق من غير تقييد بكونه عالما اوغيره اھ یعنی عالم غیر عالم کی قید کے بغیر اذان فاسق کے مکروہ ہونے کی فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ پھر چونکہ اذان شعائر اسلام سے ہے اور فاسق کی اذان سے بھی اقامت شعار کا مقصد حاصل ہے اس لئے بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ فاسق کی اذان صحیح ہے۔ مگر اذان کا مقصود اصلی چونکہ دخول وقت کا اعلام ہے اور فاسق کی خبر دیانات میں معتبر نہیں اس لئے بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ فاسق کی اذان صحیح نہیں۔ درمختار میں ہے جزم المصنف بعدم صحة اذان مجنون ومعتوه وصبي لا يعقل قلت وفاسق لعدم قبول قوله في الديانات اھ یعنی تنویر الابصار کے مصنف نے مجنون، معتوہ اور ناسمجھ بچے کی اذان کے صحیح نہ ہونے پر جزم کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ فاسق کی اذان بھی صحیح نہیں اسلئے کہ اس کا قول دیانات میں قابل قبول نہیں۔ اور بحر الرائق جلد اول ص۲۶۳ میں ہے اذان الفاسق والمرأۃ والجنب صحیح اھ یعنی فاسق کی اور عورت کی اور جنب کی اذان صحیح ہے مگر پھر اسی صفحہ پر چند سطر بعد فرمایا کہ چونکہ فاسق کا قول اور اس کی خبر امور دینیہ میں قابل قبول نہیں اس لئے مناسب ہے کہ فاسق کی اذان صحیح نہ ہو۔ بحر الرائق کے اصل الفاظ یہ ہیں ینبغی ان لا یصح اذان الفاسق بالنسبة الى قبول خبره والاعتماد عليه لما قدمناه انه لا يقبل قوله في الامور الدينية اھ۔ اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں تحریر فرمایا قوله ينبغي ان لا يصح اذان الفاسق الخ كذا في النهر ايضا وظاهره انه يعاد وقد صرح في معراج الدراية عن المجتبى انه يكره

ولا یعاد وکذا نقلہ بعض الافاضل عن الفتاوی الھندیۃ عن الذخیرۃ لکن فی القہستانی اعلم ان اعادۃ اذان الجنب والمرأۃ والمجنون والسکران والصبی والفاجر والراکب والقاعد والماشی والمنحرف عن القبلۃ واجبۃ لانہ غیر معتد بہ وقیل مستحبۃ فانہ معتد بہ الا انہ ناقص وھو الاصح کما فی التمرتاشی اھ۔ فقد صرح باعادۃ اذان الفاجر ای الفاسق لکن فی کون اذانہ معتدا بہ نظر لما ذکر الشارح من عدم قبول قولہ فحینئذ العلم بدخول الاوقات ومثلہ المجنون والسکران والصبی فالمناسب ان لا یعتد باذانہما اصلا اھ یعنی صاحب بحر الرائق کا قول مناسب یہ ہے کہ فاسق کی اذان صحیح نہ ہو تو ایسا ہی نہر میں بھی ہے اور اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ فاسق کی اذان لوٹائی جائے اور معراج الدرایہ میں مجتبیٰ سے تصریح ہے کہ مکروہ ہے مگر لوٹائی نہ جائے اسی طرح بعض افاضل نے فتاویٰ ھندیہ یعنی عالمگیری سے نقل کیا ہے جس میں ذخیرہ سے ہے لیکن قہستانی میں ہے کہ جنب، عورت، مجنون، نشہ والا، بچہ، فاسق، سوار اور بیٹھکر اذان پڑھنے والا، چلتے ہوئے اور قبلہ سے انحراف کے ساتھ اذان کہنے والا ان سب کی اذان کا اعادہ واجب ہے اور بعض لوگوں نے فرمایا کہ مستحب ہے اس لئے کہ اذان ہوجاتی ہے مگر ناقص ہوتی ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تمرتاشی میں ہے۔ تو ہم یہ کہتے ہیں جبکہ فاجر یعنی فاسق کی اذان کے اعادہ کی تصریح ہے تو اس کی اذان کو مان لینا یہ محل نظر ہے۔ اس سبب سے کہ جس کو شارح نے ذکر کیا یعنی اس کے قول کا قابل قبول نہ ہونا لہٰذا اس کی اذان سے دخول اوقات کے علم کا فائدہ نہیں حاصل ہوگا اور اس کے مثل مجنون، نشہ والا اور بچہ ہے تو مناسب یہ ہے کہ ان میں سے کسی کی اذان کو ہرگز نہ مانا جائے انتہیٰ۔ اور رد المحتار جلد اول صـ۲۶۳ میں تحریر فرمایا حاصلہ انہ یصح اذان الفاسق وان لم یحصل بہ الاعلام اھ یعنی اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ فاسق کی اذان صحیح ہوجاتی ہے اگرچہ اس سے اعلام نہیں حاصل ہوتا۔ لہٰذا صحیح ہوجانے کے سبب اس کی اذان کا اعادہ واجب نہیں اور چونکہ اس سے اعلام حاصل نہیں ہوتا اور پھر حدیث شریف میں ہے یؤذن لکم خیارکم اس لئے فاسق کی اذان کا اعادہ مستحب ہے۔ فتح القدیر جلد اول صـ۲۲۰ اور بحر الرائق جلد اول صـ۲۶۲ میں ہے صرح بکراھۃ اذان الفاسق ولا یعاد فالاعادۃ فیہ لیقع علی وجہ السنۃ اھ یعنی اذان فاسق کے مکروہ ہونے کی تصریح ہے اور اعادہ (واجب) نہیں مگر اس کا اعادہ کرنا چاہئے تاکہ اذان مسنون طریقہ پر ہوجائے۔ لہٰذا حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ نے جو تحریر فرمایا ہے کہ فاسق کی اذان مکروہ ہے مگر دے تو ہوجائے گی عالمگیری میں ہے یکرہ اذان الفاسق ولا یعاد۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ فاسق اذان نہ کہے کہ اس کی اذان مکروہ ہے اور کہہ دے تو ہو جائے گی اعادہ واجب نہیں۔ اور انوار الحدیث میں جو درمختار اور بہار شریعت کے حوالے سے ہے کہ فاسق کی اذان کا اعادہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اعادہ مستحب ومندوب ہے اور اعادہ واجب نہ ہو مگر مستحب ومندوب ہو اس میں تعارض نہیں۔ فتاوی رضویہ جلد دوم مطبوعہ لائل پور صفحہ ۳۸۵ میں ہے فاسق کی اذان اگرچہ شعار کا کام دے مگر اعلام کہ اس کا بڑا کام ہے اس سے حاصل نہیں ہوتا نہ فاسق کی اذان پر وقت روزہ ونماز میں اعتماد جائز۔ ولہٰذا مندوب ہے کہ اگر فاسق نے اذان دی ہو تو اس پر قناعت نہ کریں بلکہ دوبارہ مسلمان متقی پھر اذان دے انتہی بالفاظہ۔ اور ردالمحتار جلد اول صفحہ ۲۶۴ میں ہے المقصود الاصلی من الاذان فی الشرع الاعلام بدخول اوقات الصلاۃ ثم صار من شعائر الاسلام فی کل بلدۃ او ناحیۃ من البلاد الواسعۃ فمن حیث الاعلام بدخول الوقت و قبول قولہ لابد من الاسلام والعقل والبلوغ والعدالۃ فاذا اتصف المؤذن بھٰذہ الصفات یصح اذانہ والا فلا یصح من حیث الاعتماد علیہ واما من حیث اقامۃ الشعائر النافیۃ للاثم عن اھل البلدۃ فیصح اذان الکل سوی الصبی الذی لا یعقل فیعاد اذان الکل ندبا علی الاصح اھ۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ صفر المظفر ۱۳۰۲ھ

مسئلہ: از سید محمد منظور عالم مسجد محلہ گونیا باغ شہر نکیم پور کھیری (یوپی)

(۱) اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تکبیر کے وقت بات کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اقامت شروع ہونے سے قبل کھڑا ہونا سنت ہے یا حی علی الصلوۃ پر؟ زید لوگوں کو یہ بتلاتا ہے کہ تکبیر شروع ہونے سے قبل کھڑا ہونا خلاف سنت ہے بلکہ حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا چاہئے اور یہی سنت رسول ہے لیکن کچھ لوگ اس فعل کو بدعت قرار دے رہے ہیں اور گمراہی بتاتے ہیں سب کتابوں کے حوالے سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب (۱) جس شخص نے نماز نہ پڑھی ہو اسے اذان ہونے کے بعد مسجد سے نکلنا جائز نہیں اسلئے کہ ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ من ادرکہ الاذان فی المسجد

ثم خرج لم یخرج لحاجته وھو لا یرید الرجوع فھو منافق۔ یعنی اذان کے بعد جو شخص مسجد سے چلا گیا اور کسی حاجت کے لئے نہیں گیا اور نہ واپس ہونے کا ارادہ ہے تو وہ منافق ہے لیکن جو شخص کسی دوسری مسجد کی جماعت کا منتظم ہو مثلاً امام یا مؤذن وغیرہ کہ اس کے ہونے سے لوگ ہوتے ہیں ورنہ متفرق ہو جاتے ہیں ایسے شخص کو اجازت ہے کہ اذان ہونے کے بعد اپنی مسجد کو چلا جائے اگرچہ یہاں اقامت بھی شروع ہو گئی ہو تنویر الابصار اور درمختار شامی ج ۱ صفحہ ۴۸۲ میں ہے۔ کرہ تحریما خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ الا ان ینتظر بہ امر جماعۃ اخری اوکان الخروج لمسجد حیہ ولم یصلوا فیہ ملخصاً۔ اور اگر ظہر یا عشاء کی نماز تنہا پڑھ چکا ہے تو اقامت شروع ہونے سے پہلے جا سکتا ہے اور جب اقامت شروع ہو گئی تو بہ نیت نفل جماعت میں شریک ہو جائے اور عصر و مغرب و فجر میں مسجد سے چلا جائے۔ فتاوی عالمگیری ج ۱ صفحہ ۱۱۲ میں ہے۔ ان کان قد صلی مرۃ فی العشاء والظھر لا باس بالخروج مالم یاخذ المؤذن فی الاقامۃ فان اخذ فی الاقامۃ لم یخرج حتی قضاھا تطوعاً وفی العصر والمغرب والفجر یخرج۔ وھو تعالٰی اعلم۔

(۲) تکبیر کے وقت بات کرنا جائز نہیں بہار شریعت ج ۳ صفحہ ۳۹ میں فتاوی رضویہ سے ہے کہ جو اذان کے وقت باتوں میں مشغول رہے اس پر معاذ اللہ خاتمہ برا ہونے کا خوف ہے اور حدیث شریف میں اقامت کو اذان کہا گیا ہے اسلئے کہ وہ بھی نماز کے اعلام کے لئے ہے اور گفتگو کی آواز اعلام میں مخل ہوگی۔ وھو اعلم۔

(۳) تکبیر کے وقت بیٹھنے کا حکم ہے کھڑا رہنا مکروہ و منع ہے۔ پھر جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح پر پہونچے تو اٹھنا چاہیے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۵۳ میں مضمرات سے ہے۔ اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائماً ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح۔ یعنی اگر کوئی شخص تکبیر کے وقت آیا تو اسے کھڑا ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہونچے تو اس وقت کھڑا ہو اور شامی جلد اول صفحہ ۲۹۸ مطبوعہ دیوبند میں ہے یکرہ لہ الانتظار قائماً ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔ یعنی کھڑا ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ لہٰذا بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو اٹھے اور مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۱۳۶ میں لکھتے ہیں اذا دخل المسجد یکرہ لہ الانتظار الصلوۃ قائماً بل یجلس فی موضع ثم یقوم عند حی علی الفلاح وبہ صرح فی جامع المضمرات۔ یعنی جو شخص مسجد کے اندر داخل ہوا اسے

کھڑے ہوکر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ کسی جگہ بیٹھ جائے پھر حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو اس کی تصریح جامع المضمرات میں ہے۔ اور علامہ سید احمد طحطاوی اپنی مشہور کتاب طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص۱۵۱ میں تحریر فرماتے ہیں اذا اخذ المؤذن فی الاقامة ودخل رجل فی المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائما فانہ مکروہ کما فی المضمرات۔ قہستانی ویفہم منہ کراھة القیام ابتداء الاقامة والناس عنہ غافلون۔ یعنی جب مکبر تکبیر کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے ہوکر انتظار نہ کرے اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑے رہنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ اور حدیث شریف کی مشہور کتاب موطا امام محمد باب تسویۃ الصف ص۸۸ میں ہے قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوۃ فیصفوا ویسووا الصفوف۔ یعنی مذہب حنفی حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہونچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کیلئے کھڑے ہوں اور پھر صف بندی کرتے ہوئے صفوں کو سیدھی کریں۔ حدیث و فقہ کی مذکورہ بالا عبارتوں سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ مقتدیوں کو اقامت کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے اور یہی حکم امام کے لئے بھی ہے تفصیل کے لئے ہمارا رسالہ "انوار سنت" کا محققانہ فیصلہ دیکھئے مگر نہ معلوم کیوں وہابی دیوبندی اس مسئلہ میں عمل کرنے والوں سے جھگڑتے اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں حالانکہ ان کے پیشواؤں نے اردو کی چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بھی اس مسئلہ کو اسی طرح لکھا ہے مفتاح الجنۃ ص۳۳ میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی کرامت علی جونپوری نے لکھا ہے کہ جب اقامت میں حی علی الصلوۃ کہے تب امام اور سب لوگ کھڑے ہوجائیں اور راہ نجات ص۱۲ میں ہے کہ حی علی الصلوۃ کے وقت امام اٹھے۔ لوگوں کا اب بھی اس مسئلہ کی مخالفت کرنا کھلی ہوئی ہٹ دھرمی ہے۔ خدائے تعالی انہیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ر شعبان المعظم ۱۳۹۷ھ

مسئلہ :۔ از سید محمد اختر چشتی آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف۔ ضلع اٹاوہ

کیا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کبھی خود اذان پڑھی ہے؟ اگر پڑھی ہے تو اسی طرح جیسے کہ اور لوگ پڑھتے

ہیں یا اس میں کسی قسم کی تبدیلی کے ساتھ؟ مدلل جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب ــــــ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار سفر میں ظہر کی اذان پڑھی ہے اور اشہد ان محمداً رسول اللہ کی بجائے آپ نے اشہد انی رسول اللہ پڑھا۔ درمختار مع شامی جلد اول ص۲۶۸ میں ہے فی الضیاء انہ علیہ السلام اذن فی سفر بنفسہ واقام وصلی الظہر وقد حققناہ فی الخزائن۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جدالممتار جلد اول ص۲۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں، عن التحفۃ للامام ابن حجر مکی انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذن مرۃ فی سفر فقال فی تشہدہ اشہد انی رسول اللہ وقد اشار ابن حجر الی صحتہ اھ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از محمد صفی اللہ ابوالعلائی گدی بسی کوٹیری ضلع ہزاری باغ، بہار ....

اذان وجماعت کے درمیان الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ پکارنا جائز ہے یا نہیں؟ حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ ایک مؤذن صلاۃ پکاری تو لوگوں نے اسے نکال دیا تو کیا اس بات پر مؤذن کو نکالنے والے لوگ حق بجانب ہیں؟

الجواب ــــــ اذان وجماعت کے درمیان الصّلاۃ والسّلام علیک یارسول اللہ پکارنا جائز ومستحسن ہے۔ اسے اصطلاح شرع میں تثویب کہتے ہیں اور تثویب کو فقہائے کرام نے نماز مغرب کے علاوہ باقی نمازوں کے لئے مستحسن قرار دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۳ میں ہے التثویب حسن عند المتاخرین فی کل صلاۃ الا فی المغرب ھکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی المکارم وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلاۃ بین الاذان والاقامۃ۔ وتثویب کل بلد ما تعارفوہ اما بالتنحنح او بالصلاۃ الصلاۃ او قامت قامت لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذلک بما تعارفوہ کذا فی الکافی۔ یعنی نماز مغرب کے علاوہ ہر نماز میں علمائے متاخرین کے نزدیک تثویب مستحسن ہے ایسا ہی شیخ ابوالمکارم کی شرح النقایہ میں ہے۔ اور تثویب یہ ہے کہ اذان واقامت کے درمیان مؤذن نماز کا دوبارہ اعلان کرے۔ اور ہر شہر کی تثویب وہ ہے جو شہر والوں میں متعارف ہو کھنکھارنا یا

صلاۃ صلاۃ پکارنا یا قامت قامت کہنا۔ اسلئے کہ تثویب اعلان نماز میں مبالغہ کے لئے ہے اور وہ اسی چیز سے حاصل ہوگا جو لوگوں میں متعارف ہو ایسا ہی کافی میں ہے۔ اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۲۱۸ میں تحریر فرماتے ہیں واستحسن المتاخرون التثویب فی الصلوات کلہا یعنی ہر نماز کے لئے تثویب کو متاخرین علماء نے مستحسن قرار دیا ہے۔ اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے ویثوب بعد الاذان فی جمیع الاوقات لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ فی الاصح وتثویب کل بلد بحسب ما تعارفہ اہلہا۔ یعنی صحیح مذہب یہ ہے کہ اذان کے بعد ہر وقت میں تثویب کہی جائے اس لئے کہ دینی کاموں میں لوگوں کی سستی ظاہر ہے۔ اور ہر شہر کی تثویب شہر والوں کے عرف کے لحاظ سے ہے۔ فقہائے کرام کی ان تصریحات سے واضح ہوگیا کہ اذان وجماعت کے درمیان مؤذن کا نماز کے لئے دوبارہ اعلان کرنا جائز ومستحسن ہے۔ اور ہر شہر میں ان کلمات کے ساتھ پکارا جائے جن سے شہر والے سمجھیں کہ یہ نماز کا دوبارہ اعلان ہے۔ اور آج کل عام شہروں میں الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ اور اسی طرح کے دوسرے کلمات سے لوگ نماز کا دوبارہ اعلان سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے کلمات کا اذان وجماعت کے درمیان پکارنا جائز ومستحسن ہے جو آٹھویں صدی ہجری کی بہترین ایجاد ہے جیسا کہ درمختار مع ردالمحتار جلد اول ص ۲۶۲ میں ہے التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین وھو بدعۃ حسنۃ اھ تلخیصاً۔ یعنی اذان کے بعد الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھنا ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں جاری ہوا اور یہ بدعت حسنہ ہے۔ اور بدعت حسنہ کی مخالفت کرنے والے گمراہ نہیں تو جاہل اور جاہل نہیں تو گمراہ ضرور ہیں کہ قرآن کریم کا تیس پارہ بنانا، ان میں رکوع قائم کرنا، اس پر اعراب یعنی زبر زیر وغیرہ لگانا، حدیث شریف کو کتابی شکل میں جمع کرنا، قرآن وحدیث سمجھنے کے لئے علم نحو وصرف سیکھنا اور فقہ وعلم کلام کی تدوین یہ سب بدعت حسنہ ہیں جن کی مخالفت جاہل یا گمراہ کے سوا کوئی تیسرا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا صلاۃ پکارنے کے سبب مؤذن کو نکالنے والے ظالم وجفاکار اور حق العبد میں گرفتار ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۷ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از۔ محمد شوکت علی صدر بزم قادری موضع کھریا۔ وارانسی۔

اقامت کے وقت امام اور مقتدی سب بیٹھے رہتے ہیں اور حی علی الفلاح پر اٹھتے ہیں جس کا بعض لوگ انکار

کرتے ہیں۔ ایک مفتی صاحب نے فتوی دیا ہے کہ شروع تکبیر میں کھڑا رہنا چاہئے ورنہ صفیں کس طرح درست ہوں گی اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا رواجی نکالا ہے۔ توضیح مسئلہ کیا ہے بحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب اقامت کے وقت امام اور مقتدی سب کو بیٹھے رہنے کا حکم ہے۔ کھڑا رہنا مکروہ و منع ہے پھر جب اقامت کہنے والا حی علی الفلاح پر پہونچے تو اٹھیں اور صفوں کو درست کریں جیسا کہ فقہائے کرام اور شارحین حدیث کے اقوال سے ثابت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۳ میں مضمرات سے ہے اذا دخل الرجل عند الاقامة یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح یعنی اگر کوئی شخص تکبیر کے وقت آیا تو اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہونچے تو اس وقت کھڑا ہو۔ اور درمختار میں ہے دخل المسجد والمؤذن یقیم قعد یعنی جو شخص تکبیر کہے جانے کے وقت مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے اسی عبارت کے تحت شامی جلد اول ص۲۶۹ میں ہے یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح یعنی اس شخص کو کھڑا ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے پھر جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو اٹھے۔ اور مولوی عبد الحئی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص۱۳۶ میں لکھتے ہیں اذا دخل المسجد یکرہ لہ انتظار الصلوۃ قائما بل یجلس موضعا ثم یقوم عند حی علی الفلاح یعنی جو شخص مسجد میں داخل ہو اسے کھڑے ہو کر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ کسی جگہ بیٹھ جائے پھر حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو اور طحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مطبوعہ قسطنطنیہ ص۱۵۱ میں ہے اذا اخذ المؤذن فی الاقامة ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائما فانہ مکروہ کما فی المضمرات قہستانی ویفہم منہ کراہة القیام ابتداء الاقامة والناس عنہ غافلون۔ یعنی مکبر جب اقامت کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع اقامت میں کھڑا ہو جانا مکروہ ہے۔ اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ لہذا جو لوگ مسجد میں موجود ہیں اقامت کے وقت بیٹھے رہیں اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہونچے تو اٹھیں اور یہی حکم امام کے لئے بھی ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۳ میں ہے یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثة وھو الصحیح یعنی علمائے ثلثہ حضرت امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک امام و مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب اقامت کہنے والا

حی علی الفلاح کہے اور یہی صحیح ہے اور درمختار مع شامی جلد اول ص۳۲۲ میں ہے والقیام لامام ومؤتم حین قیل حی علی الفلاح یعنی امام ومقتدی کا حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا سنت مستحب ہے۔ اور شرح وقایہ مجیدی جلد اول ص۱۳۶ میں ہے یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ یعنی امام ومقتدی حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہوں۔ اور مراقی الفلاح میں ہے قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب حین قیل ای وقت قول المقیم حی علی الفلاح "امام اگر محراب کے پاس حاضر ہو تو امام اور مقتدی کا مکبر کے حی علی الفلاح کہتے وقت کھڑا ہونا نماز کے آداب میں سے ہے۔ اور حدیث شریف کی مشہور کتاب مؤطا امام محمد باب "تسویۃ الصف" ص۸۸ میں ہے قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف یعنی محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہونچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور پھر صف بندی کرتے ہوئے صفوں کو سیدھی کریں۔ اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی "مالابد منہ" ص۳۴ میں تحریر فرماتے ہیں "نزد حی علی الصلاۃ امام برخیزد" یعنی امام حی علی الفلاح کے وقت اٹھے ان تمام حوالہ جات سے واضح ہوگیا کہ امام ومقتدی جو لوگ مسجد میں موجود ہیں سب اقامت کے وقت بیٹھے رہیں جب مکبر حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح پر پہونچے تو اٹھیں۔ لہذا جس مفتی نے یہ فتویٰ دیا کہ شروع تکبیر میں کھڑا رہنا چاہئے اور یہ لکھا کہ حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہونا رواجی ہے وہ نام کا مفتی ہے حقیقت میں مفتی نہیں ہے ورنہ یہ مسئلہ جبکہ فقہ کی تمام کتابوں میں مذکور ہے اسے ضرور خبر ہوتی۔ دیوبندی جو عام طور پر اس مسئلہ کی مخالفت کرتے ہیں ان کے پیشوا مولوی کرامت علی جونپوری نے اپنی کتاب مفتاح الجنۃ ص۳۳ پر لکھا کہ جب اقامت میں حی علی الصلاۃ کہے تب امام اور سب لوگ کھڑے ہوجائیں یہاں تک کہ دیوبندیوں کی کتاب راہ نجات ص۱۳ میں ہے کہ حی علی الصلاۃ کے وقت امام اٹھے۔ رہا یہ سوال کہ صفیں کب درست ہوں گی تو اس کا جواب حدیث شریف کی کتاب مؤطا امام محمد کے حوالہ میں اوپر گذرا کہ حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہونے کے بعد صفیں سیدھی کریں اس مسئلہ پر مزید حوالہ جاننے کے لئے ہمارا رسالہ "محققانہ فیصلہ" پڑھیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از۔ سید نذیر احمد رفاعی شاہ نور (کرناٹک)

مفتی اسلام حضرت علامہ جلال الدین احمد صاحب قبلہ امجدی مدظلہ العالی!   السلام علیکم

عرض یہ ہے کہ استقامت ڈائجسٹ پانچویں سال کے تیسرے شمارے میں اقامت کے بعد صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت کرنے کے بارے میں آپ نے ابوداؤد شریف کی ایک حدیث لکھی ہے جو حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو حضور نے فرمایا خدا کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھی کرو۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں خرج یوما فقام حتی کاد ان یکبر فرای رجلا بادیا صدرہ من الصف فقال عباد اللہ لتسون صفوفکم (مشکوٰۃ شریف ص۹۷) تکبیر کے وقت حی علی الصلاۃ۔ حی علی الفلاح پر اٹھنے اور صفوں کی درستگی کے بعد امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے مسئلے میں حضرت کے مفصل مضمون سے ہم لوگ خوب مطمئن ہو گئے تھے۔ لیکن ایک شخص کہتا ہے کہ حدیث مذکور کا مطلب یہ ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر کہی جائے آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا جیسا کہ مشکوٰۃ شریف مترجم جلد اول ص۲۳۰ مطبوعہ کراچی پاکستان میں ہے۔ اور اسی مشکوٰۃ شریف مترجم جلد اول ص۲۳۲ میں دوسری حدیث شریف یوں ہے فاذا استویت اکبر جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب صفیں درست ہو جاتیں تو تکبیر کہی جاتی۔ تو ان احادیث کریمہ سے اقامت کے بعد صفوں کی درستگی کا اہتمام نہیں ثابت ہوتا بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے اور صفیں درست ہو جاتیں اس کے بعد تکبیر کہی جاتی۔ شخص مذکور نے حدیثوں کا ترجمہ دکھا کر ہمیں شبہ میں ڈال دیا لہٰذا حضرت اس اعتراض کا اطمینان بخش جواب استقامت ڈائجسٹ میں شائع فرما دیں تاکہ شبہ دور ہو جائے عین کرم ہوگا۔

الجواب ——— پہلی حدیث مذکور ابوداؤد شریف کی نہیں ہے بلکہ مسلم شریف کی ہے۔ کتاب کا نام نقل کرنے میں غلطی ہو گئی ہے تصحیح کر لیں۔ اقامت کے بعد بھی صفوں کی درستگی کے اہتمام میں آپ کو اس لئے شبہ پیدا ہوا کہ مخالف نے اپنا غلط مسئلہ صحیح ثابت کرنے کے لئے حدیث شریف کا ترجمہ بدل دیا ہے۔ اور ان لوگوں نے اپنے غلط عقائد و نظریات کو ثابت کرنے کے لئے نہ معلوم کتنی آیتوں اور حدیثوں کا ترجمہ بدل کر لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ار دو وال حضرات کو ان کے ترجموں کے مطالعہ سے بچنا لازم ہے۔ حدیثوں کے صحیح ترجمہ کے لئے ہماری کتاب انوار الحدیث کو پڑھیں جس میں ۵۰۵ حدیثیں اصل عربی متن کے ساتھ درج ہیں اور خاص کر مشکوٰۃ شریف کی حدیثوں کا

صحیح ترجمہ اور مفہوم سمجھنا چاہیں تو حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف مرآۃ المناجیح کا مطالعہ کریں۔ مخالف نے قد قامت الصلٰوۃ کا ان یکبر کا جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ "حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر کہی جائے" اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور پہلے نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اس کے بعد تکبیر کہی جاتی تھی۔ تو یہ ترجمہ غلط ہے اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ترجمہ کیا ای قارب ان یکبر تکبیرۃ الاحرام اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اشعۃ اللمعات میں ترجمہ کیا "تا آنکہ نزدیک بود کہ تکبیر بر آورد برائے احرام" مگر چونکہ صحیح ترجمہ سے مخالف کے نظریہ کی تائید نہیں ہوتی تھی اس لئے اس نے حدیث کا ترجمہ بدل دیا۔

اسی طرح مخالف نے دوسری حدیث فاذا استوینا کبر کا جو یہ ترجمہ کیا ہے کہ "جب صفیں درست ہو جاتیں تو تکبیر کہی جاتی" اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ صحابۂ کرام پہلے صفیں درست کر لیتے تھے اس کے بعد تکبیر کہی جاتی تھی۔ تو یہ بھی غلط ہے اور صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جب صفیں درست ہو جاتیں تو حضور تکبیر تحریمہ کہتے جیسا کہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں تحریر فرمایا فاذا استوینا کبر ای الاحرام قال ابن الملک یدل علی ان السنۃ للامام ان یسوی الصفوف ثم یکبر اھ۔ یعنی جب صحابۂ کرام کی صفیں سیدھی ہو جاتیں تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہتے ابن الملک نے فرمایا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ امام کے لئے سنت یہ ہے کہ پہلے وہ صفوں کو درست کرے پھر اس کے بعد تکبیر تحریمہ کہے۔ اور شیخ محقق نے اشعۃ اللمعات میں فاذا استوینا کبر کا یہ ترجمہ فرمایا۔ "پس چوں برابر شدیم و خوب لی استادیم در نماز تکبیر بر آورد برائے احرام" یعنی جب صحابۂ کرام خوب برابر سیدھے کھڑے ہو جاتے تو حضور تکبیر تحریمہ کہتے۔ مگر اس حدیث شریف کے صحیح ترجمہ سے بھی مخالف کا نظریہ ثابت نہیں ہوتا تھا اس لئے اس نے حدیث شریف کا ترجمہ ہی بدل ڈالا۔ العیاذ باللہ تعالٰی۔

صحیح ترجمہ سے خوب واضح ہو گیا کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اقامت کے بعد صفوں کی درستگی کا اہتمام فرماتے تھے اور تاوقتیکہ صفیں خوب سیدھی نہ ہو جاتیں تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے۔ وھو تعالٰی وسبحانہ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ر شعبان المعظم ۹۹ھ

مسئلہ: از شمیم احمد نرسا پٹی ضلع دھنباد۔

تکبیر کے وقت مقتدیوں کو کھڑا رہنا چاہئے یا حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے مع حوالہ کے جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب بعون الملک الوھاب تکبیر کے وقت مقتدیوں کو بیٹھا رہنا چاہئے پھر جب حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح پر پہونچے تو اٹھنا چاہئے حدیث شریف کی مشہور کتاب مؤطا امام محمد باب تسویۃ الصف ص۸۸ میں ہے قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلاۃ فیصفوا ویسووا الصفوف یعنی مذہب حنفی حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہونچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور پھر صف بندی کرتے ہوئے صفوں کو سیدھی کریں اور فتاوی بزازیہ میں ہے دخل المسجد وھو یقیم یقعد ولا یقف قائما الی وقت الشروع اھ یعنی اقامت کے وقت جو شخص مسجد میں داخل ہو وہ بیٹھ جائے نماز کے شروع ہونے تک کھڑا نہ رہے۔ اور طحطاوی علی مراقی ص۱۵۱ میں ہے اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائما فانہ مکروہ کما فی المضمرات قھستانی ویفھم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون یعنی مکبر جب تکبیر کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے اور اس حکم سے سمجھا گیا کہ شروع اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں ــــــ لہذا جو لوگ مسجد میں موجود ہیں تکبیر کے وقت بیٹھے رہیں اور جب مکبر حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح پر پہونچے تو اٹھیں اور یہی حکم امام کے لئے بھی ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری، درمختار اور شرح وقایہ وغیرہ میں ہے۔ وھو تعالٰی ورسولہ الاعلی اعلم جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبــــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ر شوال المکرم ۹۹ھ

مسئلہ: از جناب محمد ادریس حنفی لکھنوی اشوک نگر لکھنؤ

بخدمت اقدس حضرت مولانا جلال الدین احمد الامجدی زاد مجدکم مفتی فیض الرسول براؤں شریف بستی۔

السلام علیکم! مخدومنا!

بے حد مشکور ہوں کہ جناب نے سُنیّوں کے مشہور مجلہ "استقامت" جنوری ۱۹۸۲ء میں اذان جمعہ اقامت اذان خطبہ جمعہ، تثویب اور دیگر مسائل پر سیر حاصل معلومات یکجا کر کے ہر عالی و عامی کو اہم معلومات بہم پہونچا دیں۔ یہ مسائل ایسے تھے کہ جن پر فریق مخالف کامل دوسرے طریقے پہ ہے اور وہ اکثر ان موضوعات کو زیر بحث لاکر عام آدمی کو الجھن میں ڈالتے ہیں۔ انھیں مباحث کو پیش نظر رکھتے ہوئے میری آنجناب سے گذارش ہے کہ جو رخ تشنہ رہ گیا ہے۔ یا جس پر فریق مخالف کو شکست جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس کے بارے میں مزید وضاحت اور صراحت اس ناچیز کو براہ راست اور عام قارئین کو بوساطت رسالہ استقامت عنایت فرمادیں تو بیحد ممنون احسان ہوں گا۔ اس تحریری جسارت کے لئے معافی کا خواستگار رہوں گا۔ والسلام

مطلوبہ صراحت بر مسائل متفرقہ

① اذان جمعہ و خطبہ

اذان نماز پنجوقتہ کے لئے اندرون مسجد مکروہ ہے۔ اسی طرح نماز جمعہ (جس کا خاص شرائط کے ساتھ پڑھا جانا بدل ہے نماز ظہر کا) کی اذان بھی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب دو اذانیں شروع ہوئیں تو پہلی اذان جمعہ کے لئے اور دوسری اذان خطبہ کے لئے مقرر ہوئی۔ کیا خطبہ کی اذان بھی حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں اور اس کے بعد کے زمانہ میں مسجد کے دروازہ ہی پر دی جاتی تھی؟ اگر نہیں تو کیا معمول تھا۔ یہ جو اذان خطبہ آج کل سنیوں کی مساجد میں صحن مسجد میں دی جاتی ہے (نہ کہ منبر کے سامنے اگلی صف میں) وہ بھی مسنون کب ہوئی۔ مسجد کے دروازے پر یا بیرون مسجد کیوں نہ دی جائے؟

② تثویب

نور الایضاح میں تثویب کو تو جائز کہا ہے اور ان الفاظ میں الصلاۃ الصلاۃ یا مصلین اے نماز کے پڑھنے والو نماز کے لئے آؤ جماعت تیار ہے۔ یہ اس وقت کی ایجاد ہے جب مسلمان سلاطین کے عاملین اذان سن کر فوراً نہیں حاضر ہو پاتے تھے۔ اور ان کو جماعت کی تیاری کی اطلاع جماعت کھڑی ہونے سے پہلے کی جاتی تھی۔ اب زمانۂ حال میں اس کا کیا جواز ہے خصوصاً صلوۃ و سلام کے ساتھ اور بالالتزام؟

③ تکبیر کے وقت مقتدی اور امام کا اٹھنا

امام کے بارے میں تو مسئلہ صاف ہے اور تمام حنفی کتب فقہ میں ہے کہ حی علی

الصلوٰۃ (یا حی علی الفلاح) پر نماز کے لئے کھڑا ہو اور یہ مستحب ہے نور الایضاح اور بالا بدائع میں تو یہ بھی مستحب لکھا ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر امام تکبیر تحریمہ کہکر نماز شروع کر دے۔ اب مقتدیوں کے بارے میں یہ صراحت درکار ہے کہ جب حی علی الفلاح پر کھڑے ہوئے اور صفیں درست کرنا شروع کیا تو امام کی تکبیر اولیٰ ان کو کیسے ملے گی؟ یا امام نے نماز شروع کر دی اور مقتدی تکبیر کو دہراتے رہے (جو مستحب ہے) تو تکبیر اولیٰ ضرور فوت ہوگی جس کے پالے ہی پر جماعت کا پورا ثواب ملنا لکھا ہے۔ ایک دیوبندی مفتی نے مندرجہ ذیل فتویٰ دیا ہے اس پر بھی بحث ضروری ہے اور مسئلہ کی مزید صراحت بھی۔

فتویٰ: فقہ کی کتابوں میں ایسا (یعنی حی علی الفلاح پر امام کا کھڑا ہونا اور قد قامت الصلوٰۃ پر نماز شروع کرنا) مستحب لکھا ہے دلیل قیاسی دی ہے کہ جب مؤذن نے نماز کے لئے پکارا تو کھڑا ہو جائے اور جب نماز کے قائم ہونے کی اطلاع دی تو نماز شروع کرے لیکن امام ابو یوسف نے مسئلہ ثانی (شروع کرنے میں) اختلاف کیا ہے کہ بعد فراغت تکبیر نماز شروع کرے تاکہ امام بھی مؤذن کی تکبیر کا جواب دے سکے۔

احادیث سے مسائل بالا کی تائید نہیں ہوتی ہے بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوں کی درستگی کا آپ بہت اہتمام کرتے تھے کسی سے فرماتے آگے بڑھو اور کسی سے فرماتے پیچھے ہٹو پھر اس کے بعد نماز شروع فرماتے۔ پہلے سے اگر صفیں نہ درست کی جائیں عین موقعہ پر حی علی الصلوٰۃ پر ہی کھڑے ہوں تو مشاہدہ ہے کہ صفیں بہت ہی ٹیڑھی آگے پیچھے ہوتی ہیں پس احادیث کی روشنی میں پہلے سے کھڑے ہو کر صفوں کا درست کرنا مطلوب معلوم ہوتا ہے۔ فقہاء میں سے علامہ طحطاوی نے صراحت کی ہے کہ اس سے قبل کھڑے ہونے کی ممانعت نہیں ہے۔ فقط

(دستخط مفتی) محمد ظہور ندوی۔

طالب علمانہ معروضات پیش ہیں۔ فروگذاشت کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔

محمد ادریس لکھنوی

۷۸۶/۹۲

عزیز گرامی زیدت مکارمکم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالٰی وبرکاتہ ثم السلام علیکم

الجواب بعون الملک العزیز الوہاب (۱) ایک اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں شروع ہوئی جو جمعہ کے وقت خطبہ کے لئے مقرر ہوئی اور حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پورے زمانۂ خلافت میں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں

جمعہ کے لئے وہی ایک اذان خطبہ کے وقت ہوتی رہی پھر جب لوگوں کی کثرت ہوئی تو خلیفہ سوم نے ایک دوسری اذان خطبہ سے پہلے زوراء بازار میں دلوانی شروع کی جیسا کہ مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں لکھتے ہیں فی سنن ابی داؤد بسند ہ عن السائب بن یزید ان الاذان کان اولہ حین یجلس الامام علی المنبر یوم الجمعۃ فی عہد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلما کان خلافۃ عثمان وکثر الناس امر بالاذان الثالث واذن بہ علی الزوراء فثبت الامر علی ذٰلک والمراد بالاذان الثالث ھو الاول وجعلہ ثالثا باطلاق الاذان علی الاقامۃ ایضًا والزوراء اسم سوق بالمدینۃ اھ یعنی سنن ابوداؤد میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتا تھا تو پہلی اذان ہوتی تھی پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگوں کی کثرت ہوئی تو انھوں نے تیسری اذان کو شروع فرمایا جو زوراء میں دی جاتی تھی۔ اور تیسری اذان سے مراد جمعہ کی پہلی اذان ہے اور راوی نے اسے تیسری اذان اس لئے کہا کہ اقامت پر بھی اذان کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور زوراء مدینہ طیبہ کے ایک بازار کا نام ہے۔ انتہٰی۔ اور بیشک خطبہ کی اذان حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں بلکہ اس سے پہلے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کے زمانے سے مسجد کے دروازہ پر ہوا کرتی تھی۔ اور بعد میں بھی یہی معمول تھا لہٰذا اس اذان کا مسجد کے اندر ہونا خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے۔ رسول اکرم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں خطبہ کی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ایک بار بھی ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔ جو لوگ اس کا دعوی کرتے ہیں وہ لوگ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین پر افترا کرتے ہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اول صفحہ ۱۶۲ میں ہے عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں۔ انتہٰی۔ اور اسی حدیث شریف سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ بین یدیہ سے مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں وہ غلط ہے کہ حدیث میں بین یدیہ کے ساتھ علی باب المسجد بھی ہے جس سے

معلوم ہوا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے چہرے کے مقابل مسجد کے دروازہ پر خطبہ کی اذان ہوتی تھی نہ کہ اندر۔ اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں۔ قولہ بین یدیہ ای مستقبل الامام فی المسجد کان اوخارجہ والمسنون ھو الثانی یعنی بین یدیہ کے معنی یہ ہیں کہ امام کے روبرو ہو مسجد میں خواہ باہر اور سنت یہ ہے کہ مسجد کے باہر ہو۔ انتہٰی۔

معلوم ہوا کہ خطبہ کی اذان کا باہر ہونا سنت ہے اور جب باہر ہونا سنت ہے تو اندر ہونا خلافِ سنت ہوا۔ لہٰذا عمدۃ الرعایہ کی اس عبارت کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ چاہے سنت کے مطابق کرو چاہے سنت کے خلاف دونوں باتوں کا اختیار ہے کہ ایسا کوئی عالم نہیں کہے گا۔ بلکہ معنی وہی ہیں کہ جو بین یدیہ سے یہ سمجھ لیتا کہ مسجد کے اندر ہو غلط ہے اس کے معنی صرف اتنے ہیں کہ امام کے روبرو ہو۔ اندر باہر کی تخصیص اس لفظ سے مفہوم نہیں ہوتی۔ لہٰذا دونوں صورتوں پر صادق ہے اور سنت یہی ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہو تو ضروری ہوا کہ وہی معنی لئے جائیں جو سنت کے مطابق ہو بہرحال ان کے کلام میں بھی اتنی تصریح ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر ہی ہونا سنت ہے تو بلاشبہ مسجد کے اندر ہونا خلافِ سنت اور بدعت سیئہ ہوا۔ اور کچھ لوگ مسجد کے اندر اذان دلوانے کی نسبت ہشام بن عبدالملک کی طرف کرتے ہیں مگر ہشام سے بھی اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا ثابت نہیں۔ البتہ پہلی اذان کی نسبت بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ اسے ہشام نے مسجد کی طرف منتقل کیا۔ رہی خطبہ کی اذان تو اس کے بارے میں تصریح ہے کہ ہشام نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ اسی حالت پر باقی رکھا جیسا کہ زمانۂ رسالت و زمانۂ خلافت میں تھی جیسا کہ امام محمد بن عبدالباقی زرقانی شرح مواہب جلد ہفتم مطبوعہ مصر ص۳۶۵ میں تحریر فرماتے ہیں۔ لما کان عثمان امر بالاذان قبلہ علی الزوراء ثم نقلہ ھشام الی المسجد ای امر بفعلہ فیہ وجعل الاٰخر الذی بعد جلوس الخطیب علی المنبر بین یدیہ بمعنی انہ ابقاہ بالمکان الذی یفعل فیہ فلم یغیرہ بخلاف ماکان بالزوراء فحولہ الی المسجد علی المنار یعنی جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے تو خطبہ کی اذان سے پہلے ایک اذان زوراء بازار میں مکان کی چھت پر دلوائی پھر اس پہلی اذان کو ہشام مسجد کی طرف منتقل کرلایا اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا اور دوسری اذان جو کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے وہ خطیب کے سامنے کی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی۔ اس اذان ثانی میں ہشام نے کوئی تبدیلی نہ کی بخلاف بازار والی اذان اول کے کہ اس کو مسجد کی طرف منارہ پر لے آیا۔ انتہٰی۔ اور اگر ہشام سے اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا ثابت بھی ہو جائے تو اس کا قول و فعل حجت نہیں کہ وہ ایک ظالم بادشاہ ہے جس نے

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے امام زین العابدین کے صاحبزادے یعنی حضرت امام باقر کے بھائی حضرت امام زید بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہید کرا یا سولی دلوائی اور اس پر یہ شدید ظلم کر نعش مبارک کو نہیں دفن ہونے دیا برسوں سولی پر لٹکتی رہی جب ہشام مرگیا تو نعش مبارک دفن ہوئی۔

ایسے ظالم بادشاہ کی سنت کو قبول کر لینا اور رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سنت کو چھوڑ دینا صریح ظلم ہے۔ اور جو خطبہ کی اذان صحن مسجد میں دیتے ہیں وہ بھی خلاف سنت ہے کہ داخل مسجد ہے۔ ہاں اگر وہ جگہ پہلے خارج مسجد تھی پھر مسجد بڑھائی گئی تو پہلے جو جگہ اذان کے لئے مقرر تھی وہاں خطبہ کی اذان دینے میں کوئی حرج نہیں کہ وہ جگہ بدستور مستثنیٰ رہے گی۔ جیسے کہ مکہ معظمہ میں یہ اذان کنارۂ مطاف پر ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں مسجد حرام مطاف ہی تک تھی لہٰذا اگر مسجد بڑھانے کے سبب کنواں اندر ہوگیا تو اس کا بند کرنا ضروری نہیں۔ جیسے کہ آب زم زم کا کنواں۔ حالانکہ مسجد کے اندر کنواں بنانا جائز نہیں۔

فتاویٰ قاضی خاں اور فتاویٰ عالمگیری میں یکرہ المضمضۃ والوضوء فی المسجد الا ان یکون ثمہ موضع اعد لذلک ولا یصلی فیہ اور فرمایا لا یحفر فی المسجد بئر ماء ولو قدیمۃ تترک کبئر زمزم انتہی۔ خلاصہ یہ کہ مسجد کے اندر اذان پڑھنا خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے خواہ عام اذان ہو یا خطبہ کی اذان۔ اسی لئے فقہائے کرام نے مطلق اذان کو مسجد میں مکروہ وممنوع فرمایا اور کسی نے اذان خطبہ کا استثناء نہ کیا۔ یہاں تک کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر خاص باب جمعہ میں داخل مسجد اذان کو مکروہ فرمایا۔ مگر مخالفین اس لئے نہیں مانتے کہ اس سنت کو امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے زندہ فرمایا۔ خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو ہٹ دھرمی سے بچانے اور سنت کریمہ پر عمل کرنے اور بدعت سیئہ سے بچنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

(۲) نور الایضاح میں تثویب کے جواز کو "الصلاۃ الصلاۃ یا مصلین" کے ساتھ خاص نہیں فرمایا اس لئے کہ وہ اعلام بعد الاعلام ہے اور اس کے لئے کوئی صیغہ معین نہیں بلکہ جو اصطلاح چاہیں مقرر کر لیں جائز ہے جیسا کہ اس کی عبارت کقولہ بعد الاذان الصلاۃ الصلاۃ یا مصلین سے ظاہر ہے اور رد المحتار میں ہے بما تعارفوہ کتنحنح او قامت قامت او الصلاۃ الصلاۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذلک جاز نہر عن المجتبیٰ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے التثویب حسن عند المتاخرین فی کل صلاۃ الا فی المغرب ھکذا فی شرح النقایہ للشیخ ابی المکارم۔ وھو رجوع

المؤذن الی الاعلام بالصلاۃ بین الاذان والاقامۃ وتثویب کل بلد علی ما تعارفوہ اما بالتنحنح اوبالصلاۃ الصلاۃ اوقامت قامت لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذلک بما تعارفوہ کذا فی الکافی اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ما تعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول وما راٰہ المومنون حسنا فہو عند اللہ تعالٰی حسن اھ۔

فقہائے کرام کی ان تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ تثویب کے لئے کوئی صیغہ خاص نہیں ہے۔ بلکہ جو صیغہ بھی متعارف ہو اس سے تثویب جائز ہے اور صلاۃ وسلام کے ساتھ بالالتزام اس لئے تثویب ہوتی ہے کہ آج کل اسلامی شہروں میں صلاۃ وسلام کا صیغہ تثویب کے لئے متعارف ہے جو ۷۸۱ھ کی بہترین ایجاد ہے درمختار میں ہے التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین وھو بدعۃ حسنۃ اھ ملخصًا یعنی اذان کے بعد الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں جاری ہوا اور یہ بہترین ایجاد ہے انتہٰی۔ لیکن چونکہ تثویب کے ان الفاظ سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت بھی ظاہر ہوتی ہے اسلئے بعض لوگ تثویب کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور زمانۂ حال میں بھی تثویب کے جائز اور مستحسن ہونے کی وجہ وہی ہے جو پہلے تھی یعنی امور دینیہ میں لوگوں کی سستی وکاہلی جیسا کہ نور الایضاح کی شرح مراقی الفلاح میں ہے ویثوب بعد الاذان فی جمیع الاوقات لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ اھ اور مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ میں لکھتے ہیں۔ ان التثویب مستحسن فی جمیع الصلوات لجمیع الناس لظہور التکاسل فی امور الدین لاسیما فی الصلاۃ ویستثنٰی منہ المغرب اھ۔ یعنی مغرب کے علاوہ ہر نماز میں سب لوگوں کے لئے علمائے متاخرین نے تثویب کو مستحسن قرار دیا ہے اس لئے کہ لوگ دینی امور خاص کر نماز میں سستی برتنے لگے ہیں انتہٰی۔ معلوم ہوا کہ تصریح ہے کہ نماز مغرب کے علاوہ ہر نماز میں بالالتزام اور بلاتخصیص سب کے لئے تثویب مستحسن ہے۔ واللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم

(۳) قد قامت الصلاۃ پر امام تکبیر تحریمہ کہکر نماز شروع کردے یہ طرفین کے نزدیک مستحب ہے اور اقامت کے وقت حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑا رہنا مکروہ ہے جیسا کہ حضرات پر فتاوی عالمگیری رد المحتار عمدۃ الرعایہ اور طحطاوی علی مراقی میں تصریح ہے تو اگر مقتدی اس کراہت سے بچکر تکبیر اولٰی نہ پاسکے تو امام تکبیر اولٰی کو مؤخر کرے جو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے۔ بحر الرائق میں ہے فی الظہیریۃ ولو اخر حتی یفرغ المؤذن

من الاقامة لاباس بہ فی قولهم جمیعا اھ۔ اور درمختار میں ہے لواخر حتی اتمها لاباس به اجماعا اھ۔ اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے لواخرہ حتی یفرغ من الاقامة لاباس به فی قولهم جمیعا اھ۔ اور امام کے تکبیر اولی ختم اقامت کے بعد کہنے میں تین فائدے ہیں اول یہ کہ امام اور مقتدی دونوں مؤذن کی مکمل اقامت کا جواب دے سکیں گے جو مستحب ہے۔ دوسرے یہ کہ مؤذن اقامت سے فارغ ہو کر تکبیر اولی پا سکے گا جو کم از کم مستحب ضرور ہے۔ اور تیسرے یہ کہ مقتدی کراہت سے بچ کر صفیں سیدھی کریں گے جن کی حدیث شریف میں تاکید ہے۔ تو صرف امام کے ایک مستحب پر عمل کرنے سے خود امام اور تمام مقتدیوں کا ایک دوسرے مستحب کا ترک لازم آتا ہے کہ ان میں سے کوئی اقامت کا جواب مکمل نہ دے سکے گا اور مؤذن تکبیر اولی نہ پا سکے گا اور سب مقتدیوں کو صفیں درست کرنے کے لئے حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑے ہو کر کراہت کا مرتکب ہونا پڑے گا تو مستحب کے لئے کراہت کے ارتکاب کا حکم نہ کیا جائیگا بلکہ اس صورت میں مستحب کو چھوڑ دیا جائیگا۔ جیسا کہ امام ابن ہمام فتح القدیر باب المواقیت میں تحریر فرماتے ہیں اذا لزم من تحصیل المندوب ارتکاب مکروہ ترک۔ اور جبکہ ارتکاب کراہت کے ساتھ دوسرے مستحب کا ترک بھی لازم آتا ہے تو بدرجہ اولی مستحب پر عمل کا حکم نہ کیا جائے گا۔ اسی لئے جمہور اور اہل حرمین کا عمل حضرت امام ابو یوسف کے قول پر ہے جیسا کہ شرح نقایہ ص۲۲ میں ہے والجمهور علی قول ابی یوسف نیدرك المؤذن اول صلاۃ الامام وعلیه عمل اهل الحرمین اھ۔ اور مفتی محمد ظہور صاحب ندوی نے اپنے فتوی میں جو یہ لکھا کہ "احادیث سے مسائل بالا کی تائید نہیں ہوتی"، پھر یہ بتایا کہ احادیث کی روشنی میں پہلے سے کھڑے ہو کر صفوں کا درست کرنا مطلوب معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام علمائے متقدمین و متاخرین حتی کہ ائمہ ثلاثہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد رضی اللہ تعالی عنہم جو امام و مقتدی کو حی علی الصلاۃ پر اٹھنے کا حکم دیتے ہیں یہ سب احادیث کریمہ کے خلاف حکم دیتے ہیں۔ یا تو اس لئے کہ یہ لوگ حدیث پر اپنی عقل کو ترجیح دیتے ہیں اور یا تو اس لئے کہ ان ائمہ کرام نے احادیث کو نہیں سمجھا۔ اور یہ دونوں باطل ہیں کہ امام اعظم نے خود فرمایا اذا صح الحدیث فهو مذهبی اور احادیث کریمہ کے مفہوم کو جتنا ائمہ کرام نے سمجھا کسی نے نہیں سمجھا صرف عربی دانی کی بنیاد پر ان ائمہ کرام کے مقابل اگر کوئی حدیث فہمی اور تفقہ کا دعوی کرے تو غلط ہے کہ عربی زبان ہر شخص حاصل کر سکتا ہے مگر تفقہ صرف انھیں لوگوں کے نصیب میں ہے کہ جن کے ساتھ خدائے عزوجل بھلائی کا ارادہ فرمائے لقوله علیه السلام من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین (الحدیث) پھر مفتی ظہور صاحب ندوی

نے احادیث سے مسائل بالا کی تائید نہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے "احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوں کی درستگی کا آپ بہت اہتمام کرتے تھے کسی سے فرماتے آگے بڑھو کسی سے فرماتے پیچھے ہٹو پھر اس کے بعد نماز شروع فرماتے" بیشک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفوں کی درستگی کا بڑا اہتمام فرماتے پھر اس کے بعد نماز شروع فرماتے۔ مگر اس سے شروع اقامت میں امام ومقتدی کا کھڑا ہوجانا ثابت نہیں ہوتا کہ حدیث شریف سے بعد اقامت بھی صفوں کی درستگی کا اہتمام ثابت ہے جیسا کہ امام مسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو حضور نے فرمایا خدا کے بندو! اپنی صفوں کو برابر کرو حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں خرج یوما فقام حتی کاد ان یکبر فرای رجلا بادیا صدرہ من الصف فقال عباد اللہ لتسون صفوفکم (مشکوٰۃ ص۹۷) اور حضرت عمر فاروق اعظم وحضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ یہ حضرات بھی ختم اقامت کے باوجود تکبیر تحریمہ نہ کہتے بلکہ جب صفوں کی درستگی کی خبر ملتی تو نماز شروع فرماتے حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں عن ابن عمر ان عمر بن الخطاب کان یامر رجلا بتسویۃ الصفوف فاذا جاءوہ فاخبروہ بتسویتھا کبر بعد۔ وعن مالک بن ابی عامر الانصاری ان عثمان بن عفان لا یکبر حتی تاتیہ رجال قد وکلھم بتسویۃ الصفوف فیخبرونہ ان قد استوت فیکبر (موطا امام محمد ص۸۸) لہٰذا اسی پر عمل کرنے کا حکم کیا جائیگا کہ حی علی الصلوٰۃ پر اٹھنے کے بعد اگر مؤذن کے قد قامت الصلوٰۃ پڑھنے تک صفیں درست نہ ہوسکیں تو اگرچہ اقامت ختم ہوجائے تاوقتیکہ صفوں کی درستگی نہ ہوجائے نماز شروع نہ کی جائے اس لئے کہ قد قامت الصلوٰۃ پر نماز کے شروع کردینے کے حکم مستحب پر عمل کرنے کے لئے جو جمہور کے خلاف بھی ہے مقتدیوں کو حی علی الصلوٰۃ سے پہلے کھڑے ہونے کا حکم دے کر فعل مکروہ میں نہیں مبتلا کیا جائیگا اور نہ صفوں کی درستگی کا اہتمام ترک کیا جائے گا یعنی حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہوکر صفوں کی درستگی کے بعد امام نماز شروع کرے گا خواہ قد قامت الصلوٰۃ پر صفیں درست ہوں یا اس کے بعد۔ احادیث کریمہ اور خلفائے راشدین کے عمل سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ اسی لئے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موطا امام محمد میں تسویۃ الصف کی حدیثیں نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلاۃ فیصفوا ویسووا الصفوف یعنی اقامت کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہونچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں پھر

صف بندی کریں اور صفوں کو سیدھی کریں۔ انتہٰی۔ خلاصہ یہ کہ حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑا ہونا حدیث سے ثابت نہیں۔ اسی لئے مفتی صاحب کمزور لفظوں کے ساتھ آخر میں لکھتے ہیں کہ "پس احادیث کی روشنی میں پہلے سے کھڑے ہو کر صفوں کا درست کرنا مطلوب معلوم ہوتا ہے۔ اور پھر اخیر میں جو یہ لکھا کہ فقہاء میں سے علامہ طحطاوی نے صراحت کی ہے کہ اس سے قبل کھڑے ہونے کی ممانعت نہیں ہے۔ تو مفتی مذکور کا یہ لکھنا صحیح نہیں اس لئے کہ علامہ طحطاوی نے حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ لکھا ہے اور ممانعت بھی کی ہے جیسا کہ طحطاوی علی مراقی ص۱۵۱ میں ہے اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائماً فانہ مکروہ کما فی المضمرات قہستانی ویفہم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۱ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

مسئلہ۔ مسئولہ مولوی عبدالرزاق قادری مدرس مدرسہ انوار العلوم ہادی پٹی۔ ضلع چپارن۔

جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہونا کیسا ہے؟ داخل مسجد اذان ہونے کو زید مکروہ بتاتا ہے حوالہ میں حدیث اور کتب معتبرہ پیش کرتا ہے اور بکر خارج مسجد اذان دینے کو بدعت قرار دیتا ہے اور دلائل کو نہیں مانتا تو بکر کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب۔ بیشک جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے اور خارج مسجد پڑھنا بدعت نہیں بلکہ داخل مسجد پڑھنا بدعت ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں جمعہ کی یہ اذان مسجد کے دروازے ہی پر ہوا کرتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف میں ہے عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں اور طحطاوی علی مراقی الفلاح مصری ص۱۱۲ پر

ہے یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم یعنی نظم زندویستی پھر قہستانی میں ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے لہٰذا زید کا قول صحیح اور حق ہے اور بکر جو خارج مسجد اذان دینے کو بدعت بتاتا ہے اور حدیث وفقہ کو نہیں مانتا جاہل اور ہٹ دھرم ہے واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ مسئولہ مولوی نظام الدین خطیب مسجد ڈھونڈھیا ضلع بستی۔

کیا جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر دینا منع ہے؟ بعض مسجدوں میں منبر اس طرح بنا ہے کہ باہر اذان دینے میں دیوار حائل ہوتی ہے مؤذن خطیب کے روبرو نہیں ہو سکتا تو ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب بیشک حدیث شریف اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے باہر پڑھنا سنت اور داخل مسجد پڑھنا مکروہ وممنوع ہے۔ اگر باہر اذان دینے میں خطیب ومؤذن کے درمیان دیوار حائل ہوتی ہو تو اس صورت میں بھی اندر اذان پڑھنا منع ہے اس لئے کہ یہاں دو سنتیں ہیں ایک محاذات خطیب دوسرے اذان کا مسجد کے باہر ہونا۔ جب ان میں تعارض ہو اور جمع ناممکن ہو تو ارجح کو اختیار کیا جائیگا کما ھو الضابطۃ المستمرۃ۔ یہاں ارجح واقوی اذان کا خارج مسجد ہونا ہے اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے اور ہر مکروہ منہی عنہ ہے لہٰذا مسجد کے اندر اذان منہی عنہ ہے اور منہیات سے بچنا مامورات کی ادائگی سے اہم واعظم ہے الاشباہ والنظائر میں ہے اعتناء الشرع بالمنہیات اشد من اعتنائہ بالمامورات وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از حاجی محمد رضا صاحب، ساکن بھوا سیٹھ پوسٹ ٹنڈوا ضلع بستی۔

(۱) کیا اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا چاہئے؟ فقہ حنفی کی معتمد کتابوں کے حوالہ سے مدلل بیان فرمائیں۔

(۲) خطبہ کی اذان اگر منبر کے سامنے مسجد کے اندر کہی جائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ کیا رسول اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں خطبہ کی اذان مسجد کے کسی حصہ میں ہوتی تھی؟ اس کا جواب بھی حدیث شریف اور فقہ حنفی کی کتابوں کے حوالہ سے تحریر فرمائیں۔

الجواب ——— (۱) بیشک جو لوگ اقامت کے وقت مسجد میں موجود ہیں بیٹھے رہیں۔ جب مکبر حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح پر پہونچے تو اٹھیں۔ یہی حکم امام اور مقتدی دونوں کے لئے ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۳ میں ہے یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثة وھو الصحیح۔ یعنی علمائے ثلثہ حضرت امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب کہ مکبر حی علی الفلاح کہے اور یہی صحیح ہے۔ اور شرح وقایہ جلد اول مطبوعہ مجیدی کانپور ص۱۳۶ میں ہے یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاۃ یعنی امام اور مقتدی حی علی الصلاۃ کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔ اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص۴۱۹ میں ہے قال ائمتنا یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاۃ یعنی ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ امام اور مقتدی حی علی الصلاۃ کے وقت کھڑے ہوں۔ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات جلد اول ص۳۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں فقہا گفتہ اند مذہب آنست نزدیکی علی الصلاۃ باید برخاست۔ یعنی فقہائے کرام نے فرمایا مذہب یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ کے وقت اٹھنا چاہئے۔ اور جو شخص اقامت کے وقت آئے اس کے لئے بھی حکم ہے کہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے۔ جب تکبیر کہنے والا حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح پر پہونچے تو اس وقت کھڑا ہو فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۳ میں ہے اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما لکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح کذا فی المضمرات اور شامی جلد اول ص۳۲۰ میں ہے یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن حی علی الفلاح۔ ھذا ما عندی والعلم عند ربی جل جلالہ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) مسجد کے اندرونی حصہ میں اذان پڑھنا مکروہ و منع ہے فتاویٰ قاضی خاں جلد اول مصری ص۷۸ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۵ اور بحر الرائق جلد اول ص۲۶۸ میں ہے لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے اور فتح القدیر جلد اول ص۲۱۵ میں ہے قالوا لا یؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۲۱ میں ہے یکرہ ان

یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے۔ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور صحابۂ کرام کے زمانے میں خطبہ کی اذان مسجد کے دروازے پر ہی ہوا کرتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۶۲ میں ہے عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد و ابوبکر و عمر یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ لہٰذا یہ جو رواج ہو گیا ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے اندر دی جاتی ہے غلط ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس رواج کو چھوڑ کر حدیث و فقہ پر عمل کریں۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از محمد اسرائیل حشمتی پوسٹ و مقام ڈونگلہ چتوڑ گڈھ (راجستھان)

خطبہ کی اذان اور پنج وقتی اذان کہاں دی جائے؟ مسجد کے اندر یا باہر اور صحن کی دیوار پر اذان پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب پنج وقتی اذان کسی بھی جگہ مسجد کے باہر دی جائے کہ مسجد کے اندر اذان پڑھنا مکروہ و منع ہے فتاویٰ قاضی خاں جلد اول مصری ص ۷۸ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۵۵ اور بحر الرائق جلد اول ص ۲۶۸ میں ہے لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے۔ اور فتح القدیر جلد اول ص ۲۱۵ میں ہے قالوا لا یؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور طحطاوی علی مراقی ص ۲۱ میں ہے یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان پڑھنا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے۔ اور صحن کی دیوار پر اذان پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کہ وہ خارج مسجد ہے۔ اور خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے مسجد کے باہر پڑھی جائے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں پڑھی جاتی تھی۔ حدیث کی معتبر کتاب ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۶۲ میں ہے عن السائب بن یزید قال کان یؤذن

بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں۔ لہٰذا عام طور پر جو رواج ہوگیا ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے اندر دی جاتی ہے وہ غلط ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ رجمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از غلام یٰسین قادری، ضیاء الاسلام کنواں پارہ چکیا چپارن۔

جمعہ کی اذان ثانی جو مسجد کے اندر منبر کے سامنے ہوتی ہے یہ کیسا ہے؟ کیا مسجد کے اندر جائز ہے یا نہیں زید مسجد کے باہر منبر کے سامنے پکارنے کو جائز بتاتا ہے اور بکر اس کو بدعت کہتا ہے لہٰذا حضور والا سے گزارش ہے کہ مدلل و مبرہن فرماکر شکریہ کا موقع دیں نیز بکر کے بارے میں کیا حکم ہے تحریر فرمائیں؟

الجواب بعون الملک الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب جمعہ کی اذان ثانی بھی خارج مسجد ہونی چاہئے داخل مسجد اذان پڑھنا مکروہ و منع ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جمعہ کی یہ اذان مسجد سے باہر دروازے ہی پر ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف جلد اول صفحہ ۱۵۵ میں ہے عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر الصدیق وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما یعنی جب رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر صدیق و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں۔ اور فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۱۵ میں ہے قالوا لا یؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد کے اندر اذان پڑھنا ممنوع ہے لہٰذا داخل مسجد اذان کو جائز بتانے والا اور خارج مسجد اذان کو بدعت ٹھہرانے والا جاہل ہے ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی جل جلالہ

وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ر شعبان ۱۳۸۷ھ

مسئلہ از وکیل الدین قدوائی مکان ۸۸/۵۱۴ چمن گنج کان پور۔

(۱) قبل خطبۂ جمعہ اذان ثانی از روئے شرع کس جگہ سے کہنا چاہئے حوالہ حدیث شریف سے؟

(۲) اذان ثانی روبروئے خطیب داخل مسجد منبر کے قریب ہونا کیسا ہے؟

(۳) اذان مذکور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانۂ پاک میں داخل مسجد ہوا کرتی تھی کہ خارج مسجد؟

(۴) جس حدیث سے اذان مذکور خارج مسجد ہونا ثابت ہے وہ حدیث منسوخ ہے کہ نہیں؟

(۵) اگر خارج مسجد اذان ہونے والی حدیث منسوخ ہے تو ناسخ کونسی حدیث ہے؟

(۶) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کی جو سنت مروج نہ ہو اس کو رائج کرنا کیسا ہے؟

(۷) قوم کے عمل سے جو سنت اٹھ چکی ہو اس کو رائج کرنے والے اور کرانے والے کی فضیلت بیان فرمائیں؟

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) جمعہ کی اذان خواہ اذان اول ہو یا اذان ثانی یونہی نماز پنجگانہ کی اذان سب کے لئے حکم شرعی یہ ہے کہ وہ خارج مسجد ہو کیونکہ مسجد کے اندر اذان ممنوع ہے فتاوٰی قاضی خاں ص۷۸ مطبوعہ مصر جلد اول۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۵۵ بحر الرائق جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۶۸ شرح نقایہ علامہ برجندی ص۸۳ فتح القدیر مطبوعہ مصر جلد اول ص۱۷۱ فتاوٰی خلاصہ قلمی ص۴۲ میں ہے لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے تو جس طرح اس حکم فقہی کے پیش نظر نماز پنجگانہ کی اذان مسجد کے اندر ممنوع ہے ٹھیک یونہی جمعہ کی اذان ثانی بھی داخل مسجد ناجائز ہے۔ ہاں اس اذان کے لئے مزید حکم یہ ہے کہ خارج مسجد ہونے کے ساتھ خطیب کے سامنے ہو۔ بعض لوگوں نے نظر و فکر سے عاری ہونے کے باعث خطیب کے سامنے ہونے کا معنٰی یہ سمجھا ہے کہ منبر سے قریب خطیب سے دو ہاتھ کے فاصلے پر اذان ہو لیکن یہ ان حضرات کی غلطی ہے کیونکہ خطیب کا سامنا جسطرح قریب سے ہوسکتا ہے ٹھیک یونہی دور سے بھی ہوسکتا ہے اور جب اسلامی فقہ نے مسجد میں اذان دینا

ممنوع قرار دیدیا تو ایسی صورت میں حکم شرعی یہ ہوگا کہ مؤذن خارج مسجد اس جگہ کھڑا ہو کر اذان دے جہاں اس کے اور چہرۂ خطیب کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو حضور پر نور سید نا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں خطبہ والی یہ اذان مسجد سے باہر دروازے پر ہوتی تھی سنن ابو داؤد شریف جلد اول صفحہ ۱۵۵ میں ہے عن سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن (خطبہ کے لئے) منبر پر تشریف رکھتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے دروازۂ مسجد پر اذان ہوتی اور (ایسا ہی) حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں) ان دونوں حضرات کے سامنے (دروازۂ مسجد پر اذان ہوتی) اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے۔ تو دن دوپہر میں آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ بمطابق حدیث شریف وحسب ارشاد فقہائے اسلام جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے مقابل خارج مسجد ہو۔

(۲) جب کتب فقہ نے ضابطۂ کلیہ بیان کر دیا کہ مسجد کے اندر اذان دینا جائز نہیں تو بالکل آئینہ کی طرح یہ مسئلہ واضح ہوگیا کہ جمعہ کی اذان ثانی بھی چونکہ ایک اذان ہے اس لئے اس کا بھی مسجد کے اندر ہونا جائز نہیں ہاں روبروئے خطیب ہونا یہ بیشک مشروع ہے اور اس پر عمل کی صورت یہ ہے کہ مؤذن خارج مسجد اذان دینے کے لئے اس جگہ کھڑا ہو جہاں اس کے اور خطیب کے چہرہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

(۳) خطبہ والی اذان، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مقدسہ میں داخل مسجد نہیں ہوتی تھی بلکہ خارج مسجد دروازہ پر ہوتی تھی جیسا کہ سنن ابوداؤد کی حدیث شریف مذکورہ بالا سے واضح اور ثابت ہے

(۴) سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جس حدیث سے اذان خطبہ کا خارج مسجد ہونا ثابت ہے وہ ہرگز منسوخ نہیں کیونکہ اسی حدیث سے یہ بھی واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد خطبہ والی اذان صحابۂ کرام کے زمانے میں خارج مسجد دروازہ پر دی جاتی حالانکہ حضرات صحابہ نے یہ اذان خارج مسجد دروازہ پر دلوائی۔ پھر یہ حدیث شریف تو اخبار میں سے ہے اس کے منسوخ ہونے کے کیا معنی۔

(۵) سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مذکورہ بالا نہ تو منسوخ ہے اور نہ اسکی کوئی ناسخ

حدیث سے دلیل یہ ہے کہ حضرات فقہائے کرام صاف صاف بالاعلان تحریر فرماتے ہیں لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے تو اگر کوئی ناسخ حدیث ہوتی جس سے یہ ثابت ہوتا کہ خطبہ والی اذان مسجد کے اندر جائز ہے تو فقہا ضابطۂ کلیہ بیان فرمانے کے وقت اس کا استثناء ضرور فرماتے اور یوں تحریر کرتے لا یؤذن فی المسجد الا اذان الخطبۃ یعنی مسجد کے اندر صرف اذان خطبہ جائز ہے باقی اور کوئی اذان جائز نہیں لیکن جب ان ائمۂ دین نے اذان خطبہ کا استثناء نہیں فرمایا تو ثابت ہوگیا کہ حدیث ابوداؤد مذکور بالا کی ناسخ کوئی حدیث نہیں۔

(۶) حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مردہ سنت کو زندہ کرنا یعنی رائج کرنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔

(۷) حضور اقدس افضل المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من احیی سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ۔ رواہ السجزی فی الابانۃ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی جس نے میری مردہ سنت کو رائج کیا بیشک اسکو مجھ سے محبت ہے اور جس کو مجھ سے محبت ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ اللّٰھم ارزقنا۔ ایک دوسری حدیث میں پیارے مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم فرماتے ہیں من احیی سنۃ من سنتی فقد امیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا رواہ الترمذی عن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ یعنی جو شخص میری کوئی سنت زندہ کرے جسے لوگوں نے میرے بعد چھوڑ دی ہو تو جتنے اس پر عمل کریں گے سب کے برابر اس زندہ کرنے والے کو ثواب ملے گا اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ ایک تیسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید رواہ البیہقی فی الزہد عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یعنی میری امت کے (اعمال) بگڑ جانے کے وقت جو شخص میری سنت مضبوط تھامے اسے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔ پھر چونکہ دور حاضر میں جمعہ کی اذان ثانی سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے صریحاً خلاف مسجد کے اندر دلوانے کا رواج قائم ہے اس لئے جو شخص سنت نبوی زندہ کرنے کے لئے اس اذان کو دروازۂ مسجد پر دلوائے گا وہ ان تمام فضائل وحسنات کا مستحق ہوگا جو احادیث مذکورۂ بالا

میں بیان کئے گئے وانما التوفیق من اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ بدر الدین احمد الصدیقی القادری الرضوی
۱۸ ربیع النور ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از شیخ رحم اشرفی موتی تالاب پارہ۔ جگدل پور بستر (ایم۔پی)

جمعہ کی اذان ثانی منبر کے نزدیک مسجد کے اندر دیجائے یا مسجد کے باہر امام کے روبرو دیجائے نیز کونسا طریقہ مسنون ہے اور کونسا طریقہ مکروہ و خلاف سنت ہے؟ مدلل و مفصل جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں بڑی نوازش ہوگی؟

الجواب بعون الملک الوھاب جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے خارج مسجد ہونا چاہئے یہی طریقہ سنت ہے منبر کے نزدیک یعنی داخل مسجد اذان پڑھنا خلاف سنت و مکروہ و منع ہے۔ اس لئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جمعہ کی یہ اذان مسجد سے باہر دروازہ پر ہی ہوا کرتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف جلد اول ص۱۵۶ میں ہے عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔ یعنی جب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی، اور ایسا ہی حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۵ پر ہے لَا یُؤَذَّنُ فِی الْمَسْجِدِ یعنی مسجد کے اندر اذان منع ہے اور بحر الرائق جلد اول ص۲۶۸ میں ہے لایؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان کی ممانعت ہے اور فتح القدیر جلد اول ص۲۱۵ میں ہے قالوا لا یؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد کے اندر اذان ممنوع ہے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ

مسئلہ ۱۔ از عبد الغنی موضع ڈوگرا ہوا مظفر پور (بہار)

(۱) ہمارے یہاں جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہوتی تھی۔ ایک نوجوان مولوی صاحب پنجگانہ نماز پڑھاتے تھے۔ مگر چند دن ہوئے کہ مولوی صاحب نے اعلان کیا کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر کے بجائے باہر ہونی چاہئے۔

اس مسئلہ کی وجہ سے لوگوں میں اختلاف ہوگیا۔ بہت سے لوگوں نے مولوی صاحب کی اقتداء میں جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑ دی ہے۔ تراویح چھوڑ دی اور آپس میں جھگڑے کی نوبت ہوگئی تو ایسی صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان اختلافات کی ذمہ داری کس پر ہے؟

(۲) جب سرور عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دور میں اندر مسجد جمعہ کی اذان دلوائی اور خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی اپنے دور میں ایسا ہی کیا تو جو شخص اندر مسجد اذان دلوائے تو کیا وہ مسلمان نہیں یا وہ سنیت سے خارج سمجھا جائے گا۔ یا اس کی نماز نہ ہوگی۔ یہ خیال نہ فرمائیں کہ اندر مسجد اذان دلوانے پر اصرار کرنے والے دیوبندی ہیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ یہ لوگ سنی اور سرکار نبی شریف والے سرکار کے مریدوں میں سے ہیں۔ صاف صاف حکم شرع شریف سے آگاہ فرمائیں! بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ (۱) آجکل جمعہ کی اذان ثانی منبر سے ڈیڑھ ہاتھ یا تین ہاتھ کے فاصلے پر مسجد کے اندر دلواتے ہیں یہ ناجائز ہے جس طرح اور نمازوں کے لئے اذان خارج مسجد ہونی چاہئے یونہی جمعہ کی اذان ثانی بھی خارج مسجد ہونی چاہئے ہاں اس اذان میں اتنی پابندی زیادہ ہے کہ خطیب کے سامنے ہو۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جمعہ کی یہ اذان مسجد کے باہر دروازے پر ہوا کرتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف جلد اول ص۱۵۶ میں ہے عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر یعنی جب رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن (خطبہ کیلئے) منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے سامنے (دروازۂ مسجد پر) اذان ہوتی تھی، فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۵۵ مطبوعہ مصر میں ہے لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان منع ہے بحر الرائق ص۲۶۸ میں ہے لا یؤذن فی المسجد

یعنی مسجد میں اذان نہ دیجائے۔ اب جبکہ حدیث شریف سے معلوم ہوگیا کہ سرکار اقدس نبی محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کریمہ یہی ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے دروازۂ مسجد پر ہو اور فقہائے کرام کے ارشادات سے ثابت ہوا کہ اذان مسجد میں ناجائز ہے تو اس نوجوان مولوی کا اعلان کرنا کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے باہر ہونی چاہئے ضرور حق ہے۔ جن لوگوں نے محض اس احیائے سنت کے باعث مسجد کو چھوڑ دیا اور اس نوجوان مولوی کی اقتداء سے متنفر ہوگئے اور جماعت کا نظم توڑ دیا اور تراویح سے اپنے کو محروم کرلیا نیز فتنہ وفساد پر آمادہ ہوگئے وہ سب کے سب گنہگار ہوئے۔ خواہش نفسانی کے پیچھے چلنے والے قرار پاگئے اور چونکہ بلاعذر شرعی تارک جماعت ہوئے اس لئے شرعًا فاسقِ معلن بھی ہوگئے۔ ان سب پر توبہ کرنا اور اپنے گناہوں سے معافی مانگنا شرعًا فرض ہے۔

(۲) مستفتی الٹی بات لکھ رہا ہے کیونکہ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اپنے مقدس زمانے میں جمعہ کی یہ اذان مسجد کے اندر نہیں بلکہ خارج مسجد دروازے پر دلوائی ہے اور ایسا ہی خلیفۂ اول سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد مبارک میں ہوا ہے جیسا کہ ابوداؤد شریف کے حوالہ سے بیان کیا جاچکا ہے۔

جو شخص دیدہ ودانستہ بلا وجہ شرعی اس سنت مقدسہ کی مخالفت کرے وہ ضرور بدمذہبوں کا بھائی ہے جب حسب بیان سائل خارج مسجد اذان کی مخالفت کرنے والے سرکار نبی شریف کی خانقاہ سے منسلک ہیں تو پھر یہ تناؤ کیسا؟ تو تو میں میں اور جھگڑا فساد کیسا؟ خارج مسجد اذان دلوانے پر جھگڑا کیوں کررہے ہیں سنّی ہوتے ہوئے اس سنت کریمہ کی مخالفت نہیں سمجھ میں آتی۔

بس فیصلہ یہ ہے کہ سب لوگ حکم شرع کے آگے اپنی اپنی گردنوں کو جھکا دیں اپنے اپنے دلوں سے شیطانی خیالات نکال باہر کریں اور دونوں فریق متفقہ اعلان کردیں کہ اب بحکم شریعت اسلامیہ جمعہ کی اذان ثانی موافق سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اندر کی بجائے خارج مسجد ہوگی۔ اور رضائے مولیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا حاصل کرنے اور شیطان کو بھگانے اور اس کو خائب وخاسر کرنے کیلئے دونوں فریق ان تمام باتوں کی آپس میں معافی کرالیں۔ جو زمانۂ اختلاف میں ایک دوسرے کے خلاف کہتے اور سنتے رہے اس میں جو پیش قدمی کریگا وہ جنت میں بھی پیش قدمی کریگا۔ والتوفیق من المولیٰ تعالیٰ سبحانہ ورسولہ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ بدرالدین احمد الصدیقی القادری الرضوی

۱۹ر ذی القعدہ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ : منجانب مسلمانان کوٹھیا شریف ڈاکخانہ کانٹی ضلع مظفر پور (بہار)

(۱) خطبہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر ہونا چاہئے؟ مسجد کے اندر اذان کہنا کیسا ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں پورے ہندوستان میں اذان اندر ہوتی ہے یہ رائے عام اور سارے علماء کا اجماع ہے اور اتفاق ہے لہٰذا اندر ہوتی چاہئے اس مسئلہ کے متعلق امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر حکم صادر فرمائیں۔ حدیث اور کتابوں کا حوالہ دیا جاتا ہے اور حدیث کی کتاب دکھائی جاتی ہے تو جانتے والے کہتے ہیں ہم اس بات کو نہیں مانیں گے میرے خاندان میں ہوتا آرہا ہے۔ مسجد کے باہر اذان ہونا نئی بات ہے۔ نہ ماننے والوں پر اسلام کا کیا حکم ہے؟

(۲) عربی خطبہ میں اردو اشعار پڑھنا کیسا ہے امام صاحب نے اتنی بات پر گفتگو ہوئی کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ کو پڑھنا ہوگا امام صاحب کہتے ہیں کہ ہم نہیں پڑھیں گے یہ خلاف سنت متوارثہ ہے لہٰذا عربی خطبہ میں اردو اشعار پڑھنا کیسا ہے جیسا کہ خطبۂ علمی میں ہے یہ اردو اشعار نہ پڑھنے کی وجہ سے کچھ لوگوں نے جمعہ اپنے مکان میں قائم کرلیا ہے ان کے جمعہ قائم کرنے سے جمعہ کی نماز ہوجائے گی۔ اس جگہ نماز پڑھنا کیسا ہے اور مسجد کو اسی بات پر چھوڑ کر الگ جمعہ قائم کرلیا ہے ایسے لوگوں پر اسلام کا کیا حکم ہے؟

(۳) تکبیر میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہوتے ہیں پہلے سے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں مگر حی علی الفلاح پر پہنچتا ہے تو لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس کا ثبوت نہیں ہے شروع سے کھڑا ہونا چاہئے اس کے متعلق اسلام کا کیا حکم ہے اس کا ثبوت کیا ہے۔

الجواب (۱) خطبہ کی اذان مسجد کے اندر پڑھنا مکروہ و منع ہے اور اذانوں کی طرح یہ اذان بھی مسجد کے باہر ہی ہونا چاہئے کہ یہی سنت ہے جیسا کہ حدیث کی معتبر کتاب ابوداؤد شریف جلد اول ص۱۶۲ میں ہے عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں۔ اور بحر الرائق جلد اول ص۲۶۸ میں ہے لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے اور فتح القدیر جلد اول ص۲۱۹ میں ہے قالوا لا یؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور طحطاوی

علی مراقی الفلاح ص۱۱۲ میں ہے یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے۔ اور یہ کہنا غلط ہے کہ پورے ہندوستان میں اذان اندر ہوتی ہے اس لئے کہ ہندوستان کی بے شمار مسجدوں میں خطبہ کی اذان باہر ہوتی ہے اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اندر اذان ہونے پر سارے علماء کا اجماع و اتفاق ہے اس لئے کہ حدیث شریف اور فقہائے کرام کی تصریح کے ہوتے ہوئے کبھی بھی اندر اذان ہونے پر سارے علماء کا اتفاق نہیں ہوسکتا اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مسجد کے اندر اذان ہونے کے بارے میں ہرگز منقول نہیں لہذا ان کا مسلک حدیث شریف اور فقہائے کرام کے اقوال کے مطابق ہی ہے جو لوگ حدیث و فقہ کے ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اپنے خاندان کے غلط طریقہ کو مانتے ہیں مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے دور رہنا لازم ہے کہ وہ لوگ گمراہ نہیں تو جاہل ہیں اور جاہل نہیں تو گمراہ ہیں۔ اور مسجد کے اندر اذان ہونا نئی بات ہے باہر ہونا نئی بات نہیں ہے اسلئے کہ وہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) امام صاحب جو کہتے ہیں بے شک جمعہ کے خطبہ میں اردو اشعار پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف اور مکروہ ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری زمانۂ مبارکہ سے صحابۂ کرام تابعین عظام اور ائمۂ اعلام کے عہد تک تمام قرون و طبقات میں جمعہ و عیدین کے خطبے ہمیشہ خالص عربی زبان میں مذکور و ماثور۔ حالانکہ بحمد اللہ تعالیٰ زمانۂ صحابہ میں اسلام سیکڑوں عجمی شہروں میں شائع ہوا جمعے قائم ہوئے مگر تحقیق حاجت کے باوجود کبھی عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ فرمانا یا دونوں زبانیں ملانا صحابۂ کرام سے مروی نہ ہوا۔ اگر لوگ اردو اشعار سننے کے لئے بضد ہیں تو امام کو چاہیئے کہ رفع فتنہ کے لئے خطبہ کی اذان سے پہلے لوگوں کو اردو اشعار پڑھکر سنا دے پھر اذان کے بعد خالص عربی زبان میں خطبہ پڑھے۔ خطبۂ جمعہ میں اردو اشعار نہ پڑھنے کے سبب جن لوگوں نے دوسرا جمعہ قائم کرلیا وہ یا تو جاہل گنوار ہیں اور یا تو گمراہ۔ خدائے تعالیٰ ہدایت فرمائے اور دیہات میں نیا جمعہ قائم کرنا غلط ہے کہ وہاں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز نہیں البتہ جہاں پہلے سے قائم ہو وہاں بند نہ کیا جائے کہ وہاں جس طرح بھی عوام اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے۔ ھکذا قال الامام احمد رضا البریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۳) تکبیر کے وقت بیٹھنے کا حکم ہے کھڑا رہنا مکروہ و منع ہے پھر جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح پر پہنچے تو اٹھنا چاہیئے فتاوی عالمگیری، درمختار، شامی، شرح وقایہ، عمدۃ الرعایہ، مراقی الفلاح، طحطاوی علی مراقی،

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، اشعۃ اللمعات، مظاہر حق، ما لا بد منہ، اور بہار شریعت وغیرہا تمام کتب معتبرہ میں یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے یہاں تک کہ حدیث کی مشہور کتاب مؤطا امام محمد باب تسویۃ الصف ص۸۸ میں ہے قال محمد ینبغی للقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ان یقوموا الی الصلوٰۃ فیصفوا ویسووا الصفوف۔ یعنی محرر مذہب حنفی حضرت امام محمد شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح پر پہنچے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ نماز کے لئے کھڑے ہوں اور صف بندی کرتے ہوئے صفوں کو سیدھی کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبــــــــــــہ جلال الدین احمد امجدی
۳۰ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: سید جاوید اشرف چشتی باری مسجد مل کوٹھی شاؤن۔ دارجلنگ (مغربی بنگال)

ایک مسجد میں خطبہ کی اذان داخل مسجد ہو رہی ہے۔ مسجد کے متولی، سب نمازی اور تمام اہل محلہ چاہتے ہیں کہ خطبہ کی اذان خارج مسجد ہو لیکن اگر امام صاحب راضی نہ ہوں تو کیا ایک شخص کی مرضی پر شریعت کے قانون کو قربان کیا جا سکتا ہے؟ جو فیصلہ ہو تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجوابــــــــــــ: مسجد کے اندر اذان پڑھنا مکروہ و منع ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں جلد اول مصری ص۷۸ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۵ میں ہے لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان دینا منع ہے۔ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۰۷ میں ہے یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے اور حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث شریف مروی ہے قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔ یعنی صحابی رسول حضرت سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں بھی رائج تھا (ابوداؤد شریف جلد اول ص۱۶۲) معلوم ہوا کہ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر پڑھنا رسول کریم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین

یعنی میرے طریقے اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے پر تم لوگوں کو عمل کرنا لازم ہے (احمد، ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ ص۳۰) لہٰذا خطبہ کی اذان کے بارے میں حضور اور ان کے خلفائے راشدین کے طریقے پر عمل کیا جائے اگرچہ امام صاحب راضی نہ ہوں کہ سنت کے مقابلہ میں امام کی رضا کوئی چیز نہیں اور امام کو بھی اس سنت سے اعراض نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث ہے من رغب عن سنتی فلیس منی یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص میرے طریقے سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جو میرے طریقہ کو پسند نہ کرے وہ میرے راستہ پر نہیں ہے (مشکوٰۃ شریف ص۲۷) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۹؍ ذی القعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شاہ محمد قادری رضوی نوری امام مسجد ماری محلہ ویوسٹ چپلون رتناگیری (مہاراشٹر)

اذان اول یا اذان ثانی مسجد کے اندر دینا جائز ہے کہ نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ہندوستان میں تقریباً سبھی مسجدوں میں منبر سے ڈیڑھ ہاتھ ہٹ کر خطیب کے سامنے اذان آج پشتہا پشت سے ہوتی چلی آرہی ہے آج تک کسی نے منع نہ کیا۔ کیا ان تمامی اماموں میں اس مسئلہ کا جاننے والا نہ تھا؟ لہٰذا ہر اعتبار سے مسجد کے اندر منبر کے قریب خطیب کے سامنے اذان دینا صحیح ہے شریعت مطہرہ میں چاروں اماموں کے نزدیک اذان اولی و اذان ثانی کہاں دینی چاہئے؟ اور زید کا اثبات صحیح ہے یا غلط ہے؟

الجواب: اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب اذان اول ہو یا اذان ثانی مسجد کے اندر پڑھنا مکروہ ہے بحر الرائق جلد اول ص۲۶۸ میں ہے لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے اور فتح القدیر جلد اول ص۲۱۹ میں ہے قالوا لا یؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۱ میں ہے یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے۔ اور خاص کر جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں حدیث کی معتبر کتاب ابوداؤد شریف جلد اول ص۱۶۲ میں ہے عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ

علی باب المسجد وابی بکر وعمر ۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جب رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں ۔

اس حدیث شریف سے واضح طور سے معلوم ہوا کہ خطبہ کی اذان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور میں مسجد کے باہر ہی ہوا کرتی تھی اور یہی سنت ہے حدیث شریف کے مقابلہ میں غلط رواج کا پیش کرنا صحیح نہیں ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین ۔ میرا اور خلفاء راشدین کا طریقہ تم پر لازم ہے ۔ لہٰذا جو لوگ سرکار کے ماننے والے ہیں وہ حضور کی اور خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کے لئے مسجد کے باہر خطبہ کی اذان دیتے ہیں اور جو باپ دادا کے رواج کو مانتے ہیں وہ حضور کی سنت جاننے کے باوجود اندر ہی اذان پڑھکر حضور کی سنت کو ٹھکراتے ہیں اور باپ دادا کے رواج کو زندہ کرتے ہیں ۔ اور جبکہ حدیث شریف اور فقہ سے ثابت ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر پڑھنا سنت اور داخل مسجد پڑھنا مکروہ و منع ہے تو جو لوگ پشتہا پشت سے مسجد کے اندر خطبہ کی اذان پڑھتے چلے آئے وہ اس مسئلہ سے جاہل تھے یا جاہل نہ تھے بالکل ظاہر ہے ۔ چاروں اماموں میں سے کسی نے مسجد کے اندر اذان پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہے ـــ زید کا استدلال بہرصورت صحیح نہیں خدائے تعالیٰ تمام مسلمانوں کو غلط رواج چھوڑ کر حدیث و فقہ پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہٹ دھرمی سے بچائے آمین یا رب العٰلمین ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبـــــــہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ : از مسلمانان رانی گنج پوسٹ بہور کپور ضلع فیض آباد ۔ یوپی ۔

(۱) جمعہ کی اذان ثانی جو کہ خطبہ کے وقت ہوتی ہے اور ہمارے خطے میں ہر جگہ رواج ہے کہ وہ اذان مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہوتی ہے ۔ آیا یہ اذان مسجد کے باہر ہونی چاہئے یا کہ اندر ؟

(۲) ایک آدمی کہتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ وہ اذان خطیب کے سامنے ہوتی تھی تو کیا خطیب کے سامنے اندر ہی یا باہر ؟ اس حدیث سے کیا حکم ثابت ہوتا ہے ؟ اگر اس حدیث سے اندر ہونا ثابت ہے تو باہر اذان کہنے کی کیا دلیل ہے ؟

(۳) اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو کہ مسجد کے اندر اذان کہنے پر اصرار کرے اور باہر اذان کہنے کو نئی بات ذہن جانے واضح ہو کہ یہاں منبر ایسی جگہ بنا ہوا ہے کہ باہر سے اذان کہنے پر خطیب کا سامنا ہوتا ہے ،،
جواب اہل سنت و امام اعظم کے مذہب کے مطابق ہو و قرآن و حدیث و فقہ حنفی کی معتبر کتابوں کا حوالہ بھی دیں۔

الجواب (۱) خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے مسجد کے باہر ہونی چاہئے اور یہ جو رواج ہے کہ خطبہ کی اذان مسجد کے اندر دی جاتی ہے۔ غلط ہے۔

(۲) بیشک حدیث شریف میں ہے کہ خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے ہوتی تھی مگر مسجد کے باہر دروازہ پر نہ کہ مسجد کے اندر۔ جیسا کہ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اول ص۱۶۲ میں ہے۔ عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد و ابی بکر و عمر یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں۔ اسی لئے فقہائے کرام مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو منع فرماتے ہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں جلد اول مصری ص۵۵ اور بحر الرائق جلد اول ص۲۶۸ میں ہے لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے اور فتح القدیر جلد اول ص۲۱۵ میں ہے قالوا لا یؤذن فی المسجد فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۱ میں ہے یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے۔

(۳) مسجد کے اندر اذان کہنے پر اصرار کرنے والا اور باہر اذان کہنے کو نئی بات قرار دینے والا جاہل گنوار ہے۔ اور حدیث مذکور و فقہائے کرام کی عبارتوں پر مطلع ہونے کے باوجود اگر نہ مانے تو ہٹ دھرم بھی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۳ر من ذی الحجہ سنہ ۹۱ھ

مسئلہ ۔ از عبید اللہ خاں سلیمانی ۔ پادل ضلع جل گاؤں (مہاراشٹر)

زید کہتا ہے کہ خطبہ کی اذان خارج مسجد ہونا چاہئے اور یہی سنت ہے اور یہی صحابہ تابعین تبع تابعین ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے اور مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ تحریمی اور خلاف سنت ہے ۔ عمرو کہتا ہے کہ خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے منبر کے پاس ہونا چاہئے خارج مسجد خطبہ کی اذان دینا بدعت ہے ۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے ۔ اور یہ بھی واضح فرمائیں کہ اگر خارج مسجد اذان دینا صحیح ہے تو مسجد کے اندر اذان دینے کا طریقہ کب سے رائج ہے اور اس کا موجد کون ہے ؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں ۔

الجواب ـــــــ بیشک خطبہ کی اذان خارج مسجد ہونا چاہئے یہی سنت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانۂ مبارکہ میں یہ اذان خارج مسجد ہی ہوا کرتی تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں بھی رائج تھا (ابوداؤد شریف جلد اول ص۱۶۲) اور حضرت علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آیت مبارکہ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ الخ کے تحت تحریر فرماتے ہیں اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد یعنی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان پڑھی جاتی تھی ۔ اسی لئے فتاویٰ قاضی خاں، فتاویٰ عالمگیری بحرالرائق، فتح القدیر اور طحطاوی وغیرہ تمام کتب فقہ میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو مکروہ و منع لکھا ہے ۔ لہٰذا عمرو جو خطبہ کی اذان خارج مسجد پڑھنے کو بدعت بتاتا ہے وہ گمراہ نہیں تو جاہل ہے اور جاہل نہیں تو گمراہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے طریقے کو بدعت بتاتا ہے ۔ رہا یہ سوال کہ مسجد کے اندر اذان دینے کا طریقہ کب سے رائج ہے اور اس کا موجد کون ہے ؟ تو ان باتوں کا جواب ان لوگوں کے ذمہ ہے جو مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو سنت سمجھتے ہیں وہ بتائیں کہ انھوں نے کس کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور اس کا موجد کون ہے ۔ رہے مسجد کے باہر پڑھنے والے تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے طریقے پر عمل کرتے ہیں ۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۳؍ شوال ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از عبدالرشید خاں خطیب جامع مسجد ہریا ضلع بستی

جمعہ کی اذان ثانی خارج مسجد ہونی چاہیے یا داخل مسجد؟

الجواب خطبہ کی اذان ثانی بھی خارج مسجد ہونی چاہیے داخل مسجد اذان پڑھنا مکروہ ممنوع اور بدعت سیئہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جمعہ کی یہ اذان مسجد سے باہر دروازہ ہی پر ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ ابو داؤد شریف جلد اول ص۱۶۲ میں ہے عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔ یعنی جب رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ مبارکہ میں۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۵۵ فتاوی قاضی خاں جلد اول ص۸۰ اور بحر الرائق جلد اول ص۲۶۸ میں ہے لا یؤذن فی المسجد۔ یعنی مسجد کے اندر اذان کی ممانعت ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ ۔ از محمد طاہر پاشا مقام بنکاپور ضلع دھارواڑ کرناٹک۔

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے وہ مسجد کے اندر دینا چاہیے یا مسجد کے باہر؟ زید کہتا ہے کہ درمختار اور فتاوی عالمگیری وغیرہ میں ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے دی جائے۔ خطیب کے سامنے یا روبرو کا کیا مطلب نکلتا ہے؟ فتاوی رضویہ اور بہار شریعت وغیرہ دکھانے کے بعد زید کہتا ہے کہ نئی کتاب اور نئے مسائل کی ضرورت نہیں۔ لیکن درمختار، ردالمحتار، فتاوی عالمگیری یہ سب بہت پرانی کتابیں ہیں، اس میں خطیب کے سامنے اور خطیب کے روبرو اذان ثانی دینے کو لکھا ہے اس لئے یہ اذان مسجد کے اندر ہی دی جانی چاہیے کیونکہ یہ بہت پرانا رواج ہے۔ اس سے قبل ۶ ماہ تک جمعہ کی اذان ثانی باہر دی جاتی رہی جو کہ زید اب اپنی ہٹ دھرمی سے جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر دلوا رہا ہے۔ زید خود فاسق معلن ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اور زید کا یہ کہنا کہ "فتاوی رضویہ اور بہار شریعت وغیرہ یہ سب نئی کتابیں ہیں اور نئے مسائل ہیں ان کی ضرورت نہیں" تو زید کے اس قول سے عند الشرع کیا جرم عائد ہوتا ہے۔ حدیث مبارکہ کی روشنی

میں اس کا مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب ـــــ بعون الملک العزیز الوھاب خطبہ کی اذان مسجد کے باہر پڑھنا سنت ہے اور مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دو تین ہاتھ کے فاصلہ پر پڑھنا جیسا کہ بعض جگہ رائج ہے خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے اس لئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور میں ایک بار بھی خطبہ کی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ہرگز ہرگز ثابت نہیں بلکہ ان کے مبارک دور میں خطیب کے سامنے مسجد کے باہر دروازہ پر یہ اذان ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف جلد اول ص۱۶۲ میں ہے عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب منبر پر جمعہ کے روز تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں اھ۔ اور خطیب کے سامنے یا روبرو کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کی اذان خطیب کے بالمقابل مسجد کے باہر ہو۔ جو لوگ خطیب کے سامنے یا روبرو کا مطلب مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں وہ کھلی ہوئی غلطی پر ہیں کہ حدیث مذکور میں بین یدیہ کے ساتھ علی باب المسجد بھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ خطیب کے سامنے یا روبرو کا مطلب یہ ہے کہ خطیب کے چہرے کے بالمقابل مسجد کے باہر دروازہ پر اذان ہو نہ کہ اندر جیسا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں یہ اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی لہٰذا کنز الدقائق، درمختار اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں جو خطیب کے سامنے یا خطیب کے روبرو اذان ثانی دینے کو لکھا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ خطیب کے بالمقابل مسجد کے باہر ہو۔ اسی لئے ان کتابوں میں مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دو تین ہاتھ کے فاصلے پر اذان دینے کو نہیں لکھا بلکہ مخالف کی پیش کی ہوئی کتاب فتاویٰ عالمگیری اور فقہ کی دوسری معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو مکروہ و ممنوع فرمایا جیسا کہ فتح القدیر جلد اول ص۲۱۵ میں ہے قالوا لا یؤذن فی المسجد یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے اور بحر الرائق جلد اول ص۲۶۸ فتاویٰ قاضی خاں جلد اول مصری ص۷۸ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۵ میں ہے لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان پڑھنا منع ہے

اور طحطاوی علی مراقی ص۱۱۲ میں ہے یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم یعنی مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اسی طرح قہستانی میں نظم سے ہے۔ لہٰذا جو لوگ مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو صحیح سمجھتے ہیں وہ فقہ اور حدیث شریف کے بجائے رواج کے ماننے والے ہیں کہ ان کے پاس ہٹ دھرمی اور رواج کے سوا مسجد کے اندر اذان پڑھنے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور زید جس نے یہ کہا کہ فتاوی رضویہ اور بہار شریعت سب نئی کتابیں ہیں اور سب نئے مسائل ہیں تو جاہل نہیں تو گمراہ ہے اور گمراہ نہیں تو جاہل ہے۔ کہ فتاوی رضویہ اور بہار شریعت نئی کتابیں ضرور ہیں مگر مسائل پرانے ہیں خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو حدیث شریف اور فقہ پر عمل کرنے کی اور ہٹ دھرمی سے بچنے کی توفیق رفیق بخشے۔ (آمین) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۳۰ محرم الحرام سنہ ۱۴۰ھ

مسئلہ: از مشہور عالم محلہ ڈونگری بمبئی نمبر ۹

اذان میں حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھا چومنا اور آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟

الجواب: اذان میں حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھا چومنا اور آنکھوں سے لگانا مستحب ہے۔ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ردالمحتار جلد اول ص۲۹۵ میں تحریر فرماتے ہیں یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشہادۃ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ وعند الثانیۃ منہا قرت عینی بک یا رسول اللہ ثم یقول اللہم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابہامین علی العینین فانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکون قائدا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد اھ قہستانی ونحوہ فی الفتاوی الصوفیۃ یعنی مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشہد ان محمدا رسول اللہ سنے تو صلی اللہ علیک یا رسول اللہ کہے اور جب دوسری بار سنے تو قرت عینی بک یا رسول اللہ اور پھر کہے اللہم متعنی بالسمع والبصر اور یہ کہنا انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھنے کے بعد ہو۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی رکاب میں اسے جنت میں

لیجائیں گے۔ ایسا ہی کنزالعباد میں ہے۔ یہ مضمون جامع الرموز علامہ قہستانی کا ہے اور اسی کے مثل فتاوی صوفیہ میں ہے۔ اور سید العلما حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طحطاوی علی مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۱۱۱ میں علامہ شامی کے مثل لکھنے کے بعد فرمایا و ذکر الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا من مسح العین بباطن انملۃ السبابتین بعد تقبیلھما عند قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ وقال اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیا حلت لہ شفاعتی اھ وکذا روی عن الخضر علیہ السلام وبمثلہ یعمل بالفضائل۔ یعنی دیلمی نے کتاب الفردوس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مرفوع کو ذکر فرمایا۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو مؤذن کے اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلیوں کے پیٹ کو چومنے کے بعد آنکھوں پر پھیرے اور اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبیا کہے تو اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی۔ اور ایسے ہی حضرت خضر علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے اور اس قسم کی حدیثوں پر فضائل میں عمل کیا جاتا ہے۔ اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موضوعات کبیر میں تحریر فرماتے ہیں اذا ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیکفی للعمل بہ لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین یعنی جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے اسلئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور احادیث کریمہ میں تکبیر کو بھی اذان کہا گیا ہے لہٰذا تکبیر میں بھی انگوٹھا چومنا جائز و باعث برکت ہے اور اذان و تکبیر کے علاوہ بھی نام مبارک سن کر انگوٹھا چومنا جائز و مستحسن ہے کہ اس میں حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم کی تعظیم بھی ہے اور حضور کی تعظیم جس طرح بھی کی جائے باعث ثواب ہے ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مسئولہ قاضی محمد اسمٰعیل۔ بلوچ واڈہ مشہر جوناگڈھ (گجرات)

خطبہ کی اذان مسجد کے اندر پڑھی جائے یا باہر؟ فتاوی عالمگیری مترجم اردو جلد اول باب جمعہ میں ہے کہ خطیب جب منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان دی جائے اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

الجواب جمعہ کی اذان ثانی خطیب کے سامنے خارج مسجد ہی ہونی چاہئے داخل مسجد اذان پڑھنا مکروہ ومنع اور بدعت سیئہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جمعہ کی یہ اذان مسجد کے باہر دروازہ ہی پر ہوا کرتی تھی جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں بالتصریح مذکور ہے۔ اور فتاوی عالمگیری اردو میں جو خطیب کے سامنے کا لفظ ہے وہ عربی لفظ بین یدیہ کا ترجمہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اذان مسجد کے اندر پڑھی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خطیب کے سامنے مسجد کے باہر پڑھی جائے جیسا کہ حدیث شریف سے ظاہر ہے بلکہ خود فتاوی عالمگیری میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو ممنوع قرار دیا ہے جیسا کہ جلد اول مصری ص۵۵ میں ہے لا یؤذن فی المسجد۔ واللہ تعالیٰ اعلم والیہ المرجع والمآب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از منشی حسین اللہ ساکن سہتیاں کلاں۔ ضلع گونڈہ

اذان واقامت کے درمیان صلاۃ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب اذان واقامت کے درمیان صلاۃ پڑھنا یعنی بلند آواز سے الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنا جائز ومستحسن ہے اس صلاۃ کا نام اصطلاح شرع میں تثویب ہے اور تثویب کو فقہائے کرام نے نماز مغرب کے علاوہ باقی نمازوں کے لئے مستحسن قرار دیا ہے فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۵۳ میں ہے والتثویب حسن عند المتاخرین فی کل صلاۃ الا فی المغرب ھکذا فی شرح النقایۃ للشیخ ابی المکارم وھو رجوع المؤذن الی الاعلام بالصلاۃ بین الاذان والاقامۃ وتثویب کل بلدۃ علی ما تعارفوہ اما بالتنحنح او بالصلاۃ الصلاۃ او قامت قامت لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذلک بما تعارفوہ کذا فی الکافی اھ۔ اور درمختار میں ہے ویثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بما تعارفوہ۔ اور اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ قال فی العنایۃ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ

علی حسب ما تعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر وما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن اھ۔ اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے ویثوب بعد الاذان فی جمیع الاوقات لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ فی الاصح وتثویب کل بلد بحسب ما تعارفہ اھلھا اھ۔ اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص۴۲۲ اما التثویب بین الاذان والاقامۃ فلم یکن علی عھدہ علیہ السلام۔ واستحسن المتاخرون التثویب فی الصلوات کلھا اھ۔ اور اذان و اقامت کے درمیان خاص کر صلاۃ وسلام پڑھنے کے متعلق درمختار میں تصریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین وھو بدعۃ حسنۃ اھ ملخصًا یعنی اذان کے بعد الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں جاری ہوا اور یہ بہترین ایجاد ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از ضیاء الحق ساکن ڈومری پوسٹ کٹرہ ضلع مظفرپور (بہار)

زید قبروں پر اذان دینے سے منع کرتا ہے کیا یہ صحیح ہے کہ قبر پر اذان نہیں دینی چاہئے؟

الجواب:۔ قبر پر بعد دفن میت اذان دینا جائز و مستحب ہے اعلیٰحضرت شیخ الاسلام الشاہ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربہ القوی نے اپنے رسالہ مبارکہ ایذان الاجر فی اذان القبر میں پندرہ ۱۵ دلیلوں سے ثابت فرمایا ہے کہ قبر پر اذان دینا مستحب ہے اور اس اذان سے میت کیلئے سات ۷ فائدے شمار فرمایا ہے۔ حاصل یہ کہ قواعد شرعیہ کی روشنی میں یہ اذان بلا دغدغہ جائز و مستحسن ہے جو اس کو ناجائز بتائے وہ یا تو اصول شرع سے جاہل ہے یا وہابی بیدین ہے ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ثم عند رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔

کتبہ
بدرالدین احمد الصدیقی القادری الرضوی

مسئلہ:۔ از صدر الدین متعلم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف۔

ایک شخص ایک مسجد میں مؤذن ہے جب کبھی اس مؤذن سے غلطی سرزد ہوجاتی ہے تو لوگ باری باری اس مؤذن کو ڈانٹتے ہیں پھٹکارتے ہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ مصلیوں اور دیگر مسلمانوں کا اخلاق مؤذن کیساتھ کیسا ہونا چاہیے تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب اللہ جل علاہ و سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نزدیک مؤذن بڑی فضیلت والا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الامام ضامن والمؤذن مؤتمن اللھم ارشد الائمۃ واغفر للمؤذنین رواہ احمد وابوداؤد والترمذی یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام ضامن ہے اور مؤذن امانتدار ہے اے اللہ تو ہدایت دے اماموں کو اور بخش دے اذان دینے والوں کو (احمد، ابوداؤد، ترمذی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم من اذن سبع سنین محتسبا کتب لہ براءۃ من النار رواہ الترمذی وابن ماجہ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص خالصا لوجہ اللہ سات برس اذان کہے اس کے لئے دوزخ سے نجات لکھی جاتی ہے (ترمذی، ابن ماجہ) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اذن ثنتی عشرۃ سنۃ وجبت لہ الجنۃ وکتب لہ... فی کل یوم ستون حسنۃ ولکل اقامۃ ثلثون حسنۃ رواہ ابن ماجہ یعنی بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بارہ برس اذان دے اس کے لئے جنت واجب ہوجاتی ہے اور اس کے اذان دینے کے بدلے ہر دن ساٹھ نیکیاں اور ہر تکبیر کے بدلے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں (ابن ماجہ) ان احادیث کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول پیارے مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مؤذن بڑی اہمیت اور فضیلت والا ہے تو مؤذن کی بیقدری و تذلیل اللہ و رسول جل جلالہ و صلی المولی تعالی کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔ لہذا ہر نمازی بلکہ ہر مسلمان کو مؤذن کی عزت کرنا ضروری ہے ہاں اگر مؤذن سے کوئی غلطی یا لغزش ہوجائے تو کوئی ایک معتمد مصلی مناسب طریقہ پر متنبہ کردے ہر شخص ڈانٹنے پھٹکارنے پر آمادہ نہ ہوجائے کہ اس میں مؤذن کو اذیت ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۵ جمادی الاخری ۱۳۸۰ھ

مسئولہ:۔ عبدالحمید عرف جگنو میاں، مہراج گنج، کپلوستو، نیپال

زید نام کا حافظ ہے اور ایک مسلم آبادی میں جو کہ دیہات ہے مدرسی کرتا ہے اذان و اقامت امامت اور میلاد و فاتحہ وغیرہ کا کام بھی انجام دیتا ہے۔ یہی زید ہندہ (جو کہ بکر کے نکاح میں ہے) سے کئی سال سے ناجائز طور پر میاں بیوی جیسا رہن سہن رکھتا تھا دلی میں بھی پکڑا گیا اور اقرار جرم عام آدمی میں کیا چند ہی ماہ کے بعد ہندہ کی لڑکی زینب کیساتھ زید کا ناجائز تعلق پیدا ہو گیا جب گندگی پھیلی لوگوں نے لعن طعن شروع کیا تو زید زینب کو لیکر فرار ہو گیا۔ تھوڑی ہی مدت میں خفیہ آمد و رفت شروع کیا کچھ لوگ حتی کہ ایک سنی عالم بھی زید کے حامی بنے اب زید بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اسی پرانی بستی میں آکر زینب کے ساتھ بغیر نکاح و طلاق کے میاں بیوی کا حق ادا کر تے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے حتی کہ اب زید کے گھر میں زینب سے بچہ بھی پیدا ہونے والا ہے زید گاؤں والوں سے کہتا ہے کہ اس میں میرا کیا قصور ہے جب زینب کا شوہر طلاق دے گا تب تو میں نکاح پڑھوا ہی لوں گا زید کے بھاگ جانے کے بعد گاؤں میں دوسرے سنی صحیح العقیدہ مدرس کی تقرری ہو گئی ہے۔ اب زید بھی آگیا ہے اس لئے حق و ناحق کے دو گروہ پیدا ہو گئے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) زید اذان، اقامت، امامت، میلاد و فاتحہ ایک سنی جانکار مدرس کے ہوتے ہوئے بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) زید کی پرورش بحیثیت مدرس یعنی مسلمانوں کے مال سے خورد و نوش اور تنخواہ کا انتظام کرنا درست ہے کہ نہیں؟ ایک عالم صاحب معاملہ کو جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ نکاح درست ہے اب زید اور اس کے حامیوں خصوصًا عالم صاحب سے حقہ پانی اور معاملہ داری بند کرنا مناسب ہے کہ نہیں؟ بینوا بالتفصیل

الجواب ـــــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) زید اگر واقعی زینب کو ناجائز طور پر رکھے ہوئے ہے تو فاسق معلن ہے اس کی اذان مکروہ ہے اگر کہہ دے تو دوبارہ کہی جائے جیسا کہ بہار شریعت حصہ سوم ص۳۱ میں درمختار کے حوالہ سے ہے کہ فاسق اگرچہ عالم ہی ہو اس کی اذان مکروہ ہے لہٰذا اعادہ کیا جائے اور اس کی اقامت بھی مکروہ ہے اور اس کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان نمازوں کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے کوئی پڑھانے والا ہو یا نہ ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اگر کوئی قابل امامت نہ ملے تو تنہا تنہا پڑھیں مگر ایسے شخص کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں غنیہ میں ہے لو قدموا فاسقا یاثمون اور درمختار میں ہے کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا اور فتاوی رضویہ جلد ۳ ص۲۵۳ میں ہے تقدیم الفاسق اثم والصلاۃ خلفہ مکروھۃ تحریما والجماعۃ واجبۃ فھما فی درجۃ واحدۃ ودرء الفاسد اھم من جلب المصالح

اور میلاد و فاتحہ بھی اس سے پڑھانا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور ایسے بدکار فاسق معلن کی تعظیم ہرگز جائز نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم

(۲) زید پر واجب ہے کہ فوراً زینب کو اپنے سے الگ کر دے اور ہرگز ہرگز اس کے ساتھ ناجائز تعلق نہ رکھے اور علانیہ توبہ و استغفار کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے اور زید زینب سے کسی صورت میں بھی نکاح نہیں کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ زینب کی ماں سے زنا کا اقرار کر چکا ہے اور جس سے زنا کر چکا ہو اس کی لڑکی سے نکاح کرنا کسی حال میں ہرگز جائز نہیں (شرح وقایہ جلد دوم ص۱۲) وھو تعالٰی اعلم۔

(۳) زید کی پرورش کے بارے میں پوچھا جاتا ہے جو حافظ ہو کر شریعت کو کھیل بناتا ہے وہ ظالم جفا کار سخت گنہگار اور لائق عذاب قہار ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کا مکمل بائیکاٹ کریں قال اللہ تعالٰی واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین (پارہ ۷، رکوع ۱۴) نکاح مذکور کو درست کہنے والا جاہل نہیں تو گمراہ ہے اور گمراہ نہیں تو جاہل ہے حدیث شریف یفتون بغیر علم ضلوا واضلوا کا مصداق ہے اس پر اپنے قول سے رجوع لازم ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بھی بائیکاٹ کریں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ ربیع النور ۱۳۹۹ھ

مسئلہ از عبد الرحمٰن قادری موضع پڑرولی پوسٹ جنگئی (ٹھوٹھی باری) ضلع گورکھپور۔

تثویب جو اذان و اقامت کے درمیان کہی جاتی ہے جس میں الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وغیرہ کلمات مخصوصہ پڑھے جاتے ہیں اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ اور خاص کر مذکورہ کلمات کا ہی پڑھنا کہاں سے ثابت ہے؟ اور حدیث شریف ان علیا رای مؤذنا یثوب فی العشاء فقال اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد وروی مجاھد قال دخلت مع ابن عمر مسجدا فصلی فیہ الظھر فسمع مؤذنا یثوب فغضب وقال قم حتی نخرج من عند ھذا المبتدع کا کیا مطلب ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب۔ تثویب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تثویب قدیم دوسرے تثویب جدید۔ تثویب قدیم الصلاۃ خیر من النوم ہے جو اذان کی مشروعیت کے بعد

فجر کی اذان میں بڑھائی گئی جیسا کہ بحر الرائق جلد اول صـ۲۶۹ میں ہے وھو نوعان قدیم وحادث فالاول الصلوٰۃ خیر من النوم والثانی احدثہ علماء الکوفۃ بین الاذان والاقامۃ۔ اور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ان بلالا اذن لصلاۃ الفجر ثم جاء الی باب حجرۃ عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا فقال الصلاۃ یارسول اللہ فقالت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا الرسول نائم فقال بلال الصلاۃ خیر من النوم فلما انتبہ اخبرتہ عائشۃ فاستحسنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقال اجعلہ فی اذانک (عنایہ مع فتح القدیر جلد اول صـ۲۱۲) اور جب لوگوں کے اندر امور دینیہ میں سستی پیدا ہوئی تو اذان واقامت کے درمیان تثویب جدید کا اضافہ کیا گیا۔

تثویب قدیم سنت ہے اور فجر کی اذان کے ساتھ خاص ہے دوسری اذان کے ساتھ پڑھنا مکروہ و ممنوع ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے عن بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تثوبن فی شیئ من الصلوات الا فی صلاۃ الفجر۔ یعنی حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ فجر کے علاوہ کسی دوسری نماز میں تثویب ہرگز مت کہو۔ (مشکوٰۃ شریف صـ۶۴) اور تثویب قدیم کو دوسرے وقت کی اذان میں اضافہ کرنے سے حضرت علی و حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم نے انکار فرمایا جیسا کہ امام المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحریر فرماتے ہیں عن ابن عمر انہ سمع مؤذنا یثوب فی غیر الفجر وھو فی المسجد فقال لصاحبہ قم حتی نخرج من عند ھذا المبتدع وعن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ انکارہ بقولہ اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد واما التثویب بین الاذان والاقامۃ فلم یکن علی عہدہ علیہ السلام واستحسن المتاخرون التثویب فی الصلوات کلہا یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے انھوں نے ایک مؤذن سے سنا کہ وہ فجر کی اذان کے علاوہ دوسری اذان میں تثویب کہتا ہے تو آپ نے اپنے ساتھی سے فرمایا اٹھو اس مبتدع کے پاس سے نکل چلیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے غیر فجر میں تثویب سے انکار ان کے اس قول سے مروی ہے کہ اس مبتدع کو مسجد سے نکال دو۔ رہی اذان واقامت کے درمیان کی تثویب تو وہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں نہیں تھی مگر اس تثویب کو متاخرین نے سب نمازوں

کے لئے مستحسن قرار دیا ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صـ۳۶۸)

معلوم ہوا کہ حضرت علی و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا انکار تثویب جدید کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کا انکار غیر فجر میں تثویب قدیم سے ہے۔ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "آوردہ اند کہ ابن عمر بمسجدے درآمد و مؤذن را شنید در غیر نماز فجر تثویب کرد پس از مسجد برآمد و گفت بیروں رو بیدا ز پیش ایں مرد کہ مبتدع ست (اشعۃ اللمعات جلد اول صـ۳۱۳) اس عبارت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نماز فجر کے علاوہ دوسری نماز کے لئے تثویب قدیم سے انکار ہے۔ اور اگر حضرت ابن عمر و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا انکار تثویب جدید سے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس تثویب کے بارے میں ائمۂ اسلام و فقہائے عظام کے تین اقوال ہیں۔ اول یہ کہ تثویب جدید نماز فجر کے علاوہ تمام نمازوں کے لئے مکروہ ہے فجر کا وقت چونکہ نوم و غفلت کا وقت ہے اس لئے اس میں صرف اس کی اذان کے بعد یہ تثویب جائز ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ قاضی اور مفتی وغیرہ جو مصالح مسلمین کے ساتھ مشغول ہوں صرف ان کے لئے سب نمازوں کے وقت تثویب جائز ہے۔ یہ قول حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور اسی کو امام فقیہ النفس حضرت قاضی خاں نے بھی اختیار فرمایا ہے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت سب مسلمانوں کے لئے تثویب جائز و مستحسن ہے متاخرین نے امور دینیہ میں لوگوں کی غفلت اور سستی کے سبب اسی قول کو اختیار فرمایا جس پر اہلسنت و جماعت کا عمل ہے جیسے کہ اذان و امامت وغیرہ پر اجرت لینا علمائے متقدمین کے نزدیک ناجائز ہے مگر متاخرین علماء نے امور دینیہ میں لوگوں کی سستی دیکھ کر اسے جائز قرار دیدیا جس پر آج ساری دنیا کا عمل ہے درمختار مع شامی جلد پنجم صـ۳۲ میں ہے لا تصح الاجارۃ لاجل الطاعات مثل الاذان والحج والامامۃ وتعلیم القرآن والفقہ ویفتی الیوم بصحتہا لتعلیم القرآن والفقہ والامامۃ والاذان اھ۔

اور عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول مجتبائی صـ۱۴۳ میں ہے اختلف الفقہاء فی حکم ھذا التثویب علی ثلثۃ اقوال۔ الاول انہ یکرہ فی جمیع الصلوات الا الفجر لکونہ وقت نوم وغفلۃ ویشہد لہ حدیث ابی بکرۃ خرجت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لصلاۃ الصبح فکان لا یمر برجل الا ناداہ بالصلاۃ او حرکہ برجلہ۔ اخرجہ ابوداؤد فانہ یدل علی اختصاص الفجر بتثویب فی الجملۃ۔ والثانی ما قالہ ابو یوسف واختارہ قاضی خاں انہ یجوز التثویب

للامراء وكل من كان مشغولا بمصالح المسلمين كالقاضى والمفتى فى جميع الصلوات لا لغيرهم ويشهد له ما ثبت بروايات عديدة ان بلالا كان يحضر باب الحجرة النبوية بعد الاذان ويقول الصلاة الصلاة۔ والثالث ما اختاره المتاخرون ان التثويب مستحسن فى جميع الصلوات لجميع الناس لظهور التكاسل فى امور الدين لاسيما فى الصلاة ويستثنى منه المغرب بناءً على انه ليس يفصل فيه كثيرا بين الاذان والاقامة صرح به العناية والدرر و النهاية وغيرها۔

متون مثلاً تنویر الابصار[1]، وقایہ[2]، نقایہ[3]، کنز الدقائق[4]، غرر الاحکام[5]، غرر الاذکار[6]، وافی[7]، ملتقی[8]، اصلاح[9]، نور الایضاح[10]۔ اور شروح مثلاً درمختار[11]، ردالمحتار[12]، طحطاوی[13]، عنایہ[14]، نہایہ[15]، غنیہ شرح منیہ[16]، صغیری[17]، بحر الرائق[18]، نہر الفائق[19]، تبیین الحقائق[20]، برجندی[21]، قہستانی[22]، درر[23]، ابن ملک[24]، کافی[25]، مجتبی[26]، ایضاح[27]، امداد الفتاح[28]، مراقی الفلاح[29]، طحطاوی علی مراقی[30]۔ اور فتاوی مثلاً ظہیریہ[31]، خانیہ[32]، خلاصہ[33]، خزانۃ المفتیین[34]، جواہر اخلاطی[35] اور فتاوی عالمگیری[36] وغیرہا کتب معتبرہ میں اذان واقامت کے درمیان تثویب کو جائز و مستحسن لکھا ہے درمختار مع شامی جلد اول مطبوعہ دیوبند ص۲۶۱ میں ہے یثوب بین الاذان والاقامة فى الكل للكل بما تعارفوه اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے التثويب العود الى الاعلام بعد الاعلام درر۔ قوله فى الكل اى كل الصلوات لظهور التوانى فى الامور الدينية۔ قال فى العناية احدث المتاخرون التثويب بين الاذان والاقامة على حسب ما تعارفوه فى جميع الصلوات سوى المغرب مع ابقاء الاول يعنى الاصل وهو تثويب الفجر وما رأه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن اھ قوله بما تعارفوه كتنحنح او قامت قامت او الصلاة الصلاة ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذلك جاز نهر عن المجتبى اھ ملتقطا۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۵۳ میں ہے التثويب حسن عند المتاخرين فى كل صلاة الا فى المغرب هكذا فى شرح النقاية للشيخ ابى المكارم وهو رجوع المؤذن الى الاعلام بالصلاة بين الاذان والاقامة وتثويب كل بلد ما تعارفوه اما بالتنحنح او بالصلاة الصلاة او قامت قامت

لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانما یحصل ذلک بما تعارفوہ کذا فی الکافی۔

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ مسلمان امور دین میں سست ہوگئے ہیں اس وجہ سے متاخرین نے اذان واقامت کے درمیان تثویب کو مقرر کیا اور تثویب مغرب کے علاوہ ہر نماز کے لئے جائز ہے۔ اور مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اور تثویب کے لئے کوئی الفاظ خاص نہیں ہیں لوگ جو الفاظ بھی مقرر کرلیں جائز ہے۔ آج کل تثویب میں الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ وغیرہ کلمات خصوصاً کہے جاتے ہیں اس لئے کہ ان سے اعلام کے ساتھ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار بھی ہوتا ہے اور اسی لئے جو لوگ حضور کی عظمت کے مخالف ہیں وہ تثویب کی مخالفت کرتے ہیں ورنہ تثویب کا جائز و مستحسن ہونا جبکہ تمام کتب متداولہ میں مذکور ہے اس کی مخالفت کی کوئی وجہ نہیں ۔ اور تثویب میں الصلاۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں جاری ہوا جو بہترین ایجاد ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد اول مطبوعہ دیوبند ص ۲۶۱ میں ہے التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین وھو بدعۃ حسنۃ اھ۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبـــــــــــہ

جلال الدین احمد الامجدی

۲ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

بَابُ شُرُوطُ الصَّلٰوۃ

نماز کی شرطوں کا بیان

مسئلہ :۔ از جمیل احمد سائکل مستری مہراج گنج ضلع بستی۔

بہت سے لوگ اتنی باریک دھوتی یا لنگی پہن کر نماز پڑھتے ہیں کہ بدن جھلکتا ہے تو ایسے لوگوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور باریک دوپٹہ اوڑھ کر عورتوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ـــــــ مرد کو ناف سے گھٹنے تک چھپانا فرض ہے۔ لہٰذا اتنی باریک دھوتی یا لنگی پہن کر نماز پڑھی کہ جس سے بدن کی رنگت چمکتی ہے تو نماز بالکل نہیں ہوئی۔ اور بعض لوگ جو دھوتی اور لنگی کے نیچے جانگیا پہنتے ہیں تو اس سے ران کا کچھ حصہ تو چھپ جاتا ہے مگر پورا گھٹنا اور ران کا کچھ حصہ باریک دھوتی اور لنگی کے نیچے سے جھلکتا ہے تو اس صورت میں بھی نماز نہیں ہوتی اس لئے کہ گھٹنے کا چھپانا بھی فرض ہے حدیث شریف میں ہے الرکبۃ من العورۃ۔ اور فتاوٰی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۵۲ میں ہے العورۃ للرجل من تحت السرۃ حتی تجاوز رکبتیہ فسرتہ لیست بعورۃ عند علمائنا الثلاثۃ ورکبتہ عورۃ عند علمائنا جمیعا ھکذا فی المحیط۔ پھر اسی کتاب کے اسی صفحہ پر چند سطروں کے بعد ہے الثوب الرقیق الذی یصف ما تحتہ لا تجوز الصلاۃ فیہ کذا فی التبیین

اور اتنا باریک دوپٹہ اوڑھ کر عورتوں کی نماز نہیں ہوگی کہ جس سے بال کا رنگ جھلکے اس لئے کہ عورتوں کو بال کا چھپانا بھی فرض ہے بلکہ مونھ، ہتھیلی اور پاؤں کے تلوؤں کے علاوہ پورے بدن کا چھپانا ضروری ہے فتاوٰی عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۵۲ میں ہے بدن الحرۃ عورۃ الا وجھھا وکفیھا وقدمیھا کذا فی المتون۔ وشعر المرأۃ ما علی رأسھا عورۃ واما المسترسل ففیہ روایتان الاصح انہ عورۃ کذا فی الخلاصۃ وھو الصحیح وبہ اخذ الفقیہ ابو اللیث

وعلیہ الفتویٰ کذا فی معراج الدرایۃ۔ اور بہار شریعت حصہ سوم ص۴۳ پر ہے اتنا باریک دوپٹہ جس سے بال کی سیاہی چمکے عورت نے اوڑھ کر نماز پڑھی نہ ہوگی جب تک کہ اس پر کوئی ایسی چیز نہ اوڑھے جس سے بال وغیرہ کا رنگ چھپ جائے۔ انتہی بالفاظ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از ارشاد حسین صدیقی بانی دارالعلوم امجدیہ کسان ٹولہ سنڈیلہ ضلع ہردوئی۔

ظہر کی نماز پڑھنے کے ارادہ سے کھڑا ہو مگر نیت کرنے میں زبان سے لفظ عصر نکل جائے تو ظہر کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں۔ لہٰذا جب دل میں ظہر کی نماز پڑھنے کا ارادہ ہو اور زبان سے لفظ عصر نکل جائے تو ظہر کی نماز ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر فرض پڑھنے کا ارادہ ہو مگر بھول کر سنت کہہ دے تو فرض نماز ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ نیت میں زبان کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ دل میں جو ارادہ ہو اس کا اعتبار ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے المعتبر فیہا عمل القلب اللازم للارادۃ فلا عبرۃ للذکر باللسان ان خالف القلب لانہ کلام لانیۃ۔ اسی کے تحت شامی جلد اول ص۲۷۸ میں ہے لو قصد الظہر وتلفظ بالعصر سہوا اجزأہ کما فی الزاہدی قہستانی۔ ھذا ما عندی وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از ضیاء الحق ساکن ڈومری پوسٹ کٹرہ ضلع مظفر پور (بہار)

زید عید کی نماز پڑھانے کھڑا ہوا اور کہا جسے عید کی نماز کی نیت نہ آتی ہو وہ یہ کہہ دے "جو نیت امام کی وہ نیت میری" کیا یہ کہنے سے نماز عید ہو جائے گی؟

الجواب: ہاں ہو جائے گی۔ بہار شریعت حصہ سوم ص۵۳ میں ہے "جب امام کے پیچھے ہو اور یہ نیت کرے کہ امام جو نماز پڑھتا ہے وہی میں بھی پڑھتا ہوں تو یہ نماز ہو جائے گی" انتہی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ :- از محمد حسن محلہ باغیچہ التفات گنج ضلع فیض آباد

کچھ لوگ اللہ اکبر کو آللہ اکبر یا اللہ آکبر کہتے ہیں اور بعض لوگ اللہ اکبار کہتے ہیں تو اس سے نماز میں کچھ خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں ؟

الجواب ـــــ کلمۂ جلالت یا لفظ اکبر میں ہمزہ کو مد کے ساتھ آللہ اکبر یا اللہ آکبر تکبیر تحریمہ میں کہا تو نماز شروع ہی نہیں ہوئی۔ اور اگر درمیان نماز تکبیرات انتقالیہ میں کہیں ایسا کہہ دیا تو نماز باطل ہو گئی۔ اس لئے کہ ایسا کہنے سے استفہام پیدا ہو جاتا ہے جو مفسد نماز ہے۔ اور اللہ اکبار کہنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ اکبار کبر کی جمع ہے جس کے معنیٰ ہیں ڈھول۔ اور یا تو اکبار حیض یا شیطان کا نام ہے شامی جلد اول مطبوعہ ہند صفحہ ۳۰۲ پر درمختار کی عبارت عن مد همزات کے تحت ہے ای همزة الله وهمزة اكبر اطلاقا للجمع على مافوق الواحد لانه يصير استفهاما وتعمده كفر فلا يكون ذكرا فلا يصح الشروع به ويبطل الصلاة به لو حصل في اثنائها في تكبيرات الانتقال ـــــ اور اسی سے متصل پھر درمختار کی عبارت باء اکبر کے تحت ہے ای وخالص عن مد باء اكبر لانه يكون جمع كبر وهو الطبل فيخرج عن معنى التكبير او هو اسم للحيض او للشيطان فتثبت الشركة اهـ هذا ما عندي وهو تعالى اعلم

کتبـــــــہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ :- از مرتضیٰ حسین خاں۔ دیوریا رام پور ضلع بستی۔

چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب ـــــ چلتی ہوئی ٹرین میں نفل نماز پڑھنا جائز ہے مگر فرض، واجب اور سنت فجر پڑھنا جائز نہیں۔ اسلئے کہ نماز کے لئے شروع سے آخر تک اتحاد مکان اور جہت قبلہ شرط ہے اور چلتی ہوئی ٹرین میں شروع نماز سے آخر تک قبلہ رخ رہنا اگرچہ بعض صورتوں میں ممکن ہے لیکن اختتام نماز تک اتحاد مکان یعنی ایک جگہ رہنا کسی طرح ممکن نہیں اس لئے چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھنا صحیح نہیں۔ ہاں اگر نماز کے اوقات میں نماز پڑھنے کی مقدار ٹرین کا ٹھہرنا ممکن نہ ہو تو چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھ لے پھر موقع ملنے پر اعادہ کرے ردالمحتار جلد

اول ص۲۷ میں ہے الحاصل ان کلامن اتحاد المکان واستقبال القبلة شرط فی صلاة غیر النافلة عند الامکان لایسقط الا بعذر اھ۔ یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ نفل نماز کے علاوہ سب نمازوں کے لئے اتحاد مکان اور استقبال قبلہ یعنی ایک جگہ ٹھہرنا اور قبلہ رخ ہونا آخر نماز تک بقدر امکان شرط ہے جو بغیر عذر شرعی ساقط نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ ٹرین نماز کے اوقات میں کہیں نہ کہیں اتنی دیر ضرور ٹھہرتی ہے کہ دو یا چار رکعت نماز فرض آسانی سے پڑھ سکتا ہے کہ ٹرین ٹھہرنے سے پہلے وضو سے فارغ ہو کر تیار رہے اور ٹرین ٹھہرتے ہی اتر کر یا ٹرین ہی میں قبلہ رخ کھڑے ہو کر پڑھ لے اگر اتنی قدرت کے باوجود کاہلی اور سستی سے چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھے گا تو وہ شرعاً معذور نہ ہوگا اور نماز نہ ہوگی ـــــ اور بعض لوگ جو ٹرین کو کشتی پر قیاس کر کے چلتی ہوئی ٹرین میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں وہ صحیح نہیں اسلئے کہ ٹرین خشکی کی سواری ہے اور کشتی دریا کی۔ اگر کشتی کو بیچ دریا میں ٹھہرایا بھی جائے تو پانی ہی پر ٹھہرے گی اور زمین اسے میسر نہ ہوگی اور ٹھہرنے کی حالت میں بھی دریا کی موجوں سے ہلتی رہے گی بخلاف ٹرین کے کہ وہ زمین ہی پر ٹھہرتی ہے اور مستقر رہتی ہے تو اسکو کشتی پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر ٹرین اوقات نماز میں عام طور پر جگہ جگہ ٹھہرتی ہے تو اس پر سے اتر کر یا اس میں کھڑے ہو کر نماز بخوبی پڑھ سکتے ہیں اور کشتی جہاز و اسٹیمر نماز کے اوقات میں جابجا نہیں ٹھہرتے ہیں بلکہ خاص مقام ہی پر جا کر ٹھہرتے ہیں اور کبھی کنارے سے دور ٹھہرتے ہیں کہ اس سے اتر کر کنارے پر جانے اور واپس آنے کا وقت نہیں ملتا اس لئے ٹرین کو کشتی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں کشتی کے بارے میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر زمین پر اس کا ٹھہرنا ٹھہرانا یا اس پر سے اتر کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو اس پر بھی نماز پڑھنا صحیح نہیں مراقی الفلاح میں ہے فان صلی فی المربوطة بالشط قائما وکان شئ من السفینة علی قرار الارض صحت الصلاة بمنزلة الصلاة علی السریر وان لم یستقر منها شئ علی الارض فلا تصح الصلاة فیها علی المختار کما فی المحیط والبدائع الا اذا لم یمکنه الخروج بلا ضرر فیصلی فیها اھ۔ اور طحطاوی علی مراقی میں ہے قال الحلبی ینبغی ان لا تجوز الصلاة فیها اذا کانت سائرة مع امکان الخروج الی البر اھ۔ خلاصہ یہ کہ چلتی ہوئی ٹرین میں فرض، واجب اور سنت فجر پڑھنا جائز نہیں بہار شریعت حصہ چہارم ص۱۹ میں ہے چلتی ریل گاڑی پر بھی فرض و واجب اور سنت فجر نہیں ہو سکتی اور اس کو جہاز و کشتی کے حکم میں تصور کرنا غلطی ہے کہ کشتی اگر ٹھہرائی بھی جائے جب بھی زمین پر نہ ٹھہرے گی اور ریل گاڑی ایسی نہیں۔ اور کشتی پر بھی اسی وقت

نماز جائز ہے جب وہ بیچ دریا میں ہو۔ کنارہ پر ہو اور خشکی پر آسکتا ہو تو اس پر بھی جائز نہیں ہے لہٰذا جب اسٹیشن پر گاڑی ٹھہرے اس وقت یہ نمازیں پڑھے۔ اور اگر دیکھے کہ وقت جاتا ہے تو جس طرح بھی ممکن ہو پڑھ لے پھر جب موقع ملے اعادہ کرے کہ جہاں من جہۃ العباد کوئی شرط یا رکن مفقود ہو اس کا یہی حکم ہے انتہیٰ بالفاظہ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم جمادی الاخریٰ ۹۹ھ

مسئلہ۔ از محمد حنیف میاں سہنیاں کلاں ضلع گونڈہ۔

امام مقتدی اور تنہا نماز پڑھنے والے کو محراب یا در میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟

الجواب امام کو بلا ضرورت محراب میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں محراب کے اندر رہیں مکروہ ہے۔ ہاں اگر پاؤں باہر اور سجدہ محراب کے اندر ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح امام کا در میں کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے لیکن پاؤں باہر اور سجدہ در میں ہو تو کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ در کی کرسی بلند نہ ہو اس لئے کہ اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے چار گرہ زیادہ اونچی ہو تو نماز بالکل نہیں ہوگی۔ اور اگر چار گرہ یا اس سے کم بقدر مقتاد بلند ہے تو بھی کراہت سے خالی نہیں۔ اور بے ضرورت مقتدیوں کا در میں صف قائم کرنا سخت مکروہ ہے کہ باعث قطع صف ہے اور قطع صف ناجائز ہے ہاں اگر کثرت جماعت کے سبب جگہ میں تنگی ہو اس لئے مقتدی در میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو کراہت نہیں۔ اسی طرح اگر بارش کے سبب پچھلی صف کے لوگ دروں میں کھڑے ہوں تو کوئی حرج نہیں کہ یہ ضرورت ہے اور الضرورات تبیح المحظورات۔ رہا تنہا نماز پڑھنے والا تو وہ بلا ضرورت بھی محراب و در میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۴۲۳) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از غلام حسین اشرفی مقام وڈاک خانہ مڑولیا ضلع پرولیا (مغربی بنگال)

میں چار رکعت والی سنت اور نفل نماز کی ادائیگی میں عام دستور کے مطابق قعدۂ اولیٰ میں تشہد پڑھ کر تیسری کے لئے کھڑا ہو جاتا ہوں اور تیسری کی ابتدا بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ سے کرتا ہوں جب کہ پچھلے دنوں نماز کی ایک کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ عبارت نظر آئی۔ اگر نماز نفل یا غیر سنت مؤکدہ چار رکعت والی پڑھنا ہے تو دوسری رکعت میں

قعدہ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھ کر کھڑا ہو جانا چاہئے اور تیسری رکعت میں ثنا یعنی سبحانک اللّٰھم سے شروع کرنا چاہئے۔ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں اس کا خیال رکھئے۔ اس سے میں اور میرے احباب پریشان ہیں۔ لہٰذا آپ سے گذارش ہے کہ اس کی صحت یا عدم صحت کی وضاحت فرمایئے مذکورہ بالا عبارت کی صحت کی بنیاد پر ہماری پچھلی نمازیں ہم پر واجب الاعادہ تو نہیں ہیں؟

الجواب ـــــ کتاب مذکور کی منقولہ عبارت صحیح ہے۔ ردالمحتار مع شامی جلد اول ص۳۴۲ میں ہے۔

لایصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی القعدۃ الاولی فی الاربع قبل الظہر والجمعۃ ولا یستفتح اذا قام الی الثالثۃ منہا وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلاۃ۔

لیکن ان کا پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ بہتر ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ چار رکعت تراویح یا نوافل کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف و دعا اور تیسری رکعت میں سبحانک اللھم پڑھنا بہتر ہے (فتاوی رضویہ جلد سوم ص۳۶۹) اسی لئے کتاب مذکور کے مصنف نے واجب اور سنت وغیرہ کا لفظ نہ لکھا بلکہ یوں لکھا کہ درود شریف پڑھ کر کھڑا ہونا چاہئے اور تیسری رکعت ثنا سے شروع کرنا چاہئے۔ لہٰذا نفل یا سنت غیر مؤکدہ کی چار رکعت والی نماز میں اگر کسی نے دو رکعت پر درود شریف اور تیسری رکعت پر ثنا نہ پڑھی تو اس نماز کا اعادہ واجب نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ رجمادی الاولیٰ سنہ۱۴۰۲ھ

فرائضِ نماز

مسئلہ ۱، از غفور علی موضع کرڈی بازار ضلع بستی۔

کیا عورتوں کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم ہے؟ اکثر عورتوں کو دیکھا گیا ہے کہ فرض اور واجب سب نمازیں بیٹھ کر پڑھتی ہیں تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــ فرض، وتر، عیدین اور سنت فجر میں قیام فرض ہے یعنی بلا عذر صحیح یہ نمازیں بیٹھ کر پڑھی گئیں تو نہ ہوں گی۔ بحر الرائق صـ۲۹۲ جلد اول میں ہے وھو فرض فی الصلاۃ للقادر علیہ فی الفرض وما ھو ملحق بہ اھ۔ اور فتاوی عالمگیری صـ۶۳ جلد اول میں ہے وھو فرض فی صلاۃ الفرض والوتر ھکذا فی الجوھرۃ النیرۃ والسراج الوھاج اھ۔ اور شامی جلد اول صـ۲۹۹ میں ہے وسنۃ الفجر لا تجوز قاعدا من غیر عذر باجماعھم کما ھو روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ کما صرح بہ فی الخلاصۃ اھ۔ اور بہار شریعت حصہ سوم صـ۶۹ میں غنیہ سے ہے اگر عصا یا خادم یا دیوار پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکتا ہے تو فرض ہے کہ کھڑا ہو کر پڑھے اگرچہ دیر بھی کھڑا ہو سکتا ہے اگرچہ اتنا ہی کہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہہ لے تو فرض ہے کہ کھڑا ہو کر اتنا کہہ لے پھر بیٹھ جائے اھ اور فتاوی رضویہ جلد سوم صـ۵۲ میں تنویر الابصار و درمختار سے ہے ان قدر علی بعض القیام ولو متکئا علی عصا او حائط قام لزوما بقدر ما یقدر ولو قدر اٰیۃ او تکبیرۃ علی المذھب اھ۔ اور یہ حکم مردوں کے لئے خاص نہیں ہے یعنی جس طرح نماز میں قیام مردوں کے لئے فرض ہے اسی طرح عورتوں کیلئے بھی فرض ہے لہذا فرض و واجب تمام نمازیں جن میں قیام ضروری ہے بغیر عذر صحیح بیٹھ کر نہیں ہو سکتیں۔ جتنی نمازیں باوجود قدرت قیام بیٹھ کر پڑھی گئیں ان سب کی قضا پڑھنا اور توبہ کرنا فرض ہے۔ اگر قضا نہیں پڑھیں گی اور توبہ نہیں کریں گی تو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گی۔ ہاں نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھی جا سکتی ہیں مگر کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اسلئے کہ کھڑے ہو کر پڑھنے میں بیٹھ کر پڑھنے سے دوگنا ثواب ہے اور وتر کے بعد جو دو رکعت پڑھی جاتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے۔

ھٰکذا فی بہار شریعت۔ واللہ تعالٰی و رسولہ الاعلٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از عبد الوارث الیکٹرک دوکان مدینہ مسجد ریتی روڈ گورکھپور۔

قرآن مجید آہستہ پڑھنے کی ادنٰی مقدار کیا ہے؟ بہت سے لوگ صرف ہونٹ ہلاتے ہیں۔ تو اس طرح قرآن پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: قرآن مجید آہستہ پڑھنے کا ادنٰی درجہ یہ ہے کہ خود سنے۔ اگر صرف ہونٹ ہلائے یا اس قدر آہستہ پڑھے کہ خود نہ سنے تو نماز نہ ہوگی۔ بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۷۵ میں ہے "آہستہ پڑھنے میں بھی اتنا ضروری ہے کہ خود سنے۔ اگر حروف کی تصحیح تو کی مگر اس قدر آہستہ کہ خود نہ سنا اور کوئی مانع مثلاً شور و غل یا ثقل سماعت بھی نہیں تو نماز نہ ہوئی اھ" اور فتاوٰی عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۶۵ میں ہے ان صحح الحروف بلسانہ ولم یسمع نفسہ لایجوز وبہ اخذ عامۃ المشائخ ھٰکذا فی المحیط وھو المختار ھٰکذا فی السراجیۃ وھو الصحیح ھٰکذا فی النقایۃ۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از حیدر علی متعلم دار العلوم منظر اسلام التفات گنج ضلع فیض آباد۔

منفرد نے نماز ظہر فرض پڑھی تین رکعتوں کو بھری پڑھی چوتھی رکعت میں سورت نہیں ملائی رکوع و سجود کر کے نماز پوری کر لی تو اس کی نماز ادا ہوئی کہ نہیں؟

الجواب: منفرد کی نماز بلا کراہت ادا ہوگئی اس لئے کہ اسے فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورت کا ملانا جائز ہے۔ نہ واجب ہے نہ مکروہ۔ لہٰذا دونوں رکعتوں میں ملائے یا ایک میں بہرصورت جائز ہے البتہ صاحب حلیہ نے خلاف اولٰی کا افادہ فرمایا ہے اور خلاف اولٰی وہ ہے کہ جس کا نہ کرنا بہتر اور کیا تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ بعض ائمہ نے فرض کی آخری دو رکعتوں میں ضم سورہ کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ اور ظاہر یہ استحباب صرف منفرد کے لئے ہے امام کے لئے ضرور مکروہ ہے بلکہ مقتدیوں پر گراں گذرے تو حرام ہے درمختار میں ہے ضم سورۃ فی الاولیین من الفرض وھل یکرہ فی الاخریین المختار لا۔ اھ

ردالمحتار جلد اول ص۳۰۲ میں ہے فی البحر عن فخر الاسلام ان السورة مشروعة فی الاخریین نفلاً وفی الذخیرة انہ المختار وفی المحیط وھو الاصح والظاھر ان المراد بقولہ نفلاً الجواز والمشروعیة بمعنی عدم الحرمة فلاینافی کونہ خلاف الاولی کما افادہ فی الحلیة اھ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از غلام غوث علوی براؤں شریف ضلع بستی۔

زید نے مغرب کی نماز پڑھاتے ہوئے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد وقال الذین کفروا پڑھکر اس کے بعد کے کلمات بھول گیا فوراً ہی اس نے وقال ارکبوا فیھا بسم اللہ مجرىھا و مرسٰھا ان ربی لغفور رحیم اور چند آیات کریمہ پڑھکر رکوع میں چلا گیا بعد نماز بکر نے کہا کہ نماز واجب الاعادہ ہے کیونکہ جس آیت کو پہلے شروع کیا تھا اس کا پڑھنا واجب تھا ہے اور یہاں ترک واجب پایا گیا لہٰذا نماز پھر سے دہرائی گئی۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ بکر کا یہ قول از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: بکر کا قول صحیح نہیں اسلئے کہ زید بھول جانے کے سبب دوسری آیت کی طرف منتقل ہوا اور اس صورت میں نہ ترک واجب نہ کسی قسم کی کراہت جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۱۲۵ میں ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم جمادی الاولیٰ ۹۶ھ

مسئلہ: از محمد عبدالحفیظ رضوی جونپوری سُنّی کھاڑی مسجد کرلا بمبئی۔

حالت نماز میں قرآن کریم پڑھتے ہوئے اگر ایسی غلطی ہوگئی کہ جس سے معنی فاسد ہوگئے مگر پھر خود بخود فوراً درست کر لیا یا لقمہ دینے سے اصلاح کیا تو نماز باطل ہوئی یا صحیح ہوگئی؟

الجواب: بعون الملک الوھاب جبکہ خود بخود درست کر لیا یا مقتدی کے لقمہ دینے سے اصلاح کر لی تو نماز صحیح ہوگئی باطل نہ ہوئی۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۱۱۲ میں ہے: "اگر امام نے ایسی غلطی کی جس سے نماز فاسد ہوگی تو لقمہ دینا فرض ہے نہ دے گا اور اس کی تصحیح نہ ہوگی تو سب کی نماز

جاتی رہے گی اھ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبــــــــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ:۔ از فقیر ابوالقمر غلام رضوی قادری موتی گنج گونڈہ۔

چار رکعت فرض کی نماز امام نے شروع کر دی اور دو رکعتیں ہو چکی کوئی تیسری رکعت میں شامل ہو دو رکعتیں تو امام کے ساتھ پوری کیں مگر جب چھوٹی ہوئی رکعت پڑھے تو اس میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت ملایا جائے یا نہیں؟

الجوابـــــــــــــ: پہلی اور دوسری رکعت یا صرف پہلی رکعت چھوٹ جانے کی صورت میں امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب مقتدی اپنی چھوٹی ہوئی رکعت پوری کرے گا تو اس میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت ملانا واجب ہے۔ اگر بھول کر چھوڑ دے گا تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ اور اگر قصداً یا جان بوجھ کر چھوڑ دے گا تو نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ درمختار میں ہے ھو منفرد ویقضی اول صلاتہ فی حق قراءۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبــــــــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ:۔ از محمد قمرالزماں صدیقی کیر آف انڈین آئیل کمپنی فاربس گنج ضلع پورنیاں (بہار)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید جو دارالعلوم دیوبند کا فارغ ہے اور قاری بھی ہے وہ امامت بھی کرتا ہے نماز میں ولا الضالین کے ضاد کو ٹھنڈا ظا پڑھتا ہے اور اسی کو صحیح مانتا ہے بکر کا کہنا ہے کہ یہ غلط ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان دونوں میں سے کس کی بات مانی جائے نیز ضاد کی ادائیگی کس طرح کی جائے اور ضاد کو ظا پڑھنے والے کے لئے کیا حکم ہے جواب مع حوالہ تحریر فرمائیں تاکہ زید کو دنداں شکن جواب دیا جاسکے۔

الجوابـــــــــــــ: اللھم ھدایۃ الحق والصواب زید جو دارالعلوم دیوبند کا فارغ ہے دیابنہ کے کفریات قطعیہ مندرجہ حفظ الایمان ص۸ تحذیر الناس ص۲۸،۱۴،۳ اور براہین قاطعہ ص۵۱ کی بنا پر مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، ہندوستان، پاکستان، اور بنگال و برما کے سینکڑوں علمائے کرام و مفتیان عظام

نے جو مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھی کو کافر و مرتد قرار دیا ہے جس کی تفصیل حسام الحرمین اور الصوارم الھندیۃ میں ہے اسے یہ فتویٰ تسلیم ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تسلیم ہے تو بمطابق فتویٰ حسام الحرمین وہ بھی کافر و مرتد ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا بہر صورت باطل محض ہے اور اگر حسام الحرمین کا فتویٰ تسلیم ہے مگر ضاد کو قصداً ظا پڑھتا ہے تو اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ ہوگی کہ قصداً ضاد کو ظا پڑھنا حرام قطعی ہے زید سراسر غلطی پر ہے بکر کا کہنا صحیح ہے فتاویٰ رضویہ جلد سوم صـ۱۱۱ میں ہے ض، ظا، ذ، اور زمعجمات سب حروف متبائنہ متغائرہ ہیں ان میں کسی کو دوسرے سے تلاوت قرآن میں قصداً بدلنا اس کی جگہ اسے پڑھنا نماز میں ہو خواہ بیرون نماز حرام قطعی و گناہ عظیم افترار علی اللہ و تحریف کتاب کریم ہے انتہیٰ۔ ضاد کا مخرج زبان کی داہنی یا بائیں کروٹ ہے یوں کہ اکثر پہلوئے زبان حلق سے نوک کے قریب تک اسی جانب کو ان بالائی داڑھوں کی طرف جو وسط زبان کے محاذی ہیں قریب ملاصق ہوتا ہے اگلیوں کی طرف دراز ہو۔ کذا فی الجزء الثالث من الفتاویٰ الرضویۃ علی صـ۱۱۱۔ ضاد کو قصداً ظا پڑھنے والا مفتری علی اللہ، محرف قرآن کریم اور حرام قطعی کا مرتکب ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ رجمادی الاخریٰ سنہ ۹۷ھ

مسئلہ:۔ از محمد فاروق القادری جل ہری مسجد موضع جل ہری۔ پوسٹ سنا بانہ ضلع بان کوڑا (بنگال)

بنگلہ میں قرآن شریف چھاپنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک شخص جو ق، ک ش، س اور الحمد کو الہمد پڑھتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اللہ اکبر کو اللہ اکبار کہنے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ قرآن مجید کا ترجمہ بنگلہ وغیرہ میں چھاپنا تو جائز ہے لیکن اس کے اصل عربی متن کو بنگلہ میں لکھانا اور چھاپنا جائز نہیں۔ اور شخص مذکور اگر ش، ق اور ح کی ادائیگی پر بالفعل قادر ہے مگر اپنی لاپرواہی سے حروف کو صحیح ادا نہیں کرتا تو خود اس کی نماز باطل اور اس کے پیچھے دوسروں کی نماز بھی باطل۔ اور اگر بالفعل حروف کی ادائیگی پر قادر نہیں اور صحیح پڑھنے کے لئے جان توڑ کر کوشش بھی نہ کی تو اس صورت میں بھی اس کی اور اس کے پیچھے دوسروں کی نماز نہیں ہوگی اور اگر برابر رعدد۔ جد کی کوشش کئے جا رہا ہے مگر

کسی طرح صحیح حروف کو ادا نہیں کر پاتا تو اس کا حکم مثل امی کے ہے کہ اگر کسی صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز مل سکے مگر وہ تنہا پڑھے یا امامت کرے تو نماز باطل ہے البتہ اگر رات دن برابر تصحیح حروف میں کوشش کرتا ہے اور امید کے باوجود طول مدت سے گھبرا کر نہ چھوڑے اور الحمد شریف جو واجب ہے اس کے علاوہ شروع نماز سے آخر تک کوئی ایسی آیت یا سورہ نہ پڑھے کہ جن کے حروف ادا نہ کر پاتا ہو بلکہ ایسی سورتیں اور آیتیں اختیار کرے کہ جن کے حروف کی ادائیگی پر قادر ہو اور کوئی شخص صحیح پڑھنے والا نہ مل سکے کہ جس کی وہ اقتدا کرے۔ نہ جماعت بھر کے سب لوگ اسی کی طرح ق کو ک، ش کو س اور ح کو ہ پڑھنے والے ہوں تو جب تک کوشش کرتا رہے گا اس کی نماز بھی ہو جائے گی اور اس کے مثل دوسروں کی بھی اس کے پیچھے ہو جائے گی۔ اور جس دن امید کے باوجود تنگ آکر کوشش چھوڑ دے یا صحیح القرأت کی اقتدا ملتے ہوئے خود امامت کرے یا تنہا پڑھے تو اس کی نماز باطل اور اس کے پیچھے دوسروں کی بھی باطل یہی قول مفتی بہ ہے۔ اور اللہ اکبر کو اللہ اکبار پڑھنے والے کی نہ اپنی نماز ہوگی نہ اس کے پیچھے دوسروں کی۔ درمختار مع ردالمحتار جلد اول ص۳۹۱ میں ہے۔ لا یصح اقتداء غیر الالثغ بہ علی الاصح وحرر الحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جہدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الامثلہ ولا تصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ او ترک جہدہ او وجد قدر الفرض مما لا لثغ فیہ ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف اھ ملخصاً۔ اور ردالمحتار جلد اول میں ص۳۹۳ پر ہے من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف کالرحمٰن الرحیم والشیطان الرجیم والآلمین وایاک نابد وایاک نستئین السرات انأمت فکل ذلک حکمہ ما من بذل الجہد دائما والا فلا تصح الصلوٰۃ بہ اھ ملتقطا اور درمختار مع شامی جلد اول ص۴۲۳ میں ہے اذا امد احدی الہمزتین مفسد وتعمدہ کفر وکذا الباء فی الاصح۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۔ از محمد کمال الدین خطیب جامع مسجد مقام ملفت گنج ضلع فرید پور (بنگلہ دیش)

ہمارے بنگلہ دیش میں خارج نماز بغرض تبلیغ میکر وفون کے ذریعہ چند حفاظ ایک مجلس میں بلند آواز سے

قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں جس کی آواز بہت دور تک پہونچتی ہے لیکن بیرون مسجد کے لوگوں کے استماع و انصات کے حکم میں دو مفتی صاحبان کی طرف سے جواز و عدم جواز کے حسب ذیل دو مختلف فتوے موصول ہوئے ہیں۔

① نقل فتویٰ جو مولانا عبد المقتدر کی تحریر ہے۔

سوال: جس کے آس پاس لوگ اپنے اپنے شغل میں مشغول ہوں اور تلاوت قرآن مجید کی طرف متوجہ نہ ہوں تو اس حال میں قاری کو بلند آواز سے یا میکروفون سے تلاوت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر نا جائز ہے تو قاری گنہگار ہوگا یا نہیں؟

جواب: چونکہ کلام مجید میں استماع و انصات کا حکم مطلق ہے نماز یا غیر نماز کے ساتھ مقید نہیں اگرچہ آیت نماز کے شان میں نازل ہوئی۔ مجلس کے اندر یا باہر جہاں تک آواز پہونچے سننے والوں پر استماع و انصات فرض ہے قاری کو لازم ہے کہ بقدر حاجت مناسب آواز میں تلاوت کرے کہ باہر کے لوگوں کے کانوں تک آواز نہ پہونچے ورنہ قاری گنہگار ہوگا اور سننے والوں پر کوئی جرم عائد نہ ہوگا۔ درمختار ص۵۰۹ وفی الفتح عن الخلاصۃ

راقم فتوی مفتی مولانا عبد المقتدر صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ ضلع سہلٹ۔

② نقل فتویٰ جو مولانا احمد اللہ صاحب کی تحریر ہے۔

سوال: استماع قرآن سے متعلق علمائے کرام کے اقوال و آراء کیا ہیں اور مجلس ختم شبینہ کے باہر کے لوگوں پر استماع فرض ہے یا نہیں؟

جواب: تلاوت دو طرح کی ہے۔ داخل نماز یا خارج نماز۔ داخل نماز بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک امام کی قرأت تمام مقتدیوں پر سننا فرض عین ہے چونکہ استماع کی آیت نماز کی شان میں نازل ہوئی خارج نماز استماع قرأت کے متعلق علماء کرام کے تین اقوال ہیں۔ اول مستحب بحوالہ تفسیر بیضاوی مصری ص۲۵۶ تفسیر کمالین، تفسیر روح البیان جلد عاشر ص۲۰۴ ثانی۔ فرض کفایہ بحوالہ کبیری ص۴۹۵ شامی جلد اول ص۵۰۹ تفسیر اکلیل علی المدارک جلد رابع ص۱۴۲ بہار شریعت جلد ثالث ص۱۰۲۔ ثالث۔ فرض عین بحوالہ شامی حاشیہ درمختار ص۵۰۹ (اس کے بعد مفتی موصوف نے لکھا ہے) کہ علماء کرام کے ان تین اقوال میں سے اب ہم ایک ایک موقع پر ایک ایک حکم اختیار کرسکتے ہیں۔ مثلاً ① موقع جس مجلس میں لوگ نماز کی جماعت شریک ہونے کے لئے جمع ہوں وہاں استماع کو فرض عین کہہ سکتے ہیں۔ ② موقع جس مجلس میں عام طور پر کچھ لوگ جمع ہوں اور کسی نے تلاوت کی تو یہاں استماع کو فرض کفایہ کہہ سکتے ہیں۔ ③ موقع کسی جماعت یا کسی مجلس کے باہر کسی کے کان میں تلاوت کی آواز پہونچے تو یہاں استماع کو مستحب کہہ سکتے ہیں اگرچہ

اس قسم کا سننے والا "فاستمعوا" کے خطاب میں داخل نہیں۔

راقم فتویٰ مولانا احمد اللہ صاحب محدث دار السنۃ مدرسہ عالیہ مقام مدینہ ضلع باقر گنج۔

(دونوں فتووں کے مضامین ختم ہوئے)

مستفتی کی گذارش یہ ہے کہ ان دو فتووں کے متضاد بیانات سے یہاں کے لوگ سخت شک و تردد میں ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں شدید فرقہ بندی کی نوبت آگئی ہے۔ لہٰذا برائے کرم تحقیقی دلائل سے بالتفصیل ثابت فرمائیں کہ اس کے بارے میں معتبر وقابل عمل حکم کیا ہے۔ نیز وضاحت سے ختم شبینہ کی تعریف بیان فرمائیں کہ تلاوت نماز کے اندر ہو یا باہر۔ بینوا بالبرھان توجروا عند الرحمٰن۔

الجواب آیت کریمہ واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا میں خدائے عزوجل نے جس حال میں استماع قرآن اور انصات کا حکم فرمایا ہے اس میں ائمہ کرام وعلمائے عظام کے کئی اقوال ہیں جن میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ اس آیت کریمہ کے احکام علی العموم جاری ہوں گے لہٰذا کسی بھی وقت میں اور کسی بھی جگہ میں نماز کے اندر یا باہر قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو جتنے لوگوں کے کان میں آواز پہونچے ہر ایک کو سننا اور چپ رہنا فرض ہے اور یہ قول حضرت حسن بصری اور اہل ظاہر کا ہے جیسا کہ تفسیر خازن جلد ثانی ص۲۳ اور تفسیر جمل جلد ثانی ص۲۲۳ میں ہے۔ فللعلماء فی ذلک اقوال قول الحسن واھل الظاھر ان تجری ھذہ الایات علی العموم ففی ای وقت وای موضع قرئ القراٰن یجب علی کل احد الاستماع لہ والسکوت اھ بعض فقہائے کرام نے اسی قول کو اختیار فرمایا اور نماز وخارج نماز ہر صورت میں ہر شخص پر جہاں تک آواز پہونچے قرآن کا سننا فرض قرار دیا۔ لیکن اس قول کو اختیار کرنا مسلمانوں کو مشقت میں ڈالنا اور ان کے لئے تنگی پیدا کرنا ہے خصوصًا اس زمانہ میں جبکہ ٹیلی ویژن، ریڈیو، ٹرانزسٹر، اور لاؤڈ اسپیکر وغیرہ عام ہے یہاں تک کہ نمازوں میں بھی لاؤڈ اسپیکر استعمال کیا جانے لگا ہے۔ اسی لیے بسا اوقات ضروری کام کے لئے آنے جانے اور اہم کام کی مشغولیت کے وقت بھی تلاوت قرآن کی آواز کانوں میں آجاتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کے لئے استماع قرآن کا فرض ہونا حرج عظیم ہے۔ اور خدائے عزوجل مسلمانوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا کما قال تعالیٰ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (پ۲ ع۷)، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عند کل صلاۃ ولاخرت صلاۃ العشاء الی ثلث اللیل۔ (ترمذی، مشکوٰۃ ص۴۵) اور خارج نماز استماع قرآن کو مستحب قرار دینا جیسا کہ بعض نے اختیار

فرمایا احترام قرآن کے شایان شان نہیں کہ اس صورت میں کسی کے لئے استماع لازم نہیں رہ جاتا۔ لہذا شرح المنیہ، فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت وغیرہ میں جو قول اختیار کیا گیا ہے وہی انسب اور اصلح ہے۔ یعنی جبکہ لوگ استماع قرآن کے لئے حاضر ہوئے ہوں تو ان سب پر سننا فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ کہ اس قول میں نہ تو مسلمانوں کے لئے تنگی ہے اور نہ احترام قرآن کی اضاعت ہے۔ رد المحتار جلد اول مطبوعہ ہند صفحہ ۳۶۶ میں ہے۔ فی شرح المنیۃ والاصل ان الاستماع القرآن فرض کفایۃ لانہ لاقامۃ حقہ بان یکون ملتفتا الیہ غیر مضیع وذلک یحصل بانصات البعض کما فی رد السلام حین کان لرعایۃ حق المسلم کفی فیہ البعض عن الکل الا انہ یجب علی القاری احترامہ بان لایقرأہ فی الاسواق ومواضع الاشتغال فاذا قرأہ فیہا کان ھو المضیع لحرمتہ فیکون الاثم علیہ دون اھل الاشتغال دفعا للحرج اھ اور بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۰۲ میں ہے "جب بلند آواز سے قرآن پڑھا جائے تو تمام حاضرین پر سننا فرض ہے جبکہ وہ مجمع بغرض سننے کے حاضر ہو ورنہ ایک کا سننا کافی ہے اگرچہ اور اپنے کام میں ہوں (غنیہ، فتاویٰ رضویہ)" رمضان شریف کی کسی ایک رات میں پورا قرآن تراویح میں ختم کرنے کو شبینہ کہتے ہیں یہ جائز ہے مگر وہ شبینہ کہ جو آج کل عام طور پر رائج ہے ناجائز ہے۔ بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۳۳ میں ہے "شبینہ کہ ایک رات کی تراویح میں پورا قرآن پڑھا جاتا ہے جس طرح آج کل رواج ہے کہ کوئی بیٹھا باتیں کر رہا ہے۔ کچھ لوگ لیٹے ہیں کچھ لوگ چائے پینے میں مشغول ہیں کچھ لوگ مسجد کے باہر حقہ نوشی کر رہے ہیں اور جب جی میں آیا ایک آدھ رکعت میں شامل بھی ہو گئے یہ ناجائز ہے" تمت بحروفہ۔ نماز میں ختم قرآن افضل ہے اور خارج نماز جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۶ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد اسلم۔ بھیونڈی۔

قرآن خوانی میں سب لوگوں کو بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ناجائز و حرام ہے۔ بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۰۲ میں بحوالہ درمختار ہے کہ مجمع میں سب لوگ بلند آواز سے (قرآن مجید) پڑھیں یہ حرام ہے۔ اکثر تیجوں میں سب بلند آواز سے پڑھتے ہیں یہ حرام

ہے اگرچند شخص پڑھنے والے ہوں تو حکم ہے کہ آہستہ پڑھیں ۔"۔ انتہی باالفاظہ ھذا ماعندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ

مسئولہ ۔ محمد عثمان، مکند نگر متصل ڈیری کمپنی حسین دعا داوی روڈ بمبئی ۱۷

(۱) قرآن پاک بلند آواز سے تلاوت کرنا کیسا ہے ؟

(۲) اگر کوئی بہ نیت ثواب سورۂ یٰسین و سورۂ ملک تلاوت کرکے صبح و شام ایصال ثواب کرے تو کیسا ہے اور سورۂ یٰسین و سورۂ ملک کے فضائل و برکات کیا ہیں ؟

(۳) ایک مسلمان نے اپنی منکوحہ بیوی کو غیر مرد سے بوس و کنار کرتے ہوئے دیکھ لیا اسی وقت اپنی بیوی کو مارا اور غیر مرد کو بھی مارا اور بیوی کو گھر سے نکال دیا اس حالت میں طلاق دینے کی ضرورت ہے یا نکاح سے نکل گئی اور کیا نان و نفقہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں ؟

(۴) روزہ دار اپنے جسم میں دن میں تیل کی مالش کر سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب بعون الملک الوھاب ۔ (۱) مجمع میں سب لوگ بلند آواز سے قرآن مجید پڑھیں یہ حرام ہے اکثر تیجوں اور قرآن خوانی کی مجلسوں میں سب بلند آواز سے پڑھتے ہیں یہ حرام ہے اگرچند شخص پڑھنے والے ہوں تو حکم ہے کہ آہستہ پڑھیں (بہار شریعت) اور بازار وغیرہ میں جہاں لوگ کام کر رہے ہیں بلند آواز سے پڑھنا جائز نہیں کہ لوگ نہ سنیں گے تو گناہ پڑھنے والے پر ہے اگرچہ کام میں مشغول ہونے سے پہلے اس نے پڑھنا شروع کر دیا ہو اور اگر وہ جگہ کام کرنے کے لئے مقرر نہ ہو تو اگر پہلے پڑھنا اس نے شروع کیا اور لوگ نہیں سنتے تو لوگوں پر گناہ اور اگر کام شروع کرنے کے بعد اس نے پڑھنا شروع کیا تو اس پر گناہ (بہار شریعت بحوالہ غنیہ)

(۲) سورۂ یٰسین اور سورۂ ملک وغیرہ کسی بھی سورت کو تلاوت کرکے ایصال ثواب کرنا جائز و مستحسن ہے اور سورۂ یٰسین کی حدیث شریف میں بہت فضیلت آئی ہے ترمذی اور دارمی کی حدیث ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسین کو پڑھے اس کے لئے دس قرآن پڑھنے کا ثواب لکھا جاتا ہے اور بیہقی شریف کی حدیث ہے کہ جو شخص محض خدائے تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سورۂ یٰسین پڑھے تو اس کے اگلے گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور

سورۂ ملک کی بھی بہت فضیلت آئی ہے شامی جلد اول ص۵۹۹ میں ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ ملک پڑھے گا وہ قبر میں منکر نکیر کے سوال سے محفوظ رہے گا اھ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۳) صرف مارنے پیٹنے سے عورت نکاح سے نہیں نکلتی اگر عورت مذکور کو نہ رکھنا چاہے تو طلاق دینا ضروری ہے اور ختم عدت تک شوہر پر نان و نفقہ لازم ہے۔

(۴) ر سُنتا ہے کوئی مضائقہ نہیں وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۵ ذی القعدہ ۹۰ھ

مسئلہ: از ارشاد حسین صدیقی بانی دارالعلوم امجدیہ کسان ٹولہ سنڈیلہ ضلع ہردوئی۔

بیٹھ کر نماز پڑھے تو رکوع میں کتنا جھکے ؟ اور اس حالت میں اگر سرین اٹھائے تو کیا حکم ہے ؟

الجواب: بیٹھ کر نماز پڑھے تو رکوع کا درجۂ کمال و طریقۂ اعتدال یہ ہے کہ پیشانی جھک کر گھٹنوں کے مقابل آجائے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں فی حاشیۃ الفتال عن البرجندی لو کان یصلی قاعدا ینبغی ان یحاذی جبہتہ قدام رکبتیہ لیحصل الرکوع اھ قلت ولعلہ محمول علی تمام الرکوع والافقد علمت حصولہ باصل طأطأۃ الراس ای مع انحناء الظہر تامل (ردالمحتار جلد اول ص۳۴۲) اس حالت میں سرین اٹھانا فعل عبث ہے جو کم سے کم مکروہ تنزیہی ضرور ہے ھکذا قال الامام احمد رضا البریلوی فی الجزء الثالث من الفتاوی الرضویۃ۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی محمود شاہ ابوالعلائی محمد اسٹیٹ سی۔ ایس۔ ٹی روڈ کالینہ بمبئی

سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے یا صرف انگلیوں کا سرا زمین سے لگا رہا اور ان کا پیٹ نہیں لگا تو نماز ہوگی یا نہیں ؟ حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب: اگر سجدہ میں دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے یا صرف انگلیوں کے سرے

زمین سے لگے اور کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں تو اس صورت میں نماز بالکل نہیں ہوگی۔ اور اگر ایک دو انگلیوں کے پیٹ زمین سے لگے اور اکثر کے پیٹ نہیں لگے تو اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۳۹۴ میں ہے "اگر ہر دو پائے بردارد نماز فاسد ست و اگر یک پائے بردارد مکروہ ست۔ اور درمختار مع ردالمحتار جلد اول صفحہ ۳۱۳ میں ہے وضع اصبع واحدۃ منھما شرط۔ اور اسی جلد کے صفحہ ۳۵۱ پر ہے فیہ یفترض وضع اصابع القدم ولو واحدۃ نحو القبلۃ والالم تجز والناس عنہ غافلون۔ اور فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ ۵۵۶ پر ہے "سجدے میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے اھ ——— پھر اسی صفحہ کی تیسری سطر میں ہے "پاؤں کو دیکھئے انگلیوں کے سرے زمین پر ہوتے ہیں کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں ہوتا سجدہ باطل نماز باطل اھ۔

اور حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "پیشانی کا زمین پر جمنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ لگنا شرط۔ تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ دونوں پاؤں زمین سے اٹھے رہے نماز نہ ہوئی بلکہ اگر صرف انگلی کی نوک زمین سے لگی جب بھی نہ ہوئی۔ اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں (بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۷) ھذا ما عندی وھو اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد فیاض اندھاری پور۔ ضلع غازی پور۔

سجدہ میں اگر ناک زمین پر نہ لگے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ——— سجدہ میں ناک زمین پر لگا کر ہڈی تک دبانا واجب ہے تو اگر کسی نے اس طرح سجدہ کیا کہ اس کی ناک زمین پر نہ لگی یا زمین پر تو لگی مگر ناک ہڈی تک نہ دبی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی، اسی طرح فتاوی رضویہ اول صفحہ ۵۵۶ اور بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۷ میں ہے۔ ھذا ما عندی وھو تعالی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئولہ: حافظ واحد علی امام مسجد و مدرس مدرسہ صدر العلوم موضع بیوہرا پوسٹ کرچھنا۔ الہ آباد۔

(۱) قعدۂ نماز میں جو درود پڑھا جاتا ہے اس میں سرکار کے نام کے ساتھ سیدنا کہنا نماز کی حالت میں جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) امام کو نماز کی نیت میں ساتھ ان مقتدیوں کے کہنا چاہئے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ کہنا چاہئے۔

(۳) حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ۹ ربیع الاول کو ہے یا ۱۲ ربیع الاول شریف کو بعض لوگ کہتے ہیں کہ ۹ ربیع الاول ہے۔

(۴) مرض کی وجہ سے لنگوٹ باندھ کر نماز کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ① نماز کے درود میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام مبارک کیساتھ لفظ سیدنا کہنا جائز بلکہ افضل و مستحب ہے۔ درمختار میں ہے ندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوك الادب فھو افضل من ترکہ ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ ومانقل لاتسودونی فی الصلاۃ فکذب اھ۔ اور ردالمحتار شامی جلد اول ص۳۴۵ میں ہے والافضل الاتیان بلفظ السیادۃ کما قالہ ابن ظھیرۃ وصرح بہ جمع وبہ افتی الشارح لان فیہ الاتیان بما امرنا بہ وزیادۃ الاخبار بالواقع الذی ھو ادب فھو افضل من ترکہ اھ والمولی تعالیٰ اعلم۔

(۲) شرع نے امام کو نماز کی نیت میں ساتھ ان مقتدیوں کے کہنے یا نیت کرنے کا حکم نہیں فرمایا ہے۔

(۳) جیسے کہ شرع کی بہت سی باتوں میں علماء کا اختلاف ہے مگر صحیح اور معتمد جمہور کا قول ہے ایسے ہی سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت میں سات قول ہیں ۲، ۸، ۱۰، ۱۲، ۱۷، ۱۸، اور ۲۲ لیکن صحیح و معتمد ۱۲ ربیع الاول ہی ہے ۹ ربیع الاول کا قول میری نگاہ سے نہیں گذرا۔

(۴) کر سکتا ہے بشرطیکہ لنگوٹ کے سبب رکوع اور سجدہ وغیرہ صحیح طور پر ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۴ جمادی الاولیٰ ۹۸ھ

مسئلہ: حافظ غلام دستگیر بارہ بنکوی۔

نماز میں کون سا درود پڑھا جاتا ہے زید کہتا ہے اللھم صل علی محمد کے درود ابراہیمی میں لفظ سیدنا کا اضافہ کرکے اس طرح پڑھتا ہے اللھم صل علی سیدنا محمد الخ اس کے لئے کیا حکم ہے اس اضافہ سے نماز میں کوئی فرق تو نہیں پڑتا۔ بزرگان دین نے نمازوں میں درود ابراہیمی کس طرح پڑھا ہے۔

دونوں میں صحیح کون سا ہے۔

الجواب نماز میں درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے اور اسی کا پڑھنا افضل ہے ایسا ہی فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۱۴۲ میں ہے اور اللھم صل علی محمد کے بجائے اللھم صل علی سیدنا محمد پڑھنا اور اسی طرح حضرت خلیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے مبارک نام کے ساتھ لفظ سیدنا لگانا بہتر ہے اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اس کی خوبی اور بڑھ جاتی ہے فقیہ اعظم ہند حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ درود شریف میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضور سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے طیبہ کے ساتھ لفظ سیدنا کہنا بہتر ہے (بہار شریعت ح۔ سوم صفحہ ۸۳) اور در مختار میں ہے۔ ندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار بالواقع عین سلوک الادب فھو افضل من ترکہ ذکرہ الرملی الشافعی وغیرہ اور رد المحتار جلد اول مطبوعہ دیوبند صفحہ ۳۲۵ میں ہے والافضل الاتیان بلفظ السیادۃ کما قالہ ابن ظھیرۃ وصرح بہ جمع وبہ افتی الشارح لان فیہ الاتیان بما امرنا بہ وزیادۃ الاخبار بالواقع الذی ھو ادب فھو افضل من ترکہ واما حدیث لاتسیدونی فی الصلاۃ فباطل لا اصل لہ کما قالہ بعض متاخری الحفاظ۔ وقول الطوسی انھا مبطلۃ غلط۔ واعترض بان ھذا مخالف لمذھبنا لما مر من قول الامام من انہ لو زاد فی تشھدہ او نقص فیہ کان مکروھا قلت فیہ نظر فان الصلاۃ زائدۃ علی التشھد لیست منہ نعم ینبغی علی ھذا عدم ذکرھا فی واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ وانہ یاتی بھا مع ابراھیم علیہ السلام بزرگان دین نے نمازوں میں درود ابراہیمی لفظ سیدنا کے اضافہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور بغیر اضافہ بھی۔ دونوں صحیح ہے مگر لفظ سیدنا کے ساتھ پڑھنا افضل ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ / شوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۔ از ظہور محمد عرف کلن پہلوان زیدپور بارہ بنکی ۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

ہم لوگ بعد نماز فجر صلاۃ وسلام بطور عقیدت کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں نیز اس کو ہم فرض وضروری بھی نہیں سمجھتے اور اس بات کا بھی خیال کرتے ہیں کہ ہمارا صلاۃ وسلام پڑھنا کسی مصلی کی نماز کے لئے باعث خلل نہ ہو شرعی نقطۂ نظر سے ہمارا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلہ میں ان لوگوں نے فرنگی محل لکھنؤ سے فتوی بھی منگوایا ہے۔ اگر اس کے اندر کوئی شرعی کتربیونت ہو تو تفصیل کے ساتھ اس پر بھی روشنی ڈالیں۔ وہ بھی اسی استفسار کے ساتھ نقل ہے۔ استفسار

ہم لوگ محفل میلاد شریف میں کھڑے ہوکر پورے احترام کے ساتھ صلاۃ وسلام پڑھتے ہیں اس میں کوئی اختلاف ہمارے درمیان نہیں ہے۔ البتہ کچھ حضرات نے بعد نماز فجر کھڑے ہوکر پورے احترام کے ساتھ صلاۃ وسلام پڑھنا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ ضروری وظائف جو پڑھے جاتے تھے وہ چھوٹ گئے ہیں اور بعد نماز فجر کھڑے ہوکر سلام پڑھنا کہیں سے ثابت ہے یا نہیں؟ یا یہ نیا طریقہ ہے اور جو لوگ بجائے سلام کے بیٹھ کر درود شریف کی تسبیح پڑھتے ہیں وہ کیسے ہیں۔ بینوا توجروا۔ المستفتی عنایت رسول غفرلہ زید پور محلہ پورب طرف بارہ بنکی، ۱۰ر فروری ۱۹۷۱ء

یقیناً یہ طریقہ اسلاف سے ثابت نہیں لیکن چونکہ مدینہ منورہ میں جو لوگ مسجد نبوی میں حاضری دیتے ہیں وہ بعد نماز مغرب اور بعد نماز فجر بالخصوص مواجہہ شریف میں حاضر ہوکر سلام پیش کرتے ہیں اس طریقہ کی تمثیل کے طور از راہ عقیدت اور حضور تصوری کوئی شخص سلام محض کرتا ہے تو اس کا سلام دوسروں کے مشاغل میں حارج نہ ہونا چاہئے اور صلاۃ وسلام ایسے وقت پڑھنا کہ دوسرے نمازیوں کی نمازوں اور وظائف کی یکسوئی میں خلل انداز ہوکر ذہنی انتشار کا باعث ہو یقیناً صلاۃ وسلام کے اخلاص پر اثر انداز ہوگا۔ اس لئے اگر صلاۃ وسلام عرض کرنا ہی مقصود ہے تو وہ بعد طلوع آفتاب زیادہ بہتر ہوگا۔ فوراً ادائے فرض کے بعد مناسب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم۔ حررہ محمد حبیب بقلم خود غفرلہ فرنگی محل۔

اگر مخلوص نیت لوگ صلاۃ وسلام پڑھنا ہی چاہتے ہیں۔ تو ایسے وقت پر پڑھیں جب ان کا سلام دوسروں کے وظائف کی یکسوئی میں حارج نہ ہو۔ تاکہ آپ کا احترام بھی قائم رہے۔ اور مناسب ہے کہ اس سلسلہ میں لاؤڈ اسپیکر سے اجتناب کیا جائے۔ واللہ اعلم

الجواب وہابی دیوبندی قیام تعظیمی کے سخت مخالف ہیں۔ اور آیت کریمہ یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ چونکہ درود شریف پڑھنے کے حکم پر دلیل قطعی ہے اس لئے وہ بظاہر اس کی مخالفت نہیں کرتے مگر اس سے کوئی خاص لگاؤ بھی نہیں رکھتے اس لئے ان کے اجتماعات اور جلسے درود شریف پڑھنے اور پڑھانے سے عموماً خالی ہوتے ہیں اس لئے کہ اس میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک طرح سے

تعظیم پائی جاتی ہے اور وہ تعظیم رسول کے منکر ہیں اس لئے کبھی وہ خود براہ راست درود وسلام کھڑے ہوکر پڑھنے کی مخالفت کرتے ہیں اور کبھی اہل سنت وجماعت ہی کو کسی بہانے سے اس کی مخالفت پر اکساتے ہیں لہذا تعیین وقت کے ساتھ بعد نماز فجر اگرچہ کھڑے ہوکر ایک ساتھ بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا فرض وواجب نہیں بلکہ جائز ہے اسے ناجائز کہنا جہالت ہے لیکن جب وہابی دیوبندی اس کی مخالفت کرتے ہیں تو وہ صرف جائز ہی نہ رہا بلکہ مستحسن ومرغوب ہوگیا۔ جیسا کہ شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "عمل برخصت از برائے اظہار خلاف با اہل ضلالت مستحسن ومرغوب ست (اشعۃ اللمعات جلد اول ص۳۳۷) اس لئے اوراد ووظائف میں خلل کا نام لے کر درود وسلام کو بند کرانا وہابیوں دیوبندیوں کے مقصد کو پورا کرنا ہے اور ادائے فرض کے فوراً بعد پڑھنے کو نامناسب قرار دینا اور بعد طلوع آفتاب کے پڑھنے کو بہتر ٹھہرانا دوسرے الفاظ میں بعد نماز فجر درود وسلام کو بند کرانا ہے اس لئے کہ اگر بعد نماز فوراً نہ پڑھا گیا تو سورج نکلنے تک لوگ درود وسلام کے لئے نہیں ٹھہریں گے اور اس طرح وہ بند ہوجائے گا لہذا صلاۃ وسلام بند نہ کریں اور ادائے فرض کے بعد فوراً پڑھیں طلوع آفتاب کا انتظار نہ کریں لیکن اس صورت میں صرف ایک بند پر اکتفا کریں اس سے زیادہ نہ پڑھیں تاکہ وظیفہ والے صلاۃ وسلام میں شریک ہونے کے بعد بغیر کسی خلل کے یکسوئی کے ساتھ اپنا وظیفہ پڑھ سکیں اور اگر کچھ لوگ نماز میں مشغول ہوں تو آہستہ پڑھیں اور صلاۃ وسلام کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے اجتناب کو مناسب کہنا بھی صحیح نہیں کہ اس کام کے لئے اس کا استعمال خاص طور پر مناسب بلکہ افضل ہے۔ اس لئے کہ اس میں گمراہ فرقہ کی مخالفت کا بہترین اظہار ہے اور ان کی مخالفت کا اظہار مستحسن ومرغوب ہے کما تقدم من تصریح الشیخ الدھلوی البخاری علیہ رحمۃ الباری۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۸ رجمادی الاولی ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۵:- از (مولانا) عبدالقدوس کشمیری خطیب مسجد ۲۳ اسٹیمی جوبلی اسٹریٹ بمبئی ۳

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ فرض کا آخری قعدہ بھول کر کھڑا ہوگیا دو رکعت والی نماز میں تیسری کا اور چار رکعت والی نماز میں پانچویں کا سجدہ کرلیا تو مسئلہ یہ ہے کہ فرض باطل ہوکر سب رکعتیں نفل ہوگئیں۔ اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب نفل کا ہر قعدہ قعدۂ اخیرہ ہے یعنی فرض ہے اور فرض چھوٹ گیا تو نماز کو فاسد ہوجانا چاہئے۔ نماز کے نفل ہوجانے کی صورت میں اسے صحیح نہیں ہونا چاہئے۔ اس شبہہ کا جواب تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں

باسمہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الاعلیٰ۔

الجواب ـــــ بیشک نفل کا ہر قعدہ قعدۂ اخیرہ ہے اور وہ فرض ہے جس کے چھوٹ جانے کے سبب نماز کو فاسد ہوجانا چاہئے قیاس یہی کہتا ہے۔ امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہی فرمایا ہے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمۃ والرضوان کا مذہب یہی ہے لیکن استحسان یعنی قیاس خفی سے نماز فاسد نہیں ہوتی جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ دلیل استحسان یہ ہے کہ جب دو رکعت کی فرض نماز میں قعدہ کو چھوڑ کر تیسری کا سجدہ کرلیا تو پوری نماز کو، اور جب چار رکعت کی نماز میں پانچویں کا سجدہ کرلیا تو ضم رکعت کے بعد آخری چار رکعت کو فرض سے مشابہت کے سبب ایک ہی نماز قرار دیدیا گیا اور اس نماز کا قعدۂ اخیرہ فرض ہوگیا۔ یہاں تک کہ چار رکعت کی فرض نماز میں قعدۂ اولیٰ بھی نہیں کیا اور ایک ہی قعدہ سے چھ رکعتیں پڑھیں تو بعض لوگوں کے قول پر وہ بھی درست ہوجائیں گی لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ فاسد ہوجائیں گی اس لئے کہ فرض کے قعدہ پر قیاس کرتے ہوئے استحساناً چار رکعت جائز ہے اور چھ رکعت کی فرض نماز کوئی نہیں ہے فتح القدیر جلد اول صفحہ ۴۴۴ میں ہے ترک القعدۃ علی راس الرکعتین من النفل لایفسدھا عندھما خلافا لمحمد۔ اور مراقی الفلاح مع طحطاوی صفحہ ۲۱۳ میں ہے اذا صلی نافلۃ اکثر من الرکعتین کاربع فاتمھا ولم یجلس الا فی اٰخرھا فالقیاس فسادھا وبہ قال زفر وھو روایۃ عن محمد وفی الاستحسان لاتفسد۔ اور جوہرہ نیرہ جلد اول صفحہ ۸۰ میں ہے ترک القعدۃ علی راس الرکعتین فی التطوع مفسد عندہ واما عندھما فترک القعدۃ علی راس الرکعتین فی التطوع لایفسد۔ اور کفایہ مع فتح القدیر جلد اول صفحہ ۴۴۴ میں ہے عندھما ترک القعدۃ علی راس الرکعتین فی التطوع لایفسد الصلاۃ۔ اور درمختار مع شامی جلد اول صفحہ ۵۰۳ میں ہے لو ترک القعود الاول فی النفل سھوا سجد ولم تفسد استحسانا اور ردالمحتار جلد اول صفحہ ۴۴۵ میں ہے کون کل شفع صلاۃ علی حدۃ یقتضی افتراض القعدۃ عقیبہ فیفسد بترکھا کما ھو قول محمد وھو القیاس لکن عندھما لما قام الی الثالثۃ قبل القعدۃ فقد جعل الکل صلاۃ واحدۃ شبیھۃ بالفرض وصارت القعدۃ الاخیرۃ ھی الفرض وھو الاستحسان۔ ولو تطوع بست رکعات بقعدۃ واحدۃ قیل یجوز والاصح لا فان الاستحسان جواز الاربع بقعدۃ

اعتبار ابالفرض ولیس فی الفرض ست رکعات تؤدی بقعدۃ فیعود الامر الی اصل القیاس کما فی البحر انتہی۔ اھ ملخصاً۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
۲۷ رذوالقعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از ارشاد حسین صدیقی بانی دارالعلوم امجدیہ کسان لولسنڈیلہ ضلع ہردوئی۔

اگر نماز میں قرأت کرنے کے بعد سجدہ میں چلا گیا اور بھول کر رکوع چھوٹ گیا۔ یا کسی رکعت کا ایک سجدہ بھول گیا اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنے کے بعد یاد آیا تو وہ کیا کرے؟

الجواب ــــــ اگر رکوع بھول کر چھوٹ گیا اور قعدۂ اخیرہ میں یاد آیا تو اٹھ کر رکوع کرے اور دونوں سجدے دوبارہ کرے پھر سجدۂ سہو کرنے کے بعد نماز پوری کرے اور اگر کوئی سجدۂ صلاتیہ بھول گیا اور قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد یاد آیا تو سجدۂ صلاتیہ کرنے کے بعد پھر تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرے اور پھر تشہد پڑھ کر نماز مکمل کرے۔ ردالمحتار جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰۲ میں ہے یفترض ایقاعہ (ای القعود الاخیر) بعد جمیع الارکان حتی لو تذکر بعدہ سجدۃ صلبیۃ سجدھا واعاد القعود وسجد للسہو ولو رکوعا قضاہ مع ما بعدہ من السجود۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل مجدہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

بَابُ الامامۃ

امامت کا بیان

مسئلہ۔ از رمضان علی قادری رضوی۔ علی آباد بارہ بنکی۔ یوپی۔

کیا داڑھی منڈانے والے کے پیچھے داڑھی منڈانے والوں کی نماز ہوسکتی ہے؟ —— زید کہتا ہے کہ جب کوئی داڑھی والا نہ ہو تو غیر داڑھی والے کے پیچھے نماز ہوجائے گی۔ جس طرح جمعہ کی امامت کے لئے سبب باشرع آدمی نہ ملے تو فاسق معلن کی امامت درست ہے اسی طرح جب نماز پنجگانہ کے لئے کوئی حد شرع داڑھی والا نہ ہو تو داڑھی منڈانے والے کے پیچھے نماز ہوجائے گی۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ داڑھی فرض تو ہے نہیں بلکہ سنت ہے اور جماعت فرض ہے۔ اگر حد شرع داڑھی والا امام نہ ملنے کی صورت میں جماعت نہ کی جائے گی تو ترک فرض ہوگا جو گناہ ہے ترک سنت سے ترک فرض دکیا جائے گا —— بکر کہتا ہے کہ داڑھی بار بار منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا فسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ لہٰذا داڑھی منڈانے والے کی امامت مکروہ تحریمی اور اس کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کا لوٹانا واجب ہے۔ پنج وقتہ نمازوں کی امامت کے لئے متشرع آدمی نہ ہونے کی صورت میں بھی اگر غیر داڑھی والے کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی تو بھی اعادہ واجب ہوگا —— دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید و بکر میں سے کس کی بات صحیح ہے نیز مسئلہ پوری تحقیق سے بحوالۂ کتب بیان کردیا جائے۔

الجواب —— داڑھی منڈانا حرام ہے جیسا کہ درمختار میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیتہ یعنی مرد کو داڑھی منڈانا حرام ہے اور فتح القدیر جلد ثانی ص۲۷۰ درمختار مع شامی جلد ثانی ص۱۱۶ ردالمحتار جلد ثانی ص۱۱۳ البحرالرائق جلد ثانی ص۲۸۰ اور طحطاوی علی مراقی ص۴۱۱ میں ہے۔ واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیۃ وھو دون ذالک (ای القدر المسنون وھو القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال لم یبحہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند ومجوس الاعاجم اھ۔ یعنی داڑھی جب کہ ایک مشت سے کم ہو تو اس کا کاٹنا جس طرح کہ بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں کسی کے نزدیک جائز نہیں اور کل داڑھی کا صفایا کرنا یہ کام تو ہندوستان کے یہودیوں اور ایران کے مجوسیوں کا ہے —— اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "داڑھی کترانا منڈانا حرام ہے" (فتاویٰ رضویہ جلد ثالث ص۲۷۴) اور حضرت صدرالشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم رکھنا

حرام ہے (بہار شریعت ص ۱۹۷) اور محدث کبیر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "حلق کردن لحیہ حرام ست وروش افرنج وہنود وجوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند وگذاشتن آں بقدر قبضہ واجب است" وآنکہ آں را سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک در دین ست یا بجہت آں کہ ثبوت آں بسنت ست چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند ——— یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے انگریزوں، ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے اور داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اور جن فقہا نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا (تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہا) تو سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے (حالانکہ نماز عید واجب ہے اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۲۲۸) لہٰذا بار بار داڑھی کا منڈانے والا مرتکب حرام اور فاسق ہے اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے لو قدموا فاسقا یأثمون بناء على ان كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بامور دينه وتساهله في الاتيان بلوازمه فلا يبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ما ينافيها بل هو الغالب بالنظر الى فسقه۔ یعنی اگر فاسق کو امامت کے لیے آگے بڑھائیں تو گنہگار ہوں گے کہ اس کو مقدم کرنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ وہ دینی امور کا لحاظ نہیں کرتا اور ان کی ادائیگی میں سستی برتتا ہے لہٰذا وہ نماز کی بعض شرطوں کو چھوڑے یا کوئی فعل منافی نماز کرے تو بعید نہیں بلکہ فاسق کا ایسا کرنا بہت ممکن ہے۔ لہٰذا داڑھی منڈانے والے فاسق معلن کے پیچھے داڑھی منڈانے والوں کی نفس نماز تو ہو جائے گی مگر پڑھنے والے گنہگار ہوں گے اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ ایسی نماز اگر دوبارہ نہ پڑھیں گے تو گنہگار رہیں گے ——— طحطاوی علی مراقی میں ہے الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ یعنی فاسق میں کراہت تحریمی ہے۔ اور درمختار میں ہے کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ یعنی ہر وہ نماز جو مکروہ تحریمی ہو جائے اس کا اعادہ واجب ہے۔ اور فاسق کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھنے کا حکم صرف اس صورت میں ہے جب کہ دوسری جگہ صالح امامت متقی کے پیچھے جمعہ نہ پاسکے ورنہ جمعہ کی نماز پڑھنا بھی فاسق کے پیچھے جائز نہیں۔ رد المحتار جلد اول ص ۳۷۶ میں ہے فی المعراج قال اصحابنا لا ینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجد اماما غیرہ۔ قال فی الفتح وعلیہ فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصر علی قول محمد المفتی بہ۔ یعنی معراج میں ہے ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ جمعہ کے علاوہ کسی دوسری نماز میں فاسق کی اقتدا مناسب نہیں اس لئے کہ دوسری نمازوں کے لئے دوسرا امام مل جائیگا اسی پر فتح القدیر میں فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول مفتیٰ بہ پر جب کہ شہر میں متعدد جگہ جمعہ قائم ہو تو اس صورت میں فاسق کے پیچھے جمعہ پڑھنا بھی مکروہ ہے ——— اور صالح متقی امام نہ ملنے کی

صورت میں فاسق کے پیچھے جمعہ پڑھنے کا حکم اس لئے ہوا کہ اس کی اقتدا مکروہ تحریمی اور جمعہ فرض ہے جس کے لئے جماعت شرط۔ تو مکروہ تحریمی کے سبب فرض کو ترک نہ کیا جائے گا۔ اور جماعت فرض نہیں ہے بلکہ عام مشائخ کے قول پر واجب ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۷۷ میں ہے الجماعة سنة مؤكدة كذا في المتون والخلاصة والمحيط ومحيط السرخسي وفي الغاية قال عامة مشايخنا انها واجبة وفي المفيد وتسميتها سنة لوجوبها بالسنة یعنی جماعت سنت مؤکدہ ہے ایسا ہی متون، خلاصہ، محیط، محیط سرخسی میں ہے اور غایہ میں ہے کہ ہمارے عام مشائخ نے فرمایا کہ جماعت واجب ہے اور مفید میں ہے کہ اس کا نام سنت اس لئے رکھا گیا کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے۔ اور داڑھی رکھنا سنت نہیں بلکہ واجب ہے جس کا ترک فسق و حرام ہے اور تارک فاسق جس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی جیسا کہ او پر گذرا اور جماعت واجب۔ لہٰذا واجب کے لئے مکروہ تحریمی کا ارتکاب نہ کیا جائے گا کہ مکروہ تحریمی کا اعتنا واجب سے اہم و اعظم ہے جیسا کہ الاشباہ والنظائر صفحہ ۹۹ میں ہے اعتناء الشرع بالمنهيات اشد من اعتنائه بالمأمورات اھ اور اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً تنہا تنہا پڑھیں کہ جماعت واجب ہے اور اس کی تقدیم ممنوع بکراہت تحریم اور واجب و مکروہ تحریمی دونوں ایک مرتبہ میں ہیں ودرء المفاسد اهم من جلب المصالح ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں کہ وہ فرض ہے اور فرض اہم (فتاوی رضویہ جلد ثالث صفحہ ۲۴۳) لہٰذا زید کا قول ضعیف ہے اور بکر کا قول صحیح ہے وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۸ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

مسئلہ۔ از ظفیر صاحب۔ کریم صاحب مقام دیوانی ضلع رتناگیری، مہاراشٹر۔

(۱) کیا شافعی امام کی اقتدا میں حنفی لوگوں کی نماز درست ہے؟

(۲) حنفی امام ہے مگر داڑھی حد شرع سے کم رکھتا ہے لیکن لوگ نماز ایسے امام کی اقتدا میں پڑھتے ہیں تو لوگوں کا نماز پڑھنا درست ہے؟ اور امام کیسا ہے۔

(۳) بغیر داڑھی کا امام نماز پڑھاتا ہے اور لوگ نماز پڑھتے ہیں آیا ایسے امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا درست ہے؟ اور ایسا امام کیسا ہے؟ جواب بحوالہ مرحمت فرمائیں۔

(۱) **الجواب** اگر شافعی امام نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے مذہب کے مطابق وضو توڑنے والا ہے یا نماز کو فاسد کرنے والا ہے جیسے کہ منھ بھر قے ہونے یا غیر سبیلین سے خون وغیرہ نکل کر بہنے کے بعد وضو نہ کیا یا ماء مستعمل سے وضو کیا

یا وضو میں چوتھائی سر سے کم مسح کیا۔ صاحب ترتیب ہو کر یاد ہوتے ہوئے اور وقت میں وسعت کے باوجود قضا نماز پڑھے بغیر وقتی نماز شروع کر دی۔ یا کوئی فرض ایک بار پڑھ کر پھر اسی نماز کی امامت کر رہا ہو تو شافعی امام کی اقتدا میں حنفیوں کی نماز درست نہیں۔ جیسا کہ غنیہ ص۵۱۶ میں ہے اما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز ما لم یعلم منہ ما یفسد الصلاۃ علی اعتقاد المقتدی علیہ الاجماع۔ اور اگر شافعی امام مسائل حنفیہ کی رعایت کرتا ہے تو اس کے پیچھے حنفیوں کی نماز درست ہے بشرطیکہ بدمذہبی وغیرہ اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ ردالمحتار جلد اول ص۳۷۷ میں کبریٰ سے ہے ان علم الاحتیاط منہ فی مذہبنا فلا کراھۃ فی الاقتداء بہ مگر حنفیوں کو رفع یدین میں اس کی اتباع کرنا مکروہ ہے۔ اور شافعی امام جب کہ وتر دو سلام سے پڑھے حنفیوں کو اس کی اقتدا صحیح نہیں جیسا کہ درمختار مع شامی جلد اول ص۳۷۷ میں ہے صح الاقتداء فیہ بشافعی لم یفصلہ بسلام لا ان فصلہ علی الاصح اھ ملخصاً۔

(۲) ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب است و آنکہ آنرا سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک در دین ست یا بجہت آنکہ ثبوت آں بسنت است چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند۔ یعنی داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اور جن فقہاء نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا ہے (تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یا) تو یہاں سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے اور یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید واجب ہے اشعۃ اللمعات جلد اول ص۲۱۲) اور درمختار مع شامی جلد پنجم ص۲۶۱ میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیتہ اھ یعنی مرد کو اپنی داڑھی کا کاٹنا حرام ہے اور بہار شریعت حصہ شانزدہم میں ہے، داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے، لہٰذا امام مذکور اگر داڑھی کتوا کر ایک مشت سے کم رکھنے کا عادی ہے تو فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(۳) اگر امام بغیر داڑھی کا اس لئے ہے کہ اسے داڑھی نکلتی ہی نہیں ہے اور وہ بالغ ہے تو اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا درست ہے جبکہ کوئی اور وجہ مانع نہ ہو۔ اور اگر وہ داڑھی منڈاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کہ وہ مرتکب حرام ہے اور فاسق معلن ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۵/ ذوالقعدہ [illegible]ھ

مسئلہ۔ از ڈاکٹر شکیل احمد نوری دواخانہ باری مسجد جگدل۔ ضلع ۲۴ پرگنہ

زید پابند شرع و متقی ہے اور مسجد کا امام بھی ہے مگر انھوں نے بینک میں اپنا روپیہ جمع کیا ہے اور اس سے جو سود ملتا ہے وہ اپنے مصرف میں لاتا ہے اور اس سے زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور ان کی امامت درست ہے یا نہیں؟ تشفی بخش جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب۔ زید جس بینک کے روپیہ کا نفع اپنے مصرف میں لاتا ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا کرتا ہے اگر وہ بینک مسلمانوں کا ہے یا مسلمانوں اور کافروں کا مشترک ہے تو اس صورت میں اس پیسہ سے زکوٰۃ ادا کرنا اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں کہ وہ سخت گنہگار فاسق اور سود خور ہے۔ اور اگر وہ بینک یہاں کے خالص غیر مسلموں کا ہے تو اس کا نفع شرعاً سود نہیں اسے اپنے مصرف میں لانا اور اس سے زکوٰۃ وغیرہ ادا کرنا جائز ہے کہ یہاں کے غیر مسلم کافر حربی ہیں۔ اور کافر حربی و مسلمان کے درمیان سود نہیں — رئیس الفقہاء حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ان ھم الا حربی وما یعقلها الا العالمون (تفسیرات احمدیہ) اور حدیث شریف میں ہے لا ربا بین المسلم والحربی فی دار الحرب۔ اور دار الحرب کی قید اس حدیث شریف میں اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ کما صرح به العالمون۔ ھذا ما عندی وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ ربیع الاول [illegible]

مسئلہ۔ از محمد شوکت علی صدر بزم قادری موضع کھریا وارانسی۔

امام فرض ظہر کے پہلے کی چار رکعت سنت پڑھے بغیر امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ بعون الملک الوھاب بلا عذر چار رکعت سنت پڑھے بغیر ظہر فرض کی امامت کرنا مکروہ ہے۔ اور بالکل ترک کر دینے یعنی بعد فرض بھی نہ پڑھنے والے کے لئے وعید ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا من ترک اربعا قبل الظھر لم تنلہ شفاعتی اھ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ ربیع الاول [illegible]

مسئلہ۔ از محمد لطیف اسٹینڈرڈ واچ سروس نیر پوسٹ ہنداول ضلع بستی۔

ہمارے یہاں ایک لڑکی ھندہ کو ناجائز حمل رہا جب قریب چھ ماہ کا حمل ہو گیا تو گاؤں کے مسلمانوں نے لڑکی کو طلب

کرکے بیان لیا۔ لڑکی ہندہ نے بتایا کہ یہ حمل زید کا ہے اس پر گاؤں والوں نے زید کو بائیکاٹ کر دیا لیکن گاؤں کے کچھ مسلمان حامد و محمود وغیرہ زید کے ساتھ کھاتے پیتے اور سلام کلام شادی وغیرہ میں شرکت کرتے رہے ہندہ نے دوا کے ذریعہ حمل کا اسقاط بھی کرا دیا اس کے بعد ہندہ نے کہیں سے استغفار کیا اور توبہ کیا نیز میلاد کا پروگرام رکھا جس میں حامد و محمود وغیرہ ہی کو دعوت دیا اور مکتب کے ماسٹر صاحب اور مسجد کے امام صاحب کو بھی دعوت دیا اور ان لوگوں نے دعوت میں شرکت بھی کیا لیکن جو مسلمان پہلے بائیکاٹ کئے تھے نہ تو انھیں شریک کیا گیا اور نہ ان کے سامنے توبہ کیا گیا۔ اور انھیں بائیکاٹ کرنے والے مسلمانوں نے اب امام صاحب کو بھی امامت سے الگ کر دیا یہ کہکر آپ نے جو لوگ پہلے سے غلط کام میں ساتھ دے رہے تھے ان کا ساتھ دیا ہے۔ اس وجہ سے آپ امامت کے لائق نہیں رہے کیونکہ ابھی وہ لوگ توبہ نہیں کئے جو شرع کے خلاف ساتھ دے رہے تھے اس لئے حضور والا سے گذارش ہے کہ ہم مسلمانوں کو شریعت کے حکم سے آگاہ کریں کہ امام صاحب کے پیچھے نماز ہم لوگ پڑھیں یا نہ پڑھیں اور اگر نہ پڑھیں تو امام صاحب پر کیا حکم ہے؟ جیسا ہو ہم مسلمانوں کو شریعت کے حکم سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب جو گناہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے اس کی توبہ علانیہ ہونا ضروری ہے جن لوگوں نے بائیکاٹ کیا ان کے سامنے ضروری نہیں۔ لہٰذا جب کہ مجرم نے توبہ کر لی اگرچہ بائیکاٹ کرنے والوں کے سامنے نہ کی مگر ان کا مقصد حاصل ہے۔ اسی طرح توبہ کرنے کے لئے بائیکاٹ کرنے والوں کی دعوت بھی ضروری نہیں البتہ بہتر یہی تھا کہ مجلس توبہ میں بائیکاٹ کرنے والوں کو بھی شریک کیا جاتا۔ اور جو مسلمان زید کے ساتھ کھاتے پیتے رہے وہ گنہگار ہوئے ان پر بھی لازم تھا کہ وہ زید کا بائیکاٹ کرتے پ ۷ ع ۱۴ میں ہے واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔ اس آیت کریمہ کے تحت رئیس الفقہا حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں ان القوم الظلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع (تفسیرات احمدیہ ص۳۸۸) لہٰذا وہ سب بھی علانیہ توبہ و استغفار کریں۔ اور مکتب کے ماسٹر و مسجد کے امام کو چاہیے تھا کہ وہ اس قسم کی دعوت میں شرکت نہ کرتے اور جب حامد و محمود وغیرہ کی دعوت دی گئی تو اس صورت میں بدرجہ اولیٰ انھیں احتراز کرنا چاہیے تھا لیکن اگر امام نے اس قسم کی دعوت میں شرکت کر لی تو وہ اس درجہ گنہگار نہیں ہوئے کہ ان کے پیچھے نماز جائز نہ ہو اس کے باوجود امام کو چاہیے کہ وہ رفع فتنہ کے لئے توبہ کر لیں فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر ایک دسترخوان پر کافر و مشرک کے ساتھ کسی مسلمان نے ایک دو بار کھانا کھا لیا تو حرج نہیں۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ لم یذکر محمد الاکل مع المجوس ومع غیرہ من اھل الشرک انہ ھل یحل ام لا وحکی عن الحاکم الامام عبد الرحمن الکاتب انہ ان ابتلی بہ المسلم مرۃ او مرتین فلا بأس بہ

واما الدوام عليه فيكره كذا في المحيط انتهى والله تعالىٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ - از بیت اللہ سرپنچ پپری بزرگ پوسٹ بھدوکھر بازار ضلع بستی

زید جو کہ مسجد کا امام ہے وہ ایک غیر محرم عورت ھندہ کے ساتھ تنہائی میں کھلم کھلا اٹھتا بیٹھتا ہے اور اپنی بیوی کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آکر اپنی کمسن بچیوں کو چھین کر ایک غیر محرم مرد کے ساتھ اس کے میکے بھیج دیا ہے۔ زید نے آج تین سال سے اپنی بیوی کا حق جو کہ شریعت مطہرہ کا قائم کردہ ہے قطعی طور پر ادا نہیں کیا۔ اور اس سے بولنا چالنا اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بالکل ترک کر دیا ہے۔ آج قریب پندرہ دن سے زید کی بیوی اپنے میکے مجبور ہو کر گئی ہے۔ جب یہ معاملہ زید نے اپنی بیوی کے ساتھ کیا تو اس کے والدین زید کے پاس آئے اور پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا اور تم یہ کیا کرتے ہو تو اس پر زید نے انہیں جواب دیا کہ وہ ہمارے معرف کی نہیں ہے ہم اس کو نہیں رکھیں گے ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں مجبور ہو کر اس کے والدین واپس چلے گئے یہ ہے زید امام کا کارنامہ۔

لہٰذا ہم عوام الناس جو کہ امام کے مقتدی ہیں ایسی صورت میں ہم عوام الناس ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ اگر پڑھیں تو نماز ہوگی یا نہیں ہوگی؟ جو شریعت مطہرہ کا حکم ہے بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ اور ہم تمامی مسلمانوں کی رہبری فرمائیں۔

الجواب — خدائے تعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ پارہ چہارم رکوع ۱۴ میں ہے وعاشروهن بالمعروف۔ اور اپنی بیویوں سے کمسن بچیوں کا چھین لینا ظلم ہے بہار شریعت حصہ ہشتم ص۱۴۳ میں ہے کہ لڑکی اس وقت تک پرورش میں رہے گی کہ حد شہوت کو پہنچ جائے اس کی مقدار نو برس کی عمر ہے۔ اور غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں اٹھنا بیٹھنا حرام ہے ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لا يخلون رجل بامرأة الا كان ثالثهما الشيطان۔ یعنی کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہیں جمع ہوتا ہے لیکن اس حال میں کہ وہاں دو کے علاوہ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ اور الاشباہ والنظائر ص۲۸۶ میں ہے الخلوة بالاجنبية حرام۔ یعنی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی حرام ہے۔ لہٰذا شخص مذکور میں اگر واقعی وہ سب باتیں پائی جاتی ہیں جن کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے تو وہ مرتکب حرام، فاسق اور ظالم ہے تاوقتیکہ توبہ نہ کرے اور ان باتوں سے باز نہ آئے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اگر

پڑھیں گے تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۰ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ از برکت اللہ چودھری پیپری بزرگ ضلع بستی

زید، بکر اور عمر تین بھائی ہیں اور تینوں نے بانٹ لیا ہے مگر ایک ہی مکان میں رہتے ہیں ایک ایک کمرہ اور تھوڑا تھوڑا برآمدہ ہر ایک کے حصہ میں ہے لیکن تینوں کا آنگن ایک ہی ہے کوئی دیوار یا ٹاٹی بیچ میں حائل نہیں اور نہ آپس میں کسی قسم کا جھگڑا فساد رہتا ہے تینوں میل جول سے رہتے ہیں زید کی خالد سے بظاہر دوستی ہے خالد کو ساتھ لیکر اکثر اپنے گھر بیٹھا باتیں کیا کرتا ہے اور کبھی کبھی خالد بھی اس کے گھر زید کی غیر موجودگی چلا جاتا ہے اور بیٹھ جاتا ہے مگر تنہائی میں نہیں بیٹھتا ہے خالد عالم دین ہے اور امامت بھی کرتا ہے مگر گاؤں کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ خالد زید کے گھر جاکر زید کی غیر موجودگی بیٹھ جاتا ہے اس وجہ سے اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے اور خالد کو کچھ لوگوں نے روکا کہ زید کے گھر مت جاؤ تو خالد نے کہا کہ اب نہیں جائیں گے اور رہ جاتا ہے تو خالد کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔

الجواب خالد اگر واقعی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں نہیں بیٹھتا تھا اور نہ اب بیٹھتا ہے بلکہ لوگوں کے روکنے پر زید کے گھر جانا بھی بند کر دیا تو اس پر شرعاً کوئی جرم نہیں عائد ہوتا اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ اور اگر خالد پر غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے کا جھوٹا الزام ہے تو جھوٹا الزام لگانے والے اور مؤمن پر بدگمانی کرنے والے گنہگار حق العبد میں گرفتار ہیں ان پر توبہ کرنا اور خالد سے معافی مانگنا لازم ہے قال اللہ تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (پ ۲۶ ع ۱۴) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۳ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ از محمد حنیف قادری بھارت الیکٹرک اینڈ مشینری اسٹورس، ضلع اجین۔ مدھیہ پردیش

زید کے منھ سے بدبو آتی ہے اور زید بار بار ٹی بی ہے اور وہ ٹی۔بی کے مرض میں بھی مبتلا ہے جس کی وجہ سے کھانسی بہت آتی ہے قرأت پڑھنے میں الفاظ کی ادائیگی نہیں ہوتی اور زید پر زکوٰۃ فرض ہے لیکن جب دینے کا وقت آتا ہے تو بیوی کو مالک بنا دیتا ہے اور سال گذرنے سے پہلے بیوی پھر شوہر کو مالک بنا دیتی ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب جس زید میں مذکورہ بالا باتیں پائی جاتی ہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ بلکہ اگر زید کے منھ کی

بدبو اس درجہ ہو کہ جس سے نمازیوں کو ایذا پہنچتی ہو تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے بھی روکا جائے گا۔ ردالمحتار میں ہے الحق بعضھم بذلک من بفیہ بخر۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔ جس کے بدن میں بدبو ہو کہ اس سے نمازیوں کو ایذا ہو مثلاً معاذ اللہ گندہ دہن یا گندہ بغل ہو اسے مسجد میں نہ آنے دیا جائے اھ ملخصاً (فتاویٰ رضویہ جلد سوم صلہ) مگر مسٹر ہونا مانع امامت نہیں جب کہ مشتبہ لڑکیوں کو بے پردہ پڑھاتا ہو اسی طرح تی۔ بی کا مریض ہونا بھی مانع جواز امامت نہیں لیکن اگر اس کے سبب قرأت صحیح نہ کر پاتا ہو تو صحیح قرأت کرنے والوں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی۔ اور زکوٰۃ سے بچنے کے لئے حیلۂ مذکور کرنا جائز نہیں شیخ الاسلام حضرت علامہ ابوبکر بن محمد حدادی یمنی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں۔ اختلفوا فی الحیلۃ لاسقاط الزکاۃ فاجازھا ابو یوسف وکرھھا محمد والفتویٰ علیٰ قول محمد (جوہرہ نیرہ صفحہ) اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ قال ابو یوسف لایکرہ لانہ امتناع عن الوجوب لا ابطال حق الغیر۔ وفی المحیط انہ الاصح وقال محمد یکرہ واختارہ الشیخ حمید الدین الضریر لان فیہ اضرارا بالفقراء وابطال حقھم مالاً (الی ان قال) وقیل الفتویٰ فی الشفعۃ علیٰ قول ابی یوسف وفی الزکاۃ علیٰ قول محمد ھذا التفصیل حسن (ردالمحتار جلد دوم صلہ) اور الاشباہ والنظائر میں ہے اختلفوا فی الکراھۃ ومشایخنا رحمھم اللہ تعالیٰ اخذوا بقول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ دفعا للضرر عن الفقراء۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ رجادی الاخریٰ ۱۴۰۳ھ

مسئلہ۔ از حافظ محمد اشفاق حسین اشرفی۔ کالاہانڈی اڑیسہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر میں ایک قاری صاحب ہیں پہلے امامت کرتے تھے اب کاروبار کرتے ہیں وضو میں آدھی ٹنکی پانی بہاتے ہیں کہتے ہیں ہمارا دل نہیں بھرتا ہے دوسرے یہ کہ جب سے امامت چھوڑے ہیں کوئی امام کو ٹھہرنے نہیں دیتے اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں نکتہ چینی بال کی کھال نکالتے ہیں جس سے جماعت میں نفاق پھوٹ پڑجاتا ہے ابھی بھی دو پارٹی ہے آئے دن خلفشار ہوتا رہتا ہے جو شخص مسلمانوں میں پھوٹ ڈالے اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے مطلع فرمائیں خود کو بڑا متقی پرہیزگار فخر کے ساتھ سمجھتے ہیں نہ مستند قاری بھی نہیں صرف تخلص ہے نہ حافظ نہ عالم جعلی صوفی بنے ہیں۔ قبرستان میں قبر کے اوپر اگربتی جلا سکتے ہیں یا نہیں؟۔

نوٹ۔ امام حسن و امام حسین علیہ السلام بولنا جائز ہے یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب: وضو کے فرائض، سنن، مستحبات ادا کرنے اور اعضاء کو ٹھنڈک پہنچانے کے علاوہ پانی گرانا اسراف و ناجائز ہے اگر قاری صاحب وضو میں پانی کا اسراف کرتے ہیں تو اس سے بچنا لازم ہے اور قاری صاحب مذکور اگر اماموں پر صحیح اعتراض کرتے ہیں مثلاً آج کل بہت سے امام وضو کرنے میں اعضاء کو دھوتے نہیں بلکہ بھگاتے ہیں یا عضو کا بعض حصہ دھوتے ہیں اور بعض حصہ صرف تر کر کے چھوڑ دیتے ہیں خاص کر پیشانی پر بال اگنے کی جگہ پہ پانی نہیں ڈالتے صرف گیلا ہاتھ پھیر لیتے ہیں۔ کچھ لوگ اللہ اکبر کی جگہ آللہ اکبر یا اللہ اکبار کہتے ہیں۔ بعض امام نستعین کو نستا عین پڑھتے ہیں قرأت قرآن میں حروف کے مخارج کی رعایت نہیں کرتے اور دونوں پاؤں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر نہیں لگاتے۔ اگر قاری اس قسم کی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں تو وہ حق بجانب ہیں ان پر کوئی مواخذہ نہیں بلکہ وہ ثواب پاتے ہیں۔ اور اگر بیجا اعتراض کر کے مسلمانوں میں افتراق پیدا کرتے ہیں تو سخت گنہگار ہیں — اور اگر بتی قبر پر سلگانے کے بارے میں فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۱۴۵ میں ہے "اگر بتی قبر پر رکھ کر نہ جلائی جائے کہ اس میں سوء ادب اور بدفالی ہے عالمگیری میں ہے ان سقف القبر حق المیت ہاں قریب قبر زمین خالی پر رکھ کر سلگائیں کہ خوشبو محبوب ہے۔ اور پھر ص۱۲۲ میں ہے اگر بتی جلانا اور تلاوت قرآن کے وقت تعظیم قرآن کے لئے ہو یا وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں ان کی ترویح کے لئے ہو تو مستحسن ہے ورنہ فضول اور تضییع مال۔ میت کو اس سے کچھ فائدہ نہیں"

اور امام حسین علیہ السلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ استقلالاً و ابتداءً نہیں جائز ہے اور اتباعاً جائز ہے یعنی امام حسین علیہ السلام کہنا نہیں جائز ہے اور امام حسین علیٰ نبینا و علیہ السلام جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از جیش محمد، موضع پیری بزرگ پوسٹ بھد وکھر بازار ضلع بستی

(۱) امام کیسا ہونا چاہیئے۔ خوبی بتلائیے؟

(۲) فجر کی نماز ہونے کے بعد لوگ نماز ادا کرتے ہیں ایسی حالت میں لاؤڈ اسپیکر پر سلام پڑھتے ہیں جس سے نماز میں خلل ہوتا ہے منع کرنے پر مانتے نہیں ہیں۔

الجواب: (۱) امام سنی صحیح العقیدہ ہو وہابی دیوبندی وغیرہ بدمذہب نہ ہو صحیح الطہارۃ یعنی وضو غسل اور کپڑے وغیرہ کی طہارت رکھتا ہو، صحیح القرأت ہو مثلاً ا، ع، ت، ط، ث، س، ش، ص، ہ، ح، ذ، ض اور ز، ظ میں فرق کرتا ہو، فاسق معلن نہ ہو اسی طرح اور امور جو منافی امامت ہیں ان سے پاک ہو۔

(۳) جماعت واجب ہے لوگوں کو چاہئے کہ جماعت میں حاضر ہوں کہ بلا عذر شرعی جماعت کا ایک بار بھی ترک کرنا گناہ اور ترک کی عادت کرنے والا فاسق مردود الشہادۃ ہے اور اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو کوئی ایسا غیر ضروری کام نہیں کرنا چاہئے کہ جس سے نماز میں خلل واقع ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

انتباہ۔ آپ نے اپنے نام حبیش محمد پر صا لکھا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی پر صا لکھنا حرام و ناجائز ہے اور حبیش محمد تو آپ کا نام ہے اس پر صا کا لکھنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا بلکہ اگر حبیش محمد پر درود کا اشارہ ہے تو یہ بھی ناجائز ہے وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۱ ربیع المظفر ۹۸ھ

مسئلہ۔ از نور محمد مصباحی مدرس دارالعلوم رضویہ بڑھیا پوسٹ مڈ دیا ضلع گونڈہ

زید مڈل اسکول کا ٹیچر ہے صوم وصلوٰۃ کا پابند بھی ہے۔ نسبندی کے دنوں میں نسبندی کا جو زور تھا اس سے ہر شخص واقف ہے ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے نوٹس آئی جس میں صاف طور سے لکھا ہوا تھا کہ آپ فیملی پلاننگ کے تحت اپنی یا اپنی اہلیہ کی نسبندی کرا لیں نوٹس پر زید نے عمل نہیں کیا اسکے بعد معطلی کا کاغذ آیا زید نے کاغذ لیا اور تہیہ کر لیا کہ نسبندی نہیں کراؤں گا بھلے مجھے مستعفی ہونا پڑے کچھ ہی دنوں کے بعد تعلیمی محکمے کے بڑے افسر نے بلاک کے جملہ ماسٹران کو جمع کر کے خطاب کیا کہ کوئی شخص استعفیٰ دیکر بھی نسبندی سے نہیں بچ سکے گا ہمارے ملک کا قانون ہے ہندوستان میں رہ کر اسکی مخالفت کرنا بغاوت کے مترادف ہوگا تعلیمی افسر نے یہ بھی کہا جو ماسٹر نسبندی نہیں کراتا ہے اسے میسا کے تحت جیل جانا پڑے گا ان حالات کے پیش نظر زید نے مجبور ہو کر نسبندی کرا لیا اب نسبندی کرانے کے بعد زید پر از روئے شرع کیا حکم لاگو ہوگا کیا زید کو سماج میں ذلیل نگاہوں سے دیکھا جائے گا کیا اس کی امامت اذان واقامت وغیرہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:- جب کہ نسبندی کے بارے میں حکام نے دہشت پھیلا رکھی تھی اور ملازمین کو طرح طرح کی دھمکیوں سے ڈرایا جا رہا تھا اس صورت میں اگر زید نے مجبوراً نسبندی کرا لی تو اسے مجرم نہیں قرار دیا جائے گا لیکن احتیاطاً وہ علانیہ توبہ کرے اب توبہ کے بعد بھی نسبندی کے سبب زید کی امامت اور اذان واقامت پر اعتراض کرنے والے اور اسے ذلیل نگاہوں سے دیکھنے والے بلاشبہ گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے حدیث شریف میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ صفر المظفر ۹۸ھ

مسئلہ۔ از عطاء اللہ سہنیاں کلاں ضلع گونڈہ
(۱) نماز پڑھانے کی تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟
(۲) جس نے اپنی بیوی ہندہ کا مہر ادا نہیں کیا اور نہ بخشوایا مگر اس سے مجامعت کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ہمارے یہاں ایسے شخص کے پیچھے نماز ناجائز بتلاتے ہیں۔

الجواب (۱) نماز پڑھانا خالص عبادت ہے اور کسی عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں لیکن جس شخص کو امام مقرر کردیا جائے تو اس کو امامت کے سلسلے میں پابندیٔ وقت کی تنخواہ لینا فقط جائز ہے۔
(۲) ہمارے ملک ہندوستان میں عموماً مہر مطلق کا رواج ہے جس کا نچوڑ یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی ایک کی موت یا شوہر کے طلاق دیدینے پر اس مہر کے وصول کرنے کا حق ہے لہٰذا اگر کوئی شخص بغیر مہر ادا کئے یا بغیر معاف کرائے اپنی بیوی سے مجامعت یعنی ہمبستری کرتا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جن لوگوں نے نماز پڑھنا ناجائز قرار دیا ہے وہ شریعت طاہرہ کے احکام سے جاہل ہیں ان کے ناجائز کہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ بدرالدین احمد القادری الرضوی
۲۸ محرم الحرام ۹۸ھ

الجوابُ حق۔ واقعی مہر مطلق میں عورت اگر مہر کا مطالبہ کرے تو اس کا مطالبہ جائز ہے لیکن شوہر ادائیگی مہر پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہاں طلاق کی صورت میں وہ مجبور کیا جائے گا اور موت کی صورت میں اس کے ورثہ سے وصول کیا جائے گا۔ وھو سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ محرم الحرام ۹۸ھ

مسئلہ۔ از حکیم اللہ بستوی پوسٹ و مقام بھیلواڑہ ضلع سابر کانٹھا گجرات
زید صاحب نصاب ہوتے ہوئے زکاۃ و صدقۂ فطر لے رہا ہے اور ایک مسجد میں امامت بھی کر رہا ہے اور داڑھی بھی منڈواتا ہے اور زید کی بیوی دوکان پر بیٹھ کر سر بازار خرید و فروخت بھی کرتی ہے کیا ایسی صورت میں زید کی امامت قابل قبول ہے؟

الجواب ــــ امام ہو یا غیر امام جو صاحب نصاب ہو اسے زکاۃ و صدقۂ فطر لینا حرام و ناجائز ہے اور جو لوگ جان بوجھ کر ایسے شخص کو زکاۃ و فطرہ دیں گے ان کی زکاۃ و فطرہ ادا نہ ہوگا۔ جیسا کہ اعلیحضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ "صاحب نصاب کو اگرچہ امام مسجد ہو کوئی صدقۂ واجبہ مثل زکاۃ یا صدقات عید الفطر یا کفارات جائز نہیں حرام ہے اور اس کے دیئے وہ زکاۃ و صدقۂ فطر ادا نہ ہوں گے" (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۲۳۹) اور داڑھی منڈانا حرام ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد پنجم ص۲۶۱ میں ہے یحرم على الرجل قطع لحيته "اور اشعۃ اللمعات جلد اول ص۲۱۲ میں ہے "حلق کردن لحیہ حرام ست" یعنی داڑھی منڈانا حرام۔ بہار شریعت حصہ شانزدہم ص۱۹۷ میں ہے کہ "داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے" اور سربازار خرید و فروخت کرنے میں اگر عورت کے کپڑے خلاف شرع ہوتے ہیں مثلاً باریک کہ بدن چمکے یا دوپٹے کہ سر عورت نہ کریں جیسے چھوٹی قمیص یا بلاؤز کہ گٹوں کے اوپر ہاتھ یا پیٹ کھلا ہو بے طریقہ سے اوڑھے پہنے جیسے دوپٹہ سر سے ڈھلکایا کچھ حصہ بالوں کا کھلا یا زرق برق پوشاک جس پر نگاہ پڑے اور احتمال فتنہ ہو یا اس کی چال ڈھال بول چال میں آثار بدوضعی پائے جائیں اور شوہر ان باتوں پر مطلع ہو کر باوصف قدرت بند و بست نہ کرے تو وہ دیوث ہے۔ هٰكذا فی جزء الثالث من الفتاوی الرضویة۔ لہٰذا شخص مذکور میں اگر یہ باتیں پائی جاتی ہیں جو سوال میں مذکور ہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کہ وہ فاسق ہے حضرت علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں لو قدموا فاسقاً یأثمون بناء على ان الكراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بامور دينه وتساهله فی الاتيان بلوازمه فلا يبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلاة و فعل ماينافيها بل هو الغالب بالنظر الى فسقه (غنیہ ص۴۷۹) وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ از شریف الدین مدرس مدرسہ نعیم العلوم تولہوا۔ نیپال

جامع مسجد میں ایک امام کو امامت کرتے ہوئے اکیس سال گذر گئے۔ بائیسویں سال میں کچھ لوگ ایک پارٹی بنا کر علیحدہ ہو گئے۔ اور نماز الگ پڑھنے لگے۔ اختلاف کی بنا پر سابق امام کو ہٹانے کی آواز بلند کی۔ لوگوں نے سوال کیا کہ امام کو کس وجہ سے ہٹا دیں۔ مخالف نے جواب دیا کہ امام کو نکال کر دوسرے امام کو معین کرو۔ تو ہم نماز پڑھنے مسجد میں آئیں گے نہیں تو نہیں آئیں گے بات حکام تک پہنچی موقع کے حاکم نے مخالف سے سوال کیا۔ وہاں بھی

کوئی معقول جواب نہ دیا۔ حکام نے سابق امام کے بارے میں فیصلہ دیدیا۔ حکام کی بھی بات نہ مان کر پھر حاکم سے مخالف نے کہا کہ آپ لوگ میرے مذہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں لہٰذا دونوں پارٹی کے طرف سے دو دو عالموں کو بلایئے اور وہ چار عالم مل کر جو فیصلہ دیدیں دونوں فریق مان لیں۔ بات طے ہو گئی وقت مقررہ پر چار عالم تشریف لائے جن میں امام کی طرف سے دو سنی عالم اور مخالف کی طرف سے دو غیر مقلد تھے۔ پہلی نشست میں علماء نے امام کو بلایا امام حاضر ہوا اور ایک شخص مخالف پارٹی سے بلایا اور سوال کیا کہ امام کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو کوئی بہتان ہو یا کوئی اور خرابی ہو جس کی وجہ سے نہیں پڑھتے ہو تو بتاؤ۔ تو مخالف نے جواب دیا کہ امام پر کوئی بہتان نہیں کوئی جرم نہیں۔ تو عالم نے سوال کیا کہ نماز الگ پڑھنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام میں کوئی نقص ہے اس پر مخالف نے جواب دیا کہ نہیں نہیں صاحب امام میں کوئی نقص نہیں ہے۔ میری استدعا ہے کہ چونکہ یہ مقام ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے اس مسجد میں ایک امام ایسا ہو جو مفتی ہو قاری ہو اس کو رکھا جائے عالم نے سوال کیا کہ امام کو کس وجہ سے ہٹاتے ہیں پہلے روز کی یہ نشست برخاست ہو گئی اور بات طے نہ ہو پائی۔ دوسرے روز پہلی نشست میں گفتگو جاری ہوئی امام میں کوئی خرابی نہ پاکر دو عالم نے فتویٰ دیا کہ امام میں شرعی نقص نہیں ہے اس وجہ سے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ مخالف پارٹی کے دو عالم نے جواب دیا کہ آپ اپنا فیصلہ حاکم کو دے دیجئے اور میں اپنا فیصلہ حاکم کو دے دونگا۔ بات حاکم تک پہونچی حاکم موقع پر پھر چاروں عالم کو ایک جگہ جمع کر کے کہا کہ آپ لوگوں کو فیصلہ دینا ہے۔ شرع کے رو سے اور فیصلہ دیجئے۔ مخالف سے جب کوئی بات نہ بن پڑی تو امام پر زنا کا غلط بہتان لگایا اور بہتان لگانے والے ہی کو گواہی میں طلب کیا اور اس کی گواہی پر فتویٰ دیدیا نہ گواہ کو دیکھا کہ کیسا ہے اور نہ امام سے پوچھا اور نہ امام کی طرف سے کوئی گواہی لی۔ فتویٰ یہ دیا کہ امام میں کچھ خامیاں ہیں اس وجہ سے امامت کے لائق نہیں ہے۔ اور چاروں عالموں نے دستخط کر دیا پھر بات حاکم تک پہنچی تو زنا ثابت نہ کر سکے حاکم کا فیصلہ پھر امام سابق کے حق میں رہا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ سابق امام کی امامت درست ہے کہ نہیں؟ اور ایسا کیوں؟ اور بہتان لگانے والے پر از روئے شرع کیا احکام نافذ ہوتے ہیں اور کیوں؟

نوٹ: جبکہ اسّی فیصد عوام سابق امام کو چاہتی ہے اور ابھی سابق امام ہی امامت کرتا ہے۔

الجواب: امام سابق اگر صحیح العقیدہ صحیح الطہارۃ اور صحیح القرأت ہے اس میں کوئی وجہ شرعی مانع امامت نہیں ہے تو اس کی امامت درست ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اسے بلا وجہ شرعی امامت سے الگ کرنا گناہ ہے یہاں تک کہ حاکم شرع کو بھی یہ اختیار نہیں دیا گیا جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۲۴۱ پر ردالمحتار سے ہے لیس للقاضی عزل صاحب وظیفۃ بغیر جنحۃ۔ اور زنا کے بارے میں ایک آدمی کی گواہی مان کر فتویٰ دینے

والے جاہل گنوار ہیں اس لئے کہ ثبوت زنا کے لئے چار عادل گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور زنا کا جھوٹا الزام لگانے والا اسّی دُرّے مارے جانے کا مستحق ہے جیسا کہ پارہ ۱۸ سورۂ نور رکوع اول میں ہے والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعۃ شھداء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ، وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از رباعی باشا ابراہیم صاحب ملّا

(۱) زید یہ کہتا ہے کہ ہم امام کو نفقہ (پگار) دیتے ہیں ہم اس کو نوکر ہی کہیں گے کیا زید کا کہنا درست ہے اور کہنے والے پر کیا حکم ہے؟

(۲) امام کی برائی بیان کرنے والے اسی امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو کیا ان کی نماز ہو جائے گی؟

(۳) گھڑی کی زنجیر سونے چاندی یا دھاتوں کی بنی ہوئی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: (۱) زید کا کہنا درست نہیں اس لئے کہ جیسے ماں باپ کی بیوی ضرور ہے مگر اسے اس لفظ کے ساتھ یاد کرنا ماں کی توہین ہے پگار لینے والا ضرور نوکر ہے مگر تنخواہ دار امام کو نوکر کہنا اس کی توہین ہے۔ لہٰذا زید پر لازم ہے کہ امام سے معافی مانگے اور آئندہ اس کے بارے میں اس لفظ کے بولنے سے احتراز کرے۔

(۲) اگر امام فاسق معلن ہے اس لئے کوئی اس کی برائی بیان کرتا ہے تو اس صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں اور ایسے امام کے پیچھے کسی کو نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر فاسق معلن نہیں ہے تو برائی کرنے والا سخت گنہگار حق العباد میں گرفتار مگر اس کی نماز اس کے پیچھے ہو جائے گی۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۳) گھڑی سونے چاندی کی زنجیر لگی ہوئی مرد کو پہننا حرام اور دوسری دھات کی ممنوع ہیں ان کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے ھکذا قال الامام احمد رضا البریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۵ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از ہارون رشید اشرفی متعلم رضائے غوث اوکے روڈ۔ آسنسول

جو شخص سنی صحیح العقیدہ ہو مگر مندرجہ ذیل باتوں میں سے کسی ایک بات کا مرتکب ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا

کیسا ہے۔ اور خود اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

(۱) حالت سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں میں سے کم سے کم تین انگلیوں کے پیٹ زمین سے نہ لگائے۔

(۲) قمیص یا کرتے کے بوتام خصوصاً سب سے اوپر والا حالت نماز میں کھلا رکھے۔

(۳) جس قمیص یا کرتے کی آستین بوتام دار ہو حالت نماز میں اس کے بوتام نہ لگائے۔

(۴) حالت نماز میں چین والی گھڑی باندھے۔

(۵) دیوبندی عقیدہ والوں سے سلام اور رد سلام کرے بلکہ کبھی کبھی ایسوں کے پیچھے نماز بھی ادا کرلے۔

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر پاؤں کی اکثر (یعنی تین تین) انگلیوں کا پیٹ زمین پر جمنا واجب ہے (فتاویٰ رضویہ جلد اول ص۵۵۵) اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ سجدہ میں ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کا پیٹ لگنا واجب ہے (بہار شریعت جلد سوم ص۷۲) لہٰذا جو شخص حالت سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں میں سے کم سے کم تین انگلیوں کا پیٹ زمین سے نہ لگائے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور خود اس کی نماز بھی مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) قمیص یا کرتے کے اگر اتنے بٹن لگائے کہ سینہ ڈھک گیا اور اوپر کا بٹن نہ لگانے کے سبب گلے کے پاس کا خفیف حصہ کھلا رہا تو حرج نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۴۴۲) اور اگر سینہ کھلا رہا تو مکروہ اور ظاہر کراہت تحریم (بہار شریعت حصہ سوم ص۱۶۹) اور اس صورت میں امام و مقتدی اور منفرد سب پر نماز کا اعادہ واجب لان کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا (درمختار) وھو اعلم

(۳) جس قمیص کی آستین بٹن والی ہو اور بٹن نہ لگائے تو نماز مکروہ ہوگی اور ظاہر کراہت تنزیہی۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۴۳۵ میں ہے اگر آستینوں میں ہاتھ ڈالے اور بند نہ باندھے تو خلاف معتاد ضرور ہے۔ ہاں امام جعفر ہندوانی نے اس صورت کو مشابہ سدل ٹھہرا کر فرمایا کہ برا کیا اھ وھو اعلم۔

(۴) اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان احکام شریعت حصہ دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں ممنوع کی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہیں اھ۔

(۵) ایسے شخص کے پیچھے بھی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۸ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ از مقام آستانۂ عالیہ سیدنا بندہ نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گلبرگہ شریف۔ معرفت جعفر علی جونانٹ بولٹ درگاہ روڈ گلبرگہ شریف۔

محترمی حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم والرحمۃ۔ عید سعید کی مبارکباد اخلاص قبول فرمائیں۔

بفضلہ تعالیٰ المولیٰ وبعون رسولہ الاعلیٰ میں بخیریت ہوں اور آپ کی خیریت خداوند قدوس سے نیک خواہاں ہوں شہر گلبرگہ شریف میں بے شمار مساجد ہیں پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ اکثر مساجد کے ائمہ داڑھیوں کو حد شرع سے زیادہ کترواتے ہیں۔ بلکہ غیر مہذب طریقہ پر رکھتے ہیں جبکہ داڑھی کی شرعی حد ایک مشت بتلائی جاتی ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے حبیب پاک کے صدقہ میں میں نے داڑھی رکھ لی ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو اس سنت کریمہ کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین۔

چند مسائل ذہن پر بار ہیں براہ کرم فقہی مستند مسائل کی روشنی میں احقر کو بذریعہ لیٹر مرحمت فرما کر شش و پنج کی تیرگی سے نجات دلائیں۔ حسب ذیل مسائل کی روانگی کا انتظام فرمائیں تو تشنۂ علم کی پیاس بجھانے کے مصداق ہوں گے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ایک محلہ کی مسجد کے امام صاحب بحمدہ تعالیٰ سُنی حنفی وصحیح العقیدہ ہیں۔ اور ان کی ایک مشت داڑھی ہے البتہ بعض دنوں وہ اپنے صاحبزادے کو فرض نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ اور صاحبزادے داڑھی حد شرع سے کم ہی کترواتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر داڑھی بڑھ نہ رہی ہو تو کیا حکم ہے۔

(۲) بعض ائمہ مساجد کو دیکھا گیا کہ بحالت نماز نظر ادھر اُدھر گھماتے ہیں اور عمل کثیر کرتے ہیں یعنی دونوں ہاتھوں سے کپڑوں کو سمیٹتے ہیں کیا نماز فاسد نہ ہوگی؟

(۳) اکثر حفاظِ کرام کی داڑھیاں نہیں ہوتیں اور داڑھیاں رکھتے بھی ہیں تو وہ بھی فیشن اسٹائل کیا ان کی اقتدا میں تراویح کی نماز درست ہے؟

(۴) ایک صاحب کبھی کبھی فرض پڑھاتے ہیں، حالانکہ ان کی عمر ۴۰ سال سے تقریباً زائد ہو گی شادی نہیں کی

ہے بعض حضرات انھیں نماز پڑھانے سے روکتے ہیں تو کیا وہ نماز پڑھا سکتے ہیں یا نہیں ؟

(۵) ایک مقام پر افطار کے ساتھ اذان و نماز باجماعت کا شاندار اہتمام ہو جب کہ اس مقام سے مسجد صرف سڑک پار کرنے کا فاصلہ رکھتی ہے بلکہ مسجد کے اذان کی آواز وہاں تک پہونچتی ہے۔ تو کیا اس مقام پر اذان دے کر نماز باجماعت ادا کی جا سکتی ہے ؟

الجواب (۱) ایک مشت تک داڑھی بڑھانا واجب ہے چونکہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے اس لئے عام طور پر لوگ اسے سنت کہہ دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے خالفوا المشرکین اوفروا اللحی واحفوا الشوارب وفی روایۃ انھکوا الشوارب واعفوا اللحی یعنی سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کتراؤ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مونچھوں کو خوب کم کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔ (بخاری، مسلم) درمختار میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیتہ یعنی مرد کو داڑھی منڈانا حرام ہے۔ اور بہار شریعت جلد شانزدہم ص۱۹۷ میں ہے داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں حلق کردن لحیہ حرام ست و روش افرنج و ہنود و جوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند و گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست و آں کہ آنرا سنت گویند یعنی طریقہ مسلوک در دین ست۔ یا بجہت آنکہ ثبوت آں بسنت ست چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند — یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے اور انگریزوں ، ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے۔ اور داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اور جن فقہاء نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ یا تو یہاں سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے اور یا تو اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ بہت سے علماء کرام نے نماز عید کو مسنون فرمایا حالانکہ نماز عید واجب ہے (اشعۃ اللمعات جلد اول ص۲۱۲) اور درمختار مع شامی جلد دوم ص۱۱۶ رد المحتار جلد دوم ص۱۱۶ بحر الرائق جلد دوم ص۲۸۰ فتح القدیر جلد دوم ص۲۷ اور طحطاوی ص۱۱۶ میں ہے واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیۃ وھو دون ذلک (ای القدر المسنون وھو القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال لم یبحہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند ومجوس الاعاجم یعنی داڑھی جبکہ ایک مشت سے کم ہو تو اس کا کاٹنا جس طرح بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں کسی کے نزدیک حلال نہیں۔ اور کل داڑھی کا صفایا کرنا یہ کام تو ہندوستان کے یہودیوں اور ایران کے مجوسیوں کا ہے اھ

لہٰذا امام کے صاحبزادے اگر داڑھی کٹا کر ایک مشت سے کم رکھتے ہیں تو ان کو امامت کے لئے آگے بڑھانا جائز نہیں اگر بڑھا دیا تو ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اگر پڑھی تو اس نماز کا دہرانا واجب ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے کہ وہ فاسق مرتکب حرام ہے جیسا کہ مذکورہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہے۔ اور داڑھی نہ بڑھنے کا عموماً لوگ بہانہ بناتے ہیں لیکن اگر حقیقت میں داڑھی نہ بڑھتی ہو تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع جواز امامت نہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲) نماز کی حالت میں ادھر اُدھر منہ پھیر کر دیکھنا مکروہ تحریمی اور اگر منہ نہ پھیرے صرف کنکھیوں سے ادھر اُدھر بلا حاجت دیکھے تو کراہت تنزیہی ہے اور نادراً کسی صحیح غرض سے ہو تو اصلاً حرج نہیں (بہار شریعت) اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن کپڑا سمیٹنا جیسا کہ ناواقف لوگ سجدہ میں جاتے ہوئے آگے یا پیچھے کے کپڑے کو اٹھاتے ہیں یہ مفسد نماز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے جس نماز میں ایسا کیا گیا اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۳) اگر حافظ کو پیدائشی طور پر داڑھی نہ ہو تو اس کے پیچھے تراویح پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ امامت کی اور شرط مفقود نہ ہو۔ اور اگر داڑھی منڈاتا ہو یا کٹا کر ایک مشت سے کم رکھتا ہو تو اس کے پیچھے تراویح پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے کہ وہ فاسق ہے یعنی تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے مگر فاسق کے پیچھے پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھنا واجب ھٰکذا فی الکتب الفقیہ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

(۴) امامت کے لئے شادی ہونا شرط نہیں لہٰذا شخص مذکور میں اگر کوئی دوسری شرعی خرابی نہ ہو تو اس کے پیچھے ہر قسم کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۵) اگر افتراق بین المسلمین نہ ہو تو جس طرح مسجد کے سامنے روڈ کی دوسری جانب مسجد بنانا جائز ہے اسی طرح اذان و اقامت کے ساتھ اس جگہ نماز باجماعت پڑھنا بھی جائز ہے وھو تعالیٰ وسبحانہٗ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ر شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ۔ از عبدالستار موضع پڑولی پوسٹ جھنگی۔ ضلع گورکھپور۔

زید نے بالجبر اکراہ راضی برضا نسبندی کرالیا اب از روئے شرع اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟

ایک نام نہاد مولوی نے کہا کہ اگر زید نے اس گناہ سے نادم ہو کر علی الاعلان عام مجلس میں اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کر لیا تو اب زید کے پیچھے نماز درست اور جائز ہے۔ تو کیا مولوی مذکور کا یہ کہنا صحیح ہے؟ مفصل جواب سے نوازیں کچھ پیر اور مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ اس کا توبہ قبول ہی نہ ہوگا۔

الجواب ـــــ چوری، شراب نوشی، زناکاری، اور سود خوری بلکہ کفر و شرک جیسے گناہ عظیم جب توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں تو نسبندی کا گناہ بھی توبہ سے معاف ہو جائے گا قال اللہ مَنْ تَابَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَاُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْماً. وَ مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَاباً. (پ ۱۹ ع ۴) اور حدیث شریف میں ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔ لہٰذا نسبندی کرانے والا اگر علانیہ توبہ و استغفار کرلے تو اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی اور شرعی خرابی نہ ہو وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۳ ذی الحجہ ۹۹ھ

المسئلہ۔ از مصلیان کانیا مسجد محلہ بلوہا بلرامپور گونڈہ۔

(۱) اگر کسی مسجد میں امام اول کی غیر موجودگی میں نماز پڑھانے کے لئے بحیثیت نائب امام ثانی مقرر ہو تو بلا وجہ شرعی امام ثانی کو امام اول بنا دیا اور امام اول کو اس کے منصب سے معزول کر دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مسلمانوں میں اختلاف رہا ہو اور کسی عالم کے کہنے پر لوگوں نے صلح کر لی ہو پھر کچھ صلح سے مکر جائیں جس کے سبب مسلمانوں میں انتشار ہو تو صلح سے مکرنے والے مجرم ہیں یا نہیں؟

(۳) امام اول میں جب کہ کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اس کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد امام ثانی کا اپنے چند ہمنواؤں کے ساتھ اسی مسجد میں دوبارہ نماز جمعہ قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) امام میں کوئی شرعی خرابی نہ ہونے کے باوجود کچھ لوگوں کا یہ کہہ کر جماعت سے الگ ہو جانا کہ ہماری طبیعت کراہت کرتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) امام اول اگر بد مذہب نہ تھا اور اس کی طہارت، قرأت یا اعمال وغیرہ کی وجہ سے کوئی سبب کراہت نہ ہو تو بلا وجہ شرعی امام اول کو اس کے منصب سے معزول کر دینا جائز نہیں لان فیہ ایذاء المسلم وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) ایسی صلح سے مکر جانا کہ جس کے سبب مسلمانوں میں انتشار و اختلاف ہو جائز نہیں۔ مکرنے والے بیشک مجرم و گنہگار

ہیں قال اللہ تعالیٰ انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم الآیہ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

(۳) نماز جمعہ ہوجانے کے بعد پھر اسی مسجد میں دوبارہ نماز جمعہ قائم کرنا ہرگز جائز نہیں۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مسجد میں تکرار نماز جمعہ ہرگز جائز نہیں (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۔۔۔) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

(۴) کسی وجہ شرعی کے بغیر صرف ضد نفسانی سے طبیعت کی کراہت کے سبب جماعت سے الگ ہوجانا جائز نہیں مراقی الفلاح میں ہے لو ام قوما وھم لہ کارھون فھو علی ثلثۃ اوجہ ان کانت الکراھۃ لفساد فیہ او کانوا احق بالامامۃ منہ یکرہ وان کان ھو احق بھا منھم ولا فساد فیہ ومع ھذا یکرہ لا یکرہ التقدم لان الجاھل والفاسق یکرہ العالم والصالح وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۴ ذی الحجہ ۹۹ھ

مسئلہ۔ از علی احمد پوسٹ ومقام ہند وپار۔ ضلع بستی۔

زید تقریباً بارہ سال سے جامع مسجد کا امام تھا عمرو نے زید پر زنا کا الزام لگایا اور بکر سے کہا جب کہو ہم زید کو حرام کاری کی حالت میں پکڑ کر دکھا دیں تو بکر نے ایک چھوٹے سے گاؤں میں اکثریت سے الگ ہوکر جمعہ وعیدین کی نماز قائم کی۔ علمائے کرام ومقتیان عظام نے اسے دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز قائم کرنے سے بہت روکا مگر وہ باز نہ آیا یہاں تک کہ ضد نفسانی میں بکر نے لوگوں سے کہا کہ مزار پر جانا اور حلوہ وغیرہ میری سمجھ میں نہیں آتا بلکہ اپنے لڑکے کو پڑھنے کے لئے دیوبندی مکتب میں داخل کر دیا۔ بکر دو سال تک دیہات میں جمعہ وعیدین پڑھتا اور پڑھاتا رہا اسی درمیان میں کچھ لوگ از راہ نفسانیت زید سے خلاف ہوکر اسے امامت سے ہٹا دیا اور بکر کو امام مقرر کیا تو بکر نے دیہات کا جمعہ بند کرکے امامت قبول کرلی۔ اور کہتا ہے کہ میں سنی ہوں۔ لہٰذا دریافت طلب امور ہیں کہ۔

(۱) عمرو جس نے زید پر زنا کا الزام لگایا اس کے لئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) بکر جس نے زنا کے الزام کی تصدیق کرتے ہوئے دوسرا جمعہ خلاف شرع دیہات میں قائم کرلیا جو عالم نہیں ہے مگر وہابیوں دیوبندیوں کے جلسوں میں اکثر شرکت کرتا رہتا ہے اور بدمذہبوں کی کتابوں کا اکثر مطالعہ کرتا رہتا ہے جو مزار پر جانے اور حلوہ وغیرہ کے سمجھ میں آنے سے انکار کرتا ہے۔ جو اپنے لڑکے کو دیوبندی مکتب میں پڑھانے کو جائز سمجھتا ہے

نیز اس کا عقیدہ مشکوک ہے اگرچہ اب وہ اپنے سنی ہونے کا اقرار کرتا ہے تو ایسے شخص کو امام مقرر کرنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید کو بلا وجہ شرعی امامت سے ہٹانا کیسا ہے؟

الجواب عمرو جس نے زید پر زنا کا الزام لگایا اگر وہ چشم دید چار گواہوں سے زنا ثابت نہ کرے تو وہ گنہگار حق العبد میں گرفتار اور مستحق عذاب نار ہے قال اللہ تعالیٰ تَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ یعنی تم اپنے منھ سے وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں اور تم اسے ہلکا سمجھتے ہو حالانکہ وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے (پ۱۸ سورۂ نور ع ۲) اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا یعنی جو لوگ مسلمان مردوں اور عورتوں کو ناکی ہوئی باتوں (کے الزام) سے ایذا دیتے ہیں تو انھوں نے بہتان اور کھلا ہوا گناہ اٹھایا (پ۲۲ سورۂ احزاب ع ۷) اور خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً یعنی جو لوگ پارسا عورتوں (اور مردوں) کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اسّی کوڑے مارو (پ۱۸ سورۂ نور ع ۱) لہٰذا اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو قرآن کریم کے فرمان کے مطابق زنا کے الزام لگانے والے کو چار گواہ نہ لانے کی صورت میں اسّی کوڑے مارے جاتے اور اسے ذلیل و رسوا کیا جاتا۔ موجودہ صورت میں اس پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا اور جس پر جھوٹا الزام لگایا ہے اس سے معافی طلب کرنا لازم ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (پارہ ۷ رکوع ۱۴) وھو تعالیٰ اعلم۔

(۴) بکر جس نے زنا کے الزام لگانے والے کی تصدیق کی وہ بھی الزام لگانے والے کے برابر گنہگار ہے اس پر بھی معافی مانگنا اور علانیہ توبہ و استغفار کرنا واجب ہے۔ پھر دیہات میں خلاف شرع جمعہ قائم کرنا اور دو سال بعد بند کر دینا بکر کی کھلی ہوئی غلطی ہے کہ اس نے احکام شرعیہ کو کھیل بنا لیا ہے۔ اور وہابیوں دیوبندیوں کے جلسوں میں اکثر شرکت کرنا، بدمذہبوں کی کتابوں کا اکثر مطالعہ کرنا۔ مزار پر جانے اور حلوہ وغیرہ کے سمجھ میں آنے سے انکار کرنا اور اپنے لڑکے کو دیوبندی مکتب میں پڑھنے کے لئے بھیجنا۔ یہ سب اس کی بدعقیدگی اور گمراہی کی کھلی ہوئی نشاندہی کرتے ہیں لہٰذا اب اگرچہ وہ اپنے سنی ہونے کا اقرار کرے اسے امام بنانا ہرگز جائز نہیں جن لوگوں نے بکر کے حالات سے مطلع ہوتے ہوئے اسے امام مقرر کیا اور زید کو بلا وجہ شرعی معزول کر دیا ان لوگوں نے اللہ و رسول اور مسلمانوں

کی خیانت کی۔ وہ مسلمانوں کے بدخواہ ہیں ان پر اپنے فعل سے توبہ کرنا اور اپنے مقرر کئے ہوئے مشکوک امام کو معزول کرنا لازم ہے۔ حاکم بہ تصحیح مستدرک میں اور ابن عدی و عقیلی و طبرانی و خطیب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا من استعمل رجلا من عصابۃ وفیھم من ھو ارضی للہ منہ فقد خان اللہ ورسولہ والمؤمنین یعنی جس نے کسی جماعت میں سے ایک شخص کو کسی کام پر مقرر کیا اور ان میں وہ شخص موجود تھا جو اس سے زیادہ اللہ تعالٰی کو پسند ہے تو اس نے اللہ و رسول کی اور مسلمانوں کی خیانت کی۔ تیسیر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کی شرح میں ہے ای نصبہ علیھم امیرا او قیما او اماما للصلاۃ اھ۔ پھر اگر چہ اس نے توبہ کرلی ہو اور اپنے سنی ہونے کا اعلان کرتا ہو اسے امام نہیں بناسکتے بلکہ لازم ہے کہ اسے زمانہ دراز تک معزول رکھیں اور اس کے احوال کو بغور دیکھتے رہیں اگر خوف و طمع اور غضب و رضا وغیرہا مختلف حالات کے متعدد تجربے ثابت کردیں کہ واقعی یہ سنی صحیح العقیدہ ثابت قدم ہے اور وہابیوں دیوبندیوں کے جلسوں میں شرکت نہیں کرتا اور ان کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتا بلکہ ان سے اور سب بدمذہبوں سے اور ان کی کتابوں سے متنفر ہے اس وقت اسے کسی مسجد کا امام مقرر کرسکتے ہیں۔ فتاوٰی قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے الفاسق اذا تاب لاتقبل شھادتہ مالم یمض علیہ زمان یظھر علیہ اثر التوبۃ اھ۔ امیر المؤمنین غیظ المنافقین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب صبیغ تمیمی سے جس پر بحث متشابہات کے سبب بدمذہبی کا اندیشہ تھا بعد ضرب شدید توبہ لی تو حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرمان بھیجا کہ مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھیں، اس کے ساتھ خرید و فروخت نہ کریں، بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو نہ جائیں اور مرجائے تو اس کے جنازے پر حاضر نہ ہوں تو اس حکم کی تعمیل میں ایک مدت تک یہ حال رہا کہ اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے اور وہ آجاتا تو سب متفرق ہوجاتے حالانکہ وہ توبہ بہت پہلے کرچکا تھا مگر مسلمان بحکم امیر المؤمنین اس سے دور رہتے۔ پھر جب حضرت موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے امیر المؤمنین کو مطلع کیا کہ اب اس کا حال اچھا ہوگیا اس وقت آپ نے مسلمانوں کو صبیغ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت دی اخرج نصر المقدسی فی کتاب الحجۃ وابن عساکر عن ابی عثمان النھدی عن صبیغ انہ سأل عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ عن المرسلات والذاریات والنازعات فقال لہ عمر الق ما علی راسک فاذا لہ ضفیرتان فقال لو وجدتک محلوقا لضربت الذی فیہ عیناک ثم کتب الی اھل البصرۃ ان لاتجالسوا صبیغا قال ابوعثمان فلو جاء

ونحن مائة نفرقناهنه اھ۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت امام احمد رضا رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں جسے دیکھیں کہ ان (گمراہ) لوگوں سے میل جول رکھتا، ان کی مجالس وعظ میں جاتا ہے اس کا حال مشتبہ ہے ہرگز اسے امام نہ بنائیں اگرچہ وہ اپنے کو سنی صحیح العقیدہ کہتا ہو (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۲۱۲) وھو تعالیٰ اعلم۔

(۳) زید اگر بدمذہب نہ ہو اور اس کی طہارت وقرأت یا کسی عمل کی وجہ سے کوئی سبب کراہت نہ ہو اور الزام زنا ثابت نہ ہو تو اسے امامت سے ہٹانا جائز نہیں لان فیہ ایذاء المسلم لہٰذا جن لوگوں نے زید کو بلاوجہ شرعی امامت سے معزول کیا ان لوگوں نے دو ظلم کیا کہ جو شخص قابل امامت تھا اسے ہٹا دیا اور بکر جو قابل امامت نہیں تھا اسے امام مقرر کر دیا۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ جس کا حال مشتبہ ہو اور جو احکام شرعیہ کا پاس ولحاظ نہیں رکھتا اسے امامت سے الگ کر دیں اور امام اول کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کر دیں۔

اور اگر امام اول میں بھی کوئی شرعی خرابی ہو تو تیسرا شخص جو سنی صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأت ہو اور اس میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو اسے امام مقرر کریں۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے کما ھوالظاھر وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۹ر ذی الحجہ ۹۹ھ

مسئلہ۔ از جیش محمد قادری، متعلم دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف۔ بستی۔

زید ایک سنی درسگاہ کا طالب علم ہے۔ مسائل شرعیہ ضروریہ سے بخوبی آگاہ ہے۔ صحیح الطہارت اور صحیح القرأت ہے۔ مگر کمر سے پیر تک مرض جھولہ اور فالج کے باعث لاٹھی کے سہارے لنگڑاتے ہوئے چلتا ہے۔ نماز کا قیام اور رکوع تو سنت کے مطابق ادا کرتا ہے۔ لیکن سجدہ کی حالت میں بوجہ مجبوری داہنے پاؤں کے انگوٹھے کا محض سرا لگتا ہے اور دوسرے پیر کی چار انگلیوں کے صرف سرے لگتے ہیں پیٹ نہیں لگ پاتے باقی فرائض سنت کے مطابق ادا کرتا ہے تو ایسی صورت میں زید مذکور عالم اور غیر عالم کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ زید کے پیچھے نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں۔ بینوا بالدلیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب۔ بعض اعذار ایسے ہیں جس میں معذور کی اقتدا صحیح اور درست ہے جیسے الاقتداء القائم بالقاعد والمتوضی بالمتیمم یعنی بیٹھ کر رکوع اور سجود کرنے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی تیمم،

والے کے پیچھے وضو والے کی نماز کا درست ہونا۔ اسی طرح صورت مسئولہ میں زید چونکہ نماز کے بعض فرض یا واجب ادا کرنے سے مجبور اور معذور ہے۔ اس لئے اسے غیر عالم کی امامت کرنا تو بلاشبہ درست ہے رہا عالم کی تو اس میں بھی حرج نہیں لیکن صحت امامت کا جامع عالم صف میں موجود ہو تو اسی کو امام بنانا اولیٰ اور بہتر ہے۔ ھٰکذا فی فتاوی الرضویہ ص ۲۲۴/۳ فتاوی عالمگیری جلد اول ص ۶۹ مصری میں ہے ولو کان لقدم الامام عوج وقام علی بعضها یجوز وغیرہ اولی۔ یعنی امام کے پاؤں میں ایسا لنگ ہو کہ پاؤں کے بعض حصے کے بل کھڑا ہوتا ہے پورا حصہ زمین پر نہیں جمتا تو اس کی امامت درست ہے۔ مگر دوسرا شخص (جو ایسا نہ ہو) بہتر ہے درمختار جلد اول ۲۹۶ مطبوعہ دیوبند تا عبارت تنویر الابصار صح اقتداء قائم باحدب کے تحت ہے وان بلغ حدبه الرکوع علی المعتمد وکذا باعرج وغیرہ اولی۔ یعنی قول معتمد کے مطابق کبڑی پیٹھ والے کی اقتداء درست ہے اگرچہ اس کا کبڑاپن قیام فرض کی شکل سے ہٹ کر رکوع کی صورت میں پہونچ چکا ہو ایسے ہی لنگڑے کے پیچھے نماز درست ہے مگر دوسرا شخص بہتر ہے۔ شامی جلد اول مطبوعہ دیوبند ص ۳۹۶ میں عبارت درمختار و مفلوج وابرص شاع برصہ کے تحت ہے۔ وکذا اعرج یقوم ببعض قدمه فالاقتداء بغیرہ اولی۔ یعنی فالج زدہ اور ظاہر برص والے کی طرح وہ لنگڑا شخص بھی ہے جو اپنے پیر کے بعض حصے کے بل کھڑا ہوتا ہے پورا حصہ زمین پر نہیں جمتا تو ایسوں کی اقتداء اگرچہ درست ہے مگر دوسرا شخص اولیٰ اور بہتر ہے۔ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ وقت مجبوری جب پورا قیام فرض (کما فی الاحدب) اور استقرار علی الارض (کما فی الاعرج) حاصل نہ ہونے کی صورت میں بھی امامت درست ہے تو حالت سجدہ میں صرف انگوٹھا یا بعض واجب انگلیوں کا پیٹ زمین پر نہ لگنا صحت امامت کے لئے کب حرج بن سکتا ہے۔ بلاشبہ یہاں بھی امامت صحیح اور درست ہے اقتدا کرنے میں حرج نہیں۔ سوال مذکور میں زید کے متعلق فالج زدہ اور لنگڑا ہونا دو چیز بتائی گئی ہے۔ اور دونوں کا حکم واضح ہو چکا اب رہی یہ بات کہ ایسے لوگوں کی امامت تنزیہی کراہات میں شمار کی گئی ہے اور کراہت تنزیہی بھی ایک قسم کی ہی ملحوظ ہوتی ہے جس کے مطابق ایسے لوگوں کی امامت ممنوع کہی جا سکتی ہے۔ تو شرعی نقطۂ فقہ سے ایسا خیال درست نہیں ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی شرعاً ممنوع نہیں۔ کما تحقق فی فتاوی الرضویہ جلد اول ص ۱۷۹ تا ص ۱۸۰ مکروہ تنزیہی کا حاصل صرف خلاف اولیٰ ہوتا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اول مطبوعہ دیوبند ص ۴۳۹ میں قول فقہاء نقل کیا ہے المکروہ تنزیها مرجعه الی خلاف اولی تو مسئلہ مذکورہ کی بابت حسب تصریحات فقہائے اعلام مطلب یہ ہوا کہ جماعت میں مذکورہ عذر رکھنے والوں سے بہتر دوسرا موجود ہو تو ان لوگوں کی امامت ناپسند اور خلاف اولیٰ ہے ورنہ خلاف اولیٰ بھی نہیں۔ بلکہ

قوم میں اگر دوسرا لائق امامت نہ ہو اور یہ لوگ شرائط امامت کے مطابق ہوں تو امامت کے لئے یہی اولی اور بہتر ہیں۔ واللہ تعالی اعلم جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالی علی النبی الامی وآلہ وسلم۔

الجواب صحیح والمجیب نجیح
غلام الجیلانی الاعظمی

کتبہ العبد المسکین محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین الصدیقی القادری البرکاتی الرضوی۔

الجواب صحیح۔ بدر الدین احمد قادری رضوی۔ ۶ر من ذی الحجۃ الکریمۃ المحرمۃ ۱۳۹۱ھ

مسئلہ۔ از صغیر احمد پوسٹ ومقام بہادر پور۔ ضلع بستی۔

زید نے اپنی خوشی سے پیسہ کی لالچ میں نسبندی کرالی تو زید کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور زید اگر نماز کی صف میں داخل ہو تو لوگوں کی نمازوں میں کچھ خلل واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب زید گنہگار ہوا اس کے اوپر توبہ واستغفار لازم ہے اور بعد توبہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے اور اس کا نماز کی صف میں کھڑا ہونا لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں پیدا کرے گا کہ زنا کرنے والے، شراب پینے والے، جوا کھیلنے والے، سود کھانے والے، والدین کی نافرمانی کرنے والے، اور اس قسم کے دوسرے گناہ کبیرہ جن کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے ان کے مرتکب کی نماز جنازہ پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے اور ان کے صف میں کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں واقع ہوتا تو نسبندی کرانے والے کی نماز جنازہ پڑھنا بھی واجب ہوگا۔ اور اس کے صف میں کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں واقع ہوگا ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالی ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از حاجی عبد السمیع اندر چوک کاٹھمنڈو (نیپال)

جس کے سر کے بال سینے تک ہوں بلکہ اس سے بھی نیچے ہوں۔ کٹاتے چھٹاتے رہیوں اسے سنت جانتے ہوں۔ ایسے کی امامت کیسی ہے؟ ایسا بال رکھنا جو دوش اور گوش سے بڑھا ہو جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ بہار شریعت جلد شانزدہم ص۱۸۹ میں تحریر فرماتے ہیں

مرد کو یہ جائز نہیں کہ عورتوں کی طرح بال بڑھائے بعض صوفی بننے والے لمبی لمبی لٹیں بڑھا لیتے ہیں جو ان کے سینے پر سانپ کی طرح لہراتی ہیں اور بعض چوٹیاں گوندھتے ہیں یا جوڑے بنا لیتے ہیں یہ سب ناجائز اور خلاف شرع ہیں تصوف بال کے بڑھانے اور رنگے ہوئے کپڑے پہننے کا نام نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پوری پیروی کرنے اور خواہشات نفس کو مٹانے کا نام (تصوف) ہے انتہیٰ۔ معلوم ہوا کہ سینے تک بال رکھنا سنت نہیں بلکہ ناجائز ہے۔ شخص مذکور کو اس مسئلہ سے باخبر کیا جائے اگر وہ نہ مانے تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے کہ ناجائز کو سنت ماننے والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔

الجواب صحیح
غلام جیلانی قادری اعظمی

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

مسئلہ - از قاری شمس الدین رحمانی محلہ دمدمہ کالپی۔ ضلع جالون۔

ہمارے قصبہ میں تقریباً آٹھ حفاظ ایسے ہیں جو نماز عشاء فرض و تراویح پڑھاتے ہیں لیکن یہ حضرات حد شرع سے داڑھی کم رکھتے ہیں اور ان کی اقتداء میں سیکڑوں نمازیں پڑھتے ہیں تو کیا ان کی اقتداء میں نماز ہوتی ہے؟ ایسے حفاظ کو ایسی صورت میں نماز پڑھانا بند کر دینا چاہیئے یا لوگوں کو ان کو امامت سے روکنا چاہئے مفصل و مدلل جواب تحریر کرنے کی زحمت فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

الجواب ــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب بخاری اور مسلم کی حدیث ہے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خالفوا المشرکین واوفروا اللحیٰ واحفوا الشوارب یعنی مشرکین کی مخالفت کرو (اس طرح کہ) داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو پست کرو۔ اور محدث عبدالحق دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات جلد اول صـ۲۱۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔ حلق کردن لحیہ حرام ست و روش افرنج و ہنود و جوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند و گزاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست و آنکہ آں را سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک در دین ست یا بجہت آنکہ ثبوت آں بسنت ست چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند۔ یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے اور انگریزوں، ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے۔ اور داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اور جن فقہائے کرام نے داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا تو سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو سنت فرمایا۔ (حالانکہ نماز عید واجب ہے) اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہار شریعت جلد شانزدہم صـ۱۹۷ میں تحریر فرماتے ہیں کہ داڑھی بڑھانا سنن انبیاء سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے کم

کرنا حرام ہے۔ لہٰذا جو حفاظ کی ایک جماعت سے کم داڑھی رکھنے کے عادی ہیں۔ وہ فاسق ہیں ایسے حفاظ کو امامت کرنا جائز نہیں۔ اگر وہ لوگ امامت سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کو امامت سے روکیں اس لئے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ جو نمازیں کہ ان کے پیچھے پڑھی گئی ہیں خواہ فرض ہوں یا سنت ان کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے اگر دوبارہ نہیں پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ شوال ۹۵ھ

مسئلہ۔ از امام عبدالشکور ٹیلرس اسپیشل ٹیلرنگ شاپ بینک روڈ ضلع ٹیکم گڑھ۔ ایم۔ پی۔

(۱) جو شخص جھوٹ بولتا ہو اور ثابت ہونے پر معافی مانگ نے پھر بھی باز نہ آئے کیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے؟

(۲) ایک شخص بلا امتیاز منصب وملت سود کھاتا ہے۔ اور ایک امام کی بارات اسی سود خور کے گھر ہوئی ہے امام صاحب اس کے یہاں آتے جاتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں کوئی کراہت نہیں کرتے تو انکی امامت جائز ہے؟

(۳) ایک مسجد کے امام صاحب ہیں ان کی برادری کا ایک فرد اہل ہنود عورت کو بغیر نکاح رکھے ہوئے ہے برادری والے اسے برادری چلاتے ہیں۔ امام صاحب کے گھر کے لوگ اس کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں امام صاحب انھیں کوئی نصیحت نہیں کرتے کیا ایسے امام کی امامت جائز ہے؟

(۴) ایک عالم صاحب نے دوران تقریر فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شب ایک برتن میں پیشاب فرمایا اور صبح کو خادمہ سے فرمایا کہ اس برتن کا پیشاب پھینک دو۔ خادمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ تو میں پانی سمجھ کر پی گئی اس پر آپ نے فرمایا کہ اب تیرے پیٹ میں کبھی درد نہ ہوگا۔ اور اسے کبھی درد نہیں ہوا۔ خادمہ کا نام ام ایمن ہے کیا یہ واقعہ درست ہے کہ آپ کا بول وبراز کسی نے دیکھا ہے پیا ہے از راہ کرم مطلع فرمائیں اور ایسے مولوی کے لئے کیا حکم ہے شرعی وضاحت فرمائیں۔

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) مسلم شریف کی حدیث ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان الکذب فجور یعنی جھوٹ بولنا فسق وفجور ہے اور جو شخص علانیہ فسق وفجور کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا دِرْھَمُ رِبًا یَأْکُلُہٗ

الرَّجُلُ وَهُوَيَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلٰثِيْنَ زِنْيَةً۔ یعنی سود کا ایک درہم جس کو آدمی جان بوجھ کر کھائے اس کا گناہ چھتیس بار زنا کرنے سے زیادہ ہے۔ العیاذ باللہ تعالی

حدیث کے فرمان کے مطابق سود کھانے والا شخص اتنے بڑے گناہ کا عادی ہے اور امام اس سے کراہت نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے وَھُوَ تعالٰی اعلم۔

(۳) اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو اجنبی عورت رکھنے والے کو سخت سزا دی جاتی۔ موجودہ صورت میں یہ حکم ہے کہ اسکا بائیکاٹ کیا جائے اور امام پر لازم ہے کہ حتی الامکان اپنے گھر والوں کو شخص مذکور سے دور رہنے کی کوشش کرے پھر اگر اسکے گھر والے باز نہ آئیں اور سرکشی کریں تو امام بری الذمہ ہے اور اگر وہ حتی المقدور کوشش نہ کرے تو ایسے شخص کو امامت سے برطرف کر دیا جائے وھو تعالٰی اعلم۔

(۴) واقعہ صحیح ہے جیسا کہ خصائص کبری جلد اول صـــ پر درج ہے۔ اس حدیث کو حاکم، دارقطنی اور ابونعیم نے حضرت ام ایمن رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند المولی تعالی

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۵ شوال سنہ ۹۲ھ

مسئلہ - از محمد عارف پیش امام مسجد نیلگران وارڈ نمبر ۲ سمان گڈھ ضلع چورو (راجستھان)

زید نے ایک مشرکہ عورت سے زنا کیا یہاں تک کہ کچھ مدت گزرنے کے بعد اس نے اپنے مشرک شوہر کو چھوڑ کر اسلام بھی قبول کر لیا اور یہ عورت نہ حاملہ تھی نہ حائضہ۔ اس نے سرکاری دفتر میں جا کر اسلام قبول کیا اور اس نے زید ہی سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تو نکاح پڑھانے والے نے بھی قبل از نکاح اس کے سامنے احکام پیش کئے اور اللہ تعالی کی وحدانیت کا اور نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرایا اور کفر و شرک اور دیگر ممنوعات شرعیہ سے اجتناب پر بیعت لی اس کے بعد پھر زید ہی سے اس کا نکاح پڑھا دیا تو اس نکاح پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا۔ تو ایسی صورت میں نکاح پڑھانے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں نوازش ہوگی۔

الجواب ـــــ اگر شوہر والی کافرہ عورت مسلمان ہو جائے تو حکم ہے کہ اس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے اگر وہ اسلام لے آئے تو عورت بدستور اس کی بیوی ہے۔ اور اگر شوہر اسلام لانے سے انکار کرے تو تین حیض

کے بعد عورت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اس سے پہلے نکاح کرنا صحیح نہیں امام ابن ہمام فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۲۸۸ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ کی صاحبزادی صفوان بن امیہ کے عقد میں تھیں جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئیں مگر ان کا شوہر صفوان بھاگ گیا مسلمان نہ ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق نہ کی یہاں تک کہ صفوان بھی مسلمان ہوگئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے ایک نصرانیہ کے مسلمان ہونے پر اس وقت تفریق کی جب کہ اس کے شوہر نے مسلمان ہونے سے انکار کردیا جیسا کہ فتح القدیر کی اسی جلد اور اسی صفحہ پر ہے۔ اور بہار شریعت حصہ ہفتم بیان حرمت بالشرک صفحہ ۲۰ پر ہے۔ اگر عورت پہلے مسلمان ہوئی تو مرد پر اسلام پیش کریں اگر تین حیض آنے سے پہلے مسلمان ہوگیا تو نکاح باقی ہے ورنہ بعد کو جس سے چاہے نکاح کرلے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کافرہ عورت مسلمان ہوئی تو اس وقت سے تین حیض آنے سے پہلے اگر اس کا شوہر مسلمان ہوجائے تو وہ بدستور اس کی بیوی ہے طلاق یا اس کی موت کے بغیر اس کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اور اگر وہ مسلمان نہ ہو تو تین حیض آنے کے بعد وہ کسی مسلمان سنی صحیح العقیدہ سے نکاح کرسکتی ہے۔ اگر بعد اسلام فوراً نکاح کیا تو جائز نہ ہوا۔ عورت و مرد ایک دوسرے سے الگ رہیں اور جو گناہ ہوئے ان سے توبہ کریں اور نکاح خواں نیز جتنے لوگ اس نکاح سے راضی رہے سب علانیہ توبہ و استغفار کریں اور نکاح خواں تاوقتیکہ اپنی غلطی پر نادم ہوکر توبہ نہ کرلے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔

ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۷ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از مظفر احمد ایم۔ ایس۔ سی میتھ گورکھپور یونیورسٹی

ہمارے محلہ میں مسجد کے امام و دیگر لوگ دیوبندی خیال کے ہیں کیا ان کے پیچھے نماز ہوجائے گی کیا میرے لئے درست ہے کہ میں نماز جماعت سے نہ پڑھوں بلکہ علیحدہ پڑھ لیا کروں؟ بیّنوا توجروا

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کے سبب بحکم شریعت اسلامیہ کافر و مرتد اور بیدین ہیں (ملاحظہ ہو فتاویٰ حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ) ان کے پیچھے نماز ہرگز نہ ہوگی اور پڑھنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ امام محقق علی الاطلاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہمارے تینوں ائمہ مذہب امام اعظم اور امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل فرماتے ہیں۔ لا تجوز الصلوٰۃ خلف

اھل الھواء یعنی بددینوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ حضور پر نور شیخ الاسلام اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاوی رضویہ جلد سوم ص۲۳۵ میں فرماتے ہیں "دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے ہوگی ہی نہیں فرض سر پر رہے گا اور ان کے پیچھے پڑھنے کا شدید عظیم گناہ علاوہ" صورت مسئولہ میں اگر آپ کو سنی مسلمان لائق امامت نہ مل سکے تو آپ اپنی تنہا پڑھیں۔ کسی دیوبندی۔ وہابی۔ مودودی۔ تبلیغی وغیرہ بددین کی اقتداء میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ ورنہ فرض آپ کے ذمہ باقی رہے گا۔ اور مزید برآں آپ پر معاذ اللہ تعالیٰ شدید گناہ کا وبال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مسلمان کو بھی ہدایت پر قائم رکھے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم وجل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ بدر الدین احمد القادری الرضوی من اساتذہ دار العلوم

فیض الرسول فی براؤن الشریفۃ من اعمال بستی

الجواب صحیح حق والحق احق بالاتباع

العبد محمد نعیم الدین عفی عنہ صدیقی قادری رضوی

۶/ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ

مدرس دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف

مسئلہ۔ از مسلمانان اہلسنت وجماعت شہر کالپی شریف

ہمارے یہاں شہر کالپی میں امامت عیدین کا مسئلہ درپیش ہے۔ حافظ امیر بخش صاحب جو امام جامع مسجد اور عیدین تھے جب ان کا آخر وقت ہوا تو انھوں نے اپنا جانشین اور قائم مقام اپنے داماد حافظ عبد الباری صاحب کو کیا اور امامت بطور ترکہ مرحوم نے حافظ عبد الباری صاحب کے حق میں منتقل کی جس سے یہاں کے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا کتنے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ امامت ان کی میراث نہ تھی جو بحیثیت ایک فرد واحد انھوں نے باختیار خود اپنے داماد کو دی ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ اور کتنے لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ انتخاب صحیح ہے عیدین کی نماز حافظ عبد الباری صاحب ہی پڑھائیں گے۔ یہ اختلاف کالپی میں کسی وقت بھی باہمی فساد اور نزاع شدید کا سبب بن سکتا ہے۔

جب کہ کالپی شہر میں علاوہ جامع مسجد کے اور بھی کئی جگہ جمعہ کی نماز ہوتی ہے مثلاً خانقاہ شریف کی تاریخی قدیم مسجد میں بھی نماز جمعہ ہوتی ہے جو عرصۂ دراز سے ہوتی چلی آرہی ہے اس میں حاجی حافظ عبد الباسط صاحب تقریباً ۳۰ سال سے نماز جمعہ پڑھاتے ہیں۔ حافظ عبد الباسط صاحب یہاں کے مشہور حافظ اور بہت سے حفاظ شہر کے استاذ بھی ہیں اور بستی کے تمام حفاظ میں سینیئر بھی ہیں اور معتبر بھی نیز ان کی زندگی کا زیادہ حصہ دین میں گذرا ہے اور مسائل ضروریہ نماز روزہ طہارت وغیرہ وغیرہ سے دوسرے حفاظ کے مقابلے میں زیادہ واقف اور ذی علم ہیں

اور کافی لوگ بھی ان سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی امامت واقتدا جو بھی بستی کا ۳/۴ مسلمان نماز پڑھتا ہے جب کہ جامع مسجد میں جمعہ میں بستی کا ۱/۴ مسلمان ہوتا ہے ان تمام حالات کے پیش نظر ان کی حق تلفی کی جارہی ہے نیز ان کے حق کو پامال کرتے ہوئے ان کے استحقاق کو نظر انداز کیا گیا۔ ایسی صورت میں یہاں مسلمان دو فریق ہوگئے ہیں۔ شہر کالپی میں پہلے قاضی خاندان کے افراد بھی نماز عیدین یکے بعد دیگرے عرصہ تک پڑھاتے رہے ہیں۔ جب کہ وہ نماز جمعہ نہیں پڑھاتے تھے مگر اب ان میں کوئی باقی نہیں رہا۔ بستی کے کچھ سمجھدار طبقہ نے حافظ عبدالباری صاحب کے معاونین کے سامنے چند تجاویز رکھیں جو درج ذیل ہیں۔ مگر وہ لوگ کسی تجویز پر متفق نہیں۔

تجویز نمبر (۱) بستی کے تمام حفاظ جن کی تعداد ۱۵ سے ۲۰ تک ہے آپس میں عیدین کی نماز کے لئے کسی ایک امام کو منتخب کریں۔

(۲) حافظ عبدالباری صاحب جامع مسجد کے امام رہیں اور حاجی عبدالباسط صاحب جامع خانقاہ شریف کے امام رہیں۔ اور عیدین کے لئے تیسرے امام کا انتخاب کرلیا جائے تاکہ نزاع آئندہ کا سدباب ہوجائے۔

(۳) بستی کے ہر برادری کے دو دو چار چار افراد جو لکھے پڑھے ہوں۔ اور نمازی مسلمان باہم مشورہ سے ہر دو حفاظ مذکور الصدر میں سے جس کو دینی سطح نظر سے اعلٰی واولٰی سمجھیں اسے امام عیدین مقرر کردیں۔

(۴) کسی سنی مفتی عالم دین کو بلاکر تمامی حفاظ کا علمی وعملی تجارت وتوازن کرانے کے بعد ان سے شرعی فیصلہ حاصل کرلیا جائے۔

مگر حافظ عبدالباری صاحب کے معاونین اور حامیان اس پر اٹل ہیں کہ جو فیصلہ ہوچکا وہی رہے گا۔

کیا ہر جاہل۔ بے نمازی۔ بدافعال۔ چور۔ بدمعاش مسلمان بھی امامت کے لئے انتخاب میں رائے دہندگی کا حقدار ہے۔ ان حالات کے پیش نظر مندرجہ ذیل استصواب کے جواب باصواب سے مطلع فرمائیں تاکہ فتوٰی کے فیصلہ کی روشنی میں عملدرآمد کیا جاسکے۔

(۱) موجودہ انتخاب جو امیر بخش صاحب نے ازخود اپنے داماد حافظ عبدالباری صاحب کے حق میں کیا ہے۔ کیا درست ہے؟

(۲) امامت کے فیصلہ کا حق ازروئے شرع پاک کس کو حاصل ہے؟

(۳) بخیال سدباب نزاع بین المسلمین ہم لوگ علاوہ عیدگاہ کے خانقاہ شریف کی مسجد جمعہ میں دوگانہ (عیدین) جداگانہ ادا کرسکتے ہیں؟

(۴) حالات مندرجہ بالا کے تحت ہر دو ائمہ مذکور میں سے امامت عیدین کا حق کس کو پہونچتا ہے ؟
(۵) کیا یہ دلیل شرعی ہے کہ جو امام جامع مسجد کا امام ہو وہی عیدین کی نماز پڑھا سکتا ہے دوسرا نہیں ؟

الجواب بعون الملک الوھاب (۱) موجودہ انتخاب جو امیر بخش صاحب نے از خود کیا ہے شرعاً درست نہیں۔ وھو تعالیٰ و رسولہ اعلم۔

(۲) اس زمانہ میں جمعہ اور عیدین کی امامت کے فیصلہ کا حق شہر کے سب سے بڑے سنی عالم فقیہ معتمد کو ہے اور جہاں یہ نہ ہو تو بمجبوری وہاں کے صرف عوام نہیں بلکہ عام مسلمانوں کی اکثریت جسے انتخاب کرے وہ امامت عیدین کر سکتا ہے۔ اعلیحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم صفحہ ۲۷۵ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو اختیار نہیں کہ بطور خود یا ایک دو یا دس بیس سو پچاس کے کہے سے امام جمعہ وعیدین بن جائے ایسا شخص اگرچہ اس کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور عمل میں بھی فسق و فجور نہ ہو۔ جب بھی امامت جمعہ وعیدین نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو اس کے پیچھے نماز باطل محض ہوگی۔ انتہیٰ

اس لئے کہ جمعہ وعیدین کی نماز صحیح ہونے کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بادشاہ اسلام اس کا نائب یا اس کا ماذون قائم کرے۔ یا ایسا عالم جو اَعْلَمِ عُلَمَائے بَلَد ہو۔ یا بدرجۂ مجبوری عام مسلمانوں کی اکثریت سے جسے منتخب کرے وہ امامت کرے اور اگر ان طریقوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو نماز باطل محض ہوگی کہ اذا فات الشرط فات المشروط یعنی جب شرط نہیں پائی گئی تو مشروط نہیں پایا جا سکتا۔

(۳) جب کہ خانقاہ شریف کی مسجد میں جمعہ جائز ہے تو اس میں عیدین کی نماز بھی جائز ہے ھٰکذا فی الفتاویٰ الرضویہ۔

(۴) سب سے زیادہ مستحق امامت وہ شخص ہے جو نماز و طہارت کے احکام سب سے زیادہ جانتا ہو۔ اس کے بعد وہ شخص جو تجوید کا زیادہ علم رکھتا ہو۔ صورت مستفسرہ میں اگر دونوں برابر ہوں تو ایسی صورت میں جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ اور اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جس کی عمر زیادہ ہوگی۔ اور اگر یہ اور قسم کی دوسری قابل ترجیح باتوں میں دونوں برابر ہوں تو جماعت جس کو منتخب کرے وہ امام ہوگا۔ اور جماعت میں بھی اختلاف ہونے کی صورت میں اکثریت کا لحاظ ہوگا۔ بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۱۵

(۵) امام جمعہ ہی عیدین کی نماز پڑھاتا ہے یا اس کے اذن سے کوئی دوسرا لیکن خانقاہ شریف کی مسجد میں جبکہ جمعہ قائم ہے تو وہ مسجد بھی شرعاً جامع مسجد ہے۔ اگرچہ اہل شہر اسے جامع مسجد نہ کہتے ہوں۔ ھٰذا

ماظهرلی والعلم بالحق عند اللہ ورسولہ جل وعلا وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم

الجواب صحیح
غلام جیلانی اعظمی

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۷ ذی القعدہ ۹۹ھ

مسئلہ - از محمد جلال الدین اورنگ آباد جی، ٹی روڈ اورنگ آباد ضلع گیا۔

جامع مسجد اورنگ آباد ضلع گیا۔ جی، ٹی روڈ بازار میں واقع ہے جس میں امام ومؤذن بھی مقرر ہیں امام مذکور بنام مولوی عبد الرؤف صاحب کے عقائد وخیالات حسب ذیل ہیں۔

(۱) امام مذکور نذر ونیاز بزرگان دین کی مزار شریف پر چادر چڑھانے سے منع کرتے ہیں۔ اور میلاد شریف میں قیام کے بھی منکر ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام مبارک سن کر انگوٹھا چومنے سے بھی منع کرتے ہیں۔ اور امام عالیمقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نذر ونیاز کھانے کو بھی حرام کہتے ہیں۔

(۲) امام مذکور علمائے دیوبند بالخصوص مولوی رشید احمد گنگوہی ومولوی اشرف علی تھانوی وقاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند اور خلیل احمد انبیٹھوی کو اپنا رہبر وپیشوا جانتے مانتے ہیں۔ ان کے عقائد کے پابند ہیں۔ اور مولوی اشرف علی تھانوی ومولوی رشید احمد گنگوہی کے فضائل وکرامت برسر منبر بیان کرتے ہیں۔ اور امام مذکور کو امارت شرعیہ بہار نے یہاں کا شہر قاضی بھی مقرر کر رکھا ہے۔ مذکورہ سوال پیش ضروری دریافت طلب یہ ہے کہ مذکورہ اکابر علماء دیوبند کا شرع مطہرہ میں کیا مقام ہے۔ اور ان کو اپنا رہبر وپیشوا جاننا ماننا اور ان کے فضائل ومناقب برسر منبر بیان کرنا اور ان کے عقائد کا پابند امام مذکور بنام مولوی عبد الرؤف کا شرع مطہرہ میں کیا مقام ہے۔ یہ سب بالتصریح تحریر فرمائیں تاکہ یہاں کے سنی عوام اپنے دین وایمان کی حفاظت اسکی روشنی میں کریں۔

(۳) کافروں کی قبرستی سمادھی پر امام مذکور نے جاکر تلاوت قرآن شریف کیا اور دعائے مغفرت بھی شوہواس کیا۔

(۴) مذکورہ حال کے سبب امام مذکور سے کچھ لوگ بدظن ہوکر ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور بعض لوگ جماعت کی فضیلت کی وجہ سے ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ جماعت اولٰی ختم ہونے کے بعد جماعت ثانیہ جو مسجد میں پڑھتے ہیں آیا یہ جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟

(۵) امام مذکور کی بدعقیدگی کے سبب دریافت طلب امر ہے کہ جماعت اولٰی کس کی ہے۔ آیا امام مذکور کی یا جو لوگ ان کے حال خراب کے سبب الگ بعد میں جماعت سے پڑھتے ہیں۔ یہ اذان واقامت کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب — اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب امام مذکور اگر مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی،

رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کو اپنا رہبر و پیشوا مانتا ہے اور ان کے فضائل و بزرگی کا قائل ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے جماعت کی فضیلت نہیں حاصل ہوتی بلکہ سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی پڑھنے والے سخت گنہگار ہوتے ہیں جو نمازیں اس کی اقتدا میں پڑھی گئیں ان نمازوں کو پھر سے پڑھنا فرض ہے۔ ایسے امام کی نماز نماز نہیں اور اس کی جماعت، جماعت نہیں۔ لہٰذا جو سنی حضرات بعد میں جماعت کرتے ہیں یہی جماعت جماعت اولیٰ ہے۔ اگر اذان کسی ایسے آدمی نے پڑھی ہے جو سنی ہے اور فاسق معلن نہیں ہے تو اس جماعت کے لئے اذان کا اعادہ نہ کیا جائے اور اگر دینے والا فاسق معلن ہے یا سنی نہیں ہے تو اذان کا اعادہ ضروری ہے۔ اور تکبیر کا اعادہ بہر صورت ضروری ہے ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہٗ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ شوال ۸۹ھ

مسئلہ۔ از عطاء اللہ مدرسہ نوریہ بینی نگر پوسٹ کٹھیلا ضلع بستی

نابالغوں کی امامت بالغ کر سکتا ہے یا نہیں نیز ایک بالغ اور چند نابالغوں کی امامت بالغ کر سکتا ہے یا نہیں

الجواب بالغ امام نابالغوں کی امامت کر سکتا ہے اسی طرح ایک بالغ اور چند نابالغ مقتدیوں کی بھی بالغ امامت کر سکتا ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ از محمد زکی موضع نونہوا۔ مہداول ضلع بستی۔

زید ایک مسجد کا امام ہے اور بکر مقتدی بکر نے امام صاحب سے کہا کہ تمام آدمیوں کے نگاہ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ تمہارے لڑکے اور لڑکی کی چال چلن ٹھیک نہیں ہے۔ اس بات پر غصہ میں آکر بکر کو کہا کہ میں قیامت میں بھی آٹھ قدم دور رہنا چاہتا ہوں اور یہاں پر بات کرنا درکنار ہے۔ گوکہ امام صاحب نے بکر کو کہا کہ بات چیت کرنا کیا ہے میں تمہاری شکل دیکھنا گوارہ نہیں کرتا۔ تو ضروری امر یہ ہے کہ بکر امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں اور بکر نے امام صاحب سے جو بیان کیا وہ بہت آدمیوں کے کہنے پر یعنی کئی مقتدیوں نے یہ کہا امام صاحب کو سمجھا دو تو یہ بتلا دیجئے کہ وہ مقتدی جنھوں نے کہا بکر سے وہ امام صاحب کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا

(پارہ ۲۸ رکوع ۱۹) یعنی اے ایمان والو اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ یعنی تم سب اپنے متعلقین کے سردار وحاکم ہو اور حاکم سے روز قیامت اس کی رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی۔ صورت مستفسرہ میں امام کی لڑکی اور لڑکے کا چال چلن اگر واقعی خراب ہے اور امام ان کی حالتوں پر مطلع ہوکر بقدر قدرت انھیں منع نہیں کرتا بلکہ لڑتا ہے تو وہ دیوث اور فاسق ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ناجائز اور گناہ ہے جو نمازیں پڑھی گئیں ان کو پھر سے پڑھنا واجب ہے فان الدیوث کما فی الحدیث وکتب الفقہ کالدر وغیرہ من لا یغار علی اھلہ ھکذا فی الفتاوی الرضویۃ اور اگر امام کے لڑکے اور لڑکی کی چال چلن خراب نہیں ہے بلکہ از روئے دشمنی لوگ الزام لگاتے ہیں تو امام مذکور کے پیچھے سب کو نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اور کوئی دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۸ جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ

مسئلہ۔ از خلیل الرحمان مظفرپوری متعلم مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور۔ اعظم گڑھ

کیا داڑھی ترشوانے والا جو حد شرع سے کم ہی ہو۔ کالردار قمیص اور پتلون کٹ پاجامہ پہننے والے کے پیچھے نماز جائز ہے؟

الجواب: جو شخص اپنی داڑھی حد شرع یعنی ایک مشت سے کم کرادیتا ہے وہ فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور اس کو امام بنانا گناہ جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان کا اعادہ واجب ہے۔ کالردار قمیص اور پتلون کٹ پاجامہ فاسقوں کی وضع ہے اس سے امام کو پرہیز کرنا چاہئے۔ فتاویٰ رضویہ جلد ثانی ص ۲۱۹ پر زیر استفتاء جو شخص اپنی داڑھی مقدار سے کم رکھتا ہے اور ہمیشہ ترشواتا ہے اس کا امام کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں وہ (یعنی داڑھی حد شرع سے کم رکھنے والا) فاسق معلن ہے اور اسے امام کرنا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی۔ غنیہ میں ہے لو قدموا فاسقا یاثمون ۔۔۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از محمد انیس اڈیٹر سکریٹری جامعہ وارثیہ لکھنؤ (یوپی)

لکھنؤ کی ایک مسجد جس کا نام نور محمد کی مسجد اور یہ مسجد محلہ باغ آئمہ بی بی حسین گنج لکھنؤ میں ہے اس مسجد میں تقریباً چھپن سال سے ایک حافظ غلام نبی حسن صاحب امام خطبہ علمی پڑھتے رہے چونکہ امام صاحب مسلسل علالت میں چل رہے ہیں اس لئے اہل محلہ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فارغ مولوی کو امامت کے لئے طے کرلیا ہے چونکہ اہل محلہ کے چند حضرات دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور انہیں کے فرمان کے مطابق حال ہی میں خطبہ علمی پر بحث و نکتہ چینی کی ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) یہ کہ خطبہ علمی میں ایک جگہ پر لکھا ہوا ہے جس کا صفحہ نمبر ۲ ہے اور شروع لائن کے آٹھویں سطر پر ہے وعلی غالب کل غالب ہے اس پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے اپنی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے شرک بتارہے ہیں۔

(۲) یہ کہ خطبہ علمی کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ متفرق جگہوں پر کچھ غلطیاں لکھی ہوئی ہیں۔

(۳) یہ کہ بجائے خطبہ علمی کے مولوی اسمٰعیل دہلوی یا خطبہ شاہ محدث دہلوی یا مولوی اشرف علی تھانوی کی زیادہ افضل ہے۔

(۴) حسب ذیل کا حوالہ اپنی کتاب بہشتی زیور حصہ اول، دوم از مولوی محمد عیسیٰ خلیفہ اجل مولوی اشرف علی تھانوی۔ لہٰذا حضرت سے مودبانہ التماس ہے کہ محلہ میں ہیجان اور انتشار ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا ہے ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کا جو حکم ہو تحریر فرمادیں فقط بینوا توجروا

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اکثر فارغین گمراہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فارغ مذکور کو خطبۂ علمی میں شرک نظر آتا ہے اور ملا اسمٰعیل دہلوی و اشرف علی تھانوی کے خطبہ میں بہتری نظر آتی ہے۔ اہل محلہ پر لازم ہے کہ کسی سنی صحیح العقیدہ کو امامت کے لئے مقرر کریں اور ایسے شخص کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں شرح عقائد نسفی میں ہے لاکلام فی کراھۃ الصلاۃ خلف الفاسق والمبتدع ھذا اذا لم یؤد الفسق والبدعۃ الی حد الکفر اما اذا ادی الیہ فلا کلام فی عدم جواز الصلاۃ خلفہ اھ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ جمادی الاخری ۹۹ھ

مسئلہ۔ از محمد شوکت علی موضع پورینہ پوسٹ دیوا کل پور ضلع بستی۔

زید سارنگی بجاتا اور گانا گاتا تھا کئی سالوں سے لیکن چند دنوں سے گانا اور سرنگی کا بجانا چھوڑ دیا ہے اور توبہ کر لیا ہے تو زید امامت کر سکتا ہے کہ نہیں ؟

الجواب جب کہ زید نے توبہ کر لی اور اپنی توبہ پر قائم ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۹ ربیع الاول ۹۸ھ

مسئلہ۔ از پیر محمد ٹیلر ماسٹر پوسٹ و مقام کونڑی ضلع بھیلواڑہ (راجستھان)

خالد علی الاعلان سینما دیکھتا ہے تو کیا وہ عیدین کی امامت کر سکتا ہے ؟ اور کیا اس کے پیچھے نماز ادا ہو جائے گی ؟ پھر وہ یہ کہتا ہے کہ میں خطبہ پڑھا دوں تو خطبہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب سینما دیکھنا ناجائز ہے اور جو شخص علی الاعلان سینما دیکھتا ہو اسے عیدین کی امامت کے لئے کھڑا کرنا ناجائز ہے اس لئے کہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی کہ وہ فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑا کرنا بھی جائز نہیں کہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور فاسق کی تعظیم ناجائز ہے وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از عبد القیوم اشرف القادری خطیب جامع مسجد ٹاٹ شاہ فیض آباد۔

زید ایک مسجد میں عید کی امامت کرتا ہے لیکن سال بھر کا عینی مشاہدہ ہے کہ عمداً مسجد میں سونے کے باوجود نماز فجر کو عمداً ترک کرتا ہے ۸، ۹ بجے دن میں سو کر اٹھتا ہے تو کیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے ؟

الجواب علانیہ اور عمداً ترک نماز و جماعت کے سبب زید فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھی جائے تو اس کا اعادہ واجب لما صرحوا بہ من کراھۃ الصلوٰۃ خلف الفاسق المعلن وان کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ تحریمۃ فانھا تعاد وجوبا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۹ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ

مسئلہ۔ از حاجی مدار بخش عبد الکریم محمد امین مرزا منڈی کالپی ضلع جالون

کیا ایسی حالت میں داڑھی منڈانے والا نماز پڑھا سکتا ہے جب کہ جماعت بھر میں کوئی شخص قرآن کریم نہیں پڑھا ہے صرف داڑھی منڈا قرآن بھی پڑھا ہوا ہے اور پنج وقتی ادا کرتا ہے۔

الجواب بہار شریعت جلد شانزدہم صفحہ ۱۹۷ میں ہے داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے۔ مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے لہٰذا داڑھی منڈانے والا نماز نہیں پڑھا سکتا۔ اگر کوئی دوسرا نماز پڑھانے والا نہ مل سکے تو سب لوگ تنہا تنہا پڑھیں فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ۲۵۳ میں ہے «اگر علانیہ فسق و فجور کرتا ہے اور دوسرا کوئی امامت کے قابل نہ مل سکے تو تنہا نماز پڑھیں فان تقدیم الفاسق اثم والصلوٰۃ خلفہ مکروھۃ تحریما والجماعۃ واجبۃ فھما فی درجۃ واحدۃ ودرء المفاسد اھم من جلب المصالح اھ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ رجمادی الاولیٰ ۹۹ھ

مسئلہ - از خلیل الرحمٰن انوری خادم المسجد مدرسہ جرنگ ڈیہہ گریڈیہہ (بہار)

(۱) پرہیزگار متقی عالم و فاضل درزی ذات وکلال ذات کی اقتدا میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نیز اگر درزی ذات کا پیشہ سلائی ہو اور عالم و فاضل نہ ہو تو امامت کر سکتا ہے یا نہیں اور کلال ذات عالم و فاضل نہ ہو لیکن پرہیزگار ہو اور کلالی پیشہ نہ ہو تو امامت کر سکتا ہے کہ نہیں؟ مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں امامت کر سکتا ہے یا نہیں ارشاد فرمائیں۔

(۲) ایک مسجد میں امام مقرر ہے سنی صحیح العقیدہ عالم اور ایک حافظ قرآن مقتدی ہے لہٰذا دیگر مقتدیوں کا کہنا ہے کہ امامت کا مستحق حافظ قرآن ہے مقررہ عالم امام امامت کا مستحق نہیں۔ اس لئے کہ حافظ قرآن کا درجہ زیادہ ہے۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ مقررہ امام امامت کا مستحق ہے یا مقتدی حافظ قرآن؛ دوسرے — ایک عالم اور ایک حافظ دونوں ایک جماعت میں شریک ہوں تو کون امامت کرنے کا مستحق ہے قرآن کریم اور حدیث مبارکہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب ہر سنی صحیح العقیدہ صحیح الطہارۃ اور صحیح القرأۃ غیر فاسق معلن جس میں کوئی بات ایسی نہ ہو کہ لوگوں کے لئے نفرت کا باعث ہو اور جماعت کے لئے قلت کا سبب ہو اس کے پیچھے بلا کراہت نماز جائز ہے خواہ وہ کسی برادری کا ہو کہ امامت کسی برادری کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اور وہ شخص جو ذات کا

درزی ہے اور سلائی کا پیشہ کرتا ہے اگر کپڑے کی چوری یا کوئی دوسری شرعی خرابی اس میں نہیں ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور کلال جو پیشہ کلالی نہ کرتا ہو اگر اس میں امامت کے شرائط پائے جاتے ہوں تو اس کے پیچھے بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ خواہ وہ عالم و فاضل ہو یا نہ ہو کہ امامت کے لئے عالم و فاضل ہونا شرط نہیں وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۲) سب سے زیادہ امامت کا مستحق وہ شخص ہے جو نماز کے مسائل کو سب سے زیادہ جانتا ہو جیسا کہ درمختار میں ہے الاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوٰۃ اور عالم دین ایسے شخص سے جو صرف حافظ ہو نماز کے مسائل زیادہ جانتا ہے اس لئے صورت مستفسرہ میں عالم ہی مستحق امامت ہے لہٰذا بعض مقتدیوں کا یہ کہنا کہ عالم دین کی موجودگی میں حافظ قرآن مستحق امامت ہے صحیح نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم صفر المظفر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ از ڈاکٹر محمد اسحاق دھول پور راجستھان

ایک شہر کے اندر دو چار آدمیوں نے نئی جگہ نماز عید قائم کر لی ہے جب کہ یہ لوگ نہ بادشاہ اسلام ہیں نہ اس کے نائب ہیں۔ اور نہ عالم ہیں نہ عالموں کے حکم میں آتے ہیں۔ اگر ان لوگوں نے نئی جگہ نماز عید پڑھ لی ہے تو کیا نماز عید ہو گئی۔ اور سمجھانے پر جھگڑا کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو ایسے لوگوں کو کس طرح سمجھایا جائے جس میں جو صاحب خود امامت کرتے ہیں وہ بھی سمجھانے کی جگہ جھگڑا کر دیتے ہیں اور انھیں کے اشارہ پر نماز عید جو عیدگاہ کے برابر میں ایک کھیت حائل ہے وہیں عید کی نماز قائم کر لی ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب شہر میں اگرچہ چند جگہ نماز عید قائم کرنا جائز ہے مگر صورت مستفسرہ میں عید کی نماز کا قیام افتراق بین المسلمین کے سبب ناجائز ہے کہ عیدگاہ کے برابر دوسری عیدگاہ قائم کرنا کھلا ہوا فتنہ ہے۔ اور مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم ذی الحجہ ۹۹ھ

مسئلہ۔ از صغیر احمد۔ پوسٹ و مقام بہادر پور بازار ضلع بستی

زید نے اپنی خوشی سے پیسے کے لالچ میں نسبندی کرائی تو زید کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کے جنازے کی نماز پڑھنا کیسا ہے اور زید اگر نماز کی صف میں داخل ہو تو لوگوں کی نمازوں میں کچھ خلل واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ زید گنہگار ہوا اس کے اوپر توبہ واستغفار لازم ہے اور بعد توبہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے اور اس کا نماز کی صف میں کھڑا ہونا لوگوں کی نماز میں خلل نہیں پیدا کرے گا کہ زنا کرنے والے شراب پینے والے جوا کھیلنے والے سود کھانے والے والدین کی نافرمانی کرنے والے اور اس قسم کے دوسرے گناہ کبیرہ جن کی حرمت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے ان کے مرتکب کی نماز جنازہ پڑھنا مسلمانوں پر واجب ہے ان کے صف میں کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں ہوتا تو نسبندی کرانے والے کی نماز جنازہ پڑھنا بھی واجب ہوگا اور اس کے صف میں کھڑے ہونے سے لوگوں کی نمازوں میں خلل نہیں واقع ہوگا وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ ذی الحجہ ۹۷ھ

مسئلہ: از محمد رمضان خاں خزانچی مدرسہ رکن الاسلام قادریہ مقام بڑی پوسٹ ماتور ضلع الور (راجستھان)

(ا) جمعہ واجب ہے یا فرض؟

(ب) زید امام ہے نوے فیصدی لوگ زید کی امامت تسلیم نہیں کرتے اور زید کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے درین حالت زید کی امامت درست ہے؟

(ج) زید سے نوے فیصدی لوگ ناراض ہیں بکر وہاں پہونچ گیا گاؤں والوں نے بکر سے کہا کہ آپ جمعہ کی نماز پڑھا دیں تو تمام مسلمان نماز جمعہ پڑھ لیں گے ورنہ ہم نوے فیصدی لوگ جمعہ کی نماز سے محروم رہیں گے ہم زید کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے کیونکہ وہ جھوٹا ہے وعدہ خلاف ہے درین حالت بکر نے نماز پڑھا دی کیا نماز جمعہ ادا ہو گئی کیا بکر کو زید سے اجازت لینے کی ضرورت رہی جب لوگ زید کو امام نہیں مانتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: (ا) جمعہ کی نماز فرض عین ہے اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے درمختار میں ہے فرض عین یکفر جاحدھا اھ۔

(ب) زید میں اگر از روئے شرع کوئی عیب ہے جس کے سبب لوگ اس کی امامت تسلیم نہیں کرتے تو لوگ حق بجانب ہیں

اور اس صورت میں زید کو امامت کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی عیب نہیں مگر از روئے نفسیات لوگ زید کی امامت تسلیم نہیں کرتے تو زید کی امامت جائز ہے وھو تعالیٰ اعلم۔

(ج) اگر زید واقعی جھوٹا اور وعدہ خلاف ہے اس سبب سے زید کو امامت سے الگ کر کے لوگوں نے بکر کو امامت جمعہ کے لئے مقرر کرلیا تو زید سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں نماز جمعہ ہو گی بشرطیکہ شہر میں پڑھی گئی ہو۔ کہ گاؤں میں جمعہ کی نماز صحیح اور جائز نہیں ہاں اگر عوام پڑھتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے ھکذا فی کتب الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲ رصفر المظفر ۹۸ھ

مسئلہ۔ از محمد یعقوب رضوی متھرا پار ضلع گونڈہ

گھڑی کے ساتھ لوہا یا اسٹیل یا پیتل وغیرہ کا چین باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا کوئی خرابی ہے؟ زید کہتا ہے کہ نماز ہو جائے گی کوئی خرابی نہیں۔ کیا یہ قول درست ہے مدلل تحریر فرمائیں؟

الجواب:- گھڑی کے ساتھ لوہا یا اسٹیل وغیرہ کا چین باندھ کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے لہٰذا زید کا قول صحیح نہیں اعلیٰحضرت، امام اہلسنت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ احکام شریعت حصہ دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں ممنوع کی گئیں ہیں ان کو پہن کر نماز ادا کرنا یا امامت مکروہ تحریمی ہے انتہیٰ کلامہ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ رجمادی الاولیٰ ۹۹ھ

مسئلہ۔ از محمد یونس سوتی برگدوا (نیپال)

زید و بکر دو بھائی ہیں اور ھندہ و زبیدہ دو بہنیں ہیں زید کے نکاح میں ہندہ ہے اور بکر کے نکاح میں زبیدہ ہے لیکن زید کے ناجائز تعلقات زبیدہ سے ہو گئے اور زید نے اپنی بیوی ھندہ کو طلاق دیکر زبیدہ کو لے کر گھر سے چلا گیا اور اس سے نکاح کرلیا ہندہ کو طلاق نہیں ملا لوگوں کا بیان ہے کہ بکر نے زبیدہ کو بعد میں طلاق دے دیا اور اسی دن زید نے نکاح کیا عدت نہیں گذاری ایسی صورت میں زید کا نکاح از روئے شرع کیسا ہے کیا ایسے شخص کی امامت درست ہے؟ بیان فرمائیں؟

الجواب ـــــ اگر زید نے اپنی بیوی ھندہ کو طلاق دی اور بکر نے ھندہ کی بہن زبیدہ کو طلاق دی تو دونوں کی عدت گذرنے سے پہلے زید کا نکاح زبیدہ سے کرنا حرام ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ ھندہ کی عدت گذرنے سے پہلے زبیدہ سے نکاح کرنا جمع بین الاختین ہے جو حرام ہے فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ۲۹۱ میں ہے لا یجوز ان یتزوج اخت معتدتہ سواء کانت العدۃ عن طلاق رجعی او بائن او ثلاث اھ۔ اور بکر کے طلاق کے بعد زبیدہ اس کی معتدہ ہے اور کسی غیر کی معتدہ سے نکاح کرنا جائز نہیں فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ۲۶۲ میں ہے لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذالک المعتدۃ کذا فی السراج الوھاج۔ اور شخص مذکور جس نے بکر کی بیوی زبیدہ سے ناجائز تعلق پیدا کیا پھر اسے لیکر بھاگ گیا اور عدت گذرنے سے پہلے زبیدہ سے نکاح کیا وہ سخت ظالم و جفاکار مستحق عذاب نار ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبـــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ر جمادی الاخری ۹۹ھ

مسئلہ۔ از خدا بخش انصاری کالپی محلہ مرزا منڈی ضلع جالون

زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور طلاق دئے تقریباً چار سال کا عرصہ ہوگیا ہے زید کی بیوی باہر چلی گئی لیکن زید مہینہ میں دو ایک مرتبہ اس کے پاس جایا کرتا ہے زید خود بیوی کو باہر سے لاکر کسی مکان یعنی محلہ میں بیوی کو رکھ لیا ہے زید برابر اس کے گھر جاتا ہے اور بات کرتا ہے اور اس کے یہاں کھانا پکواکر کھاتا بھی ہے ایسی حالت میں کیا زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں بینوا توجروا۔

الجواب ـــــ زید اگر اپنی مطلقہ بیوی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبـــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۷ر ذی الحجہ ۹۹ھ

مسئلہ۔ از محمد شبیر خاں مقام و پوسٹ نند نگر ضلع بستی (یوپی)

زید وہابی ہے بلکہ وہابی گر ہے اس نے عمداً اپنے بھائی بکر کو دیوبند میں تعلیم دلوائی ہے بکر دیوبند کا فارغ التحصیل مولوی ہے زید نے بارہا تو بہ کیا پھر مکر گیا گستاخان رسول کو کافر نہیں کہتا ہے جہاں جیسا دیکھتا ہے کرلیتا ہے

نہیں۔ ہاں اگر وہ صدق دل سے علانیہ توبہ کرے اور اپنے اس فعل پر نادم ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں اگر کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ اور آپریشن مذکور کا اثر مانع امامت نہیں اس لئے کہ وہ فعل ناجائز ہے نہ کہ اس کا اثر، یہاں تک کہ اگر آپریشن کراتا اور آپریشن ناکام ہوتا یعنی قوت تولید منقطع نہ ہوتی تب بھی ناجائز فعل کے ارتکاب کے سبب اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہ ہوتا۔ اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا التائب من الذنب کمن لاذنب لہ ۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) فاسق معلن کے پیچھے فساق کی بھی نماز جائز نہیں اگر کوئی شخص قابل امامت نہ مل سکے تو سب تنہا پڑھیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۲۵۳ میں ہے تقدیم الفاسق اثم والصلوۃ خلفہ مکروھۃ تحریما والجماعۃ واجبۃ فھما فی درجۃ واحدۃ ودرء المفاسد اھم من جلب المصالح اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح
غلام جیلانی اعظمی

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ۔ از محمد اسرائیل چشتی پوسٹ ومقام ڈونگرگڈھ چتوڑگڈھ (راجستھان)

زید بالغ ہے مگر ابھی اس کے داڑھی نہیں نکلی ہے تو اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ـــ زید اگر بالغ صحیح العقیدہ صحیح الطہارۃ صحیح القرأت ہے اور اس میں کوئی وجہ مانع امامت نہیں تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی اگرچہ ابھی داڑھی نہیں نکلی ہے۔ ہاں اگر زید حسین وجمیل اور خوبصورت ہو کہ فساق کے لئے محل شہوت ہو تو اس کی امامت خلاف اولیٰ ہے کما فی الفتاویٰ الرضویۃ ج۳ ص۲۲۰ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از محمد اسرائیل چشتی پوسٹ ومقام ڈونگرگڈھ چتوڑگڈھ (راجستھان)

بکر، عمرو، احمد، خالد نماز کے مسائل سے کم واقف ہیں اور ان کی قرأت صحیح نہیں۔ اور جماعت تو جماعت بلاعذر شرعی پانچوں وقت مسجد میں نہیں پہنچتے مگر تہجد گذار ہیں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور زید قرأت و نماز کے مسائل کو ان سے زیادہ جانتا ہے اور بلاعذر شرعی مسجد وجماعت نہیں چھوڑتا مگر تہجد گذار نہیں تو اس کے

لوگ زید کو ترک کر چکے تھے لیکن محمود جو سُنّی عالم ہے اس نے زید کے منافقانہ توبہ پر گاؤں والوں سے ملاپ کرا دیا اور سب کو زید کے یہاں کھلایا اور خود بھی کھایا اس کے بعد جو زید کا بھائی اور فارغ التحصیل دیوبند کا مولوی ہے اس نے کہا نہیں وہابیت سے توبہ کروں گا اور نہ وہابیوں کو بُرا کہوں گا بلکہ اپنے گھر والوں سے کہوں گا کہ وہ لوگ بھی وہابیت پر قائم رہیں اور وہابی کے یہاں سے رشتہ رکھیں محمود زید و بکر سے پوری طرح واقف ہے لہٰذا ایسی صورت میں زید و بکر سے کیا رابطہ رکھیں؟ اور محمود سے تعلق یا اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب: زید نے اگر واقعی وہابیت سے توبہ کر لی ہے تو سُنّی ہے۔ پھر اگر وہ اپنے وہابی بھائی یا کسی دوسرے سے میل ملاپ رکھتا ہے ان کے ساتھ کھاتا پیتا اور اٹھتا بیٹھتا ہے تو وہ گنہگار سُنّی ہے تاوقتیکہ اس کے کسی قول یا فعل سے کفر وارتداد ثابت نہ ہو اسے سُنّی ہی قرار دیا جائے گا۔ اور اگر زید نے دل سے توبہ نہیں کی ہے بلکہ سُنّیوں کو دھوکا دینے کے لئے منافقانہ توبہ کی ہے جس کا قطعی ثبوت اس کے قول یا فعل سے ملتا ہے تو وہ بہت بڑا مکار ہے اس صورت میں مسلمانوں کو زید و بکر دونوں سے دور رہنا لازم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم اھ۔ اور سُنّی عالم دین اگر زید کی منافقانہ توبہ کے فریب میں آ کر سنیوں کا اس سے ملاپ کرا دیا اور اس کے یہاں لوگوں کو کھلا دیا اور خود بھی کھایا تو اس صورت میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن زید کی منافقت ثابت ہونے کے بعد سنی عالم دین محمود پر لازم ہے کہ وہ اس کی منافقت اور اپنی فریب خوردگی سب مسلمانوں پر ظاہر کرے اور دوبارہ زید کے بائیکاٹ کرنے کا اعلان عام کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کی امامت درست نہیں کہ مداھن فی الدین ہے وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از سید محمد محسن علی الحسینی عفی عنہ ہیڈ مولوی۔ پی.پی اسکول پنسکورہ ضلع مدنا پور (بنگال)

(۱) اگر امام نے اپنی منکوحہ سے اجازت لے کر نسبندی کروایا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) ایسا امام جو غیر فاسق ہو اگر نہ مل سکے تو فاسق معلن کے پیچھے فساق کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا کیا جائے؟

الجواب: (۱) امام نے اگرچہ بیوی سے اجازت لے کر نسبندی کروایا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز

پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــ بکر، عمرو خالد جو مسائل نماز سے کم واقف ہیں اور صحیح القرات نہیں ہیں اور بلا عذر شرعی ترک جماعت کے عادی بھی ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اگرچہ وہ تہجد گذار ہوں۔ اور زید اگر بلا عذر شرعی ترک جماعت کا عادی نہیں اور مسائل نماز کا زیادہ جاننے والا صحیح القرات ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ وہ تہجد گذار نہ ہو بشرطیکہ اس میں کوئی سبب مانع امامت نہ ہو وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ـ از محمد یعقوب رضوی شہرا بازار ضلع گونڈہ

ایک سند یافتہ مولانا صاحب ہیں جن کی اکثر فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے اور بازار میں ہوٹل پر بیٹھکر چائے وغیرہ پیتے ہیں ایسے مولانا صاحب کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــ جس مولوی کی فجر کی نماز اکثر قضا ہو جاتی ہے وہ فاسق ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے ھٰکذا فی کتب الفقہ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ جمادی الاولیٰ ۹۹ھ

مسئلہ ـ از رفعت اللہ متعلم مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا ضلع بستی۔

زید اپنی داڑھی کے بال کترواکر ایک مشت سے کم رکھتا ہے تو اس کی اقتدا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مطلق طور پر یا تخصیص کے ساتھ اور جن لوگوں نے شخص مذکور کی اقتدا میں اپنی نمازوں کو ادا کیا ہے اس پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے مع الدلیل واضح فرمائیں۔

الجواب ـــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب داڑھی کے بال ایک مشت سے کم کرنا جائز نہیں جیسا کہ در مختار مع شامی جلد دوم ص۱۱۶ ردالمحتار جلد دوم ص۱۱۸ بحر الرائق جلد دوم ص۲۸۰ فتح القدیر جلد دوم ص۲۷۰ اور طحطاوی علی مراقی ص۴۱۱ میں ہے واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیۃ وھو دون ذلک (ای القدر المسنون وھو القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال لم یبحہ احد ـــ یعنی داڑھی جب کہ ایک مشت سے کم ہو تو اس کو کاٹنا جس طرح کہ بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں کسی کے نزدیک حلال

نہیں ــ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات جلد اول ص۲۱۲ میں فرماتے ہیں کہ گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست و آں کہ آں را سنت گویند یعنی طریقہ سلوک در دین ست یا بجہت آں کہ ثبوت آں بسنت ست چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند ــ یعنی داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اور جن فقہا نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا (تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ انکے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ) یا تو سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید واجب ہے) ــــ اور بہار شریعت جلد شانزدہم ص۱۹۷ میں ہے کہ داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے ۔ مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے ــ لہٰذا زید داڑھی کے ایک مشت سے کم کرنے کی عادت کے سبب فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے حتی کہ داڑھی ایک مشت سے کم کرنے والے کی نماز بھی اس کی اقتدا میں جائز نہیں جن لوگوں نے جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھیں سب کا اعادہ واجب ہے ۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۲۲۷ میں ہے کہ جن صورتوں میں کراہت تحریم کا حکم ہے صلحاء و فساق سب پر اعادہ واجب ہے ۔ جو مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً پڑھیں کہ جماعت واجب ہے اور اس کی تقدیم ع بکراہت تحریم اور واجب مکروہ دونوں ایک مرتبہ میں ہیں ۔ ودرء المفاسد اہم من جلب المصالح اھ ــ ھٰذا ما ظھرلی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم ۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ ۔ از خدا بخش انصاری ۔ کالپی محلہ مرزا منڈی ضلع جالون ۔

زید کی دوکان محلے کے اندر مکان یعنی دالان میں پرچون کی ہے زید کا لڑکا دوکان پر بیٹھتا ہے لڑکا جب بازار سودا لینے جاتا ہے تو زید کی بیوی دوکان میں بیٹھتی ہے اور اگر لڑکا دو ایک روز کے لئے باہر چلا جاتا ہے تو زید کی بیوی دوکان پر بیٹھتی ہے زید کی عمر ستر سال اور زید کی بیوی کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہے زید نمازی اور پرہیزگار ہے تو کیا ایسی صورت میں زید کے پیچھے نماز جائز ہے شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب ــــ اگر دوکان پر بیٹھنے میں زید کی بیوی کے کپڑے خلاف شرع ہوتے ہیں مثلاً باریک اتنا کہ بدن جھلکے یا اونچے کہ ستر عورت نہ کریں جیسے اونچی کرتی یا پیٹ کھلا ہوا ہو یا بے طوری سے اوڑھے پہنے جیسے دوپٹہ سر سے

ڈھلکا یا کچھ حصہ بالوں کا کھلا رہے اور زید ان باتوں پر مطلع ہو کر باوصف قدرت بندوبست نہیں کرتا تو وہ دیوث ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اور اگر زید کی بیوی ان شناعتوں سے پاک ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو ھکذا فی الجزء الثالث من الفتاوی الرضویۃ

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ ذی الحجہ ۹۹ھ

مسئلہ ۔ از غلام حسین نارتھ اسٹن ریلوے کارپالے گورکھپور۔

زینب کی شادی ہوئی تھی کچھ عرصہ کے بعد شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد زینب نے اپنے دیور سے ناجائز تعلق کر لیا۔ اور دیور کے ساتھ چلی گئی اور زینب نے اپنے دیور سے نکاح نہیں کیا تھا اور زینب حاملہ ہو گئی۔ لڑکا پیدا ہونے پر زینب کا نکاح زینب کے دیور کے ساتھ ہوا۔ اب وہ لڑکا حافظ قرآن ہوئے تو اب حضور سے یہ عرض ہے کہ حافظ صاحب امامت کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ شرع کا کیا حکم ہے۔

الجواب اگر کوئی دوسرا شخص حافظ مذکور سے طہارت و نماز کا علم زیادہ رکھتا ہو تو اس حافظ کو امام بنانا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے۔ اور اگر وہ حافظ مسائل طہارت و نماز سب حاضرین سے زیادہ جانتے ہوں تو انہیں امام بنانا بلا کراہت جائز ہے اگر کوئی دوسری وجہ مانع امامت نہ ہو۔ درمختار میں ہے کرہ امامۃ عبد و اعرابی وولد الزنا الی قولہ الا ان یکون اعلم القوم۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ جمادی الاخریٰ ۸۹ھ

مسئلہ ۔ از متولیان سنی نوجوہ مسجد ۱۰۲ ٹن ٹن پولا اسٹریٹ خوجہ محلہ بمبئی ۹

ہمارے یہاں تقریباً ایک سو بیس سال سے سنی امام امامت کرتے رہے اور پنجگانہ نماز کے بعد فاتحہ اور دعائے ثانیہ کے پابند رہے۔ نیز گیارھویں شریف اور بارھویں شریف اور موئے مبارک کی زیارت ہوتی رہی اور صلاۃ و سلام بھی ہوتا رہا چند سال سے جدید امام نے فاتحہ و دعائے ثانیہ صلاۃ و سلام پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ اور اس کا انکار کرتے ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ سنی مسجد کے سنی امام ہونا ضروری ہے کہ نہیں اور

اگر سنی ہونا ضروری ہے تو سنی کسے کہتے ہیں؟

الجواب ـــــ سنی مسجد کے لئے سنی امام ہونا ضروری ہے کہ اہل سنت وجماعت کے علاوہ دوسرے فرقے والے یا تو کافر ہیں یا گمراہ اور کافر کے پیچھے نماز پڑھنا باطل محض ہے اور گمراہ یعنی جس کی بدمذہبی حد کفر کو نہ پہونچی ہو اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ بحرالرائق جلد اول ص۳۴۹ میں ہے لاتجوز الصلاۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم او ینکر الکراما لکاتبین او ینکر الرؤیۃ لانہ کافر۔ والرافضی ان فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر۔ اور غنیہ ص۴۷۹ میں ہے یکرہ تقدم المبتدع لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل۔ والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئاً علی خلاف مایعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ۔ وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھۃ اذا لم یکن مایعتقدہ یؤدی الی الکفر عند اھل السنۃ اما لوکان مؤدیاً الی الکفر فلا یجوز اصلا کالغلاۃ من الروافض الذین یدعون الالوھیۃ لعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ او ان النبوۃ کانت لہ فغلط جبرئیل ونحو ذلک مما ھو کفر اھ ملخصا۔ اور درمختار مع شامی جلد اول ص۳۰۳ میں ہے کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ اور بہار شریعت حصہ سوم ص۱۱۱ میں ہے۔ وہ بدمذہب کہ جس کی بدمذہبی حد کفر کو پہونچ گئی ہو جیسے رافضی اگرچہ صرف صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت یا صحبت سے انکار کرتا ہو یا شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شان اقدس میں تبرا کہتا ہو، قدری، جہمی، مشبہ اور وہ جو قرآن کو مخلوق بتاتا ہے اور وہ جو شفاعت یا دیدار الٰہی یا عذاب قبر یا کراماً کاتبین کا انکار کرتا ہے ان کے پیچھے نماز نہیں ہو سکتی۔ اس سے سخت تر حکم دیابنہ زمانہ کا ہے اللہ عزوجل و نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتے یا توہین کرنے والوں کو اپنا پیشوا یا کم از کم مسلمان ہی جانتے ہیں انتہی

ضروریات اہلسنت کے ماننے والے کو سنی کہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص ضروریات اہلسنت میں سے کسی بات کا انکار کرتا ہو وہ سنی نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ر جمادی الاولی ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ـ از قاری شمس الدین احمد رحمانی محلہ دمدمہ کالپی شریف (جالون)

(۱) ایک اہلسنت دختر کا عقد دیوبندی کے ساتھ قاضی اہلسنت نے پڑھایا قاضی امامت بھی کرتا ہے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا از روئے شرع جائز ہے؟

(۲) بازار کے بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۳) میری داڑھی حدِ شرع سے کم ہے میں نماز پڑھاتا ہوں کیا میری امامت درست ہے، مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ کیا فاسق و فاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟ جواب باصواب سے نوازیں۔

الجواب (۱) اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب بطابق فتویٰ حسام الحرمین دیوبندی عقیدہ رکھنے والے کے ساتھ سنی لڑکی کا عقد ہرگز ہرگز منعقد نہ ہوگا۔ قاضی نے اگر جان بوجھ کر ایسا نکاح پڑھایا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں اگر قاضی توبہ و تجدید ایمان کرے اور نکاح اس نے پڑھایا ہے اس کے باطل ہونے کا اعلان عام کردے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کردے تو امامت کی دیگر شرائط پائے جانے کے ساتھ اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) بلا ضرورت بازار میں بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور خرید و فروخت وغیرہ ضروریات کے لئے بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

(۳) حدِ شرع یعنی ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ حسب تصریح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے اور جو شخص ترک واجب کا عادی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ فاسق و فاجر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے یعنی ایسی نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از عبدالغفور

(۱) زید جو کہ حاجی نمازی اور سنی صحیح عقیدہ ہے اور اسلامی مکتب کا ماسٹر ہے اور جامع مسجد کا امام ہے اس کے بچے اور بہو بلا روک ٹوک بلا حجاب باہر آتی جاتی ہیں بسلسلۂ تجارت۔

(۲) زید اپنی سمدھن کو گالیاں جھگڑے لڑائی پر دیتا ہے جب اس سے دریافت کیا گیا تو کہتا ہے کہ سمدھن کو گالی دینا جائز ہے احکام شرع سے ہم مسلمانوں کو آگاہ فرمائیں کہ مذکورہ زید کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اس کی

امامت جائز ہے کیا سمدھن کو گالی دی جاسکتی ہے۔

الجواب (۱) بے پردہ باہر نکلنے میں اگر عورت کے کپڑے خلاف شرع ہوتے ہیں۔ مثلاً اتنے باریک کہ بدن جھلکے یا اتنے چھوٹے کہ ستر عورت نہ کریں جیسے بلاؤز کی کہنی وغیرہ کھلی رہتی ہے یا بے طریقہ اوڑھے پہنے جیسے دوپٹہ ڈھلکے یا کچھ حصہ بالوں کا کھلا رہے یا زرق برق پوشاک پہنے کہ جس پر لوگوں کی نگاہ پڑے اور احتمال فتنہ ہو۔ یا اس کے چال ڈھال بول چال میں آثار بدوضعی پائے جائیں اور زید ان باتوں پر مطلع ہو کر با وصف قدرت بندوبست نہیں کرتا تو وہ دیوث ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اگر ان خرابیوں سے پاک ہے تو اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ ھکذا فی الفتاوی الرضویۃ

(۲) سمدھن ہو یا کوئی اور گالی دینا گناہ ہے اور گالی کو جائز سمجھنا اشد گناہ۔ زید پر لازم ہے کہ گالی دینے اور گالی کو جائز سمجھنے سے علانیہ توبہ کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور توبہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی اور خرابی نہ ہو۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ شوال ۹۰ھ

مسئلہ۔ از عبد العلیم خلیل آبادی

زید جو کہ ولد الزنا ہے اور اس سے بطریق زنا ایک لڑکی بھی ہوئی اور وہ عالم بھی ہے نیز کتب اسلامیہ کا مطالعہ بھی کرتا رہتا ہے اور نماز میں سستی اور کاہلی سے کام لیتا ہے اور کبھی قضا بھی کر دیتا ہے نیز وہ سود اور رشوت بھی لیا کرتا ہے اور خائن بھی ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ باتوں کا علم رکھتے ہوئے آپ کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے شرع کے نزدیک کیسے ہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں اگر زید یقیناً ولد الزنا، زناکار، خائن، رشوت و سود خور اور قصداً نماز قضا کرنے والا ہے تو عالم نہیں اگر علامہ اور مفتی ہو تب بھی ایسے شخص کو امام بنانے والے گنہگار اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی یعنی واجب الاعادہ ہے ھکذا ذکر صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی الجزء الثالث من بہار شریعۃ ناقلا عن الکتب الفقہیۃ

واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ

مسئلہ ۔ مسئولہ صفی اللہ دھرم سنگھوان بازار بستی

دیوبندیوں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں ، بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں آیا ہے کہ واركعوا مع الراكعين یعنی جھکنے والوں کے ساتھ جھک جاؤ تو جس کسی کے پیچھے نماز پڑھی جائے نماز ہو جائے گی۔

الجواب فتاوی حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ میں ہے کہ دیوبندیوں نے حفظ الایمان ص۸ براہین قاطعہ ص۵۱ تحذیر الناس ص۳ و ص۲۸ میں حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو گندے عقائد لکھے وہ شدید گستاخی اور کفر ہیں لہذا دیوبندی اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے بحکم قرآن و حدیث کافر، مرتد اور خارج از اسلام ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا حرام سخت حرام ہے سارے جہاں کے ہادی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا تصلوا معهم یعنی بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ نماز نہ پڑھو تو بھلا بدعقیدہ کے پیچھے نماز پڑھنا کب جائز ہوگا؟ قرآن مجید کے ارشاد واركعوا مع الراكعين کے بارے میں تفسیر جلالین شریف ص۹ مطبوعہ اصح المطابع کراچی میں ہے وصلوا مع المصلین محمد و اصحابہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں فرماتا ہے کہ تم ایمان لاؤ اور میرے محبوب اور ان کے ساتھی نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھو اس آیت کریمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن کو چاہیے کہ وہ ایمان والوں کے ساتھ نماز پڑھے جو لوگ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخ ہیں وہ تو مسلمان ہی نہیں ان کی نماز ہے نہ جماعت اور نہ امامت ۔ اور یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ جو شخص خود تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں گستاخی نہیں کرتا لیکن گستاخ مولویوں اور دیوبندیوں کو مسلمان سمجھتا ہے اور اس کو یہ اطلاع ہے کہ دیوبندیوں نے حضور کی شان میں گستاخی کی ہے تو ایسا شخص بھی اسلامی قانون کی رو سے مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے اور ایسے شخص کے پیچھے بھی نماز ہرگز جائز نہیں۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد رضوی

۲۴؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۰ھ

مسئلہ۔ از محمد ابراہیم دھوبی پوسٹ کھنڈ سری بازار ضلع بستی۔

داڑھی کی شرعی حد کیا ہے اور حد شرع سے کم اور زیادہ رکھنے والوں پر عند الشرع کیا حکم نافذ ہو گا آیا ان کی امامت درست ہے یا نہیں ؟ اور حدیث شریف اور کتب فقہ سے جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب بخاری اور مسلم کی حدیث ہے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں انھکوا الشوارب واعفوا اللحی۔ یعنی مونچھوں کو خوب کم کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست وآنکہ آں راسنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک دردین ست یا بجہت آں کہ ثبوت آں بسنت ست چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند یعنی داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اور جن فقہا نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت قرار دیا (تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ) یا تو یہاں سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے یا اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید واجب ہے اشعۃ اللمعات جلد اول ص۲۱۲) اور فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے (بہار شریعت حصہ سولہ ص۱۹۷) لہذا ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے مونڈانے یا ایک مشت سے کم کرانے والا سخت گنہگار فاسق معلن مردود الشہادہ ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز ہرگز درست نہیں اگر پڑھ لی تو اعادہ واجب۔ مراقی الفلاح میں ہے کہ امامۃ الفاسق تعد ما اھتمامہ بالدین فتجب اھانتہ شرعاً فلایعظم بتقدیمہ للامامۃ واذا تعذر منعہ ینتقل عنہ الی غیر مسجدہ للجمعۃ وغیرھا۔ طحطاوی میں ہے تبع فیہ الزیلعی ومفادہ کون الکراھۃ فی الفاسق تحریمیۃ اھ۔ حد شرع یعنی ایک مشت سے کچھ زائد داڑھی رکھنا جائز ہے لیکن ہمارے ائمہ اور جمہور علما کے نزدیک اس کا طول فاحش کہ بیحد بڑھایا جائے جو حد تناسب سے خارج اور باعث انگشت نمائی ہو مکروہ و ناپسندیدہ ہے ھکذا فی لمعۃ الضحیٰ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ مہدی حسن خاں ساکن مروٹیا۔ ضلع گورکھپور۔

زید جو فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ فاسق کی اقتدا میں نماز جماعت سے پڑھنا اور بعد میں اعادہ کر لینا تنہا پڑھنے سے افضل اور بہتر ہے۔

الجواب زید اگر واقعی فاسق معلن ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ناجائز گناہ ہے اور اعادہ واجب۔ فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ۱۸۲ میں غنیہ شرح منیہ سے ہے لو قدموا فاسقا یاثمون اھ اور تبیین الحقائق میں ہے لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اہانتہ شرعا۔ اھ لہٰذا بکر کا قول صحیح نہیں۔ اگر کوئی دوسرا قابل امامت نہ ہو تو تنہا پڑھیں فان تقدیم الفاسق اثم والصلوۃ خلفہ مکروھۃ تحریما والجماعۃ واجبۃ فھما فی درجۃ واحدۃ ودرء المفاسد اھم من جلب المصالح اور اگر کوئی گناہ چھپا کر کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں اور اس کے فسق کے سبب جماعت نہ چھوڑیں لان الجماعۃ واجبۃ والصلاۃ خلف فاسق غیر معلن لاتکرہ الا تنزیہا ھکذا فی الفتاوی الرضویۃ وھو تعالی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از محمد اسلم اسلام پورہ بھیرڈی ضلع تھانہ۔

ہماری مسجد کے امام صاحب سجدہ کرتے وقت ان کے پیر کی انگلیوں کے پیٹ زمین پر نہیں لگتے میں نے ان سے بارہا کہا کہ آپ کی انگلی برابر نہیں لگتی لیکن وہ نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ سجدہ کی حالت میں پیر کی صرف انگلی زمین پر لگی رہے تو کافی ہے نماز ہو جائے گی امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ تم جو انگلیوں کا پیٹ لگنا ضروری سمجھتے ہو۔ ایسا کہاں لکھا ہے میں نے عرض کیا جناب بہار شریعت حصہ سوم میں شاید لکھا ہوا ہے۔ اتنا بتانے پر بھی وہ باز نہیں آتے تو ایسے امام کی اقتدا میں نماز ادا ہو جائیگی یا نہیں؟

الجواب ہدایہ جلد اول زیر بیان سجدہ صفحہ ۹۷ میں ہے یوجہ اصابع رجلیہ نحو القبلۃ یعنی نمازی سجدہ کرتے وقت اپنے دونوں پاؤں کی سب انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب کر دے اور یہ بالکل واضح مطابق مشاہدہ ہے کہ جب تک سب انگلیوں کا پیٹ زمین سے نہ لگا دیا جائے اس وقت تک انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف نہ ہوگا۔ اعلیٰحضرت شیخ الاسلام شاہ احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاوی رضویہ جلد اول کتاب الطہارات باب المیاہ صفحہ ۵۵۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔ سجدہ میں فرض ہے

کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو۔ اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے اھ۔ اور حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمۃ بہار شریعت جلد سوم صفحہ ۷۱ میں تحریر فرماتے ہیں "سجدہ میں دونوں پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے اور ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب اور دسوں کا قبلہ رو ہونا سنت اھ۔ ان حوالجات کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ امام صاحب جن کا یہ کہنا کہ "سجدہ میں پیر کی صرف انگلی زمین پر لگی رہے تو کافی ہے نماز ہو جائے گی" صحیح نہیں ہے۔ سائل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ امام صاحب کے سامنے ان حوالوں کو پیش کرے امید یہی ہے کہ امام صاحب جب صحیح مسئلہ سے آگاہ ہو جائیں گے تو اس پر ضرور عمل کریں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کو سائل کے مسئلہ بتانے پر اطمینان نہیں ہوا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ امامت کی ذمہ داری کو انہوں نے محسوس نہ کیا۔ ان کو تو چاہئے تھا کہ نماز کے فرائض وواجبات اور سنن کی پوری پوری معلومات حاصل کر کے ان کی پابندی کرتے۔ اب اگر امام صاحب اس مسئلہ کو تسلیم کر کے سجدہ میں اپنے ہر پاؤں کی کم از کم تین تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر جماتے رہیں تو ان کی اقتدا میں نماز ہو جائے گی جب کہ کوئی دوسری چیز مانع جواز نماز نہ ہو۔ اور اگر معاذ اللہ امام صاحب اس مسئلہ پر عمل کرنے کو تیار نہ ہوں تو ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز نہیں

وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ بدر الدین احمد الرضوی

مسئلہ۔ مسئولہ سید سراج عالم۔ مقام ۔ رنگا ضلع فیض آباد

ایک امام جہری نمازوں میں اتنی آہستہ قرات کرتا ہے کہ مقتدی نہیں سن پاتے بعض دفعہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آمین کب کہی جائے اور رکوع وسجود میں بھی دھوکہ ہو جاتا ہے۔ اور اپنی ایک لڑکی کا عقد دیوبندی وہابی کے ساتھ کیا ہے اور اس وہابی کے یہاں آمد ورفت رکھتا ہے حالانکہ اپنے کو سنی المذہب بتاتا ہے اور اپنے گھر کی عورتوں کو پردہ میں نہیں رکھتا تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جہری نمازوں میں امام پر جہر واجب ہے اور جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جو لوگ صف اوّل میں ہیں وہ سن سکیں۔ اگر اس قدر آہستہ پڑھا کہ صرف ایک دو آدمی جو امام کے قریب ہیں وہی سن سکے تو جہر نہیں بلکہ آہستہ ہے درمختار میں ہے لو سمع رجل او رجلان فلیس بجھر اھ۔ اور دیوبندی وہابی کے ساتھ عقد کرنا اور ان کے یہاں آمد ورفت رکھنا جائز نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام مذکور کی طرف سے باتیں سب کی

گئی ہیں اگر اس میں پائی جاتی ہیں اور واقعی وہ سنی المذہب ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے یعنی اگر کسی نے پڑھ لیا ہے تو اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب اور لازم ہے اگر دوبارہ نہیں پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور اگر امام مذکور دیوبندی وہابی مذہب کو حق مانتا ہے اور دنیوی مفاد کے لئے اپنے کو سنی المذہب بتاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔ شرح عقائد نسفی میں ہے لا کلام فی کراھۃ الصلاۃ خلف الفاسق والمبتدع ھذا اذا لم یؤد الفسق والبدعۃ الی حد الکفر اما اذا ادی الیہ فلا کلام فی عدم جواز الصلاۃ خلفہ اھ۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از عبدالعزیز۔ ناگ پھڑ ضلع چاندہ (ایم۔ پی)

ایسا حافظ قرآن جو داڑھی کترواکر ہمیشہ ایک مشت سے کم رکھتا ہے اس کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے ایک مرتبہ بھی کٹوا کر ایک مشت سے کم کرنے والا گنہگار ہے اور اسے کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنے کی عادت کر لینے والا فاسق معلن ہے۔ لہٰذا حافظ مذکور جب کہ داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنے کا عادی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔ تراویح سنت مؤکدہ ہے لیکن ایسے شخص کے پیچھے پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھنا واجب ہے ھذا خلاصۃ ما فی الکتب الفقھیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ مسئولہ سراج الدین احمد کھوا پور بھرائچ

(۱) زید کی بیوی پردہ میں نہیں رہتی کوسوں روز گھاس کرنے چلی جاتی ہے اور نماز کی پابند بالکل نہیں ہے۔

(۲) اور زید سود پر قرض لیتا ہے۔

(۳) زید واقف مسلمانوں کے خلاف ناواقف مسلمانوں کو بھڑکاتا ہے اور ایک گٹ بنا کر اکثریت کا دعویٰ کرتا ہے اس طرح اسلام کو کمزور کرتا ہے تو ایسی صورت میں زید کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ جواب سے نوازا جائے۔

الجواب قرآن مجید میں ارشاد ہے الرجال قوامون علی النساء مرد عورتوں پر حاکم ہیں

نیز ارشاد ہے یاایہا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا اے ایمان والو اپنی جانوں کو اور اپنے بیوی، بچوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ لہٰذا ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنی عورت کو پردہ سے رکھے اور نماز و احکام شرع کا حکم کرے اگر حکم نہ کرے تو شوہر مجرم ہے ایسے کے پیچھے نماز درست نہیں اور اگر حکم دینے کے باوجود عورت پردہ سے نہ رہے اور نماز و احکام شرع کے پابند نہ رہے تو بیوی کا جرم شوہر کے حق میں مانع اقتدا نہیں ان کے پیچھے بشرائط امامت نماز درست ہے۔

(۲) سود لینا اور دینا دونوں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں حدیث شریف میں ہے الآخذ والمعطی فیہ سواءٌ۔ (رواہ مسلم ومشکوٰۃ شریف) یعنی سود لینے والا اور دینے والا گناہ میں برابر ہیں اور سود کا گناہ ایسا ہے جیسے کوئی معاذ اللہ اپنی ماں سے زنا کرے چنانچہ حضرت ابوہریرہ سے حدیث مروی ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الربٰو سبعون جزءًا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف) یعنی سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں سب میں ہلکا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے زنا کرے۔ لہٰذا سود لینے اور دینے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں ایسے کو امام بنانا گناہ ہے اس لئے زید کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے اسے امام بنانا گناہ ہے اسے امام بنانے والے توبہ کریں اور زید سے بیزاری ظاہر کریں زید جب تک توبہ کرکے اس فعل سے باز نہ آجائے اس کو ہرگز امام نہ بنایا جائے۔

(۳) زید کا ناواقف مسلمانوں کو ورغلانے کا کیا مطلب ہے؟ واضح کرکے لکھنا چاہئے بہرحال زید اگر غلط اور خلاف شرع بات میں ناواقف مسلمانوں کو اپنا ساتھی بنا کر واقف مسلمانوں کے خلاف کرتا ہے تو یہ بھی ناجائز ہے اس وجہ سے بھی زید امامت کے قابل نہیں جب تک توبہ کرکے صحیح راستہ نہ اختیار کرے اس کو ہرگز امام نہ بنایا جائے زید اسلام اور سنیت پر سچائی کے ساتھ رہ کر امامت کرسکتا ہے اور امامت بھی کرتا ہو تو بہرحال اپنے مذہب اہلسنت والجماعت پر صحیح طریقے سے رہنا فرض ہے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا سخت گناہ ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا قرآنی حکم ہے کہ اللہ کی رسی کو مل جل کر مضبوط پکڑو۔ ید اللہ علی الجماعۃ ارشاد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے یعنی جماعت پر اللہ کا دست رحمت ہے۔ دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ زید کو دینی باتیں بتا کر نرمی اور آسانی سے صحیح راستے پر کریں اور اگر زید پھر بھی شریعت مطہرہ کا احترام نہ کرے اور ناجائز امر سے باز نہ آئے تو اس سے قطع تعلق کریں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

کتبہ نعیم الدین احمد عفی عنہٗ
۲۹ رجمادی الاول ۱۳۸۰ھ

مسئلہ۔ از کرم حسین ساکن یوسف جوت۔ ضلع بستی۔
زید سنی المذہب ہے مگر داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھتا ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنا یا مونڈانا تمام علمائے محققین کے نزدیک حرام ہے فقیہ اعظم حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں " داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے مونڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے (بہار شریعت جلد شانزدہم ص۱۹۷) اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں " حلق کردن لحیہ حرام ست و روش افرنج و ہنود وجوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند وگذاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست یعنی داڑھی مونڈانا حرام ہے اور انگریزوں، ہندؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے اور داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص۲۱۲) اور شیخ علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ در مختار میں، سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رد المحتار جلد دوم ص۱۱۳ میں، شیخ زین الدین ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بحر الرائق جلد دوم ص۲۸۰ میں، امام ابن ہمام فتح القدیر جلد دوم ص۲۷۰ میں، اور سید العلماء حضرت سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح طبع قسطنطنیہ ص۴۲۷ میں تحریر فرماتے ہیں واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیۃ وھو دون ذٰلک (ای القدر المسنون وھو القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال لم یبحہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند ومجوس الاعاجم اھ۔ یعنی داڑھی ایک مشت سے کم ہو تو اس کو کاٹنا جس طرح کہ بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں کسی کے نزدیک حلال نہیں اور کل داڑھی کا صفایا کرنا یہ کام تو ہندوستان کے یہودیوں اور ایران کے مجوسیوں کا ہے۔ اور پھر در مختار جلد پنجم کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیتہ اھ یعنی مرد پر اپنی داڑھی کا کاٹنا حرام ہے۔ یہ ایک مشت کے اندر کاٹنے کا حکم ہے۔ لانہ صرح فی النھایۃ بوجوب قطع ما زاد علی القبضۃ بالضم ومقتضاہ الاثم بترکہ الا ان یحمل الوجوب علی الثبوت ھکذا فی الدر المختار۔ تو لفظ حرام سے صاف

ظاہر ہے کہ ایک مشت رکھنا واجب ہے اور اگر سنت مؤکدہ ہی مان لیا جائے جب بھی اس کا ترک اسارت اور کرنا ثواب اور نادرًا ترک پر عتاب اور اس کے ترک کی عادت پر استحقاق عذاب۔ تو اس عادت پر اصرار گناہ کبیرہ ہوا۔ ردالمحتار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ جلد چہارم ص۳۷۲ میں ہے قال ابن کمال ان الصغيرة تاخذ حكم الكبيرة بالاصرار اھ۔ یعنی فتح القدیر میں علامہ کمال الدین محمد ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مسئلہ کی تعلیل میں فرمایا اس لئے کہ گناہ صغیرہ اصرار کرنے سے گناہ کبیرہ کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

اور کبیرہ کا مرتکب فاسق ہے اور اصرار کا ادنیٰ درجہ تین مرتبہ ہے کما صرح فی الکتب الفقہیہ لہٰذا زید سنی المذہب ہونے کے باوجود اگر داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم رکھنے کی عادت پر اصرار کرنے والا ہے تو سنت مؤکدہ فرض کر لینے کی صورت میں وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق معلن ہوگیا اور فاسق معلن کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے ردالمحتار مع فتاویٰ رضویہ میں ہے مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ یعنی الفاسق کراھۃ تحریم اھ۔ درمختار میں ہے کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از مظفر احمد کھورئی ضلع ساگر (ایم پی)

ایک آنکھ والا جو حافظ قرآن بھی ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جیسے ایک آنکھ والے بکرے کی قربانی درست نہیں اسی طرح ایک آنکھ والے کے پیچھے نماز بھی درست نہیں۔

الجواب یک چشم اگر سنی صحیح العقیدہ، صحیح القرأت، مسائل نماز سے واقف اور پابند شرع ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور حافظ قرآن ہے تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ امام کو قربانی کے جانور پر قیاس کرنا صحیح نہیں ورنہ کسی کے پیچھے نماز درست نہ ہوگی اس لئے کہ کسی دو پایہ جانور کی قربانی درست نہیں کما صرح فی الکتب الفقہیۃ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ - از چاند علی رضوی سنی نورانی مسجد سوریا نگر وکرولی بمبئی ۸۳

کیا امام کا مقتدیوں کی نماز صحیح ہونے کے لئے ان کی امامت کی نیت ضروری ہے؟

الجواب مقتدیوں کی نماز صحیح ہونے کے لئے ان کی امامت کی نیت کرنا امام پر ضروری نہیں۔ اور اگر کرے تو جائز ہے کوئی حرج نہیں غنیہ ص۲۲۵ میں ہے لایحتاج الامام فی صحۃ الاقتداء بہ الی نیۃ الامامۃ الا فی حق النساء اھ تلخیصًا وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ جمادی الآخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ - از محمد عبد القیوم صدر غوثیہ کمیٹی امداد گھر برائے۔ وجے واڑہ

زید مسجد کا امام ہے وہ پڑوس کی ایک غیر شادی شدہ عورت کا ۶ ماہہ حمل گرایا ہے۔ اب زید کو ایسی صورت میں امامت پر رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی اقتدا درست ہے یا نہیں؟

الجواب مسجد کے امام نے اگر واقعی غیر شادی عورت کا ایسا حمل گرایا ہے تو وہ گناہ عظیم کا مرتکب ہوا۔ علانیہ توبہ و استغفار کرے اور اپنے گناہ پر نادم و شرمندہ ہو۔ اگر وہ ایسا کرے تو اسے امامت پر باقی رکھیں حدیث شریف میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔ اور اگر وہ علانیہ توبہ و استغفار نہ کرے یا اس میں کوئی دوسری خرابی مانع امامت ہو تو اسے امامت سے الگ کر دیں۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ - از محمد صفی اللہ ابو العلائی مقام و پوسٹ جیڈی سی کوللری ہزاری باغ۔

ایک مولوی صاحب نے اپنی اہلیہ کا آپریشن کروا دیا تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب مولوی صاحب مذکور نے اگر ضبط تولید کا آپریشن کروایا اور اس کے بغیر چارۂ کار تھا تو وہ سخت گنہگار ہوئے۔ علانیہ توبہ و استغفار کے بعد مولوی مذکور کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم جمادی الآخری ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ مقبول احمد دھوبی ٹولہ کچھوچھہ شریف فیض آباد

عنین کی امامت درست ہے یا نہیں جب کہ ہر معنی میں وہ بہتر ہے؟

الجواب عنین اگر صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ اور صحیح القراۃ ہو اس میں کوئی دوسری وجہ مانع امامت نہ ہو تو اس کی امامت درست ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

یکم صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ محمد زکریا نیو بھیرم پوری پوسٹ ہر ہر چیتر ادرگاہ۔ کرناٹک۔

ایک امام جن کی زبان لقوہ کے سبب مار گئی اور حرف صحیح ادا نہیں ہوتے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جس امام کی زبان لقوہ سے مار گئی ہے اگر پڑھنے میں ان کے حروف صحیح نہیں ادا ہوتے تو صحیح پڑھنے والوں کی نماز ان کے پیچھے نہیں ہوگی۔ ایسے لوگوں کا ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں درمختار میں توتلے کے پیچھے فساد نماز کا حکم لکھ کر فرماتے ہیں ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از عبد الرشید حاجی محلہ بھساول ضلع جلگاؤں (مہاراشٹر)

ہمارے یہاں ایک ہی عیدگاہ ہے جس میں دیوبندی عقیدے کا امام نماز پڑھاتا ہے۔ تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر ہم لوگ کیا کریں۔

الجواب دیوبندی عقیدے والے اپنے خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ کے سبب کم از کم گمراہ وبدمذہب ضرور ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ یکرہ تقدیم المبتدع لانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئاً علی خلاف ما یعتقدہ اھل السنۃ (غنیہ ص۴۷۹) لہٰذا آپ لوگ دیوبندی امام کے نماز پڑھانے سے پہلے یا بعد اسی

عیدگاہ میں عید کی نماز الگ پڑھیں۔ اگر مخالفین روکیں اور عیدگاہ میں نہ پڑھنے دیں تو مسجد میں پڑھیں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۴ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از محمد الیاس اشرفی، پیر محمد رضوی سلی گوڑی (مغربی بنگال)

آدمی بالغ ہے مگر اس کو داڑھی نہیں ہوئی یا ہلکی ہلکی ہو رہی ہے وہ حافظ بھی ہو چکا ہے یا یہ کہ ایک مشت سے کم ہی داڑھی ہوتی ہے بڑھتی نہیں یا یہ کہ داڑھی نکلنے کا امکان ہی نہیں۔ بتایا جائے کہ ان لوگوں کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں اور ان کی اذان معتبر ہے کہ نہیں؟

الجواب مذکورہ اشخاص کے پیچھے نماز ہو جائے گی اور ان کی اذان بھی شرعاً معتبر ہے البتہ جو لوگ کہ داڑھی منڈاتے ہیں یا کٹا کر ایک مشت سے کم رکھتے ہیں ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کہ وہ فاسق معلن ہیں۔ ھذا خلاصۃ ما فی الکتب الفقھیۃ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از دین محمد رضوی مقام کھیتکو دایا جر تگڈیہہ ضلع گریڈیہہ (بہار)

ایک پیش امام نے ہرمونیم کے ساتھ ڈھول خود اپنے ہاتھ سے بجایا اور وہ بھی مدرسے کے اندر جو مسجد سے بالکل متصل ہے یعنی سامنے دو گز کے فاصلے پر ہیں۔ ایسے پیش امام کے پیچھے بغیر توبہ کئے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور جو نمازیں پڑھی گئی ہیں انکا کیا حکم ہے؟

الجواب جس امام نے ہرمونیم کے ساتھ اپنے ہاتھ سے ڈھول بجایا بغیر توبہ کئے اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں۔ ڈھول بجانے کے بعد توبہ سے پہلے جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں وہ دوبارہ پڑھی جائیں۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۵ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از رمضان علی۔ محمد جھیدی وغیرہم پٹھانہ جوت مہراج گنج (ترائی) گونڈہ

زید ایک مسجد کا امام ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک مدرسے کا مدرس بھی ہے۔ زید کے بھائی خالد کی باکرہ لڑکی کا نکاح حامد کے ساتھ ہوا تھا مابین زوجین غیر معمولی کشیدگی کی بنیاد پر ناراضگی بڑھتی گئی اور زید نے اپنے بھائی کے لڑکی کو حامد کے طلاق دئے بغیر دوسری جگہ شادی کر دی۔ اور وہاں بھیج دیا۔ اب ایسی صورت میں زید قابل امامت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مقتدیوں کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب زید نے اگر واقعی اپنے بھائی کی منکوحہ لڑکی کی شادی بغیر طلاق دوسری جگہ کر دی تو وہ شخص سخت گنہگار مستحق عذاب نار فاسق معلن اور دیوث ہے وہ ہرگز قابل امامت نہیں۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ اس واقعہ کے بعد جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان سب کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ درمختار مع شامی جلد اول ص۳۰۷ میں ہے کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از علاءالدین گگوانہ۔ اجمیر شریف۔

ایک شخص مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتا ہے عرصہ تین چار ماہ قبل موٹر سے گرنے سے پاؤں کی کولہی میں فریکچر ہو گیا ہے۔ وہ ٹھیک ہونے پر امامت کے فرائض دوبارہ انجام دے رہا ہے رکوع سجدہ قیام میں کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف یا دقت نہیں ہوتی۔ کیا کولہی میں فریکچر ہو جانے کے باعث اب دوبارہ وہ از روئے شرع امامت کے فرائض انجام دے سکتا ہے یا نہیں جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیں۔

الجواب اگر رکوع اور سجود وغیرہ صحیح طور پر ادا ہو جاتے ہوں تو فریکچر ہونا مانع امامت نہیں۔ لہذا شخص مذکور اگر صحیح عقیدہ، صحیح الطہارۃ اور صحیح القراۃ ہو تو فریکچر کے بعد بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۵ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از نذیر حیات قادری مقام پوسٹ کوہی ضلع باندہ

زید جو کہ ایک مسجد کا پیش امام ہے۔ سالہا سال سے لوگوں کو پانچوں وقت کی نماز کے علاوہ عید الفطر

وعید بلاضحیٰ وغیرہ کی بھی نماز پڑھاتا ہے۔ اور وہ امام ایسے افعال کا مرتکب ہے جو عند الشرع ناجائز و حرام ہیں مثلاً ناچ دیکھنا وغیرہ اور قصداً جماعت سے نماز نہیں پڑھتا ہے اور مالک نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ نہیں دیتا، قربانی نہیں کرتا۔ اور جو نماز یں چھوٹ گئیں ان کی قضا نہیں پڑھتا اور نماز کے ضروری مسائل بھی نہیں معلوم۔ یہاں تک کہ نماز کے فرائض، واجبات بھی نہیں جانتا۔ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو امام بنانا درست ہے یا نہیں۔ اور اب تک جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب جو شخص کہ ناچ دیکھتا ہے، بلا عذر شرعی ترک جماعت کا عادی ہے، مالک نصاب ہونے کے باوجود زکوٰۃ نہیں دیتا، نہ قربانی کرتا ہے اور نماز کے مسائل سے بھی واقف نہیں ہے۔ ایسا شخص فاسق ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں۔ ان کا دوبارہ پڑھنا مسلمانوں پر لازم ہے علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ لو قدموا فاسقاً یأثمون بناءً علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ باموردینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلوٰۃ وفعل ما ینافیھا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ اھ (غنیۃ ص۴۷۹) اور درمختار میں ہے کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ تحریم تجب اعادتھا وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از فتح محمد چال چونہ بھٹی شانتا کروز (ویسٹ) بمبئی ۵۴

محلہ کی مسجد کے امام صاحب نے اپنے لڑکے عمر بیس (۲۰) سال تقریباً کو بغرض ملازمت عرب بھیجا۔ اور باہر بھیجنے کے لئے جو رقم دلال کو دی جاتی ہے۔ وہ رقم بطور قرض حسنہ نہ ملنے پر دو تین آدمیوں کے ذریعہ سود پر روپیہ جمع کرکے دلال کو دیا۔ نمازیوں میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ سود پر خود رقم لینے یا دوسرے کے ذریعہ لینے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اس لئے لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا بند کردیا۔ پھر دو دن کے بعد امام صاحب نے یہ کہا کہ میں نے اپنے لڑکے کے لئے صرف سودی روپیہ کی ضمانت لی تھی۔ اب میں توبہ کرتا ہوں آئندہ میں اس قسم کے گناہ میں نہ پڑوں گا۔ اور سودی روپیہ جو میرے لڑکے پر ہے وہ خود ادا کرے گا۔ اس بیچ میں لین دین میں بھی نہیں رہوں گا۔ اور پھر توبہ کے بعد لوگوں نے نماز شروع کردی ہے۔ واضح ہو کہ توبہ سے پہلے

چند آدمیوں کے سامنے اقرار کیا تھا کہ وہ سودی روپیہ میں نے لیا تھا اور توبہ میں کہا کہ روپیہ میرے لڑکے کو دیا ہے میں ضامن تھا اور ایسی ضمانت سے توبہ کرتا ہوں بعد توبہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب سود حرام اشد حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سود کا گناہ ایسے ستر گناہوں کے برابر ہے جن میں سب سے کم درجہ کا گناہ یہ ہے کہ مرد اپنی ماں سے زنا کرے (العیاذ باللہ) (ابن ماجہ۔ بیہقی) اور سود لینے والے اور دینے والے دونوں گناہ میں برابر ہیں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود لینے والوں، سود دینے والوں سودی دستاویز لکھنے والوں اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور فرمایا کہ وہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔ (مسلم شریف) لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر واقعی امام مذکور نے خود سودی روپیہ لیا تھا اور بعد میں کہا کہ میں صرف ضامن تھا تو امام پر سود اور جھوٹ دونوں سے توبہ کرنا واجب ہے اور جس طرح بھی ممکن ہو سودی روپیہ کا جلد سے جلد واپس کرنا لازم ہے۔ اگر باوجود امکان وہ سودی روپیہ واپس نہ کریں تو ان کے پیچھے توبہ کے بعد بھی نماز نہ پڑھیں۔ اور چند آدمیوں کے سامنے جو پہلے اقرار کیا تھا کہ سودی روپیہ میں نے لیا تھا۔ اگر اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے لڑکے نے لیا تھا کہ کبھی گھر والوں کا فعل بھی اپنی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ تو اس صورت میں امام پر سودی روپیہ نکلوانے اور اس پر راضی وضامن ہونے سے توبہ لازم ہے اور بعد توبہ ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از پردھان محمد افضل موضع بستی پور۔ اکبر پور ضلع فیض آباد

زید حافظ قرآن ہیں۔ چالیس سال سے امامت بھی کر رہے ہیں۔ امامت اس طرح کرتے ہیں کہ عید و بقر عید کی نماز اور جب بھی وہ باہر سے آتے ہیں پابندی سے نماز پڑھاتے ہیں۔ زید چونکہ کچہری میں وکیل کے محرر ہیں اور گاؤں سے دور شہر میں محرری کرتے ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے محرر جو کہ وکیل کے محرر ہوں ان کے پیچھے نماز از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب محرر اگر سودی لین دین اور جھوٹے مقدمات کے کاغذات لکھتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا

جائز نہیں اس لئے کہ سودی دستاویز اور جھوٹ لکھنے والا ملعون و فاسق ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث شریف مروی ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٰکل الربٰو و موکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سود لینے والوں، سود دینے والوں، سودی دستاویز لکھنے والوں اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے اور فرمایا کہ وہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں (مسلم۔ مشکوٰۃ صـ٢٤٤) اور اگر محرر ناجائز امور کے کاغذات نہ لکھتا ہو اور نہ اس میں کوئی دوسری شرعی خرابی ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے کہ اس پرفتن دور میں اگرچہ ناجائز امور کے کاغذات لکھنا عام طور پر رائج ہے لیکن دنیا کے بعض نیک بندے ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو وکیل کے محرر ہونے کے باوجود ناجائز کاغذات نہ لکھتے ہوں بلکہ اس قسم کے کاغذات وکیل کے دوسرے محرر لکھتے ہوں جیسے کہ بعض لوگ بال بنانے کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں مگر داڑھی نہیں مونڈتے حالانکہ اس پیشہ میں آجکل حلق لحیہ غالب ہے۔ لہٰذا تاوقتیکہ ثابت نہ ہو جائے کہ محرر مذکور ناجائز اور جھوٹے مقدمات کے کاغذات لکھتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز نہیں قرار دیا جا سکتا کہ مطلقاً ہر محرر کی امامت کو ناجائز ٹھہرانا غلط ہے۔ ھٰذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ۔ جلال الدین احمد الامجدی

٢٢ صفر المظفر ١٤٠٣ھ

مسئلہ۔ از ماسٹر فیض محمد مدرسہ انوار العلوم شہرت گڑھ ضلع بستی

١۔ جس مولوی کی شادی نہ ہوئی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

٢۔ جس شخص کی داڑھی حد شرع سے کم ہو وہ امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب (١) مولوی مذکور اگر صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأت ہو اور اس میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو اگرچہ شادی نہ ہوئی ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

٢۔ اگر داڑھی حد شرع تک بڑھی نہ ہو تو وہ امامت کر سکتا ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ اور اگر داڑھی کٹوا کر حد شرع سے کم رکھتا ہو تو ایسا شخص امامت نہیں کر سکتا کہ ارتکاب حرام کے سبب وہ فاسق معلن ہے درمختار مع شامی جلد پنجم صـ٢٦٢ میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیتہ۔ اور بہار شریعت حصہ شانزدہم صـ١٩٧ میں ہے: داڑھی بڑھانا سنن انبیائے سابقین سے ہے منڈانا یا ایک مشت سے

کم کرنا حرام ہے۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ۔ از سید نیاز احمد قادری تاڑپتری ضلع اننت پور (اندھرا پردیش)

زید کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے۔ اگر دباؤ ڈالنے پر کبھی پڑھ لیا تو دہرا لیتا ہے۔ تو زید کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب اگر زید از راہ نفسانیت بلاوجہ شرعی کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ہے تو وہ گنہگار ہے لیکن اگر وہاں کے امام کوئی شرعی خرابی رکھتے ہوں مثلاً صحیح عقیدہ، صحیح طہارت یا صحیح قرأت والے نہیں ہیں یا داڑھی کتا کر ایک مشت سے کم رکھتے ہیں تو اس صورت میں زید حق بجانب ہے بیشک ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں کما ھو مصرح فی الکتب الفقھیۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

مسئلہ۔ از شیر محمد انصاری موضع لکھا ہی ڈاکخانہ مرزا پور، بلرامپور ضلع گونڈہ

ہمارے یہاں جائداد کی تقسیم شرعی طور پر نہیں ہوتی ہے، لڑکی کو حصہ نہیں جاتا؛ بیوہ کی صرف پرورش ہوتی ہے حصہ نہیں ملتا ہے۔ یہ رائج ہی چلتا ہے۔ تو شرعی حصہ نہ لینے اور نہ دینے پر امامت کے لئے کیا حکم ہوگا جبکہ اکثر حضرات الا ما شاء اللہ اس فعل میں ملوث ہوں گے۔ بینوا توجروا

الجواب جائداد کا شرعی طور پر تقسیم نہ کرنا یعنی ماں بہن وغیرہ عورتوں کو حصہ نہ دینا حرام ہے اور فعل حرام میں اکثر لوگ ملوث ہوں تو وہ حلال نہیں ہو جائے گا ــــــ اپنا حصہ شرعی نہ لینے پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن دوسروں کا حصہ غصب کرنے والا اگر صاحب حق کو حصہ نہ دے اور نہ معاف کرالے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ۔ از سمیع اللہ موضع جلال ضلع فتحپور

غیر قاری کے پیچھے قاری کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب جو ما یجوز بہ الصلاۃ قرأت نہ کرتا ہو وہی عند الشرع غیر قاری اور امی ہے ایسے شخص کے پیچھے قاری یعنی ما یجوز بہ الصلاۃ قرأت کرنے والے کی نماز نہ ہوگی فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ میں ہے لا یصح اقتداء القاری بالامی کذا فی فتاوی قاضی خاں وھو تعالی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ر جمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ - از نصیر احمد قادری گدی پور گونڈہ

زید نے ایک وہابی کا نکاح پڑھا۔ زید سے پوچھنے پر وہ کہتا ہے کہ میں نے ناجانکاری میں پڑھا ہے زید چونکہ مسجد کا امام اور مدرسہ کا مدرس ہے تو بغیر تجدید ایمان اور تجدید نکاح کے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ہے جواب فرما کر عند اللہ ماجور ہوں؟

الجواب زید نے اگر واقعی ناجانکاری میں وہابی کا نکاح پڑھا دیا ہے تو تجدید ایمان تجدید نکاح کے بغیر اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو لیکن زید آئندہ بلا تحقیق کوئی نکاح نہ پڑھنے کا لوگوں کے سامنے عہد کرے اور نکاحانہ پیسہ واپس کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور اس کا بائیکاٹ کریں۔ وھو تعالی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ر ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ - از محمد وکیل بھٹلا ضلع بستی

خالد نے جان بوجھ کر ہندہ کا نکاح محمود وہابی کے ساتھ پڑھ دیا عند الشرع خالد پر کیا حکم ہے؟ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب وہابی کے ساتھ نکاح پڑھنا جائز نہیں۔ خالد سخت گنہگار لائق عذاب قہار ہے۔ اس پر لازم ہے کہ مجمع عام میں لوگوں کے سامنے علانیہ توبہ واستغفار کرے اور اپنی غلطی پر نادم ہو اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور نہ اس سے کسی قسم کا

اسلامی تعلق رکھنا جائز ہے۔ ھذا ما ظھر لی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۸؍ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ

مسئلہ ۔ از معشوق علی ساکن دسیا پوسٹ چھیتا بازار ضلع بستی

زید پڑھا لکھا ہوشیار ہے اور مدرس کی حیثیت سے علم دین کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ اور اس نے ایک مرتبہ فلم دیکھا اور دوسرے مرتبہ پھر دیکھنے کے لئے گیا مگر اس مرتبہ ٹکٹ نہ پانے کی وجہ سے مایوس ہوکر واپس چلا آیا۔ اور وہی امامت بھی کرتا ہے۔ آیا اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ایسا شخص فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ لہٰذا فلم دیکھنے کے بعد جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ہیں ان کو دوبارہ پڑھیں۔ اور آئندہ تاوقتیکہ وہ توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ وھو تعالیٰ و سبحانہ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۷؍ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از حافظ عبد الجبار ۵/۸۵ حویلی کبیر خاں بیکی منڈی۔ آگرہ۔

کھڑے ہوکر تکبیر سننا کیسا ہے۔ خطبہ کی اذان مسجد کے باہر ہونا چاہئے یا اندر؟ حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ اپنی مسجد کے امام کو ہم نے تحقیقانہ فیصلہ دکھا کر ان مسائل سے آگاہ کیا مگر وہ ہٹ دھرمی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غلط ہے۔ تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا!

الجواب کھڑے ہوکر تکبیر سننا مکروہ و منع ہے جیسا کہ ہماری کتاب تحقیقانہ فیصلہ کے حوالوں سے ثابت ہے خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے مسجد کے باہر پڑھنا سنت ہے جیسا کہ سرکار اقدس صلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ مبارک میں رائج تھا۔ اور مسجد کے اندر منبر کے قریب جیسا کہ بعض مسجدوں میں رائج ہے خلاف سنت، مکروہ اور منع ہے حوالہ کے لئے تحقیقانہ فیصلہ میں ابوداؤد شریف کی حدیث اور فقہائے کرام کی عبارتیں کافی ہیں۔ ان مسائل کی مخالفت کرنے والے عموماً گمراہ و بدمذہب ہوتے ہیں۔ لہٰذا امام مذکور اگر گمراہ ہے تو اسکے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں و ھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۴؍ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از شیخ عبدالرحمٰن جھلائی دوکان۔ مقام و پوسٹ پٹامنڈی۔ ضلع کٹک

۱۔ زید نے اپنی خوشی سے اپنے نئے مکان میں اذان دے کر کچھ عوام کو لیکر نماز پنجگانہ شروع کیا اور تکبیر بھی پڑھوا لیا خود اذان دیکر اس کی ابتدا کی جو کہ آج تک جاری ہے اور باقاعدہ پیش امام بھی باہر سے لاکر رکھ دیا ہے مسجد قدیم جو کہ آبادی کے وقت سے قائم ہے اور پچاس گز کے فاصلے پر ہے آیا نئی مسجد جس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں مسجد کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟

۲۔ زید اور پیش امام نے مل کر مصلیوں میں تفرقہ ڈال دیا ہے اور پرانی مسجد کو برباد کرنے کی کوشش میں لگا ہے اور جاہل عوام کو بہکا کر مسجد قدیم سے الگ کر دیا ہے ایسے پیش امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور زید پر اور جن لوگوں نے ساتھ دیا ہو شرع کا کیا حکم ہے؟

۳۔ پیش امام مسجد کچھ دن بریلوی مدرسہ میں چپراسی کا رہا پھر وہاں سے الگ ہونے کے بعد دیوبندی مدرسہ کا سفیر رہا اور مدرس بھی پھر دیوبندی بستی میں پیش امام رہا پھر چندہ کی غرض سے بریلوی بن کر آیا اور عوام میں نفاق ڈال کر الگ مسجد بنا کر نماز پڑھانا شروع کر دیا اور مسجد قدیم کو برباد کرنے میں لگا ہوا ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ اس پر شرع کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب ۱۔ نئی جگہ جہاں لوگوں کو اکٹھا کر کے زید نے نماز پڑھنی شروع کر دی ہے اگر اس جگہ کو مالک زمین نے مسجد قرار دے دیا ہے تو وہ مسجد کے حکم میں ہے اگرچہ مسجد جیسی عمارت نہ ہو۔

۲۔ جو شخص کہ کسی مسجد کو برباد کرنے کی کوشش کرے اور از راہ نفسانیت مصلیوں میں تفرقہ ڈالے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اور جو لوگ کہ ایسے شخص کا ساتھ دیں وہ گنہگار ہیں قال اللہ تعالٰی واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (پ ۷ ع ۱۴)

۳۔ شخص مذکور اگر ایسا ہے کہ دیوبندیوں میں دیوبندی بن جاتا ہے اور سنیوں میں سنی تو وہ دیوبندی بھی ہے اور منافق بھی اس کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز جائز نہیں اگرچہ وہ دیوبندیت سے توبہ بھی کرے۔ ہاں کچھ زمانہ گذرنے کے بعد جبکہ اس کی سنیت پر اطمینان ہو جائے تو اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ امیر المومنین غیظ المنافقین امام العادلین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب صبیغ سے جس پر بوجہ بحث متشابہات بدمذہبی کا اندیشہ تھا بعد ضرب شدید توبہ لی ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرمان بھیجا کہ مسلمان اس کے پاس نہ

بیٹھیں اس کے ساتھ خرید و فروخت نہ کریں بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو نہ جائیں مرجائے تو اس کے جنازہ پر حاضر نہ ہوں بتعمیل حکم احکم ایک مدت تک یہ حال رہا کہ اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے اور وہ آتا سب متفرق ہو جاتے جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرضی بھیجی کہ اب اس کا حال اچھا ہوگیا اس وقت اجازت فرمائی اخراج نصر المقدسی فی کتاب الحجۃ وابن عساکر (فتاوی رضویہ جلد سوم ص۲۱۳) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۵ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ - از احمد اللہ خاں محلہ کالستھانہ قصبہ رودولی شریف ضلع بارہ بنکی

محمد امین اہلسنت مسجد کا امام ہے اس کی عمر ۱۶ سال ہے گیارہ پارہ قرآن شریف حفظ کرچکا ہے کچھ مسائل سے واقفیت رکھتا ہے اس کے بالغ ہونے کی علامت پائی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب لڑکا کی عمر جب پندرہ سال کی ہو جائے تو وہ بالغ ہے اگرچہ اس میں آثار بلوغ نہ پائے جائیں اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد پنجم مطبوعہ مصر ص۵۳ میں ہے السن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریۃ اذا انتہیا الیہ خمس عشرۃ سنۃ عند ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وھو روایۃ عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وعلیہ الفتوی۔ لہٰذا اگر محمد امین کی عمر سولہ سال ہے اور وہ صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القراۃ ہے اور نماز کے ضروری مسائل جانتا ہے تو اگرچہ اس میں بالغ ہونے کی علامت نہ بھی پائی جائے اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۳ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ - از محمد وسیم الدین نیپالی متعلم دارالعلوم مبارکپور اعظم گڈھ

ایک شخص میں ذکر و خصیہ پائے جاتے ہیں اور مونچھ و داڑھی بھی پائی جاتی ہے لیکن اس کا پیشاب مقام مخصوص سے ہو کر نہیں گرتا ہے بلکہ اس کے نیچے سے گرتا ہے وہ خنثیٰ ہے یا نہیں؟ وہ شخص اذان و

اقامت کہہ سکتا ہے اور مردوں کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: شخص مذکور میں اگر مردوں کے مخصوص اعضا ذکر و خصیتین پائے جاتے ہیں اور عورتوں کے اعضا نہیں پائے جاتے صرف پیشاب مقام مخصوص کی بجائے نیچے سے گرتا ہے تو وہ شرعاً خنثیٰ نہیں بلکہ مرد ہے اس لئے کہ شریعت میں خنثیٰ اس شخص کو کہتے ہیں جس میں مرد و عورت دونوں کے مخصوص اعضا پائے جائیں یا ان دونوں کا کوئی بھی مخصوص عضو نہ پایا جائے جیسا کہ حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ التعریفات ص۹۱ میں تحریر فرماتے ہیں الخنثیٰ فی الشریعۃ شخص آلۃ الرجال والنساء اولیس لہ شئی منھما اصلاً اور طحطاوی علی مراقی ص۱۶۵ میں ہے ھو مالہ آلۃ الرجال والنساء جمیعا قہستانی اوفاقدھما معا اور عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول ص۱۵۲ میں ہے الخناثی المشکلۃ الذین لم یظہر کونھم من الرجال والنساء لکن معہ علامۃ الذکور والاناث کلیھما اولیس معہ شئی منھما اور غیاث اللغات میں ہے خنثیٰ بالضم وثلثہ مثلثہ ومفتوح بمعنی شخصیکہ علامت مرد وزن ہر دو داشتہ باشد از منتخب وصراح وبرہان۔ لہٰذا دوسرے مردوں کی طرح وہ بھی اذان واقامت کہہ سکتا ہے اور مردوں کی امامت بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ اور وجہ مانع امامت نہ ہو۔ وھو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ - از نائب بابا عرف جو کھوبا موضع دھوبی پوسٹ کنڈسری بازار ضلع بستی

زید سنی جماعت کا مستند عالم ہے۔ لیکن اپنی شادی و اپنے بھائی کی شادی وہابی کی لڑکی سے کی۔ اور اس کے گھر آتا جاتا ہے کھاتا پیتا ہے نیز تعلقات رکھتا ہے۔ لیکن خود اس کا ذبیحہ نہیں کھاتا ہے اور اس کے والد و دیگر گھر والے ذبیحہ بھی کھاتے ہیں۔ زید اپنے گھر والوں کو ذبیحہ کھانے سے منع نہیں کرتا ہے۔ اب ایسی صورت میں زید کو برائے نماز امام بنایا جا سکتا ہے کہ نہیں۔ نیز زید کے یہاں شادی و دیگر تقریبات میں ہم سنی مسلمان کھانا پینا کھا پی سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل واضح فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب وہابیوں نے اللہ و رسول جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں شدید گستاخیاں کی ہیں۔ جن کی بنا پر مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ نیز ہند و پاکستان کے سیکڑوں علمائے کرام ومفتیان عظام نے فتویٰ دیا ہے کہ یہ لوگ کافر و مرتد ہیں۔ ان کے یہاں شادی بیاہ کرنا

اور ان سے مسلمانوں کی طرح میل جول رکھنا، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ و امایُنسینّک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظّٰلمین (پ ۷ ع ۱۴) رئیس الفقہا حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں۔ ان القوم الظّٰلمین یعم المبتدع و الفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع (تفسیرات احمدیہ ص۲۵۵) اور حدیث شریف میں ہے ایّاکم وایّاھم لا یضلّونکم ولا یفتنونکم (مسلم شریف) اور مشرک کی طرح مرتد کا ذبیحہ بھی مردار ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد پنجم مصری ص۲۵۱ میں ہے: لا تؤکل ذبیحۃ اھل الشرک والمرتد اھ۔ تو زید جو اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں سے تعلقات رکھتا ہے۔ ان کے گھر آتا جاتا ہے اور کھاتا پیتا ہے نیز اپنے گھر والوں کو وہابیوں مرتدوں کا مرداری ذبیحہ کھانے سے منع نہیں کرتا۔ ایسے نماز کا امام نہ بنایا جائے کہ ایسے شخص کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے کہ بے وضو نماز پڑھا دیتا ہو یا بے نہائے امامت کر لیتا ہو۔ غنیہ شرح منیہ اور پھر فتاویٰ رضویہ میں ہے: لو قدموا فاسقا یاثمون بناء علیٰ ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریمۃ لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلاۃ وفعل ما ینافیھا بل ھو الغالب بالنظر الیٰ فسقہ اھ۔ اور زید کے گھر والے جب کہ وہابی کا مردار ذبیحہ کھاتے ہیں تو اس کے یہاں شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں سنیوں کا کھانا جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ از ضامن علی حبیبی متعلم صدر العلوم ریلوے مسجد بڑگاؤں (گونڈہ)۔

۱۔ زید ایک ایسی مسجد میں امامت کرتا ہے جس کی مجلس انتظامیہ مختلف المذاہب ہے۔ یعنی کوئی وہابی ہے تو کوئی جماعت اسلامی ہے۔ اور کوئی سنی۔ زید کے کھانے کی باری بھی ان سب حضرات کے یہاں ہے۔ زید سنی ہے مگر نشست و برخاست اور کھانا پینا دیوبندیوں وغیرہ کے یہاں ہے ایسی صورت میں زید کی امامت کے بارے میں کیا شرعی حکم کیا ہے؟

۲۔ مذکور زید کہتا ہے کہ میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے کھاتا ہوں انتظام ہونے پر نہ کھاؤں گا شرعاً یہ عذر قابل قبول ہے کہ نہیں اور اگر نہیں تو جتنی نمازیں زید کے پیچھے پڑھی گئیں تو اس کا اعادہ ہے کہ نہیں۔

۳۔ زید بازاروں میں اور شاہراہ عام پر سگریٹ نوشی کرتا ہوا گزرتا ہے۔ جس کی وجہ سے مقتدی بدظن ہیں امام کے لئے یہ فعل کیسا ہے؟

۴۔ مذکور زید ایک نامحرم کے یہاں جاتا ہے۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہوگی؟ حکم شرع سے واضح اور بین طور پر مطلع فرمائیں؟

الجواب دیوبندی نماد دین کے دشمن اور اللہ و رسول کی بارگاہ کے گستاخ و بے ادب ہیں ان کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا اور ان کے یہاں یاری سے کھانا ایمان کے کمزوری کی علامت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم ولا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم۔ یعنی بدمذہب اگر بیمار پڑیں تو ان کو عیادت نہ کرو اگر مرجائیں تو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہو، ان سے ملاقات ہو تو انھیں سلام نہ کرو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ، ان کے ساتھ شادی بیاہ نہ کرو، ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو (مسلم شریف) یہ حکم بدمذہبوں کا ہے اور مرتدین کے لئے حکم بہت سخت ہے۔

لہٰذا جو شخص کہ اللہ و رسول کے دشمنوں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتا ہے اور ان کے یہاں کھاتا پیتا ہے ایسا شخص بغیر غسل و وضو کے نماز بھی پڑھا سکتا ہے۔ اور زید کا یہ کہنا کہ میں اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ان کے یہاں کھاتا پیتا ہوں تو وہ مجبوریاں کیا ہیں؟ جو لوگ کہ اس کے ماں باپ کی شان میں گستاخیاں کریں اور ان کو گالیاں دیں کیا ان مجبوریوں کی وجہ سے ایسے لوگوں کے ساتھ وہ نشست و برخاست رکھے گا اور ان کے یہاں کھانے پینے گا؟ اگر نہیں تو پھر اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ وہ نشست و برخاست اور ان کے یہاں کھانا پینا کیونکر گوارہ کرتا ہے۔ اور زید کا بازار وغیرہ شاہراہ عام پر سگریٹ نوشی کرنا اس کے خفیف الحرکات ہونے کی خبر دیتا ہے۔ اور زید کا نامحرم کے یہاں آمد و رفت رکھنا حد فسق تک پہونچائے گا۔ اور اگر اس سے ہنسی مذاق کرتا ہے یا اس کے ساتھ تنہائی میں اٹھتا بیٹھتا ہے تو فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں جو نمازیں پڑھی گئیں ان کا اعادہ کیا جائے۔

حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں لو قدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان

كراهة تقليمية كراهة تحريمية لعدم اعتنائه بامور دينه وتساهله فى الاتيان بلوازمه فلا يبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلوٰة وفعل ما ينافيها بل هو الغالب بالنظر الى فسقه (غنیہ ص۴۷۹) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ اگر فاسق معلن ہے کہ علانیہ کبیرہ کا ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہے تو اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پڑھ لی ہو تو پھیرنی واجب (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۲۵۳) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ ربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از حافظ محمد اشفاق حسین صاحب: امام مسجد بھوانی پٹنہ ضلع کالاہانڈی ۔ اڑیسہ

ہمارے یہاں ایک حافظ صاحب جو اشرف علی کے مترجم قرآن شریف میں حفظ کیا ہے یہاں وہ امامت کرتے تھے جب لوگوں کو معلوم ہوا تو لوگوں نے کہا اس قرآن مجید کو دفن کر دو انھوں نے دفن نہیں کیا امامت چھوڑ دیئے ہیں دوسری جگہ قریب ہی امامت کرتے ہیں ابھی بھی قرآن شریف موجود ہے حافظ صاحب تو عالم نہیں ہیں صرف حافظ ہیں اگر کبھی کوئی سورت کا ترجمہ دیکھنا پڑتا ہوگا تو اسی میں دیکھتے ہوں گے آخر ان کو ضد کیا ہے قرآن شریف کیوں نہیں بدلتے جبکہ وہ اپنے کو سنی کہتے ہیں ۔ دوسرے یہ کہ یہی حافظ صاحب ابھی ابھی عرصہ چھ ماہ ہوا اپنے چھوٹے بھائی کی شادی ایک تبلیغی جماعت کا آدمی جو چلہ میں اکثر جایا کرتا ہے تبلیغی جماعت کا ہے اس کی لڑکی کے ساتھ شادی کی ہے کیا ضرورت تھی وہاں کرنے کی دوسری جگہ بھی کر سکتے ہیں کہتے ہیں ہم سنی بنا لیں گے مہربانی فرما کر تسلی بخش جواب دیں ۔

الجواب بعض حفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ جس قرآن مجید میں وہ حفظ کرتے ہیں اس قرآن مجید کی مدد سے اپنے حفظ کو برقرار رکھتے ہیں اور دوسرے قسم کے مطبوعہ قرآن مجید سے اپنے بھولے ہوئے کو یاد نہیں کر پاتے اگر حافظ مذکور کی ایسی ہی حالت ہے تو اسے اس قرآن مجید کے رکھنے اور پڑھنے میں معذور رکھا جائے گا لیکن اس کا ترجمہ اور تفسیر دیکھنا ہرگز جائز نہیں کہ دین و ایمان کے لئے زہر قاتل ہے اور اگر حافظ دوسرے قسم کے مطبوعہ قرآن مجید سے اپنے حفظ کو برقرار رکھ سکتا ہے اور اپنے بھولے ہوئے کو یاد کر سکتا ہے تو بیشک اسے اس قرآن مجید کو دفن کر دینا چاہئے کہ غیر عالم کے لئے اس کا ترجمہ اور تفسیر فتنہ ہے بلکہ عام علماء کو بھی اس کے ترجمہ اور تفسیر کے مطالعہ کی اجازت

نہیں۔ اور تبلیغی جماعت اور اس کی لڑکی اگر دیوبندی مولویوں کے عقائد کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص۸ تحذیر الناس ص۳، ۱۴، ۲۸ اور براہین قاطعہ ص۵۱ پر یقینی اطلاع پاتے ہوئے ان کفری عبارتوں کو حق سمجھتے ہیں تو بمطابق فتوی حسام الحرمین باپ مرتد ہے اس سے رشتہ کرنا جائز نہیں اور لڑکی مرتدہ ہے اس کا نکاح کسی سے منعقد ہی نہیں ہوسکتا جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول ص۲۶۳ میں ہے لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذالک لا یجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ مسلمہ اور کافرہ اصلیہ کسی سے جائز نہیں اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے اور اگر دیوبندیوں کے عقائد کفریہ کو باپ اور بیٹی حق نہیں سمجھتے لیکن ان کا طریقہ کار وہابیوں جیسا ہے اور دیوبندیوں کے پیچھے نماز جائز سمجھتے ہیں تو گمراہ ہیں اس صورت میں اگرچہ نکاح منعقد ہوگیا لیکن لڑکی کو توبہ کرانے کے بعد اس کے باپ کے یہاں آمد و رفت رکھنے سے روکنا اور سب کو اس کے تبلیغی باپ سے قطع تعلق رکھنا لازم ہے اگر حافظ مذکور تبلیغی جماعت کے آدمی سے قطع تعلق نہ کرے تو ایسا شخص قابل امامت نہیں۔ وھو سبحانہ وتعالی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ۔ از محمد آدم نوری موضع ٹیپر پوسٹ کرہی ضلع سدھارتھ نگر

ہمارے یہاں ایک خاندان آباد ہے جو پشت در پشت اپنے آپ کو شیخ کہتا رہا اور زکاۃ و خیرات کھاتا رہا اسی خاندان کے ایک نوجوان شخص نے کچھ پڑھ لیا تو اب وہ اپنے آپ کو سید کہنے اور لکھنے لگا جو منع کرنے پر نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ ہم سید ہی ہیں حالاں کہ اس کے پاس سید ہونے کا کوئی ثبوت نہیں اور گاؤں کے بڑے بوڑھوں کا بیان ہے کہ یہ شیخ ہیں۔ ہماری رشتہ داریاں ان کی شیخ ہی برادری میں ہیں کوئی سید ان کا رشتہ دار نہیں ہے۔ وہی شخص مذکور بروقت گاؤں کے مکتب کا مدرس مقرر ہوا ہے جو مسجد کی امامت بھی کرتا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حدیث شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من ادعی الی غیر ابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ یوم القیامۃ صرفا ولا عدلا۔ ھذا مختصر۔ یعنی جو شخص اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی جانب اپنے آپ کو منسوب کرے تو اس پر خدائے تعالی اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالی قیامت کے دن نہ اس کا فرض

قبول کرے گا اور نہ نفل۔ بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہم نے یہ حدیث حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے (فتاوی رضویہ جلد پنجم ص ۴۴۶) لہذا شخص مذکور کا خاندان جب کہ پشتہا پشت سے شیخ مشہور ہے اور صدقہ و زکاۃ بھی کھاتا ہے اور اس کی ساری رشتہ داریاں شیخ برادری ہی میں ہیں اور اور اس کے پاس سید ہونے کا کوئی ثبوت نہیں مگر وہ اپنے آپ کو سید کہتا ہے تو اس کو آگاہ کیا جائے کہ جو شخص اپنا نسب غلط بتائے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور سارے فرشتوں اور سب آدمیوں کی بھی لعنت ہے مزید برآں اس کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی چاہے وہ فرض ہو یا نفل۔ حدیث شریف کے مضمون پر آگاہ ہونے کے بعد اگر شخص مذکور اپنا نسب غلط نہ بتانے کا عہد کرے اور توبہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ جو شخص اپنے اوپر اللہ کی اور سارے ملائکہ و انسان کی لعنت ہونے کو نہ ڈرے اور اپنی کسی عبادت کے قبول نہ ہونے کا خوف نہ کرے تو بہت ممکن ہے کہ ایسا شخص حالت ناپاکی میں نماز بھی پڑھا دے۔ علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غنیہ شرح منیہ میں فاسق کے پیچھے نماز جائز نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلاۃ وفعل ماینافیہا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ اھ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

مسئلہ ۔ از شیخ واجد صدر انجمن گلشن اسلامیہ سنہٹ ضلع بالاسور (اڑیسہ)

سیدی آقائی و مولائی قبلہ مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضور کی خدمت اقدس میں گذارش ہے کہ ہماری مسجد میں ایک امام ہیں جو پانچ وقت نماز پڑھاتے ہیں اور محلہ کے تمام کاموں کو بھی کرتے ہیں۔ پھر کاروبار میں بھی لگے ہیں۔ اور ایک دوکان بھی کر ڈالے ہیں روزانہ دوکان میں بیٹھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ تجارت میں جھوٹ بولا جاتا ہے۔ کیا ان کے پیچھے نماز درست ہے؟ حضور والا سے دست بستہ گذارش ہے کہ بہت جلد جواب عنایت فرمائیں۔ ہم بہت پریشان ہیں محلہ میں پھوٹ پیدا ہو گئی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب امام مذکور اگر صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ اور صحیح القراۃ ہو تو تجارت مانع امامت نہیں

اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور یہ خیال کہ تجارت میں جھوٹ بولا جاتا ہے غلط ہے۔ بے شمار مسلمان جنھیں اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناراضگی کا خوف ہے۔ اور اپنی عاقبت کے خراب ہونے کا ڈر ہے وہ بغیر جھوٹ بولے ہوئے تجارت کرتے ہیں۔ لھٰذا تاوقتیکہ امام کا جھوٹ بول کر تجارت کرنا ثابت نہ ہوجائے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی اور دوسری شرعی خرابی نہ ہو۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلی اعلم جل مجدہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از صوفی حسن علی۔ سی۔ ایس۔ ٹی روڈ کرلا۔ بمبئی ۷۰

بمبئی میں کچھ نام نہاد مولانا ایسے ہیں جو اپنے وطن سے بظاہر دین کا کام کرنے آئے ہیں لیکن حقیقت میں وہ صرف پیسہ کمانے آئے ہیں۔ جائز وناجائز اور حلال وحرام کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ بدمذہب ہو یا مرتد کوئی بھی انھیں نکاح پڑھانے کے لئے بلائے تو وہ بلا کھٹک نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ کسی محلہ میں اگر بدمذہب یا مرتد ہونے کے سبب نکاح پڑھانے سے کوئی امام انکار کر دیتا ہے تو یہ لوگ جاکر نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ اگر کوئی ان کے اس فعل پر اعتراض کرتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ اس کا بدمذہب ہونا ہم کو معلوم نہیں تھا۔ حالانکہ جب دوسرے محلہ کے لوگ نکاح پڑھانے کے لئے بلانے آتے ہیں تو انھیں اس محلہ کے امام اور مولانا سے پوچھنا چاہئے کہ آپ نے نکاح کیوں نہیں پڑھایا۔ لیکن وہ کچھ نہیں پوچھتے۔ بدمذہب ہو، مرتد۔ وہ سب کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ پیسہ ملے چاہے جیسا ملے۔ تو ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب اگر واقعی وہ لوگ ایسے ہی ہیں جیسا کہ سوال میں لکھا گیا ہے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ جب وہ حلال وحرام کی پروا نہیں کرتے اور مرتد کے ساتھ نکاح پڑھا کر زنا کا دروازہ کھولنے سے نہیں ڈرتے تو وہ بغیر وضو اور غسل کے نماز بھی پڑھا سکتے ہیں۔ ایسے لوگ سخت فاسق ہیں اور فاسق کے پیچھے نماز ناجائز کما صرح فی الکتب الفقھیۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

بَابُ الجَمَاعَۃ

جماعت کا بیان

مسئلہ۔ از غلام جیلانی ڈھورہرا۔ ضلع بستی۔

ظہر کی جماعت کے لئے کم از کم کتنے مقتدی کا ہونا ضروری ہے؟

الجواب جمعہ اور عیدین کے علاوہ دیگر نمازوں کی جماعت کے لئے امام کے ساتھ کم از کم ایک مقتدی کا ہونا ضروری ہے درمختار میں ہے: قلها اثنان واحد مع الامام اور فتاوی عالمگیری میں ہے اذا زاد علی الواحد فی غیر الجمعۃ فہو جماعۃ کذا فی السراجیۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از بھاؤپور بستی مرسلہ ارکان مدرسہ عربیہ مخزن العلوم

(۱) امام کے لئے کتنے شرائط کی پابندی ضروری ہے اور نماز جماعت سے اعراض کی شرعاً کتنی صورتیں ہیں اور بلا وجہ شرعی محض ضد و نفسانیت سے عمداً ترک جماعت کا مرتکب کیسا ہے؟ (۲) ایک ایسی جگہ جہاں امام معین موجود ہو اور جہاں ایک ہی مسجد اور ایک ہی عیدگاہ ہو کیا اسی عیدگاہ میں دو مختلف جماعتیں جائز ہیں اگر فتویٰ جواز پر ہو تو حوالہ تحریر فرمائیں اور اگر ایک ہی جماعت درست ہے تو وہ جماعت کون سی ہے امام معین کی یا دوسری جماعت؟ نیز فریق ثانی کا جرم کس درجہ کا ہے؟

الجواب (۱) مرد غیر معذور کے امام کے لئے چھ[۶] شرائط کا جامع ہونا لازم ہے۔ اسلام[۱]۔ عقل[۲]۔ بلوغ[۳]۔ مرد[۴] ہونا غیر معذور[۵] ہونا۔ قرأت[۶]۔ شامی میں ہے شروط الامامۃ للرجال الاصحاء ستۃ اشیاء الاسلام والبلوغ والعقل والذکورۃ والقراءۃ والسلامۃ من الاعذار اھ۔ جس جماعت کا امام فاسق معلن یا بدمذہب ہو اس سے اعراض کرنا ضروری۔ بلا وجہ شرعی محض ضد و نفسانیت سے عمداً ترک

جماعت کا ارتکاب گناہ ہے اور بار بار ترک جماعت پر فاسق مردود الشہادۃ ہوگا۔ (۲) عیدگاہ مذکور کے امام معین ہیں جب کہ شرعی قباحت نہ ہو تو اس عیدگاہ میں دو مختلف جماعتیں جائز نہیں جماعت اسی امام معین کی درست ہے۔ فریق ثانی پر تفریق بین المسلمین کا جرم عائد ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ بدر الدین احمد رضوی

۱۷ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از محمد سلیم حبیبی (ہوڑہ)

(۱) اگر جماعت کا وقت ہونے پر تکبیر اقامت کہدے اور ایک شخص درمیان صف سنت پڑھ رہا ہے تو اس کے بعد والے لوگ اس کے اختتام نماز کا انتظار کریں گے یا اس کے پڑھتے ہوئے نماز کی نیت باندھ لیں گے اور اپنی نماز پوری کرکے وہ شخص بھی اپنی جگہ درمیان میں ہاتھ باندھ کر شامل ہو جائیگا۔ اگر ایسا ہو تو قطع صف ہوگا یا نہیں؟

(۲) پہلی صف بالغوں سے پر ہے دوسری صف میں نابالغ بچے کھڑے ہیں۔ اب بعد میں آنے والے بالغ حضرات صف میں کہاں کھڑے ہوں جب کہ لڑکوں کی صف پوری نہیں ہے بلکہ دائیں بائیں جگہ خالی ہے۔

الجواب ــــــــ (۱) اس کا انتظار نہیں ہوگا۔ اس کے پڑھتے ہوئے دوسرے لوگ نماز کی نیت باندھ لیں گے اور وہ شخص اپنی نماز پوری کرکے شامل ہو جائے گا۔ اور یہ صورت قطع صف میں داخل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) بعد میں آنے والے بالغ حضرات لڑکوں کی صف میں کھڑے ہوں کہ اس مسئلہ میں نابالغ بالغ کے حکم میں ہے لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی بانس والیتیم و اقامھما خلفہ۔ مشکوٰۃ شریف باب الموقف میں ہے عن انس قال صلیت وانا ویتیم فی بیتنا خلف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وام سلیم خلفنا۔ رواہ مسلم بحر الرائق میں ہے ظاھر حدیث انس انہ یستوی بین الرجل والصبی ویکونان خلفہ فانہ قال فصففت انا والیتیم وراءہ والعجوز من ورائنا ویقتضی ایضا ان للصبی الواحد لا یکون منفردا عن صف الرجال بل یدخل فی صفھم اھ

توجب ایک بالغ اور نابالغ کی صف قائم ہوسکتی ہے اور ایک نابالغ مردوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوسکتا ہے تو صورت مسئولہ میں چند بالغ نابالغوں کے برابر بھی کھڑے ہوسکتے ہیں اور یصف الرجال ثم الصبیان کا حکم وجوبی نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از حاجی محمود شاہ ابوالعلائی محمد اسٹیٹ سی۔ ایس۔ ٹی روڈ کالینہ بمبئی ۹۸

ہمارے محلہ میں محمدی مسجد کے امام اور مقتدی سنی حنفی ہیں جس میں کچھ غیر مقلد آکر جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور بلند آواز سے آمین کہتے اور رفع یدین کرتے ہیں تو اس سے حنفیوں کی نماز میں خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ ان کو حنفیوں کی مسجد میں آنے سے روکنا کیسا ہے؟ اور جو لوگ کہ ہماری جماعت میں ان کے شریک ہونے پر راضی ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب: جماعت میں غیر مقلدوں کے شریک ہونے سے بیشک نماز میں خرابی پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ ان کی نماز باطل ہے تو جس صف کے بیچ میں وہ کھڑے ہوتے ہیں شریعت کے نزدیک حقیقت میں وہ جگہ خالی ہوتی ہے جس سے صف قطع ہوتی ہے اور قطع صف حرام ہے۔ حنفیوں پر لازم ہے کہ ان کو اپنی مسجد میں آنے سے منع کریں اگر قدرت کے باوجود ان کو نہیں روکیں گے تو گنہگار ہوں گے۔ اور جو لوگ کہ حنفیوں کی جماعت میں ان کے شریک ہونے پر راضی ہیں وہ بھی گنہگار مستحق وعید عذاب ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین زمانہ بحکم فقہاء و تصریحات عامہ کتب فقہ کافر تھے ہی جس کا روشن بیان رسالہ الکوکبۃ الشہابیہ و رسالہ سل السیوف و رسالہ النہی الاکید وغیرہا میں ہے اور تجربہ نے ثابت کر دیا کہ وہ ضرور منکرین ضروریات دین ہیں اور ان کے منکروں کے حامی وہمراہ تو یقیناً قطعاً اجماعاً ان کے کفر و ارتداد میں شک نہیں اور کافر کی نماز باطل تو وہ جس صف میں کھڑے ہوں گے اتنی جگہ خالی ہوگی اور صف قطع ہوگی اور قطع صف حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا قطعہ اللہ جو صف کو ملائے اللہ اسے اپنی رحمت سے ملائے اور جو صف قطع کرے اللہ اسے اپنی رحمت سے جدا کرے۔ تو جتنے اہل سنت ان کی شرکت پر راضی ہوں گے یا باوصف قدرت منع نہ کریں گے سب گنہگار و مستحق وعید عذاب ہوں گے (فتاویٰ رضویہ جلد سوم)

ص۳۵۶) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از شیخ لعل محمد امام اقصیٰ مسجد پوسٹ و مقام پوسد ضلع ایوت محل (مہاراشٹر)

(۱) مسجد محلہ جس کا امام و مؤذن مقرر ہے بطریق مسنون جماعت ہو چکی ہے اب دوسری جماعت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب فقہ تحریر فرمائیں۔

(۲) یہاں پر دستور ہے کہ نماز پڑھانے کے بعد امام اپنی جگہ ہی پر نماز پڑھتا ہے اور سنت و نوافل پڑھنے کے بعد دعائے ثانی باآواز بلند کرتا ہے بعدہٗ فاتحہ پڑھتا ہے اور ایسا ہر نماز پنجگانہ کے بعد کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ ایسا کرنے کو ناجائز و بدعت کہتے ہیں۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ امام کا اپنی ہی جگہ پر رہ کر نماز پڑھنا اور بعد نماز فاتحہ پڑھنا اور اس کا دستور بنا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ قرآن و حدیث جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب (۱) مسجد محلہ جس میں امام و مؤذن مقرر ہوں اس میں محلہ والے بطریق مسنون موافق المذہب امام کے پیچھے جماعت کر چکے اس کے بعد باقی لوگوں کا اس مسجد میں دوسری جماعت قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ظاہر الروایہ سے حکم کراہت نقل کیا گیا ہے۔ مگر فقہائے کرام نے فرمایا کہ حکم کراہت صرف اس صورت میں ہے جب کہ باقی لوگ دوسری اذان کے ساتھ جماعت ثانیہ کریں ورنہ بالاجماع مکروہ نہیں۔ اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر باقی لوگ اذان جدید کے ساتھ اعادۂ جماعت کریں تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر محراب نہ بدلیں تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر اذان دوبارہ نہ پڑھیں اور محراب بدل کر جماعت ثانیہ قائم کریں تو بلا کراہت جائز ہے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۸۳ میں ہے المسجد اذا کان امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ بالجماعۃ لایباح تکرارھا فیہ باذان ثان اما اذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعا وکذا فی مسجد قارعۃ الطریق کذا فی شرح المجمع للمصنف اھ۔ اور فتاویٰ بزازیہ جلد اول تا ہندیہ ص۹۲ ورد المحتار جلد اول ص۳۶۵ میں ہے عن ابی یوسف اذا لم تکن علی الھیئۃ الاولی لاتکرہ والاتکرہ وھو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئۃ۔

وزاد فی التاتارخانیۃ عن الولوالجیۃ وبہ ناخذ اھ۔ مگر یہ جماعت ثانیہ کا جواز صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو کبھی کسی عذر کے سبب جماعت اولیٰ کی حاضری سے محروم رہے نہ یہ کہ جماعت ثانیہ کے بھروسے پر بلا عذر شرعی قصداً جماعت ترک کرے یہ بلا شبہ ناجائز و گناہ ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲) جائز ہے بشرطیکہ اس کے خلاف کو ناجائز نہ سمجھتا ہو کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سب لوگوں کا مجموعی طور پر دعا کرنا اور سورۂ فاتحہ یا دوسری آیتوں کو تلاوت کے بعد اس کا ایصال ثواب کرنا شرعاً ممنوع نہیں کہ جدہ جب چاہے تنہا دعا کرے یا مجموعی طور پر اسے شریعت کی جانب سے اختیار دیا گیا ہے۔ اسی طرح اپنی تلاوت یا کسی کار خیر کے ایصال ثواب کا بھی ہر وقت مجاز ہے۔ رہا سوال اس کے دستور بنا لینے کا تو اس میں کوئی حرج نہیں جیسے کہ بعض لوگ بعد نماز فجر تلاوت قرآن کریم کا دستور بنا لیتے ہیں حالانکہ شریعت نے بعد نماز فجر تلاوت قرآن کے لئے وقت نہیں معین فرمایا ہے۔ اور بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ کان عبد اللہ بن مسعود یذکر الناس فی کل خمیس (مشکوٰۃ ص۳۳) یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرماتے تھے حالانکہ شریعت نے ہر جمعرات کو وعظ کے لئے حکم نہیں دیا ہے۔ رہا اس طریقے کو بدعت کہنا تو وہ بدعت ضرور ہے مگر بدعت سیئہ نہیں ہے بلکہ بدعت حسنہ یا بدعت مباحہ ہے اور بدعت حسنہ و بدعت مباحہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہیں۔ مثلاً مسلمان بچوں کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں کلموں کی تعداد، ان کی ترتیب اور ان کے نام سب بدعت ہیں۔ قرآن کریم کا تیس پارہ بنانا ان میں رکوع قائم کرنا اور اس پر زبر زیر وغیرہ لگانا اور آیتوں کا نمبر لگانا سب بدعت ہے حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا یہ بھی بدعت ہے اصول حدیث اور اصول فقہ کے سارے قاعدے قانون بدعت ہیں۔ فقہ اور علم کلام یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے نماز میں زبان سے نیت کرنا بدعت اور رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نعمۃ البدعۃ ھذہ یعنی یہ بہترین بدعت ہے (بخاری شریف مشکوٰۃ شریف ص۱۱۵) روزہ کی نیت اس طرح زبان سے کہنا نویت ان اصوم غداً للہ تعالیٰ من فرض رمضان اور افطار کے وقت زبان سے کہنا اللھم لک صمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت وعلیٰ رزقک افطرت یہ بھی دونوں بدعت ہیں اس طرح شریعت کے چار طریقے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ اور طریقت کے چار سلسلے

قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی سب بدعت ہیں اور ان کے وظیفے جو دستور کے مطابق پڑھے جاتے ہیں اور مراقبے وچلے وغیرہ بھی بدعت ہیں جن کو سب لوگ دین کا کام سمجھ کر کرتے ہیں لہذا جس طرح یہ سب بدعتیں جائز ہیں اسی طرح دعائے ثانی و فاتحہ کی بدعت بھی جائز ہے وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ - از سید عبدالرؤف مدرسہ عین العلوم بیت الانوار گیوال بیگھہ گیا۔

جامع مسجد اورنگ آباد میں نظام الاوقات کی پابندی کے ساتھ نماز پنجگانہ باجماعت ایک حافظ عالم کی امامت واقتدار میں مدتوں سے ہوتی چلی آئی ہے اندریں صورت اگر مختلف مصلین کا بعد اختتام جماعت اسی جامع مسجد میں کسی دوسرے امام کی امامت واقتدار میں جماعت ثانیہ کا اس بنیاد پر قائم کرنا کہ جامع مسجد بازار اور گذرگاہ عام پر واقع ہے تو کیا عندالاحناف از روئے فقہ جماعت ثانیہ کا قائم کرنا بلا کراہت جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب صورت مستفسرہ میں اورنگ آباد کی جامع مسجد اگر شارع عام یا بازار میں ہے جس کے لئے اہل معین نہیں تو بالاجماع اس میں جماعت ثانیہ ثالثہ اور رابعہ وغیرہ قائم کرنا جائز بلکہ شرعاً یہی مطلوب ہے کہ جو لوگ آتے جائیں باذان جدید وتکبیر جدید جماعت کرتے جائیں۔ اور اگر بازار یا گذرگاہ عام پر واقع ہونے کے باوجود اس کے اہل معین ہیں یعنی جماعت خاصہ سے مخصوص ہے تو امام کے سنی صحیح العقیدہ جامع شرائط امامت ہونے کی صورت میں قصداً جماعت اولیٰ کو چھوڑ کر بطور عادت جماعت ثانیہ قائم کرنا ہرگز درست نہیں۔ ہاں احیاناً کسی عذر کے سبب جماعت اولیٰ کی حاضری سے محروم رہے تو جماعت ثانیہ قائم ہو سکتی ہے۔ ھٰذا خلاصۃ ما قال الامام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی الجزء الثالث من الفتاوی الرضویۃ۔ اور اگر امام مذکور وہابی غیر مقلد یا وہابی دیوبندی یا مودودی یا تبلیغی یا صلح کلی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا باطل ہے اسے امامت سے الگ کر دیں اور اگر عدم استطاعت کے باعث الگ نہ کر سکیں تو اپنی جماعت الگ قائم کریں۔ شرح عقائد نسفی ص۱۱۵ میں ہے۔ لا کلام فی کراھۃ الصلوٰۃ خلف الفاسق والمبتدع ھٰذا اذا لم یؤد الفسق والبدعۃ الی حد الکفر اما اذا ادی الیہ فلا کلام فی عدم جواز الصلوٰۃ خلفہ اھ واللہ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
[illegible]

مسئلہ ۔ از محبوب خاں عرفانی ٹرسٹی جامع مسجد منچر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

نماز تہجد اور صلاۃ التسبیح جماعت کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے ؟

الجواب بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ۔ تداعی کے معنی ہیں ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اسے کثرت جماعت لازم عادی ہے جس کی تحدید یوں فرمائی گئی ہے کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلا کراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے ھکذا فی الفتاوی الرضویہ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ ۔ از محمد حنیف معرفت جمال وارثی پوسٹ پارہ کلاں ضلع رائے بریلی

(۱) جن لوگوں کے گھر پر اذان سنائی دیتی ہے اور وہ لوگ نماز فجر یا عشاء اپنے گھر ہی پڑھ لیتے ہیں ایسے لوگوں کی نمازیں گھر پر بلا عذر شرعی ہوں گی یا نہیں ؟

(۲) شرعی عذر کیا ہیں جن کی بنا پر گھر پر نماز پڑھنا درست ہے ؟

الجواب (۱) اللھم ھدایۃ الحق والصواب جماعت سے نماز پڑھنا واجب ہے تنویر الابصار اور درمختار میں ہے قیل واجبۃ وعلیہ العامۃ ای عامۃ مشایخنا وبہ جزم فی التحفۃ وغیرھا قال فی البحر وھو الراجح عند اھل المذھب اور حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی نماز قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ جو کچھ بے نمازیوں کے گھروں میں ہے اسے جلا دیں (مشکوٰۃ شریف) لہٰذا جو لوگ کہ بلا عذر شرعی نمازیں گھر پڑھ لیتے ہیں اگرچہ ان کی نمازیں ہو جاتی ہیں مگر ایک بار ایسا کرنے والا ترک جماعت کے سبب گنہگار مستحق سزا ہے اور کئی بار بلا عذر ترک جماعت کرنے والا فاسق مردود الشہادۃ ہے ۔ اگر پڑوسیوں نے سکوت کیا اور جماعت میں شریک ہونے کی تاکید نہیں کی تو وہ بھی گنہگار ہوں گے ۔ (بہار شریعت حصہ سوم ص۱۳۳) وھو تعالیٰ اعلم

(۲) اندھا یا اپاہج ہونا ، اتنا بوڑھا یا بیمار ہونا کہ مسجد تک جانے سے عاجز ہو سخت بارش یا شدید کیچڑ کا حائل ہونا ، آندھی یا سخت اندھیری یا سخت سردی کا ہونا اور پاخانہ پیشاب کی شدید حاجت کا ہونا وغیرہ

(بہار شریعت حصہ سوم ص ۲۳۹ بحوالہ درمختار) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۵ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ - از محمد حنیف مدرسہ اسلامیہ جلال پور سکندرہ پوسٹ دیا پور ضلع کانپور

وہ کیا کیا عذر ہیں جن کی بنا پر گھر نماز پڑھ سکتے ہیں ؟

الجواب نفل نماز بلا عذر شرعی اپنے اپنے گھروں میں پڑھ سکتے ہیں اور فرض نماز کو جماعت سے پڑھنے کے لئے حدیث شریف میں بڑی تاکید آئی ہے لہٰذا بلا عذر شرعی جماعت چھوڑ کر گھر پہ نماز پڑھنا گناہ ہے - مریض جسے مسجد تک جانے میں مشقت ہو۔ اپاہج جس کا پاؤں کٹ گیا ہو۔ جس پر فالج گرا ہو۔ اتنا بوڑھا کہ مسجد تک جانے سے عاجز ہو۔ اندھا اگرچہ اندھے کے لئے کوئی ایسا ہو جو مسجد تک پہونچا دے سخت بارش، اور شدید کیچڑ کا حائل ہونا، سخت سردی، سخت تاریکی، سخت آندھی، مال یا کھانے کے تلف ہوجانے کا اندیشہ، تنگ دست کو قرض خواہ کا خوف، ظالم کا خوف، پاخانہ پیشاب کی شدید حاجت، کھانا حاضر ہو اور نفس کی اس کی خواہش ہو۔ اور مریض کا تیمار دار ہونا کہ جس کے چلے جانے سے مریض کو تکلیف ہوگی یہ سب شرعاً عذر ہیں ان صورتوں میں جماعت چھوڑ کر گھر پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
ربیع الاول ۱۴۰۱ھ

مسئلہ - از محمد طاہر پاشا مقام بنکاپور ضلع دھارواڑ (کرناٹک)

(۱) نماز میں امام کا وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرنا چاہیے ؟

(۲) دو آدمی نماز پڑھ رہے تھے - تیسرا آدمی جماعت میں شامل ہونا چاہتا ہے تو وہ کس طرح جماعت میں شامل ہو۔ زید کہتا ہے کہ وہ امام کو اشارہ کرے اور امام قرأت کرتے ہوئے سیدھے پیر کا انگوٹھا نہ اٹھاتے ہوئے آگے بڑھے تو کیا یہ صحیح ہے یا غلط ؟ اگر غلط ہے تو صحیح کیا ہے ؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب (۱) نماز میں امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ دوسرے کو امامت کے لئے خلیفہ بنا سکتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام ناک بند کرکے بیٹھ جھکا کر پیچھے ہٹے اور اشارہ سے کسی کو خلیفہ بنانے میں کسی سے بات نہ کرے درمختار میں ہے استخلف ای جاز لہ ذلک اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری

ص۴۰۸ میں ہے صورۃ الاستخلاف ان یتاخر محدودبا واضعا یدہ علی انفہ یوھم انہ قدرعف ویقدم من الصف الذی یلیہ ولا یستخلف بالکلام بل بالاشارۃ اھ لیکن چونکہ خلیفہ بنانے کا مسئلہ ایک ایسا سخت دشوار مسئلہ ہے کہ جس کے لئے شرائط بہت ہیں اور مختلف صورتوں میں مختلف احکام ہیں جن کی پوری رعایت عام لوگوں سے مشکل ہے اس لئے جوبات افضل ہے اسی پر عمل کریں یعنی وہ نیت توڑ دی جائے اور از سر نو نماز پڑھی جائے بلکہ جو لوگ کہ علم کافی رکھتے ہیں اور اس کے شرائط کی رعایت پر قادر ہیں ان کے لئے بھی از سر نو نماز پڑھنا افضل ہے ردالمحتار جلد اول ص۴۰۳ میں ہے استینافہ افضل ای بان یعمل عملا یقطع الصلاۃ ثم یشرع بعد الوضوء شرنبلالیہ عن الکافی اھ وھو سبحانہ اعلم

(۲) ایک شخص امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا تھا پھر تیسرے نے جماعت میں شامل ہونا چاہا تو امام آگے بڑھ جائے یا مقتدی پیچھے ہٹ جائے یا آنے والا خود اس کو پیچھے کھینچ لے تینوں صورتیں جائز ہیں ردالمحتار جلد اول ص۳۸۲ میں ہے اذا اقتدی بامام فجاء آخر یتقدم الامام موضع سجودہ کذا فی مختار النوازل وفی قھستانی عن الجلابی ان المقتدی یتاخر اھ اور فتح القدیر جلد اول ص۳۰۹ میں ہے لو اقتدی واحد بآخر فجاء ثالث یجذب المقتدی اھ لیکن اگر آنے والے کا حکم مان کر آگے بڑھا یا مقتدی پیچھے ہٹا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر حکم شرع پر عمل کرنے کی نیت سے حرکت کی تو نماز فاسد نہ ہوگی لہذا آنے والے کے اشارے کے بعد تھوڑا ٹھہرے پھر ہٹے درمختار میں ہے لو امتثل امرغیرہ فقیل لہ تقدم فتقدم فسدت بل یمکث ساعۃ ثم یتقدم برایہ قھستانی اھ۔ زید کا قول صحیح ہے مگر امام قرأت کرتے ہوئے اور سیدھے پیر کا انگوٹھا نہ اٹھاتے ہوئے بڑھنے کی شرط لگانا صحیح نہیں۔ وھو تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ از غلام مرتضٰی۔ سیوان (بہار)

اگر امام کی داہنی جانب مقتدی زیادہ ہوں اور بائیں جانب کچھ کم ہوں یا دونوں جانب برابر ہوں تو نئے آنے والے مقتدی کو کہاں کھڑا ہونا چاہیئے؟

الجواب بائیں جانب مقتدی کچھ کم ہوں تو آنے والے مقتدی کو بائیں جانب کھڑا ہونا افضل ہے کہ وہ اقرب الی الامام ہے اور دونوں جانب برابر ہونے کی صورت میں داہنی جانب کھڑا ہونا افضل ہے بحر الرائق میں ہے اذا استوی جانبا الامام فانہ یقوم الجائی عن یمینہ وان ترجح الیمین فانہ یقوم عن یسارہ اور عالمگیری میں ہے افضل مکان الماموم حیث یکون اقرب الی الامام فان تساوت المواضع ففی یمین الامام وھو الاحسن ھکذا فی المحیط۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ - از محمد ابو ظفر رضوی۔ بی ۱۲/۳۴ ریوڑی تالاب وارانسی۔

وہابی دیوبندی اگر صف میں کھڑا ہے تو صف منقطع ہوگی یا نہیں اور اگر ہم وہابی دیوبندی کو مسجد سے باہر کرتے ہیں تو فتنہ پیدا ہونے کا ڈر ہے تو اس صورت میں کیا کریں۔ حضور والا سے گذارش ہے کہ مذکورہ بالا مسئلہ کا مفصل و مدلل جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

الجواب وہابی دیوبندی اپنے کفریات قطعیہ کی بنا پر بمطابق فتویٰ حسام الحرمین مسلمان نہیں۔ ان کی نماز شرعاً نماز نہیں لہٰذا دیوبندی وہابی صف کے درمیان کھڑے ہوں گے تو یقیناً صف منقطع ہو گی سنیوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی مسجدوں میں اعلان کر دیں کہ کوئی وہابی دیوبندی ہماری صفوں میں نہ گھسے بلکہ ہماری مسجدوں میں نہ آئے کہ وہ موذی ہے اور ہر موذی کو مسجد میں آنے سے روکنا لازم ہے درمختار میں ہے یمنع منہ کل موذ ولو بلسانہ ملخصاً یعنی ایذا دینے والے کو مسجد میں آنے سے روکا جائے اگرچہ وہ صرف زبان ہی سے ایذا دیتا ہو۔ تو اللہ عزوجل اور رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو گالیاں دینے والوں سے بڑھ کر موذی کون ہوگا لہٰذا ان کو مسجد میں آنے سے روکا جائے اور آجائیں تو باہر کر دیا جائے اور اگر باہر کرنے میں فتنہ ہوگا اور سنی اس فتنہ کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو اس صورت میں بھی ان کو باہر کرنا لازم ہے ہاں اگر فتنہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو باہر کرنا لازم نہیں لیکن اگر فتنہ نا بہانہ ہے اور حقیقت میں سنیوں کی سستی غفلت اور لاپرواہی سے وہابی دیوبندی سنیوں کی مسجد میں آتے ہیں اور صفوں میں گھستے ہیں تو اس محلہ کے سب سنی گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ

مسئلہ ۔ از محمد عبدالجبار مدرس مصباح العلوم بابا گنج ضلع بہرائچ

جماعت ہو رہی ہے اور مسجد میں نیچے جگہ نہیں ہے تو کیا بقیہ لوگ چھت پر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب اگر جماعت کے لئے تنگ ہو نیچے جگہ نہ ہو تو باقی لوگ مسجد کی چھت پر صف بندی کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں یہ بلاکراہت جائز ہے بشرطیکہ چھت پر اقتدا کرنے والوں کے لئے امام کا حال مشتبہ نہ ہو اور نیچے جگہ ہوتے ہوئے اوپر جماعت قائم کرنا مکروہ ہے۔ فتاوی رضویہ میں بحوالۂ عالمگیری منقول ہے الصعود علی کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لایکرہ الصعود علی سطحہ کذا فی الغرائب ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۹ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ

مسئلہ ۔ از حاجی عین اللہ بھگوت پور ضلع بستی

امام اتنا جلد باز ہے کہ مقتدی ثنا یا دعائے ماثورہ نہیں پڑھ پاتا تو مقتدی کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب امام کو اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے کہ مقتدی ثنا یا دعائے ماثورہ نہ پڑھ سکیں۔ اور پڑھنے میں اتنی دیر بھی نہ لگانی چاہیے کہ مقتدیوں پر گراں ہو۔ اگر امام نے قرأت شروع کر دی اور مقتدی ثنا مکمل نہ کر سکا تھا تو چھوڑ دے۔ اسی طرح اگر دعائے ماثورہ پوری نہ پڑھ سکا تھا کہ امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دے لیکن اگر مقتدی التحیات ورسولہ تک نہ پڑھ سکا تھا کہ تیسری رکعت کے لئے امام کھڑا ہو گیا یا قعدۂ اخیرہ میں سلام پھیر دیا تو مقتدی التحیات ورسولہ تک بغیر پڑھے نہ کھڑا ہو سکتا ہے نہ سلام پھیر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۶ جمادی الاخری ۱۳۸۰ھ

مسئلہ ۔ از اکرام حسین ساکن مجھوا سیٹھ پوسٹ ٹنڈوا ضلع بستی

ہمارے گاؤں میں دو سنت جماعت کی مسجد ہے اور دونوں سنت جماعت امام بھی مقرر ہیں۔ ایک مسجد ہمارے دروازے کے سامنے ہے اور دوسری مسجد گھر سے قریب سو گز کے دوری پر ہے نمازی کی تعداد دونوں

میں برابر ہے اور سامنے والی مسجد میں اذان ہو رہی ہو تو کیا ہم دور والی مسجد میں نماز جا کر ادا کریں یا گھر کے سامنے والی مسجد میں امام کہتا بھی ہے اگر مجھ میں کسی قسم کی خرابی پائی جائے تو آپ ہی نماز پڑھا سکتے ہیں۔ پھر وہ اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتا ہے یعنی گھر کے سامنے والی مسجد میں اب اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے ویسے تو ہم کہیں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔

الجواب قریب کی مسجد کی جماعت کو چھوڑ کر دور کی مسجد میں جانے والا اگر اس مسجد کا امام یا موذن یا مقیم جماعت ہو یعنی اس کے رہ جانے کے سبب جماعت میں خلل کا اندیشہ ہو یا کوئی اور وجہ شرعی ضروری ہو تو دور کی مسجد میں جانا ضروری ہے اور اگر کوئی وجہ شرعی نہ ہو تو قریب کی مسجد کو چھوڑ کر دور کی مسجد میں جانا بہتر نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ رجب المرجب ۱۳۸۹ھ

مسئلہ - از حافظ محمد اصغر علی موضع گوریا ڈاکخانہ حسین آباد گرنٹ تحصیل اترولہ (گونڈہ)

ہمارے یہاں دیہاتوں میں بعض جگہوں پر بعد نماز جمعہ فوراً دوبارہ تکبیر کہی جاتی ہے اور اسی مصلّی و مقام پر چار رکعت نماز فرض ظہر بجماعت پڑھی جاتی ہے اس پر کچھ لوگوں کا اعتراض ہے لہٰذا ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کافی ہے یا ظہر کی نماز بجماعت پڑھنا ضروری ہے اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ اور علمائے جمہور کا کیا حکم ہے؟ آگاہ فرمائیں۔

الجواب بالاتفاق علمائے حنفیہ دیہات میں جمعہ کی نماز کافی نہیں مگر جہاں عوام پڑھتے ہوں انہیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے ھدایہ جلد اول میں ہے لا تصح الجمعة الا فی مصر جامع او مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقوله علیه السلام لا جمعة ولا تشریق ولا اضحی الا فی مصر جامع اھ۔ لہٰذا دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھنے سے ظہر کی فرض نماز ساقط نہ ہوگی بلکہ اس کا پڑھنا ضروری ہے تو اسے اور دنوں کی طرح جماعت ہی سے پڑھیں کہ جماعت پر قادر ہوتے ہوئے فرض تنہا تنہا پڑھنا گناہ اس لئے جو لوگ جمعہ کے دن بھی چار رکعت نماز ظہر پڑھتے ہیں وہ حکم شرع پر عمل کرتے ہیں اور جو لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ کا مطالعہ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۹ صفر المظفر ۱۳۹۰ھ

مسئلہ ۔ عاشق علی بمبئی ٹیلرس چھاؤنی بستی ۔

زید ایک مرتبہ پالن (حقانی) کی تقریر میں اس خیال سے گیا کہ وہ کیا کہتا ہے اس کی تقریر کیسی ہے نیز دوسرے دن مع فیملی اور دو چار ساتھیوں کے بھی گیا جس پر مقامی علماء نے نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جس وقت گیا تو اس کو مسجد سے نکال کر باہر کر دیا جس پر زید نے کچھ بات چیت کرنا چاہی تو علماء نے کہا کہ تم سے ہمیں کوئی مطلب نہیں تم چلے جاؤ اس پر زید خاموش ہو کر واپس چلا آیا لہذا اب اس بارے میں کیا حکم ہے ؟

الجواب :- چونکہ پالن حقانی گمراہ و بد مذہب ہے اس لئے اس کی تقریر سننا مذہب حق اہلسنت وجماعت کے لئے زہر قاتل ہے لہذا ایک دن زید کا خود تقریر سننا اور دوسرے دن اہل وعیال اور دوست واحباب کو لے کر جانا حرام وناجائز ہے ۔ لے جانے اور جانے والوں پر توبہ واستغفار لازم ہے لیکن اگر زید سنی ہے تو صرف اس گناہ کے سبب اس کو مسجد سے نکالنا جائز نہیں مقامی علماء اگر مسجد سے نکالنے کے لئے اس گناہ کے علاوہ کوئی دوسری وجہ معقول نہ پیش کریں تو زید سے معافی مانگنا اور توبہ کرنا ان پر لازم ہے ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۶ ؍ شوال ۹۸ھ

مسئلہ ۔ از قاری شمس الدین محلہ مدمر کالپی شریف (جالون)

مقتدی امام کی چوتھی رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی ایک رکعت پڑھ کر التحیات پڑھے یا دو رکعت پڑھنے کے بعد التحیات پڑھے ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب :- اللھم ھدایۃ الحق والصواب ۔ حکم یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی ایک ہی رکعت پڑھ کر قعدۂ اولیٰ کرے ۔ پھر دوسری بلا قعدہ پڑھ کر تیسری پر قعدہ اخیرہ کرے ۔ درمختار میں ہے یقضی اول صلاتہ فی حق قراءۃ وآخرھا فی حق تشھد فمدرک رکعۃ من غیر فجر یاتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشھد بینھما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط ولا یقعد قبلھا ۔ اھ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم ۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ ؍ شوال ۹۳ھ

مسئلہ ۔ از غلام مرتضیٰ چشتی خطیب مسجد گلشن بغداد آزاد نگر گھاٹ کوپر بمبئی ۸۶

امام داہنی یا بائیں جانب سلام پھیر رہا ہے۔ آنے والا جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ آنے والا جماعت میں شریک ہونے کے لئے تکبیر تحریمہ کہہ چکا ہے۔ جماعت نہ ملنے کی صورت میں دوبارہ تکبیر تحریمہ کہے یا وہی کافی ہے؟

الجواب اگر امام پر سجدۂ سہو واجب تھا جس کے لئے وہ اپنی داہنی جانب سلام پھیر رہا تھا یا اسے سہو ہونا یاد نہ تھا اس لئے وہ بہ نیت قطع داہنی جانب سلام پھیرنے کے بعد بائیں جانب کے سلام میں مصروف تھا پھر کوئی فعل منافی نماز کرنے سے پہلے سجدہ کر لیا تو ان دونوں صورتوں میں سلام پھیرنے کے وقت آنے والا جماعت میں شریک ہوگا تو اس کی اقتدا صحیح ہوجائے گی۔ درمختار مع شامی جلد اوّل ص۵۰۳ میں ہے سلام من علیہ سجود سھو یخرجہ من الصلاۃ خروجا موقوفا ان سجد عاد الیھا والا لا وعلی ھذا فیصح الاقتداء بہ اھ۔ اور اگر سجدۂ سہو واجب نہ تھا مگر اس کے لئے سلام پھیر رہا تھا یا سہو ہونا یاد تھا اس کے باوجود بہ نیت قطع وہ سلام میں مشغول تھا یا ختم نماز کے لئے سلام پھیر رہا تھا اور سہو نہیں تھا تو ان صورتوں میں سلام پھیرنے کے وقت آنے والا اگر جماعت میں شریک ہوگا تو اس کی اقتدا صحیح نہ ہوگی اس لئے کہ سلام میں مشغول ہوتے ہی وہ نماز سے خارج ہوگیا۔ اور اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ دوبارہ کہے گا۔ وھو تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

بَابُ مَا يُفْسِدُ الصَّلٰوةَ

مفسداتِ نماز کا بیان

مسئلہ۔ از ملا محمد حسین اوجھا گنج، ضلع بستی۔

بعض لوگ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہوئے نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں تو اس سے نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب نستعین کو الف کے ساتھ نستاعین پڑھنا بے معنی ہے اس لئے اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے هٰكذا فى الجزء الثالث من الفتاوى الرضوية على صفحة ۱۹۱ ـ وهو سبحانه وتعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از ارشاد حسین صدیقی بانی مدرسہ دار العلوم امجدیہ محلہ کسان ٹولہ سنڈیلہ، ضلع ہردوئی

بعض لوگ نماز کے اندر قیام کی حالت میں خصوصاً تراویح میں اپنے جسم کو بار بار کھجلاتے ہیں تو اس سے نماز میں کچھ خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب ایک قیام میں تین بار کھجلانے سے نماز جاتی رہے گی یعنی اس طرح کہ کھجا کر ہاتھ ہٹایا پھر کھجایا پھر ہٹایا اسی طرح تین بار کیا۔ اور اگر ایک مرتبہ ہاتھ رکھ کر کئی بار حرکت دی تو یہ ایک ہی مرتبہ کھجلانا ہوا اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل مطبوعہ مصر صفحہ ۹۴ میں ہے اذا حك ثلاثا فى ركن واحد تفسد صلاته هٰذا اذا رفع يده فى كل مرة۔ اما اذا لم يرفع فى كل مرة فلا تفسد كذا فى الخلاصة۔ هٰذا ما عندى وهو تعالىٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ ۔ از سید اعجاز احمد تاڑپتری (آندھرا پردیش)

بہار شریعت، قانون شریعت، جنتی زیور اور سنی بہشتی زیور چاروں کتابوں کے اندر مسائل قراءت بیرون نماز کے بیان میں ہے کہ تلاوت کے شروع میں اَعُوْذُ بِاللہ پڑھنا واجب ہے مگر بعض لوگ کہتے ہیں کہ مستحب ہے تو صحیح کیا ہے؟

الجواب تلاوت کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں۔ اور بیشک بہار شریعت میں واجب چھپا ہے جس پر غنیہ کا حوالہ ہے حالانکہ غنیہ مطبوعہ رحیمیہ ص۴۹۳ میں ہے التعوذ یستحب مرۃ واحدۃ مالم یفصل بعمل دنیوی۔ تو معلوم ہوا کہ بہار شریعت میں بہت سے مسائل جو ناشرین کی غفلتوں سے غلط چھپ گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اور قانون شریعت، سنی بہشتی زیور اور جنتی زیور میں بہار شریعت پر اعتماد کرکے واجب لکھ دیا گیا مگر صحیح یہی ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں جیسا کہ تفسیر خازن جلد اول ص۱۳ میں ہے یستحب لقارئ القرآن خارج الصلوۃ ان یتعوذ ایضاً۔ اور اسی تفسیر خازن جلد چہارم ص۱۱۱ میں ہے اتفق سائر الفقہاء علی ان الاستعاذۃ سنۃ فی الصلاۃ وغیرھا۔ اور حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آیت کریمہ فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم (پ۱۴ ع ۱۹) کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت شروع کرنے کے وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا مستحب ہے۔ ھٰذا ما عندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۹؍صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از ظہور محمد میوہ فروش بھیلواڑہ (راجستھان)

زید نے فجر کی دوسری رکعت میں سورۂ فتح پ ۲۶ رکوع ۱۱ میں محمد رسول اللہ سے پڑھنا شروع کیا اور فی الانجیل پر رکعت پوری کر دی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں نماز بلا کراہت ہو گئی کہ فی الانجیل پر رکوع کر دینے سے فساد معنی نہیں ہے اور محمد رسول اللہ سے فی الانجیل تک تین چھوٹی آیتوں سے زیادہ بھی ہے ھٰذا ما عندی وھو اعلم بالصواب

کتبہ انوار احمد قادری
۱۵؍صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ سید اللہ بخش ۱۲؍۴ راجرجی اسٹریٹ اننت پور (آندھرا پردیش)

امام صاحب نے ایک آیت کریمہ کو غلط پڑھ کر چھوڑ دیا پھر سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں اور آخر میں سجدۂ سہو کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب امام صاحب نے اگر ایسا غلط پڑھا کہ جس سے معنیٰ فاسد ہوگئے تو اسے چھوڑ کر دوسری آیت کریمہ پڑھنے اور سجدۂ سہو کرنے سے بھی نماز نہیں ہوئی اور اگر معنیٰ فاسد نہ ہوئے تھے تو سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں سب کی نماز ہوگئی۔ لیکن جس مقتدی کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی تھیں اگر وہ امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک رہا تو فعل لغو میں اتباع کے سبب اس کی نماز باطل ہوگئی۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے اذا ظن الامام ان علیہ سھوًا فسجد للسھو وتابعہ المسبوق فی ذٰلک ثم علم ان الامام لم یکن علیہ سھوًا الاشھران صلاتہ تفسد وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از محمد رضا منیجر دار العلوم عربیہ اسلامیہ سعدی مدنپور ضلع باندہ

صوفی جمیل الدین عقیدت مرید الٰہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ملفوظات حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ہے کہ حضرت کی خدمت میں شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ شمس دبیر رحمۃ اللہ مولانا شمس الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرت بابا کی خدمت میں تشریف فرما تھے تو حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نماز ادا کر رہے تھے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی نے کسی کام کے لئے بلایا چونکہ یہ حالت نماز میں تھے جواب نہ دیا جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں نے آپ لوگوں کو آواز دی کیا آپ نے سنا نہیں ہے؟ عرض کی یارسول اللہ ہم حالت نماز میں تھے اس لئے جواب نہ دے سکے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمائی کہ جس وقت اللہ کا رسول تمہیں آواز دے تو تم اگر نماز میں بھی ہو تو بھی جواب دے دو یہ جواب تمہاری نماز سے بہتر ہے۔ ایک دفعہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک درویش حضرت شیخ علی سنجری تھا وہ نماز میں مشغول تھا قطب صاحب نے اس کو پکارا اس نے نماز

ترک کر کے شیخ کا جواب دیا۔ قطب صاحب نے فرمایا کہ تم نے نماز کی نیت کیوں توڑ دی اس نے جواب دیا کہ آپ کے بلانے کا جواب نماز سے افضل ہے کیونکہ اہل تصوف کے یہاں جب پیر مرید کو بلائے تو مرید کو لازم ہے کہ فوراً جواب دے اس جواب سے ایک سال کی عبادت لکھی جاتی ہے۔ ایک وقت حضرت بابا نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں مریدین حاضر تھے آپ علم الیقین حق الیقین وعین الیقین کا ذکر فرما رہے تھے اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا مفتی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مراد علی رہتے تھے ایک مرتبہ مولانا صاحب نے مراد علی کو بلایا یہ نماز پڑھ رہے تھے نیت توڑ کر حاضر ہوئے کچھ مراد علی سے دریافت کیا اس کے بعد مراد علی جا کر نماز پڑھنے لگے پھر ضرورت پر بلایا تو پھر نماز چھوڑ کر حاضر ہوئے فارغ ہو کر پھر نماز پڑھنے لگے پھر بلایا اس وقت نماز چھوڑ کر مع جانماز کے آگئے اور جانماز کو آگے رکھ دی مولانا صاحب نے کہا نماز کیوں ترک کر دی تو مراد علی نے جواب دیا کہ جب نماز ہی والا بلائے تو نماز کیا پڑھوں آپ نے حکم دیا کہ واپس جا کر نماز پڑھو اور اے مراد علی تو آخرت میں بھی ہمارے ساتھ رہے گا لہٰذا مراد علی بھی مولانا کے پاس نیاول شریف میں دفن ہوئے اس یقین اور تعمیل حکم کی وجہ سے آخرت میں بھی ساتھ رہے بغیر عشق ویقین کے معرفت نصیب نہیں ہو سکتی ہے۔

نوٹ:- یہ صوفی جمیل الدین نے ایک رسالہ شائع کیا اس لئے میں نے بعینہٖ اسی رسالے سے نقل کر دیا برائے مہربانی اس کا جواب دے کر ممنون فرمائیے، اس رسالے سے تہلکہ مچا ہے بالخصوص صوفی جمیل کے مریدوں کو سمجھانے میں بڑی دقت ہو رہی ہے۔

الجواب تفسیر خازن جلد ثالث صلا پر آیت کریمہ یایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم کی تفسیر میں ہے کہ حضرت ابو سعید بن معلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکارا میں نے جواب نہیں دیا۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر میں حضور کی بارگاہ میں آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا تو حضور نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم نہیں فرمایا ہے؟ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے جب کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے تو حضور نے انھیں پکارا۔ مگر انھوں نے جواب نہیں دیا پھر نماز پڑھ کر حضور کے دربار میں آئے۔ حضور نے فرمایا تم نے جواب کیوں نہیں دیا۔ انھوں نے عرض کیا

یارسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا حضور نے فرمایا کیا تو قرآن مجید میں یہ آیت کریمہ نہیں پاتا ہے استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم پھر اس کے بعد علامہ خازن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قیل ھذہ الاجابۃ مختصۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلی ھذا لیس لاحد ان یقطع صلاتہ لدعاء احد آخر وقیل لو دعاہ احد لامر مھم لا یحتمل التاخیر فلہ ان یقطع صلاتہ یعنی بعض فقہائے کرام نے فرمایا کہ حالت نماز میں جواب دینا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے لہٰذا دوسرے کے بلانے پر نماز کا توڑ دینا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسے اہم کام کے لئے پکار رہا ہو کہ جس میں تاخیر کی گنجائش نہ ہو تو نماز کا توڑ دینا جائز ہے (تفسیر خازن جلد ثالث صہ۲۱) اور اسی آیت کریمہ کے تحت تفسیر ابوالسعود میں ہے واختلف فیہ فقیل ھذا من خصائص دعائہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وقیل لانہ اجابتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا تقطع الصلوٰۃ وقیل کان ذلک الدعاء لامر مھم لا یحتمل التاخیر وللمصلی ان یقطع الصلوٰۃ لمثلہ یعنی نماز توڑنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے تو بعض لوگوں نے فرمایا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ اس لئے کہ حضور کو جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی ہے اور بعض لوگوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پکارنا ایسے اہم کام کے لئے تھا کہ جس میں تاخیر کی گنجائش نہیں تھی۔ اور ایسے کاموں کے لئے نماز کا توڑ دینا جائز ہے۔ اور بہار شریعت حصہ سوم صہ۱۴۲ میں ہے کہ ماں باپ دادا دادی وغیرہ اصول کے محض بلانے سے نماز کا قطع کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر ان کا پکارنا کسی بڑی مصیبت کے لئے ہو تو توڑ دے یہ حکم فرض کا ہے۔ اور اگر نفل نماز ہے اور ان کو معلوم ہے کہ نماز پڑھتا ہے تو ان کے معمولی پکارنے پر نماز نہ توڑے اور ان کا نماز پڑھنا انھیں معلوم نہ ہو اور پکارا تو توڑ دے اور جواب دے اگرچہ معمولی طور سے بلائیں (درمختار ردالمحتار جلد اول صہ۴۷۹) اسی طرح فقہ کی اور کتابوں میں بھی پیر یا کسی دوسرے دینی پیشوا کا استثناء نہیں کیا گیا ہے اسی لئے خلفائے راشدین وائمہ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پکارنے پر نماز کا توڑ دینا کتابوں میں نہیں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا بزرگوں کے بلانے پر نماز توڑ دینے کے جو واقعات ذکر کئے گئے ہیں یا تو ان بزرگوں کی جانب ان واقعات کا انتساب ہی غلط ہے اور یا تو پکارنا کسی ایسے اہم کام کے لئے تھا کہ جس میں تاخیر کی گنجائش نہیں تھی اور یا تو نماز نفل تھی اور دینی پیشوا کے لئے والدین کا درجہ مان کر نماز کو توڑ دیا گیا اور مولانا مفتی نور محمد سے مراد علی کا جو یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "جب نماز ہی والا بلاتا ہو تو نماز کیا پڑھوں" یہ

قول منجر الی الکفر ہے۔ اس پر توبہ و تجدید کے گرفت نہ کرنے اور خوشخبری سنانے کا قصہ غلط ہے ایک عالم دین اور مفتی کے بارے میں ایسے واقعے کا ہرگز یقین نہیں کیا جا سکتا۔ وھو تعالیٰ وسبحانہٗ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از غلام محی الدین سبحانی علاؤ الدین پور پوسٹ دولت پور گرنٹ۔ گونڈہ

سرکار امام اہلسنت اعلیٰحضرت کتاب فتاوی رضویہ جلد اول صفحہ پر ایک مسئلہ تحریر فرماتے ہیں کہ مرد نماز میں تھا عورت نے اس کا بوسہ لیا اس سے مرد کو خواہش پیدا ہوئی نماز جاتی رہی اگرچہ یہ اس کا اپنا فعل نہ تھا۔ اور عورت نماز پڑھتی ہو مرد بوسہ لے عورت کو خواہش پیدا ہو عورت کی نماز نہ جائے گی عرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟ ایک دیوبندی مولوی کہتا ہے کہ اعلیٰحضرت نے غلط لکھا ہے اور حوالہ دیتا ہے کہ فقہاء کرام کا متفق فیصلہ ہے کہ نماز باطل ہو جائے گی۔ لہٰذا سرکار والا بالتفصیل فتاوی رضویہ کے مسئلہ کو بیان فرمائیں۔

الجواب مسئلہ مذکورہ اختلافی ہے۔ در مختار و رد المحتار میں یہی ہے کہ عورت کو مرد نے بوسہ لیا تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن فقہ کی کئی معتبر کتابوں میں یہ بھی ہے کہ نہیں فاسد ہوگی مثلاً جوہرہ نیرہ جلد اول صفحہ میں ہے لو کانت ھی تصلی فقبلھا لاتفسد صلاتھا۔ یعنی اگر عورت نماز پڑھ رہی ہو اور مرد اسے بوسہ لے تو عورت کی نماز نہیں فاسد ہوگی۔ اور بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۳ پر شرح الزاہدی سے ہے لو قبل المصلیۃ لاتفسد صلاتھا وقال ابو جعفر ان کان بشھوۃ فسدت۔ یعنی اگر مرد نے نماز پڑھنے والی عورت کو بوسہ لیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور امام ابو جعفر نے فرمایا کہ اگر شہوت سے ہو تو فاسد ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس مسئلہ میں فقہائے کرام کے تین قول ہیں ایک تو یہ کہ شہوت ہو یا نہ ہو ہر صورت عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ دوسرے یہ کہ کسی حالت میں اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ تیسرے یہ کہ بوسہ اگر شہوت سے ہے تو فاسد ہوگی ورنہ نہیں۔ لہٰذا دیوبندی مولوی کا یہ کہنا غلط ہے کہ اعلیٰحضرت نے غلط لکھا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ نماز کے بطلان پر فقہائے کرام کا متفقہ فیصلہ بتانا دیوبندی کی کھلی ہوئی جہالت ہے۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۳ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از محمد حسین مدرسہ اسلامیہ رضویہ مسجد علی پورہ سسٹھ کے پاس ادے پور (راجستھان)

نماز جمعہ و عیدین لاؤڈاسپیکر پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں جواب مع حوالۂ کتب دیکر مشکور فرمائیں۔ ہمارے شہر ادے پور میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں انھوں نے لاؤڈاسپیکر پر نماز عید الفطر پڑھا دی۔ اور جب ان کے سامنے علمائے کرام کے فتوے رکھے گئے تو جواباً فرمایا کہ میں بھی مولوی مفتی ہوں نوّے فیصدی علماء میرے ساتھ ہیں اور جواز کے قائل ہیں۔ اور حضرت سیدی مفتیٔ اعظم ہند قبلہ کا فتویٰ جو کہ عدم جواز سے متعلق ہے اسے بھی رد فرما دیا اور ایک کثیر علمائے کرام کی کانفرنس کا تذکرہ کرتے ہوئے جو کہ موصوف کے الفاظ میں بریلی شریف منعقد ہوئی تھی فرمایا کہ جب اس کانفرنس میں حضرت مفتی اعظم ہند کو عدم جواز پر کوئی دلیل نہ ملی تو فرمایا کہ بحث نہ کرو اور مجھ بڈھے کی بات مان لو۔ ہمارے یہاں ایک عظیم فتنہ کھڑا ہو گیا ہے لہٰذا ان تمام باتوں کا تفصیلی جواب دیکر مشکور فرماتے ہوئے فتنہ کا سدباب کریں امید کہ پہلی فرصت میں جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔ (نوٹ) علمائے کرام کے دستخط بھی کرا دئے جائیں۔

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب نماز کے لئے خواہ جمعہ کی ہو یا عیدین کی لاؤڈاسپیکر کا استعمال ممنوع ہے۔ کیونکہ وہ ایک صورت میں رافع سنّت ہے اور دوسری صورت میں اسراف ہے۔ رہا ادے پور تو وارد مولوی صاحب کا یہ فرمانا کہ نوّے فیصدی علماء میرے ساتھ ہیں اور جواز کے قائل ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ قائلین جواز علماء کی تعداد نوّے فیصدی تک پہنچانا حقیقت حال کے ہرگز مطابق نہیں۔ ہاں اگر موصوف کے نزدیک مقررین، واعظین، خطباء مساجد، اور نوآموز فارغین یہ سب حضرات فقہی علماء ہیں تب تو نوّے فیصدی والی تعداد ضرور تسلیم کئے جانے کی گنجائش رکھتی ہے۔ لیکن تنقیح اور نکھار کا مسئلہ تو ابھی باقی ہی ہے وہ یہ کہ جواز سے کیا مراد ہے؟ لاؤڈاسپیکر کے ذریعہ اقتدا کا جائز ہونا یا نماز کے لئے لاؤڈاسپیکر کا استعمال جائز ہونا۔ یہ امر ظاہر نہ ہو سکا کہ حضرت موصوف نے جواز سے جواز اقتدا مراد لیا ہے یا جواز استعمال۔ میرے علم میں فقہی بصیرت رکھنے والے معتمد علیہ علماء میں صرف ایک ذات حضرت مولانا سید مفتی افضل حسین صاحب قبلہ کی ہے جس نے ہمارے ملک میں جواز اقتدا کا فتویٰ دیا۔ باقی جمہور اکابر مسئلہ متنازع فیہا میں عدم جواز کے قائل ہیں اور عدم جواز کا فتویٰ دیتے آئے ہیں۔ اور رہا جواز استعمال تو اس کے بارے میں حضرت سید مفتی صاحب قبلہ کا کوئی قول ہمارے پیش نظر نہیں۔ اب حضرت موصوف سے میں گذارش کرتا ہوں کہ اگر آپ حضرت مفتی صاحب قبلہ کے فتویٰ پر اعتماد کر کے قائل جواز اقتدا ہیں تو رہیں، لیکن افراد امت کے درمیان ہنگامہ شور اور فتنہ کی صورت پیدا ہونے کا موقع نہ دیں

جب آپ مسلمانوں میں عالم شمار کئے جاتے ہیں تو یسّروا ولا تنفروا کا مصداق بنیں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کے فتویٰ کا مفاد صرف اباحت ہے۔ وجوب یا سنت نہیں۔ پھر مختلف فیہ اباحت کی بنیاد پر اکابر علماء کے فتاویٰ کو رد کرتے ہوئے ان کو عوام کی نگاہ میں بے اعتبار قرار دینا آپ کے شایان شان نہیں۔ اور جو قول آپ نے سرکار مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی طرف منسوب کرکے نقل کیا ہے کہ حضرت کو جب کوئی دلیل نہ ملی تو فرمایا بجھ دکر دو بچہ بڈھے کی بات مان لو۔ تو اولاً یہ حضرت کا قول نہیں چنانچہ خود میں نے ۔ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۷۲ء کو بمقام بچپرٹوا ضلع گونڈہ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ سے دریافت کیا حضور نے انکار فرمایا ثانیاً سن سناکر یہ غیر ذمہ دارانہ قول ایک مرجع امام پیشوا دین کی طرف منسوب کرنا۔ اور عوام میں اسے مطعون ہونے کا موقع دینا یہ کہاں تک مناسب اور شان مفتی کے لائق ہے۔ آج فرائض، واجبات اور سنن کے مقابلہ میں بیشمار منکرات شرعیہ برسرپیکار ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ آپ احیاء شریعت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان منکرات کے رد وانکار پر اپنے فتویٰ کا زور صرف فرمائیں۔ امید قوی ہے کہ حضرت موصوف میرے معروضات پر عالمانہ حیثیت سے غور فرماکر شہر اودے پور کے نماز پنجگانہ کے پابند سنی عوام وخواص کے دلوں کو ٹھنڈا ہونے کا موقع عنایت کریں گے۔

الجواب صحیح والمجیب نجیح
غلام جیلانی اعظمی

کتبہ بدرالدین احمد قادری رضوی
۹ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ

فہذا ما ب من اجاب واللہ اعلم بالصواب

العبد محمد نعیم الدین عفی عنہ

مسئلہ ۔ از محمد اقلیم انصاری مقام کیوٹنوا پوسٹ نرکٹہا۔ بانسی ضلع بستی۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا اور پڑھانا کیسا ہے نماز کے باہر لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کریم کی تلاوت کی جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کی جائے تو نماز پڑھنے میں کون سی خرابی واقع ہو جاتی ہے۔

الجواب بعون الملک العزیز الوھاب لاؤڈ اسپیکر پر قرآن عظیم کی تلاوت کرنا اور نعت شریف پڑھنا متفقہ طور پر سب علماء کے نزدیک جائز ہے مگر لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک شرعی خرابی یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی آواز نہیں ہوتی بلکہ امام کی آواز مشین میں پہونچ کر ختم ہو جاتی ہے اور اس کے مثل دوسری آواز پیدا ہو کر سنائی پڑتی ہے جو لاؤڈ اسپیکر کی آواز ہوتی ہے اور

لاؤڈاسپیکر کی اقتدا صحیح نہیں۔ لہٰذا محققین فن کے ذریعہ اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جائے کہ متکلم کی آواز لاؤڈاسپیکر کی مشین میں پہونچ کر فنا نہیں ہوتی بلکہ وہی آواز بلند ہوکر سامعین تک پہونچتی ہے تو لاؤڈاسپیکر پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ متکلم کی آواز مشین میں پہونچکر ختم ہوجاتی ہے اور اس کی مثل دوسری آواز پیدا ہوکر مسموع ہوتی ہے تو لاؤڈاسپیکر پر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ و سبحانہ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۷، ذی القعدہ ۹۹ھ

مسئلہ ۔ از شاہ محمد قادری امام مسجد باماری پوسٹ ومقام چپلون رتناگیری (مہاراشٹر)

لاؤڈاسپیکر سے نماز پنجگانہ و نماز عیدین پڑھنا پڑھانا کیسا ہے؟ نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب جو لوگ صرف لاؤڈاسپیکر کی آواز پر رکوع سجدہ کریں گے ان کی نماز نہ ہوگی۔ یہی فتویٰ حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ اور بہت سے اکابر اہلسنت کا ہے اور بعض لوگوں کے نزدیک اگرچہ نماز ہوجائے گی لیکن چونکہ معاملہ نماز جیسی اہم عبادت کے جائز اور ناجائز ہونے کا ہے اس لئے تاوقتیکہ محققین فن یہ ثابت نہ کردیں کہ لاؤڈاسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے احتیاطاً نماز کے ناجائز ہونے ہی کا حکم کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹، رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ ۔ از صوفی نثار احمد رضوی محمد حنیف سیٹھ حاجی اصغر علی سیٹھ رضوی و دیگر مصلیان سنی بڑی مسجد آزاد روڈ بمبئی ۔۶

شہر بمبئی کی اکثر مساجد اہلسنت میں نماز باجماعت لاؤڈاسپیکر کے ذریعہ ادا کی جاتی ہے اور خاص طور سے جمعہ تراویح عیدین میں تو باقاعدہ لاؤڈاسپیکر کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس عالم میں صرف چار یا پانچ مساجد ایسی ہیں کہ جن میں نمازوں میں لاؤڈاسپیکر کا استعمال نہیں ہوتا اور مکبرین کے ذریعہ جماعت کثیرہ نماز ادا کرتی ہے انھیں چند مساجد میں سے ہماری یہ مسجد بھی ہے جہاں ہم پنج وقتہ و دیگر نمازیں ادا کرتے ہیں اس مسجد میں تراویح جمعۃ الوداع کی نمازوں میں ایک عظیم جماعت ہوتی ہے اور عیدین میں تقریباً تیس چالیس ہزار کا مجمع ہوتا ہے اس

قدر عظیم جماعت میں ابھی تک مکبرین کا انتظام ہوتا ہے یہ بھی ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک آواز پہنچتے پہنچتے ایک طرف دوسرا رکن شروع ہوتا ہے جبکہ دوسرے طرف کے مقتدی ابھی رکن اول ہی میں ہوتے ہیں ایسی صورت میں ہزار احتیاط کے باوجود ہر سال جماعت میں انتشار اور اختلاف ہوتا ہے کبھی کبھی جھگڑے فساد کی بھی نوبت آجاتی ہے اور عوامی مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ نماز میں لاؤڈ اسپیکر لگایا جائے ہر مسجد میں نماز ہوتی ہے یہاں کیوں نہیں ہوتی غرض کہ جتنے منھ اتنی باتیں لہٰذا اس صورت حال میں فتنہ وفساد سے بچنے اور اتنی بڑی جماعت کے ارکان صحیح ہونے کی غرض سے نیز دفع شر کی خاطر کیا شرعاً ایسی کوئی صورت جواز ہے کہ جماعت میں مکبرین کا بھی نظم رہے اور لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال ہوجائے یا ایسی ہی اور کوئی صورت جواز ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے ساتھ نماز صحیح ہوجائے۔ امید کہ اس شرعی اہم مسئلہ میں قوم کی صحیح رہبری ورہنمائی فرمائیں گے اور کوئی نہ کوئی مناسب صورت بیان فرماکر بروقت اور ہر سال کے اس انتشار واختلاف کو دور فرماکر نوازش فرمائیں گے۔

۲۔ یہاں شہر کی ایک مسجد میں حالیہ چند ماہ سے ایک سنی عالم دین امامت کے لئے تشریف لائے ہیں اور موصوف لاؤڈ اسپیکر پر نماز باجماعت کی امامت فرماتے ہیں موصوف سے جب اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خود حضور مفتیٔ اعظم ہند صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ القدسیہ ابتدا میں آٹھ سال تک لاؤڈ اسپیکر پر نماز کے جواز کے قائل تھے بعد میں حضور نے اپنا فتویٰ بدل دیا اور نماز نہ ہونے کا فتویٰ دیا اس بات سے عوام میں مزید انتشار واختلاف پھیلا ہوا ہے اور وہ چند مساجد جہاں لاؤڈ اسپیکر نہیں ہے وہاں کے ائمہ ومصلیان سخت پریشان ہیں کیا حضور مفتیٔ اعظم صاحب قبلہ کا کوئی ایسا فتویٰ ہے۔ اور کیا اس فتویٰ میں کوئی صورت جواز ہے چونکہ ماہ رمضان قریب ہے لہٰذا عرض ہے کہ اولین فرصت میں جواب ارسال فرمائیں تاکہ وقت سے پہلے صحیح طور پر عوام کو مطمئن کیا جاسکے اور یہ اختلاف وانتشار دور ہوجائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب بعض علماء کہتے ہیں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے اس لئے اس کی آواز پر انتقالات کرنا جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں لیکن بعض علماء کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز نہیں ہے بلکہ صدا ہے اور صدا کا وہ حکم نہیں جو متکلم کی آواز کا ہے کہ متکلم کی آواز بغیر کسی چیز سے ٹکرائے صرف ہوا کے تموّج سے سننے والے کے کان تک پہنچی ہے اس لئے صدا سے آیت سجدہ سنے تو

سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا جیسا کہ امام ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں فی الخلاصۃ ان سمعھا من الصدا لا تجب (فتح القدیر جلد اوّل ص۳۸۶) اور تنویر الابصار در مختار مع شامی جلد اوّل ص۵۱۸ میں ہے لا تجب بسماعہ من الصدی اور مراقی الفلاح مع طحطاوی ص۲۶۴ میں ہے لا تجب بسماعہ من الصدی وھو ما یجیبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری ونحوھا اس تغایر حکم سے صاف ظاہر ہوا کہ صدا کا حکم جداگانہ ہے اور جب سجدۂ تلاوت کے وجوب میں صدا کا اعتبار نہیں تو حکماً صدا نفس آواز متکلم سے الگ ہے اور جب سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آواز متکلم سے جدا ٹھہری تو نماز کے سجدہ کے لئے صدا کو شرعاً بعینہٖ آواز متکلم مان لینا صحیح نہیں۔ یعنی جب کہ سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آواز متکلم سے جدا اور خارج ہے تو اس میں بھی خارج قرار پائے گی اور جب خارج قرار پائی تو خارج سے تلقن مفسد نماز ہے۔ اس لئے حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ اور بہت سے اکابر اہلسنت کا فتویٰ یہی ہے کہ جو لوگ صرف لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر انتقالات کریں گے ان کی نماز نہ ہوگی۔ اور اگرچہ بعض لوگوں کے نزدیک ہو جائے گی لیکن چونکہ معاملہ نماز جیسی اہم عبادت کے جواز وعدم جواز کا ہے اور عبادات میں احتیاطی پہلو ہی اختیار کیا جاتا ہے اس لئے تاوقتیکہ محققین فن اس بات کو ثابت نہ کر دیں کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہے صدا نہیں ہے اس وقت تک اس کی آواز پر احتیاطاً نماز کے عدم جواز ہی کا حکم کیا جائے گا۔ اور مکبرین کے ساتھ بھی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال جائز نہ ہوگا اس لئے کہ جو مکبر اور مقتدی دور ہوں گے وہ لاؤڈ اسپیکر ہی کی آواز کی اتباع کریں گے جو نماز کے فساد کا باعث ہوگا لہٰذا فی الحال لاؤڈ اسپیکر کے جواز کی کوئی صورت بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔

۲ - نماز کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے جواز میں حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم العالیہ کا کوئی فتویٰ ہمارے علم میں نہیں ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ پہلے جواز کے قائل تھے پھر بعد میں اپنا فتویٰ بدل دیا تو یہ مجوزین کے لئے مفید نہیں اس لئے کہ قول مرجوع عنہ کی بنیاد پر فارسی میں نماز کے اندر قرأت کرنا بھی جائز ہو جائے گا۔

وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از حافظ محمد حنیف رضوی۔ خطیب سنی رضوی مسجد گھاٹ کوپر لا۔ بمبئی ۸۶

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ لاؤڈ اسپیکر کو نماز میں استعمال کرنا یعنی اس کی آواز
پر مقتدیوں کو رکوع وسجود کرنا کیسا ہے۔ جگہ جگہ اسکے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جائز ہے اور
بعض لوگ کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے یہاں تک کہ نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق
کے ساتھ تفصیلی جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں۔

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم

الجواب وھو الموفق للصواب۔ بے شک یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع
وسجود کرنا جائز ہے یا نہیں۔ جو لوگ کہ جواز کے قائل ہیں انکی دلیل یہ ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز چونکہ بعینہٖ امام
کی آواز ہے اس لئے اس کی آواز پر اقتداء کرنا جائز ہے۔ اور جو لوگ کہ ناجائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے
کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ امام کی آواز نہیں ہے اس لئے اسکی آواز پر رکوع وسجود کرنا جائز نہیں ہے کہ یہ تقدم
سے تلقن ہے جو مفسد نماز ہے۔ یعنی اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ امام کی آواز ہے یا
نہیں۔ اگر بعینہٖ امام کی آواز ہے تو اس کی آواز پر اقتداء جائز ہے ورنہ نہیں۔
تو لاؤڈ اسپیکر چونکہ آلات جدیدہ میں سے ایک سائنسی چیز ہے تو اس کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز ہوتی ہے
یا نہیں۔ اس کے بارے میں سائنسدانوں اور اس کے انجینیروں کی طرف رجوع کرنا لازم ہے اور انکی تحقیق یہ ہے کہ
لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہٖ متکلم کی آواز نہیں ہے۔ جیسا کہ جناب ایم۔ آر۔ اے خانصاحب بی ایس انجینیر طلائی تمغہ
یافتہ علی گڈھ۔ سی اینڈ جی فائنل گریڈ لندن۔ ایم۔ اے۔ آئی۔ ای پاکستان۔ پی۔ اے۔ ایس اسپیشلسٹ
ٹیلی کمیونیکیشن جرمنی۔ ٹی۔ ای۔ ایس کلاس ۱ پرنسپل ٹیلی کمیونیکیشن اسٹاف کالج ہری پور۔ ہزارہ (پاکستان)
لکھتے ہیں۔
لاؤڈ اسپیکر میں مقرر کی آواز کہنے والے اور سننے والے کے درمیان تین بڑے واسطے ہوتے ہیں (۱) مائیکروفون
(۲) ایمپلی فائر (۳) لاؤڈ اسپیکر۔ مائیکروفون میں کرنٹ موجود رہتا ہے۔ مگر بہت کمزور ہوتا ہے جس کی وجہ سے
وہ اس قابل نہیں رہتا کہ لاؤڈ کو آواز کے بڑھانے میں مدد دے سکے۔ اس لئے اس کی کو پورا کرنے کے لئے ایک آلہ
جسے ایمپلی فائر کہتے ہیں جو مائیکروفون کے برقی کرنٹ کو لاؤڈ اسپیکر تک پہنچاتا ہے جس سے آواز حسب منشاء اونچی
ہوتی ہے۔ اور لاؤڈ اسپیکر کے مخروط کے ارتعاش سے اس کے اطراف کی ہوا میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جو مائیکروفون کے
ویسی ہی آواز کی تبدیلیوں کا انسان کے کان پر سبب بنتا ہے۔ اس طرح بولنے والے کی آواز برقی رو میں مائیکروفون کے

ذریعے تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ برقی رو ایمپلی فائر کی مدد سے بڑھ جاتی ہے۔ اور ایمپلی فائر سے بڑھی ہوئی برقی رو لاؤڈ اسپیکر کو متاثر کرنے سے لاؤڈ اسپیکر میں ایسا ارتعاش پیدا ہوتا ہے جو سننے والے آدمی کے کان کے احساس آواز کا سبب بنتا ہے۔

مثال آواز جو (بولنے والے کے منہ سے) مائکروفون میں داخل ہوتی ہے اور پھر وہ لاؤڈ اسپیکر پر دوبارہ پیدا ہوتی ہے ان دونوں میں تعلق اور مطابقت برقی گھنٹی کی مثال سے سمجھی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ برقی گھنٹی کا (سسٹم یہ ہوتا ہے کہ) بٹن دروازہ پر نصب ہوتا ہے اور اصل گھنٹی مکان کے اندر کسی مناسب مقام پر ہوتی ہے مگر جب یہاں بٹن دبایا جاتا ہے تو (اسی وقت بلا وقفہ) وہاں گھنٹی بجتی ہے۔ اور جب بٹن سے ہاتھ ہٹا لیتے ہیں تو گھنٹی بجنا بند کر دیتی ہے۔ اگر آپ بٹن کو دباتے اور چھوڑتے رہیں تو گھنٹی بھی اسی ذہنی مناسبت کے ساتھ بجتی اور بند ہوتی رہے گی۔

لہٰذا اب یہ سوچنا غلط ہوگا کہ (اس برقی سسٹم میں) راست بلا واسطہ ہاتھ سے گھنٹی بجائی جا رہی ہے ــــــ (خلاصہ یہ ہوا کہ) ہاتھ کا عمل تو بٹن پر ختم ہو جاتا ہے لیکن جو آواز بجتی ہوئی گھنٹی میں پیدا ہوتی ہے وہ گھنٹی کے اندر اس برقی ترکیب کا نتیجہ ہوتی ہے جو برقی کرنٹ اور وائر (یعنی تاروں) کی مدد سے عمل کرتی ہے۔

اسی طرح لاؤڈ اسپیکر (کے سسٹم) میں بھی اصل آواز مائکروفون پر ختم ہو جاتی ہے لیکن برقی تار، برقی قوت اور برقی ترکیبیں (جو مائکروفون اور لاؤڈ اسپیکر میں ہوتی ہیں) ایک ایسی مشابہ آواز دوبارہ پیدا کرتی ہیں جو اصل آواز کی پوری نقل ہوتی ہے۔ انتہی کلامہ

سائنسداں کی مذکورہ مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح بٹن پر انگلی کے دباؤ کا اثر برقی تاروں کو متحرک کر کے گھنٹی بجانے کا سبب بنتا ہے۔ بالکل اسی طرح آواز کا مائیکروفون کے مشینی نظام پر اثر بھی لاؤڈ اسپیکر کے نظام کو حرکت میں لا کر اس سے آواز نکلنے کا سبب ہوتا ہے نہ کہ وہ آواز خود آگے بڑھتی ہے جیسا کہ مجوزین کا خیال ہے۔

سائنسداں کی اصل تحریر یہ ہے۔

Voice from the speaker to the loudspeaker.

In between the speaking men and the audience there are 3 main devices namely: the microphone, the amplifier

and the loudspeaker. The current orginaled in the microphone is too weak to operate a loud speaker directly. In order that good volume be obtained for the loud speaker. A device which magnifies the microphone current and delivers it to the loudspeaker known as amplifier is used. The vibrations of the con set the surrounding air in vibrations and these vibrations in air cause corresponding sound variations on the man's ear. Thus the speech of the speaking man is converted through the microphone. The electric current is amplified in the amplifier and the out put of the amp ilier actuates the loudspeaker whose vibrations cause ser sation of sound on the listening man's ear.

AN EXAMPLE :—

The condition between voice in put at the microphone and that reproduced at the loudspeaker can be understood by the example of an electric call bell. The switch of the the bell is fixed at the door and the bell is fixed somewhere inside the house, as the switch is pressed the bell rings and when the switch is released the bell stops ringing. If you keep pressing and releasing the switch the bell will keep ringing and stopping in the same time accordingly. Now to thir; think that the bell is rung by the hand directly will be incorrect. The action of the hand finishes at the switch. It is the electric current wires and the electric device inside the bell which acts further to give the sound of the bell ringing. Similarly in the case of the voice from the loudspeaker the original voice finishes at the microphone and it is the electric wires, electric power and the electric device incorporated in the microphone and the

loudspeaker which reproduce a sound exactly immitating the original one.

By M.R.A. Khan, B.Sc. Engrs. (Gold Medallist) Alig., C & G (Final Grade) London. A.M.I.E. Pakistan) P.A.A.S. Specialist Telecomm. Trg. Germany) T. E. S. Class 1st. Principal Telecommunications Staff College, Haripur (Hazara)

(۲) اور جناب ایل کنوٹ صاحب (ایم پی، ٹی۔ اے) پی۔ ایم۔ جی کولمبو پلان اکسپرٹ ٹیلی کمونیکیشن آسٹریلیا ٹیلی کمونیکیشن ٹریننگ سنٹر ہری پور۔ ہزارہ (پاکستان) ایک سوال کے جواب میں کہ "لاؤڈ اسپیکر سے نکلی ہوئی آواز آدمی کی آواز سمجھی جا سکتی ہے یا نہیں" لکھتے ہیں

میری رائے میں لاؤڈ اسپیکر سے نکلی ہوئی آواز آدمی کی اصل آواز نہیں سمجھی جا سکتی ـــــ اصل کلام سے پیدا شدہ آواز کا ارتعاش مائیکروفون کے پردے پر دباؤ ڈالتا ہے جو ایمپلی فائر اور لاؤڈ اسپیکر سسٹم کو اس طرح پر کنٹرول کرتا ہے جس سے اصل آواز کی قابل شناخت نقل پیدا ہو سکے۔ از سر نو پیدائش یعنی ری پروڈکشن کی اصطلاح جو عام طور پر اس آلے کے لئے کہی جاتی ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ آلہ آواز پیدا کرتا ہے نہ کہ اصل کلام کو منتقل کرتا ہے۔

ماہر سائنس جناب کنوٹ صاحب کی اصل تحریر یہ ہے۔

In my view the sourd from the loudspeaker can not be regarded as the man's actual voice. The actual voice impresses it's sound vibrations. upon the microphone Diaphragm, which controls an amplifier-loudspeaker system in such a way as to produce a recognisab e copy of the original voice. The very term "Reproduction" commonly applied to sucl equipment itself imp ies that the equipment is producing the sound not the actual voice.

By L. canute (M.P.T.A.) P.M.G. Colombo Plan Expert (Tele Comm Australia) Tele Comm Trg. Cen rè Haripur (Hazara) Pakistan.

(۳) اور جناب سی۔ ڈبلیو۔ سی۔ رچرڈ بی۔ ایس۔ سی انگلینڈ۔ اے۔ ایم۔ آئی۔ ای۔ ای کولمبو پلان ایکسپرٹ اڈوائزر حکومت پاکستان۔ ٹیلی کمیونیکیشن اسٹاف کالج ہری پور۔ ہزارا لکھتے ہیں: میری سوچی سمجھی ہوئی رائے ہے کہ یہ آواز جو لاؤڈ اسپیکر سے نکلی ہوئی ہے۔ آدمی کی اصل آواز نہیں سمجھی جاسکتی۔ اور جو آواز لاؤڈ اسپیکر سے سنی جاتی ہے آدمی کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے اور مشابہ آواز بالکل نقلی ہے ـــ برقی میکانکی نظام سے جو آواز نکلتی ہے وہ خود ہوا کے دباؤ کے اتار چڑھاؤ کا نتیجہ ہوتی ہے جس سے آواز کی سماعت کا احساس ہوتا ہے اور یہ آواز انسانی آواز سے قطعاً راست تعلق نہیں رکھتی ہے۔ انتہائی قانونی بنیاد پر بغیر کسی پس وپیش کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو آواز لاؤڈ اسپیکر سے نکل رہی ہے وہ مائکروفون پر بولنے والے آدمی کی اصل آواز نہیں ہے۔

اس سائنسداں کی اصل تحریر یہ ہے۔

It is my considered opinion that this sound from the loudspeaker can not be regarded as being the actual sound of the man's voice. The sound that is heard from the loudspeaker is merely a replica of the man's voice and this replica is entirely artificial. The sound emanates from a mechanism known as an electric mechanical transducer and the sound itself, that is the air pressure variations which cause the sensation of hearing has absolutely no direct oonnecion with the sound of the man's voice on a strictly legalistic basis. It can unhesitatingly be said that the sound issuing from a loudspeaker is not the sound of a man's voice.

By C.W C. Richard B.Sc. (Eng.) A.M.I.C.E., A.M.I.E.E. Colombo Plan Expert Advisor to the Government of Pakistan.
Telecommunication Staff College, Haripur (Hazara)

(۴) اور جناب آر۔ اتکی ہانس گرانڈلی۔ دی نیٹ ورک لمیٹڈ گرانڈ ہاؤس، واٹرا سٹریٹ مانچسٹر سٹی گرانڈ مانچسٹر ٹیکس ڈیفنس گیٹ مانچسٹر لکھتے ہیں۔

یہ میری فنی رائے ہے کہ جو آواز لاؤڈ اسپیکر سے نکلتی ہے اور خطاب عام کے لئے رائج ہے اس سے نکلی ہوئی آواز آدمی کی اصل آواز نہیں سمجھی جاسکتی۔ اور سوائے اس کے اس میں کچھ نہیں ہے کہ یہ اصل آواز سے بہت قریبی مشابہ

رکھتی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کو آدمی کی اصل آواز سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کسی تصویر کی حقیقی نقل کو اصل تصویر (یعنی منقول عنہ) سمجھ لینا۔

اس ماہر سائنسداں کی اصل تحریر یہ ہے۔

This is to record my professiona: opinion that the sound of a voice emerging from a loudspeaker such as in use for a public adress system can not be held to be the real voice of the person originating the sound. It is a close replica but nothing more and is no more the original voice than a copy of a painting will be held to be the original painting.

By R.H. Hammens Granada T.V. Net work Limited Granada House. Water Street, Manchester Telex Deans Gaie 7211.

نوٹ: سائنسدانوں کی یہ ساری تحریریں مائیکرو فوٹو کاپیاں بھی "دی اسٹوری آف دی آرٹی فیشل وائس۔ بائی۔ سم اکسپرینس اینڈ اکسپرٹ پاکستان اینڈ فارنیرس۔

The story of the artificial voico. By some experianced and expert Pakistan and Foreighners. کے حوالے سے دیکھی جاسکتی ہے

ماہرین سائنس اور اس کے انجینیروں کے متفقہ اقوال سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ متکلم کی آواز نہیں ہوتی بلکہ اس کی نقل ہوتی ہے جو آواز کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے اور آواز کے ٹکرانے سے جو آواز پیدا ہوتی ہے وہ صدا ہوتی ہے جیسے کہ پہاڑ اور گنبد وغیرہ سے ٹکرا کر پیدا ہونے والی آواز صدا ہوتی ہے اور صدا کا وہ حکم نہیں جو متکلم کی آواز کا ہے کہ متکلم کی آواز بغیر کسی چیز سے ٹکرائے صرف ہوا کے تموج سے سننے والے کے کان تک پہنچتی ہے۔ اور صدا چونکہ کسی چیز سے ٹکرا کر پیدا ہوتی ہے اسی لئے اس سے آیت سجدہ سنے تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا جیسا کہ امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں فی الخلاصۃ ان سمعہا من الصدا لا تجب (فتح القدیر جلد اول ص۳۸۶) اور تنویر الابصار و درمختار مع شامی جلد اول ص۵۱۴ میں ہے لا تجب بسماعہ من الصدی۔ مراقی الفلاح مع طحطاوی ص۲۶۷ میں ہے لا تجب بسماعہ من الصدی وھو ما یجیبک مثل صوتک فی الجبال والصحاری ونحوھا۔

اس تغایرِ حکم سے صاف ظاہر ہوا کہ صدا کا حکم جداگانہ ہے اور جب سجدۂ تلاوت کے وجوب میں صدا کا اعتبار نہیں۔ تو حکماً صدا نفس آوازِ متکلم سے الگ ہے۔ اور جب سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آوازِ متکلم سے جدا ٹھہری تو نماز کے سجدے کے لئے صدا کو شرعاً بعینہٖ آوازِ متکلم مان لینا صحیح نہیں۔ یعنی جب سجدۂ تلاوت میں صدا نفس آوازِ متکلم سے جدا اور خارج ہے تو اس میں بھی خارج قرار پائے گی اور جب صدا خارج قرار پائی تو حالتِ نماز میں اس سے تلقن جائز نہیں خواہ وہ لاؤڈ اسپیکر کی صدا ہو یا صحرا وغیرہ کی۔ اس لئے کہ خارج سے تلقن مفسدِ نماز ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد اول مطبوعہ دیوبند ص۴۱۲ • فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۹۳ • عنایہ شرح ہدایہ مع فتح القدیر جلد اول ص۳۵۱ • شرح النقایہ جلد اول ص۹۲ اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۴۱۲ پر مذکور ہے۔

ماہرینِ سائنس کی تحقیقات اور فقہائے متقدمین کے اقوال سے یہ امر پورے طور پر متحقق ہوگیا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر رکوع و سجود کرنے والوں کی نماز فاسد ہوجاتی ہے اور ایسی نماز کا پھر سے پڑھنا فرض ہوتا ہے۔ لیکن اگر اب بھی فسادِ نماز کا یقین نہ ہو تو کم از کم اس کا شبہہ ضرور ہے اور فسادِ عبادت کے شبہہ کو احتیاطاً ہمیشہ یقین ہی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہونے کے باوجود ۱۳ ذی الحجہ کی قربانی کو ناجائز قرار دیا گیا اس لئے کہ اس تاریخ میں فسادِ قربانی کا شبہ ہے۔ اور حطیم کو طواف میں احتیاطاً کعبہ شریف کا جز تسلیم کیا گیا اس لئے کہ خارج ماننے میں فسادِ طواف کا شبہ ہے مگر اسی حطیم کو نماز کے مسئلہ میں احتیاطاً کعبہ شریف سے خارج قرار دیا گیا اس لئے کہ جز تسلیم کرنے میں فسادِ نماز کا شبہہ ہے ردالمحتار جلد دوم ص۱۶ میں ہے۔ اذا استقبلہ المصلی لم تصح صلاتہ لان فرضیۃ استقبال الکعبۃ ثبتت بالنص القطعی وکون الحطیم من الکعبۃ ثبت بالآحاد فصار کانہ من الکعبۃ من وجہ دون وجہ فکان الاحتیاط فی وجوب الطواف وراءہ وفی عدم صحۃ استقبالہ۔ لہٰذا اس بنیاد پر بھی نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ناجائز ہی قرار دیا جائے گا اور اس کی آواز پر رکوع و سجود کرنے سے فسادِ نماز ہی کا حکم کیا جائے گا۔

اور عام لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں چونکہ لاؤڈ اسپیکر نماز کے لئے استعمال ہوتا ہے اس لئے جائز ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کا احترام یقیناً ضروری اور باعثِ ثواب ہے۔ لیکن قرآن و حدیث اور اجماعِ امت و فقہائے ملت کے اقوال سے استدلال کرنے کی بجائے لوگوں کے عمل سے استدلال کرنا غلط ہے۔ خصوصاً نجدیوں کے عمل کو جائز و ناجائز ہونے کا معیار بنانا تو بہت بڑے فتنے کا سبب ہوجائے گا کہ بزرگوں

کی قبر کو توڑنا اور مسجدوں کو ڈھانا بھی جائز ہو جائے گا اس لئے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے بے شمار مزارات اور مساجد کو نجدیوں نے توڑا اور ڈھایا ہے ـــــ اور مسجدوں کے اندر جوتے پہن کر چلنا، داڑھیوں کا منڈانا اپنی عورتوں کو ننگا لباس پہنا کر انگریزی لیڈیوں کی طرح بنانا، گھر گھر ٹیلی ویژن پر سینما دیکھنا اور مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی صفوں میں مل جل کر نماز پڑھانا یہ سب جائز ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ ـــــ یہاں تک کہ نجدیوں نے مسجد حرام، مسجد نبوی اور میدان عرفات وغیرہ مقدس مقامات میں حج جیسی اہم عبادت کو تماشا بنانے کے لئے فلم سازی کی اجازت دی اور مناسک حج ادا کرنے اور نماز پڑھنے میں حاجیوں کی تصویریں لی گئیں۔ اور ہر سال لی جاتی ہیں ـــــ تو جب یہ ساری چیزیں مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ میں ہونے کے سبب جائز نہیں ہو سکتیں تو پھر نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا وہاں کے لوگوں کے عمل سے کیونکر جائز مانا جا سکتا ہے۔

اور پھر جس طرح آج کل کے بعض علماء کا اپنی تصویر کھنچانا تصویر کشی کو جائز نہیں بنا سکا اسی طرح کچھ لوگوں کے عمل سے نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کرنا بھی ہرگز جائز نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نمازوں کے لئے عام ہو چکا ہے لہٰذا اب اس فتویٰ کو لوگ نہیں مانیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکم شرع سے آگاہ کرنا ہم پر فرض تھا وہ ہم نے کر دیا۔ اب عمل کی ذمہ داری لوگوں پر ہے۔ اگر مسلمان اپنی نمازوں کو فساد سے نہیں بچائیں گے تو اس کا خمیازہ قیامت کے دن اٹھائیں گے۔

دعا ہے کہ خدائے عزوجل مسلمانوں کو حق بات کے قبول کرنے کا جذبہ عطا فرمائے۔ اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے نماز جیسی اہم عبادت کو خراب ہونے سے بچانے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم الامین علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات واکمل التسلیم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۶ ارصفر المظفر ۱۴۰۳ھ

تصنیفات فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی مدظلہ العالی

مِکرُوھَاتُ الصَّلٰوۃُ

نماز کے مکروہات کا بیانُ

مَسئلہ ۔ از عبدالوہاب خاں قادری رضوی ہرکرموہ چوک اٹک کاڈ سندھ (پاکستان)

① ٹوپی پر عمامہ اس طرح باندھنا کہ چاروں طرف سر کے عمامہ ہو اور ٹوپی درمیان میں سر کے اوپر کھلی رہے باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طرح باندھ کر نماز پڑھنی کیسی ہے؟

② کلاہ پر جو عمامہ باندھتے ہیں وہ بھی کلاہ کے چاروں طرف گرداگرد عمامہ ہوتا ہے اور اوپر کلاہ کھلا رہتا ہے اس کا باندھنا اور باندھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ مدلل جواب ارسال فرمائیں بیّنوا توجروا۔

الجواب ① اس طرح عمامہ باندھنا ناجائز اور نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے جیسا کہ بہار شریعت جلد سوم صـ۱۲۸ میں ہے کہ پگڑی اس طرح باندھنا کہ بیچ سر پر نہ ہو مکروہ تحریمی ہے۔ وکل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا اور شامی جلد اول صـ۴۳۲ میں ہے تکویر عمامۃ علی رأسہ وترک وسطہ مکشوفا کراھۃ تحریمیۃ اھ ملخصا اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری صـ۱۰ میں ہے ویکرہ الاعتجار وھو ان یکور عمامتہ ویترک وسط رأسہ مکشوفا کذا فی التبیین اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے یکرہ الاعتجار وھو شد الرأس بالمندیل وتکویر عمامتہ علی رأسہ وترک وسطھا مکشوفا اھ واللہ اعلم۔

② کلاہ ہو یا کسی دوسری قسم کی ٹوپی ہو اعتجار بہر صورت مکروہ ہے۔ طحطاوی میں ہے المراد انہ مکشوف من العمامۃ لا مکشوف اصلاً لانہ فعل ما لا یفعل اھ ھذا ما ظھرلی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جلّ جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۸؍ صفر المظفر ۱۳۹۱ھ

مسئلہ ۔ از قدرت اللہ خاں معرفت مولانا محمد فاروق احمد خاں چھوٹی مسجد مکان ۱۱/۱ گلی ۔ جونا رسالہ اندور (ایم پی)

پینٹ و بوشرٹ پہننا کیسا ہے اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ یہ لباس عام ہو چکا ہے اس لئے انھیں پہن سکتے ہیں اور اس سے نماز بھی پڑھ سکتے ہیں!

الجواب پینٹ اور بوشرٹ پہننا مکروہ ہے اور مکروہ کپڑا پہن کر نماز پڑھنا بھی مکروہ کہ یہ اگرچہ عام ہو چکا ہے مگر اب بھی فساق و فجار کا لباس ہے فتاوی رضویہ جلد اول ص ۲۱۴ پر فتاوی قاضی خاں سے ہے الخیاط اذا استوجر علی خیاطۃ شیء من زی الفساق ویعطی لہ فی ذلک کثیر اجر لا یستحب لہ ان یعمل لانہ اعانۃ علی المعصیۃ اھ وھو سبحانہ وتعالی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ رجب المرجب ۹۹ھ

مسئلہ ۔ از محمد امین نئی بازار بچپڑوا ۔ ضلع گونڈہ۔

زید نے اپنے مصلے پر نماز پڑھائی بعدہ مقتدیوں میں انتشار پیدا ہوا کہ نماز نہیں ہوئی اور امام موصوف کا کہنا ہے کہ نماز ہوگئی تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا!

الجواب نماز ہوگئی مگر مکروہ ہوئی۔ وھو تعالی ورسولہ الاعلی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۷ شوال المکرم ۹۹ھ

مسئلہ ۔ از محمد حنیف رضوی سنی مسجد آگرہ روڈ کرلا بمبئی۔

حالت نماز میں اگر داہنے پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب داہنے پاؤں کا انگوٹھا اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو کوئی حرج نہیں لیکن مقتدی کا انگوٹھا داہنے بائیں یا آگے پیچھے اتنا ہٹنا کہ جس سے صف میں کشادگی پیدا ہو یا سینہ صف سے باہر نکلے مکروہ ہے کہ احادیث کریمہ میں صف کے درمیان کشادگی رکھنے اور صف سے سینہ کو باہر نکالنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اگر ایک مقتدی جو امام کے برابر میں تھا وہ اتنا آگے بڑھا کہ اس کے قدم کا اکثر حصہ امام کے قدم سے آگے ہوا تو مقتدی کی نماز فاسد ہوئی ورنہ نہیں جیسا کہ ردالمحتار جلد اول ص ۳۸۱ میں ہے الاصح ما لم یتقدم

اکثر قدام المقتدی لا تفسد صلاتہ کما فی المجتبیٰ۔ اور اگر منفرد تنہا نماز پڑھنے والا قبلہ کی طرف ایک صف کی مقدار چلا پھر ایک رکن ادا کرنے کی مقدار ٹھہر گیا پھر اتنا ہی چلا اور اتنی ہی دیر ٹھہر گیا تو چاہے متعدد بار ہو اگر وہ مسجد میں نماز پڑھتا ہو تو جب تک مسجد سے باہر نہ ہو نماز فاسد نہ ہوگی ایسا ہی بہار شریعت حصہ سوم مطبوعہ لاہور صفحہ ۱۵۲ میں ہے اور درمختار مع شامی جلد اول صفحہ ۴۲۲ میں ہے مشی مستقبل القبلۃ هل تفسد ان قدر صف ثم وقف قدر رکن ثم مشی و وقف کذلک وھکذا لا تفسد وان کثر مالم یختلف المکان۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۹۶ میں فتاوی قاضی خاں سے ہے لو مشی فی صلاتہ مقدار صف واحد لم تفسد صلاتہ۔ وان مشی الی صف ووقف ثم الی صف لا تفسد۔ لیکن بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ عمل قلیل کی زیادتی مفسد ہے اس کا تھوڑا کرنا ضرور مکروہ ہے اور دو صف کی مقدار ایک دم چلنا مفسد صلاۃ ہے رد المحتار جلد اول صفحہ ۴۲۲ پر ہے ما افسد کثیرہ کرہ قلیلہ بلا ضرورۃ اور عالمگیری جلد اول صفحہ ۹۶ میں ہے ان مشی دفعۃ واحدۃ مقدار صفین فسدت صلاتہ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۹ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۔ از محمد عبد العزیز قادری بادلوی اوجاگر پور پوسٹ سکنوال ضلع گونڈہ یوپی

(۱) مسجد کے بیچ والے محراب میں امام کے بالکل سامنے فرش سے تقریباً ۲ فٹ کی اونچائی پر مربع چار فٹ یا اس سے کم و بیش کی سائز میں جالی لگی ہے زید کہتا ہے کہ درست نہیں ہے۔ اگر جالی لگانا ہی ہے تو محراب میں سامنے کے بجائے دائیں بائیں ہٹ کر لگانا چاہئے اس لئے کہ سامنے جالی ہونے میں امام کی نگاہ مختلف اشیاء پر پڑتی رہے گی لہذا جالی سامنے ہونے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) منبر لکڑی کا ہو خواہ اینٹ کا اگر اس کی جگہ بازو میں دیوار کے حصے میں بنا دیا جائے تو شرعاً کوئی قباحت ہے؟ زید کہتا ہے کہ دیوار میں نہیں بلکہ منبر مسجد میں ہونا چاہئے جہاں پہلی صف کی چٹائی بچھتی ہے۔

(۳) خصی اور دیگر حلال چوپایوں کی اوجھڑی کو زید طبعی بتاتا ہے آیا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب (۱) اگر جالی اتنی خوبصورت نہ ہو کہ امام کے خشوع و خضوع میں خلل پیدا کرے تو ایسی جالی کا امام کے سامنے لگانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اتنی خوبصورت ہو کہ خلل پیدا کرے تو مکروہ ہے۔ بہار شریعت حصہ سوم

ص۱۷۹ میں ہے کہ دیوار قبلہ میں نقش و نگار مکروہ ہے اور ظاہر کراہت تنزیہی ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد اول ص۴۴۲ میں ہے۔ اور کراہت تنزیہی ناجائز نہیں ہوتی کراہت تحریمی ناجائز ہوتی ہے۔ لہٰذا دیوار قبلہ میں جالی لگانے کے بارے میں زید کا کہنا درست نہیں ہے۔ کسی حالت میں صحیح نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

(۲) منبر کی جگہ دیوار کے حصے میں بنائی جائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ دیوار میں بنانا بہتر ہے کہ صف اول کی جگہ میں بنانے سے صف قطع ہوتی ہے اور قطع صف سے حدیث شریف میں ممانعت وارد ہے وھو تعالٰی اعلم

(۳) اوجھڑی پچونی کو طبعی کہنا صحیح نہیں کہ ان کا کھانا مکروہ تحریمی ناجائز اور گناہ ہے ھٰکذا قال الامام لاھل السنۃ۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ر شوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از محمد حسن اشرفی مقام و پوسٹ سندھاوا ضلع راجکوٹ (گجرات)

چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ اگر چین والی گھڑی پہن کر نماز جائز نہیں تو ڈائل اور کیس کے جواز کی کیا وجہ ہے بالتفصیل جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان احکام شریعت حصہ دوم میں تحریر فرماتے ہیں کہ گھڑی کی زنجیر سونے چاندی کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی ممنوع ہے اور جو چیزیں ممنوع کی گئی ہیں ان کو پہن کر نماز و امامت مکروہ تحریمی ہیں۔ اور ناجائز اس لئے ہے کہ گھڑی ہاتھ پر باندھنے میں چین متبوع ہوتا ہے جو از قسم زیور ہے اور نیلون وغیرہ کے پٹہ کے ساتھ دھات کی گھڑی کا استعمال اس لئے جائز ہے کہ گھڑی تابع ہے جیسے کہ سونے کا بٹن دھاتوں کی زنجیر کے ساتھ ناجائز ہے اور نیلون وغیرہ کے دھاگے کے ساتھ جائز ہے وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ر ربیع النور ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از ملا محمد حسین اودھا گنج ضلع بستی۔

زید نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس کے کرتے کا اوپر والا بٹن کھلا ہوا تھا تو اس میں کوئی شرعی قباحت

ہے یا نہیں؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں کرتے کا بٹن کھلا رہنے کی چند صورتیں ہیں۔ یا تو کرتے کے اوپر یا نیچے کوئی دوسرا کپڑا مثلاً صدری، شیروانی یا بنیائن وغیرہ پہنے ہوئے تھا ایسی صورت میں اگر اوپر یا نیچے والے دوسرے کپڑے کی وجہ سے سینہ ڈھکا ہوا تھا تو کرتے کے بٹن کا کھلنا نماز میں کوئی ضرر نہیں پہونچائے گا۔ اور اگر کرتے کے اوپر یا نیچے دوسرا کپڑا نہیں تھا جس سے سینہ ڈھکا رہے اس صورت میں یا تو صرف اوپر والا بٹن کھلا ہوا تھا یا اس کے ساتھ نیچے والا بھی۔ الحاصل اگر بٹن اس طرح کھلے ہوئے تھے (خواہ ایک ہی یا زیادہ) جس سے سینہ ظاہر ہے تو نماز قطعاً مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور اگر صرف اوپر کا بٹن اس طرح کھلا ہوا ہے جس سے صرف گلے کے پاس کا خفیف حصہ نظر آرہا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ احکام فتاوی رضویہ جلد ثالث صفحہ ۴۴۸ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ماخوذ ہیں "اور کسی کپڑے کو ایسا خلاف عادت پہننا جسے مہذب آدمی مجمع یا بازار میں نہ کر سکے اور اگر کرے تو بے ادب خفیف الحرکات سمجھا جائے یہ بھی مکروہ ہے جیسے انگرکھا پہننا اور گھنڈی یا باہر کے بند نہ لگانا یا ایسا کرتا جس کے بٹن سینے پر ہیں پہننا اور بوتام اتنے لگانا کہ سینہ یا شانہ کھلا رہے جبکہ اوپر سے انگرکھا نہ پہنے ہوئے بھی مکروہ ہے اور اگر اوپر سے انگرکھا ہے یا اتنے بوتام لگا لئے کہ سینہ یا شانہ ڈھک گئے اگرچہ اوپر کا بوتام نہ لگانے سے گلے کے پاس کا خفیف حصہ کھلا رہا تو حرج نہیں ملخصاً۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد قدرت اللہ الرضوی

۱۲ ربیع الآخر ۱۳۸۵ھ

مسئلہ۔ از ضیاء الحق ڈومری پوسٹ کرٹہ ضلع مظفر پور (بہار)

زید نماز جمعہ پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا بکر نے دیکھا کہ اس کے سینہ کا بٹن کھلا ہوا تھا اور سینہ صاف نظر آرہا تھا بکر نے اعتراض کیا بٹن بند کرلو ورنہ کسی کی نماز نہ ہوگی مگر زید نے بند نہیں کیا اور نماز پڑھائی۔ بکر اپنے گھر واپس چلا گیا۔ اب ایسی صورت میں کیا لوگوں کی نماز زید کے پیچھے درست ہوئی؟ بینوا توجروا

الجواب سیدنا اعلیٰحضرت شاہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ارشد خاتم الفقہاء حضرت مولانا الشاہ امجد علی علیہ الرحمۃ والرضوان فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۱۶۹ میں تحریر فرماتے ہیں "انگرکھے کے بند نہ باندھنا اور اچکن وغیرہ کے بٹن نہ لگانا اگر اس کے نیچے کرتا وغیرہ نہیں اور سینہ کھلا

رہا تو ظاہر کراہت تحریم ہے اور نیچے کرتا وغیرہ ہے تو مکروہ تنزیہی " صورت مسئولہ میں جب زید نے بٹن نہیں لگایا جس کے باعث سینہ کھلا رہا تو اس کی نماز نیز مقتدیوں کی نماز مکروہ تحریمی ہوئی اور جب کسی خرابی کے باعث نماز مکروہ تحریمی ہو جائے تو اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ بدر الدین احمد صدیقی قادری رضوی غفرلہ
۱۹ ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ - از رمضان علی قادری رضوی علی آباد۔ ضلع بارہ بنکی

جاڑے کی وجہ سے اگر مسجد کے اندر نماز پڑھنے کی صورت میں تمام دروازوں کو بند کر کے صرف درمیانی دروازہ کھول کر نماز پڑھی جائے تو کوئی کراہت تو نہیں ہے۔ اور باہر صحن میں نماز پڑھی جائے تو اندر کے دروازے کھولنے کی حاجت ہے یا نہیں؟

الجواب جب کہ ایک دروازہ کھول کر پڑھی جائے تو کراہت نہیں اس لئے کہ فقہائے کرام نے مسجد کا دروازہ بند کرنے کو جو مکروہ فرمایا اس کی علت مشابہ منع من الصلاۃ ہے اور صورت مذکورہ منع من الصلاۃ کے مشابہ نہیں۔ ھدایہ، عنایہ، فتح القدیر، بحر الرائق اور رد المحتار میں ہے کرہ غلق باب المسجد لانہ یشبہ المنع من الصلاۃ ۱ھ اور اس علت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ باہر صحن میں نماز پڑھنے کی صورت میں اندر کا دروازہ کھول رکھنا ضروری نہیں۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ مرسلہ مولانا صوفی محمد صدیق مدرسہ نور العلوم محلہ کھوتیہ بھیرہوا (نیپال)

کاندھے سے چادر اوڑھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ اس میں کوئی کراہت نہیں اور حوالہ میں فتاویٰ امجدیہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے کہ: چادر اوڑھنے میں بہتر یہ ہے کہ سر سے اوڑھے اس طرح اوڑھنا مطابق سنت ہے اور کندھے سے اگر اوڑھے جب بھی نماز ہو جائے گی۔ نماز میں کراہت نہیں (جلد اول ص۲۳) حالانکہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۴۱۶ پر ہے کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شخص سے فرمایا کہ چادر اگر رکوع میں یا کھڑے ہونے سے گر جائے تو ہاتھ سے اشارہ کر کے سر پر رکھ لینی چاہئے اگر نہیں رکھے گا تو نماز مکروہ ہوگی۔ اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کے اس قول کا رد بھی نہیں فرمایا۔ تو ان دونوں

اقوال میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

الجواب چادر سر سے اوڑھ کر نماز پڑھنا سنت ہے۔ کندھے سے اوڑھ کر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے۔ فتاوی امجدیہ میں "کراہت نہیں" اس سے مراد کراہت تحریمی نہیں ہے۔ اور فتاوی رضویہ میں کراہت سے مراد تنزیہی ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جو حدیث نقل فرمائی ہے وہ کراہت تحریم کے اثبات کے لئے کافی نہیں کہ مکروہ تحریمی کا اثبات اس سنت کے ترک سے ہوگا جو سنت ھدی مثل اذان و جماعت کے ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از محمد اسحٰق پھر بیدی۔ ضلع گونڈہ (یوپی)

چشمہ لگائے ہوئے سجدہ کرنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب اگر چشمہ (عینک) سجدہ کرنے میں ہڈی تک ناک کے دبنے میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتا ہے تو نماز بلا کراہت ہو جائے گی اور اگر رکاوٹ پیدا کرتا ہے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی یعنی دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں یہ ناک ہڈی تک نہ دبی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی (بہار شریعت حصہ سوم صلا) ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ۔ از ارشاد حسین صدیقی بانی دارالعلوم امجدیہ سنڈیلہ۔ ضلع ہردوئی

آج کل عورتیں تانبہ، پیتل اور لوہے کے زیورات پہننے لگی ہیں تو ان کو پہن کر نماز پڑھنے سے کچھ خرابی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب تانبہ، پیتل اور لوہے کے زیورات پہن کر پڑھنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ ایسا ہی فتاوی رضویہ جلد سوم ص۲۲۴ میں ہے۔ اور ہر وہ نماز کہ مکروہ تحریمی ہو اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے درمختار میں ہے۔ کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

نفل اور تراویح کا بیان

مسئلہ ۔ از جمیل الدین صدیقی ۔ شہر بہرائچ ۔

ظہر، مغرب اور عشاء کی سنتوں کے بعد نفل نماز پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب نفل نماز کا پڑھنا ضروری نہیں بلکہ بہتر ہے۔ ہاں اگر نفل نماز قصداً شروع کردے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے اور قصداً شروع کرکے توڑ دے تو اس کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے درمختار میں ہے لزم نفل شرع فیہ بتکبیرۃ الاحرام او بقیام الثالثۃ شروعاً صحیحاً قصداً ولو عند غروب وطلوع واستواء علی الظاہر فان افسدہ حرم لقولہ تعالیٰ ولا تبطلوا اعمالکم الا بعذر و وجب قضاؤہ اھ ملخصاً وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ ۔ از فتح محمد شاہ دوبولیا بازار ۔ ضلع بستی ۔

عشاء فرض کی جماعت چھوٹ گئی تو تراویح اور وتر کی جماعت میں شامل ہو یا نہ ہو؟

الجواب جس نے عشاء کی جماعت تنہا پڑھی وہ تراویح کی جماعت میں شامل ہوجائے تنہا نہ پڑھے ہاں وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو درمختار میں ہے مصلیہ (ای الفرض) وحدہ یصلیہا (ای التراویح) معہ (ای مع الامام) اور ردالمحتار میں ہے اذا لم یصل الفرض معہ لا یتبعہ فی الوتر ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ ۔ از محمد اسلام ۔ داروغانہ بمبئی

کیا احادیث کریمہ، صحابۂ کرام اور جمہور علماء کے اقوال سے بیس رکعت تراویح کا ہونا ثابت ہے؟ اگر ہے تو کتابوں کے حوالوں کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب بیشک احادیث کریمہ اجماع صحابہ اور جمہور علماء کے اقوال سے ثابت ہے کہ تراویح

بیس٢٠ رکعت ہے جیساکہ بیہقی نے معرفہ میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر۔ یعنی صحابۂ کرام حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر پڑھتے تھے۔ اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم صفحہ ١٧٥ میں ہے قال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیح۔ یعنی امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا کہ اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔ اور حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت یزید بن رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں لوگ تیئس٢٣ رکعت پڑھتے تھے۔ (یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر)

اور مشکوٰۃ میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گیارہ١١ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا یعنی تین رکعت وتر اور آٹھ٨ رکعت تراویح۔ تو اس روایت کے بارے میں علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ وہم ہے اور صحیح یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں صحابۂ کرام بیس٢٠ رکعت تراویح پڑھتے تھے (مرقاۃ جلد دوم صفحہ ١٧٥) اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں جمع بینھما بانہ وقع اولاً ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث۔ یعنی ان دو روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں لوگ پہلے تو آٹھ رکعت پڑھتے تھے پھر بیس٢٠ رکعت پر قرار ہوا جیساکہ مسلمانوں میں رائج ہے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد دوم صفحہ ١٧٥) اور بیس٢٠ رکعت تراویح پر صحابۂ کرام کا اجماع ہے جیساکہ ملک العلماء حضرت علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں روی ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شھر رمضان علی ابی بن کعب فصلی بھم فی کل لیلۃ عشرین رکعۃ ولم ینکر علیہ احد فیکون اجماعاً منھم علی ذلک۔ یعنی مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان کے مہینے میں صحابۂ کرام کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جمع فرمایا تو وہ روزانہ صحابۂ کرام کو بیس٢٠ رکعت پڑھاتے تھے اور ان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو بیس٢٠ رکعت پر صحابہ کا اجماع ہوگیا (بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ١٢٥) اور عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ٣٥٥ میں ہے قال ابن عبد البر وھو قول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھو الصحیح

عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ۔ یعنی علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ وہ (یعنی بیس رکعت تراویح) جمہور علماء کا قول ہے علمائے کوفہ، امام شافعی اور اکثر فقہا یہی فرماتے ہیں اور یہی صحیح ہے ابی ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔ اور علامہ ابن حجر نے فرمایا اجماع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔ یعنی صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس[۲۰] رکعت ہے اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے وھی عشرون رکعۃ باجماع الصحابۃ۔ یعنی تراویح بیس[۲۰] رکعت ہے اس لئے کہ اس پر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اتفاق ہے۔ اور مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیۂ شرح وقایہ جلد اول ص۱۷۵ میں لکھتے ہیں ثبت اھتمام الصحابۃ علی عشرین فی عھد عمر وعثمان وعلی فمن بعدھم اخرجہ مالک وابن سعد والبیھقی وغیرھم۔ یعنی حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی صحابۂ کرام کا بیس[۲۰] رکعت پر اہتمام ثابت ہے۔ اس مضمون کی حدیث کو امام مالک، ابن سعد اور امام بیہقی وغیرہم نے تخریج کی ہے۔ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔ یعنی صحابۂ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعت ہے (مرقاۃ جلد دوم ص۱۷۵) بلکہ بیس رکعت جمہور کا قول ہے اور اسی پر عمل ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں اکثر اھل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشرین رکعۃ وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی ھکذا ادرکت ببلدنا مکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔ یعنی کثیر علماء کا اسی پر عمل ہے جو حضرت مولا علی اور حضرت فاروق اعظم اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بیس رکعت تراویح منقول ہے اور سفیان ثوری، ابن مبارک اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم بھی یہی فرماتے ہیں (کہ تراویح بیس رکعت ہے) اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوئے پایا ہے (ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان ص۹۹)۔

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح نقایہ میں تحریر فرماتے ہیں فصار اجماعًا لما روی البیھقی باسناد صحیح کانوا یقیمون علی عھد عمر بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان وعلی۔ یعنی بیس[۲۰] رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اس لئے کہ امام بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم حضرت عثمان غنی اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانوں میں صحابۂ کرام اور تابعین عظام بیس رکعت

تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۲۲۴ میں ہے ثبت العشرون بمواظبۃ الخلفاء الراشدین ماعدا الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مداومت سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے۔ اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں وھی عشرون رکعۃ ھو قول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقا وغربا۔ یعنی تراویح بیس رکعت ہے یہی جمہور علماء کا قول ہے اور مشرق و مغرب ساری دنیا کے مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے (شامی جلد اول صفحہ ۴۷۴) اور شیخ زین الدین ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں ھو قول الجمھور لما فی المؤطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرین رکعۃ وعلیہ عمل الناس شرقا وغربا۔ یعنی بیس رکعت تراویح جمہور علماء کا قول ہے اس لئے کہ مؤطا امام مالک میں حضرت یزید ابن رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں صحابۂ کرام تیئیس ۲۳ رکعت پڑھتے تھے (یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر) اور اسی پر ساری دنیا کے مسلمانوں کا عمل ہے۔ (بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۶۶) اور عنایہ شرح ہدایہ میں ہے کان الناس یصلونھا فرادی الی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال عمر انی اری ان اجمع الناس علی امام واحد فجمعھم علی ابی بن کعب فصلی بھم خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ شروع زمانۂ خلافت تک صحابۂ کرام تراویح الگ الگ پڑھتے تھے بعدہٗ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک امام پر صحابۂ کرام کو جمع کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ پھر انھوں نے ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صحابۂ کرام کو جمع فرمایا حضرت ابی نے لوگوں کو پانچ ترویحہ بیس رکعت پڑھائی اور کفایہ میں ہے کانت جملتھا عشرین رکعۃ وھذا عندنا وعند الشافعی۔ یعنی تراویح کل بیس رکعت ہے اور یہ ہمارا مسلک ہے اور یہی مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی ہے۔ اور بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۲۸۸ میں ہے واما قدرھا فعشرون رکعۃ فی عشر تسلیمات فی خمس ترویحات کل تسلیمتین ترویحۃ وھذا قول عامۃ العلماء یعنی تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے پانچ ترویحہ دس سلام کے ساتھ، ہر دو سلام ایک ترویحہ ہے اور یہی عام علماء کا قول ہے۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں وھی عشرون رکعۃ یعنی تراویح بیس رکعت ہے (احیاء العلوم جلد اول صفحہ ۲۰۱) اور شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۱۷۵ میں ہے سن التراویح

عشرون رکعۃ یعنی بیس رکعت تراویح مسنون ہے اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۱۰۸ میں ہے وھی خمس ترویحات کل ترویحۃ اربع رکعات بتسلیمتین کذا فی السراجیۃ یعنی تراویح پانچ ترویحہ ہے ہر ترویحہ چار رکعت کا دو سلام کے ساتھ ایسا ہی سراجیہ میں ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں عددہ عشرون رکعۃ یعنی تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے (حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم صفحہ ۱۸)

بیس رکعت تراویح کی حکمت

اور بیس رکعت تراویح کی حکمت یہ ہے کہ رات اور دن میں کل بیس رکعت فرض و واجب ہیں سترہ رکعت فرض اور تین رکعت وتر۔ لہٰذا رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح مقرر کی گئی تاکہ فرض و واجب کے مدارج اور بڑھ جائیں اور ان کی خوب تکمیل ہو جائے۔ جیسا کہ بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۶۶ پر ہے ذکر العلامۃ الحلبی ان الحکمۃ فی کونہا عشرین ان السنن شرعت مکملات للواجبات وھی عشرون بالوتر فکان التراویح کذلک لتقع المساوات بین المکمِّل والمکمَّل یعنی علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر فرمایا کہ تراویح کے بیس رکعت ہونے میں حکمت یہ ہے کہ واجب اور فرض جو دن رات میں کل بیس رکعت ہیں۔ انہیں کی تکمیل کے لئے سنتیں مشروع ہوئی ہیں تو تراویح بھی بیس رکعت ہوئیں تاکہ مکمل کرنے والی تراویح اور جنکی تکمیل ہوگی یعنی فرض و واجب دونوں برابر ہو جائیں۔ اور مراقی الفلاح کے قول وھی عشرون رکعۃ کے تحت حضرت علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں الحکمۃ فی تقدیرھا بھذا العدد مساواۃ المکمل وھی السنن للمکمل وھی الفرائض الاعتقادیۃ والعملیۃ۔ یعنی بیس رکعت تراویح مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مکمل کرنے والی سنتوں کی رکعات اور جن کی تکمیل ہوتی ہے یعنی فرض و واجب کی رکعات کی تعداد برابر ہو جائیں۔ اور درمختار مع شامی جلد اول صفحہ ۴۹۵ میں ہے وھی عشرون رکعۃ حکمتہ مساواۃ المکمِّل والمکمَّل۔ یعنی تراویح بیس رکعت ہے اور بیس رکعت تراویح میں حکمت یہ ہے مکمِّل مکمَّل کے برابر ہو۔ اور درمختار کی اسی عبارت کے تحت شامی میں نہر سے منقول ہے لا یخفی ان الرواتب وان کملت ایضا الا ان ھذا الشھر لمزید کمالہ زید فیہ ھذا المکمل

فتکمل۔ یعنی واضح ہوکر فرائض اگرچہ پہلے سے بھی مکمل ہیں لیکن ماہ رمضان میں اس کے کمال کی زیادتی کے سبب یہ مکمل یعنی بیس رکعت تراویح بڑھادی گئی تو وہ خوب کامل ہوگئے۔ ھٰذا ماعندی وھو تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۸۹ھ

مسئلہ۔ از محمد قابل صدیقی۔ تھانہ روڈ سلی گوڑی۔ دارجلنگ (مغربی بنگال)

تراویح کی نماز امام نے غلطی سے تین رکعت پڑھائی تو سجدۂ سہو کرنے سے دو رکعت نفل مانی جائے گی یا نہیں؟

الجواب اگر دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا تھا تو سجدۂ سہو کرنے کے باوجود دو رکعت نماز نفل نہیں مانی جائے گی۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۸ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ مسئولہ مولانا عبدالقدوس صاحب کشمیری سیفی جوبلی اسٹریٹ بمبئی ۳

مومن پورہ بمبئی ۱۱ سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام حقیقۃ الفقہ ہے اس میں ہماری معتبر کتابوں کے حوالے سے تراویح کے بارے میں مندرجہ ذیل باتیں لکھی ہوئی ہیں۔

۱۔ تراویح بیس رکعت کی حدیث ضعیف ہے (درمختار۔ ہدایہ۔ شرح وقایہ)

۲۔ تراویح آٹھ رکعت کی حدیث صحیح ہے۔ (شرح وقایہ)

۳۔ تراویح صحیح حدیث سے مع وتر کے گیارہ رکعت ثابت ہیں (ہدایہ۔ شرح وقایہ)

۴۔ مع وتر کے تراویح گیارہ رکعت سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور بیس رکعت سنت خلفائے راشدین ہے۔ (ہدایہ۔ شرح وقایہ)

۵۔ حضرت عمر نے جو نعم البدعۃ فرمایا اس سے مراد معنی لغوی ہیں نہ کہ شرعی (شرح وقایہ)

۶۔ تراویح آٹھ رکعت سنت ہیں اور بیس مستحب ہیں (شرح وقایہ)

مذکورہ بالا باتوں کا حقیقت سے کچھ تعلق ہے یا نہیں؟ واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب لعنة اللّٰه علی الکذبین۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ مذکورہ بالا باتوں کا حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ حضرت شیخ برہان الدین ابوالحسن علی مرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ یستحب ان یجتمع الناس فی شہر رمضان بعد العشاء فیصلی بھم امامھم خمس ترویحات۔ یعنی صاحب قدوری نے فرمایا مستحب ہے کہ لوگ ماہ رمضان میں عشاء کے بعد جمع ہوں تو ان کا امام ان کو پانچ ترویحہ یعنی بیس رکعت تراویح پڑھائے (ہدایہ جلد اوّل ص۱۳۰) قدوری کی اس عبارت کے تحت صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں ذکر لفظ الاستحباب والاصح انھا سنۃ کذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ لانہ واظب علیھا الخلفاء الراشدون یعنی صاحب قدوری نے مستحب کا لفظ تحریر فرمایا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ تراویح سنّت ہے ایسے ہی حضرت حسن نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اس لئے کہ تراویح خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے ہمیشہ ادا فرمائی ہے (ہدایہ جلد اوّل ص۱۳۱) صاحب شرح وقایہ حضرت صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں سن التراویح عشرون رکعۃ بعد العشاء یعنی عشاء کے بعد بیس رکعت تراویح سنّت ہے (شرح وقایہ جلد اول ص۱۷۵) اور صاحب درمختار حضرت شیخ علاء الدین محمد بن علی حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں وھی عشرون رکعۃ حکمتہ مساواۃ المکمل للمکمل یعنی تراویح بیس رکعت ہے اور بیس رکعت میں حکمت یہ ہے کہ مکمل مکمل کے برابر ہو (یعنی رات اور دن کے فرض و واجب جو کل بیس رکعت ہیں تراویح ان کے برابر ہو) (درمختار مع شامی جلد اوّل ص۴۹۵) معلوم ہوا کہ ہدایہ، شرح وقایہ اور درمختار کے نزدیک بیس ہی رکعت والی حدیث صحیح ہے۔ اسی لئے ان کتابوں میں بیس رکعت تراویح کو سنت لکھا۔ اور حقیقۃ الفقہ میں جتنی باتیں ان کتابوں کے حوالے سے لکھی گئی ہیں یعنی بیس رکعت تراویح والی حدیث کا ضعیف ہونا اور آٹھ رکعت والی حدیث کا صحیح ہونا وغیرہ سب جھوٹ ہے۔ ان کتابوں میں اس طرح کی باتیں ہرگز نہیں لکھی ہیں۔ یہ غیر مقلدوں کا کھلا ہوا فریب ہے اور ان کے مصنفین پر واضح بہتان ہے۔ جھوٹوں نے اپنے جھوٹے مذہب کو پھیلانے کے لئے جھوٹ کا سہارا لیا ہے۔ خدائے تعالیٰ ان کو سچے مذہب کے قبول کرنے کی ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ النبی الکریم الامین علیہ وعلیٰ آلہٖ افضل الصلوات واکمل التسلیم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

قضا نماز کا بیان

مسئلہ: از محمد اسلم بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

زید نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ مغرب کا وقت آگیا اس کے لئے کیا حکم ہے؟ عصر کی نماز پڑھکر مغرب کی نماز پڑھے یا باجماعت مغرب پڑھنے کے بعد عصر پڑھے۔ اسی طرح اور نمازوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب: اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ بعد بلوغ زید کی اگر چھ یا چھ وقت سے زیادہ نمازیں قضا ہو گئی ہیں اور ابھی ان میں سے کل یا بعض کی قضا پڑھنی باقی ہے تو کسی بھی وقت کی نماز ہو قضا پڑھنے سے پہلے جماعت میں شامل ہو جائے۔ اور اگر پانچ وقت یا اس سے کم کی نمازیں قضا ہوئی ہیں اور ان میں سے کل یا بعض کی قضا پڑھنی ابھی باقی ہے تو قضا پڑھنے سے پہلے نہ جماعت میں شریک ہو سکتا ہے اور نہ تنہا وقتی نماز پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ قضا ہونا یاد ہو اور اس وقت میں گنجائش ہو۔ ھٰذا خلاصۃ ما فی الکتب الفقھیۃ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۹ھ

بابُ سجود السہو

سجدۂ سہو کا بیان

مسئلہ: از محمد ہارون رضوی پائیدھونی بمبئی نمبر ۳

امام نے نماز پڑھاتے ہوئے تلاوت قرآن میں کچھ غلطی کی مقتدی نے لقمہ دیا امام نے صحیح کر لیا۔ پھر اسی غلطی کی بنا پر آخر میں سجدۂ سہو کیا جس کی ضرورت نہ تھی دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ جو لوگ سجدۂ سہو کے بعد جماعت میں شامل ہوئے ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: جو مقتدی امام کے سجدۂ سہو کا سلام پھیرنے کے بعد جماعت میں شامل ہوئے ان کی نماز نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ جب سجدۂ سہو واجب نہ تھا تو داہنی جانب سلام پھیرتے ہی نماز ختم ہو گئی

اور مسبوق کی بھی نماز فاسد ہوگئی اس لئے کہ محل انفراد میں اقتدا پائی گئی جو مفسد نماز ہے درمختار میں ہے سلام من علیہ سجود سہو یخرجہ من الصلوۃ خروجا موقوفا ان سجد عاد الیہا والا لا۔ ردالمحتار جلد اول صفحہ ۵۲۷ میں ہے انہ اذا قصد وقع لغوا فکانہ لم یسجد فلم یعد الی حرمۃ الصلوۃ۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلی اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۱ر جمادی الاولی سنہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ از محمد مظہر حسین قادری مدرسہ اہلسنت گلشن رسول قصبہ ولاسی گنج۔ فیض آباد

زید نماز عصر ادا کر رہا تھا قعدۂ اولیٰ میں اسے بیٹھنا تھا لیکن وہ بھول گیا اس کا اٹھنا اتنا تھا کہ قریب تھا کہ قیام مان لیا جاتا اتنے میں لقمہ پاتے ہی وہ قعدۂ اولیٰ کے لئے بیٹھ گیا تشہد پڑھنے کے بعد کھڑا ہوا نماز دو رکعت وہ بھی پوری کی ایسی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہوئی کہ نہیں جواب مدلل اور واضح عنایت فرمائیں۔

الجواب اگر امام کھڑے ہونے کے قریب تھا یعنی بدن کے نیچے کا آدھا حصہ سیدھا ہوگیا تھا اور پیٹھ میں خم باقی تھا کہ مقتدی کے لقمہ دینے پر بیٹھ گیا اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیا تو نماز پوری ہوگئی اور اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔ مراقی الفلاح مع طحطاوی صفحہ ۲۵۲ میں ہے ان عاد وھو الی القیام اقرب بان استوی النصف الاسفل مع انحناء الظہر وھو الاصح فی تفسیرہ سجد للسہو۔ اور اگر بیٹھنے کے قریب تھا یعنی ابھی جسم کے نیچے کا آدھا حصہ سیدھا نہ ہوا تھا کہ لقمہ دینے پر بیٹھ گیا تو سجدۂ سہو واجب نہیں نماز پوری ہوگئی اس کا اعادہ واجب نہیں ردالمحتار جلد اول صفحہ ۴۹۹ میں ہے اذا عاد قبل ان یستقیم قائما وکان الی القعود اقرب فانہ لا سجود علیہ فی الاصح وعلیہ الاکثر اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ر ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از اسرار احمد اعظمی معرفت محمد احمد یونس سیٹھ کی چال روم نمبر ۷ نیو آگرہ روڈ کرلا۔ بمبئی نمبر ۷۰

۱۔ امام عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور کھڑا ہوگیا دو تین مقتدیوں نے لقمہ دیا مگر امام کھڑا ہی رہا پھر آخر میں سجدہ سہو کیا نماز ہوگئی یا نہیں؟ اور جن مقتدیوں نے لقمہ دیا ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

۲۔ پچھلی صف میں ایک مقتدی دو رکعت پر امام کے ساتھ کھڑا نہ ہوا بلکہ بیٹھا رہا اور التحیات پڑھ کر کھڑا ہوا اس

مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب صورت مستفسرہ میں امام کے کھڑے ہونے کے بعد جن مقتدیوں نے اسے لقمہ دیا ان کی نماز نہیں ہوئی۔ جیسا کہ فتاوی رضویہ جلد سوم صفحہ ۴۰۳ میں ہے: کہ جب امام قعدہ اولی چھوڑ کر پورا کھڑا ہو جائے تو اب مقتدی بیٹھنے کا اشارہ نہ کرے ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی کہ پورا کھڑے ہونے کے بعد امام کو قعدہ اولی کی طرف عود ناجائز تھا۔ تو اس کا بتانا محض بے فائدہ رہا اور اپنے اصلی حکم کے رو سے کلام ٹھہر کر مفسد نماز ہوا۔ اور جیسا کہ بحر الرائق جلد دوم صک میں ہے۔ ولا یسبح للامام اذا قام الی الاخریین لانہ لا یجوز لہ الرجوع اذا کان الی القیام اقرب فلم یکن التسبیح مفیدا کذا فی البدائع وینبغی فساد الصلاۃ بہ لان القیاس فسادھا بہ عند قصد الاعلام وانما ترک للحدیث الصحیح من نابہ شیء فی صلاتہ فلیسبح فلا حاجۃ لہ لعمل بہ القیاس فعند عدمھا یبقی الامر علی اصل القیاس ——— اور جو شخص امام کے ساتھ کھڑا نہ ہوا بلکہ بیٹھا رہا التحیات پڑھ کر کھڑا ہوا وہ نماز کا اعادہ کرے۔ شامی جلد اول ص ۳۱۶ میں ہے۔ تجب متابعۃ للامام فی الواجبات فعلا وکذا ترکا ان لزم من فعلہ مخالفۃ الامام فی الفعل کترکہ القنوت او تکبیرات العید او قعدۃ الاولی او سجود السھو والتلاوۃ فیترکہ المؤتم ایضا اھ واللہ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۶ر صفر المظفر سنہ ۱۳۹۱ھ

مسئلہ از ابوالحسن منظری گورکھپوری

عید الاضحی کی نماز میں امام کو سہو ہوا اور اس نے سجدۂ سہو ادا کیا کیا نماز ہو گئی۔ زید کہتا ہے نماز نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ عیدین کی نماز میں سجدۂ سہو نہیں ہے امام نے سجدہ کر کے زیادتی کیا لہذا نماز نہیں ہوئی۔

الجواب زید کا کہنا عیدین کی نماز میں سجدۂ سہو نہیں ہے غلط ہے۔ بہار شریعت حصہ چہارم ص ۵ میں بحوالہ عالمگیری تحریر فرمایا ہے کہ "جمعہ و عیدین میں سہو واقع ہوا اور جماعت کثیر ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدۂ سہو نہ کرے" صورت مسئولہ میں نماز ہو گئی۔ امام نے صرف بہتر کے خلاف کیا ہے جب کہ مقتدیوں کی جماعت کثیر رہی ہو۔ اور اگر مقتدیوں کی جماعت کثیر نہ رہی ہو تب تو سجدۂ سہو اس پر واجب تھا ہی۔ نماز نہ ہونے کا کیا معنی ہے۔

کتبہ
بدر الدین احمد رضوی گورکھپوری
۱۵ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ از محمد امین الدین محلہ سگرامپورہ۔ مولوی اسماعیل اسٹریٹ سورت

امام تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا گیا اور دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا پھر مقتدی کے لقمہ دینے پر رکوع سے واپس ہوا دعائے قنوت پڑھی پھر رکوع کیا اور آخر میں سجدۂ سہو کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب جو شخص دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے اور رکوع میں چلا جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ دعائے قنوت پڑھنے کے لئے رکوع سے پلٹے بلکہ حکم ہے کہ وہ نماز پوری کرے اور اخیر میں سجدۂ سہو کرے۔ پھر اگر خود ہی یاد آجائے اور رکوع سے پلٹ کر دعائے قنوت پڑھے تو اصح یہ ہے کہ برا کیا گنہگار ہوا مگر نماز فاسد نہ ہوئی ردالمحتار میں ہے لوسہا عن القنوت فرکع فانہ لوعاد وقنت لاتفسد علی الاصح اھ مگر صورت مستفسرہ میں جب مقتدی نے امر ناجائز کے لئے لقمہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی پھر امام اس کے بتانے سے پلٹا اور وہ نماز سے خارج تھا تو امام کی بھی نماز فاسد ہوگئی اور اس کے سبب کسی کی نماز نہیں ہوئی ھکذا فی الکتب الفقھیۃ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۵ مرشوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ از محمد فاروق القادری متعلم دارالعلوم غوثیہ ذاکر نگر جمشید پور (بہار)

(۱) اگر امام بھول کر قعدۂ اولیٰ میں نہ بیٹھا بلکہ کھڑا ہوگیا یا کھڑے ہونے سے قریب ہوگیا پھر کسی مقتدی کے لقمہ دینے سے بیٹھ گیا اور آخر میں سجدۂ سہو کر لیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(۲) اور اگر امام نہیں بیٹھا پھر آخر میں سجدۂ سہو کر لیا تو امام و مقتدی کی نماز کا کیا حکم ہے؟

(۳) اور اگر امام بغیر لقمہ خود ہی خیال آنے سے بیٹھ گیا پھر سجدۂ سہو کیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

(۴) اگر کوئی ایسی غلطی ہوئی کہ سجدۂ سہو نہیں تھا پھر بھی کر لیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک العزیز الوھاب

(۱) اگر امام قعدۂ اولیٰ بھول کر سیدھا کھڑا ہوگیا اس کے بعد مقتدی کے لقمہ دینے سے بیٹھ گیا اور امام کی پیروی میں سب مقتدی بھی بیٹھ گئے تو کسی کی نماز نہ ہوئی سب کی نماز باطل ہوگئی اس لئے کہ سیدھا کھڑا ہوجانے کے بعد بیٹھنا گناہ ہے درمختار مع شامی جلد اول ص۵۰۶ میں ہے ان استقام قائما لایعود فلو عاد الی القعود تفسد صلاتہ وقیل لاتفسد لکنہ یکون مسیئا وھو الاشبہ کما حققہ الکمال وھو الحق

بحر اھ ملخصاً ردالمحتار میں ہے قولہ لکنہ یکون مسیئا ای او یاثم کما فی الفتح لہٰذا مقتدی کا نے امر ناجائز کے لئے لقمہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ پھر امام اس مقتدی کے بتانے سے لوٹا جو نماز سے خارج تھا تو اس کی نماز بھی باطل ہوگئی اور مقتدیوں ——————— کی نماز بھی فاسد ہوگئی۔ اگر ابھی امام سیدھا کھڑا ہوا تھا بلکہ کھڑے ہونے کے قریب تھا اور مقتدی کے لقمہ دینے پر بیٹھ گیا پھر آخر میں سجدۂ سہو کیا تو سب لوگوں کی نماز ہوگئی اس لئے کہ جب سیدھا کھڑا نہ ہو تو مذہب اصح میں پلٹ آنے کا حکم ہے مراقی الفلاح میں ہے ان عاد وھو الی القیام اقرب بان استوی النصف الاسفل مع انحناء الظھر وھو الاصح فی تفسیرہ سجد للسھو۔ طحطاوی ص ٢٥٢ میں ہے قولہ وھو الی القیام اقرب الخ ظاھرہ انہ ان لم یستو قائما یجب علیہ العود ثم یفصل فی سجود السھو فان کان الی القیام اقرب سجد لہ وان کان الی القعود اقرب لا فحکم السجود متعلق بالقرب وعدمہ وحکم العود متعلق بالاستواء وعدمہ۔ اور تنویر الابصار و درمختار میں ہے (سھا عن القعود الاول من الفرض) ولو عملیا اما النفل فیعود ما لم یقید بالسجدۃ (ثم تذکرہ عاد الیہ) وتشھد ولا سھو علیہ فی الاصح (ما لم یستقم قائما) فی ظاھر المذھب وھو الاصح فتح ردالمحتار ص ٤٩٩ میں ہے قولہ ولا سھو علیہ فی الاصح یعنی اذا عاد قبل ان یستتم قائما وکان الی القعود اقرب فانہ لا سجود علیہ فی الاصح وعلیہ الاکثر واما اذا عاد وھو الی القیام اقرب فعلیہ سجود السھو کما فی نور الایضاح وشرحہ بلا حکایۃ خلاف فیہ وصحح اعتبار ذلک فی الفتح بما فی الکافی ان استوی النصف الاسفل وظھرہ بعد منحن فھو اقرب الی القیام وان لم یستو فھو اقرب الی القعود۔ اور فتاویٰ رضویہ جلد ثالث ص ٤٣٢ میں ہے "اگر قیام سے قریب ہوگیا یعنی بدن کا نصف زیریں سیدھا اور پیٹھ میں خم باقی ہے تو بھی مذہب اصح وارجح میں پلٹ آنے ہی کا حکم ہے مگر اب اس پر سجدۂ سہو واجب" انتہی بالفاظہ - وھو اعلم بالصواب

(٢) اگر مقتدی نے اس وقت لقمہ دیا جب کہ امام بیٹھنے کے قریب تھا مگر وہ نہیں بیٹھا تو کسی کی نماز فاسد نہ ہوئی لیکن اس نماز کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے اس لئے کہ امام نے لقمہ کے بعد قصداً ترک واجب کیا جس کی تلافی سجدۂ سہو سے نہیں ہوسکتی فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ١١٨ میں ہے ان ترک ساھیا یجبر بسجدتی السھو وان ترک عامدا لا کذا فی التاتارخانیۃ وظاھر کلام الجم الغفیر انہ لا یجب السجود فی العمد وانما تجب الاعادۃ جبرًا لنقصانہ کذا فی البحر الرائق۔ اور اگر مقتدی نے

اس وقت بتایا جب کہ امام پورا سیدھا نہ کھڑا ہوا تھا کہ اتنے میں پورا سیدھا ہو گیا تو سجدۂ سہو سے سب کی نماز پوری ہو گئی کہ مقتدی نے اس وقت لقمہ دیا جب کہ امام کو بیٹھنے کا حکم تھا اس لئے مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوئی اور چوں کہ امام بھول کر کھڑا ہوا اس لئے اس کا نقصان سجدۂ سہو سے پورا ہو گیا۔

(۳) اگر امام بیٹھنے کے قریب تھا اور بیٹھ گیا تو نماز ہو گئی اور اس صورت میں سجدۂ سہو نہیں۔ اور اگر کھڑے ہونے سے قریب ہوا پھر بیٹھ گیا تو اس صورت میں سجدۂ سہو واجب ہوا اگر کر لیا تو نماز پوری ہو گئی۔ اور اگر پورا کھڑا ہو گیا پھر بغیر لقمہ خود ہی خیال آنے سے بیٹھ گیا تو گنہگار ہوا اور بمذہب راجح پر نماز فاسد نہ ہوئی اور سجدۂ سہو کرنے سے پوری ہو گئی۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۶۳۳ میں ہے "ہر کہ در فرض یا وتر قعدۂ اولیٰ فراموش کرد تا ناتمام استادہ نہ شود بسوئے قعود رجوعش باید پس اگر ہنوز بقعود اقرب بود سجدۂ سہو نیست واگر بقیام نزدیک تر شدہ باشد سجدۂ سہو لازم آید۔ واگر بتمامہ راست ایستاد آنگاہ نشستن روا نیست اگر بقعدۂ اولیٰ بازی گردد گنہگار شود امام راجح آنست کہ نماز دریں صورت ہم از دست نہ رود و سجدۂ سہو واجب شود امرلنا وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

(۴) اگر کوئی ایسی غلطی ہوئی کہ سجدۂ سہو لازم نہ تھا مگر پھر بھی سجدۂ سہو کیا تو منفرد امام اور وہ مقتدی جو مدرک ہیں یعنی پہلی رکعت سے آخر تک امام کے ساتھ پڑھتے ہیں ان سب کی نماز ہو گئی۔ لیکن جو لوگ امام کے سجدۂ سہو کرنے کے لئے سلام پھیرنے کے بعد جماعت میں شریک ہوئے ان کی نماز نہ ہوئی کہ بے سبب سجدۂ سہو کرنے سے امام سلام پھیرتے ہی نماز سے الگ ہو گیا تو مابعد کے مقتدیوں کو نماز کے کسی جز میں امام کی شرکت نہ ملی درمختار مع شامی ج ا ص۵۰۳ میں ہے سلام من علیہ سجود سھو یخرجہ من الصلوٰۃ خروجا موقوفا ان سجد عاد الیھا والا لا۔ اور ردالمحتار جلد اول ص۵۰۲ میں ہے انہ اذا سجد وقع لغوا فکانہ لم یسجد فلم یعد الی حرمۃ الصلوٰۃ۔ اور وہ مقتدی جو مسبوق ہیں یعنی جن لوگوں کی کچھ رکعتیں چھوٹ گئی ہیں اگر وہ لوگ سجدہ کرنے میں امام کی اتباع کئے بعد کو معلوم ہوا کہ سجدۂ سہو واجب نہ تھا تو ایسے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہو گئی اس لئے کہ انھوں نے محل انفراد میں اقتدا کیا طحطاوی علی مراقی ص۲۵۳ میں ہے ولو تابعہ المسبوق ثم تبین ان لا سھو علیہ ان علم ان لا سھو علی امامہ فسدت وان لم یعلم انہ لم یکن علیہ فلا تفسد وھو المختار کذا فی المحیط۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۳ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ از ابوالکلام احمد مقام و پوسٹ کمکور ضلع فرخ آباد

قعدۂ اخیرہ میں امام بجائے بیٹھنے کے کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہونے کے قریب ہو جائے اور امام لقمہ پر بیٹھ جائے یا اپنے خیال سے بیٹھ جائے تو سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر سجدۂ سہو کرنا ضروری ہے تو کیوں؟

الجواب قعدۂ اخیرہ میں بھول کر سیدھا کھڑا ہو جائے یا کھڑے ہونے کے قریب ہو جائے یعنی بدن کا نصف زیریں سیدھا اور پیٹھ میں خم باقی رہے کہ مقتدی کے لقمہ دینے پر یا خود بیٹھ جائے تو قعدۂ اخیرہ کی ادائگی میں تاخیر کے سبب سجدۂ سہو ضروری ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۲۱ میں ہے ان لم یقعد علی راس الرابعۃ حتی قام الی الخامسۃ ان تذکر قبل ان یقید الخامسۃ بالسجدۃ عاد الی القعدۃ ھکذا فی المحیط۔ وفی الخلاصۃ ویتشہد ویسجد للسہو کذا فی التتارخانیہ۔ اور فتح القدیر جلد اول ص۴۴۵ میں محقق علی الاطلاق سجدۂ سہو کی علت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں لانہ اخر واجبا ای واجبا قطعیا ھو الفرض من الکلام فی القعدۃ الاخیرۃ اھ۔ وھو تعالی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از نور محمد مسجد قلیان سنٹرل اسٹیشن چھاؤنی کانپور

زید نے جہری نماز پڑھائی جس کی پہلی رکعت میں الم ترکیف الخ اور دوسری رکعت میں سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون الخ پڑھی۔ آیا صورت مذکورہ میں نماز جائز ہوگی یا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی یا کچھ اور؟

الجواب قرآن مجید کو ترتیب سے پڑھنا واجبات تلاوت سے ہے واجبات نماز سے نہیں ہے اس لئے اگر کسی نے پہلی رکعت میں الم ترکیف الخ پڑھی اور دوسری رکعت میں سبحان ربک الخ پڑھی تو گنہگار ہوا توبہ کرے مگر نماز جائز ہوگئی مکروہ تحریمی واجب الاعادہ نہیں ہوئی اور نہ بھول کر پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوا۔ جیسا کہ ردالمحتار جلد اول ص[illegible] میں ہے یجب الترتیب فی سور القرآن فلو قرأ منکوسا اثم لکن لا یلزمہ سجود السہو لان ذالک من واجبات القراءۃ لا من واجبات الصلاۃ کما ذکرہ فی البحر فی باب السہو اھ۔ وھو تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ ازظل الرحمن خطاط استقامت ڈائجسٹ کانپور

اگر امام بھول کر قعدۂ اخیرہ میں کھڑا ہوگیا تو مقتدی کیا کریں ؟

الجواب اگر قعدۂ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد امام بھول کر کھڑا ہوگیا تو مقتدی اس کا ساتھ نہ دیں۔ بلکہ بیٹھے ہوئے انتظار کریں۔ اگر سجدہ کرنے سے پہلے امام لوٹ آئے تو مقتدی اس کے ساتھ سجدۂ سہو کرنے کے بعد تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ اور اگر امام نہ لوٹے یہاں تک کہ سجدہ کرے تو مقتدی تنہا سلام پھیر لیں اور اگر قعدۂ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھے بغیر امام بھول کر کھڑا ہوگیا اور لقمہ دینے پر واپس نہ ہوا یہاں تک کہ سجدہ کر لیا تو سب کی فرض نماز باطل ہوگئی۔ اور جس نے امام کے سجدہ کرنے سے پہلے سلام پھیر دیا اس کی بھی باطل ہوگئی مراقی الفلاح مع طحطاوی ص۱۶۹ میں ہے لو قام بعد القعود الاخیر ساھیا لایتبعہ المؤتم فیما لیس من صلاتہ بل یمکث فان عاد الامام قبل تقییدہ الزائدۃ بسجدۃ سلم معہ۔ وان قید الامام الرکعۃ الزائدۃ بسجدۃ سلم المقتدی وحدہٗ۔ وان قام الامام قبل القعود الاخیر ساھیا انتظرہ المأموم وسبح لینبہ امامہ فان سلم المقتدی قبل ان یقید امامہ الزائدۃ بسجدۃ فسد فرضہ لانفرادہ برکن القعود حال الاقتداء کما تفسد بتقیید الامام الزائدۃ بسجدۃ لترکہ القعود الاخیر فی محلہ ملخصا۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ رجمادی الاولی ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از غلام حسین قادری رضوی نوری مدرسہ اسلامیہ سعدی مدنپور ضلع باندہ

امام نے نماز عید پڑھائی دوسری رکعت میں دو تکبیر زائد کہہ کر تیسری تکبیر میں رکوع کو چلا گیا لقمہ مقتدی نے دیا تو فوراً امام نے اعادہ کر لیا اور نماز پوری سجدۂ سہو کے ساتھ کیا کچھ مقتدیوں نے سلام سہو کو آخری سلام سمجھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیا اور سجدۂ سہو بھی کیا اس صورت میں جن لوگوں نے دونوں طرف سلام پھیر دیا ان کی نماز ہوئی یا نہیں ؟

الجواب (۱) اگر امام تکبیر زوائد بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو حکم ہے کہ نہ لوٹے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد اول ص۴۶۵ اور بحر الرائق جلد دوم ص۱۶۱ میں ہے لو رکع الامام قبل ان یکبر فلا یعود الی القیام لیکبر فی ظاھر الروایۃ اھ ملخصا۔ اور بہار شریعت حصہ چہارم لاہوری ص۱۰۸ پر عید

کے بیان میں ہے کہ "امام تکبیر کہنا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو قیام کی طرف نہ لوٹے اھ" اور جب تکبیر کے چھوٹنے پر نہ لوٹنے کا حکم ہے تو ایک تکبیر کے چھوٹنے پر بدرجۂ اولیٰ نہ لوٹنے کا حکم ہے ــــ لہٰذا مقتدی نے غلط لقمہ دیا اور غلط لقمہ دینے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۲۳ میں بحر الرائق سے ہے القیاس فسادها به وانما ترك للحاجة فعند عدمها يبقى الامر على اصل القياس اھ ملتقطاً ــــ اور لقمہ دینے والا جب کہ نماز سے خارج ہوگیا اور امام اس کے بتانے سے لوٹا تو امام کی نماز گئی اور اس کے سبب سے لوگوں کی نماز جاتی رہی کسی کی نہ ہوئی۔ هٰکذا فی الجزء الثالث من الفتاوی الرضویة وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

بَابُ فِیْ سَجْدَةِ التِّلَاوَة

سجدۂ تلاوت کا بیان

مسئلہ از حاجی معشوق علی و عبد الحق اعظم گڑھ

(۱) اسلامی مدارس میں جو آیت سجدہ لڑکوں کو پڑھائی جاتی ہے تو طالب علم اور معلم پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ (۲) طالب علم اور معلم کا بغیر وضو کے قرآن پاک کا پڑھنا اور چھونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب (۱) طالب علم اگر آیت سجدہ پڑھ رہا ہے اور معلم سن رہا ہے یا معلم پڑھا رہا ہے اور طالب علم پڑھ رہا ہے اور دونوں نابالغ ہیں تو دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوگا مگر کرلینا بہتر ہے اور اگر ان میں سے ایک بالغ ہے تو صرف بالغ پر واجب ہوگا خواہ آیت سجدہ وہ خود پڑھے یا کسی سے سنے اور اگر دونوں بالغ ہیں تو پڑھنے اور سننے والے دونوں پر سجدہ کرنا واجب ہوگا پھر اگر پڑھنے والے نے ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھا اور سننے والے نے ایک ہی مجلس میں سنا تو دونوں پر ایک ہی بار سجدہ کرنا واجب ہوگا اور اگر پڑھنے والے کی مجلس ہر بار بدلتی رہی اور سننے والے کی مجلس نہ بدلی تو پڑھنے والا جتنی بار پڑھے گا اتنی

ہی بار اس پر سجدہ کرنا واجب ہوگا اور سننے والے پر ایک ہی سجدہ کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر پڑھنے والے کی مجلس تبدیل نہ ہو اور سننے والے کی مجلس ہر بار بدلتی رہی تو حکم برعکس ہوگا جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے ولو تبدل مجلس السامع دون التالی یتکرر الوجوب علیہ۔ ولو تبدل مجلس التالی دون السامع یتکرر الوجوب علیہ لا علی السامع علی قول اکثر المشائخ وبہ نأخذ کذا فی العتابیہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ سجدہ کی ایک ہی آیت کو بار بار پڑھا اور اگر سجدہ کی چند آیتوں کو پڑھا یا سنا خواہ ایک ہی مجلس میں تو جتنی آیتوں کو پڑھے گا یا سنے گا اتنی ہی بار سجدہ واجب ہوگا۔ طالب علم نے آیت سجدہ پڑھی اور معلم نے پڑھائی یا سنی اور دونوں نے سجدہ کر لیا پھر اسی مجلس میں طالب علم نے وہی آیت پڑھی اور معلم نے پڑھائی یا سنی تو وہی پہلا سجدہ کافی ہوگا۔ اور ایک ہی آیت کو بار بار پڑھنے اور سننے کے بعد آخر میں اگر ایک سجدہ کر لیا تب بھی ایک ہی کافی ہوگا اور تاخیر کرنے سے گنہگار نہ ہوگا۔ دو ایک لقمہ کھانے، دو ایک گھونٹ پینے، کھڑے ہو جانے، مدرسہ کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے کی طرف چلے جانے سے مجلس نہ بدلے گی۔ اور تین لقمے کھانے، تین گھونٹ پینے، تین کلمے بولنے، تین قدم میدان میں چلنے، لیٹ کر سو جانے سے مجلس بدل جائے گی اور کسی مجلس میں دیر تک بیٹھنے، قرأت، تسبیح، تہلیل، سبق پڑھانے وعظ میں مشغول ہونے سے مجلس نہیں بدلے گی۔

(۲) طالب علم اور معلم اگر دونوں نابالغ ہوں تو بے وضو قرآن مجید چھونا بہتر نہیں مگر چھو سکتے ہیں اور اگر مدرس بالغ ہو یا طالب علم بالغ ہو تو بالغ کو بغیر وضو کے قرآن مجید یا اس کی کسی آیت کا چھونا حرام ہے بے چھوئے یا دور سے دیکھ کر یا زبانی پڑھے تو کوئی حرج نہیں کما صرح بہ فی کتب الفقہ۔ واللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ جمادی الاولی ۱۳۹۹ھ

مسئلہ

از محمد اسلم بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

سجدۂ تلاوت بیٹھ کر کیا جائے یا کھڑے ہو کر؟

الجواب

سجدۂ تلاوت میں بیٹھ کر سجدہ میں جانا جائز ہے، اور کھڑے ہو کر سجدے میں جانا اور سجدہ کے بعد کھڑا ہونا مستحب ہے فتاوی عالمگیری جلد اول ص ۱۲۹ میں ہے والمستحب انہ اذا اراد ان یسجد للتلاوۃ یقوم ثم یسجد واذا رفع راسہ من السجود یقوم ثم یقعد کذا فی الظہیریۃ۔ واللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم جل جلالہ وصلی المولی تعالی علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷؍ جمادی الاخری ۱۳۸۶ھ

باب صلوٰۃ المسافر
نماز مسافر کا بیان

مسئلہ از سید غلام جہانیاں، گوٹھ بٹ سرائی ضلع داود (پاکستان)

زید جو ہندوستان کا ایک سنی حنفی عالم دین ہے ۴؍ ذی الحجہ کو مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ حاضر ہوا جس کی نیت یہ تھی کہ حج کے بعد ایک ماہ مکہ معظمہ میں قیام کرے گا عالم مذکور نے منٰی اور عرفات میں چار رکعت والی فرض نمازوں میں قصر کی ۹؍ ذی الحجہ کی رات کو جب عرفات سے مزدلفہ پہونچا تو عشا میں قصر کی اس پر بکر نے کہا کہ یہاں قصر کرنا غلط ہے عالم دین نے بکر کو سمجھانے کی کوشش کی مگر انھوں نے کہا کہ میں کئی بار حج کر چکا ہوں بڑے بڑے علماء کا ساتھ رہا ہے یہاں پر قصر ہرگز نہیں ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں عالم دین کا منٰی، عرفات اور مزدلفہ میں قصر کرنا صحیح ہے یا بقول بکر ان مقامات پر قصر کرنا غلط ہے۔ کتب معتبرہ کے حوالے سے بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب صورت مستفسرہ میں عالم دین جب کہ ۴؍ ذی الحجہ کو مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ حج کے لئے حاضر ہوا تو مسافر رہا مقیم نہ ہوا اس لئے کہ پندرہ دن کے قبل ہی اسے منٰی اور عرفات کی طرف نکلنا تھا تو جب بحالت مسافرت اس نے منٰی، عرفات اور مزدلفہ کی حاضری دی تو ان مقامات پر چار رکعت والی فرض نمازیں قصر ضروری ہوا بلکہ وہ عالم دین ۴؍ ذی الحجہ کو جب کہ وہ مکہ معظمہ میں داخل ہوا اگر اقامت کی نیت بھی کرتا تو وہ نیت اس کی صحیح نہ ہوتی اور قصر لازم رہتا بکر کا قول صحیح نہیں لہٰذا اس نے اگر کسی بھی سال مذکورہ صورت میں قصر نہ کیا تو ترک واجب کے سبب گنہگار ہوا۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص ۱۳۱ میں ہے ان نوی الاقامۃ اقل من خمسۃ عشر یوما قصر هذا فی الهدایۃ اھ۔ بحر الرائق جلد ثانی ص ۱۳۲ اور فتاوٰی ہندیہ

جلد اول مصری ص ۱۳۱ میں ہے ذکر فی کتاب المناسک عند الحاج اذا دخل مکۃ فی ایام العشر و نوی الاقامۃ نصف شہر لا یصح لانہ لا بد لہ من الخروج الی عرفات فلا یتحقق الشرط اھ۔ اور بدائع الصنائع جلد اول ص ۹۸ میں کتاب مذکور کے حوالہ سے ہے ان الحاج اذا دخل مکۃ فی ایام العشر ونوی الاقامۃ خمسۃ عشر یوما او دخل قبل ایام العشر لکن بقی الی یوم الترویۃ اقل من خمسۃ عشر یوما ونوی الاقامۃ لا یصح لانہ لا بد لہ من الخروج الی عرفات فلا یتحقق نیۃ اقامتہ خمسۃ عشر یوما فلا یصح اھ۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۳۰ میں ہے القصر واجب عندنا کذا فی الخلاصۃ اھ۔ درمختار میں ہے صلی الفرض الرباعی رکعتین وجوبا لقول ابن عباس ان اللہ فرض علی لسان نبیکم صلاۃ المقیم اربعا والمسافر رکعتین اھ۔ اور بحر الرائق میں ہے لو اتم فانہ اثم عاص اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جلال الدین احمد الامجدی

کتبہ

۹ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

مسئلہ

از قادری بکڈپو محلہ کیلہ غازی آباد

زید اپنے آبائی وطن سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر برسر روزگار قیام پذیر ہے دوران سال ہفتہ یا پندرہ یوم کے لئے اپنے اعزا واقارب سے ملنے کی غرض سے وطن جاتا ہے۔ آیا زید پر قصر واجب ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر زید اپنے آبائی وطن سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر صرف تجارت کے لئے مقیم ہے کہ اس جگہ نہ اس کی ولادت ہوئی نہ وہاں اس نے شادی کی اور نہ اسے وطن بنایا یعنی یہ عزم نہیں کیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی ہے بربنائے تعلق تجارت یا نوکری ہے تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی بلکہ وطن اقامت ہے اگرچہ وہاں بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہرحال یہ قیام مستقل نہیں بلکہ ایک وجہ خاص سے ہے تو جب وہاں سفر سے آئے گا جب تک پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہ کریگا قصر ہی پڑھے گا اور جب وہاں سے اپنے آبائی وطن کے لئے سفر کرے گا تو وہ راستہ میں قصر کرے گا کہ ساٹھ میل کا سفر کرے گا اور جب اپنے آبائی وطن میں پہونچ جائے گا تو قصر نہ کرے گا کہ وطن اصلی ہے اور مسافر جب وطن اصلی میں پہونچ جاتا ہے تو سفر ختم ہو جاتا ہے اگرچہ اقامت کی نیت نہ ہو۔ درمختار میں ہے الوطن الاصلی موطن ولادتہ

اوتاھلہ اوتوطنہ۔ ردالمحتار جلد اول ص۵۳۲ میں ہے قولہ اوتاھلہ ای تزوجہ وقولہ او توطنہ ای عزم علی القرار فیہ وعدم الارتحال وان لم یتاھل اور فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۳۲ میں ہے وطن الاقامۃ یبطل بوطن الاقامۃ وبانشاء السفر وبالوطن الاصلی ھکذا فی التبیین اور اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے اذا دخل المسافر مصرہ اتم الصلوۃ وان لم ینو الاقامۃ فیہ اھ وھو تعالی اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۸ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

مسئلہ از ابوالکلام مقام کسم کھور ضلع فرخ آباد

زید ملازمت کے لئے وطن سے دور رہتا ہے کبھی کبھی معین جگہ سے آٹھ دس کے فاصلہ پر جانا پڑتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ساٹھ میل کی دوری پر بھی سفر میں جانا پڑتا ہے مگر درمیان میں آٹھ دس میل کے فاصلے پر گھنٹے دو گھنٹے یا ایک آدھ شب کے لئے رکنا پڑتا ہے، حالات مذکورہ میں درمیان سفر میں نماز قصر پڑھیگا یا پوری اور جب معین جگہ سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر جانا پڑتا ہے تو وہاں نماز قصر کرے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مسئولہ میں جب معین جگہ سے آٹھ دس میل دور ہو جائے تو نماز قصر نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ قصر کے لئے خشکی میں مسافت سفر کم از کم، ۵۷ میل ہے اور جب معین جگہ سے ساٹھ میل کے سفر پر جانا پڑے اور راستے میں آٹھ دس میل کے فاصلہ پر ایک دو شب قیام کا ارادہ ہے جب بھی قصر نہیں۔ کیونکہ قصر کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ارادہ سفر متصل کا ہو۔ ہاں اگر ایک دو گھنٹے مثلاً کہیں بیچ میں رکنا ہے تو قصر کرے گا۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب

کتبہ
محمد الیاس خاں

الجواب صحیح
جلال الدین احمد الامجدی
بدر الدین احمد الرضوی

مسئلہ از محمد حنیف مدرسہ اسلامیہ جلال پور سکندرہ پوسٹ مدیا پور ضلع کانپور

ایک مدرس اپنے وطن سے تین دن کی راہ سے شہر میں گیا وہاں پر اس کے والدین رہتے ہیں خود بھی وہیں پر بڑھا اور پڑھا اور وہیں پر امامت اور مدرسی بھی کرنے لگا کبھی دوسرے دیہات یا شہروں میں چلا گیا اور وہاں امامت یا مدرسی کرنے لگا چھ ماہ یا ایک سال کے بعد جب واپس آیا جہاں پر والدین ہیں تو وہاں پر اس کو نماز قصر پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ جب کہ ایک ہفتہ رہنے کا خیال ہو۔

الجواب بعون الملک العزیز الوھاب جہاں مدرس کے والدین رہتے ہیں اگر وہ شہر اس کا وطن اصلی ہوگیا ہے کہ اس کے گھر کے لوگ وہاں مستقل سکونت اختیار کرلئے ہیں یعنی اس شہر میں قیام عارضی نہیں ہے تو وہاں پہونچ کر کسی صورت میں قصر نہیں کرے گا۔ اور وہ شہر اگر وطن اقامت ہے یعنی وہاں پر قیام عارضی ہے تو پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت کی صورت میں قصر کریگا بشرطیکہ مسافر ہوکر وہاں پہونچا ہو۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از محمد عبد السمیع صدیقی مدرسہ رکن الاسلام مقام گڑھی پوسٹ کھاتور ضلع الور (راجستھان)

(ا) زید مسافر ہے بکر مقیم نے زید کی اقتدا کیا زید پر سجدۂ سہو لازم ہوا زید نے سجدۂ سہو کیا بکر نے سجدۂ سہو نہیں کیا بکر کی اقتدا صحیح رہی یا غلط؟

(ب) زید مسافر عشاء کی نماز پڑھا رہا تھا بکر آخری رکعت میں شامل ہوا بکر اپنی تین رکعتیں کس طرح ادا کرے تینوں رکعتوں میں کیا کیا پڑھے؟

(ج) زید مسافر کی اقتدا بکر نے کیا بکر آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے یا نہیں؟ کس طرح آخری دو رکعتیں ادا کرے؟

(د) مچھلی کب سے حلال ہوئی کس طرح حلال ہوئی؟ مفصل تحریر فرمائیں کتب معتبرہ سے مدلل جواب مرحمت فرماکر ممنون ومشکور فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب (ا) مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی کے لئے سجدۂ سہو کے بارے میں وہی حکم ہے جو مسبوق کا ہے یعنی امام کے ساتھ بغیر سلام کے سجدۂ سہو کرے اگر امام کے ساتھ نہ کیا تو اقتدا باطل نہ ہوئی آخر میں سجدۂ سہو کرے اگر آخر میں بھی نہ کیا تو نماز کا اعادہ کرے فتاوی عالمگیری میں ہے المقیم خلف المسافر حکمہ حکم المسبوق فی سجدۃ السھو اھ اور مسبوق کے متعلق رد المحتار میں بحر وغیرہ سے ہے لو لم یتابعہ فی السجود وقام الی قضاء ما سبق بہ فانہ یسجد فی آخر صلاتہ استحسانا لان التحریمۃ متحدۃ فیجعل کانھا صلوۃ واحدۃ اھ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

(ب، ج) بکر لاحق مسبوق ہے امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب کھڑا ہو تو قیام میں کچھ نہ پڑھے بلکہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کی مقدار خاموش کھڑا رہے پھر رکوع وسجدہ سے فارغ ہوکر التحیات پڑھے کہ یہ اس کی دوسری رکعت

ہوئی پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور ویسی ہی بلاقرات پڑھے اور پھر التحیات کے لئے بیٹھے کہ یہ رکعت اگرچہ اس کی تیسری ہے مگر امام کے حساب سے چوتھی ہے اور پھر کھڑا ہو کر ثنا پڑھے اگر پہلے نہیں پڑھی اور تعوذ و تسمیہ سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے پھر رکوع سجدہ اور تشہد کے بعد نماز پوری کرے درمختار و ردالمحتار جلد اول ص۳۹۹ میں ہے مقیما ئتم بمسافر فھو لاحق بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقا ایضا کما اذا فاتہ اول صلاۃ امامہ المسافر اھ اور درمختار میں ہے اللاحق یبدأ بقضاء مافاتہ بلا قراءۃ ثم ماسبق بہ بہا ان کان مسبوقا ایضا اھ ملخصا اور ردالمحتار جلد اول ص۴۰۰ میں ہے صلی اللاحق ماسبق بہ بقراءۃ ان کان مسبوقا ایضا اھ پھر اسی صفحہ پر ہے فی شرح المنیۃ وشرح المجمع انہ لوسبق برکعۃ من ذوات الاربع ونام فی رکعتین یصلی اولا مانام فیہ ثم ما ادرکہ مع الامام ثم ماسبق بہ فیصلی رکعۃ مما نام فیہ مع الامام ویقعد متابعۃ لہ لانہا ثانیۃ امامہ ثم یصلی الاخری مما نام فیہ ویقعد لانہا ثانیتہ ثم یصلی التی انتبہ فیہا ویقعد متابعۃ لامامہ لانہا رابعۃ وکل ذالک بغیر قراءۃ لانہ مقتد ثم یصلی الرکعۃ التی سبق بہا بقراءۃ الفاتحۃ وسورۃ۔ والاصل ان اللاحق یصلی علی ترتیب صلاۃ الامام والمسبوق یقضی ماسبق بہ بعد فراغ الامام اھ۔

(د) دارالافتاء سے احکام شرعیہ حلال وحرام بتلائے جاتے ہیں حرام وحلال کی تاریخ کا تعلق دارالافتاء سے نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ صفر المظفر سنہ ۹۸ھ

مسئلہ
از ابن حسن مین پوری (یوپی)

مکہ اور مدینہ کی نمازیں کیا فرق ہے؟ نیز یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ کی نماز ہے یا مدینہ کی؟

الجواب
بعون الملک العزیز الوہاب سوال واضح نہیں کہ سائل کیا دریافت کرنا چاہتا ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ نماز کا کتنا حصہ مکی اور کتنا حصہ مدنی ہے تو واضح ہو کہ مکہ شریف میں کل گیارہ رکعتیں فرض ہوئی تھیں ۲ دو فجر ۲ دو ظہر ۲ دو عصر ۳ تین مغرب اور ۲ دو عشاء پھر مدینہ شریف میں چھ رکعتوں کا اضافہ ہوا ۲ دو ظہر میں ۲ دو عصر میں اور ۲ دو عشاء میں اس طرح دن رات میں کل سترہ ۱۷ رکعتیں ہوئیں۔ اسے یوں بھی

کہا جا سکتا ہے کہ مغرب کے علاوہ باقی وقتوں کی جو رکعتیں سورتوں سے خالی پڑھی جاتی ہیں وہ مدنی ہیں باقی مکی ہیں، اور بعض لوگ مکہ اور مدینہ کی نماز میں جو یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ ہر وہ رکعتیں جو جہری پڑھی جاتی ہیں وہ مکی ہیں اور جو خالی پڑھی جاتی ہیں وہ مدنی ہیں صحیح نہیں اس لئے کہ مغرب کی تینوں رکعتیں مکہ شریف میں فرض ہوئی تھیں جس میں سے ایک خالی بھی ہے ھذہ الخلاصۃ ما قال الشاہ ولی اللہ المحدث الدھلوی فی حجۃ اللہ البالغۃ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ

جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ ذوالقعدہ ۸۷ھ

مسئلہ

از محمد ابراہیم خاں چھاؤنی ضلع بستی (یوپی)

ایک مولانا صاحب سلطانپور میں رہتے ہیں اور ریاست خاں چھاؤنی میں رہتے ہیں جو فیض آباد سے پورب بستی روڈ پر واقع ہے۔ ریاست خاں نے مولانا کو اپنے لڑکے کی شادی میں شرکت کی دعوت دی اور تاکید کر دی کہ آپ صبح سویرے پہلے چھاؤنی آئیں دوپہر کا کھانا یہیں کھا کر آرام کریں پھر چھاؤنی سے فیض آباد ہوتے ہوئے علاقہ اکبر پور میں ٹانڈہ روڈ پر یعقوب پور بارات چلنا ہے۔ مولانا صاحب سلطانپور سے بوقت صبح شادی اور بارات کی شرکت کی نیت سے براہ فیض آباد چھاؤنی پہنچے دوپہر کا کھانا کھایا اور دو تین گھنٹے چھاؤنی میں رہے اور آرام کیا۔ پھر بارات کے ساتھ فیض آباد ہوتے ہوئے یعقوب پور گئے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں مولانا صاحب شرعی مسافر ہوئے یا نہیں؟ اور وہ نماز قصر کریں گے یا نہیں؟

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب اگر سلطانپور سے چھاؤنی کی مسافت ۵۷ ۳/۸ میل یعنی ۹۲ کلومیٹر نہیں ہے اور نہ چھاؤنی سے یعقوب پور ۹۲ کلومیٹر ہے تو اس صورت میں مولانا صاحب شرعی مسافر نہیں ہوئے قصر نہیں کریں گے اگرچہ سلطانپور سے چھاؤنی اور چھاؤنی سے یعقوب پور تک مجموعی مسافت ۹۲ کلومیٹر سے زیادہ ہو کہ صورت مذکورہ میں سفر دو ٹکڑے ہوگیا کہ ضمناً کہیں راستہ میں رکنے سے سفر کا ٹکڑا نہیں ہوتا اور اس صورت میں مولانا کے لئے چھاؤنی کا سفر ضمناً نہیں ہوا بلکہ استقلالاً ہوا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر دو سو میل کے ارادے پر چلا مگر ٹکڑے کرکے یعنی بیس میل جا کر یہ کام کروں گا وہاں سے تیس میل جاؤں گا وہاں سے پچیس میل وعلیٰ ہذا القیاس مجموعہ دو سو میل تو وہ مسافر نہ ہوا کہ ایک لخت ارادہ ۵۷ ۳/۸ میل کا نہ ہوا (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۶۹۷) اور اگر سلطانپور سے چھاؤنی ۹۲ کلومیٹر نہیں ہے مگر چھاؤنی سے یعقوب پور مسافت قصر ہے تو اس صورت میں

چھاؤنی تک مسافر نہ رہے لیکن چھاؤنی سے یعقوب پور کے سفر میں شرعی مسافر ہو گئے نماز قصر کریں گے۔ اور اگر سلطانپور سے چھاؤنی ۹۲ کلومیٹر یا اس سے زیادہ ہے تو سلطانپور سے نکلتے ہی مولانا مسافر ہو گئے چھاؤنی اور یعقوب پور کے راستہ میں قصر کریں گے اور ان مقامات پر بھی چار رکعت والی فرض نماز کو دو ہی پڑھیں گے۔ ھٰذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ و رسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۵ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ

مسئلہ از سید محفوظ الرحمٰن ٹی ٹی ای الہ آباد

میرا مکان ایک گاؤں میں ہے جہاں سے الہ آباد قریب ۱۲ کلومیٹر ہے۔ میں اپنے گاؤں سے قریب ۲ کلومیٹر پر نینی میں کرایہ پر مکان لے کر بسلسلۂ ملازمت رہتا ہوں۔ میں ریلوے میں ملازم ہوں اور گاڑی میں ٹکٹ چیک کرنے کی ڈیوٹی ہے۔ صدر مقام الہ آباد ہے وہاں سے مغل سرائے (۱۵۳ کلومیٹر) کانپور (۱۹۳ کلومیٹر) چورن (۲۰۱) ٹونڈلہ (۲۲۳) دہلی (۹۳۱) کو گاڑی لے کر جانا پڑتا ہے۔ واپس آکر الہ آباد میں گاڑی چھوڑ کر پھر نینی آتا ہوں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سبھی نینی و سفر میں دونوں جگہ نماز قصر کرنی پڑے گی کہ نینی میں آپ کا کوئی ذاتی مکان نہیں ہے۔ مگر میں جب نینی رہتا ہوں تو قصر نہیں کرتا ہوں اور باقی سفر کے ایام میں قصر کرتا ہوں تو حوالہ کے ساتھ یہ فتویٰ دیں کہ میں جس طرح نماز پڑھ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے یا کہ نینی میں رہنے پر بھی قصر کرنا ضروری ہے؟

الجواب جبکہ نینی کو اپنا وطن نہ بنایا ہو یعنی یہ عزم نہ کر لیا ہو کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا رہنا صرف عارضی ہو ملازمت کے لئے تو وہ جگہ آپ کے لئے وطن اصلی نہ ہوئی اگرچہ وہاں کا رہنا اہل و عیال کے ساتھ ہو۔ لہٰذا جب ۹۲ کلومیٹر یا اس سے زیادہ مسافت کی نیت سے سفر پر نکلیں تو واپسی کے بعد نینی میں بھی قصر کریں جب تک کہ وہاں پندرہ دن قیام کی نیت نہ کریں۔ البتہ اگر کبھی درمیان میں اپنے گاؤں جائیں گے تو مقیم ہو جائیں گے اب نینی آنے کے بعد بھی قصر نہ کریں گے جب تک کہ ۹۲ کلومیٹر یا اس سے زیادہ مسافت کی نیت سے سفر پر نکل کر واپس نہ ہوں گے ایسا ہی در مختار و رد المحتار جلد اول ص۵۳۲ میں ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں جبکہ وہ دوسری جگہ نہ اس کا مولد (جائے پیدائش) ہے نہ وہاں اس نے شادی کی نہ اسے اپنا وطن بنا لیا یعنی یہ عزم نہ کر لیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی بربنائے

متعلق تجارت یا نوکری ہے تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی اگرچہ وہاں بضرورت معلومہ قیام زیادہ اگرچہ وہاں برائے چندے
یا تا حاجت اقامت بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہرحال یہ قیام ایک وجہ خاص سے ہے نہ مستقل ومستقر۔ تو
جب وہاں سفر سے آئے گا جب تک پندرہ دن کی نیت نہ کرے گا قصر ہی پڑھے گا کہ وطن اقامت سفر کرنے سے باطل
ہو جاتا ہے فی الدر المختار الوطن الاصلی موطن ولادتہ او تاھلہ او توطنہ رد المحتار میں ہے قولہ او تاھلہ
ای تزوجہ قال فی شرح المنیۃ ولو تزوج المسافر ببلد ولم ینو الاقامۃ بہ فقیل لا یصیر مقیما وقیل
یصیر مقیما وھو الاوجہ قولہ او توطنہ ای عزم علی القرار فیہ وعدم الارتحال وان لم یتاھل
فلو کان لہ ابوان ببلد غیر مولدہ وھو بالغ ولم یتاھل بہ فلیس ذلک وطنا لہ الا اذا عزم علی
القرار فیہ وترک الوطن الذی کان لہ قبلہ شرح المنیۃ تنویر میں ہے ویبطل وطن الاقامۃ
بمثلہ والاصلی والسفر (فتاوی رضویہ جلد سوم ص [illegible]) وھو اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۱ رجمادی الاخری ۱۴۰۲ھ

بَابُ صلوٰۃ الجُمُعَہ

نماز جمعہ کا بیان

مسئلہ از محمد نعیم خاں، موضع سنگھ پور اودھیا پوسٹ برگدواہر یا ضلع گورکھپور
یہاں کے لوگ دیہات ہی میں جمعہ کی نماز ادا کر لیا کرتے ہیں لیکن بڑی بڑی اور مستند کتابوں کے ذریعہ معلوم ہوا کہ دیہات میں جمعہ کی نماز نہیں ہے یہ مسئلہ کہاں تک صحیح اور کہاں تک غلط ہے حوالہ کے ساتھ نقل کریں اور نیز یہ بھی بتادیں کہ دیہات میں عورتیں عید کی نماز گھر پر پڑھتی ہیں یہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب بے شک دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے ھٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی اور ہدایہ میں ہے لا تصح الجمعۃ الا فی مصر جامع او فی مصلی المصر ولا تجوز فی القری لقولہ علیہ السلام لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحٰی الا فی مصر جامع اھ۔ اور اسی کے تحت فتح القدیر میں ہے رفعہ المصنف وانما رواہ ابن ابی شیبہ موقوفًا علی علی رضی اللہ عنہ لا جمعۃ ولا تشریق ولا صلاۃ فطر ولا اضحٰی الا فی مصر جامع او فی مدینۃ عظیمۃ صححہ ابن حزم اھ۔

اور عورتیں اگر عید کی نماز گھر میں مردوں کے ساتھ پڑھتی ہیں تو اختلاط مردم کے سبب ناجائز ہے اور اگر صرف عورتیں جماعت کریں تو یہ بھی ناجائز اس لئے کہ صرف عورتوں کی جماعت ناجائز و مکروہ تحریمی ہے۔ فتاوٰی عالمگیری جلد اول مصری صـ۸۰ میں ہے یکرہ امامۃ المرأۃ للنساء فی الصلوات کلہا من الفرائض والنوافل الا فی صلوٰۃ الجنازۃ ھٰکذا فی النہایۃ اھ اور درمختار میں ہے یکرہ تحریما جماعۃ النساء ولو فی التراویح فی غیر صلاۃ جنازۃ اھ۔ اور اگر فردا فردا پڑھیں تو بھی نماز جائز نہ ہوگی اس لئے کہ عیدین کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے ہاں عورتیں اس دن اپنے اپنے گھروں میں فردا فردا نفل نمازیں پڑھیں تو باعث ثواب و برکت ہے اور سبب ازدیاد نعمت ہے واللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ از سید محمد محسن علی الحسینی عفی عنہ ہیڈ مولوی۔ بی۔ بی۔ ہائی اسکول پشکورہ۔ ضلع مدناپور (بنگال)

شہر کسے کہتے ہیں؟ ایسا گاؤں کہ جہاں ضرورت کی اشیاء ہر وقت ملتی ہو وہاں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب شہر وہ آبادی ہے جس میں دوامی بازار اور متعدد کوچے ہوں۔ وہ ضلع یا پرگنہ ہو اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اس میں کوئی ایسا حاکم ہو جو ظالم سے ظلم کا بدلہ لے سکے۔ ھٰکذا فی الفتاوی الرضویۃ ما قلا عن الخانیۃ والخلاصۃ والتنویر المختار وغیرھا من الکتب الفقھیۃ الحنفیۃ تعریف مذکور جس آبادی پر صادق آئے وہ شہر ہے ورنہ دیہات ہے۔ اور جمعہ شہر یا فنائے شہر ہی میں جائز ہے۔ دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔ اور جو بعض فقہاء نے قصبہ میں جمعہ جائز بتایا ہے جیسا کہ غنیہ کے حوالہ سے بہار شریعت میں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تحصیل یا پرگنہ ہو جو مصر ہی کی ایک قسم ہے۔ واضح ہو کہ دیہات میں اگرچہ جمعہ جائز نہیں لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی سے خوف کرتے ہوئے انھیں روکا نہ جائے لیکن مسئلہ شرعیہ سے ضرور آگاہ کیا جائے کہ دیہات میں جمعہ ادا نہیں ہوتا ظہر پڑھنا ضروری ہے۔ شامی جلد اول ص۵۹۰ پر جواہر سے ہے لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظھر۔ اھ واللّٰہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم جل جلالہ وصلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۹ جمادی الاولی ۱۳۸۹ھ

۷۷؎

مسئلہ از صمدہ فیض آباد۔ مرسلہ محمد عمر،

(۱) گوشائیں گنج ایک ایسا قصبہ ہے جہاں پر نہ کوئی عدالت ہے اور نہ کچہری ہے اور نہ ہی وہاں پر کوئی حاکم شرع رہتا ہے لیکن ایک بڑا بازار ہے اور ہندو مسلم کی ایک آبادی ہے مسلمانوں کی آبادی تقریباً ۴، ۵ سو ہے۔ ایسی صورت میں موضع گوشائیں گنج میں جمعہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) جن دیہاتوں میں عرصہ دراز سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہے تو وہاں جمعہ کو روکا جائے یا نہ روکا جائے؟

الجواب (۱) صحت جمعہ کے لئے مصر یا فنائے مصر شرط ہے اور مصر کی تعریف مذہب معتمد

ومسلک مستند پر حسب ذیل ہے۔ مصر۔ وہ آبادی ہے جس میں متعدد کوچے اور دوامی بازار ہوں اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ ھکذا فی الفتاوی الرضویۃ ناقلا عن الھدایۃ والخانیۃ والظھیریۃ والخلاصۃ والعنایۃ والدر المختار وغیرھا من الکتب الفقھیۃ الحنفیۃ۔ جہاں یہ تعریف صادق ہو شرعًا وہی شہر ہے وہاں جمعہ صحیح و درست ہے ورنہ نہیں۔ مقام مذکور پر مصر کی تعریف صادق نہیں لہٰذا وہاں جمعہ صحیح نہیں اور جو بعض فقہاء نے صحت جمعہ کے لئے قصبہ ہونا لکھا ہے جیسا کہ غنیہ شرح منیہ میں ہے تو اس سے ہمارے یوپی جیسے قصبہ مراد نہیں بلکہ وہ تحصیل یا پرگنے کے معنی میں ہے جو مصر ہی کی ایک قسم ہے لہٰذا گوشائیں گنج میں اگر مذکورہ بالا آبادی اور بازار کی بنا پر یہاں کے عرف عادت کے لحاظ سے قصبہ کہا جاتا ہو تو جب بھی صحت جمعہ کے لئے کافی نہیں!

(۲) ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلی سے خوف کرتے ہوئے مسلمانوں کو مطلقًا نماز جمعہ سے روکا نہ جائے لیکن مسئلہ شرعیہ سے ضرور آگاہ کیا جائے کہ دیہات میں جمعہ ادا نہیں ہوتا ظہر پڑھنا ضروری ہے۔ جیسا کہ شامی میں قہستانی سے ہے لو صلوا فی القری لزمھم اداء الظھر یعنی مسلمانوں نے اگر دیہات میں جمعہ پڑھ لی تو انھیں ظہر پڑھ لینا ضروری اور فرض ہے واللہ ورسولہ اعلم

کتبہ
محمد نعیم الدین صدیقی رضوی
۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ

مسئلہ از صمدہ ضلع فیض آباد مسئولہ عبد الغفور خاں مورخہ ۱۰ رجمادی الاخری ۱۳۸۱ھ

(۱) موضع اور قصبہ میں کیا فرق ہے۔ گوشائیں گنج ایک قصبہ ہے، بمد محلہ اور متعدد کوچے ہیں دوامی بازار ہے جامع مسجد اور مستقل عیدگاہ ہے۔ ریلوے اسٹیشن، تھانہ، ٹاؤن ایریا، بس اسٹیشن اور دو کالج ہیں اس سے متعلق کھیل کے میدان ہیں ڈاکخانہ اور اسپتال بھی ہیں تو اسے موضع کہا جائے گا یا کہ قصبہ میں شمار کیا جائے گا اگر کوئی شخص ایسی جگہ کو استفتار کی صورت میں موضع لکھ کر فتوی حاصل کرتا ہے تو ایسے شخص نے علمائے ملت کو دھوکا دیا یا نہیں؟ اور ایسا شخص عند اللہ وعند الرسول کیسا ہے؟ اگر یہ قصبہ ہے تو یہاں عید و جمعہ پڑھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھا جا سکتا ہے تو کیا احتیاطًا ظہر پڑھی جائے گی؟ (۲) جہاں ہمارے مذہب میں جمعہ نہیں اور عوام پڑھتے ہوں وہاں اپنا طریقہ ہے کہ لوگوں کو منع نہ کیا جائے کہ آخر نام الٰہی لیتے ہیں جو بعض ائمہ کے طور پر صحیح آتا ہے مگر خود شریک نہ ہوں کہ

ہمارے میں جائز نہیں فتاوی افریقہ ص۳۳ ۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ کون شخص شریک نہ ہو؟ اور ہمارے مذہب میں جائز نہیں، اس جملہ کا مطلب کیا ہے واضح فرمائیں ۔

الجواب قصبہ عرف عام میں ایسی آبادی کو کہتے ہیں جہاں ڈیڑھ ہزار آدمیوں سے لیکر دس بارہ ہزار تک آدمی بستے ہوں اور وہاں کچے مکانات کے ساتھ پختہ مکانات بھی ہوں کوئی مستقل بازار بھی ہو دو چار سڑکیں بھی ہوں ۔ اور گاؤں یا موضع اسے کہتے ہیں جہاں یہ باتیں نہ پائی جاتی ہوں لیکن شرع میں ہر وہ آبادی کہ جس پر شہر کی تعریف صادق نہ آئے گاؤں اور موضع ہے ۔ اور شہر وہ عمارت والی آبادی ہے جس میں متعدد کوچے ہوں دوامی بازار ہوں وہ ضلع یا پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات ہوں اس میں کوئی حاکم رعایا کے مقدمات فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کے یہاں قضایا پیش ہوتے ہوں اور اس کی شوکت و حشمت مظلوم کا انصاف ظالم سے لینے کے قابل ہو اگرچہ کبھی نہ لیا جائے ۔ شہر کی تعریف میں اگرچہ کثیر اقوال ہیں لیکن یہ تعریف ارشاد امام اعظم ظاہر الروایۃ اور اصل مذہب کے مطابق ہے جو کتب کثیرہ میں بالفاظ عدیدہ و معانی متقاربہ مرقوم ہے ھکذا قال الامام احمد رضا فی الفتاوی الرضویۃ اور قصبہ گوشائیں گنج پر یہ تعریف صادق نہیں آتی اس لئے کہ وہاں اسٹیشن، تھانہ، ٹاؤن ایریا، بس اسٹیشن، کالج، ہائی اسکول اور اسپتال فیصلہ مقدمات کے لئے نہیں ہوتے لہذا گوشائیں گنج کو موضع لکھ کر فتوی حاصل کرنے والا شرعاً علمائے کرام کا فریب دھندہ نہیں قرار دیا جاسکتا ہے تو وہاں عیدین اور جمعہ کی نماز پڑھنا مذہب حنفی میں جائز نہیں لیکن عوام پڑھتے ہوں تو منع نہ کریں گے کہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لے لیں غنیمت ہے درمختار میں ہے "کرہ تحریما صلٰوۃ مطلقا ولو نفلا مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلہا لانہم یترکونہا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک" وھو تعالٰی اعلم (۲) فتاوی افریقہ ص۳۳ کی عبارت "مگر خود شریک نہ ہوں" کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس مسئلہ سے واقف ہوں وہ شریک نہ ہوں اور ہمارے مذہب سے مراد مذہب حنفی ہے وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ ۴۸۵ از حافظ عبد الجبار کالپی بازار ٹکٹ گنج ضلع جالون (یوپی)

کسی گاؤں میں جہاں کی نماز جمعہ جائز ہونے کا شرعی جواز نہیں مگر کافی عرصہ سے اس گاؤں میں نماز جمعہ قائم ہے اور وہاں کے لوگ نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں قریب کے لوگ شہر سے اس گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنے جائیں؟ شہر کا ... چھوڑ کر تو ان شہر کے لوگوں کی نماز جمعہ اس گاؤں میں ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوگی تو جو نمازیں اس گاؤں میں

پڑھی تھی دہرانا پڑے گی یا نہیں؟ جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

الجواب گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھنے سے اس دن کی ظہر کی نماز ساقط نہیں ہوتی لہذا جن لوگوں نے جتنے دنوں جمعہ کی نماز گاؤں میں پڑھی ہے اتنے دنوں کی ظہر کی نماز قضا کرنا ان پر واجب اور لازم ہے پھر گاؤں میں کسی کام سے جاتے ہیں اور وقت ہونے پر جمعہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں یا صرف نماز جمعہ پڑھنے کی نیت سے شہر چھوڑ کر گاؤں میں چلے جاتے ہیں اگر صرف جمعہ پڑھنے کی نیت سے گاؤں میں چلے جاتے ہیں تو گنہ گار ہوتے ہیں ان پر لازم ہے کہ آئندہ نہ جائیں اور جو پہلے جانے سے گناہ ہوا اس سے توبہ کریں۔ اور اگر کسی ضروری کام سے جاتے ہیں تو حرج نہیں لیکن اگر وہ کام دوسرے روز ہو سکتا ہے تو دوسرے روز جائیں۔ واللہ اعلم

جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ ذیقعدہ ۹۲ھ

مسئلہ مسئولہ عبدالغفور خاں ممدہ ضلع فیض آباد

(۱) گاؤں اور چھوٹے قصبوں کے بسنے والے مسلمان اگر جمعہ وعیدین کی نماز نہ پڑھیں صرف ظہر کی نماز پڑھیں تو گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ (۲) گاؤں میں عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے نیا عیدگاہ بنانا اور اس میں مسلمانوں کا روپیہ صرف کرنا کیسا ہے؟ جب کہ اس رسم اسلامی کو جائز یا ناجائز طور پر بہر حال پہلے قریب کے قصبہ میں ادا کر لیا کرتے تھے، اور گاؤں میں عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے نیا عیدگاہ بنانے کے بجائے اگر مدرسہ اسلامیہ اہلسنت وجماعت بنوایا جائے تو کون زیادہ افضل واعلیٰ ثابت ہوگا؟

الجواب جہاں جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہیں اگر وہاں کے رہنے والے عیدین کی نماز نہ پڑھیں اور جمعہ کے بجائے ظہر پڑھیں تو عند الشرع گنہگار نہ ہوں گے لیکن عوام اگر جمعہ وعیدین کی نماز پڑھتے ہوں تو منع نہ کریں گے فتاوی رضویہ جلد سوم ص۷۲۲ پر بحوالہ درمختار منقول ہے کہ ۔ تحریماً صلاۃ مطلقا ولو نفلا مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلہا لانہم یترکونہا اور اسی کتاب میں ص۷۵۶ پر ہے دیہات میں نماز جمعہ وعیدین مذہب حنفی میں جائز نہیں مگر جہاں ہوتا ہے اسے بند کرنا جاہل کا کام ہے قال اللہ تعالیٰ ارأیت الذی ینھی عبداً اذا صلی واللہ تعالیٰ اعلم (۲) گاؤں میں عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے نئی عیدگاہ بنانے اور اس میں مسلمانوں کا روپیہ صرف کرنے کے بجائے مدرسہ اسلامیہ بنوانا افضل اور باعث ثواب ہے۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ

مسئلہ ازمقام مدھونگر دھوائی ضلع گونڈہ مرسلہ گل نور میاں

دیہات میں نماز جمعہ امام کس طرح پڑھائے؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھ لینے سے ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر بالفرض ساقط نہ ہوتی ہو تو ظہر کس طرح پڑھیں؟ اگر امام و مقتدی نماز ظہر جماعت سے پڑھیں تو عند الشرع اس میں جرم ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھنا مذہب حنفی میں جائز نہیں لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو منع نہ کریں گے کہ شاید اس طرح اللہ و رسول کا نام لے لینا ان کے لئے ذریعہ نجات ہو جائے اور جب دیہات میں جمعہ ہی نہیں بلکہ شہر کے جمعہ فرض کی نقل ہے تو اس کے لئے علیحدہ کوئی طریقہ نہیں۔ دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھ لینے سے ظہر کی فرض نماز ساقط نہیں ہوتی لہذا دوسرے ایام کی طرح جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ ذی القعدہ ۱۳۸۲ھ

مسئلہ از حقیق اللہ دیبا پور ضلع بستی۔

(۱) دیہات میں جمعہ کی نماز ہے یا نہیں؟ (۲) جو عالم دیہات میں جمعہ نہ پڑھے اور نہ پڑھائے تو شریعت کے نزدیک گنہگار ہے یا نہیں؟ (۳) جو عالم دیہات میں جمعہ کی نماز برابر پڑھے اور پڑھائے تو عند الشرع گنہگار ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب (۱) دیہات میں جمعہ کی نماز نہیں ہے لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے ھکذا قال الامام احمد رضا البریلوی وھو تعالیٰ اعلم (۲) شرعاً گنہگار نہیں ہے وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم (۳) اگر فتنہ کے اندیشہ سے عالم دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھے یا پڑھائے تو عند الشرع گنہگار نہیں فتاوی رضویہ جلد سوم میں ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو بہ نیت نفل شرکت ممکن ہے ھذا ما ظھر لی والعلم عند المولیٰ تعالیٰ عزوجل

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم جمادی الاخریٰ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ

از حافظ مطیع الحق ہتھپرہ، بستی (یوپی)

دیہات میں جمعہ سے پہلے اور بعد۔ قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ کی نیت سے سنتیں پڑھنا کیسا ہے؟ اور ظہر کی فرض و سنت پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

فقہ کی تمام معتمد کتابوں میں تصریح ہے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں اور پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے۔ تو جب دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں تو قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ کی نیت سے سنتیں پڑھنا بھی صحیح نہیں کہ شریعت کی جانب سے قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ کی سنتوں کے مطالبہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور جب ظہر کی نماز ساقط نہیں ہوتی تو اس کی سنتوں کا پڑھنا لازمی ہے کہ جمعہ کے دن بھی ظہر کی سنتوں کے پڑھنے کا مطالبہ بدستور باقی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دیہات میں قبل الجمعہ اور بعد الجمعہ کی نیت سے سنتیں پڑھنا غلط ہے اور ظہر کی فرض کو پڑھنا فرض اور اس کی سنتوں کا پڑھنا ضروری۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ ربیع الآخر ۹۸ھ

مسئلہ

از محمد عبد الشکور اوجاگرپوری ضلع گونڈہ

زید کہتا ہے کہ جمعہ کا خطبہ لکڑی کے منبر پر پڑھنا ناجائز ہے۔ واضح فرمائیں کہ کیا زید کا قول صحیح ہے؟

الجواب

بخاری شریف جلد اول ص ۱۲۵ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے کر لکڑی کا منبر بنوالیا اور اس پر بیٹھ کر خطبہ فرمایا لہٰذا جمعہ کا خطبہ لکڑی کے منبر پر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے بلکہ سنت ہے اور ناجائز بتلانے والا جاہل ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
۱۱ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ

۴۹۴

مسئلہ

از شوکت علی گورکھپوری

خطبہ زبانی پڑھنا سنت ہے یا کتاب دیکھ کر؟

الجواب

فتاوی رضویہ حصہ سوم ص ۷۲۱ میں اعلیحضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں "دیکھ کر اور زبانی دونوں نفس ادائے حکم میں یکساں ہیں مگر زبانی اوفق بالسنۃ ہے" یعنی اگر

کوئی شخص کتاب دیکھ کر خطبہ پڑھے تو درست ہے اور زبانی پڑھے تو بھی درست ہے مگر زبانی پڑھنا سنت سے زیادہ موافقت رکھتا ہے واللہ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۵؍ شوال ۱۳۸۵ھ

مسئلہ از محمد ذکی موضع تونہواں پوسٹ بہداول ضلع بستی

جمعہ کے خطبہ میں اُردو اشعار پڑھنا کیسا ہے پڑھنا چاہیئے کہ نہیں؟ اور اگر نہیں پڑھنا چاہیئے تو کیوں لکھا گیا اور پڑھا جائے تو کیسے پڑھا جائے حدیث شریف کا حوالہ دے کر صاف تحریر کرنے کی تکلیف گوارہ کریں۔

الجواب خطبہ میں اردو نظم یا نثر پڑھنا خلاف سنت متوارثہ اور مکروہ ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں ہزاروں عجمی شہر فتح ہوئے مگر کہیں منقول نہیں کہ صحابہ نے ان کی غرض سے خطبہ غیر عربی میں پڑھا یا اس میں دوسری زبان خلط کیا ہو وکل مالہ وجد مقتضیہ عینا مع عدم المانع ثم ترکوہ دل علی انہم کفوا عنہ فکان ادناہ الکراھۃ ھکذا فی الفتاوی الرضویۃ خطبہ کے درمیان اُردو کیوں لکھا گیا؟ اس کو لکھنے والے سے پوچھئے اور اگر درمیان میں لکھنا پڑھنے کی دلیل بن جائے تو نماز میں عربی کے ساتھ اُردو پڑھنا بھی جائز ہو جائے اس لئے کہ بہت سے قرآن میں عربی کے درمیان اُردو لکھا ہے مولیٰ تعالیٰ ہٹ دھرمی سے بچائے اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) بحرمۃ سید المرسلین صلوات اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۸؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ از خواجہ معین الدین رضوی منجانب چیرمین تنظیم رضا گارڈن پیٹھ ہبلی ضلع دھارواڑ (کرناٹک)

عرض ہے کہ ہماری مسجد میں آج کل خطیب مسجد جمعہ کے دن خطبہ منبر پر چڑھ کر دینے سے پیشتر نیچے کھڑے ہو کر اُردو میں تقریر کرتے ہیں پھر منبر پر چڑھ کر دونوں خطبے عربی میں پڑھتے ہیں زید کہتا ہے کہ یہ طریقہ درست نہیں ہے منبر پر کھڑے ہو کر عربی اُردو کے ترجمہ سے پڑھنا بہتر ہے از رہ کرم قرآن مجید واحادیث طیبہ کی روشنی میں مدلل حوالہ جات کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں عین نوازش و کرم ہوگا۔

الجواب بعون الملک العزیز الوھاب اذان خطبہ سے پہلے منبر سے نیچے یا منبر پر اردو وغیرہ میں تقریر کرنا بلا شبہ جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں اور بعد اذان خطبہ صرف اردو میں یا عربی اردو ترجمہ

کے ساتھ پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے، اور مکروہ ہے اس لئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری زمانۂ مبارک سے صحابۂ کرام و تابعین عظام و ائمہ اعلام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانۂ مبارک تک اسلام بے شمار عجمی شہروں میں شائع ہوا، مسجدیں بنیں اور منبر نصب ہوئے مگر کبھی عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ فرمایا یا خطبہ میں دو زبانیں ملانا مروی نہ ہوا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ خطبہ میں دوسری زبان ملانا سنت متوارثہ کے مخالف اور مکروہ ہے لہٰذا زید کا یہ کہنا کہ "خطبہ عربی اردو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا بہتر ہے" صحیح نہیں۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: غیر عربی میں خطبہ پڑھنا یا عربی کے ساتھ دوسری زبان خطبہ میں خلط کرنا خلاف سنت متوارثہ ہے (بہار شریعت حصہ چہارم ص ۹۸) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں: زمان برکت نشان حضور پرنور سید الانس والجان علیہ وعلیٰ آلہ وافضل الصلوٰۃ والسلام سے عہد صحابۂ کرام و تابعین عظام و ائمہ اعلام تک تمام قرون و طبقات میں جمعہ و عیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور و ماثور اور باآنکہ صحابہ من بعدہم من ائمۃ الکرام کے زمانوں میں ہزارہا بلاد عجم فتح ہوئے ہزارہا جوامع بنیں ہزارہا منبر نصب ہوئے عامۂ حاضرین اہل عجم ہوتے اور ان حضرات میں بہت وہ تھے کہ مفتوحین کی زبان جانتے اس میں ان سے کلام فرماتے باایں ہمہ کبھی مروی نہ ہوا کہ خطبہ غیر عربی میں فرمایا یا دونوں زبانوں کو ملایا ہو کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ الدہلوی فی شرح المؤطا مطلقاً سنت متوارثہ کا خلاف ناپسند ہے فی الدر المختار ان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعہم اھ۔ ای ثبت وتاکد نہ کہ ایسی سنت جہاں باوصف تحقق حاجت خلاف رخ نہ فرمایا ہو کہ اب تو اس کا خلاف ضرور مکروہ و اساءت ہوگا اھ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۶۲۳) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ر شوال المکرم ۱۳۹۹ھ

مسئلہ ۴۹۳

از متولی وسرپنچ گارڈن پیٹ ہبلی (کرناٹک)

حضور سید الکریم! عرض یہ ہے کہ ہمارے محلہ گارڈن پیٹ ہبلی کے مسجد میں دین علمائے اہلسنت کے طریقہ کار کے مطابق سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب کے مرتب کئے ہوئے خطبات کو منبر پر خطبۂ جمعہ اول و ثانی فقط عربی زبان میں پڑھا جا رہا ہے، اور ان خطبہ سے پہلے مذکورہ بالا خطبات کی کتاب سے اردو وعظ و نصیحت منبر سے نیچے کھڑے ہو کر سنا رہے ہیں، لیکن زید کہتا ہے کہ یہ طریقہ درست نہیں ہے "کیونکہ مجموعہ خطبہ حرمین شریفین مع ترجمہ" ترجمہ و تالیف کیا گیا ہے حضرت مولانا شاہ محمد عبد الحی صاحب واعظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں "لوگ جب

زبان عربی نہ جانتے ہوں تو دوسری زبان میں جو سامعین سمجھتے ہوں خطبہ پڑھنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست ہے" ہم اس سلسلے میں آپ سے فتویٰ حاصل کر کے پیش کر چکے ہیں اور دیگر بہار شریعت، درمختار، نوری کرن وغیرہ کتب کے بھی حوالے دے چکے ہیں لیکن زید بضد ہے کہ جب امام اعظم علیہ الرحمۃ اس کو جائز کہتے ہیں، تو خطبہ عربی اور اردو زبان کے ترجمے کے ساتھ پڑھنے میں کیا حرج ہے؟ لہٰذا کرم اس مسئلہ کو قرآن و حدیث کی روشنی میں صحیح طریقہ کار کیا ہے تحریر فرمادیں۔ اور ایسے ضد کرنے والے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ ہم آپ کے بہت ممنون و مشکور ہوں گے۔

الجواب ـــــ عربی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف مکروہ اور بدعت سیئہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اور تابعین عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے کہیں منقول نہیں کہ انھوں نے عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھا ہو اور خطبہ اذان سے پہلے کسی دوسری زبان میں تقریر کرنا بلاشبہ درست ہے اور صرف عربی زبان میں خطبہ پڑھنا سنت ہے، جو اسے ناجائز کہے وہ جاہل اگر فتاویٰ رضویہ، بہار شریعت اور سنیوں کے فتوے کو نہیں مانتا تو اس سے کہئے کہ کتاب تحقیق الخطبہ جو کتب خانہ اعزازیہ دیوبند نے چھاپا ہے اور دیوبندیوں کے مشہور مولانا شبیر احمد عثمانی سابق مدرس دارالعلوم دیوبند نے دیوبند کے مفتی عزیز الرحمٰن اور دیوبند کے سابق صدر المدرسین مولوی محمود الحسن اور دیوبند کے مدرس محمد انور شاہ کی تصدیق کے ساتھ فتویٰ لکھا ہے اسے منگا کر پڑھئے کہ اس کتاب کے صفحہ ۹ پر لکھا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فارس میں تشریف لا کر خطبہ فارسی زبان میں نہیں بلکہ عربی زبان میں پڑھتے تھے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ نے مؤطا کی شرح میں تحریر فرمایا ہے۔ پھر اسی صفحہ ۹ پر چند سطر کے بعد لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما خاص علی العربیۃ کی نسبت فرماتے ہیں کہ اگر وہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھے تو صحیح نہیں۔ امام صاحب اگرچہ [illegible] لیکن پسندیدہ ان کے نزدیک بھی یہی ہے کہ عربی میں پڑھا جائے۔ دیوبندیوں کے مولوی شبیر احمد عثمانی کی اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک عربی میں خطبہ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ شخص مذکور اگر اب بھی ضد کرے اور اپنی ہٹ دھرمی پر اڑا رہے اور دیوبند کے مولوی شبیر احمد عثمانی کے فتویٰ کو بھی نہ مانے تو اس کی نہ سنیں بلکہ عربی میں خطبہ پڑھیں اور اذان خطبہ سے پہلے جس زبان میں چاہیں تقریر کریں۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از محمد رضا مہتمم دار العلوم اسلامیہ سعدی مدنپور ضلع باندہ

صوفی جمیل الدین تعالی کا کہنا ہے کہ ملکی زبان میں خطبہ کا ترجمہ جائز ہے۔ آدمی جب عربی زبان نہ جانتے ہوں تو دوسری زبان میں جو سننے والے سمجھتے ہوں خطبہ پڑھنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست وجائز ہے کیونکہ خطبہ سے مقصد یعنی مطلب احکام الٰہی دین کا سمجھنا واطاعت وعبادت پر رغبت دلانا اور گناہوں سے نفرت دلانا وعذاب سے ڈرانا اور جنت کی خوشخبری سنانا ہے۔ تو جس زبان میں سامعین سمجھتے ہوں اس کے سوا دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے سے مطلب و مقصد حاصل نہیں ہوتا جبکہ خطبہ کا سننا فرض ہے۔ یہاں تک کہ خطبہ کے وقت سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا یا کسی قسم کی بات کرنا یا نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ بلکہ امام بیہقی قریب حرام کے کہتے ہیں۔ خطبہ کے وقت سلام کرنا اس لئے ناجائز ہے کہ خطبہ کے سننے و سمجھنے میں خلل نہ ہو بس اتنی تاکید و پابندی کا مطلب صرف خطبہ کے مضمون وعبارت کے سننے سے حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ خطبہ کا مطلب نہ سمجھے۔ یہی قول صاحبین رحمۃ اللہ تعالی علیہما کا ہے بلکہ اقرب الی الجواز ہے جبکہ اللہ کا فرمان ہے وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ لیبین لھم اور خاتم الانبیاء کے حق میں فرمایا وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا اس لئے ہر زبان میں خطبہ اور رسول کو بھیجا جو کافی ہے دنیا کے سب آدمیوں کے لئے کہ خوشخبری دیں اور دوزخ سے ڈرائیں۔ بس ضروری بات وعظ اور امر شرعیہ سے جو سامعین جو زبان جانتے ہوں اسی زبان میں خطبہ کا ترجمہ پڑھنا جائز ہے اور ضروری ہے۔ اس باب میں امام اعظم کا مذہب اوفق اور انسب ہے تاکہ دین کی حجت کا معاملہ ہو اور لوگوں کو لاعلمی و نا سمجھی کا عذر نہ رہے۔

الجواب: حاضرین عربی زبان جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں بہرصورت دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک جائز اس معنی میں ہے کہ جمعہ کی شرط جو خطبہ ہے وہ پائی جائے گی اور نماز ہو جائے گی مگر ایسا کرنا سنت متوارثہ کے خلاف اور مکروہ ہے جیسے کہ امام اعظم کے نزدیک عربی تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کی بجائے فارسی وغیرہ دوسری زبان کے الفاظ سے نماز شروع کی تو نماز ہو جائے گی مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ رد المحتار جلد اول ص۲۲۵ میں ہے اما الشروع بالفارسیۃ فالدلیل فیہ للامام اقوی وھو کون المطلوب فی الشروع الذکر والتعظیم وذلک حاصل بای لفظ کان وای لسان کان نعم لفظ اللہ اکبر واجب للمواظبۃ علیہ اھ۔ اور خطبہ کی اصل ذکر الٰہی ہے جیسا کہ حضرت شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ تعالی علیہ تحریر فرماتے ہیں الخطبۃ ذکر والمحدث والجنب لایمنعان من ذکر اللہ یعنی خطبہ ذکر الٰہی ہے اور محدث اور جنب ذکر الٰہی سے نہیں روکے جائیں گے۔ (مبسوط جلد ثانی ص۳۰)

اور ائمہ ثلاثہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد علیہم الرحمۃ والرضوان کسی امام کے نزدیک خطبہ کی اصل وعظ و نصیحت نہیں ہے اسی لئے اگر کسی خطیب نے صرف الحمد للہ کہا تو خطبہ ہو جائے گا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک ذکر اتنی کم سے کم تین آیت یا تشہد کی مقدار میں ہونا ضروری ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۱۳۲ میں ہے کفت تحمیدۃ او تهلیلۃ او تسبیحۃ کذا فی المتون اور جوہرہ نیرہ جلد اول ص۹۹ میں ہے فان اقتصر علی ذکر اللہ تعالٰی جاز عند ابی حنیفۃ لقولہ تعالٰی فاسعوا الی ذکر اللہ وقال ابو یوسف ومحمد لا بد من ذکر طویل یسمی خطبۃ و ادناہ من قولہ التحیات للہ الی قولہ عبدہ ورسولہ۔ اور عنایہ مع فتح القدیر جلد دوم ص۳ پر ذکر طویل کی شرح میں ہے وهو مقدار ثلث آیات عند الکرخی وقیل مقدار التشہد اور امام ابن ہمام علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں فکان اجماعا منہم اما علی عدم اشتراطھا واما علی کون الحمد للہ ونحوھا تسمی خطبۃ لغۃ وان لم تسم بہ عرفا یعنی یہ صحابہ کرام کا یا تو اس بات پر اجماع ہو گیا کہ ذکر طویل شرط نہیں، اور یا تو اس بات پر اجماع ہو گیا کہ لفظ الحمد للہ اور اس کے مثل لغت کے اعتبار سے خطبہ ہے اگرچہ عرف کے اعتبار سے اس کا نام خطبہ نہ ہو (فتح القدیر جلد دوم ص۳) اور حضرت شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں والذکر یحصل بقولہ الحمد للہ فما زاد علیہ شرط الکمال لا شرط الجواز یعنی الحمد للہ سے بھی ذکر حاصل ہو جاتا ہے اس سے زائد کمال کی شرط ہے نہ کہ جواز کی (مبسوط جلد دوم ص۳) ان اقوال مذکورہ بالا سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ اصل خطبہ مطلق ذکر ہے اور خطبہ سے مقصد حقیقی وعظ و نصیحت نہیں۔ ہے اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانہ مبارکہ میں ہزاروں عجمی شہر فتح ہوئے اور ان میں جمعے قائم ہوئے مگر حاضرین کی زبان جاننے کے باوجود ان کے سمجھنے کی رعایت کرتے ہوئے کبھی صحابہ کرام نے ان کی زبان میں جمعہ کا خطبہ نہ فرمایا جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے مسوّی و مصفّٰی شرح موطا میں تحقیق فرمایا ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام، ائمہ اسلام اور فقہائے عظام جو خطبہ کی حقیقت کو ہم سے زیادہ سمجھتے تھے ان کے عمل اور قول سے صوفی صاحب کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا کہ خطبہ سے مقصد احکام الٰہی کا سمجھنا ہے۔ اور یہ بات بھی غلط ثابت ہو گئی کہ سامعین جو زبان جانتے ہوں اسی زبان میں خطبہ پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ صوفی صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے کہ خطبہ کا سننا فرض ہے مگر یہ خیال غلط ہے کہ سننے کے ساتھ سمجھنا بھی ضروری ہے یہاں تک کہ خطیب کو بھی خطبہ کا سمجھنا ضروری نہیں ورنہ عربی نہ جاننے والا خطیب اگر سنت متوارثہ پر عمل کرتے ہوئے صرف عربی میں خطبہ پڑھے تو وہ قابل مواخذہ ہوگا اور یہ سراسر غلط ہے۔ جو لوگ کہ

حاضرین کی رعایت سے عربی کے علاوہ دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں وہ دن دور نہیں جب کہ یہ لوگ حاضرین کے سمجھنے کے لئے نماز میں بھی عربی کی بجائے دوسری زبانوں میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے کے لئے کوشش کریں گے۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اگر ایک گجراتی مسلمان مثلاً مدراس میں پہونچ جائے جہاں کی زبان وہ نہیں جانتا ہے اور وہاں کا خطیب بقول صوفی صاحب لوگوں کو سمجھنے کے لئے مقامی زبان میں خطبہ پڑھے تو گجراتی مسلمان کو غیر مانوس زبان سے سخت وحشت ہوگی اور اگر وہ عربی میں پڑھے تو اسے کوئی وحشت نہ ہوگی اگرچہ وہ نہ سمجھے اس لئے کہ اس کا دین عربی، نبی عربی اور کتاب سب عربی ہیں۔ ہر مسلمان کو عربی زبان سے گہرا تعلق ہے۔ اے کاش! صوفی صاحب اور ان کے جیسا ذہن رکھنے والے دوسرے لوگ اس نکتہ کو سمجھ لیتے تو کبھی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے کے لئے کوشش نہ کرتے۔ پھر یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے بلکہ اہلسنت وجماعت اور دیوبند کے مفتیوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ خطبہ عربی ہی میں ہونا چاہئے۔ جیسا کہ اعلیٰحضرت پیشوائے اہلسنت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اردو میں خطبہ پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف اور بہت برا ہے (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص۷۱۴) اور دارالعلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں کہ روایات فقہیہ سے اور عمل صحابہ سے بھی ثابت ہے کہ خطبہ میں اردو فارسی نظم ونثر مکروہ و بدعت ہے اور درمیان خطبہ کے وعظ کہنا بھی ایسا ہی ہے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد اول ودوم ص۲۹۳) اور دارالعلوم دیوبند کے دوسرے مشہور مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ جمعہ کے خطبہ کے ساتھ اردو میں ترجمہ خواہ نثر سے ہو یا نظم سے بدعت اور ناجائز ہے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند حصہ اول ودوم ص۳۱۲) خدائے تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ سنت متوارثہ کو مٹانے اور بری بات و بدعت کو رائج کرنے پر زور قلم نہ صرف کریں بلکہ سنت متوارثہ کو زندہ کرنے اور ناجائز امور کو مٹانے کے لئے کوشش کریں۔ آمین۔

وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۵/ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد قبلہ امجدی مدظلہ العالی کی تصنیفات

انوار الحدیث، خطبات محرم، تعظیم نبی، انوار شریعت اور بدمذہبوں سے رشتے کا مطالعہ ضرور کریں۔

مسئلہ

از سید محمد عثمان رضوی۔ مقام و پوسٹ دستو ضلع بناس کانٹھا (گجرات)

(۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟ (۲) کیا فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کو مکروہ و منع لکھا ہے؟ (۳) مسلمانوں کو حدیث و فقہ پر عمل کرنا چاہیئے یا رسم و رواج پر۔ جو رسم و رواج کہ حدیث و فقہ کے خلاف ہوں۔ تو ایسی رسم و رواج پر اڑا رہنا اور حدیث و فقہ پر عمل نہ کرنا کیسا ہے؟ اور کتابوں میں جو ہے کہ خطیب کے سامنے اذان دی جائے تو سامنے سے کیا مراد ہے مسجد کے اندر یا باہر؟ حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب

(۱) سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانۂ مبارکہ میں خطبہ کی اذان مسجد کے باہر دروازہ پر ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے

عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ جب رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جمعہ کے دن منبر پر رونق افروز ہوتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسے ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ مبارکہ میں بھی رائج تھا (ابوداؤد شریف جلد اول ص۱۶۲) اور جیسا کہ تفسیر جمل جلد چہارم ص۳۴۳ پر آیت کریمہ اذا نودی للصلوۃ کے تحت ہے اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد۔ یعنی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی۔ (۲) بیشک فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں مسجد کے اندر پڑھنے کو مکروہ و منع لکھا ہے۔ جیسا کہ فتاوی قاضی خان جلد اول مصری ص۷۸۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۵۵ اور بحر الرائق جلد اول ص۲۶۸ میں ہے لا یؤذن فی المسجد یعنی مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ اور فتح القدیر جلد اول ص۲۱۵ میں ہے قالوا لا یؤذن فی المسجد۔ یعنی فقہائے کرام نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ اور طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۷ میں ہے یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القہستانی عن النظم۔ یعنی مسجد میں اذان پڑھنا مکروہ ہے ایسا ہی قہستانی میں نظم سے ہے۔ (۳) مسلمانوں کو حدیث و فقہ پر عمل کرنا لازم ہے۔ اور جو رسم و رواج کہ حدیث و فقہ کے خلاف ہوں تو ایسی رسم و رواج کو چھوڑ کر حدیث و فقہ پر عمل نہ کرنا اور رسم و رواج پر اڑا رہنا سخت ترین جہالت ہے۔ اور سامنے سے مراد خطیب کے سامنے مسجد کے باہر ہے جیسا کہ وہ حدیث شریف جو سوال ۱ کے جواب میں مذکور ہوئی اس میں بین یدی کے ساتھ علی باب المسجد بھی ہے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از سید جاوید اشرف چشتی رضوی نظامی ایم۔اے (فاضل) پیر محمد رضوی و محمد الیاس اشرفی۔ بادی مسجد سلی گوڑی۔ دارجلنگ

امارت شرعیہ پھلواری شریف کے مندرجہ ذیل فتاوی کے بارے میں یہاں شدید اختلاف ہوگیا ہے۔

(الف) جمعہ کی اذان ثانی ابتدا سے اب تک اندرون مسجد منبر کے سامنے ہی ہوتی آرہی ہے۔ اس پر عمل رہا صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ و بزرگان دین کا۔ فقہا نے بھی یہی لکھا ہے۔ شامی، درمختار، حلبی کبیر، بحرالرائق وغیرہ میں بھی یہی مذکور ہے۔ اس لئے جمعہ کی اذان ثانی اندرون مسجد منبر کے سامنے ہی دینی چاہیئے اس کے خلاف غلط اور بدعت سیئہ ہوگا۔ (ب) احادیث سے دونوں کا ثبوت ملتا ہے (شروع سے بھی حی علی الصلوٰۃ پر بھی) مگر اس زمانے میں چونکہ لوگ نوافل میں صفوف سیدھی کرنے کا اہتمام نہیں کرتے اس لئے ابتدائے اقامت ہی میں کھڑے ہو جاتے ہیں بہتر تاکہ ختم ہونے اور جماعت شروع ہونے تک صفیں سیدھی ہو جائیں۔

الجواب (الف) جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ یہ لکھنا سراسر جھوٹ ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی ابتدا سے اب تک اندرون مسجد منبر کے سامنے ہی ہوتی آرہی ہے۔ حیرت ہے کہ ایک مفتی نے یہ کیسے لکھ دیا کہ اسی پر عمل رہا صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ اور بزرگان دین کا۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانہ میں جمعہ کی اذان ثانی کا خارج مسجد دروازہ پر ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد جلد اول ص۱۶۲ میں ہے عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر۔ یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی اور ایسا ہی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی رائج تھا۔ اور حضرت علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آیت کریمہ اذا نودی للصلوٰۃ کے تحت تحریر فرماتے ہیں اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد۔ یعنی جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر تشریف رکھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان پڑھی جاتی تھی (تفسیر جمل جلد چہارم ص۳۴۳) اور فقہائے کرام نے یہ ہرگز نہیں لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی اندرون مسجد دی جائے۔ یہ ان کے اوپر جھوٹا الزام ہے۔ درمختار اور شامی وغیرہ کی عبارت بین یدی الخطیب سے اندرون مسجد سمجھنا کھلی ہوئی جہالت ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف کی معتبر کتاب ابوداؤد شریف اور تفسیر جمل نے ثابت کر دیا کہ بین یدی الخطیب سے مراد یہ ہے کہ امام کے سامنے مسجد کے دروازہ پر یعنی باہر اذان دی جائے۔ اور مسجد

کے باہر اذان دینا بدعت سیئہ نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ البتہ منبر کے پاس اندر اذان پڑھنا ضرور بدعت سیئہ ہے۔ اور باہر اذان پڑھنا جو حدیث شریف سے ثابت ہے اسے بدعت سیئہ کہنا گمراہی ہے۔ (ب) امام و مقتدی جبکہ مسجد میں حاضر ہوں تو شروع اقامت سے کھڑا ہو جانا اگر حدیث شریف سے ثابت ہے تو مفتی پر لازم تھا کہ اس حدیث کو پیش کرتا۔ اس لئے کہ فقہائے کرام نے اقامت کے وقت کھڑے رہنے کو مکروہ لکھا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۵۲ میں ہے اذا دخل الرجل عند الاقامۃ یکرہ لہ الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قولہ حی علی الفلاح۔ یعنی اگر کوئی شخص تکبیر کے وقت آیا تو اسے کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ بیٹھ جائے اور جب مکبر حی علی الفلاح پر پہنچے تو اس وقت کھڑا ہو۔ اسی طرح شامی جلد اول ص[illegible] میں بھی ہے اور مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص[illegible] میں لکھتے ہیں اذا دخل المسجد یکرہ لہ انتظار الصلوٰۃ قائما بل یجلس فی موضع ثم یقوم عند حی علی الفلاح وبہ صرح فی جامع المضمرات۔ یعنی جو شخص مسجد کے اندر داخل ہو اسے کھڑے ہو کر نماز کا انتظار کرنا مکروہ ہے بلکہ وہ کسی جگہ بیٹھ جائے پھر حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہو۔ اس کی تصریح جامع المضمرات میں ہے۔ اور حضرت علامہ سید طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ اذا اخذ المؤذن فی الاقامۃ ودخل رجل المسجد فانہ یقعد ولا ینتظر قائما فانہ مکروہ کما فی المضمرات قہستانی ویفہم منہ کراھۃ القیام ابتداء الاقامۃ والناس عنہ غافلون۔ یعنی جب مکبر تکبیر کہنے لگے اور کوئی شخص مسجد میں آئے تو وہ بیٹھ جائے کھڑے ہو کر انتظار نہ کرے اس لئے کہ تکبیر کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے۔ جیسا کہ مضمرات قہستانی میں ہے۔ اور اس حکم سے سمجھا جاتا ہے کہ شروع اقامت میں کھڑا ہو جانا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں (طحطاوی علی مراقی الفلاح مطبوعہ قسطنطنیہ ص[illegible]) اسی لئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ امام و مقتدی حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑے ہوں جیسا کہ رئیس المحدثین حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں قال ائمتنا یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص[illegible]) لوگوں کی غفلت اور صفوف کی درستگی کے اہتمام کو بہانہ بنا کر لوگوں کو کراہت کے ارتکاب کا حکم نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ حدیث شریف سے بعد اقامت بھی صفوں کی درستگی کا اہتمام [illegible] ہے۔ جیسا کہ امام مسلم حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ تکبیر تحریمہ کہتے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا تو حضور نے فرمایا خدا کے بندو اپنی صفوں کو برابر کرو۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں خرج یوما فقام حتی کاد ان یکبر

فرای رجالا بادیا صدرہ من الصف فقال عباد اللہ لتسون صفوفکم (مشکوٰۃ شریف ص۹۸) اور حضرت عمر فاروق اعظم و حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ یہ حضرات بھی ختم اقامت کے بعد تکبیر تحریمہ نہ کہتے بلکہ جب صفوں کی درستگی کی خبر ملتی تو نماز شروع فرماتے۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں عن ابی عمر عن عمر بن الخطاب کان یامر رجالا بتسویۃ الصفوف فاذا جاؤا فاخبروہ بتسویتہا کبر وعن مالک بن ابی عامر الانصاری عن عثمان بن عفان لایکبر حتی یاتیہ رجال قد وکلہم بتسویۃ الصفوف فیخبرونہ ان قد استوت فیکبر (مؤطا امام محمد ص۸۹) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۴ر ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ

از ابو الکلام احمد مقام و پوسٹ کسم کھور ضلع فرخ آباد

خطبہ کے وقت گرمی کی شدت کی وجہ سے مقتدی کو خود اپنے لئے یا امام کے لئے پنکھا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب

خطبہ کے وقت مقتدی کو اپنے لئے یا امام کے لئے دستی پنکھا استعمال کرنا منع ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۴۸ میں ہے۔ یحرم فی الخطبۃ مایحرم فی الصلوٰۃ حتی لا ینبغی ان یاکل او یشرب والامام فی الخطبۃ ھکذا فی الخلاصۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ر ذو قعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ

از مولوی قاضی محمد نبیل پٹھان قادری خطیب مسجد جامع درگاہ شریف ماہم بمبئی ۱۶

کیا خطیب کے لئے جائز ہے کہ وہ خطبہ جمعہ منبر پر بیٹھ کر پڑھے اگر کھڑا ہونا اس کے لئے دشوار ہو۔

الجواب

حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ خطبہ جمعہ کے لئے خطیب کا کھڑا ہونا سنت ہے (بہار شریعت حصہ چہارم ص۴) اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ صرح فی متن الملتقی بسنۃ الطہارۃ والقیام کما فی کثیر من المعتبرات (رد المحتار جلد اول ص۵۴۹) لہذا اگر خطیب کے لئے کھڑا ہونا دشوار ہو تو وہ بیٹھ کر خطبہ جمعہ پڑھ سکتا ہے لیکن حاضرین کو اس کی معذوری کا علم ہونا ضروری ہے تاکہ وہ خطیب کو متہم نہ کریں کہ وہ بلا عذر شرعی ترک سنت کا عادی ہے۔ لہذا ہر جمعہ کو خطبہ سے پہلے اعلان کر دیا کریں کہ خطیب معذور ہیں اس لئے وہ بیٹھ کر خطبہ پڑھیں گے تاکہ نئے حاضرین غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ

اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از محمد انتخاب اشرفی نانپارہ ضلع بہرائچ شریف

جمعہ کے خطبہ کے وقت ڈبہ یا رومال میں پیسہ ہلاکر آواز پیدا کرتے ہوئے لوگوں سے چندہ مانگنا اور زبان سے کہنا کہ تعمیر مسجد کا چندہ دیجئے۔ تو عین خطبہ کے وقت اس طرح چندہ مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی دینی کام ہے اس لئے جائز ہے۔

الجواب عین خطبہ کے وقت اس طرح چندہ مانگنا جائز نہیں کہ تمام حاضرین پر خطبہ سننا اور چپ رہنا فرض ہے بلکہ جو لوگ امام سے دور ہوں اور ان تک خطبہ کی آواز نہ پہونچے ان پر بھی چپ رہنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ جب امام خطبہ کے لئے نکلے اسی وقت سے ہر قسم کی نماز اور اذکار منع ہیں۔ صرف صاحب ترتیب کو قضا نماز پڑھ لینے کا حکم ہے درمختار میں ہے یجب علیہ ان یستمع ویسکت بلا فرق بین قریب وبعید فی الاصح محیط اھ۔ اور اسی کتاب میں ہے اذا خرج الامام فلا صلاۃ ولا کلام الی تمامہا خلا قضاء فائتۃ لم یسقط الترتیب بینہا وبین الوقتیۃ فانہا لا تکرہ سراج وغیرہ لضرورۃ صحۃ الجمعۃ والا لا اھ۔ اور جب نماز جیسا دینی کام حالت خطبہ میں جائز نہیں تو چندہ مانگنا بدرجۂ اولی ناجائز ہے ردالمحتار جلد اول ص۵۵۱ میں ہے یکرہ الاشتغال بما یفوت السماع وان لم یکن کلاما ذکرہ مصرح القہستانی اھ۔ وھو تعالی اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از شوکت علی کرلا بمبئی ۷۰

موضع بلتی پوسٹ تروا ضلع گونڈہ میں بعد نماز جمعہ چار رکعت نماز ظہر باجماعت لوگ ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا فتوی یہی ہے۔ لہذا گذارش ہے کہ حکم شرع سے آگاہ فرمائیں کہ ان کا یہ طریقہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور اعلی حضرت کا ایسا کوئی فتوی ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے والے لوگ شریعت کے نزدیک کیسے ہیں؟ ان پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب علمائے حنفیہ کے نزدیک دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں جیسا کہ ہدایہ جلد اول ص۱۴۸ میں ہے لا تجوز فی القری لقولہ علیہ السلام لا جمعۃ ولا تشریق ولا فطر ولا اضحی الا فی مصر جامع

لیکن دیہات میں جہاں لوگ جمعہ کی نماز پڑھتے ہوں انھیں اس سے منع نہیں کیا جائے گا کہ عوام جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے۔ اور جب دیہات میں جمعہ جائز نہیں تو ایسی جگہ جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہ ہوگی جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ دیہات میں دوسرے دنوں کی طرح جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنا واجب ہے۔ لہٰذا موضع مذکور کے لوگوں کا طریقہ ناجائز نہیں ہے بلکہ صحیح ہے جیسا کہ فتاوٰی رضویہ جلد سوم ص۶۰۲ پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی کی تحریر سے ظاہر ہے۔ اور جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۳۲ میں ہے ومن لا تجب علیھم الجمعۃ من اھل القری والبوادی لھم ان یصلوا الظھر بجماعۃ یوم الجمعۃ باذان واقامۃ اھ۔ اور بہار شریعت حصہ ۴ ص۱۰۱ میں ہے کہ گاؤں میں جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز اذان و اقامت کے ساتھ پڑھیں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ

از محمد حنیف رضوی جونپوری خطیب مسجد سنی رضوی کھاڑی کرلا بمبئی ۷۰

کیا شہر میں بعد نماز جمعہ احتیاط الظہر پڑھنا ضروری ہے؟ کیا حکم ہے؟

الجواب

ہندوستان کے عام شہروں میں صحت جمعہ کی بعض شرطوں کی تحقیق میں اختلاف و اشتباہ ہے۔ اور ایسی جگہوں پر بعد نماز جمعہ چار رکعت احتیاط الظہر فرض پڑھنے کا علما نے حکم دیا ہے جو اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہیں کیا۔ اور جمعہ پڑھتے وقت نیت صحیح و ثابت رکھے یعنی جمعہ کو صحیح سمجھ کر خاص فرض جمعہ کی نیت سے ادا کرے مگر یہ حکم خواص کے لئے ہے۔ ایسے عوام کے لئے نہیں کہ جو تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں۔ ان کے لئے ایک مذہب پر جمعہ کا صحیح ہو جانا کافی ہے۔ اور یہ چار رکعتیں عدم صحت کے توہم کی صورت میں مستحب ہیں اور شک و اشتباہ کی حالت میں ظاہر وجوب ردالمحتار جلد اول ص۵۹۳ میں ہے نقل المقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشک فی کونہ مصرا ینبغی لھم ان یصلوا بعد الجمعۃ اربعا بنیۃ الظھر احتیاطا حتی انہ لو لم تقع الجمعۃ موقعھا یخرجون عن عھدۃ فرض الوقت باداء الظھر ومثلہ فی الکافی وفی القنیۃ لما ابتلی اھل مرو باقامۃ الجمعتین فیھا مع اختلاف العلماء فی جوازھما امر ائمتھم بالاربع بعدھا حتما احتیاطا اھ وقال المقدسی ذکر ابن الشحنۃ عن جدہ التصریح بالندب وبحث فیہ بانہ ینبغی ان یکون عند مجرد التوھم اما عند قیام الشک والاشتباہ فی صحۃ الجمعۃ فالظاھر الوجوب ونقل عن شیخہ ابن الھمام ما یفیدہ ثم قال المقدسی نحن لا نامر بذلک امثال ھذہ العوام بل ندل علیہ الخواص ولو بالنسبۃ الیھم اھ ملخصا۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از ابن حسن مین پوری (یوپی)

خلفائے راشدین کا نام خطبہ میں لیا جاتا ہے نیز خلیفۂ دوم، خلیفۂ سوم، خلیفۂ چہارم کے باپ کا نام لیا جاتا ہے اور خلیفۂ اوّل کے والد ماجد کا نام کیوں نہیں لیا جاتا ہے ؟

الجواب بعون الملک العزیز الوھاب کسی کے باپ کا نام اس لئے ذکر کیا جاتا ہے کہ مخاطب کو اس شخص کی تعیین میں پریشانی نہ ہو اس لئے کہ ایک نام کے بہت سے لوگ ہوتے ہیں، اور جب کسی شخص کا لقب یا تخلص وغیرہ مشہور و معروف بین الناس ہوتا ہے تو اس لقب یا تخلص کے بعد باپ کے ذکر کی حاجت باقی نہیں رہ جاتی۔ جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا تو واضح ہو کہ عمر، عثمان اور علی نام کے بہت سے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بزرگان دین ہوئے ہیں اگر خطبہ میں خلفائے ثلٰثہ کے نام کے ساتھ ان کے باپ کا ذکر نہ کیا جائے تو سامعین کو شبہ ہو سکتا ہے لیکن حضرت "ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ" میں آپ کا لقب صدیق ایسا مشہور بین السماء والارض ہے کہ اس لقب کے ذکر کر دینے کے بعد باپ کے ذکر کی حاجت باقی نہیں رہ جاتی اس لئے کہ ابو بکر بہت گزرے ہیں مگر ان میں کوئی صدیق نہیں لیکن اس کے باوجود اگر کوئی خطیب ان کے باپ ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خطبہ میں نام لے تو بلا شبہ جائز ہے کوئی حرج نہیں واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۱۴ ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ از وہیر الحق قادری رضوی عزیزی

ایک عالم ہے جس کے پاس عالم و فاضل کی سند بھی موجود ہے جو ایک ہاتھ سے پانی پیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں شرع و سرع کچھ نہیں جانتا کہ شریعت و ریعت کسے کہتے ہیں یعنی شریعت کا منکر بھی ہے اور اس کے ساتھ لفظ مہمل وریعت اور درع بھی استعمال کرتا ہے محلہ کا زید کہتا ہے کہ ہمارے علماء ایسے عالم کو مسلمان نہیں بلکہ کافر کہتے ہیں تو محمود و حامد منگیر ہو جاتے ہیں کہ یہ عالم ہیں نائب رسول ہیں جو کچھ کہتے ہیں سب درست ہے تو ایسے عالم کو مومن سمجھا جائے یا نہیں ؟ (۲) ایک عالم نے دیہات کے اندر جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعت سنت کی جگہ چار رکعت فرض احتیاط ظہر کی نماز پڑھی اور لوگوں کو بتلایا کہ دیہات کے اندر ظہر احتیاطی پڑھنا ضروری ہے تو لوگوں نے حوالہ مانگا حوالہ میں انھوں نے انوار الحدیث بتایا اور انوار الحدیث کا بتلایا ہوا حوالہ کتب عامہ بتلایا تو لوگ نہیں مانتے

ہیں کہ ہم لوگ نہیں مانیں گے اس کے بارے میں فتویٰ منگایا جائے تو اس بارے میں قول علماء واضح فرمائیں؟

(۳) زید نے جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد چار رکعت فرض ظہر کی جماعت کے ساتھ پڑھائی ایک مولوی صاحب آئے انھوں نے کہا کہ جن لوگوں نے نماز ظہر جمعہ کی جماعت کے ساتھ پڑھی ہے وہ توبہ کرلیں نہیں تو قہر خداوندی نازل ہو جائے گا اور ہمارے سامنے تم لوگ توبہ کرلو اور وہ وہی مولانا تھے جن کے بارے میں مسئلہ اول میں لکھا گیا ہے ان کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے؟ اور کہاں تک غلط واضح فرمائیں؟

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) صرف بائیں ہاتھ سے پانی پینا شیطان کا کام ہے اور دونوں ہاتھ سے پینا یا صرف داہنے ہاتھ سے پینا جائز ہے کوئی حرج نہیں مسلم شریف کی حدیث ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا لایاکلن احدکم بشمالہ ولا یشربن بھا فان الشیطان یاکل بشمالہ ویشرب بھا (انوار الحدیث ص۳۱) اور آجکل سند کوئی چیز نہیں کہ بہت سے جاہل عالم وفاضل کی فرضی سند لوگوں کو دکھاتے گھومتے ہیں شخص مذکور کا یہ قول کہ میں شرع ورع کچھ نہیں جانتا کلمۂ کفر ہے (بہار شریعت جلد نہم ص۱۷۱) اسے اگر احتیاطاً کافر نہ کہا جائے تو کم از کم گمراہ ضرور ہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے دور رہیں اور اس کو اپنے سے دور رکھیں ایسا شخص عالم دین اور نائب رسول ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا جو لوگ اسے عالم دین اور نائب رسول مانتے ہیں سخت غلطی پر ہیں وھو تعالیٰ اعلم (۲) صحت جمعہ کے لئے مصر یا فنائے مصر ہونا شرط ہے (فتاوی عالمگیری جلد اول ص۱۳۵، درمختار مع شامی جلد اول ص۵۳۶) اور فتاوی رضویہ جلد سوم ص۷۱۶ میں ہے کہ دیہات میں جمعہ ناجائز ہے لیکن عوام اگر پڑھتے ہوں تو انھیں منع نہ کیا جائے کہ وہ جس طرح بھی اللہ و رسول کا نام لیں غنیمت ہے اور ہدایہ میں ہے لا تجوز فی القریٰ یعنی دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے لاجمعۃ ولاتشریق ولاصلاۃ فطر ولااضحی الافی مصرجامع اوفی مدینۃ عظیمۃ رواہ ابن ابی شیبہ موقوفا عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فتح القدیر جلد ثانی ص۲۲) لہذا جب دیہات میں جمعہ صحیح نہ ہوا تو عالم صاحب کا اس کے بعد چار رکعت فرض احتیاطاً ظہر پڑھنا غلط ہے اس لئے کہ احتیاط ظہر تو خواص کے لئے وہاں ہوتی ہے کہ جہاں جمعہ کی ادائیگی میں کچھ شبہ ہو جیسے کہ ہمارے شہروں میں اور دیہاتوں میں جمعہ نہ ہونے کا یقین ہے اس لئے وہاں احتیاط ظہر کے بجائے چار رکعت ظہر فرض پڑھنا ضروری ہے چنانچہ انوار الحدیث میں بھی دیہات میں چار رکعت ظہر فرض پڑھنے کو لکھا گیا ہے نہ کہ احتیاط ظہر وھو تعالیٰ اعلم

(۳) جس طرح اور دنوں میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھنا واجب ہے ایسے ہی دیہاتوں میں جمعہ کے دن بھی ظہر کی

نماز جماعت سے پڑھنا ضروری ہے اور پڑھنے والے گنہگار نہیں بلکہ جماعت سے نہ پڑھنے والے گنہگار ہیں۔ مولوی مذکور کو چاہیے کہ فتاوی رضویہ حصہ سوم کا مطالعہ کرے تاکہ حق اس پر واضح ہوجائے واللہ تعالی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲؍ شعبان المعظم سنہ ۹۸ھ

مسئلہ از شیخ علی شیخ حسین خطیب بوہری بلڈنگ نمبر ۲ پہلا مالا روم نمبر ۲ تشان پاڑہ روڈ بمبئی ۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٭ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جمعہ کے وقت قبل اذان ثانی خطیب کے منبر پر جانے سے قبل مؤذن کا مندرجہ ذیل آیت کریمہ ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما اور یا معشر المسلمین رحمکم اللہ قد روی فی الخبر عن سید البشر وشفیع الامۃ فی المحشر سید الاشرف ومتمم مکارم الاخلاق والاوصاف سید العرب والعجم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف انہ قال اذا صعد الخطیب علی المنبر ثم خطب فلا یتکلمن احدکم ومن تکلم فقد لغی فلا جمعۃ لہ انصتوا رحمکم اللہ فاسمعوا یغفر اللہ لنا ولکم ولوالدینا ولوالدیکم ولجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات فاستغفروہ انہ ہو الغفور الرحیم۔ اور جب خطیب منبر پر چڑھنے لگے تو مؤذن کا یہ دعا پڑھنا۔ اللہم اعز الاسلام والمسلمین واذل الشرک والمشرکین رب اختم لنا بالخیر برحمتک یا ارحم الراحمین ٭ ان مذکورہ بالا کلمات کا مؤذن کے لئے پڑھنا کیسا ہے سنت ہے یا مستحب ہے یا بدعت ہے تو کونسی بدعت ہے۔ زید کہتا ہے کہ سنت ہے اور بکر کا کہنا ہے کہ بدعت ہے۔ جبکہ طریقۂ مذکورہ بالا پر ایک قدیم زمانہ سے عمل کیا جاتا ہے اب کچھ لوگ جو علمائے دیوبند و پالن گجراتی کے پیروکار ہیں وہ مذکورۃ الصدر طریقہ کو بدعت کہہ کر بند کرنا چاہتے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ بعد جماعت دعائے ثانی کو بدعت کہہ کر بند کرنا چاہتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں قول میں کس کا قول صحیح و درست ہے اور دعائے ثانی کے متعلق دلائل سے مبرہن فرمائیں۔ ثالثاً یہ کہ بعد نماز آپس میں مصافحہ و معانقہ کرنا کیسا ہے؟ اس فعل کو بھی بدعت کہتے ہیں لہذا مدلل فرمائیں۔ رابعاً یہ کہ سنت کے بند کرنے والوں پر عند الشرع کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا بالتحقیق والتفصیل واطلبوا من اللہ الاجر الجزیل۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل وعلی اللہ توکلنا حسبی اللہ لا الٰہ الا اللہ۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) خطیب کے منبر پر جانے سے قبل مؤذن کا آیت کریمہ کی تلاوت کرنا، خطبہ کے وقت خاموش رہنے کی حدیث سنانا، مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کرنا، خطیب کے منبر پر چڑھتے وقت خدائے تعالیٰ سے اسلام و مسلمین کی عزت اور شرک و مشرکین کی ذلت کی دعا کرنا اور مسلمانوں کے لئے دعائے خاتمہ بالخیر کرنا بیشک جائز و مستحسن ہے اسے بند کرنا امورِ خیر سے روکنا اور مسلمانوں کو ثواب سے محروم کرنا ہے۔ قبل خطبہ قرآن و حدیث کے پڑھنے اور دعا کرنے کو بدعت سیئہ قرار دینا جنون و پاگل پن ہے یہ بدعت ضرور ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا من بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شئ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔ (۲) خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے ادعونی استجب لکم اور یہ حکم مطلق ہے یعنی دعا کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں لہٰذا بندے کو اختیار ہے کہ جب وہ چاہے دعا کرے شرعاً کوئی ممانعت نہیں کہ اس حکم مطلق کو دعائے ثانی کے غیر کے ساتھ مقید کرنا ہرگز جائز نہیں اس مسئلہ کی تفصیل حضرت علامہ مفتی محبوب علی صاحب علیہ الرحمہ کے رسالہ دعائے ثانیہ کے ثبوت میں ملاحظہ کیجئے۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۳) بعد نماز مصافحہ کرنا جائز ہے درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء میں ہے تجوز المصافحۃ ولو بعد العصر وقولھم انہ بدعۃ ای مباحۃ حسنۃ کما افادہ النووی فی اذکارہ اھ ملخصًا یعنی بعد نماز عصر بھی مصافحہ کرنا جائز ہے اور فقہاء نے جو اسے بدعت فرمایا ہے تو وہ بدعت مباح حسنہ ہے جیسا کہ امام نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا ہے۔ اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے قال اعلم ان المصافحۃ مستحبۃ عند کل لقاء واما ما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلاۃ الصبح والعصر فلا اصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ ولکن لا باس بہ ۔۔۔ قال الشیخ ابو الحسن البکری وتقییدہ بما بعد الصبح والعصر علی عادۃ کانت فی زمنہ والا فعقب الصلوات کلھا کذالک اھ ملخصًا یعنی امام نووی نے فرمایا ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے اور فجر و عصر کی نماز کے بعد جو مصافحہ کا رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ شیخ ابو الحسن بکری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ صبح و عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بنا پر ہے جو امام نووی کے زمانہ میں تھی ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہی حکم ہے یعنی جائز ہے ۔ (شامی جلد پنجم ص ۲۵۲) جو لوگ مذکورہ بالا امور سے روکیں ان سے دریافت کیا جائے کہ ان باتوں سے اللہ و رسول نے روکا ہے یا تم روکتے ہو اگر اللہ و رسول نے روکا ہے تو آیت یا حدیث دکھاؤ

اور اگر اللہ و رسول نے نہیں روکا ہے تو تم روکنے والے کون ہوتے ہو۔ وھو تعالیٰ اعلم (۲) سنت کا بند کرنے والا سخت گنہگار مستحق عذاب نار دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوگا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۲۵ رجمادی الاولیٰ سنہ ۹۹ھ

باب العیدین

عیدین کا بیان

مسئلہ از محمد صدیق رائے بریلوی پوسٹ بکس ۹۲ لکھنؤ

عورتوں پر جمعہ و عیدین کی نماز واجب ہے یا نہیں اور کیا وہ عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ جاسکتی ہیں یا نہیں؟ سنا ہے کہ حدیث شریف سے یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور میں عورتیں عیدگاہ جایا کرتی تھیں مگر یہ بھی حدیث ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر حضور آج ہوتے تو عورتوں کو عیدگاہ جانے سے ضرور منع فرماتے ہمارے یہاں کچھ اہل حدیث ہیں جو عورتوں کو عید کی نماز کے لئے عیدگاہ پہ جانے پر بہت زور دیتے ہیں اس لئے ہمارے مذہب کی عورتیں بھی عیدگاہ جاتی ہیں تو اس کے بارے میں اس پرفتن زمانے میں شریعت کا کیا حکم ہے مدلل تحریر فرماکر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب عورتوں پر جمعہ و عیدین کی نماز واجب نہیں بدائع الصنائع جلد اول ص۲۵۸ باب الجمعہ میں ہے لاجمعۃ علیھن اور پھر ص۲۷۵ باب العیدین میں ہے لاتجب علی النسوان اور شامی جلد اول ص۵۴۲ باب الجمعہ میں ہے لاتجب علی المرأۃ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۳۵ میں ہے لوجوبھا شرائط فی المصلی وھی الحریۃ والذکورۃ والاقامۃ والصحۃ کذا فی الکافی حتی لاتجب الجمعۃ علی العبید والنسوان والمسافرین والمرضی کذا فی محیط السرخسی اور پھر ص۱۴۱

میں ہے ویشترط للعید مایشترط للجمعۃ الا الخطبۃ کذا فی الخلاصۃ اور عورتوں کو کسی نماز میں جماعت کی حاضری جائز نہیں دن کی نماز ہو یا رات کی جمعہ ہو یا عیدین خواہ وہ جوان ہوں یا بڑھیا تنویر الابصار اور درمختار میں ہے یکرہ حضورہن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقا ولو عجوزا لیلا علی المذہب المفتی بہ لفساد الزمان اھ۔ اور مراقی الفلاح میں ہے ولا یحضرن الجماعات لما فیہ من الفتنۃ والمخالفۃ یعنی عورتیں جماعتوں میں حاضر نہ ہوں کہ اس میں فتنہ ہے اور اللہ و رسول کے حکم کی مخالفت ہے اس لئے کہ اللہ و رسول نے ان کو گھروں میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا جیسا کہ پارہ ۲۲ رکوع اول میں ہے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اور حدیث شریف میں ہے بیوتہن خیر لہن لو کن یعلمن (طحطاوی ص ۱۹۶) اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں جبکہ اسلام کا ابتدائی وقت تھا احکام شرعیہ سیکھنے کے لئے عورتیں عیدگاہ میں جاتی تھیں اسی لئے جو عورتیں حیض میں مبتلا ہوتی تھیں ان کو بھی حاضری کا حکم تھا جیسا کہ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے قالت امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشہدن جماعۃ المسلمین ودعوتہم وتعتزل الحیض عن مصلاہن اھ اور جب احکام شرعیہ کی ترویج و اشاعت ہو گئی تو عورتوں کو عیدگاہ کی حاضری جائز نہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں " برآمدن زناں درآں زماں بقصد تعلم شرائع بود و احتیاج نیست بداں در زماں از جہت شیوع و اشتہار احکام شریعت (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۶۲۲) اور مسجد و عیدگاہ میں عورتوں کا جانا چونکہ فتنہ ہے اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزاج خوب جانتی پہچانتی تھیں اور جن کے بارے میں حضور نے فرمایا خذوا من ہذہ الحمیراء ثلثی دینکم یعنی اپنے دین کا دو تہائی حصہ اس حمیراء (یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے حاصل کرو۔ انھوں نے اپنے زمانے کی عورتوں کا حال دیکھ کر فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان عورتوں کا حال دیکھتے تو ان کو مسجد میں آنے سے ضرور منع فرما دیتے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے لو ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی ما احدث النساء لمنعہن المسجد اھ اور یہ زمانہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانہ سے کہیں زیادہ پرفتن ہے لہذا عورتوں کو عیدگاہ جانے سے سختی کے ساتھ روکا جائے اور ان پر لازم ہے کہ عیدگاہ ہرگز نہ جائیں اور غیر مقلد نام نہاد اہلحدیث کے ورغلانے میں نہ آئیں کہ ان کی بات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ وھو

تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ ربیع الآخر ۹۸ھ

مسئلہ از سید محمد شبیر ماسٹر پوسٹ ومقام کوٹھڑی ضلع بھیلواڑہ (راجستھان)

عیدین کے دن امام کو گھوڑے پر سوار کرکے اور پیچھے سے ڈھول بجاتے ہوئے عیدگاہ تک لے جاتے ہیں زیدگر روکتا ہے تو لوگ نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ یہ میرا پُرانا رواج ہے تو آج میں تمہارے کہنے سے کیسے چھوڑ دوں لہٰذا آپ فرمائیں کہ از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک العزیز الوھاب ڈھول بجانا ناجائز ہے اور عیدگاہ جاتے ہوئے ڈھول بجانا بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے۔ اور ناجائز فعل کو رواج کی بنیاد پر نہ چھوڑنے والے سخت گنہگار ہیں ان پر لازم ہے کہ اس ناجائز فعل سے باز آویں اور عیدگاہ جاتے ہوئے شریعت کے بتائے ہوئے مستحب طریقہ کو اختیار کریں یعنی اطمینان اور وقار اور نیچی نگاہ کئے ہوئے عیدگاہ کو جائیں عید الفطر کے دن آہستہ اور عید الاضحیٰ کے دن بلند آواز سے راستہ میں تکبیر کہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ مسئولہ محمد سمیع القادری متعلم فیض الرسول براؤں شریف۔ بستی

عورتوں کے لئے نماز عیدین جائز ہے یا نہیں؟

الجواب عالمگیری جلد اول ص۱۳۵ پر ہے لاتجب الجمعۃ علی العبید والنسوان والمسافرین والمرضی کذا فی محیط السرخسی۔ یعنی غلاموں، عورتوں، مسافروں اور مریضوں پر نماز جمعہ واجب نہیں اور پھر اسی کتاب کے ص۱۴۹ پر ہے تجب صلوٰۃ العید علی کل من تجب علیہ صلوٰۃ الجمعۃ کذا فی الھدایہ۔ یعنی جن لوگوں پر نماز جمعہ واجب ہے انھیں لوگوں پر نماز عید بھی واجب ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر نماز عید واجب نہیں۔ رہا جواز کا سوال تو عورتوں کے لئے عیدین کی نماز جائز بھی نہیں اس لئے کہ عیدگاہ میں اختلاط مردم ہوگا اور عورتیں جماعت کریں تو یہ بھی ناجائز اس لئے کہ صرف عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے اور فرداً فرداً پڑھیں تو بھی نماز جائز نہ ہوگی اس لئے کہ عیدین کی نماز کے لئے جماعت شرط ہے واذا فات الشرط فات المشروط وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲؍جمادی الاخریٰ ۱۳۷۹ھ

مسئلہ از مولوی عبدالجبار صاحب قادری بستوی ۳۰؍اپریل ۶۰ء

زید ایک مرتبہ بروز سہ شنبہ عید کی نماز پڑھ چکا ہے اب دوسری جگہ بروز چہار شنبہ عید کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب اگر پہلے دن عید کی نماز صحیح ادا ہوگئی تو اب پھر دوسرے روز زید کو عید کی نماز پڑھنا شرعاً جائز نہیں واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از نثار اللہ خاں لطیفی صدر المدرسین مدرسہ یار علویہ کرونا۔ ضلع بستی۔

عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے کوئی خاص جگہ مقرر نہیں ہے برسات میں گاؤں کے باہر کوئی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں نماز پڑھ سکیں ایسی حالت میں اگر کسی کے مکان کی وسیع چھت ہے کہ جس پر نماز پڑھ سکتے ہیں تو اس چھت پر عیدین کی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب اگر گاؤں کے لوگ عیدین کی نماز پڑھتے ہوں اور گاؤں کے باہر برسات میں نماز پڑھنے کے لائق کوئی جگہ نہیں ہے تو عیدین کی نماز مکان کی چھت پر پڑھ سکتے ہیں۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۹؍شوال المکرم ۹۹ھ

مسئلہ از شمیم احمد نرساچکی ضلع دھنباد (بہار)

کیا رمضان المبارک کے روزے اگر قضا ہوجائیں (ایک روزہ ہو یا چند روزے ہوں) تو کیا ایسے شخص کے پیچھے عید کی نماز صحیح نہیں ہے اس کے متعلق بھی کیا حکم ہے اور جب کہ ایسا شخص امام ہو۔ بینوا توجروا

الجواب بعون الملک الوھاب اگر رمضان المبارک کے روزے اس طرح قضا ہوئے کہ حلق میں مینھ کی بوند یا اولا چلا گیا یا یہ گمان کرکے کی رات ہے سحری کھائی یا رات ہونے میں شک تھا اور سحری کھائی حالانکہ صبح ہوچکی تھی یا یہ گمان کرکے کہ آفتاب ڈوب گیا ہے افطار کرلیا حالانکہ ڈوبا نہ تھا یا اس قسم

کی کسی دوسری وجہ سے روزے قضا ہو گئے تو جس کے روزے اس طرح سے قضا ہو گئے اس کے پیچھے عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو اگر بلاوجہ شرعی قصداً روزہ قضا کر دیا مگر اس طرح قضا کرنے کا وہ عادی نہیں ہے تو بعد توبہ اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۸؍ شوال المکرم ۹۹ھ

مسئلہ از محمد قاسم علوی خطیب لال مسجد ۱/۴۷ اکبر روڈ مٹیا برج کلکتہ ۲۴

عید الفطر کی امامت کے لئے کھڑا ہوا اس نے لوگوں کو نماز عید کی نیت اور ترکیبیں بھی بتائیں لیکن زید نے امامت کے لئے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھ باندھ لیا اور ثنا پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے تکبیر کہنے کے بجائے قرات شروع کر دی یہاں تک کہ سورۂ فاتحہ ختم کر لیا اور دوسری سورہ کی پہلی ہی آیت شروع کی تھی کہ زید کو لقمہ دیا گیا اور زید نے لقمہ لے کر تینوں تکبیریں کہیں اور الحمد سے پھر سے قرات شروع کر کے نماز ختم کی نماز کے بعد کچھ لوگوں نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی مگر زید نے کہا کہ نماز ہو گئی۔ ایک عظیم جم غفیر نماز ادا کر رہا تھا اگر پہلی رکعت کی تینوں تکبیریں بعد قرات کہی جاتیں تو نمازوں میں بھلا انتشار کا خدشہ تھا زید نے فساد سے بچنے کی خاطر جو نماز ادا کی وہ صحیح ہوئی یا نہیں؟

(نوٹ) زید کے قول کی تصدیق بعض کتابوں سے بھی ہو رہی ہے، جس میں کبیری وغیرہ کا حوالہ درج ہے۔ جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب بعض کتب فقہ میں ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد اور سورت پڑھنے سے پہلے اگر معلوم ہوا کہ تکبیر زوائد بھول گیا ہے تو تکبیر کہے اور قرات کا اعادہ کرے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے ان بدأ الامام بالقرأۃ سھواً فتذکر بعد الفاتحۃ والسورۃ یمضی فی صلاتہ وان لم یقرأ الا الفاتحۃ کبر واعاد الفاتحۃ لزوماً اھ۔ لہٰذا اس قول کے مطابق زید نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہئے مگر بہار شریعت میں جو مفتی بہ قول نقل کیا گیا ہے یہ ہے کہ پہلی رکعت میں امام تکبیریں بھول گیا اور قرات شروع کر دی تو قرات کے بعد کہہ لے یا رکوع میں اور قرات کا اعادہ نہ کرے اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے اذا نسی الامام تکبیرات العید حتی قرأ فانہ یکبر بعد القرأۃ او فی الرکوع مالم یرفع راسہ کذا فی التتارخانیہ اھ۔ تو اس قول کی روشنی میں زید کو چاہئے تھا کہ وہ تکبیر زوائد قرات کے بعد کہتا یا رکوع میں اور قرات کا اعادہ نہ کرتا لیکن اس نے ایسا نہ کیا تو برا کیا مگر نماز ہو گئی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جلال الدین احمد الامجدی
کتبہ
۲۷ر شوال المکرم ۹۹ھ

مسئلہ از محمد ادریس پیر کے مسجد بارسی ۔ شولاپور (مہاراشٹر)

نماز عید کی پہلی رکعت میں امام تکبیرات زوائد کو بھول گیا اور سورۂ فاتحہ ختم کردی پھر تکبیرات زوائد کہکر سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھی اور حسب دستور نماز تمام کردی، قاضی محمد فصیح الدین نے فتویٰ دیا کہ نماز ہوگئی ان کے فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں "نماز عیدین میں اگر امام پہلی رکعت میں عیدین کی تکبیریں بھول کر قرأت شروع کردے تو جبکہ سورۂ فاتحہ پڑھکر ختم کیا ہو تو بھولی ہوئی تکبیریں کہہ کر پھر سے قرأت شروع کرکے نماز پوری کرے" الخ دریافت طلب امر یہ ہے نماز عید ہوئی یا نہیں اور قاضی صاحب کا فتویٰ اہل علم کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب عیدین کی پہلی رکعت میں اگر امام تکبیریں بھول گیا اور قرأت شروع کردی تو حکم یہ ہے کہ الحمد شریف اور سورت پڑھنے کے بعد کہے یا رکوع میں کہے اور قرأت کا اعادہ نہ کرے ھکذا قال صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی الجزء الرابع من بہار شریعت ناقلا عن الغنیۃ وغیرھا اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۴۲ پر ہے واذا نسی الامام تکبیرات العید حتی قرأ فانہ یکبر بعد القراءۃ او فی الرکوع مالم یرفع راسہ کذا فی التاتارخانیۃ الخ یعنی جب امام تکبیرات عید کو بھول گیا اور قرأت شروع کردی تو قرأت کے بعد تکبیر کہے یا رکوع میں کہے جب کہ سر نہ اٹھایا ہو ایسے ہی تاتارخانیہ میں ہے لہٰذا الحمد شریف پڑھنے کے بعد سورہ ملانے سے پہلے ہی بھولی ہوئی تکبیریں کہنا اور دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنا دونوں باتیں غلط ہیں اور قاضی صاحب کا یہ فتویٰ دینا کہ "جب کہ سورۂ فاتحہ پڑھکر ختم ہوگیا ہو تو بھولی ہوئی تکبیریں کہہ کر پھر سے قرأت شروع کرکے نماز پوری کرے" صحیح نہیں اس لئے کہ تاتارخانیہ سے فتاوی عالمگیری کی عبارت مذکور بالا میں واضح طور پر موجود ہے کہ فانہ یکبر بعد القراءۃ او فی الرکوع الخ پھر چونکہ امام تکبیرات عید بھول گیا اور محل غیر میں کہا اس لئے سجدۂ سہو کرنا واجب ہوا فقہ حنفی کی مشہور کتاب بہار شریعت جلد چہارم ص۵۳ پر ہے کہ عیدین کی سب تکبیریں یا بعض بھول گیا یا زائد کہیں یا غیر محل میں کہیں ان سب صورتوں میں سجدۂ سہو واجب ہے الخ اور فتاوی ہندیہ جلد اول مصری ص۱۲۰ پر ہے قال فی البدائع اذا ترکھا (ای تکبیرات العید) او نقص منھا او زاد علیھا او اتی بھا فی غیر موضعھا فانہ یجب علیہ السجود کذا فی البحر الرائق پھر امام نے ایک ہی رکعت میں

سورۂ فاتحہ دو بار پڑھی حالانکہ سورت سے پہلے ایک ہی بار الحمد شریف پڑھنا واجب ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری فصل واجب الصلوٰۃ میں ہے یجب الاختصار فی الرکعتین الاولیین علی قرأۃ الفاتحۃ مرۃ واحدۃ فی کل رکعۃ منہما ھکذا فی المنیۃ لہٰذا سورت سے پہلے قصداً دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے واجب ترک ہوا اور قصداً ترک واجب سے نماز کا اعادہ واجب ہوتا ہے بہار شریعت جلد چہارم ص۴۹ پر ہے قصداً واجب ترک کیا تو سجدۂ سہو سے وہ نقصان دفع نہ ہوگا بلکہ اعادہ واجب ہے - اور ردالمحتار المعروف بشامی جلد اول ص۵۱۹ میں ہے والعمد لا یجبرہ سجود السہو بل تلزم فیہ الاعادۃ - اور سہواً سورۃ سے پہلے دوبارہ الحمد شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے فتاوی ہندیہ جلد اول مصری ص۱۱۸ میں ہے لو کررھا ای الفاتحۃ فی الاولیین یجب علیہ سجود السہو بخلاف ما لو اعادھا بعد السورۃ او کررھا فی الاخریین کذا فی التبیین - یعنی سورۃ سے پہلے الحمد شریف کی تکرار سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے لیکن جمعہ اور عیدین میں اگر جماعت کثیر ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدۂ سہو نہ کرے ھکذا فی الجزء الرابع من بہار شریعت ناقلا عن رد المحتار وغیرہ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۲۰ میں ہے قالوا لا یسجد للسہو فی العیدین والجمعۃ لئلا یقع الناس فی فتنۃ کذا فی المضمرات ناقلا عن المحیط - یعنی مشائخ کرام نے فرمایا کہ عیدین اور جمعہ میں سجدۂ سہو نہ کرے اس لئے کہ لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے اسی طرح مضمرات میں محیط سے منقول ہے لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر امام نے قصداً دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھی تو نماز کا اعادہ کرنا واجب اور سہواً کی صورت میں اگر جماعت کثیر نہ تھی اور لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ تھا تو امام پر سجدۂ سہو کرنا واجب اور نہ کرنے پر نماز کا اعادہ واجب اور اگر جماعت کثیر تھی اور لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ تھا تو سجدۂ سہو نہ کرنا بہتر - ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلی جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

جلال الدین احمد الامجدی

کـــــــــــــــــــــتبہ

۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۸۷ھ

مسئلہ از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ سنڈیلہ۔ ضلع ہردوئی

ایک عیدگاہ میں ایک ہی دن عید کی نماز دو اماموں نے دو خطبہ کے ساتھ جماعت سے پڑھائی یعنی عید کی نماز ایک ہی عیدگاہ میں دوبارہ ہوئی تو دونوں نمازیں جائز ہوئیں یا ایک ہی ؟ اگر ایک ہی جائز ہوئی تو کونسی؟

الجواب اگر دونوں اماموں کو عید کی نماز قائم کرنے کا اختیار تھا تو دونوں نمازیں جائز

ہو گئیں هكذا قال الامام احمد رضا البریلوی فی الجزء الثالث من الفتاوی الرضویة علی صفحة ۸۰۳ ـ وهو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ

جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ مرسلہ مولانا اختصاص الدین مدرسہ اہلسنت اجمل العلوم سنبھل ضلع مرادآباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین مندرجہ ذیل احادیث و عبارات علماء و فقہاء کے درمیان تطبیق اور ان کی تنقیح کے بارے میں کہ باب تکبیرات عیدین میں بروایت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ محدث ترمذی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

روی عن ابن مسعود انه قال فی التکبیرات فی العیدین تسع تکبیرات فی الرکعة الاولی خمس تکبیرات قبل القراءة وفی الرکعة الثانیة یبدأ بالقراءة ثم یکبر اربعا مع تکبیرة الرکوع وقد روی عن غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نحو هذا وهو قول اهل الکوفة وبه یقول سفیان الثوری ـ اور حضرت محقق ابن ہمام فتح القدیر صفحہ ۲۲۹/۱ میں لکھتے ہیں وامّا عن الصحابة فاخرج عبد الرزاق اخبرنا سفیان الثوری عن ابی اسحاق عن علقمة والاسود ان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعا اربعا قبل القراءة ثم یکبر فیرکع وفی الثانیة یقرأ فاذا فرغ کبر اربعا ثم رکع ـ اخبرنا معمر عن ابی اسحاق عن علقمة والاسود قال کان ابن مسعود جالسا وعنده حذیفة وابو موسی الاشعری فسألهم سعید بن العاص عن التکبیر فی صلوٰة العید فقال حذیفة سل الاشعری فقال الاشعری سل عبد اللہ فانه اقدمنا واعلمنا فسأله فقال ابن مسعود یکبر اربعا ثم یقرأ ثم یکبر فیرکع ثم یقوم فی الثانیة فیقرأ ثم یکبر اربعا بعد القراءة طریق آخر رواه ابن ابی شیبة حدثنا هشیم اخبرنا مجالد عن الشعبی عن مسروق قال کان عبد اللہ بن مسعود یعلمنا التکبیر فی العیدین تسع تکبیرات خمس فی الاولٰی واربع فی الآخرة ویوالی بین القراءتین والمراد بالخمس تکبیرة الافتتاح والرکوع وثلاث زوائد وبالاربع تکبیرة الرکوع طریق آخر رواه محمد بن الحسن اخبرنا ابو حنیفة عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراهیم النخعی عن عبد اللہ بن مسعود انه کان قاعدا فی مسجد الکوفة ومعه

حذیفة الیمان وابوموسی الاشعری فخرج علیهم الولید بن العقبة بن ابی معیط وهو امیر الکوفة
یومئذ فقال ان غدا عیدکم فکیف اصنع فقال اخبره یا ابا عبدالرحمٰن فامره عبدالله بن مسعود
ان یصلی بغیر اذان ولا اقامة وان یکبر فی الاولی خمسا وفی الثانیة اربعا وان یوالی بین القراءتین
وان یخطب بعد الصلوة علی راحلته۔ قال الترمذی وقد روی عن ابن مسعود انه قال
فی التکبیر فی العید تسع تکبیرات فی الاولی خمسا قبل القراءة وفی الثانیة یبدأ بالقراءة ثم یکبر
اربعا مع تکبیرة الرکوع وقد روی عن غیر واحد من الصحابة نحو هذا وهذا اثر صحیح قاله
بحضرته جماعة من الصحابة اور حضرت امام حلبی غنیة المستملی شرح منیة المصلی کبیری ص ۵۳۷ میں فرماتے ہیں
وطریق المروی عن الصحابة هو ما اخرج عبدالرزاق انا سفیان الثوری عن ابی اسحٰق عن
علقمة والاسود ان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعا تسعا اربع قبل القراءة ثم یکبر
فیرکع وفی الثانیة یقرأ فاذا فرغ کبر اربعا ثم رکع۔ انا معمر عن ابی اسحٰق عن علقمة والاسود
قال کان ابن مسعود جالسا وعنده حذیفة وابوموسی الاشعری فسألهم سعید بن العاص
عن التکبیر فی یوم الفطر والاضحی فقال ابوموسی الاشعری سل عبدالله فانه اقدمنا واعلمنا
فسأله فقال ابن مسعود یکبر اربعا ثم یقرأ ثم یکبر فیرکع ثم یقوم الثانیة فیقرأ ثم یکبر
اربعا بعد القراءة۔ روی ابن ابی شیبة ثنا هشیم انبأنا مجالد عن الشعبی عن مسروق قال
کان عبدالله بن مسعود یعلمنا التکبیر فی العیدین تسع تکبیرات خمس فی الاولی واربع فی
الاخری ویوالی بین القراءتین۔ روی محمد بن الحسن انا ابوحنیفة عن حماد بن ابی سلیمان
عن ابراهیم النخعی عن عبدالله بن مسعود وکان قاعدا فی مسجد الکوفة ومعه حذیفة
بن الیمان وابوموسی الاشعری فخرج علیهم الولید بن عقبة بن ابی معیط وهو امیر الکوفة
یومئذ فقال ان غدا عیدکم فکیف اصنع فقال اخبره یا ابا عبدالرحمٰن فامره عبدالله بن
مسعود ان یصلی بغیر اذان ولا اقامة وان یکبر فی الاولی خمسا وفی الثانیة اربعا ان یوالی بین
القراءتین وان یخطب بعد الصلوة علی راحلته۔ وقال الترمذی وقد روی عن ابن مسعود
انه قال فی التکبیر فی العیدین تسع تکبیرات فی الاولی خمسا قبل القراءة وفی الثانیة یبدأ
بالقراءة ثم یکبر اربعا مع تکبیرة الرکوع وقد روی عن غیر واحد من الصحابة نحو هذا

انتہی وھٰذا اثر صحیح قالہ بحضرۃ جماعۃ من الصحابۃ۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۲۵۳و۲۵۴ بحوالہ ترمذی تحریر فرماتے ہیں:
وروی عن عبد اللہ بن مسعود انہ قال فی التکبیر فی العیدین تسع تکبیرات فی الرکعۃ الاولٰی یکبر خمسا قبل القراءۃ وفی الرکعۃ الثانیۃ بعد القراءۃ یکبر اربعا مع تکبیرۃ الرکوع وبہ یقول اھل الکوفۃ وسفیان الثوری اھ کلام الترمذی علی ما نقلہ میرک فان کان المراد باھل الکوفۃ ابا حنیفۃ واصحابہ فیکون الخمس فی الرکعۃ الاولٰی مع تکبیرۃ الاحرام وتکبیرۃ الرکوع ۔ ففی تعبیرہ خمسا قبل القراءۃ نوع مسامحۃ ثم رأیت ابن الھمام ذکرہ مفصلا فقال اخرج عبد الرزاق اخبرنا سفیان الثوری عن ابی اسحٰق عن علقمۃ والاسود ان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعا اربعا قبل القراءۃ ثم یکبر فیرکع وفی الثانیۃ یقرأ فاذا فرغ کبر اربعا ثم ذکر لہ طرقا اخر وقال قد روی عن غیر واحد من الصحابۃ نحو ھٰذا اھ، صحیح قالہ بحضرۃ جماعۃ من الصحابۃ شروح اربعہ ترمذی کی شرح ابی الطیب ج۱ ص۱۰۵ میں ہے۔
قولہ وروی عن ابن مسعود الخ فان کان المراد بقولہ وھو قول اھل الکوفۃ ابا حنیفۃ واصحابہ فیکون الخمس فی الرکعۃ الاولٰی مع تکبیرۃ التحریمۃ وتکبیرۃ الرکوع ففی تعبیرہ خمسا قبل القراءۃ نوع مسامحۃ وذکرہ ابن الھمام مفصلا فقال اخرج عبد الرزاق انا سفیان الثوری عن ابی اسحٰق عن علقمۃ والاسود ان ابن مسعود کان یکبر فی العیدین تسعا اربعا قبل القراءۃ ثم یکبر فیرکع وفی الثانیۃ یقرأ فاذا فرغ کبر اربعا ثم رکع ثم ذکرہ طرقا اُخر وقال وقد روی عن غیر واحد من الصحابۃ نحو ھٰذا۔

اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا عبارات فقہاء وعلماء کے پیش نظر حدیث ترمذی بسند حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ جس میں خمسا قبل القراءۃ کی قید ہے تکبیرات عیدین کے بارے میں احناف کے نزدیک حجت قرار دینے کے قابل ولائق ہے، یا حجت قرار دینے کے قابل ولائق نہیں ہے؟

ایک صحیح العقیدہ سنی حنفی عالم کہتے ہیں کہ جناب امام اعظم اور آپ کے بچاسوں اصحاب رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی ہر دو رکعت میں تین تکبیریں کہنے کو اپنا مذہب قرار دیتے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حدیث کو (جس میں خمسا قبل القراءت کی قید نہیں ہے) اپنے مذہب کی دلیل بنانے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ

ابن مسعود کا صحیح قول امام ترمذی علیہ الرحمہ کو نہیں پہونچا بلکہ کچھ متغیر ہوکر انھیں معلوم ہوا۔ اس متغیر قول کو امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہوئے اہل کوفہ اور سفیان ثوری کا مذہب بھی بتا دیا۔ یہ امام ترمذی علیہ الرحمہ سے ذلت ہوئی۔ محدثین احناف امام ترمذی کے اس قول میں مسامحت تحریر فرماتے ہیں چنانچہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں رقم طراز ہیں (ففی تعبیرہ بخمسا قبل القراءۃ نوع مسامحۃ) اسی بنا پر امام ترمذی علیہ الرحمہ کے اس قول کو ذمہ داران خلیل العلوم نے اپنے اشتہار میں نہیں لکھا ہے ورنہ یہ قول ان کی نظر میں حجت قرار دینے کے لائق ہے۔ ایک دوسرے سنی صحیح العقیدہ حنفی عالم کہتے ہیں کہ ترمذی شریف کی حدیث مذکور حنفی مذہب کے لئے حجت قرار دینے کے لائق ہے کیونکہ اجلہ فقہائے احناف نے اپنی تصانیف میں اسے حجت قرار دیا ہے اور یہ دوسرے عالم بنظر تطبیق روایات حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت ترمذی میں خمسا قبل القرات کی قید ہے اس کے علاوہ تمام روایات میں یہ قید نہیں ہے۔ لفظ مسامحۃ کی یہ توضیح کرتے ہیں کہ یہ لفظ اصطلاحی ہے۔ علماء اس کا استعمال ایسی جگہ میں کرتے ہیں جہاں شہرت کی بنا پر لفظ سے معنی مجازی کا مراد لینا ظاہر و آسان ہوتا ہے چنانچہ دستور العلماء مطبوعہ حیدر آباد جلد اول ص۲۹۱ میں ہے التسامح فی اللغۃ جوانمردی نمودن و آسان گرفتن و یستعملونہ فیما یکون فی العبارۃ تجوز او القرینۃ ظاہر الدلالۃ علی التجوز ومنہ المسامحۃ وقال الفاضل الجلبی فی حواشیہ علی التلویح المراد بالتسامح استعمال اللفظ فی غیر حقیقۃ بلا قصد علاقۃ مقبولۃ ولا نصب قرینۃ دالۃ علیہ اعتمادا علی ظہور فہم المراد فی ذالک المقام حضرت مولانا الٰہی بخش صاحب فیض آبادی حاشیہ شرح تہذیب تحفۂ شاہجہانی ص۱۳۲ میں لکھتے ہیں قولہ تسامح وھو فی اللغۃ سردی کردن و آسانی گرفتن وفی الاصطلاح استعمال اللفظ فی غیر ما وضع لہ حقیقۃ بلا قصد علاقۃ مقبولۃ ولا نصب قرینۃ دالۃ علیہا اعتمادا علی ظہور فہم المراد فی ذالک المقام لشہرتہ عند الخواص والعوام۔ تعریفات حضرت امام سید شریف جرجانی ص۱۸۸ المسامحۃ ترک ما یجب تنزہا ای کے ص۵۰ تک ہے۔ التسامح ھو ان لا یعلم الغرض من الکلام ویحتاج فی فہمہ الی تقدیر لفظ آخر استعمال اللفظ فی غیر الحقیقۃ بلا قصد علاقۃ معنویۃ ولا نصب قرینۃ دالۃ علیہ اعتمادا علی ظہور المعنی فی المقام۔ لغات کی مشہور کتاب "المنجد" ص۲۳۰ میں ہے مسامحۃ فی وبا لامر سہلہ فیہ و ترکہ لہ فسمح وتسامح ای تساھل مسئلہ زیر بحث میں ایسا ہی ہے کہ احناف کے نزدیک تکبیرات عیدین کے بارے میں یہ بات متعارف و مشہور تھی کہ پہلی رکعت میں کل پانچوں تکبیرات تکبیر تحریمہ تین زوائد تکبیر رکوع

قبل قراءت نہیں کہی جاتی ہے بلکہ پہلی چار تکبیرات قبل قراءت اور اخیر تکبیر رکوع بعد قراءت کہی جاتی ہے لہٰذا اس شہرت مقام پر اعتماد کرتے ہوئے امام ترمذی نے اقل یعنی تکبیر رکوع کو قبلیت میں اکثر کے تابع کر کے خمسا قبل القراءۃ سے تعبیر فرمایا ہے اس سے نہ حضرت امام ترمذی سے یہاں پر ذلت ہوئی اور نہ لغات کی کسی معتمد کتاب میں لفظ مسامحہ کے معنی ذلت لکھا ہے۔ نیز حضرت امام محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث ترمذی کو حنفی حجت میں پیش کر کے ھٰذا اثر صحیح الخ کا افادہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر کی خط کشیدہ عبارت سے ظاہر ہے۔ یہ جلیل القدر امام ابن ہمام کی مرتبت علمائے احناف کے سامنے پوشیدہ نہیں۔ ردالمحتار میں ان کے متعلق متعدد جگہ پر یہ تصریحات موجود ہیں۔ ان الکمال ابن الھمام بلغ رتبۃ الاجتہاد) روایت ترمذی اگر نظر مجتہد میں حجت قرار دینے کے لائق نہ تھی تو اسے حنفی دلائل کے ساتھ تحریر فرمانا کیا معنی رکھتا ہے۔ ونیز حضرت امام حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی غنیۃ المستملی میں روایت ترمذی کو حنفی دلائل میں تحریر کر کے ھٰذا اثر صحیح الخ کا افادہ برقرار رکھا ہے جیسا کہ منقولہ بالا خط کشیدہ عبارت سے واضح ہے۔ پھر حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شارح ترمذی یہ دونوں بزرگ حضرت عبداللہ بن مسعود کی تمام روایات کو حدیث ترمذی کی تفصیل قرار دے رہے ہیں جیسا کہ ان بزرگوں کی محررہ بالا خط کشیدہ عبارتوں سے ظاہر ہے۔ ونیز شہر سنبھل کے مشہور عالم مفتی سلطان المناظرین حضرت مولانا الحاج شاہ محمد اجمل صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنے رسالہ تحائف حنفیہ میں حدیث ترمذی کو حنفی حجت قرار دے کر نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کے جواب میں لکھتے ہیں۔

جواب ! احناف کے نزدیک نماز عیدین میں ۹ تکبیریں ہیں پانچ پہلی رکعت میں مع تکبیر تحریمہ کے اور چار دوسری رکعت میں مع تکبیر رکوع کے۔ ان کے دلائل احادیث سے یہ ہیں۔ **حدیث** عن ابن مسعود قال فی التکبیر فی العید تسع تکبیرات فی الرکعۃ الاولی خمس تکبیرات قبل القراءۃ و فی الرکعۃ الثانیۃ یبدأ بالقراءۃ ثم یکبر اربعا مع تکبیر الرکوع از ترمذی صفحہ ۱۰۳ واضح رہے کہ حضرت شاہ صاحب موصوف ان ذمہ داران خلیل العلوم کے استاذ و استاذ الاستاذ تھی آج سے پیشتر ان ذمہ داران نے شاہ صاحب کا وہ رسالہ مسلمانوں میں نہایت اہتمام وخوشی کے ساتھ بھی تقسیم کیا اور کرایا ہے۔

ونیز دیوبندیوں کے ایک مشہور و مقتدا عالم مولانا خلیل احمد انبیٹھوی نے بھی بذل المجہول وشرح سنن ابی داؤد شریف جلد دوم صفحہ ۲ میں اسی حدیث ترمذی کو مذہب احناف کی حجت و دلیل بنا کر تحریر کیا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح ترمذی نے حدیث ترمذی میں خمسا قبل

قبل القراءۃ کے متعلق جو مسامحہ تحریر فرمایا ہے اس کے کون سے معنی صحیح و درست ہیں۔ آیا ذلت کے معنی صحیح ہیں جو پہلے عالم صاحب نے تحریر کیا ہے یا وہ معنی صحیح ہیں جو دوسرے عالم صاحب نے بیان کیا ہے؟ ونیز ترمذی شریف کی حدیث مذکور در بارہ تکبیرات عیدین احناف کے نزدیک قابل حجت ہے یا نہیں؟ ونیز جب محدث ترمذی یہ فرماتے ہیں وقد روی عن غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نحو ھذا تو پہلے عالم صاحب کا یہ کہنا صحیح و درست ہے یا نہیں کہ امام ترمذی کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا صحیح قول نہیں پہونچا۔ جواب تحقیق و تدقیق کے ساتھ معتبر کتابوں کے حوالے سے مرحمت فرمایا جائے بینوا وتوجروا

الجواب بعون الملک الوھاب (۱) شارح ترمذی اور حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری نے حدیث ترمذی میں خمسا قبل القراءۃ کے متعلق جو مسامحہ تحریر فرمایا ہے اس کے وہی معنی صحیح ہیں جو دوسرے عالم نے فرمایا جن کی تائید کے لئے دستور العلماء، حاشیہ چلپی اور تحفہ شاہجہانی وغیرہ جیسی معتمد کتابوں کا حوالہ کافی ہے۔ مسامحہ کے معنی ذلت کسی معتمد کتاب میں نہیں غیاث اللغات میں مسامحت بضم میم اول وفتح میم دوم و حائے ہملہ باہم کار آسان گرفتن و گاہے تجرید کردہ بمعنی آسان کردن کار کسی و آشتی و اہمانی کردن و سہل گرفتن و دلیر چیزے را سہل پنداشتہ توجہ بآں نکردن مشتق از سمح بالفتح کہ بمعنی جوانمردی و آسان گرفتن است از منتخب و لطائف و کشف و مدار اھ۔ (۲) بیشک ترمذی شریف کی حدیث تکبیرات عیدین کے متعلق قابل حجت ہے کہ اجلۂ علمائے احناف نے اسے اپنے مسلک کا مستدل قرار دیا ہے وھو تعالٰی اعلم (۳) جبکہ امام ترمذی یہ فرماتے ہیں کہ وقد روی عن غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نحو ھذا۔ تو یہ کہنا درست نہیں کہ انھیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا صحیح قول نہیں پہونچا بلکہ صحیح قول پہونچا لیکن اعتماد علی ظہور فہم المراد فی ذالک المقام لشھرتہ عند الخواص والعوام انھوں نے خمسا قبل القراءۃ فرمادیا ھذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم

کـــــــــــــــــــتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ ربیع النور ۹۵ھ

کتاب الجنائز

کفن اور نماز جنازہ وغیرہ کا بیان

مسئلہ: از مصاحب خان بہیرا بستی۔

(۱) مرد، عورت، اور نابالغ کا کفن سنت کے مطابق کیا کیا اور کتنا ہونا چاہئے؟

(۲) کفن پہنانے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب: (۱) مرد کے لئے سنت تین کپڑے ہیں جیسا کہ عالمگیری میں ہے کفن الرجل سنۃ ازار وقمیص ولفافۃ یعنی مرد کا کفن سنت تہبند[۱]، قمیص[۲] اور لفافہ[۳] ہے۔ اور عورت کے پانچ[۵] کپڑے ہیں درع وازار وخمار ولفافۃ وخرقۃ تربط بہا ثدیاھا (عالمگیری) یعنی قمیص[۱]، تہبند[۲] اوڑھنی[۳]، لفافہ[۴] اور سینہ بند[۵]۔ اور نابالغ اگر حد شہوت کو پہونچ گیا ہو جس کا اندازہ لڑکوں میں بارہ[۱۲] سال اور لڑکیوں میں نو[۹] ہے تو وہ بالغ کے حکم میں ہے یعنی بالغ کو کفن میں جتنے کپڑے دئے جاتے ہیں اسے بھی دئے جائیں اور اس سے چھوٹے لڑکے کو ایک کپڑا اور چھوٹی لڑکی کو دو کپڑے دے سکتے ہیں اور اگر لڑکے کو بھی دو کپڑے دئے جائیں تو اچھا ہے اور بہتر یہ ہے کہ دونوں کو پورا کفن دیں اگرچہ ایک دن کا بچہ ہو۔ لفافہ یعنی چادر کی مقدار یہ ہے کہ میت کے قد سے اس قدر زیادہ ہو کر دونوں طرف باندھ سکیں۔ اور تہبند چوٹی سے قدم تک ہونا چاہئے یعنی لفافہ سے اتنا چھوٹا جو بندش کے لئے زیادہ تھا چنانچہ عالمگیری جلد اول مصری ص۱۵۰ اور ہدایہ جلد اول ص۱۳۷ میں ہے والازار من القرن الی القدم یعنی تہبند کی مقدار چوٹی سے قدم تک ہے۔ اور قمیص جس کو کفنی کہتے ہیں گردن سے گھٹنوں کے نیچے تک اور یہ آگے اور پیچھے دونوں برابر ہوں اور بعض لوگ پیچھے کم رکھتے ہیں یہ غلطی ہے۔ چاک اور آستین اس میں نہ ہوں اور مرد کی کفنی مونڈھے پر چیریں اور عورت کے لئے سینہ کی طرف۔ اور اوڑھنی نصف پشت سے سینہ تک ہونا چاہئے جس کا اندازہ تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز ہے اور عرض ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک

اور جو لوگ زندگی کی طرح اوڑھنی رکھتے ہیں یہ بیجا اور خلاف سنت ہے۔ اور سینہ بند پستان سے ناف تک اور بہتر یہ ہے کہ ران تک ہو عالمگیری میں ہے والاولیٰ ان تکون الخرقة من الثدی بین الی الفخذ کذا فی الجوهرة النیرة یعنی اور بہتر یہ ہے کہ سینہ بند پستان سے ران تک ہو جوہرہ نیرہ میں اسی طرح ہے۔

(۲) کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ میت کو غسل دینے کے بعد بدن کسی پاک کپڑے سے آہستہ پوچھ لیں تاکہ کفن تر نہ ہو اور کفن کو ایک یا تین یا پانچ یا سات بار دھونی دے لیں اس سے زیادہ نہیں پھر کفن یوں بچھائیں کہ پہلے لفافہ پھر تہبند پھر کفنی پھر میت کو اس پر لٹائیں اور کفنی پہنائیں اور داڑھی اور تمام بدن پر خوشبو ملیں اور موضع سجود یعنی ماتھے، ناک، ہاتھ، گھٹنے اور قدم پر کافور لگائیں پھر تہبند لپیٹیں پہلے بائیں جانب سے پھر داہنی طرف سے پھر لفافہ لپیٹیں پہلے بائیں طرف سے پھر داہنی طرف سے تاکہ داہنا اوپر رہے اور سر اور پاؤں کی طرف باندھ دیں تاکہ اڑنے کا اندیشہ نہ رہے

عورت کو کفنی پہنانے کے بعد اس کے بال کے دو حصے کرکے کفنی کے اوپر سینہ پر ڈال دیں اور اوڑھنی نصف پشت کے نیچے سے بچھاکر سر پر لاکر مونھ پر مثل نقاب ڈال دیں کہ سینہ پر رہے۔ پھر مرد کی طرح عورت کو بھی تہبند اور لفافہ لپیٹیں پھر سب کے اوپر سینہ بند بالائے پستان سے ران تک لاکر باندھیں۔ عالمگیری جلد اول ص۱۶۲ میں ہے ثم الخرقة بعد ذلك تربط فوق الاكفان فوق الثدیین کذا فی المحیط یعنی پھر سینہ بند سب کپڑوں کے اوپر بالائے پستان باندھیں محیط میں اسی طرح ہے اور فتح القدیر میں ہے فی شرح الکنز فوق الاکفان یعنی شرح کنز الدقائق میں اس کی جگہ سب کپڑوں کے اوپر مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۷ رجب المرجب ۱۳۷۹ھ

مسئلہ:۔ از ابو الکلام احمد کسم کھور، ضلع فرخ آباد۔

(۱) مردہ کو کپڑا کتنا دیا جائے یہ تو معلوم ہے کہ مرد کے لئے تین کپڑے ہوں اور عورتوں کے لئے پانچ مگر کون کتنا لمبا چوڑا ہو اور مرد کے کپڑے کی مقدار کتنے میٹر ہوں اور ایسے ہی عورتوں کے کپڑے کی مقدار میٹر سے کیا ہونا چاہئے بعض جگہ لفافہ کی جگہ لوگ دوسرا کپڑا استعمال کرتے ہیں نیز یہ بھی تحریر فرما دیں کہ نہلانے کے بعد کونی کپڑا پہلے اور کس طرح پہنایا جائے اور کرتے کی شکل کیا ہونی چاہئے نیز نماز جنازہ میں سلام پھیرتے وقت ہاتھ باندھے رکھنا چاہئے یا ہاتھ کھول دینا چاہئے۔

(۲) مردہ کے لئے جو چنے کلمہ شریف پڑھنے میں استعمال کیا جاتا ہے پڑھنے کے بعد اس کو کیا کیا جائے جبکہ کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو محتاج ہو بلکہ سب کھاتے پیتے لوگ ہوں اس لئے کہ مردہ کے ایصال ثواب کے لئے جو چیز پکائی جائے اس میں سے کسی مالدار کو کھانا غالباً مولانا نسیم بستوی نے اپنی تصنیف نظام شریعت میں بدعت سیئہ اور مکروہ تحریمی لکھا ہے دریں حالات چنے کیا کئے جائیں مکمل و مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب (۱) لفافہ یعنی چادر میت کے قد سے اس قدر زیادہ ہو کہ دونوں طرف باندھ سکے اور ازار یعنی تہبند چوٹی سے قدم تک یعنی لفافہ سے اتنی چھوٹی جو بندش کے لئے زیادہ تھا فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۱۵۱ ہدایہ جلد اول صفحہ ۱۳۵ اور شامی جلد اول صفحہ ۶۰۳ میں ہے الازار من القرن الی القدم یعنی تہبند کی مقدار چوٹی سے قدم تک ہے اس طرح بہار شریعت میں بھی ہے اور قمیص جس کو کفنی کہتے ہیں گردن سے گھٹنوں کے نیچے تک اور یہ آگے پیچھے برابر ہو جاہل لوگ جو پیچھے کم رکھتے ہیں یہ غلط ہے۔ چاک اور آستین اس میں نہ ہو اور مرد کی کفنی مونڈھے سے چیریں اور عورتوں کے لئے سینہ کی طرف عورت کی اوڑھنی تین ہاتھ کی ہونی چاہئے یعنی ڈیڑھ گز لمبی اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک چوڑی اور سینہ بند پستان سے ناف تک مگر بہتر یہ ہے کہ ران تک ہو فتاویٰ عالمگیری میں ہے والاولی ان تکون الخرقۃ من الثدیین الی الفخذ کذا فی الجوھرۃ النیرۃ۔ چونکہ میت کا جسم موٹا پتلا اور کپڑے کی عرض کم زیادہ ہوا کرتی ہے اس لئے میٹر سے کپڑے کی مقدار ہر ایک کے لئے متعین نہیں کی جا سکتی۔

کفن پہنانے کے لئے پہلے بڑی چادر زمین پر بچھائی جائے پھر تہبند پھر کفنی یعنی مردہ کو اس پر رکھ کر پہلے کفنی پہنائیں پھر تہبند لپیٹیں پھر بڑی چادر۔ ان تمام مسائل کا تفصیلی بیان بہار شریعت حصہ چہارم میں دیکھیں۔ چوتھی تکبیر کے بعد بغیر کوئی دعا پڑھے ہاتھ کھول کر سلام پھیر دے (بہار شریعت حصہ چہارم صفحہ ۱۵۴)

(۲) جو چنا کلمہ شریف پڑھنے میں استعمال کیا جاتا ہے اسے اغنیاء کو کھانا جائز ہے مگر نہ کھانا بہتر ہے۔ البتہ میت کا وہ کھانا جو شادی کی دعوت کی طرح کھلایا جاتا ہے ناجائز اور بدعت سیئہ ہے لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور۔ اور عوام مسلمین کے چہلم، برسی اور ششماہی کا کھانا بھی اغنیاء کو مناسب نہیں (فتاویٰ رضویہ) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۲۴ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

مسئلہ :۔ از محمد نیاز احمد ٹانڈہ محلہ سکراول ضلع فیض آباد۔

زید کی عورت کا انتقال ہوگیا۔ اب زید چاہتا ہے کہ اپنی عورت کے جنازہ کو کندھا دے لیکن بکر نے اسے روک دیا اور کہا کہ میں نے علماء کرام سے یہ سنا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو کندھا نہیں دے سکتا۔ لہٰذا بکر نے زید کو روک دیا۔ بکر کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے۔ بکر ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ علماء کرام سے یہ بھی سنا ہوں کہ اس لئے کندھا نہیں دے سکتا کہ عورت شوہر کے جوتی برابر ہے آج اس کے جنازہ کو کیسے کندھا دے سکتا ہے۔

بکر کے کہنے کے مطابق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہار شریعت حصہ چہارم صـ۱۴۱ پر مذکور ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ اٹھایا اگر مراتب کے لحاظ سے کندھا نہیں دے سکتا تو یہاں کیا جواب ہے کہ کہاں سرکار کا مرتبہ اور صحابۂ کرام کا مرتبہ؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب بیوی کے جنازے کو کندھا دینا بلاشبہ جائز ہے اس کی ممانعت ثابت نہیں۔ بکر علمائے کرام کو جھوٹ بدنام کرتا ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ علماء نے منع کیا ہے تو بکر سے کہئے کہ ان علماء کی تحریر لائے۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۷؍ ذی القعدہ ۹۷ھ

مسئلہ :۔ از محمد اسحاق انصاری ٹیلر ماسٹر قصبہ بھنان ضلع بستی۔

زید کا چچا عمرو شرابی و بدکار تھا جس کی وجہ سے زید اس سے نفرت کرتا تھا اسی نفرت و بیزاری کی حالت میں عمرو کا انتقال ہوگیا زید اس کی لاش مشرک تاڑی فروش کے سپرد کردی اور کہا کہ تم جس طرح چاہو اس کا کفن دفن کردو میں اس کی تجہیز و تکفین میں حصہ نہیں لے سکتا۔ اس مشرک نے قصبہ کے مسلمانوں سے بھی کہا کہ میت لے جاؤ اور اس کے آخری رسوم ادا کردو مگر ان لوگوں نے بھی انکار کردیا مجبورًا مشرک نے اس کی لاش اپنی رسم کے مطابق قصبہ میں باجہ کے ساتھ گھمایا پھر دفن کردیا بعد میں قصبہ کے مسلمانوں نے لاش نکال کر نہلا دھلا کر نماز جنازہ پڑھ کر دوبارہ دفن کیا ـــــ زید کے اس فعل پر قصبہ کے مسلمانوں نے متنفر ہوکر اس کا بائیکاٹ کردیا اور اس کو مسجد میں آنے سے روکنے کا ارادہ بھی کر رہے ہیں۔ براہ کرم زید اور ان مسلمانوں کے لئے جو شرعی حکم ہو مطلع فرمائیں۔

الجواب جب کوئی مسلمان مرجائے خواہ متقی و پرہیزگار ہو یا شرابی و بدکار اسلامی طریقہ پر اس کی تجہیز و تکفین کرنا اور جنازہ کی نماز پڑھنا ہر اس مسلمان پر فرض کفایہ ہے جس کو موت کی اطلاع ہوجائے یعنی اگر مطلع ہونے

والوں میں سے کسی ایک نے بھی اسلامی طریقہ پر تجہیز و تکفین نہ کی اور جنازہ کی نماز نہ پڑھی تو سبھی گنہگار ہوئے۔ صورت مسئولہ میں بصدق مستفتی زید اپنے چچا عمرو کی لاش کفن و دفن کیلئے مشرک کے سپرد کردینے کے سبب سخت گنہگار ہوا علانیہ توبہ کرے تاوقتیکہ زید علانیہ توبہ نہ کرے مسلمان اس سے قطع تعلق رکھیں مگر مسجد میں یا جماعت نماز پڑھنے سے ہرگز نہ روکیں ورنہ روکنے والے سخت گنہگار ہونگے۔ مشرک تاڑی فروش نے جن مسلمانوں سے کہا کہ میت لے جاؤ اور انھوں نے انکار کردیا وہ لوگ بھی گنہگار ہوئے علانیہ توبہ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

مسئلہ: از محمد بشیر موضع ڈفلہ پوا ضلع گونڈہ۔

زید اور اس کے ساتھ کچھ مسلمانوں نے صلح کل کی نماز جنازہ وہابی امام کی اقتدار میں پڑھی آیا ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں بصدق تحریر اگر زید اور دیگر مسلمانوں نے وہابی کے پیچھے اس کی وہابیت جانتے ہوئے مسلمان اعتقاد کرکے نماز جنازہ ادا کی تو کفر ہے علی الاعلان توبہ تجدید ایمان و نکاح ضروری ہے اور اگر وہابی امام کو مرتد و بد مذہب سمجھتے ہوئے پڑھی تو فسق ہے علانیہ توبہ لازم ہے یہی حکم وہابی یا صلح کل کی نماز جنازہ پڑھنے کا بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ
محمد یونس نعیمی اشرفی
۱۲ ربیع النور ۱۴۰۵ھ

مسئلہ: از محمد علی ڈوکی

زید بچپن سے مذہب حنفی رکھتا ہے لیکن وہابی کے یہاں پڑھاتا بھی تھا اسی وجہ سے وہابی کے یہاں آنا جانا رہا لیکن جب معلوم ہوا کہ وہابی کا عقیدہ خراب اور باطل ہے تو زید سے کہا گیا۔ تو زید نے توبہ کیا اور جس جس پر علمائے کرام نے فتویٰ دیا کہ کافر ہیں تو ان کو کافر بھی کہا لیکن وہابی کے یہاں آنا جانا بند نہ کیا حالانکہ زید نے تین مرتبہ توبہ کیا پھر بھی اس کا وہی اعتقاد رہا لیکن قریب عرصہ گذر رہا ہے کہ زید نے کہا میں اب صدق دل سے توبہ کروں گا لہٰذا زید کو پھر توبہ کرایا گیا لیکن تجدید نکاح نہیں کرایا گیا غفلت کی وجہ سے اور زید کا انتقال ہوگیا تو زید کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے یا نہیں دراصل ایک زید کہتا تھا کہ جب سے ہم نے تین مرتبہ توبہ کیا ہے اس وقت سے وہابی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی نہ ان کا ذبیحہ

گوشت کھایا لہٰذا اناج اور روپیہ کے لالچ میں جاتا تھا۔ بینوا توجروا

الجواب اگر زید واقعی سنی تھا اور اشرف علی تھانوی۔ رشید احمد گنگوہی۔ خلیل احمد انبیٹھی۔ قاسم نانوتوی اور اس کے ماننے والوں کو ان کے کفریات قطعیہ کی وجہ سے کافر کہتا تھا اور اسی عمل پر اس کا انتقال ہوگیا تو اس کی نماز جنازہ جائز ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ
بدرالدین احمد الرضوی
۲۸ ربیع الآخر ۱۳۸۷ھ

مسئلہ: مسئولہ واجد علی وانور علی اٹرولا بستی

میت کا ہاتھ سینہ پر رکھنا کیسا ہے؟

الجواب میت کا ہاتھ سینے پر رکھنا غلط ہے مسنون اور مستحب طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ میت کے پہلو میں رکھے جائیں کما صرح بہ فی نور الایضاح "وتوضع یداہ بجنبیہ ولا یجوز وضعھما علی صدرہ" یعنی ہاتھ پہلو میں رکھے جائیں سینے پر رکھنا جائز نہیں۔ فقہائے کرام نے سینے پر ہاتھ رکھنا اس لئے منع فرمایا کہ یہ یہودیوں اور نصرانیوں کا طریقہ ہے کما قال فی مراقی الفلاح لانہ صنع اھل الکتاب یعنی اس لئے کہ سینے پر ہاتھ رکھنے کا طریقہ اہل کتاب یعنی یہودی وغیرہ کا ہے۔ وھو تعالٰی ورسولہ الاعلی اعلم

کتبہ
محمد یونس نعیمی
۲۶ جمادی الاخری ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۶۰ء

مسئلہ: از منصب علی موضع جمدار گورکھپور ۱۹ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ

نماز جمعہ اور نماز جنازہ کی نیت کے الفاظ کیا ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب نیت دل کے پکے ارادے کو کہتے ہیں (بہار شریعت حصہ سوم صفحہ ۵۲) اور زبان سے کہہ لینا مستحب ہے ھکذا ذکرہ صدر الشریعۃ فی بہار شریعت ناقلا عن الدر المختار۔ مقتدی کے لئے نماز جمعہ کی نیت کے الفاظ یہ ہیں۔ نیت کی میں نے دو رکعت نماز جمعہ پڑھنے کی واسطے اللہ کے پیچھے اس امام کے منہ میرا طرف کعبہ شریف کے اللہ اکبر۔ اور اگر امام ہو تو "پیچھے اس امام کے" نہ کہے۔ اور مقتدی کے لئے نماز جنازہ کی نیت کے الفاظ یہ ہیں۔ نیت کی میں نے نماز جنازہ کی واسطے اللہ کے دعا اس میت کے لئے پیچھے اس امام کے

منہ میرا طرف کعبہ شریف کے اللہ اکبر، اور امام ہو تو "پیچھے اس امام کے" نہ کہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ :- از ضیاء الحق ساکن ڈومری پوسٹ کٹرہ ضلع مظفر پور (بہار)

زید ہمارے یہاں مسجد میں امام ہے اور بچوں کو تعلیم بھی دیتا ہے ایک روز گاؤں میں ایک آدمی کی موت واقع ہوئی اسے غسل وغیرہ کرانے میں عصر کا وقت ہوگیا۔ کچھ لوگ نماز عصر پڑھ چکے تھے اور کچھ لوگ باقی تھے زید بھی نماز سے فارغ ہوچکا تھا لوگوں نے جنازہ پڑھنے کے لئے کہا تو زید نے کہا چونکہ یہ زوال کا وقت ہے اسلئے جنازہ نہیں پڑھا جائیگا چنانچہ مغرب کے بعد جنازہ پڑھا گیا کیا یہ صحیح ہے کہ عصر و مغرب کے درمیان نماز جنازہ درست نہیں؟

الجواب :- زید نے غلط کہا عصر کی نماز پڑھنے کے بعد نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے بلکہ اگر مکروہ وقت مثلاً آفتاب غروب ہونے سے دس منٹ پیشتر جنازہ لایا گیا تو اسی وقت پڑھیں کوئی کراہت نہیں۔ کراہت اس صورت میں ہے کہ پیشتر سے تیار موجود ہے۔ اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقت کراہت آگیا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ بدر الدین احمد الصدیقی الرضوی القادری گورکھپوری
۱۹ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ :- از برکت اللہ ساکن پیری بزرگ ضلع بستی

ایک ایسے پاگل کا انتقال ہوا جو بالغ ہے تو اس کی نماز جنازہ میں بالغ کی دعا پڑھی جائے یا نابالغ کی؟

الجواب :- بعون الملک الوھاب مجنون یعنی پاگل کے لئے وہی دعا پڑھی جائے جو نابالغ کے لئے پڑھی جاتی ہے ھکذا قال صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی الجزء الرابع من بہار شریعت ناقلا عن الجوھرۃ النیرۃ اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع طحطاوی صـ۳۵۵ میں ہے لا یستغفر لمجنون وصبی اذ لا ذنب لھما۔ اور در مختار مع رد المحتار جلد اول صـ۹۱۲ میں ہے ولا یستغفر فیھا الصبی ومجنون ومعتوہ لعدم تکلیفھم مجنون سے مراد وہ مجنون ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے مجنون ہوا اور تا وقت موت مجنون رہا اور اگر بلوغ کے بعد مجنون ہوا تو

اس کے لئے مغفرت کی دعا پڑھی جائے یعنی اس کے جنازہ میں وہ دعا پڑھی جائے جو بالغ کے لئے پڑھی جاتی ہے ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ربیع النور ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از محمد دادے پیر خطیب مکہ مسجد پارسی۔ شولاپور

نماز جنازہ کی تکبیرات میں اگر رفع یدین کیا جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب نماز ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا خلاف سنت اور مکروہ ہے لما روی الدارقطنی عن ابن عباس وابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا صلی علی جنازۃ رفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود وکان کل تکبیرۃ قائمۃ بمقام رکعۃ وغیر الرکعۃ الاولیٰ لا رفع فیھا فکذا تکبیرات الجنازۃ ھٰکذا فی طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۵۴ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۵۴ میں ہے ولا یرفع یدیہ الا فی التکبیرات الاولیٰ فی ظاھر الروایۃ کما فی العینی شرح للکنز اور درمختار باب صلاۃ الجنازۃ میں ہے یرفع یدیہ فی الاولیٰ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ربیع النور ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از عبدالعزیز حاجی عبدالکریم پانچ بھیاہمت نگر (گجرات)

ہمارے یہاں سالہا سال سے نماز جنازہ مسجد کے صحن میں ہوتی تھی جیسا کہ آج بھی احمد آباد وغیرہ کے ائمہ مساجد مسجدوں ہی میں نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ مگر ایک صاحب نے کہا کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز نہیں تو ہمارے یہاں کے امام لوگ مسجد کے باہر ہی نماز جنازہ پڑھانے لگے مگر باہر نماز جنازہ پڑھانے کی صورت میں درمیان صف سے کتا وغیر ناپاک جانوروں کے گزرنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس کے علاوہ سخت سردی تیز دھوپ اور بارش میں جنازہ پڑھنے والوں

کو اور میت کو تکلیف ہوتی ہے تو ان وجوہات کی بنا پر مسجد میں جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بیشک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ناجائز اور گناہ ہے۔ ائمہ مساجد کے پڑھانے سے مسجد میں جنازہ جائز نہ ہوگا بلکہ ناجائز ہی رہے گا یہاں تک کہ پڑھنے والوں کو اس صورت میں ثواب بھی نہیں ملتا۔ حدیث شریف اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے یہی ثابت ہے جیسا کہ ہدایہ اولین ص۱۶۱ میں ہے لا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ لقولہ علیہ السلام من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا اجر لہ۔ یعنی جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھے اس کے لئے کوئی ثواب نہیں۔ اور بحر الرائق جلد دوم ص۱۸۶ میں ہے ولا فی مسجد لحدیث ابی داؤد مرفوعا من صلی علی میت فی المسجد فلا اجر لہ وفی روایۃ فلا شئ لہ یعنی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اس لئے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث مرفوع ہے کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے کوئی ثواب نہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے لئے کچھ نہیں۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۱۵۶ میں ہے صلوۃ الجنازۃ فی المسجد الذی تقام فیہ الجماعۃ مکروھۃ یعنی جس مسجد میں جماعت قائم کی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ اور عنایہ مع فتح القدیر جلد دوم ص۹۰ میں ہے لا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ اذا کانت الجنازۃ فی المسجد فالصلوۃ علیہا مکروھۃ باتفاق اصحابنا۔ یعنی جماعت کی مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جبکہ جنازہ مسجد میں ہو تو نماز مکروہ ہے یہ ہمارے اصحاب کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اور شامی جلد اول ص۵۹۳ میں ہے کما تکرہ الصلاۃ علیہا فی المسجد یکرہ ادخالہا فیہ یعنی جیسا کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ ہے جنازہ کا مسجد میں داخل کرنا بھی مکروہ ہے اسی طرح فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ صغری، فتاویٰ بزازیہ، فتح القدیر، شرح وقایہ، عمدۃ الرعایہ مراقی الفلاح، طحطاوی علی مراقی اور درمختار وغیرہ تمام کتب معتبرہ میں تصریح ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں مکروہ و منع ہے اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے۔ اور مکروہ تحریمی کا گناہ مثل حرام کے ہے جیسا کہ درمختار میں ہے کل مکروہ ای کراھۃ تحریمیۃ حرام ای کالحرام فی العقوبۃ بالنار یعنی ہر مکروہ تحریمی استحقاق جہنم کا سبب ہونے میں حرام کے مثل ہے۔ بلکہ اعلیٰحضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے نماز جنازہ کے مسجد میں مکروہ تحریمی ہونے کی تصریح فرمائی ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۵۵ میں ہے کہ جنازہ مسجد میں رکھکر اس پر نماز مذہب حنفی میں مکروہ تحریمی ہے۔ اور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مکروہ تحریمی لکھا ہے

جیساکہ بہار شریعت حصہ چہارم ص۱۵۸ میں ہے مسجد میں جنازہ مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔ خواہ میت مسجد کے اندر ہو یا باہر
سب نمازی مسجد میں ہوں یا بعض کہ احادیث میں نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کی ممانعت آئی ہے ــــ ان تمام کتب
معتبرہ کے حوالے سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے جو حرام کے مثل ہے۔
لہٰذا بغیر عذر شرعی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا ہرگز جائز نہیں۔ اور سخت سردی اور تیز دھوپ کے سبب بھی مسجد میں جنازہ
پڑھنے کا حکم نہ دیا جائے گا کہ جس طرح سردی اور دھوپ میں لوگ اپنے کاموں کے لئے نکلتے ہیں جنازہ کے لئے بھی
تھوڑی دیر سردی اور دھوپ برداشت کر سکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے
ہیں "نماز جنازہ بہت ہلکی اور جلد ہونے والی چیز ہے اتنی دیر دھوپ کی تکلیف ایسی نہیں کہ اس کے لئے مکروہ تحریمی
گوارہ کیا جائے اور مسجد کی بے حرمتی روا رکھیں (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۵۰) رہی تیز بارش تو جس طرح بارش میں جنازہ
گھر سے لے کر مسجد اور مسجد سے قبرستان تک جائیں گے اسی طرح بارش میں مسجد کے باہر جنازہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔
اور اگر بارش میں جنازہ لے کر نکلنا اور دفن کرنا تو ممکن ہو مگر نماز جنازہ پڑھنا کسی طرح ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ضرور
مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کی رخصت دیدی جائے گی بشرطیکہ شہر میں کہیں مدرسہ مسافر خانہ اور جماعت خانہ وغیرہ میں
پڑھنا ممکن نہ ہو ــــ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کے عذر عموماً لوگ دھوپ، سردی اور بارش ہی کو بیان کرتے ہیں
لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے عذر کے بغیر بھی لوگ مسجدوں میں نماز جنازہ بلا کھٹک پڑھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ سب
بہانہ ہے وجہ صرف آرام طلبی اور سہل پسندی ہے جس کے مقابلہ میں ان کے نزدیک حکم شرع کوئی وقعت نہیں رکھتا۔
(العیاذ باللہ) اور کتا وغیرہ کے صفوں میں گھسنے کا عذر بھی عند الشرع مسموع نہیں اس لئے کہ نماز جنازہ عیدگاہ کے
احاطہ اور مدرسہ میں بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ جیساکہ سید العلماء حضرت علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر
فرماتے ہیں۔ لا تکرہ فی مسجد اعد لہا وکذا فی مدرسۃ ومصلی عید (طحطاوی علی
مراقی مطبوعہ قسطنطنیہ ص۳۲۶) اور اگر عیدگاہ و مدرسہ نہ ہو تو میدان میں جانوروں سے حفاظت کے لئے آدمی کھڑے
کئے جا سکتے ہیں۔ اور بہتر یہ ہے کہ صرف جنازہ کے لئے الگ سے مسجد بنالیں پھر اسی میں دھوپ، سردی اور بارش
وغیرہ ہر حال میں نماز جنازہ پڑھیں اس طرح میت اور جنازہ پڑھنے والوں کو کوئی تکلیف بھی نہ ہوگی۔ اور ناپاک جانوروں
کے صفوں میں گھسنے کا اندیشہ بھی نہ رہے گا ــــ وہ مسلمان جو غیر ضروری صرف جائز و مباح کاموں کے لئے ہزاروں اور
لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں اگر مسجد کی حرمت باقی رکھنے اور ناجائز کام سے بچنے کے لئے نماز جنازہ کی مسجدوں کو نہ
بنائیں گے اور بارش وغیرہ کا بہانہ بناکر عام مسجدوں میں نماز جنازہ پڑھیں گے تو ضرور گنہگار ہوں گے۔

وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبــــــــہ جلال الدین احمد امجدی
۲۲ رجمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ:- از۔ غلام جیلانی کیرآف مولانا انصار احمد صاحب جمعہ مسجد مقام دھانوتھانہ (مہاراشٹر)

کیا مذہب حنفی میں نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا پڑھانا جائز ہے؟

الجوابـــــــ: بعون الملک العزیز الوھاب مذہب حنفی میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا اور پڑھانا ناجائز وگناہ ہے کہ حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرام کی نماز جنازہ کا بہت اہتمام فرماتے تھے یہانتک کہ اگر کسی وقت اندھیری رات یا دوپہر کی گرمی وغیرہ کے سبب صحابۂ کرام حضور کو اطلاع نہ دیتے اور دفن کردیتے تو حضور ان پر غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھتے بلکہ ارشاد فرماتے لاتفعلوا ادعونی لجنائزکم یعنی ایسا نہ کیا کرو مجھے اپنے جنازہ کے لئے بلالیا کرو (ابن ماجہ) یہانتک کہ صحابۂ کرام کے کئی علماء کو کفار نے فریب سے شہید کردیا تو حضور کو اس واقعہ کا سخت رنج ہوا کہ ایک مہینہ تک ان کافروں پر خاص کر نماز میں لعنت فرماتے رہے مگر ان محبوبوں پر حضور کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا ہرگز منقول نہیں۔ اس لئے کہ جنازہ کا نمازی کے سامنے ہونا شرائط جنازہ میں سے ہے جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے شرطھا وضعہ امام المصلی اور در مختار میں ہے شرطھا حضورہ فلا تصح علی غائب۔ یعنی جنازہ کا حاضر ہونا نماز کی شرط ہے لہٰذا کسی غائب پر نماز جنازہ صحیح نہیں۔ اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے میں عموماً نماز جنازہ کی تکرار بھی پائی جاتی ہے جس کے ناجائز وگناہ ہونے پر مذہب حنفی کا اجماع قطعی ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے تکرارھا غیر مشروع یعنی نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں۔ اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تو اس لئے کہ ان کا انتقال دارالکفر میں ہوا تھا وہاں ان پر نماز جنازہ نہ ہوئی تھی (فتاویٰ رضویہ) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۵ رصفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ:- از۔ غلام جیلانی کیرآف مولانا انصار احمد صاحب جمعہ مسجد مقام دھانوتھانہ (مہاراشٹر)

زید نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی موت پر ہمارے شہر میں اسپیکر کے ذریعہ اپنی امامت کا اعلان باقاعدہ کرایا اور ہزاروں مسلمانوں سے نماز جنازہ غائبانہ پڑھوائی۔ ایسی صورت میں زید پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا

توجروا۔

الجواب ـــــ بعون الملک العزیز الوھاب بھٹو کا رافضی بلکہ مذہب کا مخالف دہریہ ہونا مشہور ہے لہٰذا اس کی حاضر لاش پر بھی نماز جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔ زید اس پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے سبب کئی وجوہ سے گنہگار ہوا اس پر توبہ لازم ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۵ر صفر المظفر سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ:۔ از غلام احمد یار علوی مدرس مدرسہ قادریہ رضویہ بدر العلوم نند نگر چوری ضلع بستی۔

زید بیمار تھا بیماری کی وجہ سے خودکشی کرلی یعنی دریا میں ڈوب کر مرگیا تین ایک روز کے بعد زید کی لاش ملی لاش خراب ہوچکی تھی اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کی نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ اور اس کی روح کو ایصال ثواب کیا جائے یا نہیں؟ یا بغیر نماز جنازہ پڑھے ہوئے زید کی لاش کو دفن کردیا جاوے تو ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب ـــــ زید جس نے خودکشی کرلی اور لاش خراب ہوگئی تھی اس کی نماز جنازہ پڑھنا مسلمانوں پر واجب اور اس کی روح کو ایصال ثواب کرنا جائز۔ اگر بغیر نماز دفن کردیا گیا تو جن لوگوں کو اس کی لاش کے برآمد ہونے کا علم ہوا سب گنہگار ہوئے توبہ کریں ـــــ فتاوی عالمگیری مصری جلد اول ص۱۵۲ میں ہے۔ من قتل نفسہ عمدا یصلی علیہ عند ابی حنیفۃ ومحمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ وھو الاصح کذا فی التبیین۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ر جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ:۔ از۔ محمد صادق موضع کوری ضلع بھوجپور (بہار)

کیا یہ طریقہ صحیح ہے کہ قبر کو کھودتے وقت پہلا پھاوڑا مار کر جو مٹی نکلے اسے الگ رکھ کر میت کے ساتھ یا سب سے پہلے جاشیہ پر وہی مٹی رکھی جائے اس کے بعد قبر بند کی جائے۔ اگر نہیں تو ایسا کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟ نیز ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ سب سے پہلے چند کنکریوں پر سورۂ قل پڑھ کر قبر میں رکھتے ہیں اس کے بعد قبر بند کرتے ہیں تو کیا یہ درست

ہے؟

الجواب پہلے پھاوڑے کی مٹی میت کے ساتھ یا سب سے پہلے حاشیہ پر رکھنا فضول و فعل لغو ہے۔ اور پہلے چند کنکریوں پر سورۂ قل پڑھکر قبر میں رکھنا جائز و مستحسن ہے کہ باعث رحمت و برکت ہے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از محمد فاروق القادری متعلم دار العلوم غوثیہ نظامیہ جمشید پور (بہار)

ہمارے یہاں جمشید پور میں میت کی تدفین کے لئے جو قبر بنائی جاتی ہے اس میں نہ تو لحد یعنی بغلی بنائی جاتی ہے اور نہ صندوقچی بلکہ صرف ایک چار کونہ لمبا گڈھا کھود کر اسی میں میت لٹا کر اور زمین سے برابر اوپر کی سطح پر صرف چار انگل کی کھائی بنا کر تختہ لگاتے ہیں پھر اسی تختے پر مٹی ڈالتے ہیں اور قبر بنا دیتے ہیں اور اندر پوری قبر کھوکھلی ہوتی ہے۔ اور چند ہی روز کے بعد تختہ سڑ جاتا ہے یا دیمک لگ جاتی ہے تو تختہ اور اس پر کی مٹی قبر کے اندر میت کے اوپر گر جاتی ہے اور کبھی میت کھل بھی جاتی ہے اور آسانی سے درندہ جانوروں کی دست رس بھی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ طریقۂ تدفین کہاں تک درست اور شرع کے مطابق ہے اطلاع بخشیں۔ اور جواب کی تمام صورت کو حوالوں سے مزین فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ قبر کی دو قسمیں ہیں ایک لحد یعنی قبر کھود کر اس میں قبلہ کی طرف میت کے رکھنے کے لئے جگہ کھود دیں اور یہ سنت ہے جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ لحد لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے لحد بنائی گئی۔ (مشکوٰۃ ص۱۴۸) اور حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان سعد بن ابی وقاص قال فی مرضہ الذی ھلک فیہ الحدوا لی لحدا وانصبوا علی اللبن نصبا کما صنع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی اس بیماری میں کہ جس میں انہوں نے وفات پائی یہ فرمایا کہ میرے دفن کے لئے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیا گیا (مسلم مشکوٰۃ ص۱۴۸) اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے السنۃ فی القبر عندنا اللحد۔ یعنی ہمارے علمائے حنفیہ کے نزدیک قبر کو لحد بنانا سنت ہے اور فتح القدیر جلد دوم ص۹۰ میں ہے السنۃ عندنا اللحد یعنی ہمارے نزدیک لحد بنانا سنت ہے اور شامی جلد اول ص۵۹۹ میں ہے یلحد لانہ السنۃ یعنی قبر کو لحد بنایا جائے اسلئے کہ

وہ سنت ہے اور شرح النقایہ جلد اول ص۱۳۵ میں ہے ویلحد القبر ای یحفر حفرۃ فی جانب وھو السنۃ فی الدفن اذا کانت الارض صلبۃ ویکون فی الجانب یلی القبلۃ یعنی قبر کو لحد بنایا جائے اس طرح کہ اس میں قبلہ کی طرف گڑھا کھودا جائے اور جب زمین سخت ہو تو یہی سنت ہے۔

اور قبر کی دوسری قسم شق یعنی صندوق ہے جو عام طور پر ہندوستان میں رائج ہے اور یہ سنت نہیں ہے اسی لئے فقہائے کرام نے سخت زمین میں صندوق بنانے سے منع فرمایا ہے۔ نور الایضاح و مراقی الفلاح میں ہے ولایشق حفیرۃ فی وسط القبر یوضع فیھا المیت الافی ارض رخوۃ فلاباس بہ فیھا یعنی میت کو رکھنے کے لئے درمیان قبر میں گڑھا کھود کر صندوق نہ بنائیں مگر نرم زمین میں حرج نہیں۔ اور درمختار میں ہے لایشق الافی ارض رخوۃ یعنی صندوق نہ بنائی جائے مگر نرم زمین میں اور عنایہ میں ہے یلحد للمیت ولایشق لہ خلافا للشافعی فانہ یقول بالعکس لتوارث اھل المدینۃ الشق دون اللحد ولنا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللحد لنا والشق لغیرنا وانما فعل اھل المدینۃ الشق لضعف اراضیھم بالبقیع یعنی میت کے لئے لحد بنائی جائے اور صندوق نہ بنائی جائے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں صندوق بنائی جائے لحد نہ بنائی جائے اس لئے کہ مدینہ شریف والوں نے ہمیشہ صندوق بنایا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "لحد ہمارے لئے ہے صندوق دوسروں کے لئے" اور مدینہ طیبہ والے صندوق اس لئے بناتے ہیں کہ ان کی قبرستان جنت البقیع کی زمین کمزور ہے۔ اور شرح النقایہ میں ہے لایشق ولاباس بہ فی الارض الرخوۃ یعنی صندوق نہ بنائی جائے اور نرم زمین میں ہو تو حرج نہیں۔ اور کفایہ میں ہے یلحد لان الشق فعل الیھود والتشبہ بھم مکروہ فیما منہ بد یعنی لحد بنائی جائے اس لئے کہ صندوق بنانا یہودیوں کا کام ہے اور جب لحد بنانا ممکن ہو تو ان کی مشابہت مکروہ ہے اور فتاوی عالمگیری میں ہے والسنۃ ھو اللحد دون الشق کذا فی محیط السرخسی فان کانت الارض رخوۃ فلاباس بالشق کذا فی فتاوی قاضی خان یعنی سنت لحد ہے نہ کہ صندوق جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے اور اگر زمین نرم ہو تو صندوق بنانے میں حرج نہیں ایسا ہی فتاوی قاضی خاں میں ہے۔ اور بہار شریعت حصہ چہارم ص۱۶۰ میں ہے "لحد سنت ہے اگر زمین اس قابل ہو تو یہی کریں اور نرم زمین ہو تو صندوق میں حرج نہیں" لہذا عام طور پر جو ہندوستان میں رائج ہے کہ سخت زمین میں بھی لحد نہیں بناتے بلکہ صندوق ہی بناتے ہیں یہ غلط اور خلاف سنت ہے ہاں اگر زمین نرم ہو اور

لحد بنانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں صندوق ہی مستحسن ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے لو لم یمکن حفر اللحد تعین الشق اور بحرالرائق میں ہے واستحسنوا الشق فیما اذا کانت الارض رخوۃ۔

اور قبر کو گہری کرنے کا حکم ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے روز جماعت صحابہ سے فرمایا اعمقوا یعنی قبروں کو گہری کرو (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف)

اور قبر کتنی گہری ہو اس کے بارے میں ائمہ کرام نے اختلاف فرمایا ہے جیسا کہ بحرالرائق جلد دوم صـ۱۹۳ میں ہے۔ اختلفوا فی عمق القبر فقیل قدر نصف القامۃ وقیل الی الصدر وان زادوا فحسن یعنی ائمہ کرام نے قبر کی گہرائی کے بارے میں اختلاف کیا ہے تو بعض نے فرمایا کہ آدھے قد کے برابر اور بعض نے کہا کہ سینہ تک گہری ہو اور اگر اس سے بھی زیادہ گہری ہو تو بہتر ہے اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول صـ۱۵۵ میں ہے ینبغی ان یکون مقدار عمق القبر الی صدر رجل وسط القامۃ وکلما زاد فھو افضل یعنی اوسط قد آدمی کے سینہ تک قبر گہری ہونی چاہئے اور جو اس سے بھی زیادہ گہری ہو تو افضل ہے اور تنویر الابصار و درمختار میں ہے حفر قبرہ مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن یعنی مردہ کی قبر آدھے قد کی مقدار گہری ہو اور اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے اور بہار شریعت میں ہے کہ گہرائی کم سے کم نصف قد کی اور بہتر یہ ہے کہ گہرائی بھی قد برابر ہو اور متوسط درجہ یہ کہ سینہ تک ہو۔ اور قبر کے گہری کرنے کا حکم اس لئے ہے تاکہ رائحہ سے بچت اور درندے جانور بجو وغیرہ کی دسترس سے میت محفوظ۔ مراقی الفلاح میں ہے یحفر القبر نصف قامۃ او الی الصدر وان یزد کان حسنا لانہ ابلغ فی الحفظ۔ اور طحطاوی میں فرمایا قولہ لانہ ابلغ فی الحفظ ای حفظ المیت من السباع وحفظ الرائحۃ من الظھور۔ یعنی قبر آدھے قد کی مقدار کھودی جائے یا سینہ تک اور اگر زیادہ ہو تو بہتر ہے اس لئے کہ اس میں درندے جانوروں سے میت کی حفاظت زیادہ ہے اور اس کے رائحہ سے لوگوں کو پوری بچت ہے اور جوہرہ نیرہ میں ہے ینبغی ان یکون مقدار عمقہ الی صدر رجل وسط القامۃ وکلما زاد فھو افضل لان فیہ صیانۃ المیت عن الضباع یعنی مناسب یہ ہے کہ قبر درمیانہ قد آدمی کے سینہ تک گہری ہو اور جتنی زیادہ ہو افضل ہے اس لئے کہ اس میں گوشت خور جانور بجو سے میت کو بچانا ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے قولہ مقدار نصف قامۃ الخ او الی حد الصدر وان زاد الی مقدار قامۃ فھو احسن کما فی الذخیرۃ فعلم ان الادنی نصف القامۃ والاعلی القامۃ وما

بینهما بینهما شرح المنیة وهذا احد العمق والمقصود منه المبالغة فی منع الرائحة ونبش السباع یعنی قبر کی گہرائی نصف قد کی مقدار ہو یا سینہ تک اور اگر پورے قد کے برابر گہری ہو تو بہتر ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے تو معلوم ہوا کہ ادنیٰ مقدار نصف قد ہے اور بہتر پورا قد۔ اور ان دونوں کے درمیان سینہ تک متوسط درجہ ہے اور یہ گہرائی کی مقدار ہے اور اس کا مقصد رائحہ سے بچنا اور درندوں کے کھودنے میں زیادہ رکاوٹ پیدا کرنا ہے۔ اور شرح النقایہ جلد اول ص۱۳۸ میں ہے ویحفر القبر نصف القامة او الی الصدر وان زید کان حسنا لانه ابلغ فی منع الرائحة ودفع السباع یعنی قبر آدمے قد کے برابر کھودی جائے یا سینہ تک اور اگر زیادہ ہو تو مستحسن ہے اس لئے کہ رائحہ سے بچنے اور درندوں سے محفوظ رکھنے میں یہ مقدار زیادہ بہتر ہے۔ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں اعماق در قبر سنت ست زیرا کہ دروے صیانت میت ست از ضباع یعنی قبر کو گہری کرنا سنت ہے اس لئے کہ اس میں میت کو گوشت خور جانور بجو سے بچانا ہے (اشعۃ اللمعات جلد اول ص۶۹۳) اور اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "شریعت مطہرہ نے قبر کا گہرا ہونا اسی واسطے رکھا ہے کہ احیاء کی صحت کو ضرر نہ پہونچے (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۱۲۲) اور حکم یہ ہے کہ پوری قبر کھودنے کے بعد لحد یا صندوق بنائی جائے جیسا کہ عنایہ اور بحر الرائق جلد دوم ص۱۹۳ میں ہے صفة اللحد ان یحفر القبر بتمامه ثم یحفر فی جانب القبلة منه حفیرة یوضع فیه المیت ویجعل ذلک کالبیت المسقف۔ وصفة الشق ان یحفر حفیرة فی وسط القبر یوضع فیها المیت۔ یعنی لحد کی صورت یہ ہے کہ پوری قبر کھودی جائے پھر اس کے قبلہ کی طرف ایک گڑھا کھود کر اس میں میت رکھی جائے اور اس کو چھت والی کوٹھری کے شکل بنا دیا جائے اور صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں ایک گڑھا کھود کر اس میں میت رکھی جائے۔ اور کفایہ اور بدائع الصنائع جلد اول ص۳۱۸ اور رد المحتار جلد اول ص۵۹۹ میں ہے صفة اللحد ان یحفر القبر ثم یحفر فی جانب القبلة منه حفیرة فیوضع فیه المیت وصفة الشق ان یحفر حفیرة فی وسط القبر فیوضع فیه المیت هذا اللفظ للبدائع۔ یعنی لحد کی شکل یہ ہے کہ قبر کھودی جائے پھر اس کے قبلہ کی سمت میں ایک گڑھا کھودا جائے تو اس میں میت رکھی جائے۔ اور صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں ایک گڑھا کھودا جائے پھر اس میں میت رکھی جائے۔ اور شرح نقایہ جلد اول ص۱۳۸ میں ہے وهو

یحفر حفیرۃ فی وسط القبر فیوضع فیہا المیت۔ یعنی صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں ایک گڈھا کھودا جائے اور اس میں میت رکھی جائے۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۵۵ میں ہے صفۃ اللحد ان یحفر القبر بتمامہ ثم یحفر فی جانب القبلۃ منہ حفیرۃ فیوضع فیہ المیت کذا فی المحیط وصفۃ الشق ان تحفر حفیرۃ کالنہر وسط القبر کذا فی معراج الدرایۃ یعنی لحد کی صورت یہ ہے کہ پہلے پوری قبر کھود لی جائے پھر اس کے قبلہ کی طرف گڈھا کھود کر اس میں میت رکھی جائے ایسا ہی محیط میں ہے اور صندوق کی صورت یہ ہے کہ بیچ قبر میں نہر کی طرح ایک گڈھا کھودا جائے جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔

ائمہ کرام و فقہائے عظام کی ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ پورے قد کی مقدار یا سینہ کے برابر یا کم سے کم آدھے قد کی مقدار پہلے قبر کھودے پھر اس کے بیچ میں نہر کے شکل کھود کر نرم زمین میں صندوق بنائے اور سخت زمین میں قبلہ کی طرف کھود کر لحد بنائے اور اس میں مردہ کو رکھے۔ لہٰذا تدفین کا وہ طریقہ جو سوال میں مذکور ہے فقہائے کرام کی تصریحات کے خلاف ہے کہ نہ اس میں دائیں سے کامل بچت ہے نہ درندوں سے پوری حفاظت اور نہ وہ صورت صندوقی قبر کی ہے اور نہ لحد کی اس لئے وہ طریقۂ تدفین غلط اور خلاف سنت ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
یکم ربیع النور ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۱۰: از سید معروف پیر قادری تالہٹری اننت پور (آندھرا پردیش)

یہاں پر حضرت سید شاہ ابوبکر فضل اللہ قادری شطاری یعنی عرف سیّن ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ کے اطراف قبرستان ہے وہاں صرف حضرت کی اولاد ہی دفن ہوتی آئی ہے ان مشائخین نے اپنے چند معتقد مریدوں کو دفن کرنے کی اجازت دے کر دفن کر دئیے ہیں اب ان مریدوں کی اولاد کہتے ہیں کہ اس قبرستان میں ہم کو بھی حق ہے ہمارے باپ دادا یہیں دفن ہوئے ہیں کہکر جبرًا دفن ہونا چاہتے ہیں۔ اسلامی رو سے یہ امر صحیح ہے؟ جبرًا کسی کے خاص قبرستان میں دفن ہونا درست ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ قبرستان کی زمین اگر عام مسلمانوں کے دفن کے لئے وقف ہے تو امیر و غریب سب مسلمان اس میں دفن ہو سکتے ہیں کوئی کسی کو منع نہیں کر سکتا۔ اور اگر قبرستان

کی زمین کسی کی ملک ہے تو مالک کی اجازت کے بغیر جبراً اس میں دفن کرنا حرام ہے فلکذا فی الکتب الفقہیۃ۔

وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ذی القعدہ ۹۹ھ

مسئلہ: از لعل محمد قادری برکاتی۔ صفدر گنج ضلع بارہ بنکی

زید کے پیر طریقت علیہ الرحمہ کا وصال پیوستہ ۱۳ جمادی الآخری ۹۶ھ کو ہوا لحد مبارک لکڑیوں ہی سے بند کر کے قبر خام بنا دی گئی موصوف علیہ الرحمہ حضور سید العلماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ تھے جو مسلک اعلیحضرت کے مکمل طریقے پابند تھے۔ ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مرشد برحق کی قبر پختہ کرانے کے لئے کیا مٹی ہٹائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور لحد کی لکڑیاں ہٹا کر سنگ مرمر وغیرہ سے دوبارہ از سر نو تعمیر کی جا سکتی ہے یا صرف مٹی ہٹائی جا سکتی ہے؟

الجواب لحد کی مٹی ہٹائی جا سکتی ہے مگر وہ مٹی کہ لکڑیوں کی درازوں میں ہو اس کا ہٹانا منع ہے کہ ستر رب العالمین کے خلاف ہے اور لحد کی لکڑیاں نہیں ہٹائی جا سکتیں کہ بلا ضرورت شرعیہ قبر کھولنا جائز نہیں اعلیحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ "لحد از دفن کشودن حلال نیست" (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۱۱۹)

وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ ربیع الآخر ۹۸ھ

مسئلہ: سید محمد منظور عالم مسجد ورا اسٹیشن ضلع کوٹہ راجستھان۔

(۱) مردے کو دفنانے کے بعد کس کتاب سے اذان دینے کا ثبوت ہے اور وہ کتاب مستند ہے یا نہیں؟ اور کیا زمانۂ رسالت میں اذان دی جاتی تھی۔ معتبر کتابوں کے حوالے سے جواب دیں۔

(۲) بزرگوں کا عرس کرنا چادر پھول ڈالنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے مفتی صاحب نے خلاف شرع اور ناجائز بتایا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عرس ہوتا ہے یا نہیں؟ چادر پھول ڈالے جاتے ہیں کہ نہیں؟ تحریر کریں۔

(۳) پالن حقانی گجراتی کے بارے میں علمائے اہلسنت کا کیا فتویٰ ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب۔ (۱) مردہ کو قبر میں رکھنے کے بعد اذان کے

جواز کا ثبوت مستند کتابوں سے ہے بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اذا نودی للصلوٰۃ ادبر الشیطٰن ولہ ضراط۔ یعنی جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر گوز کرتا ہوا بھاگتا ہے۔ اور مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان الشیطٰن اذا سمع النداء بالصلوٰۃ ذھب حتی یکون مکان الروحاء۔ یعنی شیطان جب اذان سنتا ہے تو بھاگ کر مقام روحاء تک چلا جاتا ہے۔ اور روحاء مدینہ طیبہ سے چھتیس ۳۶ میل یعنی تقریباً ۶۰ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اور میت کو قبر میں رکھنے کے بعد جب منکر نکیر کا سوال ہوتا ہے تو شیطان خلل انداز ہو کر مردہ کو بہکاتا ہے۔ اس لئے اذان دے کر اس کو بھگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس اذان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں تفصیل کے لئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا رسالہ مبارکہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" کا مطالعہ کریں ــــــ بعض قبروں پر دفن کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تکبیر کہنا ثابت ہے۔ اور زمانۂ رسالت میں اس طرح کی اذان ثابت نہیں۔ بعد کی ایجاد ہے اور جائز ہے۔ جیسے کہ ایمان مجمل، ایمان مفصل، پانچوں کلمے، ان کے نام، ان کی ترتیب، قرآن شریف کا تیس پارہ بنانا، ان میں رکوع قائم کرنا، اس پر زبر زیر وغیرہ لگانا، حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا، اصول حدیث، اصول فقہ، فقہ، علم کلام، اور نماز میں زبان سے نیت کرنا یہ سب زمانۂ رسالت کے بعد کی ایجاد ہیں اور جائز ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲) بزرگوں کا عرس کرنا اور چادر پھول ڈالنا جائز ہے تفصیل کے لئے جاء الحق حصہ اول دیکھیں۔ دیوبندیوں وہابیوں نے ہمیشہ ان کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے ان کے مذہب میں ناجائز ہے مگر ہمارے مذہب میں جائز ہے جیسا کہ علمائے اہل سنت کثرہم اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال اور ولادت کی تاریخ ایک ہے یعنی ۱۲ ربیع الاول اور اس تاریخ میں پوری دنیا کے اہل سنت وجماعت جلوس نکالتے اور جلسے منعقد کرتے ہیں۔ اور چادر پھول حضور کی مزار پر ڈالنے کے لئے کسی کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۳) پالن گجراتی علمائے اہل سنت کے نزدیک گمراہ و بدمذہب ہے۔ اور جن کے نزدیک اس کا وہابیوں کے کفریات قطعیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے اس کے نزدیک وہ کافر و مرتد ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۵ رجمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از عبد الکریم محمد مرزا سنجری کا پی تنیج جالون۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اولیاء اللہ پر بھی سلام پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ـــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب کسی ولی اللہ کے مزار پر حاضر ہوکر اس طرح سلام پڑھنا جائز ہے کہ السلام علیك یا ولی اللہ۔ السلام علیك یا اھل اللہ۔ السلام علیکم یا اولیاء اللہ۔ السلام علیکم یا اھل القبور۔ اس طرح سلام پڑھنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ جائز و مستحسن ہے۔ وھو اعلم بالصواب۔

کتبــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از۔ حاجی مدار بخش کالپی محلہ مدرسہ ضلع جالون۔

کیا عورتیں بھی تنہا اپنے عزیزوں کی قبروں پر یا اولیاء اللہ کے مزار اقدس پر جا سکتی ہیں؟

الجواب ـــــ عورتوں کو اپنے عزیزوں کی قبروں پر جانا ممنوع ہے اور تنہا جانا بدرجۂ اولیٰ ممنوع کہ اس صورت میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اور اولیاء اللہ کے مزارات مقدسہ پر برکت کے لئے حاضر ہونے میں بوڑھی عورتوں کے لئے حرج نہیں اور جوانوں کے لئے ناجائز ہے مگر بوڑھی عورتوں کو صرف اسی صورت میں اجازت ہے جبکہ زیارت ایسے طریقہ پر ہو کہ اس میں کوئی فتنہ نہ ہو اور آج کل فتنہ عام ہے خصوصاً تنہا جانے میں اسی لئے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا کہ "اسلم یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً (یعنی جوان ہوں یا بوڑھی سب) منع کی جائیں۔ (بہار شریعت جلد چہارم صـ۱۵۹)۔

وھو تعالیٰ اعلم

کتبــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۴ ر ذی القعدہ سنہ ۹۵ھ

مسئلہ:۔ از محمد اسحاق خاں وارثی، اریاواں۔ ضلع رائے بریلی۔

ہمارے موضع میں فتح سنگھ کی قبر پختہ افتادہ و مسمار شدہ بہت پرانی رہی جس کو ایک مسلمان شخص نے مسلمانوں کی قبر کی طرح پختہ از سر نو بنوایا، سرہانے ۷۸۶ اور اس کے نیچے یا اللہ کندہ کیا گیا اس ہندو کی قبر پر باوجود بتلانے اور منع کرنے کے مسلمان لوگ عود بتی سلگاتے ہیں شیرینی چڑھاتے چادریں اوڑھاتے ہیں فاتحہ کرتے کراتے ہیں جان بوجھ کر جو لوگ ہندو کی قبر پرست ماتے، شیرینی چڑھاتے چادر اوڑھاتے فاتحہ کرتے یا کرتے ہیں ان کے لئے حکم شرعی کیا ہے؟

ہم مسلمانان اہلسنت کو ایسوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا

الجواب ـــــ حدیث شریف میں ہے لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ غَیَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ ... تو جب

بلا مزار زیارت کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے تو کافر کی قبر کی زیارت کرنے والے، اس پر شیرینی اور چادر چڑھانے والے بدرجۂ اولیٰ لعنت کے مستحق ہیں بلکہ کفر کا اندیشہ ہے۔ ایسے لوگوں کو صحیح حالات اور حکم شرع سے آگاہ کیا جائے اگر وہ لوگ نہ مانیں تو پھر ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۷ر شوال المکرم ۹۸ھ

مسئلہ: از سید حبیب پاشاہ خانقاہ دیوان خانہ کپل ضلع بلہاری۔ کرناٹک۔

(۱) کسی ولی یا نبی یا کسی اور کو ایصال ثواب بخشنے کے لئے ارادہ کافی ہے یا زبان سے الفاظ کا نکالنا لازم ہے؟

(۲) زید کہتا ہے کہ دل میں یہ ارادہ کیا (زبان سے نہ کہا) کہ اے اللہ میں نے پڑھتے ہوئے سورۂ فاتحہ کا ثواب فلاں نبی یا ولی کو بخش دے مگر زید سورۂ فاتحہ پڑھا ہی نہیں تھا تو کیا زید کے ذمہ سورۂ فاتحہ پڑھکر اس نبی یا ولی کو بخشنا واجب ہے؟ یا مستحب ہے I زبان سے نہ کہا II زید گنہگار ہوا یا نہیں؟ اور زید جھوٹا ایسا ارادہ کرنے سے گنہگار ہو گا یا نہیں؟ اس کا جواب بحوالہ عنایت فرمائیں۔

(۳) زید کہتا ہے کہ میں نے دل میں ارادہ یہ کیا (زبان سے نہ کہا) کہ اے اللہ میں فلاں کام ہونے پر فلاں نبی کو سورۂ اخلاص پڑھکر بخشوں گا۔ کام ہونے پر سورۂ فاتحہ پڑھکر اس نبی کو بخشنا واجب ہے یا مستحب۔ اگر نہ بخشا تو زید گنہگار ہوا یا نہیں؟ زبان سے نہ کہا۔

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ کسی کو ایصال ثواب کرنے کے لئے ارادہ کافی ہے زبان سے کہنا ضروری نہیں مگر کہہ لینا بہتر ہے یعنی اگر زبان سے نہیں کہا تو اس صورت میں بھی اللہ تعالیٰ جو لوگوں کی نیتوں سے خوب واقف ہے اس شخص کو ثواب مرحمت فرمائے گا۔ کہ جن کے لئے ایصال ثواب کی نیت سے کار خیر کیا گیا مثلاً کسی نے اپنے والدین کے ایصال ثواب کی نیت سے کسی کو حج کرایا اور غریب کو روٹی کے ٹکڑے یا چند پیسے دئے اور زبان سے ایصال ثواب نہ کیا تو اس کے والدین کو ثواب ملے گا۔

(۲) بیشک زید کے ذمہ سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم ہے اگر نہیں پڑھے گا تو کسی کو ثواب نہ ملے گا جیسے کہ زید نے وہ کھانا جو اس کے سامنے رکھا ہے ابھی فقیر کو نہیں دیا مگر فقیر کو دینے کا ثواب کسی کو بخشا تو اس پر لازم ہے کہ فقیر کو دے اگر نہیں دیا تو کسی کو ثواب نہ ملے گا اور اس کا بخشنا لغو ہو جائے گا حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی

ماں کے ایصال ثواب کے لئے کنواں کھودوایا اور فرمایا ھٰذہٖ لِاُمِّ سعد یعنی یہ کنواں سعد کی ماں کے لئے ہے یعنی اس کنواں کے پانی سے فائدہ اٹھانے کا ثواب میری ماں کو ملے رواہ ابوداؤد والنسائی مشکوٰۃ ص۱۶۹ غور کیجئے جب کوئیں کا پانی لوگ استعمال کریں گے تب ثواب مرتب ہوگا۔ اور جب تک کنواں موجود رہے گا مرتب ہوتا رہے گا مگر اس کا ثواب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے ہی اپنی ماں کو بخش دیا۔ اسی طرح جب زید سورۂ فاتحہ پڑھے گا تب اس کا ثواب مرتب ہوگا مگر اس نے پڑھنے کا ثواب پہلے ہی بخش دیا تو جائز ہے لیکن نہ پڑھنے کی صورت میں ثواب نہ ملے گا اور اگر از راہ فریب ایسا کیا تو زید ضرور گنہگار ہوا۔

(۳) یہ مسئلہ تعلیق و منت کی قسموں میں سے ہے اور تعلیق و منت میں زبان سے کہنا ضروری ہے لہٰذا کام ہو جانے کی صورت میں بھی زید پر سورۂ اخلاص پڑھکر ایصال ثواب کرنا واجب نہیں اور نہ کرنے کی صورت میں گنہگار نہیں اگر کرے تو بہتر ہے کہ عمل ارادہ کے مطابق ہو جائے۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۹ھ

مسئلہ: از سید شاہ محمد قادری۔ رائچور (کرناٹک)

(۱) آج کل یہ فیشن ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگ جو سید نہیں ہیں وہ اپنے آپ کو سید کہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں تو ان کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) سادات کرام کو قربانی کا گوشت اور میت کے تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں کی دعوت کھانا کیسا ہے؟

الجواب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ (۱) حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد کو سید کہتے ہیں (فتاویٰ رضویہ) لہٰذا جو لوگ سید نہیں ہیں اور اپنے آپ کو سید کہتے اور لکھتے ہیں وہ لوگ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں۔ ان پر خدائے تعالیٰ کی، سب فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے جیسا کہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے حدیث مروی ہے کہ سرکار اقدس نے فرمایا کہ جو شخص اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی، سب فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہے۔ خدائے تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کا فرض قبول کرے گا اور نہ نفل (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ) وھو تعالیٰ اعلم۔

(۲) سادات کرام اور ہر امیر و غریب کو قربانی کا گوشت کھانا جائز ہے۔ کسی مسلمان کے لئے اس کا گوشت ناجائز

نہیں (فتاوی عالمگیری) البتہ جو قربانی منت کی ہو اس کا گوشت نہ قربانی کرنے والا کھا سکتا ہے نہ مالک نصاب لوگ کھا سکتے ہیں اور نہ سادات کرام (بہار شریعت بحوالہ زیلعی) اور میت کے تیجہ، دسواں، بیسواں اور چالیسواں وغیرہ میں شادی بیاہ کی طرح دعوت کرنا بدعت قبیحہ اور ناجائز ہے کہ دعوت تو خوشی میں ہے نہ کہ غمی میں (فتح القدیر ـ عالمگیری ـ شامی) ـ لہذا اہل میت جو ان موقعوں پر دوست و احباب اور عام مسلمانوں کی شادی کی طرح دعوت کرتے ہیں وہ ناجائز ہے ـ اور سادات کرام وغیرہ کو ایسی دعوتوں کا کھانا منع ہے ـ البتہ میت کے ایصال ثواب کے لئے ان موقعوں پر غربا و مساکین کو کھلانا بہتر ہے اور ان کا کھانا بھی جائز ہے ـ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۷ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ :- از منظور احمد سنگوادی مکتب فیض الرسول براؤں شریف بستی

(۱) زید کے باپ کا تیجہ ہے اس میں اس نے فقراء کے علاوہ گاؤں والوں کی بھی دعوت کی ـ گاؤں والوں کا اس دعوت میں نیز اس قسم کی دیگر دعوتوں میں مثلاً دسواں ـ بیسواں، چالیسواں شریک ہونا کیسا ہے ـ

(۲) زید کہتا ہے کہ ہم نے فقراء و گاؤں والوں و رشتہ داروں کا کھانا الگ الگ پکوایا ہے اور گاؤں والوں کو وہ کھانا ہم نہیں کھلائیں گے ـ جس پر میت کا فاتحہ ہوا ہے تو اس کھلانے کے بارے میں کیا حکم ہے ـ

(۳) تقریب تیجہ میں میلاد شریف ہوا جس میں شیرنی وغیرہ تقسیم کی گئی حاضرین مجلس کے لئے اس کا کھانا کیسا ہے ـ

(۴) زید نے تیجہ کی تقریب میں گاؤں کے چند مردوں عورتوں کو کھانا بنوانے نیز انتظام کرنے کے لئے بلوایا اسی کھانے ان لوگوں کو کھانا کیسا ہے ـ بینوا توجروا

الجواب :- (۱) تیجہ کا کھانا فقراء و مساکین کے لئے ہے برادری اغنیاء اور گاؤں والوں کو شادی کی طرح دعوت دے کر کھانا کھلانا ممنوع و ناجائز ہے ـ شامی جلد اول صفحہ ۶۲۹ ہے ـ یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لافی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ ـ اور پیشوائے اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاوی رضویہ جلد چہارم صفحہ ۲۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ طعام کہ عوام ایام موت میں بطور دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز و ممنوع ہے ـ لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لافی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور ـ اغنیاء کو اس کا

کھانا جائز نہیں اھ ـــــ اور بہار ص۱۴۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سوم، دہم، چہلم، وغیرہ کا کھانا مساکین کو دیا جائے برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کرکے کھلانا بے معنی ہے۔ کما فی مجمع البرکات موت میں دعوت ناجائز ہے۔ فتح القدیر وغیرہ میں ہے انہا بدعۃ مستقبحۃ لانہا شرعت فی السرور لا فی الشرور تین دن تک اس کا معمول ہے۔ لہذا ممنوع ہے اس کے بعد بھی موت کی نیت سے اگر دعوت کرے گا ممنوع ہے انتہی بالفاظہ رضی المولی تعالیٰ عنہ

(۲) رشتہ دار اور برادری وغیرہ کے اغنیاء کو وہ کھانا فاتحہ کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے بلکہ موت کے سلسلے میں دعوت کی وجہ سے ممنوع ہے۔ لہذا اغنیاء کے لئے الگ کھانا پکانے کی صورت میں بھی ممنوع و ناجائز ہی رہے گا۔ واللہ اعلم

(۳) میلاد شریف کی شیرینی فقراء اور اغنیاء سب کے لئے تبرک ہے کھانا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلی اجل جلالہ وصلے المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۴) انتظام کرنے والے اور پکانے والے اغنیاء کے لئے تیجہ کا کھانا جائز ہے۔ اور نہ کھانا بہتر ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ انتظام کرنے کی نیت سے انھیں جمع کیا گیا ہو۔ اور اگر دعوت کے سبب جمع کیا گیا تو ناجائز و ممنوع ہی رہے گا۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

مسئلہ:۔ از عبدالکریم۔ محلہ مرزا منڈی ڈاکخانہ کالپی ضلع جالون۔

تیجے اور چالیسویں میں اکثر لوگ شہر کے رشتہ داروں کو اور باہر کے بھی رشتہ داروں کو بلاکر فاتحہ میں شریک کرتے ہیں اور ان کو کھانا بھی کھلاتے ہیں تو کیا یہ کھانا کھانے میں کوئی شرعی قباحت یا ممانعت تو نہیں ہے؟

الجواب ـــــ اللھم ھدایۃ الحق والصواب میت کے تیجہ اور چالیسواں وغیرہ میں میت کے ایصال ثواب کے لئے غرباء و مساکین کو کھانا کھلانا بہتر ہے لیکن دوست و احباب اور رشتہ داروں کی شادی کی طرح دعوت کرنا بدعت قبیحہ ہے کہ دعوت تو خوشی کے وقت مشروع ہے نہ کہ غم میں فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۱۵۰ میں ہے لایباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلاثۃ ایام کذا فی التتارخانیۃ۔ اور رد المحتار جلد اول ص۶۲۹ اور فتح القدیر جلد دوم ص۱۰۲ میں ہے یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ۔ اور رشتہ دار وغیرہ کو اس موقع پر

شادی کی طرح دعوت کرنا منع ہے تو ان لوگوں کو اس طرح کی دعوت کھانا بھی منع ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۵ر شوال ۱۴۰۰ھ

مسئلہ:۔ نظام الدین احمد متعلم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف بستی

مندرجہ ذیل شقوق کی بنا پر میت کا کھانا جو عوام و خواص کو کھلایا جاتا ہے اس کا جواز ثابت ہوگا یا نہیں؟

(۱) جب دعوت دی جائے تو یہ نہ کہا جائے کہ میت کے کھانے کی دعوت ہے بلکہ صرف لفظ دعوت استعمال کیا جائے۔

(۲) ہم تعلقات کے بنا پر مجبور ہیں اور یہ تو بدلہ ہے۔

(۳) فقراء کا کھانا الگ فاتحہ کیا جائے اور بقیہ لوگوں کا کھانا الگ بغیر فاتحہ کے رکھا جائے۔

(۴) کھلانے والے کو اپنے کھانے سے زیادہ غلہ دے دیا جائے۔ اور عدم جواز پر اطلاع کے باوجود اس کا مرتکب کیسا ہے۔

الجواب:۔ میت کے نام پر اہل میت کی طرف سے عوام و خواص کو دعوت دیکر کھلانا ناجائز اور بدعت سیئہ ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر جلد دوم ص۱۰۲ میں تحریر فرماتے ہیں: یکرہ اتخاذ الضیافۃ من الطعام من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ۔ یعنی میت والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت کرنا ممنوع ہے کہ شرع نے دعوت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بدعت شنیعہ ہے۔ اسی طرح حضرت علامہ حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: تکرہ الضیافۃ من اھل المیت لانھا شرعت فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ (مراقی الفلاح مع طحطاوی ص۳۳۹) اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۵۰ میں ہے لا یباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلاثۃ ایام کذا فی التتارخانیۃ۔ غمی میں تیسرے دن دعوت کرنا جائز نہیں ہے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے۔ اور اسی طرح شامی جلد اول ص۶۲۹ میں بھی ہے۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۱۹۲ میں تحریر فرماتے ہیں مردے کا کھانا صرف فقراء کے لئے ہے عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نہ کھائے کما فی فتح القدیر و مجمع البرکات اور اسی جلد چہارم ص۲۱ میں تحریر فرماتے

ہیں۔ میت کے یہاں جو لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان کی دعوت کی جاتی ہے اس کھانے کی تو ہر طرح ممانعت ہے اور اسی جلد صفحہ ۲۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں میت کی دعوت برادری کے لئے منع ہے۔ اور اسی فتاوی رضویہ جلد چہارم صفحہ ۲۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔ سوم، دہم چہلم وغیرہ کا کھانا مساکین کو دیا جائے برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کرکے کھلانا بے معنی ہے کما فی مجمع البرکات موت میں دعوت ناجائز ہے فتح القدیر وغیرہ میں ہے انہا بدعۃ مستقبحۃ لانہا شرعت فی السرور لا فی الشرور۔ تین دن تک اس کا معمول ہے لہٰذا ممنوع ہے۔ اس کے بعد بھی موت کی نیت سے اگر دعوت کرے گا ممنوع ہے۔ اور مصنف بہار شریعت حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔ عام میت کا کھانا صرف فقراء کو کھلائے اور اہل برادری میں کچھ لوگ محتاج ہوں تو انہیں بھی کھلائے اور اپنے رشتہ دار ایسے ہوں تو انہیں کھلانا اوروں سے بہتر ہے اور جو محتاج نہ ہوں انہیں نہ کھلائے۔ بلکہ انہیں کھانا بھی نہ چاہئے (فتاوی امجدیہ جلد اول صفحہ ۳۳۹) اور حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی تحریر فرماتے ہیں۔ بعض جگہ دستور ہے کہ میت کے کھانے کو برادری اپنا حق سمجھتی ہے اگر نہ کھلائیں تو عیب لگاتے ہیں یہ ضرور بدعت قبیحہ ہے۔ لیکن میت کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوا کر مسلمانوں کو کھلائیں تو اس میں حرج نہیں یہ کھانا اگر عام مسلمین میں سے کسی کے ایصال ثواب کا ہے تو اغنیاء کو کھانا منع اور فقراء کو جائز اور اگر بزرگان دین کے ایصال ثواب کے لئے ہو تو غنی فقیر سب کو کھانا جائز ہے (حاشیہ فتاوی امجدیہ صفحہ ۳۳۹ ج ۱) لہٰذا جس صورت میں دعوت ناجائز ہے وہ ناجائز ہی رہے گی چاہے میت کے کھانے کی دعوت کہی جائے یا مطلق لفظ دعوت استعمال کیا جائے اور تعلقات و بدلہ کی وجہ سے لوگوں کا مطالبہ ہوگا اور دعوت نہ کرنے کی صورت میں لوگ طعنہ دیں گے۔ اور عیب لگائیں گے تو اس سے جواز نہیں ثابت ہوگا بلکہ ممانعت میں اور شدت ہوگی۔ اور ممانعت کی بنیاد فاتحہ نہیں ہے کہ فقراء کا کھانا الگ فاتحہ کرنے اور بقیہ لوگوں کا کھانا الگ بغیر فاتحہ کے رکھنے سے خرابی دفع ہو جائے گی۔ اور اس بدعت کے شنیعہ ہونے کی بنیاد کھلانے والے کی زیر باری بھی نہیں ہے کہ کھانے سے زیادہ غلہ دینے سے شناعت ختم ہو جائے گی بلکہ اس کی بنیاد میت والوں کی طرف سے کھانے کی دعوت ہے جس کو شریعت نے خوشی میں رکھا ہے غمی میں نہیں رکھا ہے۔ اور دوسری وجہ نہ کھلانے کی صورت میں عیب لگانا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس غلط رواج کو ختم کریں۔ جس چیز کا ناجائز ہونا ثابت ہوا اس کے باوجود اگر کوئی اس کا ارتکاب کرے تو وہ گنہگار ہے۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۱ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از ۔ محمد حنیف معرفت جمال وارثی پوسٹ پارہ کلاں ضلع رائے بریلی۔

جو مسلمان نمازیں نہیں پڑھتے اور نہ رمضان المبارک کا روزہ رکھتے ہیں بلکہ اپنے کو گناہوں میں ملوث رکھتے ہیں ایسے لوگوں پر کوئی دیوار گر جائے یا پیٹ میں درد ہونے یا آگ میں جل جائے یا پانی میں ڈوب جائے یا کوئی عورت بے نمازی حیض و نفاس کی حالت میں مرجائے تو شہید کا ثواب پائے گا یا نہیں؟

الجواب: بعون الملک العزیز الوہاب کسی چیز پر ثواب پانے کے لئے پابند شرع ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف مسلمان ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا جو مسلمان کہ مذکورہ صورتوں میں مرجائے وہ شہید کا ثواب پائے گا اگرچہ نماز و روزہ وغیرہ ادا نہ کرنے کے سبب گنہگار ہوگا جیسے کہ جو مسلمان اللہ کے راستے میں قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے اگرچہ وہ اپنی زندگی میں پابند شرع نہ رہا ہو۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۵ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: محمد صفات موضع دھسوا کلاں پوسٹ پورندر پور ضلع گورکھپور۔ یوپی۔

قبرستان کے نام سے زمین ہے اس کا کل رقبہ ڈیڑھ ایکڑ اٹھارہ ڈسمل ہے اسی زمین میں ایک گڑھا ہے اس کے جنوب کنارے پر عیدگاہ ہے اور اتر اور پورب پچھم کنارے پر قبرستان پورب اور پچھم کنارے پر کچھ ہی قبریں ہیں باقی زمین خالی ہے یہاں کے اکثر مسلمان عیدگاہ کے قریب مدرسہ کی بنیاد ڈال دیئے ہیں دیوار تقریباً پانچ فٹ اونچی ہوگئی ہے گاؤں کے کچھ لوگ مخالفت کر رہے ہیں کہ یہ زمین قبرستان کے نام سے ہے لہٰذا ہم لوگ مدرسہ نہیں بنانے دیں گے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ مدرسہ بنانا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: اگر مدرسہ ایسی زمین پر بنایا جا رہا ہے کہ جہاں کبھی قبریں تھیں تو بلا تاخیر اس کی دیواروں کو گرا دینا مسلمانوں پر لازم ہے اگر نہیں گرائیں گے تو گنہگار ہوں گے لان المیت یتأذی کما یتأذی منہ الحی کما فی الحدیث۔ اور اگر کبھی وہاں قبریں نہیں تھیں تو جو زمین قبرستان کی ملکیت ہے اسے مدرسہ کی ملکیت میں لانا جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۲۵ شوال المکرم ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: مرسلہ مولانا محمد برکت اللہ نانپاروی وارد حال موراانواں ضلع اناؤ۔

قصبہ موراانواں کی عیدگاہ بہت چھوٹی ہے۔ مقامی لوگ اس کی توسیع کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کے تین طرف پرانا قبرستان ہے۔ اور جس طرف قبرستان نہیں ہے ادھر بڑھنا غیر ممکن ہے۔ قبرستان میں اب مردے دفن نہیں کئے جاتے ہیں اور نہ قبروں کے نشانات ہی پائے جاتے ہیں۔ مقامی لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ قبرستان کی طرف اس کی توسیع کی جائے اور اس کا فرش نیچے پائے قائم کرکے زمین کی سطح سے کچھ بلندی پر لنٹر ڈال کر بنالیا جائے۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں قبرستان کی توسیع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر بغیر لنٹر ڈالے توسیع کرنا چاہیں تو بھی جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر لنٹر کے پائے خارج قبرستان قائم کئے جائیں یا داخل قبرستان ایسی جگہوں پر قائم کئے جائیں کہ جہاں کبھی مردہ نہ دفن کیا گیا ہو تو جائز ہے ورنہ اذیت اموات مسلمین کے سبب حرام و ناجائز ہے۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان المیت یتأذی ممایتأذی منہ الحی۔ ھٰذا ماعندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

مسئلہ: از عبد المصطفیٰ محمد صدیق گونڈوی متعلم دار العلوم منظر اسلام بریلی۔

ایک بہت ہی پرانا اور وسیع مسلمانوں کا قبرستان ہے اور قبرستان کے بیچ میں قبروں کے اوپر زید نے مدرسہ تعمیر کرایا۔ بنیاد میں متعدد جگہ قبر کے آثار مثلے ہڈیاں بھی ملیں آیا یہ جائز ہے یا نہیں اور زید کے اوپر کیا حکم شرعی ہے علاوہ ازیں مدرسہ مذکورہ میں نماز کا کیا حکم ہے مدرسہ قبرستان میں ہونے کے سبب مقابر مسلمین کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ لہٰذا حکم شرعی صادر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: قبروں کے اوپر مدرسہ تعمیر کرنا حرام، حرام، حرام ہے کہ اس میں قبور مسلمین کی توہین کے ساتھ اذیت اموات مومنین بھی ہے۔ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان المیت یتأذی ممّا یتأذی منہ الحی زید بہت بڑا موذی اور سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔ مدرسہ مذکور میں نماز پڑھنا حرام ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے لاتصلوا علی قبر (فتاویٰ رضویہ) واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ رمضان شوال ۹۱ھ

مسئلہ: از ثناء اللہ خان لطیفی صدر المدرسین مدرسہ اہلسنت یار علویہ کرونا ضلع بستی۔

زید نے مدرسے اور عیدگاہ کے لئے زمین وقف کیا۔ زمین ایسی ہے کہ اس کے بیچ میں دو قبریں ہیں جنکا نشان مٹ چکا ہے۔ اندازہ لگ رہا ہے کہ اسی جگہ پر قبریں تھیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مدرسہ وغیرہ عیدگاہ اس جگہ پر کس طرح تعمیر کیا جائے جبکہ قبریں درمیان میں پڑ رہی ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب: قبروں کا نشان اگرچہ مٹ چکا ہے مگر جس مقام پر قبروں کے ہونے کا ظن غالب ہو اس مقام کا احترام ضروری ہے۔ بہتر ہے کہ قبروں کے چاروں طرف کم سے کم ستر و کی مقدار دیواریں اونچی کر کے قبروں کو بیچ میں کر دیں۔ یا زمین سے ڈیڑھ دو فٹ چاروں طرف سے دیواریں اونچی کر کے اوپر سے چھت ڈھال دیں اور مدرسہ کا فرش اونچا کر کے چھت کے برابر کر دیں یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اور عیدگاہ بنانے کے بجائے زمین کے پچھلے حصے میں مدرسہ کا برآمدہ اتر دکھن خوب لمبا بنا دیں اور چوڑا اتنا ہو کہ برآمدہ میں امام کے پیچھے ایک صف قائم ہو سکے اور برآمدے کے سامنے جہاں تک زمین مدرسہ کی ہو اسے تین طرف سے گھیر دیں۔ پھر گاؤں کے لوگ اگر عید کی نماز پڑھتے ہوں تو مدرسہ اور اس کے صحن میں نماز عید پڑھیں۔ یہ صورت بہتر ہے اور عیدگاہ نہ بنائیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ شوال المکرم ۹۱ھ

مسئلہ: از عبد الغفور خاں صاحب موضع ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ

میرے موضع میں ایک قبرستان ہے جس کے خلاف دو مقدمہ ہندوؤں کے چل رہے ہیں اور قبرستان میں دو گڈھے ہیں جس کا ہموار کرانا ضروری ہے اور مقدموں میں خرچ بھی ہو رہا ہے قبرستان مذکور میں ایک درخت سیمر کا تھا جو سوکھ گیا اور فروخت کر دیا گیا تعلقدار سابق سے یہ درخت گڈھے ہموار کرنے اور قبرستان کے دیگر اخراجات کیلئے ہم لوگوں نے مانگ لیا تھا اور انھوں نے بخوشی دے دیا تھا اب چند لوگوں کا کہنا ہے کہ اس درخت کا روپیہ عیدگاہ بنوانے کے لئے دیدیا جائے تو ایسی صورت میں ایک مد کا روپیہ دوسرے مد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا لوٹے اور فرش وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مسجد میں کچھ روپیہ دینے کے بعد اس میں سے کچھ واپس لے لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب (۱) تعلقدار سابق نے جبکہ درخت مذکور کو قبرستان میں صرف کرنے کے لئے دیا تھا تو اس درخت کا روپیہ اسی قبرستان کی حفاظت میں صرف کیا جائیگا عیدگاہ کی تعمیر کے لئے دینا جائز نہیں۔

(۲) ایک مسجد کا روپیہ دوسری مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں نیز لوٹے اور فرش وغیرہ اگر ضرورت سے زائد نہ ہوں استعمال نہ کئے جانے کے سبب سے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو دوسری مسجد میں دینا شرعاً جائز نہیں اور اگر ضرورت سے زائد ہوں اور استعمال نہ کئے جانے کے سبب سے خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو دوسری مسجد میں متولی یا اہل محلہ دے سکتے ہیں۔

(۳) مسجد میں روپیہ دینا شرعاً صدقہ نافلہ ہے اور کسی صدقہ کا دیکر واپس لینا جائز نہیں لہٰذا مسجد میں دئے ہوئے روپئے میں سے بھی کچھ واپس لینا شرعاً جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از غلام غوث علوی حاکم مدرسہ عرفان العلوم سینہ اپلیٹہ (گجرات)

ہمارے یہاں قبرستان کا گراؤنڈ کافی وسیع و عریض ہے۔ موسم برسات میں گھاس کثرت سے اگ جانے کی وجہ سے موسم گرما میں اکھاڑنے اور کاٹنے کی بجائے پورے گراؤنڈ میں آگ لگا دی جاتی ہے اور ایسی صورت میں آگ کی لپیٹ میں آکر سیکڑوں قبریں جل جاتی ہیں۔ آیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے والوں کے متعلق کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب قبروں پر اگی ہوئی گھاسوں کو جلانا ممنوع ہے لما فیہ من التفاؤل القبیح بالنار وایذاء المیت فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۱۰۳ میں ہے کہ علامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے اس مسئلہ کی دلیل میں کہ مقابر میں پیشاب کرنا ممنوع ہے فرمایا لان المیت یتاذی بما یتاذی منہ الحی اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۷؍ ربیع الاول ۹۶ھ

مسئلہ:۔ از محمد اسحٰق موضع دھکدھی پوسٹ بھیرہوا (نیپال)

قبرستان میں جہاں کہ قبریں ہیں اس جگہ پر عمارت بنوائی جا سکتی ہے یا نہیں؟ نیز اس پر کاشتکاری ہو سکتی ہے

یا نہیں؟

الجواب ـــــ مسلمانوں کے قبرستان میں قبروں کی جگہ پر عمارت بنانا یا کاشتکاری کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بہار شریعت حصہ نہم صـ۴۳ پر ہے "مسلمانوں کا قبرستان ہے جس میں قبر کے نشان بھی مٹ چکے ہیں ہڈیوں کا بھی پتہ نہیں جب بھی اس کو کھیت بنانا یا اس میں مکان بنانا جائز نہیں۔ اب بھی وہ قبرستان ہی ہے۔ قبرستان کے تمام آداب بجالائے جائیں" انتہی بالفاظہ۔ اور فتاوی عالمگیری جلد دوم صـ۴۷۲ میں ہے سئل هو اى القاضى الامام شمس الائمة محمود الاوزجندى عن المقبرة فى القرى اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتى لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حكم المقبرة كذا فى المحيط۔ وهو تعالى اعلم

کتبـــــــــــــــــــہ
جلال الدین احمد امجدی
۵ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

مسئلہ ـ از محمد اسمٰعیل اطہر القادری۔ صدر المدرسین انجمن معین الاسلام پرانی بستی۔

قبرستان کی اس زمین میں جو کسی گاؤں یا شہر کے مسلمان مردوں کو دفن کرنے کے لئے کسی شخص یا کمیٹی کی طرف سے وقف ہوا اور اس میں مسلمان دفن کئے جاتے ہوں اگر کوئی شخص ان قبروں پر اپنے کسی شخص یا ذاتی مفاد کے تحت کوئی کمرہ یا مکان کی تعمیر کرے یا کچھ قبروں کو کھدوا کر اس پر مکان کی بنیاد قائم کرے تو ایسا شخص شریعت کے نزدیک کیسا ہے؟ اور اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ نیز اگر وہ نمازیں مسلمانوں کی امامت کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جواب مع دلائل وحوالہ جات مرحمت فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب ـــــ قبروں کو کھدوا کر ان پر مکان کی بنیاد قائم کرنے والا یا قبروں پر مکان بنانے والا ظالم جفاکار اور اموات مسلمین کو اذیت پہونچانے والا سخت گنہگار ہے اس کا یہ فعل ہرگز جائز نہیں۔ حکم شرع معلوم ہونے کے بعد اگر وہ اپنے اس فعل سے باز نہ آئے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کہ وہ فاسق معلن ہے اگر کسی نے غلطی سے پڑھ لی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے بہار شریعت حصہ دہم صـ۸۳ میں ہے مسلمانوں کا قبرستان ہے جس میں قبر کے نشانات بھی مٹ چکے ہیں ہڈیوں کا بھی پتہ نہیں جب بھی اسکو کھیت بنانا اس میں مکان بنانا جائز نہیں اب بھی وہ قبرستان ہی ہے قبرستان کے تمام آداب بجالائے جائیں انتہی بالفاظہ اور فتاوی

عالمگیری جلد دوم صــ ۴۶۷ میں ہے سئل هو (ای القاضی الامام شمس الائمه محمود الاوزجندی) عن المقبرة فی القری اذا اندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لا العظم ولا غیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لا ولها حکم المقبرة کذا فی المحیط اھ

وھو تعالٰی اعلم۔

کتبـــــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ رجمادی الاولٰی ۱۳۹۰ھ

مسئلہ : از۔ فتح محمد شاہ پوسٹ ومقام دوبولیا بازار ضلع بستی۔

(۱) زید نے مسلمانوں کے قبرستان میں سب مسلمانوں کی رائے سے تیرہ ۱۳ درخت آم کے لگائے اور پھر زید کا انتقال ہوگیا۔ اب بکر جو کہ زید کا لڑکا ہے اس نے آم کے درخت کو اپنے باپ کے لگانے کی بنا پر یہ کہتا ہے کہ ہمیں اس کے پھل کے استعمال کرنے کا حق ہونا چاہئے رہ گیا اس درخت کو کٹوا کر یا بیچ کر لینے میں ہم نہیں لیں گے۔

مگر قوم اس میں بکر کو کہتی ہے کہ یہ درخت قبرستان کے نام رہیں گے اور بکر کا کہنا ہے کہ ان درختوں کا اندراج ہمارے نام ہونا چاہئے اس پر قوم تیار نہیں ہے تو ایسی صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ درخت کی ملکیت بکر کی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمادیا جائے۔

(۲) قوم کا کہنا ہے کہ درخت جتنی دوری میں ہے اتنی جگہ پھنسی ہوئی ہے اس لئے اس کا آدھا پھل ہمیں ملنا چاہئے تو ان کا کہنا درست ہے یا نہیں؟

(۳) قبرستان میں درخت کی ملکیت کا حق عام مسلمانوں کو ہے یا بکر کو؟ بینوا وتوجروا

الجواب : (۱) صورت مسئولہ میں زید جس نے مسلمانوں کے قبرستان میں درخت لگائے وہی زید شرعاً ان درختوں اور پھلوں کا مالک ہے اور زید کے انتقال کے بعد درختوں اور پھلوں کا مالک زید کی اولاد ہے انہی کو درختوں کے بیچنے کاٹنے اور ان کے پھلوں میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار حاصل ہے۔ زید کا لڑکا بکر جب کہ دوسرے کے نام درختوں کے اندراج پر راضی نہیں ہے تو بکر ہی کے نام پر درختوں کا اندراج لازم ہے۔ درخت لگانے والے کی اولاد کے علاوہ دوسروں کے نام پر درختوں کے اندراج کرانے والا اور کرنے والا سب گنہگار مستحق عذاب نار اور حق العبد میں گرفتار ہوں گے۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحریر فرماتے ہیں قبرستان میں کسی نے درخت لگائے تو یہی شخص ان درختوں کا مالک ہے (بہار شریعت حصہ دہم صــ ۵۳) اور فتاوی عالمگیری جلد دوم مصری

ص۴۴۲ میں ہے مقبرۃ علیہا اشجار عظیمۃ فھذا علی وجھین اما ان کانت الاشجار نابتۃ قبل اتخاذ الارض مقبرۃ اونبتت بعد اتخاذ الارض مقبرۃ ففی الوجہ الاول المسئلۃ علی قسمین اما ان کانت الارض مملوکۃ لھا مالک اوکانت مواتا لامالک لھا واتخذھا اھل القریۃ مقبرۃ ففی القسم الاول الاشجار باصلھا علی ملک رب الارض یصنع بالاشجار واصلھا ماشاء وفی القسم الثانی الاشجار باصلھا علی حالھا القدیم وفی الوجہ الثانی المسئلۃ علی قسمین اما ان علم لھا غارس اولم یعلم ففی القسم الاول کانت للغارس ۔ وفی القسم الثانی الحکم فی ذلک الی القاضی ان رأی بیعھا وصرف ثمنھا الی عمارۃ المقبرۃ فلہ ذلک کذا فی الواقعات الحسامیۃ اھ ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب ۔

(۲) قوم آدھے درختوں کے پھل کی مستحق نہیں ہے بلکہ پورے درختوں کے پھلوں کا استحقاق درخت لگانے والے کی اولاد ہی کو حاصل ہے ۔ اور درختوں سے اگر زمین پھنسی ہے تو اس سے نہ قوم کا نقصان ہے اور نہ مُردوں کا ۔ بلکہ فائدہ ہے کہ دفن یا فاتحہ وغیرہ کے لئے جو لوگ قبرستان میں جاتے ہیں ان کو درختوں کے سائے سے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور مُردوں کو ان کے سایہ اور تسبیح دونوں سے فائدہ پہونچتا ہے ۔

قال اللہ تعالٰی وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ (پ۱۵ رکوع ۵) اور حدیث شریف میں ہے ان المیت یتاذی مما یتاذی من الحی اھ ۔

(۳) صورت مستفسرہ میں قبرستان کے درخت بکر کی ملکیت ہیں نہ کسی دوسرے کی جیسا کہ جواب اول کے جزئیوں سے ظاہر ہے ۔ وھو تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم ۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ ۔ از فتح محمد شاہ دوبولیا بازار ضلع بستی ۔

اگر کسی نے زمین موقوفہ میں درخت لگایا تو وہ درخت کس کا ہے ؟

الجواب ۔ درخت لگانے والا اگر زمین موقوفہ کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے مقرر ہے تو وہ درخت وقف کا ہے اور اگر کسی ایسے شخص نے درخت لگایا جو زمین وقف کی نگرانی کے لئے مقرر نہیں تو اس کا مالک درخت لگانے والا ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد ثانی مصری ص۴۴۳ میں ہے اذا غرس شجرا فی ارض موقوفۃ علی الرباط ینظر ان کان الغارس ولی تعاھد ھذہ الارض الموقوفۃ علی الرباط

فالشجر للوقف وان لم یول ذلك فالشجرة له وله قلعها اھ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبــــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۵ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ :۔ از محمد صفی اللہ ابوالعلائی مقام و پوسٹ جیڈی سی کوٹکری ہزاری باغ بہار۔

ہمارے یہاں کا قبرستان گورنمنٹ کے اکوائر میں آگیا ہے۔ گورنمنٹ اس کے بدلے میں دوسری جگہ دے رہی ہے تو ہم لوگ اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ لیں یا کیا کریں ؟

الجواب ـــــــ گورنمنٹ مسلمانوں کے قبرستان کو اکوائر کر لینے کے بعد روڈ یا کارخانہ وغیرہ بنوائے گی یا میدان رکھے گی اور بہر صورت اس کے استعمال میں آنے سے اموات مؤمنین کو سخت اذیت پہونچے گی۔ حاکم و طبرانی کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا یا صاحب القبر انزل من القبر لا تؤذی صاحب القبر ولا یؤذیك یعنی اے قبر والے تو قبر سے اتر جا نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے نہ وہ تجھے اسی لئے ہمارے فقہائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ قبر پر رہنے کا مکان بنانا اس پر بیٹھنا، سونا اس پر یا اس کے نزدیک پاخانہ پیشاب کرنا مکروہ تحریمی قریب الحرام ہے فتاوٰی عالمگیری میں ہے یکرہ ان یبنی علی القبر او یقعد او ینام او یطأ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے لان المیت یتأذی بما یتأذی بہ الحی یعنی اس لئے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردہ کو بھی اذیت ہوتی ہے لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس قبرستان کو باقی رکھنے کے لئے حتی الامکان گورنمنٹ سے لڑیں اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو سخت گنہگار ہوں گے۔ وھو اعلم بالصواب۔

کتبــــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم جمادی الاخری ۱۴۰۲ھ

مسئلہ :۔ از تقریبا احمد مقام گورہ چوکی پوسٹ بھن جوت ضلع گونڈہ۔ یوپی

ایک غیر مزروعہ زمین عرصہ دراز سے بیکار پڑی ہوئی تھی جس کے بارے میں غیر مسلموں کا یہ خیال تھا کہ وہاں کچھ ہے۔ اس علاقہ میں ایک پیر صاحب کا آنا ہوا جو بظاہر متقی پرہیزگار ہیں انھوں نے اس زمین پر مراقبہ کیا اس کے

بعد کہا کہ یہاں ایک بزرگ کی قبر ہے پھر قبر کی انھوں نے نشاندہی کی مگر اس علاقہ کے بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ ہمارے علم میں یہاں کبھی کوئی قبر نہیں تھی اور اپنے بڑے بوڑھوں سے بھی وہاں قبر ہونے کے بارے میں کبھی نہیں سنا گیا۔ پیر صاحب کی بتائی ہوئی جگہ پر لوگوں نے شاندار پختہ قبر بنا دی ہے عرس ہوتا ہے قوالیاں بھی ہوتی ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس قبر پر فاتحہ پڑھنا اس کے عرس میں شرکت کرنا اور کسی طرح اس کا تعاون کرنا اور علماء کا وعظ کیلئے اس عرس میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــ حدیث شریف میں ہے لعن اللہ من زار بلا مزار یعنی فرضی قبر کی زیارت کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جبکہ مقام مذکور قبرستان نہیں اور نہ وہاں قبر کے ہونے کا بڑے بوڑھوں سے کوئی ثبوت ملتا ہے تو صرف پیر صاحب کے مراقبہ سے وہاں پر قبر ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ الہام کی دو قسمیں ہیں ایک رحمانی دوسرے شیطانی تو پیر صاحب کو مراقبہ میں جو الہام ہوا ممکن ہے کہ وہ الہام شیطانی ہو۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ ربہ القوی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالحسن علی بن ہیتی رضی اللہ عنہ جو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں ان کے خلیفہ حضرت ابوالحسن جوسقی رضی اللہ عنہ کے مرید کو چلے میں شب قدر نظر آئی اور ایسا معلوم ہوا شجر و حجر اور در و دیوار سب سجدے میں ہیں اور ہر طرف نور پھیلا ہوا ہے لیکن حقیقت میں وہ شیطان کا کرشمہ تھا (ملفوظ حصہ سوم مطبوعہ ممبئی ص) اور تا وقتیکہ مسلمان کی قبر کا یقین نہ ہو اس کی زیارت کرنا جائز نہیں اس لئے کہ قبر نہ ہونے کی صورت میں خدائے تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہوگا اور اگر حقیقت میں مسلمان کی قبر ہو تو زیارت نہ کرنے سے گنہگار نہ ہوگا۔ لہٰذا قبر مذکور پر فاتحہ پڑھنا اس کے عرس میں شرکت کرنا اور کسی طرح سے اس کا تعاون کرنا جائز نہیں کہ اندیشۂ لعنت و گناہ ہے اور اس طرح کی قبروں کے عرس میں علماء کو وعظ و تذکیر کے لئے بھی جانے سے بچنا چاہئے کہ اس کے کسی پروگرام میں علماء کی شرکت عوام کے لئے جواز کا ثبوت بنے گی۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ رجمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد عثمان علی حبیبی سکریٹری خواجہ باغ مسجد کمیٹی بالیسر (اڑیسہ)

قبرستان میں بہت بڑے بڑے درخت ہیں جو کہ خود رو ہیں۔ اسے کاٹ کر فروخت کر کے قبرستان کے احاطہ وغیرہ میں لگا سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ بحوالۂ معتبر کتب مع عبارت و صفحات جواب ارسال فرمائیں عنایت ہوگی۔ ہمارے چند علم داں طبقہ

ہیں جو کہ عبارت اور صفحات پر زیادہ نہیں دیتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو زحمت دی جا رہی ہے عبارت اور صفحہ ضرور لکھیں۔ اس کے علاوہ جب درخت کاٹا جائے تو قبر پر چڑھنا ہوگا۔ اس میں کیا صورت ہے اگر سیڑھی کے ذریعہ درخت کاٹا جائے تو قبر پر چڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اس میں کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــ قبرستان کے خودرو درخت کو قاضی کے حکم سے کاٹ کر قبرستان کی مرمت میں لگا سکتے ہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد دوم مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۳ میں ہے ان علم لها ای الاشجار غارس اولم یعلم ففی القسم الاول کانت للغارس وفی القسم الثانی الحکم فی ذلك الی القاضی ان رأی بیعها وصرف ثمنها الی عمارة المقبرة فله ذلك کذا فی الواقعات الحسامیه۔ جہاں قاضی شرع نہ ہو تو اس ضلع کا سب سے بڑا سنی صحیح العقیدہ عالم جو مرجع فتویٰ ہو اس کے قائم مقام ہے هکذا فی الحدیقة الندیة۔ اور اگر ضلع میں ایسا عالم بھی نہ ہو تو عام مسلمانوں کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام ہے هکذا قال الامام احمد رضا البریلوی رضی عنه ربه القوی۔

جو لوگ حقیقت میں اہل علم ہیں وہ صرف ناجائز امور کے لئے دلیل طلب کرتے ہیں جائز کاموں کے لئے حوالہ نہیں مانگتے۔ اس لئے کہ ہر جائز امور کی تفصیل کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ مثلاً چار، چھ یا آٹھ گوشے کا کنواں اور حوض بنوانا جائز ہے مگر یہ جزیہ کتابوں میں نہیں ملے گا۔ لہٰذا آپ کے یہاں جو اہل علم ہیں وہ اپنا مزاج بدل دیں ناجائز امور کے لئے دلیل طلب کریں اور جائز کاموں کے لئے آئندہ حوالہ نہ مانگیں۔ قبر پر چڑھنا جائز نہیں کہ اس سے مردوں کو تکلیف ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے ان المیت یتأذی مما یتأذی منه الحی۔ لہٰذا سیڑھی لگا کر کاٹیں بشرطیکہ اس کا پایہ قبر پر نہ رکھیں۔ وهو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از سید اعجاز احمد قادری تاڈپتری ضلع اننت پور (آندھرا پردیش)

یہاں پر حضرت سید شاہ ابوبکر فضل اللہ قادری شطاری یعنی عرف یٰسین ولی کی درگاہ کے قریب ایک قبرستان ہے جس میں صرف حضرت کی اولاد دفن ہوتی رہی درمیان میں ہمارے آبا و اجداد نے اپنے چند معتقدین ومریدین کو اس قبرستان میں دفن کی اجازت دیدی تھی جس کے سبب لوگ اس قبرستان میں اپنے مردوں کو

زبردستی دفن کرنا چاہتے ہیں تو ان لوگوں کو اس مخصوص قبرستان میں اپنے مردوں کا دفن کرنا جائز ہے یا نہیں ، چونکہ یہ درگاہ وقف بورڈ آف آندھرا پردیش سے ملحق ہے اس لئے لوگ وقفیہ قبرستان کہکر اسے عام قبرستان بنانا چاہتے ہیں لہٰذا اس کے بارے میں حکم شرع تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوھاب ۔ جو زمین کسی شخص خاص یا خاندان کی ملک ہو اس زمین میں مالک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو دفن کرنا جائز نہیں ۔ اور جو زمین کہ عام مسلمانوں کے دفن کیلئے وقف ہو اس میں ہر مسلمان کو دفن ہونے کا حق ہے کسی مسلمان کو کوئی دفن کرنے سے روک نہیں سکتا ۔ ہاں اگر وقف کرنے والے نے کسی خاص خاندان کے دفن کیلئے وقف کیا ہے تو اس خاندان کے علاوہ دوسرے کو اس میں دفن کرنا جائز نہیں لہٰذا صورت مستفسرہ میں زمین اگر عام مسلمانوں کے دفن کیلئے وقف ہے تو اس میں ہر مسلمان کو دفن ہونے کا حق حاصل ہے ۔ اور اگر زمین مذکورہ حضرت سید شاہ ابوبکر فضل اللہ قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ملکیت میں ہے اور وقف بورڈ نے اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے تو اس صورت میں حضرت کی اولاد کے علاوہ ان کی اجازت کے بغیر دوسرے کا اس میں دفن کرنا جائز نہیں کہ غاصبانہ قبضہ سے حضرت کی اولاد کی ملکیت ختم نہ ہوگی اور اگر کسی نے خاص حضرت ہی کی اولاد کے دفن کیلئے وقف کیا ہے تو اس صورت میں بھی اس میں دوسرے کو دفن کرنا جائز نہیں کہ اشیائے موقوفہ میں واقف کی شرطوں کے خلاف کرنا جائز نہیں ۔ ھکذا فی الکتب الفقھیۃ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۸ رجمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ ۔ از محمد عمران انصاری نرسا بچی ضلع دھنباد (بہار)

قبرستان میں اگے ہوئے پیڑ پودوں کی شاخوں کو کاٹا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب ہرے پودے جو خاص قبر پر ہوں ان کی شاخوں کو کاٹنا منع ہے کہ ان کی تسبیح سے مردہ کو فائدہ پہونچتا ہے شامی جلد اول ۶۰۶ میں ہے یکرہ قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدرر وشرح المنیۃ وعللہ فی الامداد بانہ ما دام رطبا یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکرہ الرحمۃ اھ ونحوہ فی الخانیۃ لیکن اگر پودے کی جڑ سے قبر یا مردہ کو نقصان پہونچے تو کاٹ دئے جائیں ۔ اور قبرستان کے درخت اگر دوسرے کی ملک میں تو مالک جو چاہے کرے خواہ کاٹے یا باقی رکھے کوئی اسے روک نہیں سکتا ۔ اور اگر درخت قبرستان کی ملک ہوں تو نہ کاٹنا بہتر ہے کہ زائرین کیلئے سایہ رہے گا اور کسی ضرورت سے کاٹیں تو حرج نہیں ۔ وھو تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کا بیان

مسئلہ از عبدالغفور خاں موضع صدرہ فیض آباد

(۱) ایک شخص مالک نصاب ہے مثلاً ایک ہزار روپیہ بینک میں اور ایک ہزار روپیہ ڈاکخانہ میں اور کچھ روپیہ زمین میں گاڑے ہوئے ہے اور سونے، چاندی کے زیورات بھی ہیں دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان تمام روپیوں اور زیورات پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟ ثبوت تحریر فرمائیں۔

(۲) مالک نصاب ہو کر زکوٰۃ نہ دینے والے پر قرآن و حدیث میں کیا وعیدیں آئی ہیں؟

الجواب شخص مذکور کے بینک، ڈاکخانہ اور زمین میں گاڑے ہوئے روپے پر نیز زیورات سب پر زکوٰۃ فرض ہے لانہ مالك لهذه الروابي والحلی وهی فاضلة عن النصاب الموجب للزكوة فتجب عليه الزكوة هكذا فی الكتب الفقهية (۲) مالک نصاب ہو کر زکوٰۃ نہ دینے والے پر قرآن و حدیث میں بہت سی وعیدیں آئی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ولا يحسبن الذين يبخلون بما اتهم الله من فضله هو خيرا لهم ط بل هو شر لهم ط سيطوقون ما بخلوا به يوم القيمة (پ۴ ع۹) یعنی جو لوگ بخل کرتے ہیں اس کے ساتھ جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا۔ وہ یہ گمان نہ کریں کہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے لئے برا ہے جس چیز کے ساتھ انھوں نے بخل کیا قیامت کے دن اس چیز کا ان کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا۔ اور فرماتا ہے والذين يكنزون الذهب والفضة ولا ينفقونها فی سبيل الله فبشرهم بعذاب اليم ٥ يوم يحمٰى عليها فی نار جهنم فتكوى بها جباههم وجنوبهم وظهورهم ط هذا ما كنزتم لانفسكم

فذوقوا ما کنتم تکنزون (پ۱۰ ع ۱۱) یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ جس دن جہنم کی آگ میں وہ تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں کروٹیں اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہ ہے جو تم نے اپنے نفس کے لئے جمع کیا تھا تو اب اس جمع کرنے کا مزہ چکھو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من اٰتاہ اللّٰہ مالا فلم یؤد زکوتہ مثل لہ مالہ یوم القیمۃ شجاعا اقرع لہ زبیبتان یطوقہ یوم القیمۃ ثم یاخذ بلھزمتیہ یعنی شدقیہ ثم یقول انا مالک انا کنزک (بخاری شریف) یعنی جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ مال گنجے سانپ کی شکل میں کردیا جائے گا جس کے سر پر دو چتیاں ہوں گی وہ سانپ ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا پھر اس کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ اور ارشاد فرمایا یکون کنز احدکم یوم القیمۃ شجاعا اقرع یفر منہ صاحبہ ویطلبہ حتی یلقمہ اصابعہ (احمد) یعنی جس مال کی زکوٰۃ نہ دی گئی قیامت کے دن وہ مال گنجا سانپ ہو کر مالک کو دوڑائے گا وہ بھاگے گا یہاں تک کہ (وہ زکوٰۃ نہ دینے والا مجبور ہو کر) اپنی انگلیاں اس کے منہ میں ڈال دے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ وھو تعالیٰ اعلم

جلال الدین احمد الامجدی

کتبہ

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۷۹ھ

مسئلہ از سید اعجاز احمد قادری یمنی تاڈپتری (آندھرا پردیش)

حضرت علامہ مفتی صاحب قبلہ دامت برکاتہم۔ **السلام علیکم**

خدمت اقدس میں عرض یہ ہے کہ بہار شریعت مطبوعہ کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی حصہ پنجم ص۲۷ پر ہے کہ "پیسے جب رائج ہوں اور دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے اگر تجارت کے لئے نہ ہوں" پھر ایک سطر کے بعد ہے کہ "نوٹ پیسوں کے حکم میں ہے"۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ نوٹ جب رائج ہوں اور دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے اور اگر نوٹ و پیسے تجارت کے لئے ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔ ہم نے اس عبارت سے یہی سمجھا تو شبہ ہوا کہ ہو سکتا ہے غلط چھپ گیا ہو اس لئے کہ آپ نے کئی رسالوں میں اعلان فرمایا ہے کہ کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی کی چھاپی ہوئی بہار شریعت میں بیشمار غلطیاں ہیں اور وہ قابل اعتماد نہیں ہے تو ہم نے بہار شریعت مطبوعہ رضوی کتب خانہ بازار صندل خاں بریلی دیکھی تو اس میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ پھر ہم نے شیخ غلام علی کشمیری بازار لاہور کی چھاپی

ہوئی بہار شریعت دیکھی تو اس میں بھی اسی طرح چھپا ہوا ہے جب ہر ایک نسخے میں اسی طرح عبارت ملی تو اب مجھے اپنی سمجھ پر شبہہ پیدا ہوا کہ شاید میں نے غلط سمجھا۔ لہٰذا آپ کی خدمت میں رجوع کر رہا ہوں کہ میری سمجھ کا قصور ہے یا بہار شریعت میں مسئلہ غلط چھپ گیا ہے۔ جواب تحریر فرما کر میرے خلجان کو دور فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب محبی و مخلصی زید اخلاصکم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بیشک بہار شریعت کی اس عبارت سے یہی مطلب ہے کہ نوٹ اور پیسے دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں اور تجارت کے لئے نہ ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے۔ اور اگر نوٹ تجارت کے لئے ہوں تو خواہ وہ لاکھوں درم چاندی اور ہزاروں مثقال سونے کی قیمت کے ہوں مگر ان پر زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ نوٹ اور پیسے اگر دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ تجارت کے لئے ہوں یا نہ ہوں کہ ان میں وجوب زکوٰۃ کے لئے تجارت یا عدم نیت تجارت شرط نہیں۔ اس لئے کہ نوٹ اور پیسے ثمن اصطلاحی ہیں جب تک وہ رائج ہیں ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ کفل الفقیہ الفاہم میں ہے ان الفتوی علی ان الثمن المصطلح تجب فیہ الزکوٰۃ مادام رائجا۔ لہٰذا آپ نے ان نسخوں میں چھپی ہوئی عبارت کا مطلب صحیح سمجھا ہے۔ آپ کی سمجھ کا قصور نہیں ہے بلکہ قصور بہار شریعت کے چھاپنے والوں کا ہے۔ کتب خانہ اشاعت الاسلام دہلی، رضوی کتب خانہ بازار صندل خاں بریلی اور شیخ غلام علی کشمیری بازار لاہور سب کے سب بہار شریعت کو غلط چھاپ کر مسلمانوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں اور اپنے خزانے بھر رہے ہیں۔ جس میں سب سے زیادہ غلطیاں دہلی کی چھپی ہوئی بہار شریعت میں ہیں کہ مجھ کو صرف پہلے تین حصوں میں چھوٹی بڑی چھ سو چھبیس غلطیاں ملی ہیں۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ بہار شریعت جو فقہ حنفی کی ایسی عظیم کتاب ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں مگر افسوس کہ وہ ناشرین کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہے۔ اگر بہار شریعت چھاپنے والوں کی غفلت و لاپرواہی کا یہی حال رہا تو وہ دن دور نہیں جبکہ بہار شریعت کا کوئی بھی مسئلہ قابل اعتبار نہیں رہ جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ بہار شریعت کی جو عبارت آپ نے پیش کی ہے وہ غلط چھپی ہوئی ہے صحیح عبارت یہ ہے "پیسے جب رائج ہوں اور دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے اگرچہ تجارت کے لئے نہ ہوں" یعنی روپے اور پیسے خواہ تجارت کے لئے ہوں یا نہ ہوں لیکن جب رائج ہوں اور دو سو درم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے ہوں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۴ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ از عبدالرؤف قصبہ بانسی بستی

زید کے پاس مال تجارت ایک سو پانچ روپیہ ۱۰۵ ۔ چا پچھ روپیہ آٹھ آنہ کی قیمت کا سونا ایک سو پینسٹھ روپیہ کی قیمت کی چاندی کے زیورات اور نقد رقم تیس روپے جملہ رقوم تین سو اٹھتر روپیہ آٹھ آنے ہیں اس رقم میں زید کو کتنی زکوٰۃ دینی ہوگی جب کہ سونے چاندی کے زیورات زید کی بیوی استعمال کرتی ہے۔

الجواب صورت مستفسرہ میں زید پر نو روپیہ پونے چوبیس نیا پیسہ (۹/۲۳ ۳/۴) زکوٰۃ میں دینا واجب ہے واللہ ورسولہ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الرضوی
۱۷ ربیع الآخر ۱۳۸۳ھ

مسئلہ از محمد عمران انصاری معرفت عبدالرؤف شو شاپ گاندھی بازار نرسا بستی۔

دینار کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور دینار کی قیمت مروجہ سکوں کے اعتبار سے کیا ہوگی؟

الجواب دینار عرفی کی بہت سی قسمیں ہیں جو مختلف الوزن اور مختلف القیمۃ ہیں جیسا کہ خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں ان الدراہم والدنانیر المتعامل بها فی هذه الزمان انواع کثیرة مختلفة الوزن والقیمة (ردالمحتار جلد دوم ص۳۰) البتہ دینار شرعی ایک مثقال کے برابر ہوتا ہے اور مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے جیسا کہ غیاث اللغات میں ہے کہ مقدار یک مثقال چہار و نصف ماشہ است " لہٰذا دینار شرعی ساڑھے چار ماشے کا ہوا جس کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ درمختار مع شامی جلد دوم ص۲۹ میں ہے الدینار عشرون قیراطا۔ ردالمحتار میں ہے قوله الدینار ای الذی هو المثقال کما فی الزیلعی وغیره قال فی الفتح والظاهر ان المثقال اسم للمقدار المقدر به والدینار اسم للمقدر به بقید ذهبیته اھ۔ اور عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص۲۲۹ میں ہے قوله مثقالا هو لغة مایوزن به وشرعا اسم للمقدار المعین الذی یقدر به الذهب ونحوه وهو والدینار واحد لان الدینار اسم للقطعة المقدرة بالمثقال اھ ۔ هذا ما عندی وهو اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از صابر سنبھلی محلہ سیف خاں سرائے سنبھل ضلع مرادآباد (یوپی)

عمرو کے پاس ایک تولہ چاندی ہے اور ایک تولہ سونا اگر مروجہ قیمت پر سو ۔۔۔ چاندی مان لیا جائے تو عمرو صاحب

نصاب ہو جائے گا۔ مگر چاندی کو سونا مانا جائے تو وہ قدرِ نصاب سے بہت پیچھے رہ جائے گا ایسی حالت میں اس پر زکوۃ کے لئے شرع مطہرہ کا کیا حکم ہے۔

(۲) بکر کے پاس ۶۰ روتولے چاندی ہیں۔ اس نے تین سال تک زکوۃ ادا نہیں کی۔ تین سال کے بعد جب ادا کی تو اس طرح کہ پہلے سال کی زکاۃ ۶۰ روتولے چاندی پر قیمت کا حساب لگا کر نوٹوں میں ادا کی۔ دوسرے سال کی زکاۃ بھی اسی طرح ساڑھے اٹھاون تولے چاندی کی نقد ادا کی۔ تیسرے سال کی زکوۃ بھی نقدی میں ہی ستاون تولے ساڑھے تین رتی پر ادا کی۔ اب وہ اگلے سال کی زکاۃ ادا کرے یا نہیں کہ اب اس کو چھپن تولے چاندی پر زکوۃ ادا کرنی ہے جو نصاب اور اس کے دسویں حصے سے کم ہونے کے سبب معافی میں ہے۔ دوسری طرف اس نے زکاۃ نقدی ادا کی ہے۔ وہ اب بھی ۶۰ روتولے چاندی کا مالک ہے اس کی ایک رتی بھی کم نہیں ہوئی۔ اس لحاظ سے وہ صاحب نصاب ہے یا نہیں؟ کیا اس مال پر اس کو عمر بھر زکاۃ دینا نہ ہوگی۔

(۳) ایک شخص نے ایک فقیر سے طے کیا کہ وہ اس کو زکاۃ دے گا مگر بعد تملیک کے وہ اس کو واپس کر دے ایسا کرنے پر اس کو اس کے عوض میں کچھ رقم دی جائے گی۔ اگر فقیر اس شرط پر زکاۃ لینے اور واپس کرنے پر راضی نہیں ہوتا ہے تو دوسرے فقرا اس کے لئے رضامند ہیں۔ مجبوراً وہ بھی انکار نہیں کر سکتا۔ کیا اس طرح زکاۃ ادا ہو جائیگی مندرجہ بالا سوالات کے شافی جوابات مرحمت فرمائیں حوالوں کی ضرورت نہیں ہے آپ کی تحریر ہی ہمارے لئے حوالہ ہے مگر جوابات مبہم نہ ہوں۔

الجواب (۱) عمرو کے پاس جب کہ سونا اور چاندی دونوں ہیں اور موجودہ زمانہ میں ایک تولہ سونا کی چاندی اگر چاندی میں ملائی جائے تو چاندی کا نصاب پورا ہو جائے تو اس صورت میں از روئے شرع عمرو پر زکوۃ واجب ہے۔ (۲) بکر کے پاس ۶۰ روتولہ چاندی کے ساتھ مال تجارت یا روپیہ پیسہ اتنا نہیں تھا کہ ان سے ساڑھے باون تولہ چاندی کے اوپر ساڑھے دس تولہ چاندی پوری ہو جاتی تو اس صورت میں اس پر صرف ساڑھے باون تولہ چاندی ہی کی زکوۃ فرض ہوئی اس لئے کہ جو چاندی نصاب کے پانچویں حصہ سے کم ہو اس کی زکاۃ معاف ہے اور اگر اس کے مال تجارت کی قیمت یا روپیہ سے نصاب کا پانچواں حصہ یا اس سے زیادہ چاندی ہو جاتی تو اس صورت میں ساڑھے باون تولہ کے اوپر ہر ساڑھے دس تولے چاندی کی بھی زکاۃ واجب ہوئی۔ اور اخیر میں جو ساڑھے دس تولہ چاندی سے کم بچے اس کی زکاۃ معاف رہے گی۔ یہی حکم ہر سال کا ہے۔ اور عمر بھر اگر اس کے پاس کم سے کم ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنے کا سامان تجارت یا روپیہ حاجتِ اصلیہ سے فاضل اور دین سے فارغ رہے گا تو وہ عمر بھر مالکِ نصاب

رہے گا۔ اور ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب رہے گی۔ (۳) زکاۃ ادا ہو جائے گی۔ اور فقیر سے زکاۃ دینے والے کا یہ شرط کرنا لغو ہے کہ وہ بعد تملیک واپس کر دے گا۔ زکاۃ کے مال کا فقیر مالک ہو جاتا ہے اسے اختیار ہے چاہے واپس کرے یا نہ کرے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۱ رجمادی الاخری ۱۴۰۰ھ

مسئلہ محمد عثمان مکان نمبر ۳۵ حضرت گنج دریاآباد۔ الٰہ آباد۔

صوبائی حکومت یا مرکزی حکومت کے ملازم اپنی تنخواہوں سے ⅛ حصہ بمجبوری جمع کرتے ہیں جسے عرف عام میں جنرل پروی ڈنڈ فنڈ کہتے ہیں، جس فنڈ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ملازم ریٹائرڈ کے وقت اس جمع شدہ روپیہ مزید اس پر نفع حکومت وقت کے قانون کے مطابق جو کچھ دے گا اس کا وہ حقدار ہوتا ہے اس جمع شدہ روپیہ میں سے ہر ایک ملازم کو مندرجہ ذیل سہولتیں بھی میسر ہیں۔ مثلاً اس فنڈ سے بغیر سود کے قرض لے سکتے ہیں اور اپنی سہولت کے مطابق زیادہ سے زیادہ چالیس مہینہ میں اس قرض کو ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بیس سال ملازمت ہونے کے بعد اس روپیہ سے قرض لے کر اسے پھر نہ لوٹانے کی بھی سہولت حاصل ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جنرل پروی ڈنڈ فنڈ کے جمع شدہ روپیہ پر کب سے زکاۃ واجب ہوگی؟ آیا یہ کہ جب سے روپیہ جمع ہونا شروع ہوا ہے یا جب کل روپیہ وہ ملازم ریٹائرڈ کے بعد اصول کرے گا۔ مثلاً پانچ ہزار اصول کرے گا اس دن سے ایک سال گزرنے پر زکاۃ واجب ہوگی یا شروع ہی سے یعنی جب سے اس ملازم نے ملازمت کی اور روپیہ جمع کرنا شروع کیا۔ (۲) حکومت ہند کے ڈاکخانہ کے قانون کے مطابق فکس ڈپوزٹ جس کی مدت چھ سال ہے جس میں ایک ہزار روپیہ چھ سال کے لئے جمع کرنے سے دوگنا سے بھی کچھ زائد ہوتا ہے۔ اس میں جمع کنندگان کے لئے یہ سہولت اور رعایت حاصل ہے کہ کچھ مقدار جمع رقم میں سے بطور قرض کے لے سکتے ہیں جن کو سود کے ساتھ لوٹانا ضروری ہوتا ہے۔ اب یہ سوال ہے کہ اس فکس ڈپوزٹ روپیہ پر ہر سال زکاۃ واجب ہے یا جب کل روپیہ اصول کرے گا اس وقت گزشتہ چھ سال کی زکوٰۃ دے گا یا کل روپیہ ملنے کے بعد سے اس پر زکاۃ واجب ہوگی؟

الجواب ملازم اگر مالک نصاب ہے تو دیگر زکاتی مالوں کے ساتھ فنڈ مذکور میں جب سے رقم جمع ہوتی شروع ہوئی ہے اسی وقت سے اس رقم کی بھی زکاۃ ہر سال واجب ہوگی اور اگر مالک نصاب نہیں ہے تو جب فنڈ کی رقم زکاۃ کے دوسرے مالوں کے ساتھ جوڑنے سے ۵۲½ تولہ چاندی کی مقدار کو پہونچ جائے اور حوائج اصلیہ سے بچکر اس پر سال گزر جائے اس وقت فنڈ کی رقم پر زکاۃ واجب ہوگی اور پھر سال بسال واجب

ہوتی رہے گی۔ (۲) اس مسئلہ کا جواب بھی مسئلہ اوّل کے مثل ہے کہ ڈاکخانہ کے فکس ڈپازٹ کرنے والا اگر مالک نصاب ہے تو اس رقم پر ہر سال زکاۃ واجب ہوگی ورنہ جب مالک نصاب ہوگا تب واجب ہوگی وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۱ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ ۔ از حاجی محمد یونس جلال پوری شہزاد پور ضلع فیض آباد

زید ایک ہینڈلوم فیکٹری کا مالک ہے مال اُدھار نہ دے تو کھپت نہیں ہو سکے گی کبھی برسوں تک رقم وصول نہیں ہو پاتی ہیں کبھی اُدھار رقم ڈوب بھی جاتی ہے ایسی صورت میں وہ زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

الجواب جو مال کی اُدھار دیا جاتا ہے سال تمام پر اس کی زکوٰۃ بھی واجب ہوتی ہے مگر ادائیگی واجب نہیں ہوتی جب نصاب کا پانچواں حصہ یعنی ساڑھے دس تولہ چاندی کی قیمت وصول ہو جائے تو اس میں سے چالیسواں حصہ زکاۃ ادا کرے اور جب کئی سال کے بعد رقم وصول ہو تو اس صورت میں گزرے ہوئے سالوں کی زکاۃ ادا کرے اور جو رقم وصول نہ ہو اس کی زکاۃ ادا کرنا واجب نہیں ھٰکذا قال الامام احمد رضا البریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فی الجزء الرابع من الفتاوی الرضویۃ۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ شوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از حافظ کمال الدین ظہوری پرسا میر ضلع گورکھپور

(۱) زید کہتا ہے کہ جہاں اسلامی حکومت ہے وہیں پر وجوب زکاۃ ہے اس لئے کہ مال وہاں بیت المال میں جمع کیا جائے گا اور مسلمانوں کے جان و مال کا تحفظ بادشاہ اسلام کرے گا اس صورت میں ہم زکاۃ کی رقم کہاں دیں جب یہاں کافر کی حکومت ہے۔ (۲) زید ایک عالم دین ہوتے ہوئے کہتا ہے کہ مسلمان دھان اور گیہوں کی فصل میں چالیسواں ادا کریں تو بہتر ہے۔ اس کے برعکس بکر کہتا ہے کہ دھان کی فصل میں دسواں اور گیہوں کی فصل میں بیسواں دینا ضروری ہے۔ اس کے خلاف کرنے والا گنہگار ہوگا۔ لہذا اگر ہم گیہوں اور دھان دونوں میں چالیسواں دیں تو عند الشرع ہم بری الذمہ ہوں گے یا نہیں؟

الجواب جہاں پر اسلامی حکومت ہے وہیں پر وجوب زکاۃ ہے زید کا یہ قول باطل ہے اس لئے کہ اسلامی حکومت ہو یا نہ ہو بہر صورت مالدار عاقل بالغ مسلمان پر زکاۃ واجب ہے کہ وجوب زکاۃ کے

لئے اسلامی حکومت ہونا شرط نہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص دار الحرب میں مسلمان ہونے کے بعد برسوں تک وہیں مقیم رہا پھر دار الاسلام میں آیا اور اسے جانتا تھا کہ مالدار مسلمان پر زکاۃ واجب ہوتی ہے تو اس صورت میں دار الحرب کے زمانۂ قیام کی زکاۃ بھی اس مسلمان پر واجب ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۶۱ میں ہے اذا اسلم الکافر فی دار الحرب واقام سنین هناك ثم خرج الینا ان کان عالما بالوجوب وجبت علیه ویفتی بالدفع اھ ملتقطا۔ اور زکاۃ کی ادائیگی کے لئے بیت المال ہونا ضروری نہیں ہے اس کے مصارف فقراء اور مساکین وغیرہ ہیں۔ لہذا زکاۃ انہیں کو دی جائے پ۱۰ رکوع ۱۴ میں ہے انما الصدقت للفقراء والمسٰکین الخ۔ زید پر لازم ہے کہ اپنے گمراہ کن قول سے رجوع کرے اور توبہ و استغفار کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں قال اللہ تعالیٰ واما ینسینك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین (پ ع ۱۴) (۲) زید کا قول باطل ہے اس لئے کہ مسلمانوں کو زمین کی پیداوار دھان اور گیہوں کی فصل میں دسواں بیسواں دینا فرض ہے اور چالیسواں دینا بہتر نہیں بلکہ غلط ہے۔ لہذا اگر کسی نے زمین کی پیداوار میں چالیسواں حصہ دیا تو وہ گنہگار ہوگا بری الذمہ نہ ہوگا ایسا ہی فتاوی عالمگیری جلد اول ص۱۸۲ میں ہے وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۱ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ

از سید نوشتر ربانی متعلم دار العلوم ربانیہ علی گنج (باندہ)

زید نے جو کہ صاحب نصاب ہے پانچ ہزار روپیہ فکس ڈیپازٹ (بینک یا ڈاکخانہ میں) کیا جو سات سال بعد دونی رقم ہو کر اس کو ملے گی۔ تو زید اس کی زکاۃ کس طرح ادا کرے؟

الجواب

مقامی پوسٹ ماسٹر سے معلوم ہوا کہ فکس ڈیپازٹ کرنے والا ہر سال ایک متعین نفع کا مالک ہوتا ہے جسے وہ ہر سال نکال بھی سکتا ہے اگر یہ صحیح ہے تو فکس ڈیپازٹ کرنے والے پر ہر سال اصل رقم اور نفع کی زکاۃ نکالنا واجب ہے کما ھو الظاہر۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ جمادی الاولیٰ ۹۹ھ

مسئلہ

از اکرم سراجی جامعہ عربیہ ضیاء العلوم کچی باغ (بنارس)

چاندی کا نصاب ۵۲½ تولہ ہے اگر کسی کے پاس چاندی کسی شکل میں نہیں (اور سونا بھی کسی شکل میں نہیں) مگر

نوٹ یعنی کتنے روپئے کے نوٹ ہونے پر وہ صاحب نصاب مانا جائے گا؟ یعنی ۵۲½ تولہ چاندی کے نوٹ ہونے پر جس کی قیمت آج بہت ہے وہ صاحب نصاب قرار پائیگا یا کوئی اور بات ہے؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب اگر کسی کے پاس سونا چاندی نہیں ہیں اور نہ مال تجارت ہے مگر اتنے نوٹ ہیں کہ بازار میں ۵۲½ تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ خرید سکتا ہے تو وہ مالک نصاب ہے اس پر زکاۃ فرض ہے ورنہ نہیں یعنی کم سے کم ۵۲½ تولہ چاندی یا سات ½ تولہ سونا کی قیمت کے نوٹ ہوں تو زکاۃ واجب ہوگی لہذا اگر سونا چاندی اسقدر گراں ہوجائیں کہ لاکھ روپئے کا بھی ۵۲½ تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا بازار میں نہ مل سکے تو زکاۃ واجب نہیں اور اگر اس قدر سستے ہوجائیں کہ ایک روپیہ کے نوٹ سے سونا یا چاندی کی مقدار مذکور بازار میں مل سکے تو زکاۃ واجب ہے۔ کفل الفقیہ الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم میں ہے فی فتاوی قاری الهدایہ الفتوی علی وجوب الزکوٰۃ فی الفلوس اذا تعومل بها اذا بلغت ما تساوی مائتی درهم من الفضة او عشرین مثقالا من الذهب اھ۔ والنوط المستفاد قبل تمام الحول یضم الی نصاب من جنسه او من احد النقدین باعتبار القیمة کاموال التجارة اھ۔ وهو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از عبدالشکور مدرسہ مصباح المدارس کولہ گورکھپور ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۸۰ھ

زمین عشری کون ہے؟ اور خراجی کسے کہتے ہیں؟ سادہ صاف اور مختصر لفظوں میں بتایا جائے۔ اور موجودہ کانگریسی دور حکومت میں ہندوستان کی زمین خصوصاً اطراف گورکھپور کی زمین کی پیداوار کا دسواں نکالنا واجب ہے یا بیسواں؟ بینوا توجروا۔

الجواب خراج وہ ٹیکس ہے جو بادشاہ اسلام نے کافر پر مقرر فرمایا ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ خراج مقاسمہ۔ کہ پیداوار کا کوئی حصہ آدھا یا تہائی یا چوتھائی وغیرہ مقرر ہو جیسے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خیبر کے یہود پر مقرر فرمایا تھا۔ اور خراج موظف کہ ایک مقدار لازم کردی جائے خواہ روپئے سالانہ دو روپئے بیگہ یا کچھ اور۔ اور خراجی وہ زمین ہے جس پر بادشاہ اسلام نے کچھ خراج مقرر کیا ہو اس کی کئی صورتیں ہیں مثلاً فتح کرکے وہیں کے لوگوں کو احسان کے طور پر دی یا دوسرے کافروں کو دیدی یا وہ ملک صلح کے طور پر فتح کیا گیا یا ذمی نے بادشاہ اسلام کے حکم سے بنجر کو آباد کیا یا بنجر زمین ذمی کو دیدی گئی یا اسے مسلمان نے آباد کیا اور وہ خراجی

زمین کے پاس تھی یا اسے خراجی پانی سے سیراب کیا (تفصیل کے لئے بہار شریعت حصہ پنجم دیکھئے) اور زمین خراجی نہ ہو تو وہ عشری ہوگی یا لا عشری لا خراجی اور ان دونوں کی پیداوار میں عشر دینا واجب ہے ھکذا ذکرہ الامام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رسالۃ اعزاز الاصنعۃ فی رسالتہ افصح البیان لہذا گورکھپور ضلع میں زمین کی پیداوار کا عشر دینا کانگریسی دور حکومت میں بھی واجب ہے۔ پھر جب کھیت کی آبپاشی نہر سے یا ڈولی وغیرہ سے ہو تو اس کی پیداوار میں نصفِ عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے ورنہ دسواں ھکذا ذکرہ صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ فی الجزء الخامس من بہار شریعۃ ناقلا عن رد المحتار۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از صمدہ پوسٹ گوشائیں گنج ضلع فیض آباد مرسلہ عبد الغفور خزانچی

کیا غلہ میں دسواں، بیسواں حصہ عشر نکالنا مثل زکوٰۃ کے فرض ہے؟ اگر نہ نکالے تو عند الشرع مجرم ہوگا یا نہیں؟

الجواب غلہ کی پیداوار کا عشر نکالنا مثل زکوٰۃ کے فرض ہے؟ اگر نہ نکالے تو یقیناً گنہگار ہوگا۔ والله تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۱ھ

مسئلہ از محمد یعقوب خاں ساکن سونی برگدوا پوسٹ بہرا گنج ضلع کپلوستو (نیپال)

کسی ایسی جگہ مزروعہ زمین کی لگان اکیاون روپیہ فی بیگھہ حکومت وقت لیتی ہے۔ نیز اپنے مقررہ کردہ قیمت فی بیگھہ ساٹھ کلو دھان ہی یا اس کی قیمت لیتی ہے۔ ہر اس زمین کا کہ جس میں دھان پیدا ہوتا ہو یا کودو۔ ایسی صورت میں اگر اپنا کھیت بٹائی دیتا ہے تو آدھا بونے والا لے لیتا ہے اور نصف باقی میں کھیت والے کو لگان ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور مقررہ قیمت کا دھان بھی حکومت کو بطور لگان دینا پڑتا ہے اس صورت میں کھیت والے کے پاس قلیل مقدار میں غلہ بچتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ مقدار مذکور سے عشر کی ادائیگی ضروری ہے یا پورے غلہ کا عشر صاحب زمین کے لئے ضروری ہے۔ لہذا عشر کے ادا کرنے کا جو صحیح طریقہ ہے۔ حدیث و فقہ کی روشنی میں بیان فرمائیں۔ نیز اس مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں وہ یہ کہ جو لوگ خود کاشت نہیں کرتے بلکہ مزدوروں سے کام لیتے ہیں ان کی پیداوار کا اکثر حصہ مزدوروں کی اخراجات اور لگان کی ادائیگی پر صرف ہو جاتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب مزارعت بالمناصفہ کی صورت میں پوری پیداوار کا عشر مالک زمین پر واجب

نہیں بلکہ صرف نصف میں عشر واجب ہے۔ فتاوی رضویہ جلد چہارم ص۴۵۲ میں ہے کہ اگر بٹائی پر دی جائے یعنی مزارع سے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف یا ثلث غلہ قرار دیا جائے تو مالک زمین پر صرف بقدر حصہ کا عشر آئے گا مثلاً مزارعت بالمناصفہ کی صورت میں سو من غلہ پیدا ہو تو مالک زمین پانچ من عشر دے۔ انتہی بالفاظہ۔ اور دوسرے مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ مزدوری کی اجرت نکال کر باقی کا عشر یا نصف عشر نہیں دیا جائے گا۔ بلکہ کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر دینا واجب ہوگا۔ ھکذا فی بہار شریعۃ عن الدر المختار ورد المحتار۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ ذی القعدہ ۹۲ھ

مسئلہ

از نثار اللہ خاں موضع بھگوت پور۔ ضلع بستی

کیا غلہ کی پیداوار میں زکاۃ نکالنا واجب ہے اگر واجب ہے تو دسواں حصہ نکالا جائے یا بیسواں۔ نیز کٹائی وغیرہ کی مزدوری نکال کر باقی غلہ کی زکوۃ نکالی جائے یا کل پیداوار کی ؟

الجواب

بیشک غلہ کی پیداوار میں زکاۃ نکالنا واجب ہے۔ قرآن مجید پارہ ۸ رکوع ۴ میں ہے۔ واٰتوا حقہ یوم حصادہ۔ یعنی کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر اس شئی میں کہ جسے زمین نے پیدا کیا عشر یا نصف عشر یعنی دسواں یا بیسواں ہے۔ جو کھیت بارش یا نہر نالے کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے اور جس کی آب پاشی مشین چرسے یا ڈول سے ہو اس میں نصف عشر یعنی بیسواں واجب ہے اور پانی خرید کر آب پاشی کی ہو جب بھی نصف عشر واجب ہے۔ ھکذا فی الدر المختار ورد المحتار۔ جس چیز میں عشر یا نصف عشر واجب ہوا اس میں کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر دیا جائیگا۔ مصارف زراعت ہل، بیل، حفاظت کرنے والے اور کاٹنے والوں کی اجرت بیج وغیرہ نکال کر باقی کا عشر یا نصف عشر دینے سے پوری زکاۃ ادا نہ ہوگی۔ ھکذا فی الدر المختار ورد المحتار۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۴ رجب المرجب ۸۸ھ

مسئلہ

از قاضی محمد فصیح الحق عثمانی قادری رضوی علاء الدین پور سعد اللہ نگر۔ گونڈہ

(۱) عشر ونصف عشر بغیر حیلۂ شرعی دینی مدارس ومساجد وعیدگاہ اور ہر دینی امور میں صرف ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ یا اس کی ادائیگی کے لئے بھی تملیک فقیر شرط ہے۔ (۲) زید نے بکر کو اپنا کھیت بٹائی پر دے رکھا ہے نصف غلہ اور

پوال وغیرہ لے لیتا ہے تو عشر و نصف عشر زید و بکر دونوں پر واجب ہیں یا صرف زید پر؟

الجواب (۱) عشر صدقات واجبہ میں سے ہے اور صدقۂ واجبہ کی ادائگی کے لئے تملیک شرط ہے۔ بغیر حیلۂ شرعی مدارس، مساجد اور عیدگاہ میں صرف کرنا جائز نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم (۲) عشر و نصف عشر زید و بکر دونوں پر واجب ہے درمختار مع شامی جلد دوم ص۵۳ پر ہے فی المزارعۃ ان کان البذر من رب الارض فعلیہ ولو من العامل فعلیھما بالحصۃ۔ اور ردالمحتار جلد دوم ص۵۶ پر ہے ماذکرہ الشارح ھو قولھما اقتصر علیہ لما علمت من ان الفتوٰی علی قولھما بصحۃ المزارعۃ۔ ھٰذا ماعندی وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ر شوال المکرم ۱۳۹۰ھ

مسئلہ از محمد بشیر قادری چشتی دفل ڈیہہ ضلع گونڈہ

زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور چرم قربانی، اپنی حقیقی بہن، حقیقی پھوپھی اور تکیہ دار کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب اپنی حقیقی بہن اور حقیقی پھوپھی اور تکیہ دار اگر صاحب نصاب ہوں تو علاوہ چرم قربانی کے زکوٰۃ اور صدقۂ فطر دینا جائز نہیں اور اگر صاحب نصاب نہ ہوں تو دے سکتے ہیں لیکن تکیہ دار کو جس سے سال بھر بلا اجرت دیئے ہوئے کام لیتے ہیں پھر انہیں کاموں کے لحاظ اور دباؤ سے زکوٰۃ اور صدقۂ فطر نیز چرم قربانی دیتے ہیں کہ جس میں تکیہ دار اس زکوٰۃ و صدقۂ فطر کو اپنے لئے اجرت ہی سمجھتا ہے تو یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ بدر الدین احمد الرضوی
۲۶ر جولائی ۵۷ء

مسئلہ از محمد حسین ساکن بھونا پوسٹ ہرپور بدہٹ ضلع گورکھپور

بکر نے اپنی اراضی خالد کو زراعت کے لئے دی اور یہ طے کیا کہ جس قدر غلہ پیدا ہوگا نصف تم لینا اور نصف میں لوں گا خالد اپنی پیداوار کا عشر نہیں نکالتا ہے تو ایسی صورت میں بکر صرف اپنے حصے کا عشر ادا کرے یا خالد کے حصے کا بھی؟

الجواب بکر پر صرف اپنے نصف حصے کا عشر دینا واجب ہوگا اور نصف آخر کے عشر کی ادائگی بکر پر واجب نہ ہوگی بلکہ خالد ہی پر واجب ہوگی۔ واللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ر ربیع الآخر ۱۳۷۹ھ

مسئلہ از یار محمد مقام و پوسٹ بھنگا بازار بہرائچ شریف

(۱) کیا صدقات و خیرات اور زکاۃ کے صحیح مصارف وہی مدارس ہیں جو یتیم خانے سے موسوم ہیں، خواہ وہ محض نام ہی کے یتیم خانہ ہوں، یا دیگر مدارس دینیہ بھی؟ (۲) اگر کوئی شخص کہے کہ یتیم خانہ کے علاوہ دوسرے دینی مدارس میں کسی بھی قسم کا پیسہ لگانا ناجائز و حرام ہے۔ اور جو لوگ ان عربی مدارس کے لئے پیسہ وصول کرتے اور کراتے ہیں وہ سب دوزخی اور بداعمال ہیں اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) صدقات واجبہ اور زکاۃ کے صحیح مصارف فقراء و مساکین وغیرہ ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ انما الصدقات للفقراء والمساکین الخ اور غرباء و مساکین جو علم دین حاصل کرتے ہیں ان کو دینے میں ایک کے بدلے کم سے کم سات سو کا ثواب ہے۔ ھٰکذا فی الجزء الرابع من الفتاوی الرضویہ ص۔ لہٰذا ایسے طلبہ کو دینے کے لئے تمام مدارس دینیہ میں زکاۃ وغیرہ بھیجنا جائز بلکہ افضل ہے خواہ وہ مدارس یتیم خانہ سے موسوم ہوں یا نہ ہوں بلکہ جن مدارس میں غریب طلبہ نہ پڑھتے ہوں ان میں بھی حیلہ شرعی کے بعد زکاۃ کا مال صرف کرنا جائز ہے ھٰکذا فی الجزء الثانی من رد المحتار (۲) جو شخص کہ یتیم خانہ کے علاوہ دوسرے دینی مدارس میں کسی بھی قسم کا پیسہ لگانے کو ناجائز و حرام بتاتا ہے اور ایسے مدارس کے لئے پیسہ وصول کرنے والوں کو دوزخی اور بداعمال کہتا ہے وہ گمراہ نہیں تو جاہل ہے اور جاہل نہیں تو گمراہ ہے کہ خدا اور رسول جل مجدہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مصارف زکاۃ میں یتیم کا ذکر ہی نہیں فرمایا اسی لئے ہر یتیم کو زکاۃ دینا جائز نہیں اور شخص مذکور اتنا بڑا جری ہے کہ خدا و رسول کے حکم کے خلاف یتیم خانہ ہی کو زکاۃ وغیرہ کا مصرف بتاتا ہے اور دوسرے دینی مدارس میں کسی بھی پیسے کے صرف کرنے کو حرام کہتا ہے تو وہ خود جہنمی ہے۔ مسلمانوں کو ایسے شخص سے دور رہنا لازم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین (پ ۷ ع ۱۴) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ از آفاق احمد لکھنؤ ۲

زکاۃ کا پیسہ کسی صورت سے مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

زکاۃ کا پیسہ کسی ایسے شخص کو دے دیا جائے جسے زکاۃ لینا جائز ہو۔ پھر وہ شخص اپنی طرف سے مسجد میں صرف کرے یا کسی شخص کو صرف کرنے کے لئے دیدے تو اس طرح سے زکاۃ کا پیسہ مسجد

میں لگانا جائز ہے۔ حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ زکاۃ کا روپیہ مردہ کی تجہیز و تکفین یا مسجد کی تعمیر میں نہیں صرف کر سکتے کہ تملیک فقیر نہیں پائی گئی۔ اور ان امور میں صرف کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو مالک کر دیں اور وہ صرف کرے تو ثواب دونوں کو ہوگا (بہار شریعت حصہ پنجم ص۲۴) اور در مختار مع شامی جلد دوم ص۱۱ میں ہے حیلة التکفین بہا التصدق علی فقیر ثم ہو یکفن فیکون الثواب لہما وکذا فی تعمیر المسجد۔ وھو اعلم بالصواب

جلال الدین احمد الامجدی

کتبہ

۹؍ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از محمد جعفر قادری پوسٹ و مقام کھیتا سرائے ضلع جونپور۔

اس قصبہ میں ایک مدرسہ اسکول کی شکل میں آج عرصۂ دراز سے چلتا ہے جس میں حافظہ اور مولویانہ اور پرائمری اردو میڈیم کی تعلیم دی جاتی ہے پرائمری شعبہ میں قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے۔ شعبۂ پرائمری کو گورنمنٹ سے معمولی ایڈ بھی ملتی ہے اور معمولی فیس بھی بچوں سے لی جاتی ہے اور کچھ معمولی طور پر امدادی چندہ بھی آ جاتا ہے۔ مگر یہ مذکورہ رقم سے مدرسین کی تنخواہ پوری نہیں ہو پاتی ہے جس کی بنا پر صدقۂ فطر اور چرم قربانی و زکاۃ صدقہ کی رقم وصولی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ رقم مدرسین و حافظ و مولوی صاحبان کی تنخواہ میں دی جا سکتی ہے تو پھر ان کے صرف کرنے کا کیا طریقہ ہے برائے کرم فقہ و حدیث کی روشنی میں جواب ارشاد فرما کر مطمئن فرمائیں؟

الجواب چرم قربانی مدرسہ میں وصول کرنے کے بعد مدرسین کی تنخواہ اور دار الاقامہ کی تعمیر پر صرف کیا جا سکتا ہے کہ اس کے لئے تملیک شرط نہیں لیکن زکاۃ و صدقۂ فطر کو ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۷۶ میں ہے لایجوز ان یبنی بہا الزکوۃ المسجد وکذا الحج وکل ما لا تملیک فیہ ولایجوز ان یکفن بہا میت ولا یقضی بہا دین المیت کذا فی التبیین ملخصاً۔ اگر مال زکاۃ، صدقۂ فطر اور دیگر صدقات واجبہ مدرسین کی تنخواہ اور دار الاقامہ وغیرہ کی تعمیر پر صرف کرنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ کسی غریب آدمی کو دیدیں پھر وہ صرف کرے تو ثواب دونوں کو ملے گا ھکذا فی رد المحتار۔ وھو تعالیٰ اعلم

جلال الدین احمد الامجدی

کتبہ

۵؍ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از سلطان احمد زاہدی باسنی ضلع ناگور (راجستھان)

ہمارے یہاں سنّی تبلیغی جماعت کے نام سے ایک جماعت وجود میں آئی جنھوں نے ماہ رمضان المبارک میں چندہ کیا جس میں زکاۃ وغیرہ کا پیسہ بھی شامل ہے اسی خرچ سے دیہاتوں میں ٹیکسیوں پر جانا اور وہ غریب امام جو برسوں سے مع اہل وعیال وہاں امامت کرتے ہوں اگر وہ لوگ ان کی سرپرستی کو قبول نہ کریں تو عوام کو ورغلا کر کے وہاں سے امام کو ہٹوا دینا جب کہ مذکور امام سنّی صحیح العقیدہ ہوں ان کو کہا گیا کہ تم اس طرح نہ کرو تو کہتے ہیں کہ جو ہماری سرپرستی قبول نہ کرے گا ہم اس کو ہٹوا دیں گے تو بڑے بڑے سنّی اداروں کے چندہ کا کیا حال ہوگا جب کہ سنّیت کی نقصان سے وابستہ ہے۔

الجواب زکاۃ کے پیسے کو تبلیغ کے لئے ٹیکسی وغیرہ پر خرچ کرنا جائز نہیں کہ اس صورت میں تملیک نہیں پائی جاتی اور زکاۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے فتاوٰی عالمگیری جلد اوّل مصری ص۱۷۷ میں ہے لا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا الحج وکل ما لا تملیک فیہ ولا یجوز ان یکفن میت ولا یقضی بہا دین المیت کذا فی التبیین ملخصًا۔ جو امام کہ سنّی صحیح العقیدہ ہو اگر کسی سبب سے وہ سنّی تبلیغی جماعت کی سرپرستی نہ قبول کرسکے تو صرف اس بنیاد پر اسے امامت سے ہٹوا دینا جائز نہیں وھو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم صفر المظفر سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از عبدالرحمٰن عبدالحبیب صدر جماعت مسلم جوناگڑھ (گجرات)

جماعت کی طرف سے جماعت کے غریب اشخاص کو زکوٰۃ اور خیرات دی جاتی ہے۔ اور جماعت نے ایک شخص کو قرض دیا ہے اور وہ شخص زکوٰۃ کا بھی مستحق ہے تو کیا زکاۃ کا پیسہ اس کو دیئے بغیر اور اسے اس کا مالک بنائے بغیر قرض میں وضع کرسکتے ہیں، اور کیا اس طرح کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔

الجواب جماعت کی طرف سے جماعت کے غریب اشخاص کو زکوٰۃ اور خیرات دی جاتی ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کو جماعت میں دیکر قوم کی ملکیت ٹھہراتے ہیں تو یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کی ادائیگی میں تملیک یعنی مستحق زکاۃ کو مالک بنانا شرط ہے۔ بہار شریعت جلد پنجم ص۵۸ میں ہے کہ بغیر تملیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی اور جیسا کہ درمختار کتاب الزکوٰۃ میں ہے یشترط ان یکون الصرف تملیکًا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ جماعت کے صدر وغیرہ مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم کرنے کے لئے وکیل بنائے جاتے ہیں تو یہ جائز ہے۔ لیکن اس صورت میں جماعت کے صدر وغیرہ کا کسی کو قرض دینا جائز نہیں۔ اول اس لئے کہ وہ زکوٰۃ کی تقسیم کا وکیل ہے نہ کہ قرض دینے کا

دوسرے اس لئے کہ مستحق زکوٰۃ کو دینے کے بجائے قرض میں رقم پھنسانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی جو ناجائز وگناہ ہے۔ بہار شریعت جلد پنجم صفحہ ۱ میں ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والا گنہگار مردود الشہادۃ ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۱۶۰ میں ہے۔ تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یاثم بتاخیرہ من غیر عذر اور اسی طرح درمختار مع شامی جلد دوم صفحہ ۱۳ پر ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کا مال بذریعہ جماعت اگر قرض دینا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مال زکوٰۃ کا فقیر کو مالک بنا دیں اس طرح کہ وہ قبضہ بھی کرلے پھر فقیر اپنی خوشی سے جماعت میں اس نیت سے دیدے کہ ہماری یہ رقم غریبوں پر صرف کیجائے۔ اور حسب استطاعت غریب مسلمانوں کو تجارت وغیرہ کے لئے قرض دیجائے۔ اب وہ رقم فقراء ومساکین پر بھی تقسیم کی جاسکتی ہے اور غریب لوگوں کو تجارت وغیرہ کے لئے بطور قرض بھی دی جاسکتی ہے۔

صورت مسئولہ میں مستحق زکوٰۃ کو قرض دینا پھر زکاۃ کی رقم اسے دیئے بغیر قرض میں مجرا کرنا یہ جائز نہیں ہے۔ جواز کی صورت یہ ہے کہ اسے زکوٰۃ کا مال دے جب وہ مال پر قبضہ کرلے تو اس سے اپنا قرض وصول کرے اگر وہ دینے سے انکار کرے تو ہاتھ پکڑ کر چھین بھی سکتا ہے۔ جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم صفحہ ۱۳ پر ہے۔ حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکاتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مد یدہ واخذھا۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ محمد عبد الواحد انصاری مدرسہ اسلامیہ مکتب برڈپور ضلع بستی

کیا زکوٰۃ کی رقم مدرسین کی تنخواہ مدرسہ کے ٹاٹ وچٹائی اور غریب بچوں کی کتاب وکاپی میں خرچ کی جاسکتی ہے؟

الجواب زکاۃ کی رقم مدرسین کی تنخواہ مدرسہ کے ٹاٹ وچٹائی یہاں تک کہ بعض صورتوں میں غریب بچوں کی کتاب وکاپی میں بھی نہیں خرچ کرسکتے۔ ہاں اگر زکاۃ کی رقم کسی ایسے شخص کو دیدیں جو مالک نصاب نہ ہو پھر وہ شخص مدرسہ میں دیدے تو اب وہ رقم مدرسہ کی ہر ضرورت پر خرچ ہوسکتی ہے۔ ھکذا فی کتب الفقہ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ رصفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ از حاجی ریاض الحق صاحب جلال پور۔ ضلع فیض آباد

(۱) مدارس اسلامیہ میں جو رقم زکوٰۃ کی دی جاتی ہے اس کو تنخواہ مدرسین میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟
(۲) کیا رقوم زکاۃ حیلۂ شرعی کے بعد ضروریات مدرسہ یعنی تعمیر مدرسہ یا اور دیگر کاموں میں صرف کی جاسکتی ہے یا نہیں اور حیلۂ شرعی کی کیا صورت ہے ایسی حالت میں زکوٰۃ دینے والے کی زکاۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں ؟ (۳) ہمارے یہاں حیلۂ شرعی اس طرح کیا جاتا ہے کہ چند طلباء کو بلا کر کہدیا گیا کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ ہے اس کو تم مدرسہ میں دیدو پہلے سے ان کو بتا دیا جاتا ہے وہ لڑکا کہتا ہے کہ میری طرف سے اس کو مدرسہ میں داخل کردو اور وہ داخل کرلیا گیا۔ کیا حیلۂ شرعی کی یہی صورت ہے یا کچھ اور۔ زکوٰۃ کی اس رقم پر تملیک شرط ہے یا نہیں ؟ (۴) بعض جگہ یہ قاعدہ کہ زکاۃ کی رقم وصول کرلی گئی مگر مدرسہ میں کوئی طلبہ کے خورد و نوش کا انتظام نہیں ہے وہ زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں تنخواہ اور دیگر کاموں میں صرف کی جاتی ہے ایسے مدرسہ میں زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور دینے والے پر تاوان پڑے گا یا نہیں اور دینے والا گنہگار ہوگا یا نہیں ؟

الجواب بعون الملک الوھاب (۱) زکوٰۃ کی رقم بغیر حیلۂ شرعی مدرسین کی تنخواہ میں ہرگز نہیں صرف کی جاسکتی بہار شریعت حصہ پنجم ص۵۵ میں ہے بہت سے لوگ مال زکوٰۃ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہیئے کہ متولی مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے تاکہ متولی اس مال کو جدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلباء پر صرف کرے کسی کام کی اُجرت میں نہ دے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی انتھی بالفاظہٖ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم (۲) مالِ زکوٰۃ حیلۂ شرعی کے بعد تعمیر مدرسہ وغیرہ ہر کام میں صرف کیا جاسکتا ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ حیلۂ شرعی کی ایک صورت یہ ہے کہ مال زکاۃ کا فقیر کو مالک بنادیں اس طرح کہ زکوٰۃ کی رقم اس کے ہاتھ میں رکھدیں۔ اب وہ اپنی طرف سے ناظم مدرسہ کو صرف کرنے کا وکیل بنادے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم (۳) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے لہٰذا طلبہ سے یہ کہنا کہ یہ مال زکوٰۃ ہے اسے مدرسہ میں دیدو اور انھوں نے دیدیا صحیح نہیں بلکہ نادار بالغ طلبہ کو مال زکوٰۃ دیدیا جائے اور وہ لوگ اس پر قبضہ کرلیں پھر خوشی مدرسہ میں دیدیں۔ اگر طلبہ نابالغ ہوں گے تو ان کا مدرسہ میں دینا شرعاً صحیح نہیں اگر دیں گے تو اس مال کا مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۱۷۱ میں ہے اذا دفع الزکوٰۃ الی الفقیر لا یتم الدفع مالم یقبضھا اھ اور درمختار مع شامی جلد چہارم ص۲۱۵ میں ہے لا تصح ھبۃ صغیر اھ۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم (۴) جس مدارس میں مال زکوٰۃ

طلبہ پر نہیں صرف کیا جاتا اور اراکین مدرسہ بغیر حیلۂ شرعی مدرسہ کے دیگر کاموں میں صرف کرتے ہیں اور زکوٰۃ دینے والے کو اس بات کا علم ہے تو ایسے مدارس میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں اگر دیا تو تاوان دینا پڑے گا اگر تاوان نہیں دیگا تو گنہگار ہوگا ھذا الخلاصۃ ما فی الکتب الفقہیۃ۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ و صلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ

از حاجی مدار بخش عبد الکریم محمد امین مرزا منڈی کالپی (ضلع جالون)

سوتیلی ماں کو زکوٰۃ کا روپیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جیسا کہ ردالمحتار جلد ثانی ص۶۳ میں تاترخانیہ سے ہے یجوز دفعہا لزوجۃ ابیہ اھ۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۹ھ

مسئلہ

از محمد شفیع خاں موضع پیری پوسٹ بنگسری۔ ضلع گونڈہ

ایک دینی مدرسہ قائم کیا گیا ہے جس میں امیر و غریب سبھی طلبہ ناظرہ قرآن کریم، اُردو اور ہندی وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ غریب طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے کاپی اور کتاب وغیرہ کا انتظام بھی کیا جاتا ہے تو اس مدرسہ میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور عشر کا غلہ یا اس کی رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور عشر کی ادائگی کے لئے تملیک یعنی مسکین وغیرہ کو مالک بنا دینا شرط ہے بغیر تملیک یہ ادا نہیں ہو سکتے لہذا مدرسہ تعمیر کرنے، مدرسین کی تنخواہ دینے یا کتاب وغیرہ خرید کر مدرسہ پر وقف کر دینے کے لئے مدرسہ کے منیجر کو زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور عشر دینا جائز نہیں۔ البتہ جو لوگ مالک نصاب نہ ہوں ان کے نابالغ بچوں کو کتاب وغیرہ دینے کے لئے منیجر مذکور کو اس قسم کی رقم دینا جائز ہے اور بالغ بچے جو مالک نصاب نہ ہوں ان کے لئے بھی جائز ہے اگر مدرسہ بنوانے، مدرسین و ملازمین کو تنخواہ دینے، جو لوگ مالک نصاب ہوں ان کے نابالغ بچوں کو کتاب وغیرہ دینے یا بالغ مالک نصاب بچوں پر خرچ کرنے کے لئے دیا تو زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور عشر ادا نہ ہوئے۔

حضرت صدر الشریعہ تحریر فرماتے ہیں "بہت سے لوگ مال زکوٰۃ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہئے کہ

متولی مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے تاکہ متولی اس مال کو جدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلبہ پر صرف کرے کسی کام کی اجرت میں نہ دے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (بہار شریعت حصہ پنجم مطبوعہ لاہور صفحہ ۵۸) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ ذی القعدہ سنہ ۹۹ھ

مسئلہ از بیر محمد ٹیلر ماسٹر پوسٹ و مقام کوٹھڑی ضلع بھیلواڑہ (راجستھان)

زکوٰۃ اور صدقۂ فطر مسجد کی کسی ضرورت میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ان رقموں سے امام کا مشاہرہ ادا کرنا چاہیں تو کوئی حرج تو نہیں ہے؟ بینوا توجروا

الجواب بعون الملک الوھاب زکوٰۃ اور صدقۂ فطر مسجد کی ضروریات میں صرف نہیں کر سکتے اور نہ ان رقموں سے امام کا مشاہرہ ادا کر سکتے ہیں اس لئے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے اور ان صورتوں میں تملیک نہیں پائی جاتی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۷۶ میں ہے لایجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا الحج وکل مالا تملیک فیہ۔ اگر زکوٰۃ اور صدقۂ فطر مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا چاہیں تو اس کی یہ صورت ہے کہ کسی غریب آدمی کو زکوٰۃ اور صدقۂ فطر دیدیں پھر وہ اپنی طرف سے مسجد میں دیدے۔ اب وہ رقم مسجد کی ہر ضرورت اور امام کے مشاہرہ وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں کوئی حرج نہیں، وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از حیدر علی متعلم دار العلوم منظر اسلام التفات گنج۔ ضلع فیض آباد

ہندہ یتیم ہے بکر مالک نصاب ہے اور وہ ہندہ کا سرپرست ہے تو بکر ہندہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ اور اس سے حیلۂ شرعی کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب بکر جو مالک نصاب ہے وہ ہندہ یتیمہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ یتیمہ نہ مالک نصاب ہو نہ سیدہ ہو اور نہ ہاشمیہ اور نہ بکر کی اولاد کی اولاد ہو مگر اس سے حیلۂ شرعی کرنا صحیح نہیں کہ مال زکوٰۃ پر قبضہ کرنے کے بعد جب وہ بکر کو دے گی تو ہبہ ہوگا اور نابالغ کا ہبہ صحیح نہیں جیسا کہ درمختار مع شامی جلد چہارم صفحہ ۵۳۱ میں ہے لا تصح ھبۃ صغیر اھ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ از علی احمد مدرس مدرسہ فیض العلوم بیٹھی راؤت ضلع گورکھپور

زکاۃ وفطرہ کی رقم براہ راست مدرسہ کی تعمیر ومدرسہ کے مدرسین کی تنخواہ میں صرف کیا جاسکتا ہے کہ نہیں اگر صرف کیا جاسکتا ہے تو کیوں اگر نہ صرف کیا جاسکتا ہو تو کیوں؟ اس کا جواب مدلل ومفصل قرآن وحدیث کی روشنی میں چاہئے

الجواب زکاۃ وفطرہ کی رقم کو براہ راست مدرسہ کی تعمیر یا مدرسین کی تنخواہ میں صرف کرنا جائز نہیں اس لئے کہ زکوٰۃ وفطرہ کی ادائگی میں تملیک شرط ہے اور ان صورتوں میں تملیک نہیں پائی جاتی فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ۱۷۶ میں ہے لا یجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا الحج وکل مالا تملیک فیہ کذا فی التبیین ملخصا۔ اور بہار شریعت حصہ پنجم ۸۵ میں در مختار وغیرہ سے ہے کہ بغیر تملیک زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی پھر تحریر فرمایا کہ بہت سے لوگ مال زکوٰۃ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہئے کہ متولی مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مال زکوٰۃ ہے تاکہ متولی اس مال کو جدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلبہ پر صرف کرے کسی کام کی اجرت میں نہ دے ورنہ زکاۃ ادا نہ ہوگی۔ اور اسی بہار شریعت حصہ پنجم ۲۴ میں ردالمحتار سے ہے۔ زکاۃ کا روپیہ مردہ کی تجہیز وتکفین یا مسجد کی تعمیر میں نہیں صرف کر سکتے کہ تملیک فقیر نہیں پائی گئی اور ان امور میں صرف کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو مالک کریں اور وہ صرف کرے ثواب دونوں کو ہوگا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۷ ذی القعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از محمد حسین خاں موضع نگرہ پوسٹ رام پور ضلع بستی (یوپی)

ایک دینی مدرسہ ہے جس میں غریب طلبا کو کھانے کا انتظام نہیں ہے اس کے باوجود چندہ سے اس کا خرچ پورا نہیں ہوتا۔ لہذا اگر اس میں چرم قربانی، زکوٰۃ، غلہ کا عشر اور صدقہ فطر خرچ کرنا چاہیں تو اس کی کیا صورت ہے؟

الجواب چرم قربانی بغیر حیلۂ شرعی کے مدرسہ میں دے سکتے ہیں اس لئے کہ چرم قربانی میں تملیک شرط نہیں۔ اور زکاۃ، غلہ کا عشر وصدقۂ فطر سے اگر اس کی مدد کرنا چاہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ اس قسم کی رقمیں کسی ایسے شخص کو دیدیں جو مالک نصاب نہ ہو اور نہ بنی ہاشم سے ہو۔ وہ شخص ان رقموں پر قبضہ کرنے پھر اپنی طرف سے وہ مدرسہ میں دیدے اس طرح ثواب دونوں کو ملے گا اور مدرسہ کام بھی چل جائے گا الاشباہ والنظائر ۴۰ میں ہے والحیلۃ فی التکفین بہا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب

بها وكذا في تعمير المساجد اھ، وھو تعالیٰ اعلم۔

جلال الدین احمد امجدی
کتبہ
۱۹ر ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از نعمان احمد امجدی چشتی القادری ازمکان ۲۹۵ ہر بجن داس کا ناکہ سوداگر پول کے قریب جمال پور (احمد آباد)

بیت المال کی رقم تبلیغ دین پر خرچ کی جا سکتی ہے؟ جب کہ مبلغین حضرات خود صاحب نصاب ہوں پھر بھی اپنی جیب سے ایک پائی بھی خرچ نہ کرنا اور رمضان شریف میں جیپ گاڑی خصوصًا لے کر اِدھر اُدھر گھومتے پھرنا اور یہ کہنا ہم تو صرف کلمہ اور نماز کی تبلیغ کرتے ہیں اور بے تحاشہ بیت المال کی رقم کو خرچ کرتے ہیں۔

الجواب اگر بیت المال کی رقم میں زکوٰۃ و فطرہ بھی شامل ہے تو اس کو مبلغین کی تبلیغ پر خرچ کرنا جائز نہیں کہ زکاۃ و فطرہ میں تملیک شرط ہے فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص ۱۷۶ میں ہے۔ لا يجوز ان يبنى بالزكاة المسجد وكذا الحج وكل ما لا تمليك فيه۔ اور اگر بیت المال کی رقم میں زکوٰۃ و فطرہ شامل نہیں تو عطیات کی رقم جو دینی ضرورتوں کے لئے جمع ہے اس میں سے بقدر ضرورت مبلغین پر خرچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ گمراہ و بدمذہب نہ ہوں ورنہ کوئی رقم ان پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

جلال الدین احمد امجدی
کتبہ
۴ر ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از سید نصر اللہ قادری مدرسہ اشاعت الاسلام محمد ڈیہہ پوسٹ رہرا بازار ضلع گونڈہ۔

جس مدرسہ میں زکوٰۃ، فطرہ اور عشر کا غلہ جمع ہوتا ہے اس مدرسہ کے مطبخ سے مدرسین کو کھانا کھلانا اور زکاۃ وغیرہ کی رقم سے ان کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب مدرسین کا کھانا اور تنخواہ ان کے کام کی اجرت ہے اور زکوٰۃ وغیرہ کے پیسے و غلے کو اجرت میں دینا لینا جائز نہیں لہٰذا زکوٰۃ، فطرہ اور عشر کی رقم کو اگر منتظمین مدرسہ نے بلا حیلۂ شرعی مدرسین کی تنخواہ اور کھانے پر خرچ کیا تو وہ گنہگار ہوئے اور مدرسین نے جان بوجھ کر لیا اور کھایا تو وہ بھی گنہگار ہوئے اور اس طرح زکاۃ وغیرہ بھی ادا نہیں ہوئی بہار شریعت حصہ پنجم مطبوعہ لاہور ص ۸۵ پر ہے بہت سے لوگ مال زکاۃ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہئے کہ متولی مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مال زکاۃ ہے تاکہ متولی اس مال کو جدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلبہ پر صرف کرے کسی کام کی اجرت میں نہ دے ورنہ زکاۃ ادا نہ ہوگی اھ۔ لہٰذا

جس مدرسہ میں زکوٰۃ، فطرہ اور عشر جمع ہو اس کے منتظمین پر لازم ہے کہ پہلے حیلۂ شرعی کریں یعنی اس قسم کی سب رقم کسی غریب کو دیدیں وہ ان پر قبضہ کرے پھر مدرسہ کو دیدے اب وہ رقم تنخواہ وغیرہ مدرسہ کی جس ضروریات پر چاہیں صرف کر سکتے ہیں وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم ربیع الاول سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از مولوی حکیم قاضی محمد خلیل پٹھان قادری رحمانی خطیب مسجد جامع درگاہ شریف ماہم بمبئی ۱۶

کیا زکاۃ کی رقم سے یتیم خانہ کے بچوں کو کپڑے بنوا کر دے سکتے ہیں؟

الجواب زکوٰۃ کی رقم سے کپڑے بنوا کر یتیم خانہ کے بچوں کو مالک بنا دیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی بشرطیکہ وہ بچے مالک نصاب نہ ہوں نہ سید ہوں نہ ہاشمی ہوں نہ زکوٰۃ دینے والے کی اولاد کی اولاد ہوں اور نہ کسی مالک نصاب کی نابالغ اولاد ہوں کہ یتیم خانوں میں یتیم کے نام پر بعض غیر یتیم بھی داخل ہو جاتے ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ر صفر المظفر سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از مولانا محمد میاں بمقام ہمت نگر ضلع سابر کانٹھا (گجرات)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ حضرت قبلہ وکعبہ وکونین سرپرست اسلام بزرگ و برتر پیشوائے دین وملت امام اہلسنت والجماعت حضور مفتی دارالعلوم فیض الرسول بعد آداب وسلام کے خدمت اقدس میں عرض حال یہ ہے کہ مندرجہ ذیل سوال کے جواب سے ممنون ومشکور فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بہترین اجر کاملہ عطا فرمائے (آمین) ہمارے قریب کے ایک گاؤں کھیڑ (چاندنی) میں مدرسہ بنانے کے لئے کچھ رقم جمع کی ہے یعنی چندہ وصول کیا ہے لیکن اس چندے کی رقم میں زکاۃ والی رقم اور للہ والی رقم کتنی ہے یہ معلوم نہیں اور اسی حالت میں عمارت کا کام شروع کر دیا ہے اور اس میں تقریباً ۲۳-۱۷۴۹ خرچ ہو گیا ہے اور تقریباً ۲۹۳۷ روپے کا مال سامان بھی یعنی سیمنٹ، لوہا، پتھر اور اینٹ وغیرہ خرید ہوا تیار ہے لیکن انھیں بعد میں معلوم ہوا کہ جو رقم ہمارے پاس آئی ہے اس میں زکوٰۃ یا للہ کی رقم کتنی ہے اور بغیر حیلہ کے اسے خرچ نہیں کر سکتے لیکن جو عمارت بنائی شروع کی ہے اسے اب بنانا بند کر دیا ہے اس لئے کہ اب تک جو سامان عمارت کے بنانے میں خرچ کر دیا ہے اور جو سامان باقی ہے اس کے حیلہ کا اب کیا طریقہ کیا جائے؟ اور کس طریقے سے حیلہ کیا جائے؟ کیا جو سامان موجود ہے اور جو عمارت بنائی اسے کسی مسلم کے ہاتھ فروخت کر کے اس رقم کو پھر حیلہ کریں اور حیلہ کرنے کے

بعد پھر اس مال، سامان کو اور جو عمارت بنائی ہے اسے پھر سے خرید لیں کیا اس طریقے سے حیلہ ہو جائے گا یا نہیں؟ برائے کرم حیلہ کا صحیح اور آسان طریقہ ارشاد فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔ فقط والسلام

الجواب صورت مستفسرہ میں حیلۂ شرعی کی آسان صورت یہ ہے کہ زیر تعمیر عمارت اور کل تعمیری سامان کسی ایسے مسلمان کو دیدیا جائے جو مالک نصاب نہ ہو اور سید بھی نہ ہو۔ وہ مسلمان ان چیزوں پر قبضہ کرنے پھر مدرسہ کے ناظم کو تعمیری سامان اور عمارت مدرسہ بنانے کے لئے دیدے یا کچھ روپے کے بدلے زیر تعمیر عمارت اور کل سامان اس سے خرید لیں اس طرح حیلۂ شرعی ہو جائے گا۔ وھو تعالیٰ اعلم

جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از محمد ضیاء اللہ ممبر مدرسہ عربیہ اہلسنت فیض العلوم غازی پور۔ گونڈہ

صدقہ وغیرہ کی رقموں سے دینی کتابیں خریدنا کیسا ہے؟ نیز زید ایام حصول علم میں صدقہ وغیرہ کی رقم اپنے مصرف میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب صدقۂ نافلہ کو ہر جائز کام میں صرف کرنا جائز ہے، اور صدقۂ واجبہ مثلاً صدقۂ فطر، زکوٰۃ اور عشر کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے، لہٰذا اگر صدقۂ واجبہ سے کتابیں خریدی گئیں تو اسے کسی غریب کی ملکیت میں دینا ضروری ہے۔ اور طالب علم دین اگر بالغ اور مالک نصاب ہے یا نابالغ ہے اور اس کا باپ مالکِ نصاب ہے تو صدقۂ واجبہ کو اپنے مصرف میں نہیں لا سکتا۔ اور اگر بالغ ہے اور مالکِ نصاب نہیں ہے تو صدقۂ واجبہ کو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

محمد عیسیٰ رضوی

الجواب صحیح۔ جلال الدین احمد امجدی

۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ از سکریٹری نظام الدین مدرسہ تعلیم القرآن بڑی مسجد جونا رسالہ۔ اندور (ایم پی)

بیت المال میں زکوٰۃ و صدقات واجبہ اور چرم قربانی کی رقم بھی جمع کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس رقم کا استعمال مستحقین کے علاوہ ایسے مسلمان حاجت مندان کو جو تجارت وغیرہ میں اچھی اہلیت رکھنے کے باوجود کمی سرمایہ کے باعث ترقی کرنے سے مجبور ہیں۔ ان ضرورت مندان کو بیت المال کی رقم سے بطور قرض امداد کی جائے تو شرعاً کن شرط پر جائز ہے اور بعض ہونے کو دکھیل کے رقم واپس جمع کرادی جائے اس طرح بہت سے مسلمان کاروبار میں کافی

ترقی کرنے کے آرزومند ہیں کاش کوئی صورت جواز جوعین مطابق شرع شریف کے ہو آگاہ فرمانے کی زحمت فرمائیں۔ فقط والسلام

الجواب بعون الملک الوھاب زکوٰۃ اور دیگر صدقات واجبہ کو بیت المال میں دیگر قوم کی ملکیت ٹھہرانا جائز نہیں اس لئے کہ ان کی ادائیگی میں تملیک یعنی مستحق زکاۃ کو مالک بنانا شرط ہے جیسا کہ درمختار کتاب الزکاۃ میں ہے کہ "یشترط ان یکون الصرف تملیکا۔ ہاں ناظم بیت المال کو مستحقین میں زکاۃ تقسیم کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے لیکن اس صورت میں ناظم بیت المال کا دوسرے کو قرض دینا جائز نہیں اوّل اس لئے کہ وہ زکاۃ کی تقسیم کا وکیل ہے نہ کہ قرض دینے کا دوسرے اس لئے کہ مستحقین زکاۃ کو دینے کے بجائے قرض میں پھنسانے سے زکاۃ کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی جو ناجائز وگناہ ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۹۰ میں ہے تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یاثم بتاخیرہ من غیر عذر۔ اور درمختار مع شامی جلد دوم ص ۱۳ پر ہے افتراضھا عمری ای علی التراخی وصححہ الباقانی وغیرہ وقیل فوری ای واجب علی الفور وعلیہ الفتوی کما فی شرح الوھبانیہ فیاثم بتاخیرھا بلا عذر وترد شھادتہ۔ لہٰذا زکاۃ کا مال بذریعہ بیت المال اگر قرض دینا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ کا فقیر کو مالک بنادیں اس طرح کہ وہ قبضہ بھی کرلے پھر فقیر اپنی خوشی سے بیت المال میں اس نیت سے دیدے کہ ہماری یہ رقم غریبوں پر صرف کی جائے اور حسب استطاعت نادار مسلمانوں کو تجارت وغیرہ کے لئے قرض دیجائے اب وہ رقم فقرا و مساکین پر بھی تقسیم کی جاسکتی ہے اور نادار لوگوں کو تجارت وغیرہ کے لئے بطور قرض بھی دی جاسکتی ہے ھذا خلاصۃ ماقال فی بہار شریعت والدر المختار ورد المحتار۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ ربیع الآخر ۸۸ھ

مسئلہ از محمد عثمان رضوی علی منزل ماڑی پور مظفر پور (بہار)

(۱) زکوٰۃ کی رقم کو کسی مردے کے کفن پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہاں تو اس کے خرچ کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ زید کے مکان کے سامنے ایک ایسے آدمی کا انتقال ہوگیا کہ اس میت کا کوئی وارث نہیں صاحب مکان کے پاس (جس شخص کے مکان کے سامنے اس کا انتقال ہوا ہے) زکوٰۃ کے مد کی رقم ہے میت ننگا ہے اس کے کفن کے لئے کوئی کپڑا نہیں ہے۔ نہ زید کے پاس علاوہ زکوٰۃ کی رقم کے کوئی روپیہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ میت

کو بلا کفن دفن کردیا جائے یا زکوٰۃ کی رقم سے اس کے لئے کفن کا انتظام کیا جائے، اسی طرح ایک قبرستان ہے جس کے گرداگرد مشرکین آباد ہیں، وہ صبح وشام قبروں کی بے حرمتی کرتے ہیں، اس قبرستان کا احاطہ زکوٰۃ کی رقم سے بنوایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ہاں تو پھر اس کے بنوانے اور خرچ کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ (۲) زید کا کہنا ہے کہ طالب علم نادار پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا کیوں کر جائز ہوگیا اور اگر جائز بھی ہوا تو اس حد تک سمجھ میں بات آتی ہے کہ مسائل ضروریہ سے واقف ہو لیکن عالم وفاضل کی سند حاصل کرنے تک زکوٰۃ کی رقم کو اس پر خرچ کرنا کس صورت سے جائز ہوسکتا ہے؟ جواب مدلل ومفصل تحریر فرمایا جائے۔

الجواب

(۱) مردہ کی تجہیز وتکفین یا قبرستان کی چہار دیواری میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اس لئے کہ تملیک نہیں پائی جاتی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ۱۷۶ میں ہے۔ لایجوز ان یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا الحج وکل مالا تملیک فیہ ولا یجوز ان یکفن بہا میت ولا یقضی بہا دین المیت کذا فی التبیین ملخصًا۔ لہٰذا کفن اور قبرستان کے احاطہ کے لئے مسلمان سے چندہ کرلیا جائے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو زکاۃ کی رقم کسی ایسے شخص کو دیدیں جو صاحب نصاب نہ ہو پھر وہ اپنی طرف سے ان چیزوں میں صرف کرے ثواب دونوں کو ملے گا۔ ھکذا فی ردالمحتار و بہار شریعت۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم (۲) زکاۃ کے مصارف فقراء ومساکین وغیرہ ہیں جیسا کہ قرآن کریم پارہ دہم رکوع چہاردہم میں ہے انما الصدقات للفقراء الخ تو طالب علم اگر نادار ہے خواہ مبتدی ہو یا منتہی قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے مطابق زکاۃ کی رقم اس پر صرف کرنا جائز ہے بلکہ عالم دین اگر نادار وغریب ہے تو جاہل کو دینے سے عالم کو دینا افضل ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ۱۷۶ میں ہے۔ التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاہل کذا فی الزاہدی۔ اور زید جو کہتا ہے کہ طالب علم نادار پر زکاۃ کی رقم خرچ کرنا کیوں کر جائز ہوگیا تو اس کلام کا تیور بتا رہا ہے کہ پہلے جائز نہیں تھا بعد میں جائز ہوگیا حالانکہ قرآن جو کہ ازلی اور ابدی ہے اس میں فقیر مسکین یعنی نادار پر زکاۃ صرف کرنے کو واضح طور پر بتایا گیا ہے۔ خواہ نادار طالب علم ہو یا غیر طالب علم۔ اور پھر زید کو اس طرح دریافت کرنا چاہئے کہ نادار طالب علم پر عالم وفاضل کی سند حاصل کرنے تک زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مگر اس طرح دریافت کرنے کے بجائے یوں کہتا ہے۔ زکاۃ کی رقم اس پر خرچ کرنا کس صورت سے جائز ہوسکتا ہے؟ تو زید کا یہ انداز کلام کسی پوشیدہ امر کی خبر دے رہا ہے زید پر لازم ہے اس قسم کے کلام سے احتراز کرے ورنہ گمراہی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ھذا

ماعندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ / من شوال ۱۳۹۱ھ

مسئلہ

از ڈاکٹر الٰہی بخش محلہ گوال بیگہ گیا۔

(۱) فطرہ کا پیسہ کن کن مدوں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ (۲) صدقہ کا پیسہ کن کن مدوں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ (۳) چرم قربانی کا روپیہ کن کن مدوں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ (۴) زکاۃ کا روپیہ کن کن مدوں میں صرف کیا جاسکتا ہے؟

الجواب

بعون الملک الوھاب (۱، ۲) زکوٰۃ اور صدقۂ فطر میں جن لوگوں پر صرف کیا جاسکتا ہے ان میں سے چند یہ ہیں ۱: فقیر یعنی وہ شخص کہ جس کے پاس کچھ مال ہو لیکن نصاب بھر نہ ہو ۲: مسکین یعنی وہ شخص کہ جس کے پاس کھانے کے لئے غلہ اور بدن چھپانے کے لئے کپڑا بھی نہ ہو۔ (۳) قرضدار یعنی وہ شخص کہ جس کے ذمہ قرض ہو اور اس کے پاس قرض سے فاضل کوئی مال بقدر نصاب نہ ہو۔ ۴: مسافر کے پاس سفر کی حالت میں مال نہ رہا اس پر بقدر ضرورت صرف کیا جاسکتا ہے، اور جن لوگوں پر زکوٰۃ وصدقۂ فطر صرف نہیں کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہیں۔ ۱: مالدار یعنی وہ شخص جو مالک نصاب ہو ۲: سادات کرام۔ ۳: بنی ہاشم یعنی حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عقیل اور حضرت عباس وحارث بن عبد المطلب کی اولاد پر زکوٰۃ وصدقۂ فطر نہیں صرف کیا جاسکتا ۴: اپنی اصل اور اپنی فرع یعنی ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہم اور بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی پر نہیں صرف کیا جاسکتا ۵: عورت اپنے شوہر پر اور شوہر اپنی عورت پر اگرچہ مطلقہ ہو تا وقتیکہ عدت میں ہو زکوٰۃ وصدقۂ فطر نہیں صرف کیا جاسکتا ۶: مالدار مرد کے نابالغ بچے پر نہیں صرف کیا جاسکتا اور مالدار کی بالغ اولاد پر جبکہ وہ فقیر ہو صرف کیا جاسکتا ہے ۷: کافر وہابی یا کسی دوسرے مرتد اور بدمذہب پر نہیں صرف کیا جاسکتا، نیز زکوٰۃ وصدقۂ فطر کا مال مردہ کی تجہیز وتکفین یا مسجد ومدرسہ کی تعمیر میں نہیں لگایا جاسکتا جیسا کہ ہماری کتاب "انوار الحدیث" ص ۱۹۲، اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۷۶ میں ہے لایجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد وکذا الحج وکل مالا تملیک فیہ ولایجوز ان یکفن بہا میت ولایقضی بہا دین المیت کذا فی التبیین۔ ہاں اگر زکوٰۃ وصدقۂ فطر کا مال مسجد ومدرسہ وغیرہ کی تعمیر میں صرف کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو دیدیں جو مالک نصاب نہ ہو پھر وہ صرف کرے تو ثواب دونوں کو ملے گا (ردالمحتار، بہار شریعت) (۲) صدقہ کی دو قسمیں ہیں۔ صدقۂ واجبہ

اور صدقۂ نافلہ۔ صدقۂ واجبہ مثلاً کسی نے نذر مانی کہ میرا لڑکا تندرست ہوگیا تو میں اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا تو اس مال کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ و صدقۂ فطر کے مصارف ہیں۔ اور صدقۂ نافلہ اُسے مردہ کی تجہیز و تکفین اور مدرسہ و مسجد کی تعمیر میں بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ (۳) قربانی کرنے والا چرم قربانی کو بیچنے سے پہلے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے اور امیر و غریب کسی کو بھی دے سکتا ہے لیکن اگر بیچ ڈالا تو اس کی نیت دیکھی جائے گی۔ اگر صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا ہے تو امیر و غریب اور مسجد و مدرسہ وغیرہ کی تعمیر پر بھی صرف کر سکتا ہے اور اگر پیسہ کو اپنی ضرورت میں صرف کرنے کے لئے بیچا ہے تو اس صورت میں وہ پیسہ صرف انھیں لوگوں پر صرف کیا جا سکتا ہے کہ جن پر زکوٰۃ و صدقۂ فطر صرف کیا جاتا ہے ھذا ما عندی والعلم بالحق عند الباری ورسولہ الھادی جل جلالہ وصلی المولٰی علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ر شوال سنہ ۹۴ھ

مسئلہ
از سید صدر عالم جونسی الٰہ آباد

زید کچھ کتابیں مثلاً بہار شریعت وغیرہ عوام کے فائدہ اور ایمان کی حفاظت کے لئے فطرہ و قیمت چرم قربانی و زکوٰۃ کے روپیہ سے منگانا چاہتا ہے، منگا سکتا ہے یا نہیں شرعی مسئلہ سے آگاہ فرمائیں؛ بینوا توجروا۔ وجزاکم اللہ خیرًا۔

الجواب
بعون الملک الوھاب فطرہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک یعنی کسی غریب کو مالک بنا دینا شرط ہے لہذا اگر زکوٰۃ و فطرہ کی رقم سے کتاب منگائی گئی تو کتاب کسی غریب کو دیدی جائے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی فتاوی عالمگیری میں ہے لایجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد والحج وکل مالا تملیک فیہ۔ رہی چرم قربانی کی رقم تو اگر چرم قربانی صدقہ کرنے کی نیت سے فروخت کیا تو اس رقم کی تملیک واجب نہیں یعنی اس رقم کی کتاب لوگوں کے پڑھنے کے لئے منگائی جاسکتی ہے اور اگر چرم قربانی اس نیت سے فروخت کیا کہ اس کی رقم اپنی ضروریات میں صرف کرے گا تو اس رقم کا صدقہ کرنا واجب اور اس میں تملیک ضروری لہذا اس قسم کی رقم اور زکوٰۃ و فطرہ کی رقم سے کتاب منگانے کا شرعی حیلہ یہ ہے کہ رقم کسی ایسے شخص کو دے دی جائے جو مالک نصاب نہ ہو اور نہ ہی ہاشمی ہو پھر وہ اپنی طرف سے کتاب منگا کر عوام کے لئے وقف کردے اس طرح دونوں کو ثواب ملے گا ایسا ہی شامی اور بہار شریعت وغیرہ میں ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۰؍ صفر المظفر ۹۷ھ

مسئلہ از عبد القدوس صدیقی رضوی مقام و پوسٹ بادم ضلع ہزاری باغ (بہار)
ہندوستان کے کفار حربی ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو زکاۃ، صدقۂ فطر اور صدقۂ نافلہ ان کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ہندوستان کے کفار حربی ہیں۔ اس لئے کہ کفار کی تین قسمیں ہیں ۱۔ ذمی ۲۔ مستامن اور ۳۔ حربی۔ ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جس کے جان و مال کی حفاظت کا بادشاہ اسلام نے جزیہ کے بدلے ذمہ لیا ہو، اور مستامن اس کافر کو کہتے ہیں جسے بادشاہ اسلام نے امان دی ہو، اور ہندوستان کے کافروں کے لئے نہ بادشاہ اسلام کا ذمہ ہے اور نہ امان۔ اس لئے وہ حربی ہیں جیسا کہ رئیس الفقہا حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عالمگیر شہنشاہ اورنگ زیب علیہ الرحمہ کے زمانہ کے کافروں کے بارے میں لکھا ان ھم الاحربی وما یعقلھا الا العالمون (تفسیرات احمدیہ ص۳۰۰) اور جب زمانۂ عالمگیر کے کفار حربی ہیں تو اس زمانے کے کفار بدرجۂ اولیٰ حربی ہیں انھیں زکاۃ، صدقۂ فطر، اور کسی قسم کا صدقۂ واجبہ دینا جائز نہیں اور نہ صدقۂ نافلہ جیسا کہ بہار شریعت حصہ پنجم ص۶۳ میں ہے ذمی کافر کو نہ زکاۃ دے سکتے ہیں نہ کوئی صدقۂ واجبہ جیسے نذر و کفارہ و صدقۂ فطر۔ اور کافر حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں نہ واجبہ نہ نفل اگرچہ وہ دار الاسلام میں بادشاہ اسلام سے امان لے کر آیا ہو اور درمختار مع شامی جلد دوم ص۶۷ پر ہے اما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لا تجوز لہ اتفاقا بحر عن الغایۃ وغیرھا۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
۱۶؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ مسئولہ عابد علی پوسٹ و مقام لہرسن ضلع بستی
زید بخش کے واسطے باہر گیا ہوا تھا اس کی عدم موجودگی میں گھر چوری ہو گئی اطلاع پاکر گھر واپس آیا اور اپنی زبان سے بے ساختہ کہا کہ اللہ .... اس کی کتاب .... اللہ نے .... کیا رسول .... اور کہا کہ میں نے عالموں سے سنا تھا کہ زکاۃ کے مال میں چوری نہیں ہوتی اسی وقت بکر نے زید سے کہا کہ تم توبہ کر ڈالو یہ کلمہ کفر ہے زید نے اسی وقت توبہ کی زید کے گاؤں میں ایک عالم ہیں انھوں نے یہ کلمات سن کر کہا کہ زید کافر ہو گیا اسلام سے خارج ہے، اگر بقول عالم صاحب زید اسلام سے خارج ہو گیا تو اسلام میں آنے کا طریقہ تحریر فرمائیں۔

الجواب بیشک بیشک مولیٰ تعالیٰ جل جلالہ سب سچوں سے بڑھ کر سچا، اس کا کلام پاک سچا، اس کے پیارے حبیب سرکار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سچے۔ پیارے رسول کا پیارا کلام سچا۔ بیشک جس حلال مال کی زکوٰۃ شریعت کے مطابق ادا کردی جائے وہ مال محفوظ ہے، رہا وہ مال جو خلاف شرع طریقہ یا ناجائز تجارت سے حاصل ہوا اس کی اگرچہ زکاۃ دیدی جائے لیکن وہ محفوظ نہیں۔ یوں ہی وہ حلال مال بھی محفوظ نہیں جس کی زکاۃ کی دائیگی میں خامی ہو۔ سوال میں زید کے گستاخانہ کلمات نقل کئے گئے ان کو استعمال کرنے کے باعث زید کافر و مرتد ہوگیا اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، زید پر توبہ و تاسیس ایمان واعادہ نکاح فرض ہے، زید اس طرح توبہ کرے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں ایمان لایا اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا معبود ہے وہی سارے جہان کا مالک ہے، اللہ تعالیٰ سچا ہے، اس کی کتاب سچی ہے، اس کے پیارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ پیارے رسول کا کلام سچا ہے، میں دین اسلام کے تمام حکموں پر ایمان لایا اور ان تمام حکموں کو دل سے مانتا ہوں۔ یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم چوری ہوجانے کی وجہ سے گستاخی کے جو الفاظ میں بولا ہوں وہ کفر کے الفاظ ہیں میں ان الفاظ سے بیزار ہوں میں نادم ہوں، میں توبہ کرتا ہوں میں دین اسلام کے خلاف ہر بولی سے ہمیشہ ہمیشہ پرہیز کروں گا یا اللہ اپنی مہربانی سے میری توبہ قبول فرمائے (آمین) اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم۔ یا رسول اللہ میں حضور کا گنہگار غلام ہوں حضور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری معافی کے لئے شفاعت فرمادیں۔ توبہ کرلینے کے بعد زید اپنی عورت سے نئے مہر پر نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ
بدرالدین احمد الرضوی
۲۲ / ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ

نوٹ: سوال پڑھنے کے بعد کلمات کفریہ مٹا دیئے گئے کہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں ۱۲

مسئلہ از اختر حسین قادری مقام و پوسٹ چاکسو ضلع جے پور (راجستھان)

ایک صاحب مالک نصاب ہیں ان پر زکوٰۃ فرض ہے اور وہ اپنی زکوٰۃ کی رقم نکالنا چاہتے ہیں لیکن ابھی تک اس مال پر پورا سال نہیں گذرا ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی زکوٰۃ قبول نہیں کیوں کہ ابھی مال پر ایک سال نہیں گذرا ہے۔ جو شریعت مطہرہ کا حکم ہو تحریر فرمائیں؟

الجواب شخص مذکور اگر سال گذشتہ مالک نصاب تھا جس پر سال پورا ہوچکا اب سے

سال کے درمیان اسی جنس کا کچھ اور مال حاصل ہوا تو اس نئے مال کا سال جدا نہیں ہوگا بلکہ پہلے مال کا ختم سال اس کے لئے بھی سال تمام ہے اگرچہ سال تمام سے ایک ہی منٹ پہلے حاصل ہوا ہو۔ اور اگر سال گزشتہ مالک نصاب نہیں تھا امسال ہوا تو مال پر سال گزرنے کے بعد ادائیگی واجب ہوگی۔ اور مالک نصاب پرانا ہو یا نیا بہر صورت سال تمام سے پہلے پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۶۲ میں ہے من کان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الی ماله وزکاه هکذا فی الجوهرة النیرة۔ اور اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں اولیت چاہے تو سال تمام ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرے اس کے لئے بہتر ماہ مبارک رمضان ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستر فرضوں کے برابر (فتاوی رضویہ جلد چہارم ص۴۳) وهو سبحانه وتعالی اعلم وعلمه اتم واحکم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ / ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ

از نذیر حیات قادری دار العلوم غوثیہ رضویہ کوہی ضلع باندہ

غلہ کے عشر کے لئے نصاب کی کوئی شرط ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو کم از کم کتنے غلہ پر عشر واجب ہوتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

غلہ کے عشر کے لئے نصاب کی شرط نہیں۔ کہ سے کم ایک صاع بھی پیدا ہو تو عشر واجب ہو جائے گا در مختار میں ہے یجب بلاشرط نصاب۔ اور رد المحتار جلد دوم ص۴۹ میں ہے یجب فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعا۔ وهو تعالی اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ / رجب المرجب سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ

از سمیع اللہ موضع جلالہ ضلع فتحپور

سبزیوں میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حساب سے نکالنا چاہیئے؟

الجواب

سبزیوں میں اور تمام ترکاریوں میں زکوٰۃ واجب ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۷۶ میں ہے یجب العشر عند ابی حنیفة رحمة الله تعالی علیه فی کل ما تخرجه الارض من الحنطة والشعیر والدخن والارز واصناف الحبوب والبقول قل او کثر هکذا فی

فتاوی قاضی خاں اھ ملتقطاً۔ یعنی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک گیہوں، جو، باجرا، دھان اور ہر قسم کے غلے اور ہر طرح کی سبزیوں میں عشر واجب ہے تھوڑا پیدا ہو یا زیادہ۔ ایسا ہی فتاوی قاضی خاں میں ہے۔ پھر جو سبزیاں کہ زمین کی نمی یا بارش کے پانی سے پیدا ہوں ان میں کل پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ زکوٰۃ نکالنا واجب ہے۔ اور جو ڈول، چرسے یا مشین وغیرہ سے سیراب کرکے پیدا کی جائیں ان میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے۔ ھکذا فی الفتاوی الھندیۃ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ر جمادی الآخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ

از راحت حسین موضع پیرا دائی پوسٹ بھن جوت۔ ضلع گونڈہ

مٹھی کا چاول جو کہ عموماً مسلمانوں میں رائج ہے مسجد میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟ نیز صدقۂ فطر وغیرہ مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

مٹھی نکالنے والوں نے اگر کسی خاص کار خیر میں صرف کرنے کی نیت سے مٹھی نکالی تو صرف اسی کار خیر میں صرف کرنا جائز ہوگا۔ مٹھی نکالنے والوں کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کام میں صرف کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اور اگر مٹھی نکالنے والوں نے اس نیت سے مٹھی نکالی کہ کسی بھی کار خیر میں صرف کیا جائے تو اس صورت میں تعمیر مسجد وغیرہ کسی بھی کار خیر میں صرف کرسکتے ہیں۔ اور صدقۂ فطر نیز ہر قسم کا صدقۂ واجبہ زکوٰۃ وغیرہ مسجد میں نہیں لگا سکتے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند المولی ورسولہ الاعلی

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ر ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

مسئلہ

از محمد صدیق سابق سکریٹری انجمن پرانی بستی

ادارہ انجمن معین الاسلام کے پیسے سے جو کہ صدقہ و فطرہ و زکوٰۃ وغیرہ کی مد سے آتا ہے آیا وہ پیسہ محرم کے تعزیہ و باجہ نیز روشنی میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟ از روئے شرع برائے کرم جواب سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ مروجہ تعزیہ داری چونکہ ڈھول، تاشہ، باجا وغیرہ بہت سے خرافات و ناجائز امور پر مشتمل ہے اس لئے اس میں ذاتی اور نجی پیسہ خرچ کرنا یا کسی طرح اس میں شریک ہونا سخت ناجائز ہے جیسا کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "اب کہ تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً ناجائز و حرام ہے" انتہی بالفاظہ۔ اور جبکہ مروجہ تعزیہ داری کے لئے ذاتی پیسہ خرچ کرنا

حرام ہے تو انجمن مذکورہ میں زکوٰۃ وفطرہ کی جمع شدہ رقم کو تعزیہ داری پر خرچ کرنا حرام سخت حرام ہے اگر خرچ کرے گا تو سخت گنہگار لائق عذاب قہار ہوگا اور توبہ شرعی کرنے کے ساتھ تاوان بھی دینا پڑے گا۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ از محمد مسعود رضا مدرسہ اسلامیہ حنفیہ ہنومان گڑھ ٹاؤن۔ ضلع گنگانگر

بھیک مانگنا کیسا ہے؟ اور بھیک مانگنے والوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب بھیک مانگنے والے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مالدار جیسے بہت سے قوم کے فقیر، جوگی اور سادھو انہیں بھیک مانگنا حرام اور انھیں دینا بھی حرام۔ ایسے لوگوں کو دینے سے زکوٰۃ نہیں ادا ہو سکتی۔ دوسرے وہ جو حقیقت میں فقیر ہیں یعنی نصاب کے مالک نہیں ہیں مگر مضبوط و تندرست ہیں کمانے کی قوت رکھتے ہیں اور بھیک مانگنا کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ مزدوری وغیرہ کوئی کام نہیں کرنا چاہتے مفت کا کھانا کھانے کی عادت پڑ گئی ہے جس کے سبب بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو بھیک مانگنا حرام ہے اور جو انھیں مانگنے سے ملے وہ ان کے لئے خبیث ہے حدیث شریف میں ہے لاتحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی۔ یعنی نہ کسی مالدار کے لئے صدقہ حلال ہے اور نہ کسی توانا تندرست کے لئے۔ ایسے لوگوں کو بھیک دینا منع ہے کہ گناہ پر مدد کرنا ہے۔ لوگ اگر نہیں دیں گے تو وہ محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہوں گے قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ یعنی گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کرو (پ ۶ ع ۵) مگر ایسے لوگوں کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جبکہ اور کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ مالک نصاب نہیں ہیں۔ اور بھیک مانگنے والوں کی تیسری قسم وہ ہے کہ جو نہ مال رکھتے ہیں اور نہ کمانے کی طاقت رکھتے ہیں یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ایسے لوگوں کو اپنی حاجت پوری کرنے بھر کی بھیک مانگنا جائز ہے اور مانگنے سے جو کچھ ملے وہ ان کے لئے حلال وطیب ہے۔ اور یہ لوگ زکوٰۃ کے بہترین مصرف ہیں۔ انھیں دینا بہت بڑا ثواب ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جنھیں جھڑکنا حرام ہے ھکذا قال الامام احمد رضا البریلوی رضی عنہ ربہ القوی فی الجزء الرابع من الفتاوی الرضویۃ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

باب صدقۃ الفطر

صدقۂ فطر کا بیان

مسئلہ از عبدالوارث اشرفی الیکٹرک دوکان مدینہ مسجد ریتی روڈ۔ گورکھپور

(۱) صدقۂ فطر کس شخص پر واجب ہوتا ہے؟ (۲) زکاۃ اور صدقۂ فطر کے نصاب میں کیا فرق ہے؟

الجواب صدقۂ فطر ہر اس مسلمان پر واجب ہوتا ہے جو مالک نصاب ہو خواہ وہ روزہ رکھے یا نہ رکھے اور چاہے وہ مرد ہو یا عورت، پاگل ہو یا نابالغ، درمختار میں ہے تجب علی کل مسلم ولو صغیرا مجنونا ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ وان لم ینم اھ تلخیصا۔ وھو تعالٰی اعلم (۲) زکاۃ کے نصاب میں مال کا نامی ہونا شرط ہے یعنی ساڑھے سات تولہ سونا، ساڑھے باون تولہ چاندی یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت کا سامان تجارت یا روپیہ کا حاجت اصلیہ سے زائد ہونا ضروری ہے اور وجوب زکاۃ کے لئے صاحب نصاب کا عاقل و بالغ ہونا بھی شرط ہے۔ اور صدقۂ فطر کے نصاب میں مال کا نامی ہونا شرط نہیں یعنی اگر کسی کے پاس سونا، چاندی کا نصاب نہ ہو اور نہ ان میں سے کسی ایک کی قیمت کا سامان تجارت و روپیہ ہو مگر حاجت اصلیہ سے زائد سامان غیر تجارت ہو تو صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا مثلاً کسی کے پاس تانبہ پیتل کے برتن ہوں مگر تجارت کے لئے نہ ہوں اور حاجت اصلیہ سے زائد ہوں اور ان کی قیمت سونا یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو تو ان برتنوں کے سبب صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا مگر زکاۃ واجب نہ ہوگی۔ اور صدقۂ فطر میں صاحب نصاب کا عاقل و بالغ ہونا شرط نہیں جیسا کہ جواب نمبر۱ میں درمختار کی منقولہ عبارت سے ظاہر ہے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ سنڈیلہ۔ ضلع ہردوئی

عید کی چاند رات کو بچہ پیدا ہوا تو اس کی طرف سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب عید کے دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، لہٰذا اگر بچہ اس وقت سے پہلے پیدا ہوا تو اس کی جانب سے صدقۂ فطر نکالنا واجب ہے اور اگر صبح صادق کے بعد پیدا ہوا تو نہیں فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۱۹۲ باب صدقۃ الفطر میں ہے وقت الوجوب بعد طلوع الفجر الثانی من یوم الفطر فمن مات قبل ذالک لم تجب علیہ الصدقۃ ومن ولد او اسلم بعدہ لم تجب کذا فی محیط السرخسی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ از جمیل احمد سائیکل ستری بہراج گنج۔ ضلع بستی

جو شخص روزہ نہ رکھے اس پر صدقۂ فطر واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب صدقۂ فطر واجب ہونے کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں لہٰذا جو شخص کہ مالک نصاب ہو اگر کسی عذر مثلاً سفر، مرض، بڑھاپے کی وجہ سے یا معاذ اللہ بلا عذر روزہ نہ رکھے جب بھی اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ رد المحتار جلد دوم صفحہ ۷۶ میں ہے تجب الفطرۃ وان افطر عامدا اھ۔ پھر دو سطر کے بعد ہے من افطر لکبر او مرض او سفر یلزمہ صدقۃ الفطر ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ محمد شفاعت اللہ ۹۷/۲۵۴ مسجد محمد حسین ٹھیکدار طلاق محل کانپور

(۱) زید قصبہ کے ایک مکتب میں کلام اللہ، ناظرہ و اردو کی تعلیم بچوں کو دیتا ہے اور امامت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے، گزشتہ رمضان المبارک میں یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج ضلع گونڈہ کے اشتہار و دیگر کتب میں صدقۂ فطر پونے دو سیر لکھا دیکھکر نماز عید الفطر کے موقع پر مسجد کے ایک رکن نے پونے دو سیر فطرہ ادا کرنے کا اعلان زید کی موجودگی میں کر دیا، تو کیا اعلان کرنے والا و زید دونوں فاسق ہو گئے؟ (۲) کیا فطرہ غلط بتانے و دلوانے والا فاسق ہو جاتا ہے اور اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے اسے دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت پڑے گی اور تجدید ایمان لازم ہے زید کی اقتداء میں نماز نہ ہو گی؟ (۳) صدقۂ فطر کا وزن کتنا ہے فی آدمی کو کتنا دینا چاہئے؟

الجواب (۱) صدقۂ فطر کی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے اعلیٰ تحقیق اور احتیاط یہ ہے کہ جو تین سو اکیاون روپیہ بھر یعنی انگریزی سیر سے چار سیر چھ چھٹاک ایک روپیہ بھر ادا کرے اور گیہوں ایک سو ساڑھے پچہتر روپئے بھر یعنی دو سیر تین چھٹاک اٹھنی بھر دے اور سو روپیہ کا سیر جو بریلی شریف اور مرادآباد وغیرہ کے علاقہ میں رائج ہے اس سے پونے دو سیر اٹھنی بھر۔ تفصیل کے لئے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم یا ہماری کتاب انوار الحدیث کا مطالعہ کریں اور عام پوسٹروں پر عمل نہ کریں۔ شخص مذکور نے اگر پونے دو سیر سے سو کا سیر مراد لیا ہے تو اس کا اعلان احتیاط پر مبنی ہے اور اگر انگریزی سیر مراد لیا ہے تو اعلیٰ تحقیق اور احتیاط کے خلاف ہے مگر اس اعلان سے وہ فاسق نہ ہوا۔ (۲) کسی معتبر عالم کے لکھے ہوئے فطرہ کو بتانا غلط نہیں نہ بتانے والا فاسق ہوگا اور نہ اس کا نکاح ٹوٹے گا اور نہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہوگا بشرطیکہ کوئی اور وجہ مانع امامت نہ ہو (۳) صدقۂ فطر کے وزن کی تفصیل جواب ۱ میں مذکور ہوئی۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از سید سیف الحق مکان نمبر ۵۲/۵ پوسٹ آفس دھروا۔ رانچی ۲

بعض لوگ نصف صاع گیہوں کا مطلب ۲ کلو ۴۵ گرام بتلاتے ہیں اور بعض لوگ صرف ایک سیر ۱۲ چھٹانک تو صاع کا صحیح وزن کیا ہے؟

الجواب صاع کے وزن میں اختلاف ہے اور اعلیٰ تحقیق یہ ہے کہ صاع کا وزن ۳۵۱ انگریزی روپیہ بھر ہے یعنی انگریزی سیر سے چار سیر چھ چھٹانک ایک روپیہ بھر۔ اور نصف صاع ۱۷۵ روپیہ بھر ہے یعنی دو سیر تین چھٹانک آٹھ آنہ بھر اس لئے کہ صاع وہ پیمانہ ہے جس میں آٹھ رطل اناج آئے شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص۲۲۲ میں ہے صاع کیل یسع فیہ ثمانیۃ ارطال اور ایک رطل نصف من ہے شامی جلد دوم مطبوعہ ہند ص۷۶ میں ہے الرطل نصف من تو صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں چار من اناج آئے، اور من کو مد بھی کہتے ہیں جیسا کہ ردالمحتار جلد دوم مطبوعہ ہند ص۷۶ میں ہے المد والمن سواء کل منہما ربع صاع۔ اور من جس کو مد بھی کہتے ہیں چالیس استار کا ہوتا ہے، اور ہر استار ۴½ مثقال تو ہر من ایک سو اسی مثقال ہوا۔ شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص۲۲۲ میں ہے ان المن اربعون استارا والاستار اربعۃ مثاقیل ونصف مثقال فالمن مائۃ وثمانون مثقالا۔ تو صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں (۴ من × ۱۸۰ مثقال = ۷۲۰ مثقال) سات سو بیس مثقال اناج آئے۔ پھر اناج ہلکے بھاری ہر طرح کے ہوتے ہیں

صاع کی تقدیر میں کس اناج کا اعتبار ہے؟ تو بعض ائمہ نے ماش و عدس یعنی مسور اور اڑد کا اعتبار کیا ہے۔ اور حضرت صدر الشریعہ صاحب شرح وقایہ نے فرمایا کہ ماش و عدس گیہوں سے بھاری ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ پیمانہ جس میں آٹھ رطل یعنی ۳۲۰ مثقال ماش و عدس آئے گا چھوٹا ہوگا اور وہ پیمانہ جس میں ۳۲۰ مثقال گیہوں آئے گا بڑا ہوگا۔ لہٰذا زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ گیہوں کا اعتبار کیا جائے۔ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اصل عبارت یہ ہے: الماش اثقل من الحنطة والحنطة من الشعیر فالمکیال الذی یملأ بثمانیة ارطال من الماش یملأ باقل من ثمانیة ارطال من الحنطة الجیدة المکتنزة فالاحوط فیہ ان یقدر الصاع بثمانیة ارطال من الحنطة الجیدة۔ (شرح وقایہ جلد اول مجیدی ص ۲۲۹) اور چونکہ گیہوں جو سے بھاری ہوتا ہے لہٰذا وہ پیمانہ کہ جس میں آٹھ رطل یعنی ۳۲۰ مثقال جو آئے بڑا ہوگا اسی لئے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صاحب شرح وقایہ کی اس احتیاط کو ذکر کر کے فرمایا کہ سب سے زیادہ احتیاط یہ ہے کہ جو کا اعتبار کیا جائے بلکہ یہ بھی تحریر فرمایا کہ بعض علماء نے حاشیہ زیلعی سے نقل کیا ہے کہ حرم شریف مکہ معظمہ کے مشائخ موجودین و سابقین کا عمل اور فتویٰ اسی پر ہے کہ صاع کی تقدیر میں جو کا اعتبار کیا جائے جیسا کہ رد المحتار جلد دوم مطبوعہ دیوبند ص ۸۳ پر ہے: ولکن علی ھذا الاحوط تقدیرہ بالشعیر ولھذا افاد بعض المحشین عن حاشیة الزیلعی للسید محمد امین میرغنی ان الذی علیہ مشایخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلھم من مشایخھم وبہ کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیة ارطال من الشعیر ولعل ذالک لیحتاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین لما فی مبسوط السرخسی من ان الاخذ بالاحتیاط فی باب العبادات واجب اھ فاذا قدر بذالک فھو یسع ثمانیة ارطال من العدس ومن الحنطة ویزید علیھا البتة بخلاف العکس فھذا اعدل تقدیر الصاع بالشعیر احوط اھ۔ خلاصۂ کلام یہ ہے صاع وہ پیمانہ ہے کہ جس میں ۳۲۰ مثقال جو آئیں اسی میں سب سے زیادہ احتیاط ہے اور یہی حرم شریف مکہ معظمہ کے مشائخ کا معمول و مفتیٰ بہ ہے۔ اور مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے تو صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں (۳۲۰ مثقال × ۴½ ماشہ = ۳۲۴۰ ماشے) سات سو بیس مثقال یعنی تین ہزار دو سو چالیس ماشے جو آئیں۔ پھر چونکہ بارہ ماشے کا تولہ ہوتا ہے تو صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں (۳۲۴۰ ماشے ÷ ۱۲ = ۲۷۰ تولے) تین ہزار دو سو چالیس ماشے یعنی ۲۷۰ تولے جو آئیں۔ اور چوں کہ ایک روپیہ کا وزن سوا گیارہ ماشہ ہوتا ہے اس لئے صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں (۳۲۴۰ ماشے ÷ ۱۱¼ ماشے = ۲۸۸ روپیہ بھر) تین سو چالیس ماشے یعنی دو سو اٹھاسی روپیہ بھر جو آئیں۔ اور نصف صاع وہ پیمانہ ہوا کہ جس میں ایک سو چوالیس روپیہ بھر جو آئیں۔ پھر چونکہ گیہوں جو سے بھاری ہوتا

ہے توجس پیمانہ میں ایک سو چالیس روپیہ بھر جَو آئے گا اس پیمانہ میں گیہوں ایک سو چالیس روپیہ بھر سے زیادہ آئے گا۔ اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس کا تجربہ کیا تو وہ پیمانہ کہ جس میں ایک سو چالیس روپیہ بھر جَو آئے اسی پیمانہ میں ایک سو پچھتر روپیہ اٹھنی بھر گیہوں آئے۔ فتاوی رضویہ جلد اول ص۱۴۵ میں ہے کہ فقیر نے ۲۷ رمضان المبارک ۲۷ھ کو نیم صاع شعیری کا تجربہ کیا جو ٹھیک چار رطل جَو کا پیمانہ تھا اس میں گیہوں برابر ہموار سطح بھر کر تولے تو ایک سو چالیس روپیہ بھر جَو کی جگہ ایک سو پچھتر روپیہ آٹھ آنہ بھر گیہوں آئے، تو نصف صاع گیہوں صدقۂ فطر کا وزن ایک سو پچھتر روپیہ آٹھ آنہ بھر ہوا جو انگریزی سیر سے دو سیر تین چھٹانک آٹھ آنہ بھر ہے اس لئے کہ انگریزی سیر اسّی روپیہ بھر ہے یعنی پورے پچھتر تولے کا۔ اور نئے پیمانے سے نصف صاع گیہوں کا وزن ۲ کلو گرام $\frac{132}{191}$ ۴۰ گرام یعنی دو کلو اور تقریباً ۴۷ گرام ہوگا اس لئے کہ اسّی روپیہ بھر کا سیر ۹۳۳ گرام کا ہوتا ہے۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللّٰہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہٗ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۵ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ از محمد ابراہیم خاں چھاؤنی۔ ضلع بستی

اگر کسی نے عید کے دن صدقۂ فطر نہیں ادا کیا اور زیادہ دن گذر گیا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب صدقۂ فطر عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا سنت ہے لیکن اگر اس وقت نہیں ادا کیا تو اب ادا کردے۔ عید کے دن نماز سے پہلے ادا نہ کرنے پر ساقط نہ ہوگا۔ اور جب بھی ادا کرے ادا ہی ہے قضا نہیں ہے درمختار مع شامی جلد دوم ص۸۰ پر ہے صح اداءھا اذا قدمہ علی یوم الفطر او اخرہ اھ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ از محمد حسن محلہ باغیچہ التفات گنج۔ ضلع فیض آباد

عید کا دن آنے سے پہلے اگر صدقۂ فطر ادا کردیا تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب عید کا دن آنے سے پہلے ماہ رمضان میں بلکہ ماہ رمضان سے پہلے بھی صدقۂ فطر ادا کردیا تو جائز ہے فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۱۷۹ میں ہے ان قدموھا علی یوم الفطر جاز ولا تفصیل بین مدۃ ومدۃ وھو الصحیح۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ از فیضان رضا ——— اترولہ ۔ ضلع گونڈہ

اگر کسی کے پاس گیہوں نہ ہو اور وہ اس کی جگہ پر دھان یا چاول دینا چاہے تو صدقۂ فطر میں کتنا دھان یا چاول دینے سے بری الذمہ ہوگا؟

الجواب گیہوں، جو، کھجور اور منقی کے علاوہ دھان، چاول یا جوار و باجرہ وغیرہ کوئی دوسرا غلہ صدقۂ فطر میں دینا چاہے تو ان چاروں میں سے کسی ایک کی قیمت کا دوسرا غلہ دینے سے بری الذمہ ہوگا درمختار مع شامی جلد دوم صـــــ میں ہے مالم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ ——— جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ از محمد قابل صدیقی تھانہ روڈ سلی گوڑی ۔ دارجلنگ (مغربی بنگال)

اہلسنت وجماعت کے علاوہ دوسرے لوگوں کو چندہ دینا کیسا ہے؟

الجواب اہلسنت وجماعت کے علاوہ دوسرے تمام لوگ یا تو کافر مرتد ہیں اور یا تو گمراہ و بدمذہب اور ان میں سے کسی کو چندہ دینا جائز نہیں۔ ھکذا قال العلماء لاھل السنۃ کثّرھم اللہ تعالیٰ

کتبہ ——— جلال الدین احمد الامجدی
۸/ ذی القعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از محمد حنیف رضوی خطیب سنی رضوی مسجد کھاڑی کرلا بمبئی ۲۷

زید بمبئی میں رہتا ہے اور اس کے بچے وطن میں ہیں تو ان کے صدقۂ فطر کے گیہوں کی قیمت وطن کے بھاؤ سے ادا کرے یا بمبئی کے بھاؤ سے، اور زیورات جن کا وہ مالک ہے وہ وطن میں ہیں تو زکوۃ کی ادائگی میں کہاں کا اعتبار کرے؟

الجواب بچے اور زیورات جب کہ وطن میں ہیں تو صدقۂ فطر کے گیہوں میں بمبئی کی قیمت کا اعتبار کرنا ہوگا اور زیورات میں وطن کی قیمت کا لانہ یعتبر فی صدقۃ الفطر مکان المؤدی وفی الزکوۃ مکان المال۔ ھکذا قال صاحب الھدایۃ فی کتاب الاضحیۃ۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ ——— جلال الدین احمد الامجدی

کتاب الصوم

روزہ کا بیان

مسئلہ از منیر محی الدین احمد محلہ باغیچہ التفات گنج ۔ ضلع فیض آباد

کیا روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری ہے ؟ اگر کسی نے دس بجے دن تک کچھ کھایا پیا نہیں اور اس وقت روزہ کی نیت کر لی تو اس کا روزہ ہوگا یا نہیں ؟

الجواب ادائے رمضان کا روزہ اور نذر معین و نفلی روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری نہیں اگر ضحوۂ کبریٰ یعنی دوپہر سے پہلے نیت کر لی تب بھی یہ روزے ہو جائیں گے۔ اور ان تین روزوں کے علاوہ قضا رمضان، نذر غیر معین اور نفل کی قضا وغیرہ کے روزوں کی نیت عین اجالا شروع ہونے کے وقت یا رات میں کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے کسی روزہ کی نیت اگر دس بجے دن میں کی تو وہ روزہ نہ ہوا فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص ۱۲۸ میں ہے جاز صوم رمضان والنذر المعین والنفل بنیۃ ذالک الیوم او بنیۃ مطلق الصوم او بنیۃ النفل من اللیل الی ماقبل نصف النہار وھو المذکور فی الجامع الصغیر۔ وشرط القضاء والکفارات ان یبیت ویعین کذا فی النقایۃ وکذا النذر المطلق ھکذا فی السراج الوہاج۔ اور درمختار میں ہے یصح اداء صوم رمضان والنذر المعین والنفل بنیۃ من اللیل الی الضحوۃ الکبریٰ۔ والشرط للباقی من الصیام قران النیۃ للفجر ولو حکما وھو تبییت النیۃ اھ ملخصًا۔ ھذا ما عندی وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب ۔

کتبہ ـــــــــــــــ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ از عبد الرشید جام محلہ بھساول ضلع جلگاؤں (مہاراشٹر)

بغیر سحری کے روزہ رکھنا کیسا ہے؟

الجواب بغیر سحری کے روزہ رکھنا جائز ہے (فتاویٰ عالمگیری) مگر مستحب یہ ہے کہ سحری کھاکر روزہ رکھے کہ حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلتیں آئی ہیں طبرانی اوسط میں اور ابن حبان صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔ اور امام احمد حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سحری کل کی کل برکت ہے اسے نہ چھوڑنا اگرچہ ایک گھونٹ پانی ہی پی لے اس لئے کہ سحری کھانے والوں پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۴ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از محمد بشیر الدین قادری مسجد بانسرا کولیری پوسٹ رانی گنج ضلع بردوان

رمضان کے مہینے میں جب اذان شروع ہو تو روزہ افطار کریں یا اذان کے بعد؟

الجواب سورج ڈوبنے کے بعد بلا تاخیر فوراً افطار کریں اذان کا انتظار نہ کریں اور جو لوگ اذان سے غروب آفتاب پر مطلع ہوتے ہیں انہیں چاہیے کہ اذان ہوتے ہی فوراً افطار کریں ختم اذان تک افطار کو مؤخر نہ کریں حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان احب عبادی الی اعجلھم فطرا یعنی مجھے اپنے بندوں میں وہ شخص زیادہ پیارا ہے جو ان میں سب سے زیادہ جلد افطار کرتا ہے (احمد۔ ترمذی) اس لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ سورج ڈوبنے سے پہلے کسی صحابی کو حکم فرماتے کہ وہ بلندی پر جاکر سورج کو دیکھتا رہے۔ صحابی سورج کو دیکھتے رہتے اور حضور ان کی خبر کے منتظر رہتے جیسے ہی صحابی عرض کرتے کہ سورج ڈوب گیا حضور فوراً خرما تناول فرماتے (حاکم۔ طبرانی) رہا سوال اذان کے جواب دینے کا تو اس کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال مختلف ہیں بعض نے وجوب کو مطلق بیان کیا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۳ میں ہے یجب علی السامعین عند الاذان الاجابۃ اور بعض نے فرمایا کہ اجابت باللسان مستحب ہے اور اجابت بالقدم واجب ہے درمختار میں ہے یجب وجوبا وقال الحلوانی ندبا والواجب الاجابۃ بالقدم۔ اور بحر الرائق جلد اول ص۲۵۹ میں فتاویٰ قاضی خاں سے ہے اجابۃ المؤذن فضیلۃ وان ترکھا لا یاثم واما قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من لم یجب الاذان فلا صلوٰۃ لہ فمعناہ الاجابۃ بالقدم

لا باللسان فقط اور پھر بحر الرائق کے اسی صفحہ پر چند سطر کے بعد ہے الظاہر ان الاجابۃ باللسان واجبۃ اور طحطاوی علی مراقی ص۱۰۹ میں ہے اختلف التصحیح فی وجوب الاجابۃ باللسان والاظہر عدمہ غالبًا اسی اختلاف کے سبب حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دینے کو نہ واجب فرمایا نہ مستحب بلکہ مطلق رکھا جیسا کہ بہار شریعت حصہ سوم میں ہے جب اذان سنے تو جواب دینے کا حکم ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اذان ہونے سے پہلے افطار کرے پھر جب اذان شروع ہو جائے تو کھانا پینا بند کر دے اور اگر اذان شروع ہونے پر افطار کرے تو تھوڑا کھا پی کر ٹھہر جائے اذان کا جواب دے پھر اس کے بعد جو چاہے کھائے پیئے اس لئے کہ اذان کے وقت جواب کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول ہونا منع ہے جیسا کہ بحر الرائق جلد اول ص۲۵۹ میں ہے ولا یقرأ السامع ولا یسلم ولا یرد السلام ولا یشتغل بشیٔ سوی الاجابۃ ولو کان السامع یقرأ یقطع القراءۃ ویجیب اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۵۳ میں ہے لا ینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامۃ ولا یشتغل بقراءۃ القرآن ولا بشیٔ من الاعمال سوی الاجابۃ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ

از غفران احمد نئی سڑک کانپور

ماہ رمضان کے روزہ کی راتوں میں بیوی سے ہمبستری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید پارۂ دوم رکوع ۷ میں ہے اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ

از ارشاد حسین صدیقی بانی دار العلوم امجدیہ سنڈیلہ ضلع ہردوئی

ماہ رمضان کی رات میں ہمبستری کی اور میاں بیوی دونوں ناپاکی کی حالت میں روزہ رہے تو وہ گنہگار ہوئے یا نہیں اور ان کا روزہ ہوا یا نہیں؟

الجواب

حالت ناپاکی میں بھی میاں بیوی دونوں کا روزہ ہو گیا البتہ نماز نہ پڑھنے کے سبب دونوں سخت گنہگار ہوئے بحر الرائق جلد دوم ص۲۷۳ میں ہے لو اصبح جنبا لا یضرہ کذا فی المحیط۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۱۸۷ میں ہے من اصبح جنبا او احتلم فی النہار لم یضرہ کذا

فی محیط السرخسی۔ ھٰذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ از محمد احمد قادری بھوٹہری پوسٹ رام سنہی گھاٹ ضلع بارہ بنکی

ماہ رمضان میں بہت سے لوگ کھلم کھلا کھاتے گھومتے رہتے ہیں اور روزہ کا کوئی لحاظ نہیں کرتے ان کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ایسے لوگ جو کہ ماہ رمضان کے دنوں میں علانیہ قصداً بلا عذر کھاتے ہیں ظالم جفاکار سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں بادشاہ اسلام کو حکم ہے کہ ایسے لوگوں کو قتل کر دے درمختار میں ہے لو اکل عمداً شہرۃ بلا عذر یقتل۔ اسی کے تحت شامی جلد دوم صفحہ ۱۱۱ میں ہے قال اللہ تعالیٰ لانہ مستھزئ بالدین او منکر لما ثبت منہ بالضرورۃ ولا خلاف فی حل قتلہ والامر بہ اور جہاں بادشاہ اسلام نہ ہو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں پر سختی کریں اور ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (پ ۷ ع ۱۴) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ از حافظ محمد نعیم موضع کلنیاں پوسٹ کرمیا ضلع بستی

زید کہتا ہے کہ دو دو دفعہ کا روزہ رکھوا اور گاؤں کے لوگوں کو تاکید بھی کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ جو روزہ رکھے وہ گاؤں کے کسی آدمی کے یہاں نہ تو سحری کھائے اور نہ افطار کرے بلکہ دوسرے گاؤں سے کھانا منگوا کر سحری کھائے اور افطار کرے۔ تو شریعت مطہرہ میں دو دو دفعہ کا روزہ رکھنا کیسا ہے؟ اور جو اس طرح کا روزہ رکھنے کے لئے کہتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب ایسا روزہ کہ جس میں دوسرے گاؤں سے کھانا منگوا کر سحری اور افطار کرنے کی شرط ہو جہالت ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور جو اس طرح کا روزہ رکھنے کے لئے کہتا ہے وہ جاہل ہے۔ ھٰذا ما عندی وھو اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۱ر صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ از عطاء اللہ سہنیاں کلاں گونڈہ

۲۹ شعبان کو عصر کے وقت اگر چاند دکھائی دیا تو دوسرے دن رمضان شریف کی پہلی تاریخ مان کر روزہ رکھنا حرام ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ۲۹ شعبان کو عصر کے وقت اگر چاند دکھائی دیا تو دوسرے دن رمضان شریف کی پہلی تاریخ ہے اور روزہ رکھنا فرض ہے اگر نہ رکھیں گے تو گنہگار ہوں گے وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ بدرالدین احمد القادری الرضوی
۲۸ محرم الحرام ۷۷ھ

مسئلہ مسئولہ مہدی حسن خاں ساکن مروٹیا پوسٹ روضہ درگاہ ضلع گورکھپور

روزہ افطار کرنے کی دعا (اللھم لک صمت الخ) افطار کرنے سے پہلے پڑھنی چاہیئے یا بعد میں؟ زید کہتا ہے کہ افطار سے پہلے پڑھی جائے اور بکر کہتا ہے کہ بعد میں پڑھے تو کس کا قول صحیح ہے تحریر فرمائیں۔

الجواب روزہ افطار کرنے کی دعا افطار کے بعد پڑھی جائے بکر کا قول صحیح ہے حدیث شریف میں ہے عن معاذ بن زھرۃ قال ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا افطر قال اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت (مشکوٰۃ شریف ص۱۷۵) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں (کان اذا افطر قال) ای دعا و قال ابن الملک ای قرأ بعد الافطار۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۳ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ

مسئلہ از عرفان احمد اودھا گنج ضلع بستی

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین وملت اس مسئلہ میں کہ حالت روزہ میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

لک الحمد یا اللہ والصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

الجواب بعون الملک الوھاب تحقیق یہ ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا چاہے رگ میں لگایا جائے چاہے گوشت میں۔ کیونکہ اس کے بارے میں ضابطہ کلیہ یہ ہے کہ جماع اور اس کے

مفقات کے علاوہ روزہ کو توڑنے والی صرف وہ دوا اور غذا ہے جو مسامات اور رگوں کے علاوہ کسی منفذ سے صرف دماغ یا پیٹ میں پہنچے، درمختار مع شامی جلد دوم ص۱۰۲ میں ہے الضابط وصول ما فیہ صلاح بدنہ لجوفہ ردالمحتار میں ہے الذی ذکرہ المحققون ان معنی المفطر وصول ما فیہ صلاح البدن الی الجوف اعم من کونہ غذاء او دواء اور فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۹۱ میں ہے اکثر المشائخ علی ان العبرۃ للوصول الی الجوف والدماغ۔ ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ غذا اور دوا اسی وقت روزہ توڑے گی جب دماغ یا پیٹ تک کسی منفذ سے پہنچے بلکہ بعض حضرات نے صرف منفذ تک پہنچنے پر اکتفا فرمایا ہے اس لئے کہ ان کی تحقیق پر دماغ سے پیٹ تک براہ راست تعلق ہے شامی جلد دوم ص۱۰۳ میں بحر سے ہے التحقیق ان بین جوف الراس وجوف المعدۃ منفذا اصلیا فما وصل الی جوف الراس یصل الی جوف البدن۔ مسامات اور رگوں کی وساطت کے بغیر پہنچنے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ عامہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر دماغ یا پیٹ کے زخم میں دوا ڈالی تو روزہ اس وقت ٹوٹے گا جب کہ دوا درحقیقت دماغ اور پیٹ میں پہنچ جانے کا ظن غالب ہو درمختار مع شامی جلد دوم ص۱۰۸ میں ہے او اقطر فی اذنہ دھنا او داوی جائفۃ او آمۃ فوصل الدواء حقیقۃ الی جوفہ ودماغہ لفظ حقیقۃ کا یہی فائدہ ہے کہ دوا اگر زخم کے شگاف سے دماغ یا پیٹ میں پہنچی تو روزہ ٹوٹ گیا اور رگوں یا مسامات کے ذریعہ پہنچی تو نہیں ٹوٹا ورنہ قید بیکار ہے اس لئے کہ جب کوئی دوا خصوصا تر دوا ڈالی جائے گی تو عروق و مسامات کے ذریعہ ضرور دماغ تک پہونچے گی۔ اگر عروق و مسامات کے ذریعہ دوا کا پہونچنا روزہ کو توڑ دیتا تو یہ قید بیکار تھی بنا ء علیہ یہ تصریح ہے کہ اگر آنکھ میں دوا ڈالی یا سرمہ لگایا تو روزہ نہیں ٹوٹا اگرچہ دوا کا قطرہ حلق میں محسوس ہو کر سرمہ تھوک یا رینٹھ کے ساتھ نکلے فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۹۱ میں ہے لو اقطر شیئا من الدواء فی عینہ لا یفسد صومہ عندنا وان وجد طعمہ فی حلقہ واذا بزق فرئی اثر الکحل ولونہ فی بزاقہ عامۃ المشائخ علی انہ لا یفسد صومہ کذا فی الذخیرۃ۔ وھو الاصح ھکذا فی التبیین اور درمختار مع شامی جلد دوم ص۹۸ میں ہے او ادھن او اکتحل وان وجد طعمہ فی حلقہ اسی کے تحت شامی میں ہے ای طعم الکحل او الدھن کما فی السراج وکذا لو بزق فوجد لونہ فی الاصح بحر۔ قال فی النہر لان الموجود فی حلقہ اثر داخل من المسام الذی ھو خلل البدن والمفطر انما ھو الداخل من المنافذ للاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد بردہ فی باطنہ انہ لا یفطر دیکھئے صاحب نہر نے تصریح کر دی کہ حلق میں جو محسوس ہو تھوک میں جو آیا وہ چونکہ مسام کے ذریعہ آیا

لہذا روزہ توڑنے والا نہیں، روزہ توڑنے والا وہ ہے جو منفذ سے دماغ یا پیٹ تک پہونچے۔ اسی طرح یہ جزئیہ ہے کسی نے اپنے سوراخ ذکر میں تیل ڈالا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اگرچہ تیل مثانہ تک پہنچ جائے اور علت یہ بیان فرمائی کہ سوراخ ذکر اور پیٹ کے درمیان منفذ نہیں ہدایہ جلد اول ص۲۰۲ میں ہے لو اقطر فی احلیلہ لم یفطر عند ابی حنیفۃ وقال ابو یوسف یفطر وقول محمد مضطرب فیہ فکانہ وقع عند ابی یوسف ان بینہ وبین الجوف منفذا ولھذا یخرج منہ البول ووقع عند ابی حنیفۃ ان المثانۃ بینھما حائل والبول یترشح منہ۔ اور ردالمحتار جلد دوم ص۱۰۲ میں ہے ای قول ابی حنیفۃ ومحمد معہ فی الاظہر وقال ابو یوسف یفطر والاختلاف مبنی علی انہ ھل بین المثانۃ والجوف منفذ اولا وھو لیس باختلاف علی التحقیق والاظہر انہ لا منفذ لہ وانما یجتمع البول فیھا بالترشح کذا یقول الاطباء زیلعی وافاد انہ لو بقی فی قصبۃ الذکر لا یفسد اتفاقا ولا شک فی ذالک۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کا اختلاف اس پر مبنی ہے کہ سوراخ ذکر اور پیٹ کے درمیان منفذ ہے یا نہیں، مسامات کے وجود سے کسی کو انکار نہیں۔ اگر مسامات کے ذریعہ پہنچنا روزہ توڑتا تو سوراخ ذکر میں تیل ڈالنا بالاتفاق روزہ توڑ دیتا۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۱۹۰ میں صاف تصریح ہے۔ وما یدخل من مسام البدن من الدھن لا یفطر ھکذا فی شرح المجمع۔ ثابت ہوگیا کہ اندرون جسم کسی جگہ دوا یا غذا کا مسام کے ذریعہ پہنچنا روزہ نہیں توڑتا۔ جب یہ ذہن نشین ہوگیا کہ روزہ توڑنے والی وہ دوا اور غذا ہے جو مسامات کے علاوہ کسی منفذ سے دماغ اور پیٹ تک پہنچے تو اب انجکشن کی حقیقت پر غور کیجئے، جو انجکشن گوشت میں لگتا ہے اس کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ وہ پورے جسم میں مسامات ہی کے ذریعہ پہونچتا ہے لہذا اس سے روزہ کا نہ ٹوٹنا ظاہر ہے۔ رہ گیا رگ کا انجکشن تو دوا کے جسم میں پہونچنے کی کیفیت یہ ہے کہ دوا خون کے ساتھ جسم میں پھیلتی ہے۔ ماہرین تشریح جانتے ہیں کہ خون رگوں سے دل میں جاتا ہے اور وہاں سے پھر واپس رگوں میں آتا ہے دل سے دماغ اور پیٹ تک کوئی منفذ نہیں اس لئے رگوں کے انجکشن سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۳۰ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

مسئلہ از محمد اسرائیل رضوی مدرسہ حشمت العلوم گائے ڈیہہ ضلع گونڈہ

بہار شریعت حصہ پنجم ص۱۸۱ میں روزہ کے متعلق ہے کہ بھیگی انگلی پاخانہ کے مقام میں اس جگہ رکھی جہاں عمل دیتے وقت حقنہ کا سرا رکھتے ہیں تو روزہ جاتا رہا۔ تو یہاں عمل سے کیا مراد ہے؟ اور حقنہ کے کیا معنی ہیں؟

الجواب یہاں عمل سے مراد دوا ہے اور حقنہ سے مراد پچکاری ہے یعنی جہاں دوا پہنچانے وقت پچکاری کا سہارا لیتے ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۸؍ شوال ۱۴۰۲ھ

مسئلہ مسئولہ الحاج خواجہ عبد السمیع کاٹھمنڈو (نیپال)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین دریں مسئلہ کہ نیپال کا شہر کاٹھمنڈو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اکثر و بیشتر آسمان ابر آلود رہتا ہے جس کے باعث پورے سال میں چند ہی مہینہ کا چاند نظر آتا ہے اور نہ کوئی یہاں ہلال کمیٹی ہے تو کیا پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش کی رویت ہلال کمیٹیوں کے اعلانات پر جو بذریعہ ریڈیو پا اس کے جاتے ہیں . بڑے بڑے مفتی اور عالم کے حوالے سے کرتے ہیں بڑی ذمہ داری سے اطلاع دیتے ہیں ہم کاٹھمنڈو کے مسلمان عید، بقرعید، شبرات، محرم، معراج کے مراسم ادا کریں یا نہیں فی الحال ایک فتویٰ مولوی عون احمد پھلواری کا آیا ہے جسے کتابچہ کی شکل میں شائع کیا ہے جس میں موصوف نے لکھا ہے کہ ریڈیو کا اعلان مانا جائے گا اس اعلان پر عمل کیا جائے گا اس کے لئے انھوں نے دو دلیلیں پیش کیا ہے عالمگیری کی یہ عبارت ہے خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فسقا کذا فی الجواھر الاخلاطی (فتاویٰ عالمگیری) دوسری عبارت رد المحتار شامی کی ہے قلت والظاھر انه یلزم اھل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیة القنادیل من المصر لانه علامة ظاھرة تفید غلبة الظن حجة موجبة للعمل کما صرحوا شامی ص۱۳۶ ج ۲۔ اس عبارت کے نقل کے بعد قمطراز ہیں جزیہ مذکورہ کا منشا یہ ہے کہ رمضان کے چاند کا اعلان کسی شہر سے ڈھول کے ذریعہ کیا جائے یا روشنی جلا کر یا فائر کر کے تو دیہات اور دور دراز کے جن لوگوں نے چاند نہ دیکھا ہے ان پر اس اطلاع سے روزہ لازم ہو جائے گا تو اگر اس وقت جدید طریقے سے مثلاً ریڈیو کے ذریعہ کیا جائے تو روزہ واجب ہو جائے گا کیوں کہ چاند کے اعلان کے لئے ریڈیو کا پہلے سے متعین کیا جانا علامت ظاہرہ ہے اور علامت ظاہرہ سے غلبۂ ظن ہوتا ہے جو حجت شرعی ہے پھر اپنے فتوے کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں لیکن اس فیصلہ کا اہل کاٹھمنڈو کے عوام کو نہ ہوگا کہ وہ جب چاہیں ہندوستان کے ریڈیو کا اعلان سن کر منا شروع کر دیں یہ صحیح نہ ہوگا۔ بلکہ وہاں ایک کمیٹی بنا دی جائے جس میں تین یا پانچ ارکان ہوں اس میں دو عالم دین ہوں بقیہ اہل نظر اہل سمجھ دین دار مسلمان جب ہندوستان کے ریڈیو سے اعلان ہوا اور کاٹھمنڈو میں رویت نہیں ہوئی ہو تو اسی وقت

اس کمیٹی کا جلسہ طلب کیا جائے اور ارکان کمیٹی اعلان رویت کی اپنے طور پر تحقیق کرکے اس سے اطمینان کرلیں پھر فیصلہ کریں اور اس کا اعلان وہاں کے عوام کے سامنے کردیں۔ عون احمد پھلواری نے یہ بھی لکھا ہے کہ ریڈیو کے اس اعلان پر شہر کے توابع اور متحد المطالع مقامات میں روزہ رکھنا لازم ہوگا اور اگر عید کے چاند کا اعلان ہو تو ایک ریڈیو اسٹیشن کا یہ نشریہ ثبوت کے لئے کافی نہ ہوگا ہاں اگر متعدد (تین سے کم نہ ہو) تو عید منانا درست ہوگا۔ اور متحد المطالع کے متعلق لکھتے ہیں ایسے مقامات جن کے درمیان ایک دن کا فرق نہیں ہوتا وہ متحد المطلع ہیں اس عبارت سے نیپال کاٹھمنڈو ہندوستان کا متحد المطلع ہوا کیوں کہ طلوع وغروب میں کل ۱۲ منٹ یا ۱۴ منٹ کا فرق بتایا جاتا ہے دوسرا فتوی مفتی جمعیۃ علمائے ہند دہلی کا ہے جو مذکورہ بالا مولوی عون احمد صاحب کے فتوی کے مطابق ہے لکھا ہے ریڈیو کی اطلاع خبر ہے شہادت نہیں ہاں اگر اعلان کیا جائے کہ چاند ہوگیا یا شہادت سے ثابت ہوگیا ہے اور فلاں ذمہ دار اعلان ثبوت رویت کرتا ہے تو اس خبر کو کمیٹی رویت ہلال صحیح سمجھے تو اس کا فیصلہ بمنزلہ حکم قاضی ہوگا۔ مفصل بیان فرماکر کرم فرمائیں!

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب شریعت مطہرہ نے دربارۂ ثبوت ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شرعیات میں شہادت شرعیہ یا استفاضہ شرعیہ پر معلق فرمایا ہے درمختار ص۹۹ جلد۲ میں ہے فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب کما مر اھ علامہ حلبی اور علامہ طحطاوی اور علامہ شامی فرماتے ہیں کان یتحمل اثنان الشھادۃ او یشھدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر بخلاف ما اذا اخبران اھل بلدۃ کذا رأوہ لانہ حکایۃ۔ دوسرے شہر سے کچھ لوگوں کا آکر یہ کہنا بلکہ شہادت دینا کہ فلاں جگہ چاند ہوا بلکہ اگر اس طرح بھی شہادت دیں کہ فلاں شہر میں لوگوں نے چاند دیکھا ہے اور قاضی شہر نے وہاں کے لوگوں سے روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم کیا ہے یہ سب طریقہ ثبوت کے لئے شرعًا ناکافی ہیں درمختار ہی میں ہے لا لو شھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ اھ قال الشامی (قولہ لانہ حکایۃ) فانہم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم کذا فی فتح القدیر قلت وکذا لو شھدوا برؤیۃ غیرھم وان قاضی تلک المصر امر الناس بصوم رمضان لانہ حکایۃ لفعل القاضی ایضا ولیس بحجۃ اھ فتح القدیر فتاوی عالمگیری ص۱۸۹ ج۱ میں ہے انما یلزم الصوم علی متاخری الرؤیۃ اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب حتی لو شھد جماعۃ ان اھل بلدۃ قد رأوا ھلال رمضان قبلکم

یوم فصاموا وھذا الیوم ثلاثون بحسابھم ولم یروا ھؤلاء الھلال لایباح فطر غد ولا تترک التراویح فی ھذہ اللیلۃ لانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم ان عبارات فقہاء سے ظاہر ہوا کہ دربارۂ ثبوت دوسرے شہر سے ریڈیو، تار، ٹیلیفون واخبار کی خبر بے کار وبے اعتبار ہیں۔ اگر شریعت مطہرہ میں گنجائش ہوتی تو ان آنے والے عادل پرہیزگار لوگوں کی خبر اور شہادت کا اعتبار ضرور فرماتے پھر ٹیلیفون وریڈیو کی بے اعتباری تو اس سے زیادہ ہے یہی فقہا تصریح فرماتے ہیں کہ آڑ سے جو آواز سنی جائے اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہو سکتی کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے تو ریڈیو اور ٹیلیفون وغیرہ کی خبروں میں نہ صرف آڑ بلکہ کوسوں کا فاصلہ ہے وہ کب معتبر ہوگی تبیین اور پھر عالمگیری میں ہے لو سمع من وراء الحجاب لایسعہ ان یشھد لاحتمال ان یکون غیرہ اذ النغمۃ یشبہ النغمۃ اھ۔ ریڈیو ٹیلیفون جن کی ایجاد ہے وہ بھی دربارۂ شہادت اسے ناکافی جانتے ہیں تو شرع شریف میں کب اعتبار ہوگا اور فتاوی عالمگیری وردالمحتار کی ان عبارتوں کو جو سوال میں درج ہیں دلیل بنانا غلط و باطل ہے اسے اس مقام سے تعلق نہیں وہ تو اپنے شہر کے اعلان کے لئے ہے شہر یا حوالی شہر کے دیہات والوں کے لئے ثبوت ہلال کے واسطے دلیل ہے نہ کہ دوسرے شہر والوں کے لئے جیسا کہ ان عبارتوں میں تصریح ہے آخر یہی علماء دربارۂ ثبوت ہلال دوسرے شہر کے واسطے وہ فرماتے ہیں جو اوپر مذکور ہوا تو ان کے صریح ارشادات کو چھوڑ کر مقام سے بیگانہ عبارت کو دلیل بنانا کس قدر باطل ہے پھر اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اسلامی شہر میں حاکم شرع معتمد کے حکم سے توپوں کے فیر ہوں یا روشنی کی جائے اور ان لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو کہ بادشاہ اسلام یا قاضی شہر کی طرف سے ایسا ہوتا ہے اور آجکل جو خود ساختہ قاضی یا مفتی ریڈیو سے اعلان کرتے ہیں وہ نہ شرعی قاضی نہ مفتی نہ ان کا اعلان حجت۔ متحد المطلع کی تخصیص بھی فضول ہے ہمارے ائمہ کا مذہب معتمد یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے درمختار کے متن تنویر الابصار میں ہے واختلاف المطالع غیر معتبر علی المذھب اور علامہ شامی کا فرمان وہ ان کی اپنی رائے ہے اور حدیث شریف صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ نص ہے مسلمان اس پر عمل کرے جو اللہ ورسول (جل وعلی وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کا فرمان ہے اور کسی شخص کا ایسا حکم جو اللہ ورسول کے ارشاد کے خلاف ہو قطعاً غیر معتبر ہے ہرگز قابل عمل نہیں ہے۔ کالمنڈو والوں پر یہی ہے کہ جب چاند دیکھیں تو روزہ رکھیں عید کریں ورنہ تیس کی گنتی پوری کریں اور دوسری جگہ سے شہادت شرعیہ آجائے تو اس کے مطابق عمل کریں۔ ریڈیو ٹیلیفون وغیرہ محدثات کی خبروں کو دین کے معاملہ میں بنائے کار نہ بنائیں۔ والمولی

تعالیٰ اعلم۔ کتبہ محمد عیسیٰ قادری

۲۴ / ربیع الآخر

مسئلہ از صدر مسجد چوک، بھدراوتی۔ ضلع شیموگہ (کرناٹک)

بروز سنیچر ۲۹ / رمضان المبارک کی شام یہاں پر اور اطراف واکناف میں دور دور تک ابر وبارش کی وجہ سے عید الفطر کا چاند نظر نہیں آیا مگر دیگر بیرونی مقامات سے بذریعہ ٹیلیفون وہاں عید الفطر بروز یکشنبہ منائی جانے کی اطلاعات موصول ہوئیں۔ وہاں اور دیگر مقامات میں عید الفطر بروز یکشنبہ ہی منائی جانے کی اطلاعات بذریعہ ریڈیو نشر ہوئیں ہماری ریاست کرناٹک کے شہر بنگلور میں ریاستی سطح پر رویت ہلال کے لئے ایک ہلال کمیٹی قائم کی گئی ہے کمیٹی نے بروز یکشنبہ عید الفطر منائی جانے کا فیصلہ دیا جس کی اطلاع ریڈیو ٹیلیفون سے ہمیں موصول ہوئیں ہمارے شہر بھدراوتی اور شہر شیموگہ کی مساجد میں بفضلہ تعالیٰ اہلسنت والجماعت کے علمائے کرام امامت کے منصب پر فائز ہیں ان علمائے اہلسنت میں سے چند بروز یکشنبہ عید منانے کا فیصلہ کیا ہمارے شہر بھدراوتی میں ایک قومی ادارہ اصلاح المسلمین کے نام سے موجود ہے اس ادارے کی جانب سے بروز یکشنبہ عید منانے کا فیصلہ کیا ان تمام حالات کے باوجود ہمارے مسجد کے امام صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ ریڈیو، ٹیلیفون، ابدتار سے جو اطلاعات ملی ہیں وہ شرعی اعتبار سے عینی شہادت میں شمار نہیں کی جاسکتی لہٰذا ۲۹ روزے ہوتے ہیں شریعت کے تحت ۳۰ روزے پورے کرنا ہے نیز میں روزہ رہوں گا اس لئے میں عید کی نماز نہیں پڑھا سکتا جب کہ شہر بھر میں عید منائی گئی۔ امام صاحب اور مقتدیوں میں اس بنا پر جو اختلافات شرعی پیدا ہوگئے ہیں اس شرعی اختلافات پر مندرجہ ذیل مسائل رونما ہوئے ہیں جن پر شریعت کی روشنی میں فتوے درکار ہیں۔

(۱) مندرجہ بالا حالات کے تحت امام اور مقتدیوں میں جو شرعی مسئلہ پر اختلافات پیدا ہوگئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان دلوں میں کراہت اور رنجش پیدا ہوئی ہے ایسی حالت میں امام صاحب کی امامت میں مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ (۲) انھیں حالات کے تحت اسی شہر کے دیگر علمائے کرام بروز یکشنبہ عید منائی ان علمائے کرام کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتصوموا حتی تروا الھلال ولا تفطروا حتی تروہ فان غم علیکم فاقدروا لہ وفی روایۃ قال الشھر تسع وعشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم

علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین۔ یعنی جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ چھوڑو اور اگر ابر یا غبار ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو تیس۳۰ دن کی مقدار پوری کرلو اور ایک روایت میں ہے کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے پس تم جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور اگر تمہارے سامنے ابر یا غبار ہو تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو (مشکوٰۃ ص۱۷۴) اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلثین۔ یعنی چاند دیکھکر روزہ رکھنا شروع کردو اور چاند دیکھکر روزہ چھوڑو اور اگر ابر ہو تو شعبان کی گنتی تیس پوری کرلو۔ (بخاری مسلم مشکوٰۃ ص۱۷۴) لہذا اگر ۲۹ رمضان کو چاند نظر نہ آئے تو حدیث شریف کے مطابق مسلمانوں پر تیس کی گنتی پوری کرنا لازم ہے اور اگر ایک شہر میں چاند کا ثبوت شرعی ہوجائے تو دوسرے شہر میں ریڈیو کی خبر پر روزہ چھوڑنا اور عید کرنا جائز نہیں ہاں اگر دوسرے شہر میں بھی ثبوت شرعی ہوجائے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شریعت کے مطابق وہاں سے آکر چاند دیکھنے کی گواہی دیں یا حکم قاضی پر شہادت دیں یا خبر مستفیض یا خبر متواتر سے چاند ہونے کا علم ہوجائے تو اس دوسرے شہر میں بھی عید منانا جائز بلکہ ضروری ہے لیکن ریڈیو کی خبر خبر مستفیض نہیں اور نہ چاند دیکھنے کی شہادت ہے نہ حکم قاضی پر شہادت ہے لہذا ٹیلیفون اور ریڈیو کی خبر عید کے چاند کے لئے شرعاً معتبر نہیں کہ یہ نئے آلات خبر پہونچانے میں تو کام آسکتے ہیں لیکن شہادتوں میں معتبر نہیں ہوسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹیلیفون اور ریڈیو کی خبروں پر کچہریوں کے مقدموں کا فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ گواہوں کو حاضر ہوکر گواہی دینی پڑتی ہے اور جب دنیوی معاملات میں موجودہ کچہری کا قانون ٹیلیفون اور ریڈیو کے ذریعہ گواہی ماننے کو تیار نہیں تو پھر دینی معاملات میں شریعت کا قانون ان کے ذریعہ خبر یا گواہی کو کیونکر مان سکتا ہے رہا ہلال کمیٹی کا اعلان تو آج کل بہت سے مقامات پر ہلال کمیٹیاں قائم ہیں جن کے ممبران عموماً مسائل شرعیہ سے ناواقف ہیں اسی لئے ریڈیو کی خبر پر عید منانے کا اعلان کردیتے ہیں اور بہت سے جاہل عالموں کا لباس پہنکر علمائے اہلسنت کہلاتے ہیں جو مسلمانوں کو گمراہی کے راستے پر ڈالتے ہیں ان کا اعلان عند الشرع ہرگز معتبر نہیں اور نہ اس پر عمل کرنا جائز لہذا صورت مذکورہ میں صرف ریڈیو کے اعلان پر جس امام نے یکشنبہ کو عید منانے کی مخالفت کی وہ حق پر ہے اور مقتدی غلطی پر اس کے پیچھے مقتدیوں کی نماز بلاشبہ جائز اور حکم شرع پر عمل کرنے کے سبب امام سے رنجش رکھنا گناہ (۲) صورت مسئولہ میں جن لوگوں نے ریڈیو کے اعلان پر یکشنبہ کو عید منانے کا فیصلہ کیا وہ خطا کار و گنہگار ہیں ان پر توبہ لازم ہے کہ ان کا فیصلہ شریعت کے فیصلے کے مخالف ہے۔ وھو تعالیٰ

اعلم ۔ کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۸؍ ذو القعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از حاجی مدار بخش محلہ دمدمہ کالپی ضلع جالون

کالپی سے ایک مسلمان کانپور مفتی صاحب کے پاس عید کے چاند کی سند لینے گیا بدھ کے سویرے قریب ۱۰ بجے صبح چاند کی تصدیق ہو گئی کہ آج عید ہے لہذا مفتی صاحب نے خود روزہ توڑ دیا اور اعلان کرادیا سب مسلمانوں نے بھی روزہ توڑ دیا پھر مفتی صاحب نے جو آدمی کالپی سے سند لینے گیا تھا اس کو سند لکھ دی اور مہر بھی لگادی پھر وہ شخص کالپی سند لے کر آیا لہذا مفتی صاحب کی تحریر اور مہر دیکھ کر امام صاحب اور سب مسلمانوں نے روزے توڑ دیئے صرف دو چار چند مسلمانوں نے نہیں توڑے تو کیا دو چار چند مسلمانوں نے جنھوں نے روزے نہیں توڑے ان کے اوپر کوئی شرعی حکم ہوتا ہے یا جنھوں نے روزے توڑ دیئے ان سب کے اوپر کوئی شرعی قانون و حکم لاگو ہوتا ہے؟

الجواب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں کتاب القاضی الی القاضی" یعنی قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے (اور قاضی شرع نہ ہونے کی صورت میں شہر کے سب سے بڑے سنی صحیح العقیدہ مرجع فتویٰ عالم کے سامنے) شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام و نشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہوا اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کرے کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لئے کافی سمجھے تو عمل کر سکتا ہے (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۵۵۵) لہذا صورت مستفسرہ میں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کانپور شہر کے سنی مرجع فتویٰ عالم نے تحریر لکھی اور یہ بھی مان لیا جائے کہ کالپی کے سب سے بڑے عالم کے نام اس نے تحریر لکھی اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ تحریر اس نے عادل یعنی متقی پرہیزگار جماعت سے نماز پڑھنے کا پابند اور داڑھی باشرع رکھنے والے مسلمان کے سپرد کی تو بھی اس تحریر پر روزہ توڑنا جائز نہیں اس لئے کہ مفتی کو تحریر کا دو گواہان عادل کے سپرد کرنا ضروری ہے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۵۵۵ (؟) اور غنیہ سے ہے لایقبلہ ایضا الا بشہادۃ رجلین او رجل وامرأتین لان الکتابۃ قد یزور اذ الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم فلا یثبت الا بحجۃ تامۃ۔ اور صورۃ مسئولہ میں کانپور کے مفتی نے دو عادل گواہوں کو تحریر سپرد کرنے کی بجائے

ایک کے سپرد کیا اس لئے وہ تحریر قابل اعتبار نہیں لہذا جن لوگوں نے اس تحریر پر روزہ توڑ دیا ان پر توبہ و استغفار لازم ہے مگر ان پر روزہ کی قضا فرض نہیں کہ بعد میں منگل کی شام کا چاند ثابت ہو گیا ھذا ما عندی والعلم عند المولیٰ تعالیٰ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از محمد مطیع الرحمٰن مدرسہ احیاء العلوم تھتیاں بلور ضلع مظفر پور

میرا قیام ان دنوں بسلسلۂ درس و تدریس مدرسہ احیاء العلوم موضع تھتیاں مظفر پور میں ہے یہاں نہ میں نے اور نہ کسی بھی مسلمان نے ۲۹ رجب کو چاند دیکھا میں نے مقامی مسلمانوں کو بتایا کہ رجب کے تیس دن پورے کرنے کے بعد شب برأت منگل کو کرو پھر شعبان کی ۲۹ کو بھی تھتیاں میں نہ چاند دیکھا گیا اور نہ کوئی شہادت شرعی پہونچی میں نے لوگوں کو بتایا کہ شعبان بھی تیس دن پورے کرو۔ اس طرح سے یہاں کے لوگوں نے رمضان کا روزہ جمعہ کے دن سے شروع کیا رمضان میں جب میں کلکتہ پہونچا تو مجھے معلوم ہوا کہ کلکتہ میں شعبان و رمضان کی رویت بالترتیب ۲۹ رجب و شعبان کو ہوئی میں نے اہل تھتیاں کو دو روزہ کی قضا کا حکم دیا اور خود بھی اس پر عمل کیا کیونکہ اس سال رمضان میں روزے ۳۰ رہے تھے میرے اس طرز پر کچھ لوگوں کو اعتراض ہے ان کا کہنا ہے کہ مولانا کے مسئلہ بتانے کی وجہ سے تھتیاں میں رمضان کے ۲۸ روزے ہوگئے لہذا ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ بالا میں کیا میں عند الشرع مجرم ہوں مفصل و مدلل جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مذکورہ میں آپ نے عین شریعت کے مطابق کیا۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان غم علیکم فاکملوا عدۃ شعبان ثلثین یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھنا شروع کرو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر چاند نظر نہ آئے تو شعبان کی گنتی ۳۰ پوری کرو لہذا آپ ہرگز مجرم نہیں بلکہ جو لوگ آپ کو مجرم ٹھہرانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ خود ہی بہت بڑی غلطی پر ہیں خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو شریعت کی باتوں کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از الحاج عبد السمیع اندر چوک۔ کاٹھمنڈو۔ (نیپال)

(۱) کاٹھمنڈو راج نیپال کی راجدھانی ایسی جگہ پر واقع ہے کہ جہاں پر ابر و باد کی وجہ سے اکثر ۲۹ر کا چاند نظر نہیں آتا تو اگر تار، ٹیلیفون سے چاند کی خبر آئے تو اس خبر کو مان کر روزہ رکھنا یا عید الفطر یا عید قربانی کرنا کیسا ہے؟
(۲) اگر کوئی شخص ریڈیو پاکستان کے اعتبار سے دس ذی الحجہ کو اور رویت یا شہادت شرعی ۹ر ذی الحجہ کو قربانی کرلے تو اس کی قربانی ہوگی یا نہیں، یعنی ریڈیو کے اعتبار سے ۱۰ر تاریخ ہوتی ہے اور دیکھنے یا گواہی کے اعتبار سے ۹ر ذی الحجہ کا ثبوت ہوتا ہے تو ایسی صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب (۱) سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الشھر تسع وعشرون لیلۃ فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین یعنی کبھی مہینہ ۲۹ر دن کا ہوتا ہے پس تم جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور اگر تمہارے سامنے ابر یا غبار ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کرلو (بخاری، مسلم) لہٰذا اگر ۲۹ر کا چاند نظر نہ آئے تو حضور کے ارشاد کے مطابق ۳۰ر کی گنتی پوری کرنا ضروری ہے تار، ٹیلیفون کی خبر پر ۲۹ر کا چاند ماننا ہرگز ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ یہ آلات خبر پہونچانے میں تو کام آسکتے ہیں لیکن شہادتوں میں نہیں معتبر ہو سکتے یہی وجہ ہے کہ خط، تار، ٹیلیفون، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی خبروں پر موجودہ کچہریوں کے مقدموں کا فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ گواہوں کو حاضر ہو کر گواہی دینی پڑتی ہے، اور جب دنیوی جھگڑوں میں موجودہ کچہری کا قانون ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ گواہی ماننے کو تیار نہیں تو پھر دینی امور میں شریعت کا قانون ان کے ذریعہ گواہی کیونکر مان سکتا ہے۔ (۲) پاکستان ہو یا عرب کسی ریڈیو کی خبر پر بلا ثبوت شرعی ۹ر ذی الحجہ کو ۱۰ر ذی الحجہ قرار دے کر قربانی کی تو قربانی نہ ہوگی۔ افسوس کہ بعض دنیا دار اپنی ناقص عقل کو حکم شرعی میں دخیل ٹھہرا کر اپنی عبادتوں کو برباد کرتے ہیں اور مستحق عذاب نار ہوتے ہیں خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کو سمجھ عطا فرمائے کہ عبادت کو شریعت کے مطابق ادا کریں اور شرعی معاملہ میں اپنی ناقص عقل کو دخیل نہ بنائیں۔ ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
یکم ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ از محمد عبد اللہ علیمی، علی منزل پی ڈبلو ڈی چوک ماڑی پور مظفر پور (بہار)
(۱) ریڈیو، ٹیلی ویژن، خط، تار، ٹیلی گرام، ٹیلی فون کے ذریعہ اگر رویت ہلال کی اطلاع ملے تو عند الشرع معتبر ہے یا نہیں؟ (۲) زید کا کہنا ہے کہ ان ایجادات نو سے دور حاضر میں فائدہ نہ حاصل کرنا قدامت پسندی اور خلاف عقل ہے کیا زید کا قول مانا جا سکتا ہے اور رویت ہلال کے سلسلے میں سوال نمبر ۱ میں درج اشیاء کے ذریعہ ملنے والی اطلاع کو

ثابت ہو جائے تو روزہ کی قضا لازم نہیں مگر توبہ استغفار بہر صورت ضروری ہے۔ (۲) اگر بعد شہادت شرعیہ ۲۹ ر کی رویت ثابت ہو جائے تو ماہ شوال کی تاریخ ۲۹ ر کے حساب سے مانی جائے گی۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ ر شوال المکرم ۱۳۹۱ھ

مسئلہ از غلام محی الدین صدیقی خطیب مسجد شاہجہانی درگاہ خواجہ اجمیر شریف (راجستھان)

زید مولوی ہے وہ کہتا ہے کہ داڑھی صرف انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے لہذا داڑھی منڈوانے والوں کی شہادت رویت ہلال کے ثبوت کے لئے کافی ہے قابل تسلیم ہے۔ تو کیا واقعی داڑھی کی حیثیت اس سے زائد نہیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور داڑھی منڈوانے والوں کی شہادت پر رویت ہلال کا ثبوت ہو سکتا ہے؟ (۲) اختلاف مطالع احناف کے نزدیک معتبر ہے یا نہیں؟ اگر معتبر ہے تو کتنی دور تک کی شہادت قابل تسلیم ہے اگر معتبر نہیں ہے تو کیا ایک شخص سیکڑوں میل سے اگر شہادت دیتا ہے تو اس کی شہادت سے رویت ہلال کا ثبوت یہاں کے لئے ہو سکتا ہے؟ (۳) اکثر مقامات پر شاہی امام عبد اللہ بخاری صاحب کے اعلان پر عید الفطر اور عید الاضحی لوگ منا لیتے ہیں حالانکہ ان لوگوں کے یہاں کوئی شرعی ثبوت رویت ہلال کا نہیں ہوتا کیا اس طرح اعلان پر عید کر لینا جائز ہے؟ کیا کسی طرح بھی ان کے ریڈیو کے اعلان سے رویت ہلال کا شرعی ثبوت ہو سکتا ہے؟

الجواب (۱) داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اسے منڈانا یا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے لہذا جو شخص داڑھی منڈانے کا عادی ہو وہ علانیہ ارتکاب حرام کے سبب فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کی شہادت سے رویت ہلال کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اور داڑھی کو جو انبیاء کرام کی سنت کہا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ داڑھی واجب نہیں ہے بلکہ سنت لغویہ ہے یعنی داڑھی بڑھانا انبیاء کرام کا طریقہ ہے مگر واجب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قربانی کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ سنۃ ابیکم ابراھیم یعنی قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے حالانکہ قربانی واجب ہے بہار شریعت حصہ شانزدہم ص۱۹۷ میں ہے داڑھی بڑھانا سنن انبیاء سابقین سے ہے۔ منڈانا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے اور در مختار مع شامی جلد پنجم ص۲۶۱ میں ہے یحرم علی الرجل قطع لحیتہ یعنی مرد کو اپنی داڑھی کاٹنا حرام ہے اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حلق کردن لحیہ حرام ست و روش

صحیح اور معتبر سمجھ کر رمضان کا روزہ رکھنا یا عید کی نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ (۳) جس مقامات پر رویت ہلال نہ ہوئی وہاں کے لوگوں نے ریڈیو یا ٹیلیفون یا اسی طرح کے دوسرے ذریعہ کی خبروں پر اعتماد کر کے نماز عید ادا کر لی اور تیس کا روزہ پورا نہ کیا۔ کیا ان لوگوں پر روزہ کی قضا لازم ہے اور عید کی نماز دوسرے تاریخ پر ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ (۴) بعض مقامات کے لوگوں نے خط تار وغیرہ کا اعتبار معاملۂ رویت ہلال میں نہ کیا اور تیس روزے پورے کر کے یکم شوال کو عید پڑھی بعد میں دوسرے مقامات سے شہادت شرعیہ ملی سوال یہ ہے کہ تیس روزے پورے کرنے والے ماہ شوال کی تاریخ کس حساب سے مانیں آیا ۲۹ کے اعتبار سے یا ۳۰ کے اعتبار سے؟۔
بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

الجواب

(۱) خط کے ذریعہ اگر رویت ہلال کی اطلاع ملے تو عند الشرع معتبر نہیں اس لئے کہ ایک تحریر دوسری تحریر سے مل جاتی ہے لہذا اس سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ خط کے ذریعہ کچہری میں گواہی نہیں لی جاتی۔ در مختار میں ہے۔ لا یعمل بالخط اور ہدایہ میں ہے الخط یشبه الخط فلا یعتبر ۔ تار اور ٹیلیفون تو بے اعتباری میں خط سے بڑھ کر ہیں اس لئے کہ خط میں کم از کم کاتب کے ہاتھ کی علامت ہوتی ہے تار و ٹیلی فون میں وہ بھی مفقود۔ نیز گواہ جب پردے کے پیچھے ہوتا ہے تو گواہی معتبر نہیں ہوتی اس لئے کہ ایک آواز دوسری آواز سے مل جاتی ہے تو تار ٹیلیفون کے ذریعہ گواہی کیسے معتبر ہو سکتی ہے فتاوی عالمگیری جلد سوم صفحہ ۴۵۳ میں ہے۔ لو سمع من وراء الحجاب لا یسعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیرہ اذ النغمة تشبه النغمة۔ اور ریڈیو و ٹیلی ویژن میں تار و ٹیلی فون سے زیادہ دشواریاں ہیں اس لئے کہ تار و ٹیلیفون پر سوال و جواب بھی کر سکتے ہیں مگر ریڈیو ٹیلی ویژن پر کچھ نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ نئے آلات خبر پہونچانے میں کام آ سکتے ہیں لیکن شہادتوں میں معتبر نہیں ہو سکتے۔ (۲) اپنے آپ کو ترقی پسند کہنے والے دنیادار بلکہ ان مذکورہ بالا اشیاء کو ایجاد کرنے والے اور بنانے والے بھی ان خبروں پر مقدمے فیصلے نہیں کرتے بلکہ گواہوں کو حاضر ہو کر گواہی دینی پڑتی ہے تو جب دنیوی جھگڑوں میں موجودہ کچہری کا قانون ریڈیو اور ٹیلی ویژن وغیرہ کے ذریعہ گواہی ماننے کو تیار نہیں تو پھر دینی امور میں شریعت کا قانون ان کے ذریعہ گواہی کیونکر مان سکتا ہے خبر و شہادت کے درمیان فرق نہ کرنے کے سبب زید کو غلط فہمی ہو گئی ہے خدائے تعالی اسے ان کے درمیان فرق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین) (۳) جن لوگوں نے ریڈیو اور ٹیلی فون وغیرہ کی خبروں پر عید کر لی اور تیس روزے پورے نہ کئے ان پر توبہ و استغفار اور روزہ کی قضا لازم ہے اور عید کی نماز دوسرے روز پڑھنا واجب ہے ہاں اگر بعد میں شہادت شرعیہ سے ۲۹ کی رویت ہلال

از ریخ و ہنود و جوالقیان ست کہ ایشان را قلندریہ گویند و گزاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست و آں کہ آں را سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک در دین ست یا بجہت آں کہ ثبوت آں بسنت ست چنانچہ نماز عید را سنت گفتہ اند۔ یعنی داڑھی منڈانا حرام ہے اور انگریزوں ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے اور داڑھی کو ایک مشت تک چھوڑ دینا واجب ہے اور جو لوگ کہ ایک مشت داڑھی رکھنے کو سنت کہتے ہیں (تو وہ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے نزدیک واجب نہیں بلکہ اس وجہ سے یا) تو یہاں سنت سے مراد دین کا چالو راستہ ہے اور یا تو اس وجہ سے کہ ایک مشت کا وجوب حدیث شریف سے ثابت ہے جیسا کہ نماز عید کو مسنون فرمایا (حالانکہ نماز عید واجب ہے۔ اشعۃ اللمعات جلد اول صفحہ ۲۱۲) اور درمختار مع ردالمحتار جلد دوم صفحہ ۱۱۶ شامی جلد دوم صفحہ ۱۱۷ بحرالرائق جلد دوم صفحہ ۲۸۰ فتح القدیر جلد دوم صفحہ ۲۷۰ اور طحطاوی علی مراقی صفحہ ۴۱۱ میں ہے واللفظ للطحطاوی الاخذ من اللحیۃ وھو دون ذالک ای قدر المسنون وھو القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال لم یبحہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند ومجوس الاعاجم۔ یعنی داڑھی جبکہ ایک مشت سے کم ہو تو اس کو کاٹنا جس طرح بعض مغربی اور زنانے ہیجڑے کرتے ہیں کسی کے نزدیک حلال نہیں۔ اور کل داڑھی کا صفایا کرنا یہ کام تو ہندوستان کے یہودیوں اور ایران کے مجوسیوں کا ہے۔ (۲) احناف کے نزدیک اختلاف مطالع ہرگز معتبر نہیں یہی ظاہر الروایت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم صفحہ ۹۶ میں ہے اختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشایخ وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصۃ فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب کما مر۔ لہٰذا دو عادل ثقہ اگر سیکڑوں بلکہ ہزاروں میل کی دوری سے آکر کسی شہر میں گواہی دیں تو ان کی شہادت سے اس شہر والوں کے لئے رویت ثابت ہو جائے گی لیکن اگر وہ ریڈیو یا ٹیلیفون وغیرہ پر دور سے گواہی دیں تو ایسی شہادت سے دوسرے شہر والوں کے لئے رویت ہرگز ثابت نہ ہوگی۔

(۳) ریڈیو پر اعلان کوئی بخاری کرے یا سمرقندی دوسرے شہر والوں کے لئے اس طرح چاند کی رویت ہرگز ثابت نہ ہوگی اس لئے کہ گواہ جب پردہ کے پیچھے ہو تو اس کی شہادت عند الشرع معتبر نہیں تو ریڈیو کا اعلان کیسے معتبر ہو سکتا ہے فتاوی عالمگیری جلد سوم مطبوعہ مصر صفحہ ۳۵۵ میں ہے لو سمع من وراء الحجاب لا یسعہ ان یشھد لہٰذا دوسرے شہر کے لوگ جو ریڈیو کے اعلان پر عید الفطر وغیرہ کر لیتے ہیں وہ سخت گنہگار ہوتے ہیں وھو سبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۴ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ

از محمد حدیث القادری مدرسہ قادریہ مصباح العلوم جبرے ضلع گریڈیہ

۲۹ر شعبان کو آسمان پر ابر ہو اور چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کا ۳۰ر دن پورا کیا جائے گا یا نہیں؟ ریڈیو، تار، اخبار، ٹیلی ویژن اور جنتری وغیرہ کی خبر پر رمضان المبارک کا روزہ رکھا جائے گا یا نہیں؟ عید منائی جائے گی یا نہیں؟ یہ سب خبریں مذہب اسلام میں معتبر ہیں یا نہیں؟ اگر ریڈیو وغیرہ کی خبر پر رمضان المبارک کے روزہ کی نیت کر کے رکھے تو روزہ ہو گا یا نہیں؟

الجواب

۲۹ر تاریخ کو کسی بھی سبب سے چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ر دن پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین۔ یعنی اگر تمہارے سامنے ابر یا غبار ہو جائے تو تیس دن کی گنتی پوری کر لو (بخاری، مسلم) اور ریڈیو، تار، اخبار، ٹیلی ویژن اور جنتری وغیرہ کی خبروں پر نہ رمضان المبارک کا روزہ رکھا جائے گا اور نہ عید منائی جائے گی کہ ان کے ذریعہ ملی ہوئی خبریں چاند کے بارے میں شرعاً معتبر نہیں ریڈیو کی خبر پر اگر کسی نے رمضان المبارک کی نیت سے روزہ رکھا تو اگر بعد میں شرعی طور پر ۲۹ر کی رویت ثابت ہو گئی تو وہ روزہ ماہ رمضان کا ہو گا ورنہ نفل۔ اور روزہ رکھنے والا بہر صورت گنہگار ہو گا تفصیل کے لئے فتاوی رضویہ جلد چہارم یا ہماری کتاب انوار الحدیث کا مطالعہ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ر شوال ۱۴۰۲ھ

مسئلہ

از حاجی مدار بخش کالپی محلہ دمدمہ ضلع جالون

ایک حافظ قرآن امام صاحب نے ریڈیو کی خبر لوگوں سے سنی اور مقتدیوں نے امام صاحب سے کہا کہ آپ عید کی نماز پڑھا دیجئے لہٰذا حافظ صاحب نے لوگوں کے کہنے سے نماز عید پڑھا دی ایسی صورت میں حکم شرع سے آگاہ فرمانے کی زحمت کریں۔

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب جب ۲۹ر رمضان المبارک کو چاند ہونے کا ثبوت شرعی حاصل نہ ہو تو ایسی صورت میں ۳۰ر تاریخ کو نماز عید ہرگز نہیں ہو سکتی اور اگر کسی شخص نے ریڈیو وغیرہ کی خبر پر لوگوں کے کہنے سے شہادت شرعی نہ گزرنے کے باوجود نماز عید پڑھا دی تو وہ شخص گنہگار ہوا اس پر توبہ فرض ہے۔

کتبہ: محمد الیاس خان سالک
۳۰ر صفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ از حافظ عبد الجبار کالپی بازار ٹر نگنج ضلع جالون (یوپی)

ہمارے شہر میں گزشتہ عید الفطر کی نماز دو روز پڑھی گئی تھی ایک گروہ نے قرب و جوار میں بہت جگہ ۲۹ر کی رویت ہلال مانتے ہوئے نماز پڑھی اسی سند پر ایک گروہ نے پہلے روز نماز پڑھ لی دوسرے گروہ نے ۳۰ر کا چاند دیکھکر نماز پڑھی جس امام نے یا جن لوگوں نے پہلے روز نماز پڑھی کیا اب ان کے پیچھے نماز نا جائز ہے اگر ایسا ہے تو تمام صوبہ بلکہ سارے ملک ہندوستان پاکستان میں بھی پہلے روز یعنی ۲۹ر کے حساب سے نماز پڑھی گئی کیا سب لوگ اس قابل نہیں رہے کہ اب ان کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ جواب مفصل عنایت فرمائیں۔

الجواب اگر ۲۹ر رمضان کو رویت نہ ہوئی تو جن لوگوں نے بغیر ثبوت شرعی عید کی نماز پڑھ لی ان پر ایک روزہ کی قضاء اور توبہ لازم ہے۔ ہاں اگر بعد میں ۲۹ر رمضان کی رویت ثبوت شرعی سے ثابت ہو گئی تو روزہ کی قضا نہیں مگر توبہ بہر صورت ہے لہٰذا ایسے لوگ اگر علانیہ توبہ نہ کریں تو ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ جو لوگ بغیر ثبوت شرعی کو ثبوت مان کر عید کر لیں تو ان پر ایک روزہ کی قضا لازم ہے اگرچہ واقع میں وہ دن عید ہی کا ہو مگر یہ کہ بعد کو ثبوت شرعی سے اس دن کی عید ثابت ہو جائے تو اب اس روزہ کی قضا نہ ہوگی صرف بے ثبوت شرعی عید کر لینے کا گناہ رہے گا جس سے توبہ کریں۔ (فتاویٰ افریقہ صفحہ ۱۵۳)

جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ر ذی قعدہ سنہ ۹۲ھ

مسئلہ از غلام مرتضیٰ حشتی مسجد گلشن بغداد آزاد نگر گھاٹ کوپر بمبی ۸۹

لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۲۹ کا چاند دکھا رہی تھیں اتفاقاً حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں پہونچے فرمایا اے فاطمہ کیا کر رہی ہو؟ فرمایا کہ بچول کو چاند دکھا رہی ہوں حضور نے فرمایا آج ۲۹ر ہے چاند کیسے دکھائی دے گا۔ تو حضرت فاطمہ نے عرض کیا کیا میرے بچے بغیر چاند دیکھے واپس چلے جائیں۔ کہتے ہیں فوراً چاند دکھائی دیا اور اسی وقت سے ۲۹ر کا بھی مہینہ ہونے لگا تو یہ واقعہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب واقعہ مذکور بالکل بے اصل ہے جو کسی جاہل نے وضع کیا ہے اس لئے کہ جب سے نظام فلکی قائم ہوا اسی وقت سے چاند کبھی تیس اور کبھی ۲۹ر کا ہوتا چلا آیا ہے جیسا کہ علم ہیئت سے ظاہر ہے نہ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچپن سے۔ ھذا ما عندی وھو اعلم۔

جلال الدین احمد الامجدی

کتبہ

۳۰ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ از حضور احمد منظری سکرادن بجھم تانڈہ ضلع فیض آباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ فقہائے کرام نے ثبوت چاند کے سلسلے میں مندرجہ ذیل صورتیں وضع کی ہیں ۱۔ شہادت ۲۔ شہادۃ علی الشہادۃ ۳۔ شہادۃ علی القضاء ۴۔ کتاب القاضی الی القاضی ۵۔ استفاضہ ۶۔ اکمال عدت ۷۔ توپوں کا سننا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے توپوں کے سننے کو بھی حوالی شہر کے دیہات والوں کے لئے دلائل ثبوت ہلال سے شمار کیا ہے جب کہ رویت کے مواقع پر کسی کے غیر مقدم کے لئے یا کسی اور بناء پر توپوں کے داغنے کا احتمال نہ ہو۔

مندرجہ بالا صورتوں میں سے کسی میں ریڈیو یا اخبار کی خبروں پر اعتبار و اعتماد کرنے کی نہ تو وضاحت ہے اور نہ ہی کوئی اشارہ جب کہ موجودہ دور میں یہی آلات خبروں کے ذرائع ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) رویت کے سلسلے میں خبر معتبر ہے یا نہیں (۲) اگر کوئی عالم ریڈیو یا اخبار سے رویت کا اعلان کرے اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے کوئی شخص یہ کہے کہ پورے ملک کے لئے رویت ثابت ہوگئی تو کیا وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے (۳) اعلان رویت کے حدود کیا ہیں؟ یعنی رویت کے اعلان پر کہاں تک کے لوگ عمل کر سکتے ہیں جب کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ کی عبارت کا مفہوم شہر اور مضافات شہر ہیں (۴) ریڈیو کی خبر پر اعتماد کرکے اگر لوگ روزہ رکھ لیں یا عید منالیں تو ان کا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ (۵) ایسا شہر جہاں خود دارالافتاء اور علماء پر مشتمل ہلال کمیٹی ہو تو وہاں کے لوگ ریڈیو کی خبر پر عمل کریں یا اپنے شہر کے دارالافتاء کے فتوے یا ہلال کمیٹی کے فیصلے پر عمل کریں؟ بینوا توجروا

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب (۱) رمضان المبارک کے چاند کی رویت کے بارے میں ایک مسلمان مرد یا عورت عادل یا مستور الحال کی خبر معتبر ہے جب کہ ۲۹ شعبان کو مطلع صاف نہ ہو حدیث شریف میں ہے عن ابن عباس قال جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال انی رأیت الھلال یعنی ھلال رمضان فقال اتشھد ان لا الہ الا اللہ قال نعم قال اتشھد ان محمدا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قال نعم قال یا بلال اذن فی الناس ان یصوموا غدا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی (مشکوٰۃ ص ۱۷۴) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "دریں حدیث دلیل است بر آنکہ یک مرد مستور الحال یعنی آنکہ فسق او معلوم نباشد

مقبول ست خبرِ دے درماہِ رمضان وشرط نیست لفظ شہادت (اشعۃ اللمعات جلد دوم ص۷۹) اور درمختار مع ردالمحتار جلد دوم ص۹۳ میں ہے قبل للصوم مع علۃ کغیم وغبار خبر عدل او مستور لا فاسق اتفاقا اھ ملخصا اور اسلامی شہر جہاں مفتیٔ اسلام مرجع عوام ومتبع الاحکام ہو کہ روزہ اور عیدین کے احکام اسی کے فتوے سے نافذ ہوتے ہوں اگر وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب بیک زبان خبر دیں کہ وہاں فلاں دن چاند دیکھکر روزہ ہوا یا عید کی گئی اس طرح بھی رویت کے سلسلے میں خبر معتبر ہے جسے استفاضہ کہتے ہیں جیسا کہ شامی جلد دوم ص۹۷ میں ہے قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلک البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن تلک البلدۃ انھم صاموا عن رویۃ۔ لیکن ریڈیو وغیرہ کی خبر رمضان المبارک کے چاند کی رویت کے بارے میں بھی چند وجوہ مقبول نہیں اول اس کی بہت سی خبریں جھوٹی ہوتی ہیں دوم خبر دینے والے عموماً کافر وفاسق ہوتے ہیں۔ سوم اپنا دیکھنا نہیں بیان کرتے بلکہ دوسروں کے دیکھنے کی حکایت کرتے ہیں اور اگر بالفرض اپنے دیکھنے کی خبر دیں تب بھی مقبول نہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی عنہ ربہ القوی تحریر فرماتے ہیں کہ آڑ سے جو آواز مسموع ہو اس پر احکام شرعیہ کی بنا نہیں ہو سکتی کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے (فتاوی رضویہ جلد چہارم ص۵۲۷) چہارم کبھی نااہل مفتی کے فیصلہ کی خبر دیتے ہیں پنجم کبھی بازار میں اڑی ہوئی افواہ کا اعلان کر دیتے ہیں شامی جلد دوم ص۹۷ میں ہے قد تشیع اخبار یتحدث بھا سائر اھل البلدۃ ولا یعلم من اشاعھا کما ورد ان فی آخر الزمان یجلس الشیطان بین الجماعۃ فیتکلم الکلمۃ فیتحدثون بھا ویقولون لا ندری من قالھا فمثل ھذا لا ینبغی ان یسمع فضلا ان یثبت بہ حکم۔ ھذا ما عندی وھو تعالی اعلم بالصواب (۲) عالم ریڈیو یا اخبار سے رویت کا اعلان کرے تو اس سے پورے ملک کے لئے رویت کو ثابت ماننے والا حق بجانب نہیں بلکہ کھلی ہوئی غلطی پر ہے (۳) اعلان رویت کے حدود شہر اور حوالی شہر ہیں لہٰذا جو لوگ کہ شہر اور اس کے مضافات میں رہتے ہیں اعلان رویت کے مطابق ان کو عمل کرنا ضروری ہے علامہ شامی علیہ الرحمۃ والرضوان ردالمحتار میں اور امام ابن ہمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں اسی طرح افادہ فرمایا ہے (۴) ریڈیو کی خبر پر شہر اور اس کے مضافات کے علاوہ دوسرے لوگوں کا روزہ رکھنا اور عیدین کرنا جائز نہیں (۵) ریڈیو کی خبر پر عمل نہ کریں بلکہ ہلال کمیٹی کا فیصلہ جس کو دارالافتاء کی تصدیق حاصل ہو اس پر عمل کریں۔ ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۲۰ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

باب الاعتکاف

اعتکاف کا بیان

مسئلہ مسئولہ محمد اسحاق خاں وارثی خطیب جامع مسجد ارپاوان ضلع رائے بریلی

زید کے محلہ میں اس دروازے پر مسجد ہے جس میں نماز پنجگانہ و نماز جمعہ ہوتی ہے زید نماز پنجگانہ تو اسی مسجد میں پڑھاتا ہے لیکن نماز جمعہ دوسرے محلے کی مسجد میں بحیثیت امام ادا کرتا ہے زید اعتکاف اپنے دروازے والی ہی مسجد میں بیٹھنا چاہتا ہے تو امر دریافت طلب یہ ہے کہ وہ نماز جمعہ کس مسجد میں ادا کرے گا جس میں معتکف ہوا ہے وہیں نماز جمعہ ادا کرے یا جس غیر محلہ کے مسجد کا امام ہے وہاں پر جائے؟ اور نماز جمعہ پڑھا کر کے فوراً ہی اپنی جائے اعتکاف پر واپس آجائے۔

الجواب جمعہ اسی مسجد میں ادا کرے گا کہ جس میں معتکف ہوا اگر جمعہ پڑھانے کے لئے دوسری مسجد میں گیا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا بلکہ اگر ڈوبنے یا جلنے والے کو بچانے کے لئے مسجد سے باہر گیا یا گواہی دینے کے لئے گیا یا جہاد میں سب لوگوں کا بلاوا ہوا اور یہ بھی نکلا یا مریض کی عیادت یا نماز جنازہ کے لئے گیا اگرچہ کوئی دوسرا پڑھانے والا نہ ہو تو ان سب صورتوں میں اعتکاف فاسد ہوجائے گا ھکذا فی بہار شریعت اور فتاوی عالمگیری میں ہے ولو خرج لجنازة یفسد اعتکافہ وکذا لصلاتہا ولو تعینت علیہ اولا نجاء الغریق او الحریق او الجہاد اذا کان النفیر عاما او لاداء الشہادة ھکذا فی التبیین۔ وھو تعالٰی اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۷ر شوال المکرم ۹۸ھ

مسئلہ از نصیر خاں ماسٹر فراش واڑہ ڈونگرپور (راجستھان)

معتکف اگر بیڑی، سگریٹ، حقہ پینے کا عادی ہو تو کیا کرے اگر بیڑی، سگریٹ، حقہ وغیرہ استعمال کرے یعنی پینے کی غرض سے مسجد سے باہر آئے جائے ایسی صورت میں اعتکاف باقی رہے گا یا ٹوٹ جائے گا دلائل کے ساتھ بیان فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب معتکف بیڑی، سگریٹ یا حقہ کے لئے فنائے مسجد میں نکل سکتا ہے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں۔ فنائے مسجد جو جگہ مسجد سے باہر اس سے ملحق ضروریات مسجد کے لئے ہے مثلاً جوتا اتارنے کی جگہ اور غسل خانہ وغیرہ ان میں جانے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا (فتاوی امجدیہ ص ۳۹۹ ج ۱) لیکن خوب منہ صاف کرنے کے بعد مسجد میں داخل ہو اس لئے کہ بیڑی اور سگریٹ وغیرہ کی بو جب تک کہ باقی ہو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ وھو اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ ذوقعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از محمد حسین اوجاگنج ضلع بستی

اعتکاف کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔ اول واجب کہ اعتکاف کی منت مانی مثلاً یوں کہا کہ میرا بچہ تندرست ہو گیا تو میں تین دن اعتکاف کروں گا تو بچہ کے تندرست ہونے پر تین دن کا اعتکاف واجب ہوگا۔ دوم سنت مؤکدہ کہ بیسویں رمضان کو سورج ڈوبتے وقت اعتکاف کی نیت سے مسجد میں ہو اور تیسویں رمضان کو غروب کے بعد یا انتیس کو چاند ہونے کے بعد نکلے۔ یہ اعتکاف سنت کفایہ ہے۔ یعنی اگر سب لوگ ترک کریں تو سب سے مطالبہ ہوگا اور شہر میں ایک نے کر لیا تو سب بری الذمہ ہو گئے (فتاوی عالمگیری جلد اول ص ۱۹۷ و بہار شریعت حصہ پنجم ص ۱۴۸) ان دونوں اعتکافوں کے لئے روزہ شرط ہے (رد المحتار جلد دوم ص ۱۳۰) اور اعتکاف کی تیسری قسم مستحب ہے جس کے لئے نہ روزہ شرط ہے اور نہ کوئی خاص وقت مقرر ہے۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ جب بھی مسجد میں داخل ہونا چاہے تو دروازہ پر دخول مسجد کی نیت کے ساتھ اعتکاف کی بھی نیت کرلے۔ جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا بھی ثواب ملے گا۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

کتاب الحج

حج کا بیان

مسئلہ از مولوی امیر حسین مہاجر مدنی۔ ص۔ ب ۱۷۴۷ مدینہ منورہ (سعودی عرب)

وہ مسلمان جو کہ ظالم کفار حکومت کے تحت اپنی زندگی گزارتے ہیں اور وہ مسلمان حج بیت اللہ شریف کے لئے چوری چھپے پڑوس والی دوسری حکومت میں داخل ہو کر اسی حکومت کے کہلاتے ہیں اور اس حکومت سے پاسپورٹ حاصل کرنے کے لئے رشوت بھی دیتے ہیں پھر بعد میں اسی حکومت کے ذریعہ حج بیت اللہ کے لئے آتے ہیں اور حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد پھر اسی راستے سے چوری چھپے اپنے اصلی وطن چلے جاتے ہیں۔ لیکن راستے میں آنے اور جانے کے درمیان حکومت کے قانون کے مطابق عقوبات کے مستحق ہوتے ہیں تو ان مسلمانوں پر اس طرح حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ بالا صورت میں جن حضرات نے حج ادا کیا اس کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب مدلل و مفصل تحریر فرمائیں مین کرم ہوگا۔

الجواب وجوب حج کی شرطوں میں سے ایک شرط امن طریق بھی ہے یعنی اگر سلامتی کا غالب گمان ہو تو جانا واجب ہے اور اگر ہلاکت کا غالب گمان ہو تو جانا واجب نہیں جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری میں تبیین سے ہے قال ابو اللیث ان کان الغالب فی الطریق السلامۃ یجب وان کان خلاف ذالک لا یجب و علیہ الاعتماد۔ اسی قول پر علامہ ابن نجیم مصری نے بحر الرائق میں اور علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار میں بھی اعتماد فرمایا ہے۔ اور ملا علی قاری نے شرح النقایہ میں فرمایا یہ قول مفتی بہ ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ غلبہ سلامتی کے ساتھ خوف کے غالب نہ ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔ جیسا کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا والذی یظہران یعتبر مع غلبۃ السلامۃ عدم غلبۃ الخوف۔ پھر اسی قول کو بحر الرائق اور رد المحتار میں نقل کرنے کے بعد

برقرار رکھا لہٰذا وہ لوگ جو کسی ظالم حکومت میں رہتے ہیں اگر ان کو حج کی ادائیگی میں خوف کا غلبہ ہو تو ان لوگوں پر حج واجب نہیں ورنہ واجب ہے۔ اور حج کرنے میں اگر بعض لوگوں کو قید وبند کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں یا بعض حجاج قتل کردیئے جائیں تو یہ مانع وجوب حج نہیں۔ اس لئے کہ پانی کی قلت، گرم ہوا کی تکلیف اور بعض حجاج کے قتل سے حجاز مقدس کا سفر زمانہ سابق میں اکثر محفوظ نہ تھا اس کے باوجود حج فرض رہا۔ ہاں اگر حج کرنے کے سبب ظالم حکومت اکثر حجاج کو قتل کردے تو اس صورت میں حج فرض نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے غلبۃ السلامۃ لیس المراد بہا الکل احد بل المجموع وھی لاتنتفی الا بقتل الاکثر او الکثیر اور فتاوی بزازیہ میں فرمایا والمختار عدم السقوط لان البادیۃ والطریق ما خلت عن آفۃ ومانع ما واتی یوجد منا اللہ تعالی وزیارۃ الکعبۃ الشریفۃ بلا مخافۃ۔ اور حج کرنے کے لئے کچھ رشوت دینا پڑے جب بھی جانا واجب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اپنے فرائض ادا کرنے کے لئے مجبور ہیں اس لئے دینے والوں پر مواخذہ نہیں۔ درمختار میں ہے امن الطریق بغلبۃ السلامۃ ولو بالرشوۃ علی ما حققہ الکمال اور فتح القدیر و بحر الرائق میں ہے وعلی تقدیر اخذھم الرشوۃ فالاثم فی مثلہ علی الآخذ لا المعطی علی ما عرف من تقسیم الرشوۃ فی کتاب القضاء ولا یترک الفرض لمعصیۃ عاص۔ اور مذکورہ بالا حالات میں جن لوگوں نے حج کرلیا ان کا حج فرض ادا ہوگیا۔ ھذا ما ظہر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ الاعلی جل جلالہ وصلی المولی تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۸ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ

از جان محمد عرف بتو چوڑی فروش ہرپا بازار بستی۔

حج میں بیوی کو ساتھ لے جانا ضروری ہے؟ ساتھ نہ لے جانے میں کیا حج کے ثواب میں کمی رہ جاتی ہے بینوا توجروا

الجواب

حج میں بیوی کو ساتھ لے جانا ضروری نہیں ساتھ نہ لے جانے سے حج کے ثواب میں کوئی کمی نہیں۔ وھو تعالٰی ورسولہ الاعلی اعلم

کتبہ
بدرالدین احمد رضوی
۵ جمادی الاخری ۷۷ھ

مسئلہ

از کلو کبھریا پوسٹ گورا بازار بستی

مسماۃ رؤفہ اپنے شوہر کے پھوپھا ملک رفیق صاحب کے ہمراہ حج کو جانا چاہتی ہیں شرعاً ان کا جانا جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب صورت مسئولہ میں مسماۃ زونہ کا سفر ملک بدرفیق کے ہمراہ حرام ہے انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ میں ہے عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم بالغ قابل اطمینان نہ ہو جس سے نکاح ہمیشہ حرام ہے سفر حرام ہے اگر کرے گی حج ہو جائے گا مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ بدرالدین احمد رضوی
۲۳ رجب ۱۳۷۸ھ

مسئلہ از صمد پوسٹ گوشائیں گنج ضلع فیض آباد مرسلہ عبدالغفور خزانچی

جس روپے میں سے زکوٰۃ نہ نکالی گئی ہو اور اس روپیہ سے کسی نے حج بیت اللہ شریف ادا کیا تو حج ہوگیا یا نہیں؟ اور اس روپئے کی زکوٰۃ ادا کرنا اب بھی فرض ہے یا نہیں؟

الجواب جن روپیوں کی زکاۃ نہ ادا کی گئی ہو ان روپیوں سے اگر کسی نے حج کیا تو حج ہو جائیگا لیکن ان روپیوں کی زکوٰۃ ادا کرنا اب بھی فرض ہے اگر نہیں ادا کریگا تو گنہگار ہوگا۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ

مسئلہ از عبدالکریم رحمانی محلہ مرزا منڈی کالپی ضلع جالون

نیشنل انجمن کمیٹی چالیس ممبران کے ساتھ ایک عرصہ دراز سے پچھڑے ہوئے بلکہ خصوصاً غرباء و مساکین کی رقومات کے ذریعہ دینی خدمات انجام دے رہی ہے بفضل خدا یہ سب صاحب وسعت ہیں اور گرانی کی وجہ سے ان چالیس ممبران نے یہ طے کیا کہ ہر ممبر دو ہزار سالانہ دے ایک سال میں اسی ہزار ہو جائیں گے قرعہ اندازی کے ذریعہ آٹھ ممبران سالانہ روانہ کرکے پانچ سال میں چالیس ممبران زیارت حج بیت اللہ سے سرفراز ہو سکتے ہیں۔ تو کیا ان چالیس ممبران کا اس طرح حج بیت اللہ کرنا از روئے شرع جائز ہے؟

الجواب صورت مذکورہ کے ساتھ لوگوں کا حج بیت اللہ کے لئے جانا جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ ھذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۷ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از محمد زماں قادری کلیان پور برگدوا ضلع گونڈہ

زید کی بیوی کا نام زیب النساء ہے عرصہ پچیس سال کا گزرا کہ زید نے اپنی بیوی زیب النساء کو بوجہ بے اولاد ہونے کے اپنی جائداد سے حصہ بیکرانگ کر کے دوسری شادی کرلیا اور زیب النساء سے تعلقات منقطع کرلئے لیکن طلاق نہیں دیا آج تک زیب النساء بذات خود اپنی جائداد کا انتظام کر رہی ہے اور گزر اوقات کر رہی ہے اب زیب النساء اپنی جائداد کی بچت کی رقم سے حج بیت اللہ شریف کو جانا چاہتی ہے لیکن زید اسے اجازت نہیں دیتا اور ساتھ جانے کو تیار بھی نہیں حالانکہ زیب النساء زید کو نصف خرچہ بھی دیئے کو تیار ہے ایسی صورت میں زیب النساء کے لئے حج بیت اللہ شریف کی کیا صورت ہے جبکہ زیب النساء نے مغل لائن میں روپیہ بھی داخل کر دیا ہے؟

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب عورت کو بغیر شوہر یا محرم کے حج کے لئے جانا حرام ہے (فتاوی رضویہ) صورت مسئولہ میں اگر عورت پر حج فرض ہے اور شوہر عورت کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہے تو کسی ایسے محرم کے ساتھ جو عاقل بالغ غیر فاسق ہو شوہر کی اجازت کے بغیر چلی جائے بہار شریعت جلد ششم ص۱۲ پر ہے "جب محرم ہے تو حج فرض کے لئے محرم کے ساتھ جائے اگرچہ شوہر اجازت نہ دیتا ہو نفل اور منت کا حج ہو تو شوہر کو منع کرنے کا اختیار ہے" انتہی بالفاظہ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ

محمد حنیف رضوی سنی رضوی مسجد، آگرہ روڈ کرلا، بمبئی

زید حج کے لئے جا رہا ہے اس کے نام سے گھر پر قربانی ہوگی تو زید پر حج کی قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب

زید نے اگر حج افراد کیا تو اس پر حج کی قربانی واجب نہ ہوگی بلکہ اس صورت میں مستحب ہوگی اور حج تمتع یا قران کیا تو بہرحال اس پر حج کے شکرانہ کی قربانی واجب ہوگی البتہ اگر محتاج محض ہو جائے یعنی اس کے پاس اتنا نقد نہ رہ جائے کہ جانور خرید سکے اور نہ ایسا سامان رہے کہ اسے بیچ کر لا سکے تو اس صورت میں قران یا تمتع کرنے والے پر قربانی کے بدلے دس روزے واجب ہوں گے تین تو حج کے مہینے میں یعنی یکم شوال سے نویں ذی الحجہ تک حج کا احرام باندھنے کے بعد جب چاہے رکھے اور باقی سات روزے تیرھویں ذی الحجہ کے بعد بہتر یہ ہے کہ گھر پہنچ کر رکھے "قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ (پ۲ ع۸) اور درمختار مع شامی جلد دوم ص۱۹۲ میں ہے وذبح للقران وھو دم شکر بعد رمی یوم النحر وان عجز صام ثلثة ایام ولو متفرقة آخرھا یوم عرفة وسبعة

بعد تمام ایام حج اھ ملخصاً۔ پھر اگر ایام نحر میں قارن اور متمتع شرعاً مقیم ہے یعنی مکہ شریف میں کم سے کم پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت سے اس وقت حاضر ہوئے کہ منیٰ کی طرف حج کے لئے نکلنے میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ باقی ہے اور اس درمیان میں تین دن کی مسافت کا سفر نہ کرے اور مالک نصاب ہے تو ان پر عید اضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے چاہے حرم میں کریں یا گھر پر اور اگر شرعاً مسافر ہے اور وطن میں اپنے نام قربانی کا انتظام کیے تو وہ قربانی ان کی جانب سے نفلی ہوگی کسی صورت میں گھر کی قربانی حج کے شکرانہ کی قربانی کا بدل نہیں بن سکتی کہ اس کے لئے منیٰ اور حدود حرم خاص ہیں جیسا کہ ردالمحتار جلد دوم صہ ۱۹۳ پر حج کے شکرانہ کی قربانی کے بارے میں ہے یختص بالمکان وھو الحرم اھ ھٰذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ
از حاجی محمد رفیق خاں ساکن اٹری ضلع بستی

اگر کسی شخص پر حج فرض ہو لیکن وہ حج کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ اپنی جانب سے حج بدل کرا سکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا صورت میں حج مفروض سے بری الذمہ ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب
اگر کسی پر حج فرض ہوا اور اس نے ادا نہ کیا یہاں تک کہ اب اس کے ادا کرنے پر قادر نہ رہ گیا مثلاً اپاہج یا مفلوج ہو گیا یا عورت تھی اب اس کا محرم نہیں رہ گیا تو اس پر وہ حج فرض باقی ہے خود نہ کر سکے تو حج بدل کرائے فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صہ ۲۳۰ میں ہے ولو ملک الزاد والراحلۃ وھو صحیح البدن ولم یحج حتی صار زمنا او مفلوجا لزمہ الاحجاج بالمال بلا خلاف کذا فی المحیط یعنی اگر کوئی حالت تندرستی میں زاد و راحلہ کا مالک ہوا اور اس نے حج نہ ادا کیا یہاں تک کہ اپاہج یا مفلوج ہو گیا تو اس پر حج بدل کرانا بلا اختلاف واجب و لازم ہے اسی طرح محیط میں ہے اور اس طرح کرنے سے وہ حج مفروض سے بری الذمہ ہو جائے گا جیسا کہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الحج صہ ۲۲۱ میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اتی رجل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال ان اختی نذرت ان تحج وانھا ماتت فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان علیھا دین اکنت قاضیہ قال نعم قال فاقض دین اللہ فھو احق بالقضاء متفق علیہ۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری بہن نے حج کی نذر مانی تھی اور حج کرنے سے پہلے وہ مر گئی آپ نے فرمایا اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا کرتا اس نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا تو پھر خدائے تعالٰی کا

قرض بھی ادا کرو اور اس کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے (بخاری و مسلم) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۶ شعبان المکرم ۱۳۸۲ھ

مسئلہ

از (مولانا) محمد حفیظ اللہ نعیمی دار العلوم فاروقیہ مدنہ نگر دھوانی ضلع گونڈہ۔

متمتع محرم بدون الہدی قبل احرام حج ایام اقامت میں نفلی عمرے کرسکتا ہے یا نہیں؟ پاکستان کراچی سے فتویٰ برائے ادائے عمرہ" نام کرکے ایک فتویٰ شائع ہوا ہے جس میں جواز کی طرف روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے برخلاف بہار شریعت کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام اقامت میں عمرہ ممنوع ہے حجاج کو صرف طواف کرنا چاہئے بہار شریعت کی عبارت درج ذیل ہے (۲۰) اب یہ سب حجاج (قارن متمتع مفرد کوئی ہو) منیٰ کے جانے کے لئے مکہ معظمہ میں آٹھویں تاریخ کا انتظار کررہے ہیں ایام اقامت میں جس قدر ہوسکے نرا طواف بغیر اضطباع و رمل و سعی کرتے رہیں کہ باہر والوں کے لئے یہ سب سے بہتر عبادت ہے۔ بہار شریعت حصہ ششم "طواف و سعی صفا مروہ و عمرہ کا بیان" اس سلسلہ میں حکم شرعی کیا ہے؟ آپ اپنی تحقیقات سے فیضیاب فرمائیں۔

الجواب

بعون الملک العزیز الوھاب۔ متمتع غیر السائق الہدی عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد قبل احرام حج مزید عمرے کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے اور راجح قول یہی ہے کہ کرسکتا ہے اس لئے کہ عمرے کا کوئی وقت مقرر نہیں صرف پانچ دن یعنی ۹ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک ناجائز ہے۔ ان ایام کے علاوہ پورے سال میں جب چاہے کرسکتا ہے اور قارن کو ان دنوں میں بھی عمرہ کرنا جائز ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۲۲۱ اور فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الہندیہ جلد اول ص ۲۷۵ میں ہے وفیہا جمیع السنۃ الا خمسۃ ایام تکرہ فیہا العمرۃ لغیر القارن وھی یوم عرفۃ و یوم النحر و ایام التشریق اور درمختار میں ہے جازت فی کل السنۃ وندبت فی رمضان وکرہت تحریما یوم عرفۃ واربعۃ بعدھا اور علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے صاف لفظوں میں جواز کی صراحت فرمائی ہے جیسا کہ منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق جلد دوم ص ۳۶۶ میں ہے وقد ذکر فی اللباب ان المتمتع لا یعتمر قبل الحج قال شارحہ ھذا بناء علی ان المکی ممنوع من العمرۃ المفردۃ ایضا وقد سبق انہ غیر صحیح بل انہ ممنوع من التمتع والقران وھذا المتمتع آفاقی غیر ممنوع من العمرۃ فجاز لہ تکرارھا لانھا عبادۃ مستقلۃ ایضا کالطواف اھ اور رد المحتار باب التمتع جلد دوم ص ۱۹۵ میں ہے درمختار کے قول واقد مکۃ حلالا کے تحت تنبیہ فرمایا ہے افادانہ یفعل ما یفعلہ الحلال فیطوف بالبیت ما بدالہ و یعتمر قبل الحج۔ اور چونکہ یہ مسئلہ

مختلف فیہ ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۶۹ پر اس مسئلہ کے اختلاف کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے لاختلاف العلماء فی نفس جواز العمرۃ فی اشھر الحج۔ اور اہل حرم کے عمل سے عدم جواز ظاہر ہے غالباً اس لئے صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ کے بیان سے سکوت فرمایا۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از احسان علی سبحانی موضع پرساڈ کھانہ کوٹ خاص ضلع گونڈہ

حجر اسود کیا چیز ہے، وہ کہاں سے آیا ہے؟

الجواب حجر اسود اس کالے پتھر کو کہتے ہیں جو کعبہ شریف کی دیوار کے ایک کونے میں زمین سے تقریباً چار فٹ اوپر نصب ہے یہ پتھر جنت سے آیا ہے اور اس کے یاقوتوں میں سے ایک یاقوت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزل الحجر الاسود من الجنۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجر اسود جنت سے آیا ہے (احمد، ترمذی، مشکوٰۃ ص۲۲۸) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ان الرکن والمقام یاقوتتان من یاقوت الجنۃ۔ یعنی حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں (ترمذی، مشکوٰۃ ص۲۲۸) واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲ر ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از جمیل احمد خاں موضع بسنت پور (مدھوا) پوسٹ پچپڑوا، منکاپور۔ ضلع گونڈہ

زید کہتا ہے کہ بیت اللہ شریف حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اسی جگہ کی مٹی لیا تھا جس جگہ بیت اللہ شریف بنا ہے تو کیا واقعی بیت اللہ شریف حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے اگر نہیں ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب بیت اللہ شریف کو حضرت آدم علیہ السلام کی قبر بتانا اور دلیل میں یہ پیش کرنا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اسی جگہ کی مٹی لیا تھا" غلط ہے اس لئے کہ حدیث وتفسیر کی معتبر کتابوں سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کرنے کے لئے پوری روئے زمین سے مٹی لی گئی تھی جس میں سیاہ، سفید، سرخ اور کھاری وغیرہ ہر قسم کی مٹی تھی اسی لئے ان کی اولاد

کا مزاج ہر قسم کا ہے جیسا کہ حدیث کی مشہور کتاب احمد، ترمذی اور ابوداؤد میں ہے عن ابی موسیٰ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول ان اللہ خلق آدم من قبضۃ قبضھا من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض منھم الاحمر والابیض والاسود وبین ذلک والسھل والحزن والخبیث والطیب یعنی ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے میں نے سنا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا کیا ہے جو پوری زمین سے لی گئی تھی تو آدم علیہ السلام کی اولاد کا مزاج زمین کے مطابق ہے کہ بعض ان میں سے سرخ ہیں، بعض سفید، بعض کالے ہیں اور بعض ان کے درمیان اور بعض نرم مزاج ہیں اور بعض سخت مزاج اور کچھ پاک طبیعت کے ہیں اور کچھ ناپاک طبیعت الخ (مشکوٰۃ شریف ص۲۲) اور تفسیر جلالین ص۷ پر ہے خلق تعالیٰ آدم من ادیم الارض ای وجھھا بان قبض منھا قبضۃ من جمیع الوانھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے روئے زمین سے ہر رنگ کی ایک ایک مٹھی مٹی لے کر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور تفسیر صاوی جلد اول ص۱۹ میں ہے ھو ماخوذ من ادیم الارض لخلقہ من جمیع اجزائھا وھی ستون جزءا ولذلک کانت طباع بنیہ ستین طبعا۔ یعنی لفظ آدم ادیم الارض سے ماخوذ ہے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش زمین کے تمام اجزاء سے ہوئی ہے جو ساٹھ جز ہیں اسی لئے ان کی اولاد کی طبیعتیں ساٹھ قسم کی ہیں اور تفسیر جمل جلد ثانی ص۴۳ میں ہے انہ کان ترابا متفرق الاجزاء۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا مختلف حصوں کی مٹی سے تیار ہوا تھا۔ اور تفسیر ابوالسعود علی ہامش تفسیر کبیر جلد اول ص۲۶۳ میں ہے انہ تعالیٰ قبض قبضۃ من جمیع الارض یعنی خدائے تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے لئے پوری زمین سے ایک مٹھی مٹی لی۔ اور تفسیر خازن جلد اول ص۴۶ میں ہے قبض منھا قبضۃ من جمیع بقاعھا من عذبھا ومالحھا وحلوھا ومرھا وطیبھا وخبیثھا۔ یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام نے خدائے تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کرنے کے لئے زمین کے ہر حصے سے ایک مٹھی مٹی جس میں خوشگوار، نمکین، میٹھی، کڑوی، اچھی اور خراب ہر قسم کی مٹی تھی۔ اور تفسیر روح البیان جلد اول ص۹۹ میں ہے قبض قبضۃ من وجہ الارض مقدار اربعین ذراعا من زوایاھا الاربع فلذلک یاتی بنوہ اخیافا ای مختلفین علی حسب اختلاف الوان الارض واوصافھا فمنھم الابیض والاسود والاحمر واللین والغلیظ۔ یعنی حضرت عزرائیل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کرنے کے لئے زمین کے ہر حصے سے چالیس ہاتھ مٹی لی اسی لئے زمین کے رنگ اور اس کی حالتوں کے مختلف ہونے کے لحاظ سے ان کی اولاد بھی مختلف ہے کہ ان میں سے بعض سفید، بعض کالے، بعض سرخ، بعض نرم اور بعض سخت ہیں۔ حدیث شریف اور معتبر تفسیروں کے ان تمام

حوالہ جات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام پوری روئے زمین کی ہر قسم کی مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ جہاں بیت اللہ شریف ہے صرف وہاں کی مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ بیت اللہ شریف حضرت آدم علیہ السلام کی قبر ہے اس لئے کہ ان کی قبر منیٰ میں مسجد خیف کے پاس ہے اسی طرح تفسیر عزیزی وغیرہ میں حضرت مجاہد سے روایت ہے (تفسیر نعیمی جلد اول ص۲۰۱) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ رصفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از صفی اللہ خاں موضع یکڈنگوا پوسٹ کلہوئی بازار۔ ضلع گورکھپور

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کو ہاتھ سے بوسہ لینا اور اس کا طواف کرنا اور منھ سے چومنا اور اتنا جھکنا کہ دیکھنے والے کو معلوم ہو کہ حالت رکوع میں ہے یہ کرنا عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟ جواب باصواب مرحمت فرمائیں!

الجواب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارکہ کو ہاتھ سے بوسہ لینے یا اس کے منھ سے چومنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ کسی انسان کی حضور کی قبر مبارک تک رسائی ہی نہیں ہوتی البتہ روضۂ مبارکہ کی جالی شریف جو باہر ہے اس کا بوسہ لینا اور ہاتھ سے چھونا منع ہے جیسا کہ پیشوائے اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے قریب نہ جاؤ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۴۲۲) اور روضۂ مبارکہ کا طواف کرنا یا اس کے سامنے بحد رکوع جھکنا منع ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں "نہ قبر انور کا طواف نہ کرو نہ سجدہ نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۴۲۳) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ رصفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از فیض اللہ متعلم مدرسہ اہلسنت فیضان الرسول شیوہروا ضلع بستی

کیا حج کرنے سے سبھی گناہ کبیرہ، صغیرہ فرائض جن کی قضا ہے اور وہ گناہ جن کی قضا نہیں ہے سب معاف ہو جاتے ہیں؟ یا اس میں تخصیص ہے؟ بحوالہ کتب جواب سے ممنون فرمایا جائے۔

الجواب

حج سے گناہوں کی معافی کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے رسالہ مبارکہ "اعجب الامداد" میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس نے پاک مال، پاک کمائی، پاک نیت سے حج کیا اور اس میں لڑائی، جھگڑا نیز ہر قسم کے گناہوں اور نافرمانی سے بچا پھر حج کے بعد فوراً مر گیا اتنی مہلت نہ ملی کہ جو حقوق اللہ یا حقوق العباد اس کے ذمہ تھے انھیں ادا کرتا یا ادا کرنے کی فکر کرتا تو حج قبول ہونے کی صورت میں امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام حقوق کو معاف کر دے اور حقوق العباد کو اپنے ذمۂ کرم پر لے کر حق والوں کو قیامت کے دن راضی کرے اور خصومت سے نجات بخشے۔ اور اگر حج کے بعد زندہ رہا اور حتی الامکان حقوق کا تدارک کر لیا یعنی سالہائے گزشتہ کی باقی زکوٰۃ ادا کر دی، چھوٹی ہوئی نماز اور روزہ کی قضا کی، جس کا حق مار لیا تھا اس کو یاد آنے کے بعد اس کے وارثین کو دیدیا، جسے تکلیف پہونچائی تھی معاف کرا لیا، جو صاحب حق نہ ملا اس کی طرف سے صدقہ کر دیا اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے ادا کرتے کرتے کچھ رہ گیا تو موت کے وقت اپنے مال میں سے ان کی ادائیگی کی وصیت کر گیا۔ خلاصہ یہ کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد سے چھٹکارے کی ہر ممکن کوشش کی تو اس کے لئے بخشش کی اور زیادہ امید ہے۔ ہاں اگر حج کے بعد قدرت ہونے کے باوجود ان امور سے غفلت برتی انھیں ادا نہ کیا تو یہ سب گناہ از سر نو اس کے ذمہ ہوں گے اس لئے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد تو باقی ہی تھے ان کی ادائیگی میں تاخیر کرنا پھر تازہ گناہ ہوا جس کے ازالہ کے لئے وہ حج کافی نہ ہوگا اس لئے کہ حج گذرے ہوئے گناہوں یعنی وقت پر نماز و روزہ وغیرہ ادا نہ کرنے کی تقصیر کو دھوتا ہے مگر حج سے قضا شدہ نماز و روزہ ہرگز نہیں معاف ہوتے اور نہ آئندہ کے لئے پروانۂ آزادی ملتا ہے۔ انتہی کلامہ ملخصاً۔ اور حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں ان الحج لا یکفر المظالم ولا یقطع فیہا بمحو الکبائر وانما یکفر الصغائر۔ وقال الترمذی ہو مخصوص بالمعاصی المتعلقۃ بحق اللہ تعالیٰ لا العباد ولا یسقط الحق نفسہ بل من علیہ صلاۃ یسقط عنہ اثم تاخیرہا لا نفسہا فلو اخرہا بعدہ تجدد اثم اخر۔ ونحوہ فی البحر۔ وحقق ذالک البرہان اللقانی فی شرح الکبیر علی جوہرۃ التوحید بان قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرج من ذنوبہ لا یتناول حقوق اللہ تعالیٰ وحقوق عبادہ لانہا فی الذمۃ لیست ذنبا وانما الذنب المطل فیہا فالذی یسقط اثم مخالفۃ اللہ تعالیٰ فقط اھ۔ والحاصل ان تاخیر الدین وغیرہ وتاخیر نحو الصلوٰۃ والزکاۃ من حقوقہ تعالیٰ فیسقط اثم التاخیر فقط عما مضی دون الاصل ودون التاخیر المستقبل قال فی البحر فلیس معنی التکفیر کما یتوہمہ کثیر من الناس ان الدین یسقط عنہ وکذا قضاء الصلوٰۃ والصوم والزکوٰۃ اذ لم یقل احد

بذالك اھ قلت قد يقال بسقوط نفس الحق اذا مات قبل القدرة على ادائه سواء كان حق اللہ تعالیٰ او حق عباده وليس فی تركته ما يفی به لانه اذا سقط اثم التاخير ولم يتحقق منه اثم بعده فلا مانع من سقوط نفس الحق اما حق اللہ تعالیٰ فظاهر واما حق العبد فاللہ تعالیٰ يرضی خصمه عنه والحاصل كما فی البحران المسئلة ظنية فلا يقطع بتكفير الحج للكبائر من حقوقه تعالیٰ فضلا عن حقوق العباد اھ تلخيصاً (ردالمحتار جلد ثانی ص۲۵۵) واللہ تعالیٰ ورسوله الاعلیٰ اعلم جل جلاله وصلی المولیٰ تعالیٰ عليه وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ از غلام نبی خاں پوسٹ ومقام پچوکھری ضلع بستی

زید تیس سال سے ایک مدرسہ میں تعلیم دے رہا ہے خدائے تعالیٰ نے ان کو حج بیت اللہ سے سرفراز فرمایا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان کو ایام حج کی تنخواہ کا مطالبہ کرنا اور کمیٹی کا ان کے مطالبہ کو منظور کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حج کی ادائیگی میں جو ایام صرف ہوئے ان ایام کی تنخواہ کا مطالبہ جائز نہیں اور ایسے مطالبہ کا منظور کرنا بھی جائز نہیں اس لئے کہ مدرس ان ایام کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہے جیسا کہ شامی جلد سوم مطبوعہ ہند ص۴۰۸ میں ہے ان المدرس ونحوه اذا اصابه عذر من مرض اوحج بحيث لا يمكنه المباشرة لا يستحق المعلوم لانه ادار الحكم فی المعلوم علی نفس المباشرة فان وجدت استحق المعلوم والا فلا وهذا هو الفقه اھ۔ هذا ما ظهر لی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسوله جل جلاله وصلی اللہ تعالیٰ عليه وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از مختار احمد پوسٹ و مقام لوہرسن محلہ اترا ضلع بستی

نکاح کرنا حدیث میں سنت ہے اور قرآن میں فرض۔ اب اگر ہم قرآن پر عمل کر رہے ہیں تو حدیث چھوٹ رہی ہے اور اگر ہم حدیث پر عمل کر رہے ہیں تو قرآن چھوٹ رہا ہے اب ہم کس پر عمل کریں مدلل اور مفصل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب جو شخص مہر و نفقہ کی قدرت رکھتا ہو اور اسے یقین ہو کہ بحالت تجرد زنا کی معصیت میں مبتلا ہو جائے گا تو نکاح کرنا فرض ہے اور اگر زنا کا یقین نہیں ہے بلکہ صرف اندیشہ ہے تو نکاح کرنا واجب ہے اور اگر شہوت کا بہت زیادہ غلبہ ہو تو نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے اور اگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ نکاح کرے گا تو نان و نفقہ نہ دے سکے گا یا نکاح کے بعد جو فرائض متعلقہ ہیں انھیں پورا نہ کر سکے گا تو نکاح کرنا مکروہ ہے اور اگر ان باتوں کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین ہو تو نکاح کرنا حرام ہے۔ (درمختار، ردالمحتار، بہار شریعت) خلاصہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں نکاح کرنا سنت ہے اور بعض صورتوں میں فرض ہے نہ ہر صورت میں نکاح کرنا سنت ہے اور نہ ہر صورت میں فرض ہے اور قرآن کی کسی آیت میں نکاح کے فرض ہونے کی تخصیص نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ محرم الحرام سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از محمد مختار احمد مقام کولدہ پوسٹ پورندپور ضلع گورکھپور

زید کے لڑکی کی شادی عمر کے لڑکے کے ساتھ کرنے کی بات چیت ہوگئی بعدہٗ۔ بکر (جو عالم دین ہے) نے عمر کو جہیز کثیر کا لالچ دلا کر اپنی لڑکی سے شادی کرنے کو طے کر لیا تو کیا یہ عمر کا فعل عند الشرع درست ہے؟

الجواب اگر واقعی زید کی لڑکی کی شادی عمر کے لڑکے کے ساتھ طے ہوگئی تھی پھر بکر نے عمر کو لالچ دلاکر اپنی لڑکی کی شادی طے کرلی تو عمر اور بکر دونوں کا یہ فعل شرعاً مذموم بے جا اور قابل مواخذہ ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان العھد کان مسئولا (پ۱۵ ع ۴) وقد صح ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نھی عن السوم علی سوم اخیہ والخطبۃ علی خطبۃ اخیہ وھو تعالیٰ اعلم۔

جلال الدین احمد امجدی
۲۲ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از مطلوب حسین صدیقی فرخ آبادی مدرسہ زینت الاسلام قصبہ امرودھا کانپور

کیا نکاح سے پہلے دولہا کو کلمہ پڑھانا ضروری ہے؟ زید نے نکاح سے پہلے کلمہ پڑھنے سے انکار کردیا اور نکاح خواں سے کہا کہ آپ نکاح پڑھانے آئے ہیں یا مجھے مسلمان بنانے؟ کلمہ شرائط نکاح میں سے نہیں ہے آپ نکاح پڑھائیے ویسے مجھے کلمہ پڑھنے سے انکار نہیں ہے مگر اس طرح پڑھانا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس موقع پر زید کا کلمہ پڑھنے سے انکار کرنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب نکاح سے پہلے دولہا کو کلمہ پڑھانا ضروری نہیں ہے مگر دولہا یا دولھن کا اس کے پڑھنے سے انکار کرنا غلط ہے کہ اس کا پڑھنا پڑھانا باعث برکت اور نزول رحمت کا سبب بھی ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللہ۔ یعنی اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کرو۔ اور خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں قد روی عنہ علیہ السلام انہ امر بالتلقین بعد الدفن۔ یعنی سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث شریف مروی ہے کہ آپ نے دفن کے بعد کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کا حکم فرمایا۔ (ردالمحتار جلد اول ص۵۷۱) حالانکہ بعد موت ایمان لانے کا نہیں معلوم ہوا کہ کلمہ کا پڑھنا پڑھانا صرف مسلمان ہی بنانے کے لئے نہیں ہے جیسا کہ زید نے سمجھا بلکہ اس کے دیگر فوائد بھی ہیں۔ اور بوقت نکاح بہت سے فوائد کے ساتھ کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مومن و کافر کا نکاح نہیں ہوتا ہے تو اگر لاعلمی میں دولہا دولھن کسی سے کفر سرزد ہوا ہوگا تو نکاح ہی نہیں ہوگا اور زندگی بھر حرام کاری ہوتی رہے گی اس لئے علمائے محتاطین نے دولہا دولھن کو نکاح سے پہلے کلمہ پڑھانا جاری فرمایا جیسا کہ خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نکاح سے پہلے کلمۂ طیبہ وغیرہ پڑھانے کے بارے میں جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "از روئے شریعت درمیان مومن و کافر نکاح منعقد نمی گردد و ظاہر ست کہ از ایشاں در حالت لاعلمی یا از روئے سہو اکثر کلمۂ کفر صادر می گردد کہ ایشاں بر آں متنبہ نمی شوند دریں صورت اکثر نکاح مناکحین منعقد

نمی گردد لہذا متاخرین از علمائے محتاطین احتیاطاً صفت ایمان مجمل و مفصل را بحضور متناکحین می گویند ومی گویانند تا انعقاد نکاح بحالت اسلام واقع شود۔ فی الحقیقت کہ علمائے متاخرین ایں احتیاط را در عقد نکاح افزودہ اند خالی از برکت اسلامی نیست کسانیکہ از اسلام بہرہ ندارند بلطف آں کے می رسند" یعنی شریعت مطہرہ کے قانون کے مطابق مومن اور کافر کے درمیان نکاح منعقد نہیں ہوسکتا اور ظاہر ہے کہ دولہا دولھن سے لاعلمی کی حالت میں یا بھول سے اکثر کلمۂ کفر صادر ہوجاتا ہے جس سے وہ لوگ آگاہ نہیں ہوتے اس صورت میں اکثر ان کا نکاح منعقد نہیں ہوتا اس لئے متاخرین علمائے محتاطین احتیاطاً ایمان مجمل و مفصل کے مضمون کو دولہا دولھن کے سامنے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں تاکہ نکاح حالت اسلام میں منعقد ہوجائے۔ حقیقت میں علمائے متاخرین نے اس احتیاط کو جو عقد نکاح میں بڑھایا ہے وہ اسلام کی برکت سے خالی نہیں ہے۔ مگر جو لوگ کہ اسلام سے خاص حصہ نہیں رکھتے وہ اس باریکی کو نہیں پہونچ سکتے (فتاوی عزیزیہ جلد اول صفحہ ۲۸) ثابت ہوا کہ اپنی ناسمجھی سے زید نے پوتا کا نکاح جو کلمہ پڑھنے سے انکار کیا غلط کیا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از امین الدین سراج الدین قادری سگرامپورہ مولوی اسماعیل اسٹریٹ سورت (گجرات)

کیا فرماتے ہیں حضرت مفتی صاحب قبلہ اس مسئلہ میں ہمارے یہاں سورت میں پرانے رواج کے مطابق قاضی شہر کے نائب نکاح پڑھاتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔ **اولاً**: وکیل صاحب سے قاضی صاحب دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے لڑکی کی اجازت لی؟ جواب ملتا ہے ہاں بعدہٗ دونوں گواہوں سے مخاطب ہوکر کہا جاتا ہے کہ تم دونوں نے سنا؟ جواب ملتا ہے ہاں اس کے بعد قاضی صاحب وکیل صاحب سے اجازت طلب کرتے ہیں کہ نکاح پڑھا دوں؟ جواب ملتا ہے ہاں۔ **دوم**: نوشہ کو کلمۂ شہادت اور ایمان مفصل پڑھاتے ہیں۔ **سوم**: خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ **چہارم**: وکیل صاحب سے مخاطب ہوکر کہا جاتا ہے کہ سنئے آپ نے اپنی موکلہ، عاقلہ، بالغہ مسماۃ نام بنت والد بن دادا کو اس کی خود کی اجازت سے اور آپ کی وکالت سے ان دونوں شاہدین کی شہادت سے اور جمیع حاضرین مجلس کے سامنے ذات اس شخص نام بن والد بن دادا کے ساتھ بعوض روپیہ سکۂ رائج الوقت مہر موجل کے نام بنت والد بن دادا کا نکاح نام بن والد بن دادا کے ساتھ کردیا؟ ہاں اس کو ان کے نکاح میں دی؟ ہاں **پنجم**: نوشہ سے مخاطب ہوکر کہا جاتا ہے کہ سنئے جناب نام صاحب عاقلہ بالغہ مسماۃ نام بنت والد بن دادا کو کہ اس کی خود کی اجازت سے اور جناب (وکیل) نام بن والد کی وکالت سے اور ان دونوں شاہدین کی شہادت سے اور جمیع

حاضرین مجلس کے سامنے بعوض روپیہ معدد سکہ رائج الوقت مہر موجل کے صحیح شرعاً امانتاً وکالتاً نام بنت والد کو آپ نے اپنے نکاح میں قبول کی؟ ہاں! آپ نے اپنی زوجیت میں لی؟ ہاں۔ پڑھو فقبلتها وتزوجتها ونکحتها۔

ششم: دعا پڑھی جاتی ہے کیا مذکورہ بالا تفصیل سے پڑھایا گیا نکاح درست ہے؟ زید کہتا ہے یہ نکاح فضولی ہے۔ اگر لڑکی نے بعد میں انکار کر دیا تو نکاح فسخ (ٹوٹ) ہو جائیگا تو یہ اس کا کہنا ٹھیک ہے؟ اگر نہیں ہے تو صحیح طریقہ سے آگاہ فرمائیں؟

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مسئولہ میں اگر لڑکی نے اجازت طلب کرنے والے کو نکاح کا وکیل بنایا مگر وکیل نے خود نکاح پڑھانے کے بجائے دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دی تو اس صورت میں بیشک نکاح فضولی ہوا اس لئے کہ وکیل کو اختیار نہیں کہ اس کام کے لئے وہ دوسرے کو وکیل بنائے ردالمحتار میں ہے الوکیل لیس لہ التوکیل بالنکاح اھ۔ اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں "وکیل بالنکاح کو شرعاً اتنا اختیار ہے کہ خود نکاح پڑھائے نہ کہ دوسرے کو پڑھانے کی اجازت دے جب تک کہ باذن مطلق یا صراحۃً دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہ ہو بغیر اس کے اگر اس نے دوسرے سے نکاح پڑھوایا تو صحیح مذہب پر نکاح بلا اذن ہوگا اگرچہ عقد اس (وکیل) کے سامنے ہی واقع ہو فی ردالمحتار عن العلامۃ الرحمتی البحوی عن کلام الامام محمد فی الاصل ان مباشرۃ وکیل الوکیل بحضرۃ الوکیل فی النکاح لاتکون کمباشرۃ الوکیل بنفسہ بخلافہ فی البیع" (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص۱۳) اور حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں "یہ جو تمام ہندوستان میں رائج ہے کہ عورت سے ایک شخص اذن لیکر آتا ہے جسے وکیل کہتے ہیں وہ نکاح پڑھانے والے سے کہہ دیتا ہے کہ میں فلاں کا وکیل ہوں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ نکاح پڑھا دیجئے یہ طریقہ محض غلط ہے وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ اس کام کے لئے وہ دوسرے کو وکیل بنا دے اگر ایسا کیا گیا تو نکاح فضولی ہوا اجازت پر موقوف ہے اجازت سے پہلے مرد وعورت ہر ایک کو توڑنے کا اختیار ہے بلکہ یوں چاہئے کہ جو نکاح پڑھائے وہ عورت یا اس کے ولی کا وکیل بنے خواہ یہ خود اس کے پاس جاکر وکالت حاصل کرے یا دوسرا اس کی وکالت کے لئے اذن لائے کہ فلاں ابن فلاں کو تو نے وکیل کیا کہ وہ تیرا نکاح فلاں بن فلاں سے کر دے عورت کہے ہاں" (بہار شریعت حصہ ہفتم ص۱۲) مگر جب کہ اس علاقہ میں یہ بات مشہور و معروف ہو کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا بلکہ دوسرے سے پڑھوائے گا تو اذن کے ضمن میں دوسرے کو بھی اذن دینے کا عرفاً اذن مل گیا فان المعروف کالمشروط کما ھو من القواعد المقررۃ الفقہیۃ اور وکیل کو جب اذن توکیل ہو تو بیشک اسے اختیار ہے کہ خود پڑھائے یا دوسرے کو اجازت دے۔

فی الاشباہ لا یوکل الوکیل الا باذن او تعمیم اھ۔ اس تقدیر پر نکاح فضولی نہ ہوا بلکہ نافذ ولازم واقع ہوا مگر یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ اس طریقہ نکاح کی شہرت ایسی عام ہو کہ کنواری لڑکیاں بھی اس سے واقف ہوں اور جانتی ہوں کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائے گا والا لم یکن معروفاً عندھن فلا یجعل کالمشروط فی حقھن۔ یہ سب اس صورت میں ہے کہ وکیل اصلی نے نکاح کے بعد کوئی ایسا کلمہ نہ کہا کہ جس سے اس نکاح کی اجازت ٹھہرے ورنہ خود اسی کے جائز کر دینے سے جائز ہو جائے گا اگرچہ اسے اذن توکیل نہ ہو فی الاشباہ الوکیل اذا وکل بغیر اذن وتعمیم واجاز ما فعلہ وکیلہ نفذ الا الطلاق والعتاق اھ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۳؍ شوال المکرم ۹۹ھ

مسئلہ: از عابد علی محلہ بتریٖن قصبہ مہنداول ضلع بستی

ہمارے یہاں رواج ہے کہ بالغہ لڑکی کے والدین لڑکی کی نسبت اس سے اجازت لئے بغیر طے کر لیتے ہیں اور لڑکی اس نسبت کی مخالفت بھی نہیں کرتی ہے کچھ دنوں کے بعد نکاح کا وقت آتا ہے تو دو وکیل دولہا کی طرف سے اور دو وکیل دولھن کی طرف سے دولھن کے باپ کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کا نکاح تمہاری فلاں لڑکی کے ساتھ کتنے مہر پر کر دیا جائے تو باپ بغیر لڑکی سے اجازت لئے ہوئے مہر بتا دیتا ہے اور نکاح پڑھانے کی اجازت دیدیتا ہے وکیل آکر نکاح خواں سے کہتے ہیں کہ فلاں بنت فلاں کا نکاح اتنے مہر میں فلاں بن فلاں کے ساتھ پڑھ دیا جائے تو نکاح خواں دولہا سے تین مرتبہ کہتا ہے کہ فلاں بنت فلاں کو اتنے مہر کے عوض اپنے نکاح میں قبول کرتے ہو کہ نہیں تو دولہا ہر مرتبہ جواب میں کہتا ہے کہ میں نے قبول کیا اب نکاح خواں خطبۂ نکاح پڑھتا ہے لڑکی راضی رہتی ہے اور بخوشی اپنے شوہر کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طرح کے نکاح شرعاً جائز ہوتے ہیں یا نہیں اگر نہیں تو شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب: جو رواج صورت مسئولہ میں درج ہے اس میں بعض صورتیں ایسی ہیں کہ نکاح ہو جائے گا اور کچھ صورتیں ایسی بھی نکلیں گی کہ نکاح نہ ہوگا لہٰذا لوگوں کو نکاح کے بارے میں رواجی طریقے سے پرہیز کرنا ضروری ہے کیونکہ جواز و عدم جواز کے قوانین کی یادداشت عوام کے لئے دشوار ہے بہرحال سوال میں رواجی نکاح کا جو خاکہ پیش کیا گیا وہ نکاح فضولی ہے اور فضولی نکاح اجازت پر موقوف رہتا ہے پھر اس صورت میں بالغہ لڑکی کا بخوشی اپنے شوہر کے ساتھ رخصت ہو کر جانا اجازت ہے لہٰذا اب نکاح صحیح ہو جائے گا۔ نکاح کا آسان اور شرعی طریقہ

یہ ہے کہ زید مثلاً کسی بالغہ عورت خواہ اپنی بیٹی یا غیر کا نکاح پڑھانا چاہتا ہے تو وہ خود عورت کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ تو نے فلاں بن فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر نکاح پڑھانے کے لئے مجھے وکیل بنایا؟ اگر عورت ہاں کہدے تو زید مجلس نکاح میں اگر خطبۂ نکاح پڑھے اور دولھا سے ایجاب کرکے اس سے قبول کرائے اور اگر دولھا نابالغ ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے قبول کرے ایجاب و قبول میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ وہ ماضی کے الفاظ ہوں یعنی دولھا سے یوں کہے کہ میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح اتنے مہر پر تمہارے ساتھ کیا اس پر دولھا یوں کہے کہ میں نے قبول کیا۔

کتبہ بدرالدین احمد رضوی

مسئلہ از منصب گورکھپور

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ خاتون بیگم کے شوہر مر جانے کے بعد ان کے لڑکا پیدا ہوا اور لڑکا کے بارے میں پوچھا گیا کہ کس کا ہے جواب ملا کہ مسلمان کا لڑکا بالغ ہو گیا اور اب اس کا نکاح کیسے ہو اس کا جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں دیں شوہر مر جانے کے ۵ رسال بعد لڑکا پیدا ہوا۔

الجواب نکاح میں باپ کی جگہ اس کی ماں کا نام لیا جائے گا اور باقی باتوں میں جیسے سب مسلمانوں کا نکاح ہوتا ہے ویسے ہی اس کا بھی ہوگا۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ رجمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۶ھ

مسئلہ از محمد صدیق بڑہرا ضلع بستی

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی دونوں صحیح العقیدہ ہیں لیکن نکاح خواں غیر مقلد وہابی ہے تو ایسی حالت میں نکاح ہوا کہ نہیں؟

الجواب جو لوگ غیر مقلد وہابی کو نکاح پڑھانے کے لئے لائے وہ گنہگار ہوئے توبہ کریں کہ اس میں وہابی کی ایک طرح تعظیم ہے اور اس کی تعظیم ناجائز و گناہ ہے مگر اس نے جو نکاح پڑھایا وہ منعقد ہو گیا کہ نکاح خواں حقیقت میں وکیل ہوتا ہے اور صحت وکالت کے لئے اسلام شرط نہیں فتاوی عالمگیری جلد سوم صفحہ ۴۳۹ میں ہے یجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لوکان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فھو علی وکالتہ الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالتہ کذا فی البدائع۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ ذوالحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ از نظام اللہ بگولہوا قاضی پوسٹ شہرت گڑھ ضلع بستی

محمود نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دے دی۔ ہندہ کے محمود سے ایک لڑکا زید بھی تھا پھر ہندہ نے بکر سے نکاح کر لیا تو جب زید کا نکاح ہوا تو زید بن محمود کے بجائے زید بن بکر کہا گیا صورت مذکورہ بالا میں نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب بوقت اذن جب کہ زید بن محمود کے بجائے زید بن بکر کہا گیا اور دولھن نے یا اس کے نابالغہ ہونے کی صورت میں اس کے ولی نے یہ جان کر اذن دیا کہ نکاح اس زید کے ساتھ ہوگا جو محمود کا لڑکا ہے لیکن بکر کے نکاح میں اس کی ماں ہونے کے سبب زید بن بکر کہہ دیا گیا ہے یعنی اذن دینے والے کے نزدیک زید متمیز ہوگیا تھا تو نکاح درست ہوا ورنہ نہیں۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۵ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از محمد زکی موضع تو نہواں ڈاکخانہ ہینداول ضلع بستی

ایک مولوی صاحب نے نکاح پڑھاتے وقت یہ کلمہ زبان سے کہا زید کی لڑکی اصغر النساء مسماۃ ضروری امر یہ ہے کہ مولوی صاحب نے نہ تو لڑکے کا نام لیا اور نہ لڑکے کے والد کا نام لیا بلکہ لڑکی کے نام کے بعد مسماۃ کا لفظ کہا تو یہ کہنا کیسا ہوا صحیح یا غلط نکاح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب اگر لڑکے سے قبول کرایا جاتا ہے تو لڑکے اور اس کے باپ کا نام لینے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ لڑکا خود سامنے موجود ہے لہذا نکاح ہو جائے گا۔ ہاں لڑکی سے نکاح پڑھانے کی اجازت طلب کرنے کے وقت البتہ لڑکے کا نام بتلاتے ہوئے اس کی تعیین ضروری ہے ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ از محمد عبد العزیز قادری یار علوی بیدی پور ضلع بستی

زید نے بکر و ہندہ کا عقد پڑھا اور دولھا کے مہر وغیرہ قبول کرنے کے بعد زید نے دولھا سے تین مرتبہ یہ لفظ کہلوایا کہ کہو میں نے قبول کیا اور میرا اللہ و رسول قبول فرمائے (۳ بار) اب خالد کہتا ہے کہ میرا اللہ و رسول قبول فرمائے اتنا لفظ کہلوانا درست نہیں ہے اور خالد دلیل دیتا ہے کہ کیا؟ نکاح اللہ و رسول کے ساتھ ہو رہا ہے جو تم کہلوا رہے

ہو کہ میرا اللہ ورسول قبول فرمائے۔ لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید نے جیسا قبول کروایا ہے وہ درست ہے یا نہیں یا خالد ہی کا کہنا صحیح ہے۔ بینوا توجروا

الجواب بعون الملک الوھاب میرا اللہ ورسول قبول فرمائے اس جملہ کا مطلب اگر یہ ہے کہ میرے قبول کے ہوئے نکاح کو اللہ ورسول بابرکت بنائیں تو جملہ صحیح ہے لیکن میں نے قبول کیا کے ساتھ میرا اللہ ورسول قبول فرمائے۔ جملہ بے محل ہے ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ

مسئلہ از عبد الوکیل المصباحی انجمن مڈل اسکول گلنڈی بھیلواڑہ (راجستھان)

حضور مفتی صاحب قبلہ السلام علیکم۔ عرض یہ ہے کہ ایک شخص نے نکاح کے بعد کی دعا پڑھتے ہوئے یہ دعا پڑھی۔ اللھم الف بینھما کما الفت بین یوسف وزلیخاء تو زید نے کہا کہ حضرت یوسف اور زلیخا کی محبت کا ثبوت تفاسیر سے نہیں ہے یہ دعا سراسر غلط ہے تفسیر ابن کثیر نے اس کو بے بنیاد کہا ہے۔ لہذا حضور والا سے مؤدبانہ بصد اخلاص واحترام گذارش ہے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام و زلیخا کی محبت صحیح ہے تو کون سی کتاب میں اس کا ذکر ہے؟ زیادہ سے زیادہ معتبر حوالوں کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب مولانا المحترم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللھم الف بینھما کما الفت بین یوسف وزلیخاء یہ دعا صحیح ہے اس دعا کو غلط بتانا سراسر غلط ہے کہ حضرت یوسف علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں حضرت زلیخا کا آنا اور ان سے بچوں کا پیدا ہونا اتنی معتبر تفسیروں سے ثابت ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں۔ آیت کریمہ وکذلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منھا حیث یشاء کے تحت تفسیر کبیر جلد خامس صفحہ ۱۳۶ میں ہے عزل الملک قطفیر زوج المرأۃ المعلومۃ ومات بعد ذالک وزوجہ الملک امرأتہ فلما دخل علیھا قال الیس ھذا خیرا مما طلبت فوجدھا عذراء فولدت لہ ولدین افرایم ومیشا۔ یعنی بادشاہ نے زلیخا کے شوہر قطفیر کو معزول کر دیا پھر جب وہ مر گیا تو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی اس کی عورت سے کر دی جب حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے جو تو چاہتی تھی۔ آپ نے حضرت زلیخا کو باکرہ پایا جن سے دو لڑکے پیدا ہوئے افرایم اور میشا۔ اور قال اجعلنی علیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم کے تحت تفسیر روح البیان جلد رابع صفحہ ۲۸۲ میں ہے فحلت من یوسف وولدت لہ ابنین فی بطن احدھما

افرایم والآخر میشا وکانا کالشمس والقمر فی الحسن یعنی حضرت زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں تو ایک بطن سے دو بچے پیدا ہوئے ایک افرایم اور دوسرے میشا جو حسن میں چاند سورج کی طرح چمکتے تھے۔ پھر اسی تفسیر روح البیان جلد رابع صفحہ ۳۲۳ پر آیت کریمہ ان ربی لطیف لما یشاء انہ ھو العلیم الحکیم کے تحت ہے وولد ليوسف من راعیل ای زلیخا افرایم ومیشا ورحمۃ امرأۃ ایوب علیہ السلام یعنی راعیل عرف زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے افرایم اور میشا۔ اور ایک صاحبزادی رحمت پیدا ہوئیں جو حضرت ایوب علیہ السلام کے نکاح میں آئیں۔ اور آیت کریمہ قال انک الیوم لدینا مکین امین کے تحت تفسیر ابوالسعود علی ہامش تفسیر کبیر جلد سادس صفحہ ۱۳۲ میں ہے زوجہ راعیل فوجدھا عذراء وولدت لہ افرایم ومیشا یعنی بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح حضرت زلیخا سے کر دیا تو آپ نے ان کو کنواری پایا جن سے دو بچے افرایم اور میشا پیدا ہوئے۔ اور تفسیر مدارک جلد ثانی صفحہ ۲۲۸ پر آیت کریمہ ولاجر الآخرۃ خیر للذین آمنوا وکانوا یتقون کے تحت ہے فوض الملک الیہ امرہ وعزل قطفیر ثم مات بعد فزوجہ الملک امرأتہ فلما دخل علیھا قال الیس ھذا خیر مما طلبت فوجدھا عذراء فولدت لہ ولدین افرایم ومیشا۔ یعنی بادشاہ نے اپنا معاملہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دیا اور عزیز مصر قطفیر کو معزول کر دیا پھر جب وہ مر گیا تو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا عقد اس کی بیوی زلیخا سے کر دیا جب آپ ان کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے جو تم نے چاہا تھا تو آپ نے حضرت زلیخا کو باکرہ پایا جن سے دو بچے افرایم اور میشا پیدا ہوئے۔ اور آیت کریمہ وکذلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منھا حیث یشاء کے تحت تفسیر خازن جلد ثالث صفحہ ۲۹۳ میں ہے زوج الملک یوسف امرأۃ العزیز بعد ھلاکہ یعنی عزیز مصر کی موت کے بعد بادشاہ نے اس کی بیوی زلیخا کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کر دیا۔ اور تفسیر معالم التنزیل مع خازن جلد ثالث صفحہ ۲۹۲ پر آیت کریمہ قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم کے تحت ہے زوج الملک یوسف راعیل امرأۃ قطفیر یعنی بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی قطفیر عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے کی۔ اور آیت کریمہ وکذلک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منھا حیث یشاء کے تحت تفسیر جلالین صفحہ ۱۹۴ میں ہے ان الملک توجہ وختمہ وولاہ مکان العزیز وعزلہ ومات بعد فزوجہ امرأتہ زلیخا فوجدھا عذراء وولدت لہ ولدین یعنی بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تاج دیا انگوٹھی دی اور عزیز مصر کو معزول کر کے اس کی جگہ پر آپ کو حاکم بنایا پھر جب وہ مر گیا تو بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی اس کی بیوی زلیخا سے کر دی جن کو آپ نے

باکرہ پایا اور ان سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ اور اسی کے تحت تفسیر صاوی جلد ثانی ص۲۱۰ میں ہے فزوج الملک یوسف امرأۃ العزیز بعد ھلاکہ فولدت لہ ولدین ذکرین افرائیم ومیشا وبنتا اسمھا رحمۃ زوجۃ ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یعنی عزیز مصر کی موت کے بعد اس کی بیوی سے بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی کر دی تو ان سے دو لڑکے افرائیم اور میشا پیدا ہوئے اور ایک لڑکی رحمت پیدا ہوئیں جو حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہوئیں۔ اور اسی کے تحت تفسیر جمل جلد ثالث ص۴۶۳ میں ہے زوج الملک یوسف امرأۃ العزیز بعد ھلاکہ فولدت لہ ولدین ذکرین افرائیم ومیشا وھما ابنا یوسف۔ یعنی بادشاہ نے عزیز مصر کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے حضرت یوسف علیہ السلام کی شادی کر دی تو حضرت زلیخا کو دو اولاد نرینہ ہوئے جو یوسف علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ اور تفسیر جامع البیان میں آیت کریمہ قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم کے تحت ہے ان العزیز توفی او عزل فجعل الملک یوسف مکانہ فزوجہ امرأتہ زلیخا فوجدھا عذراء وولد منہا ابنان یعنی عزیز مصر مر گیا یا معزول کر دیا گیا تو اس کے بعد اس کی جگہ پر بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو مقرر کر دیا پھر اس کی بیوی زلیخا سے آپ کی شادی کر دی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو باکرہ پایا جس سے دو بچے پیدا ہوئے۔ اور وکذالک مکنا لیوسف فی الارض یتبوأ منہا حیث یشاء کے تحت تفسیر خزائن العرفان میں ہے "بادشاہ نے اس (عزیز مصر) کے انتقال کے بعد زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے کر دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کو باکرہ پایا اور اس سے آپ کے دو فرزند ہوئے افرائیم اور میشا" اور اسی آیت کریمہ کے تحت تفسیر نور العرفان میں ہے "ایک سال کے بعد بادشاہ نے آپ کو بادشاہ بنا دیا اور عزیز مصر کے مرنے کے بعد زلیخا سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح کر دیا۔ اور اسی تفسیر نور العرفان میں آیت کریمہ ان ربی لطیف لما یشاء کے تحت ہے کہ "زلیخا کے شکم سے یوسف علیہ السلام کے دو فرزند افرائیم او میشا ایک دختر رحمت پیدا ہوئیں جو ایوب علیہ السلام کے نکاح میں آئیں"۔ یہاں تک کہ دیوبندیوں کے مولانا اشرف علی تھانوی نے آیت کریمہ رب قد اٰتیتنی الخ کے تحت لکھا ہے کہ "حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا سے نکاح کیا جن سے دو لڑکے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اسی طرح اکثر مفسرین نے حضرت یوسف علیہ السلام کے نکاح میں حضرت زلیخا کا آنا بیان کیا ہے بلکہ ان سے اولاد ہونے کو بھی لکھا ہے لہٰذا ابن کثیر نے اگر عام مفسرین کے خلاف لکھا ہو تو وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ / ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ از (مولانا) عبد المبین نعمانی ذاکر نگر جمشید پور

مجلس نکاح میں قاضی نے ایجاب و قبول کرایا اور گواہ حاضر تھے مگر ایجاب و قبول کے الفاظ کو نہیں سنا تو نکاح درست ہوا یا نہیں ؟

الجواب

گواہوں نے اگر ایجاب و قبول کے الفاظ کو نہیں سنا تو نکاح درست نہ ہوا۔ بلکہ اگر پہلی بار ایک گواہ نے سنا اور دوسرے نے نہیں سنا پھر جب نکاح کے لفظ کو دہرایا تو اب دوسرے نے سنا پہلے نے نہیں سنا یا دونوں نے ایک ساتھ ایجاب سنا مگر قبول نہ سنا۔ یا قبول سنا ایجاب نہ سنا یا ایک نے ایجاب سنا دوسرے نے قبول سنا تو ان سب صورتوں میں بھی نکاح درست نہ ہوا اس لئے کہ دو گواہوں کا ایجاب و قبول کے الفاظ کو ایک ساتھ سننا نکاح میں شرط ہے درمختار میں ہے شرط حضور شاهدين حرين او حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا على الاصح اھ۔ فتح القدیر میں ہے اشتراط السماع لانه المقصود من الحضور اھ۔ فتاوی قاضی خاں میں ہے ان سمع احد الشاهدين كلامهما ولم يسمع الشاهد الآخر لا يجوز فان اعاد لفظة النكاح فسمع الذی لم يسمع العقد الاول ولم يسمع الاول العقد الثانی لا يجوز اھ۔ فتاوی عالمگیری میں ہے لو سمعا كلام احدهما دون الآخر او سمع احدهما كلام احدهما والآخر كلام الآخر لا يجوز النكاح هكذا فی البدائع اھ۔ وهو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم شعبان المعظم سنہ ۹۹ھ

مسئلہ

از صغیر احمد پوسٹ و مقام بہادر پور ضلع بستی

ایک شخص نے نکاح کے لئے فاسقوں کو گواہ ٹھہرایا تو فاسقوں کی گواہی سے نکاح ہوا یا نہیں ؟ اور فاسقوں کو گواہ ٹھہرانے والا گنہگار ہوا یا نہیں ؟

الجواب

ایجاب و قبول کا نام نکاح ہے اور جس کی موجودگی میں کوئی کام ہو وہ گواہ ہے لہذا جب بہت سے لوگوں کی موجودگی میں نکاح ہو تو مجلس نکاح میں جو لوگ ایجاب و قبول کے الفاظ کو سنیں حقیقت میں وہ سب نکاح کے گواہ ہیں خواہ انہیں گواہ نامزد کیا گیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور جو لوگ لڑکی یا اس کے ولی سے اجازت لینے کے لئے عام طور پر وکیل کے ساتھ جانے کے لئے نامزد کئے جاتے ہیں وہ خاص طور پر اس بات کے گواہ ہوتے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو وکیل بنایا اگرچہ عوام انہیں نکاح کا گواہ سمجھتے ہیں ہاں اگر یہی نامزد گواہ مجلس نکاح میں ایجاب و قبول کے الفاظ کو بھی سنیں تو وہ لوگ وکالت کے گواہ ہونے کے ساتھ نکاح کے بھی گواہ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ نکاح کے گواہ صرف نامزد کردہ گواہ نہیں بلکہ مجلس نکاح کا ہر وہ شخص گواہ ہے کہ جس نے ایجاب و قبول کے الفاظ کو سنا۔ اور

اگر صرف دو فاسقوں نے ایجاب و قبول کو سنا تو بھی نکاح صحیح ہو گیا فتاویٰ قاضی خاں مع ہندیہ ج ۱ صفحہ ۲۰۳ اور فتاویٰ عالمگیری جلد ایک صفحہ ۲۵۰ میں ہے یصح بشھادۃ الفاسقین والاعمیین یعنی دو فاسقوں یا صرف دو اندھوں کی گواہی سے بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور بحر الرائق جلد ۳ صفحہ ۸۹ و ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ میں ہے انعقد بحضور الفاسقین و الاعمیین یعنی دو فاسقوں یا صرف دو اندھوں کی موجودگی میں بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور شرح وقایہ جلد ۲ صفحہ ۹ میں ہے صح عند فاسقین یعنی دو فاسقوں کی موجودگی میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ صفحہ مذکور میں ہے ان حضر فاسقان عند النکاح انعقد النکاح یعنی اگر نکاح کے وقت صرف دو فاسق موجود ہوں تو بھی نکاح ہو جائے گا اور ہدایہ جلد اول صفحہ ۲۸۶ میں ہے لانہ صلح مقلدا فیصلح مقلدا وکذا شاھدا یعنی جب کہ فاسق بادشاہ اسلام بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو قاضی شرع اور گواہ بننے کی بھی وہ صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا نکاح مذکور فاسقوں کی گواہی سے ہو گیا اور فاسقوں کو گواہ مقرر کرنے والا گنہگار نہ ہوا البتہ اگر عرف میں گواہ ہونا ایک قسم کی تعظیم ہے تو فاسقوں کو گواہ مقرر کرنا جائز نہیں اس لئے کہ تعظیم و توہین کا مدار عرف پر ہے (فتاویٰ رضویہ جلد ۳ صفحہ ۲۴۷) اور فاسقوں کی تعظیم ناجائز ہے اور فاسقوں کی گواہی سے اگرچہ نکاح ہو جاتا ہے مگر ان کی گواہی سے نکاح نہیں کرنا چاہیئے اس لئے کہ اس صورت میں اگر عاقدین میں سے کسی نے نکاح کا انکار کر دیا تو فاسقوں کی گواہیوں سے نکاح ثابت نہ ہو گا۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا (پ ۱۸ ع ۷) یعنی ان فاسقوں کی گواہی کبھی قبول نہ کرو" اور بہار شریعت ج ۷ صفحہ ۱۲ میں ہے نکاح کے گواہ فاسق ہوں یا اندھے یا ان پر تہمت کی حد لگائی گئی ہو تو ان کی گواہی سے نکاح منعقد ہو جائے گا مگر عاقدین میں سے اگر کوئی انکار کر بیٹھے تو ان کی شہادت سے نکاح ثابت نہ ہو گا۔ یعنی نکاح کے دو حکم ہیں ایک حکم انعقاد دوسرے حکم اظہار تو فاسقوں کی گواہیوں سے نکاح کے انعقاد کا حکم تو ثابت ہو جائے گا مگر اظہار کا حکم ثابت نہ ہو گا جیسا کہ شامی جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ میں ہے النکاح لہ حکمان حکم الانعقاد وحکم الاظھار فالاول ماذکرہ (الماتن) والثانی انما یکون عند التجاحد فلا یقبل فی الاظھار الا شھادۃ من تقبل شھادتہ فی سائر الاحکام کما فی شرح الطحاوی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
یکم شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از عبد السلام ٹیچر عابدہ ہائی اسکول مظفر پور (بہار)

استقامت شمارہ فروری و مارچ ۱۹۸۲ء میں آپ نے لکھا ہے کہ نکاح غائبانہ درست ہے جب کہ عورت نے اجازت دی

ہو تو اگر کوئی شخص کسی عورت یا بالغ لڑکی سے نکاح کرنا چاہے اور اس عورت یا لڑکی سے مہر وغیرہ کے معاملات طے کرکے غائبانہ نکاح پڑھوالے اور اس عورت یا لڑکی کو خبر کرے کہ میں نے تمہارے ساتھ ان شرائط کے ساتھ نکاح کیا اور وہ عورت یا بالغ لڑکی اسے منظور کرلے تو کیا شرعی اعتبار سے نکاح درست ہو جائے گا۔

الجواب آج کل نکاح غائبانہ ہی ہوتا ہے کہ عورت مجلس نکاح میں حاضر نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ کسی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنا دیتی ہے وہ مجلس نکاح میں جاکر ایجاب وقبول کرا دیتا ہے لہذا اگر کوئی عورت مشرق میں ہو اور وہ کسی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل بنادے کہ تم میرا نکاح اتنے مہر کے ساتھ فلاں شخص سے کردو جو مغرب میں ہے وکیل نے وہاں پہونچ کر دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرا دیا نکاح ہو گیا۔ اور اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو مہر وغیرہ کے معاملات طے کئے بغیر بھی اگر دو گواہوں کی موجودگی میں اس سے نکاح کرے اس طرح کہ کوئی شخص اسی مجلس میں قبول کرے تو اگرچہ وہ قبول کرنے کا وکیل نہ ہو اس صورت میں بھی نکاح ہو جائے گا مگر نکاح فضولی ہوگا یعنی عورت کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ جائز کردے تو صحیح ہو جائے گا ورنہ لغو ہو جائے گا فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۸۰ میں ہے رجل قال اشھدوا انی تزوجت فلانۃ فبلغھا الخبر فاجازت فھو باطل وکذا لو قالت امرأۃ بین یدی الشھود اشھدوا انی زوجت نفسی من فلان الغائب فبلغہ الخبر فاجاز لایجوز ولو قبل فضولی عن الغائب فی الفصلین یتوقف علی اجازۃ الغائب فی قول اصحابنا کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۷ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از شیر محمد کیراف عبدالمنان صاحب کرانہ مرچنٹ مرینٹ گیٹ بلرام پور گونڈہ

مسمی سہراب علی کے نابالغ لڑکے کا نکاح ایک نابالغہ لڑکی سے ہوا مگر ایجاب وقبول اسی نابالغ دولہا سے کرایا گیا۔ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ نابالغ کے والد کو اپنے نابالغ لڑکے کی طرف سے قبول کرنا چاہیئے مگر لوگوں نے غلط سمجھا اور اسی نابالغ ہی سے قبول کرایا کیا یہ نکاح صحیح ہوا یا غلط اور مولوی صاحب صحیح کہہ رہے تھے یا غلط۔

الجواب اگر نابالغ بچہ ناسمجھ ہے تو نکاح منعقد نہ ہوا اور اگر سمجھ والا ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا مگر ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۲۵۰ میں ہے لا ینعقد نکاح الصبی الذی لا یعقل ونکاح الصبی العاقل یتوقف نفاذہ علی اجازۃ ولیہ ھکذا فی البدائع ملخصاً۔

وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

مسئلہ

از محبوب خاں عرفانی ٹرسٹی جامع مسجد منچر ضلع پونہ (مہاراشٹر)

ٹیلی فون کے ذریعہ نکاح پڑھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

فتاوی عالمگیری میں ہے من شرائطہ سماع الشاھدین کلامھما یعنی نکاح کے لئے دو گواہوں کا ساتھ ہی ایجاب وقبول کے الفاظ کا سننا شرط ہے اور یہ ٹیلی فون پر کسی طرح ممکن ہے لیکن جب گواہ پردہ کے پیچھے ہو تو معتبر نہیں اس لئے کہ ایک آواز دوسری آواز سے مل جاتی ہے اور ٹیلی فون پر بولنے والے کی تعیین میں عموماً اشتباہ ہوتا ہے تو اس کے ذریعہ سننے والا گواہ نہیں بن سکتا اس لئے ٹیلی فون کے ذریعہ نکاح پڑھنا ہرگز صحیح نہیں فتاوی عالمگیری کتاب الشہادۃ میں ہے لو سمع من وراء الحجاب لایسعہ ان یشھد لاحتمال ان یکون غیرہ اذ النغمۃ تشبہ النغمۃ اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
۹ر ذوالقعدہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ

از شمس الحسن کپا ونڈ جنتا چکتسالیہ دتیا چوک گورکھپور

ایک لڑکا جس کا نام عبدالقادر ہے اور اس کے والد کا نام جعفر علی صاحب ہے۔ اس لڑکے عبدالقادر کو بچپن ہی میں جب اس کی عمر ۱½ سال کی تھی تو جناب جھمن نے گود لے لیا تھا۔ جعفر علی صاحب اور جھمن علی صاحب آپس میں سگے بھائی ہیں اور ان کی بیویاں بھی آپس میں بہن تھیں۔ جھمن صاحب جعفر علی کے بڑے بھائی ہیں ۵ر اپریل سنہ ۸۲ کو اس لڑکے عبدالقادر کی شادی ہو گئی دولہن گھر آئی اور ساری رسم پوری ہو گئی ہے۔ ایجاب وقبول کرنے کے وقت یہ کہا گیا کہ (عبدالقادر ولد جھمن) اس بات کو لڑکے نے بھی تسلیم کر لیا۔ نکاح کے وقت کچھ لوگوں نے اس بات کا اعتراض کیا۔ تو اس پر لڑکی والوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوا جھمن صاحب نے جعفر علی صاحب سے کہا کہ آپ ولی بن جائیے اور اس کی ساری ذمہ داری آپ پر رہے گی تو جعفر علی صاحب نے کہا کہ میں عبدالقادر کو بچپن ہی میں آپ کی دیکھ ریکھ میں سونپ دیا تھا اس لئے کہ میں کچھ نہیں جانتا اور مجھ سے کوئی مطلب نہیں۔ جھمن صاحب ہی نے اس لڑکے کو بچپن سے پالا پوسا ہے کسی طرح کی کوئی شکایت نہیں آنے دی۔ یا اس کے علاوہ جھمن صاحب کا کوئی سگی اولاد نہیں ہے نکاح پڑھتے وقت عبدالقادر کے ساتھ ولدیت میں کس کا نام لینا چاہیئے تھا جعفر علی صاحب کا یا جھمن صاحب کا؟ کیا یہ صحیح ہے اگر یہ غلط ہو گیا تو اب کیا کیا جائے؟ جب کہ شادی کی پوری رسم ادا ہو چکی جواب فوراً ارسال

کریں۔ میں آپ کا ممنون ہوں گا۔

الجواب نکاح کے سلسلے میں عبدالقادر ولد جعفر علی کہنا چاہیئے تھا لیکن اگر نکاح پڑھانے والے نے یوں کہا کہ اے عبدالقادر ولد جھمن ہم نے تمہارے ساتھ فلانہ بنت فلاں کا نکاح اتنے مہر کے بدلے میں کیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں نکاح ہوگیا۔ اس لئے کہ جب نکاح پڑھانے والے کا مخاطب لڑکا ہو تو اس صورت میں قبول کرانے کے لئے لڑکا کے نام لینے کی حاجت ہی نہیں صرف تم یا آپ کہنا کافی ہے۔ البتہ لڑکی سے اذن لیتے وقت اور اگر لڑکی نابالغہ ہو تو اس کے ولی سے اذن لیتے وقت لڑکا کے نام لینے کی حاجت ہوتی ہے تو اگر لڑکی سے اذن لیتے وقت عبدالقادر ولد جھمن کہا گیا اور لڑکی نے یہ جان کر اذن دیا کہ میں اس عبدالقادر کے ساتھ نکاح کی اجازت دیتی ہوں جو جعفر علی کا لڑکا ہے اور جھمن کی پرورش کے سبب ولد جھمن کہدیا گیا ہے تو اس صورت میں بھی نکاح ہوگیا کہ نکاح ہونے کے لئے جس کے ساتھ نکاح کیا جائے اس کا صرف متمیز ہونا ضروری ہے ھکذا فی الجزء الخامس من الفتاوی الرضویۃ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ رجمادی الاُخریٰ سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از محمد اکرام محلہ مکری گنج مکان ۵۰ اعظم گڑھ

ہم محمد اکرام و محمد عاشق کے سامنے عبدالستار خاں کے فرزند عین الحق صاحب نے ایک لڑکی بالغہ سے کہا تو میری ہو جا اس نے جواب میں کہا ہو گئی اپنے آپ کو اس کی زوجیت میں دیا۔ کیا یہ نکاح شریعت اسلامیہ کے مطابق صحیح ہو گیا؟

الجواب صورت مسئولہ میں اگر محمد اکرام و محمد عاشق نے عین الحق اور لڑکی کے کلمات مذکورہ کو سنا تو نکاح منعقد ہو گیا اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص ۲۵۲ میں ہے لو قال تزوجینی نفسک فقبلت انعقد اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ از محمد بشیر ڈفل ڈیہوا۔ ضلع گونڈہ

ماہ صفر میں ۱۳ تاریخ تک اور ربیع الاول شریف میں ۱۲ تاریخ تک عوام شادی بیاہ کرنے سے منع کرتے ہیں تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب یکم صفر سے ۱۳ صفر تک اور یکم ربیع الاول سے ۱۲ ربیع الاول تک شادی بیاہ کرنا بلاشبہہ جائز ہے شرعاً کوئی حرج نہیں۔ ان تاریخوں میں شادی بیاہ کرنے کو منع کرنا جہالت ونادانی ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۱ صفر المظفر ۱۳۸۷ھ

مسئلہ از جمیل الدین صدیقی شہر بہرائچ

ماہ محرم میں شادی بیاہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جائز ہے شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از محمد شریف مدرسہ ندائے حق اشرفیہ پرانا گولہ۔ بڑہل گنج گورکھپور

ہندہ شادی شدہ شوہر والی غیر مطلقہ ہے اور یہ بات زید کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہندہ شادی شدہ شوہر والی غیر مطلقہ ہے پھر بھی اس کا نکاح بکر کے ساتھ زید نے پڑھ دیا کیا اس کا نکاح صحیح ہے؟ نیز یہ بھی مدلل تحریر فرمائیں کہ زید کی بیوی اس کے نکاح میں رہی یا نکل گئی؟

الجواب جب عورت کسی کے نکاح یا عدت میں ہو جان بوجھ اس کا نکاح دوسرے سے پڑھنا ہرگز جائز نہیں لہذا ہندہ اگر شوہر والی ہے اور یہ جانتے ہوئے زید نے اس کا نکاح بکر کے ساتھ پڑھ دیا تو وہ نکاح حرام ہے ہندہ اور بکر پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور علانیہ توبہ واستغفار کریں اور زید سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے وہ توبہ واستغفار کرنے کے ساتھ اس نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ واپس کرے اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (پ ۷ ع ۱۴) شوہر والی عورت کا نکاح جان بوجھ کر دوسرے سے پڑھنا حرام ہے اور فعل حرام کے سبب عورت نکاح سے نہیں نکلتی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۲ ذی القعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ
مسئولہ منشی محمد سلیمان نوناداں درگاہ ضلع گونڈہ

جو عورت کسی کے نکاح میں ہو تو اس کا نکاح دوسرے کے ساتھ پڑھنے والے قاضی پر شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب
جو عورت کسی کے نکاح میں ہو پھر اس کا دوسرے سے نکاح پڑھنا حرام و زناکاری کا دروازہ کھولنا ہے جو سخت ناجائز و اشد حرام ہے۔ قاضی پر لازم ہے کہ علانیہ توبہ و استغفار کرے اور اس نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا بائیکاٹ کر دیں واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم ذی الحجہ ۸۵ھ

مسئلہ
مسئولہ محی الدین موضع کنو ضلع سلطان پور ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

زید نے لاعلمی میں ایک منکوحہ عورت زینب کا نکاح بکر سے پڑھ دیا تو زید کی بیوی اس کے نکاح سے نکلی یا نہیں؟ نیز ایسے شخص کو امام یا موذن بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب
صورت مسئولہ میں اگر زینب منکوحہ تھی اور زید کو اس کا علم تھا مگر اس کے باوجود اس نے زینب کا نکاح بکر سے پڑھ دیا تا وقتیکہ زید علانیہ توبہ نہ کرے اور نکاح مذکور کے غلط اور باطل ہونے کا اعلان عام نہ کر دے زید کو امام موذن بنانا جائز نہیں اس لئے کہ ایسا شخص فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امامت اور اذان کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں ھکذا فی کتب الفقہ اور اگر زید یقیناً نہیں جانتا تھا اور نکاح پڑھ دیا تو گنہگار نہیں ہوگا اور اس کی بیوی دونوں صورتوں میں اس کے نکاح سے نہیں نکلے گی لیکن اس صورت میں بھی زید پر فرض ہے کہ اپنے پڑھے ہوئے نکاح کے غلط اور ناجائز ہونے کا اعلان عام کر دے اور آئندہ تحقیقات کے بعد نکاح پڑھا کرے، اور بکر و زینب پر فرض ہے کہ آپس میں ازدواجی تعلقات ہرگز ہرگز قائم نہ کریں ورنہ دونوں سخت حرام کار، نہایت بدکار، لائق عذاب قہار اور دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوں گے واللہ ورسولہ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ
از محمد ادریس انکنیا پوسٹ چترا شیخ ضلع بستی

رحم اللہ شادی شدہ ہے اس کی بیوی موجود ہے اس کے پاس دو بچے بھی ہیں اس کے بڑے بھائی کا انتقال ہو گیا عدت گزرنے کے بعد رحم اللہ نے اپنی بھاوج کے ساتھ نکاح کرنا چاہا تو محمد صدیق صاحب نے رحم اللہ کی

بیوی سے اجازت لئے بغیر رحم اللہ کا نکاح اس کی بھاوج کے ساتھ پڑھ دیا تو اجازت نہ لینے کے سبب محمد صدیق گنہگار ہوئے یا نہیں ؟

الجواب بعون الملک العزیز الوھاب دوسرا نکاح کرنے کے لئے پہلی بیوی سے نکاح خواں کا اجازت لینا ضروری نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں پہلی عورت سے اجازت نہ لینے کے سبب محمد صدیق گنہگار نہیں ہوئے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جمال احمد خاں الرضوی
یکم جمادی الاخریٰ سنہ ۱۴۱۲ھ

مسئلہ از حاجی مدار بخش کالپی محلہ دمدمہ ضلع جالون

اگر قاضی بغیر کسی عورت کی طلاق ہوئے دوسرے کے ساتھ نکاح پڑھا دے تو قاضی کے اوپر کیا جرم ہوتا ہے ؟

الجواب اگر قاضی نے کسی منکوحہ عورت کا نکاح دوسرے کے ساتھ پڑھ دیا تو قاضی پر لازم ہے کہ علانیہ توبہ واستغفار کرے، نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب لوگ اس کا اسلامی بائیکاٹ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۳ ذی القعدہ سنہ ۹۹ھ

مسئلہ از عبد الرؤف میمن رضوی عثمانیہ مسجد دھوراجی سوراشٹر

ہندہ زید کی بیوی ہے عرصہ ۲ ماہ کا گزر چکا ہندہ کا باپ ہندہ کو میکے روک رکھا ہے زید نے روکنے کا سبب معلوم کیا تو ہندہ کا باپ کوئی معقول وجہ نہیں بتاتا ہے زید سے بار بار طلاق کا مطالبہ کرتا ہے ہندہ اور زید کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ زید یوروپین فیشن و سنیما سے خود بچتا ہے اور شرعی زندگی گزارنے کا عادی ہے اسی طرح وہ اپنی منکوحہ کو بھی دیکھنا اور رکھنا چاہتا ہے عام عورتوں کی طرح بازار میں ہندہ کو گھومنے سے منع کرتا ہے ہندہ اپنے باپ سے شوہر اور بیوی کے مابین پیار و محبت کے چھپے ہوئے راز کو بتاتی ہے ہندہ کا باپ بیوی سے ملاقات کرنے سے روکتا ہے اور شوہر کی ہر خوشی کرنے سے منع کرتا ہے اور عورت کے لئے وہ کہتا ہے کہ عورت صرف گھر کی زینت ہے اسے دیکھا جاسکتا ہے استعمال کو پیر صاحب نے منع کیا ہے اور شریعت میں منع ہے ایسی صورت میں استدعا ہے کہ میاں بیوی کو ۲ ماہ سے جدا رکھنا جاوبہ گھر خراب کرنے والا گنہگار ہے کہ نہیں ؟ اور اس پر

کیا حکم اسلامی ہے میاں بیوی کی شرعی حد کیا ہے؟ کیا ایسا ہی ہے جیسا ہندہ کا باپ کرتا ہے؟

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب مسلم شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر کی طرف بلائے اور وہ انکار کردے تو وہ ذات جو آسمان پر ہے یعنی خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے جب تک کہ شوہر اس سے راضی نہ ہو (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۱) اور ترمذی شریف کی حدیث ہے سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا «جب شوہر اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے تو عورت کو اس کا حکم ماننا چاہیئے اگرچہ وہ تنور پر کھانا پکانے میں مشغول ہو (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۱) لہٰذا ہندہ کو اس کے شوہر کے پاس آنے سے روکنا یا اس کا خود رکنا سخت گناہ اور خدائے ذوالجلال کی ناراضگی کا سبب ہے اور بلا کسی وجہ معقول کے طلاق طلب کرنے والے پر جنت کی بو حرام ہے جیسا کہ ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جو عورت بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق چاہے اس پر جنت کی بو حرام ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۳) اور ابوداؤد شریف کی دوسری حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا «حلال چیزوں میں خدا کے نزدیک سب سے بری چیز طلاق ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۳) اور دار قطنی شریف کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سب سے زیادہ مبغوض و ناپسندیدہ طلاق ہے (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۴) اور زید جو یورپین فیشن سے بچتا ہے اور شرعی زندگی گذارتا ہے تو یہ عیب نہیں بلکہ ہر مسلمان پر یہی واجب ہے جو زید کرتا ہے اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام سخت حرام اشد حرام۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۲۲) اور بے شک زید پر لازم ہے کہ وہ عام عورتوں کی طرح اپنی بیوی ہندہ کو بازار وغیرہ میں گھومنے سے منع کرے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو مرد کی نگاہ میں بہت بہتر صورت میں دکھاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹) اور ہندہ اپنے شوہر کے راز کو بتانے کے سبب سخت گنہگار ہوتی ہے کہ یہ ایک قسم کی امانت ہے جس میں وہ خیانت کرتی ہے اگر وہ اپنی اس عادت سے باز آکر توبہ نہ کرے گی تو اس کی دنیا اور دین دونوں برباد ہو جائیں گے اور وہ دونوں جہان میں خائب و خاسر ہوگی۔ اور شوہر کو اس کی بیوی کی ملاقات سے روکنا گناہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی حاجت ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے «هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ» (پ ۲ ع ۷) اور عورت صرف گھر کی زینت نہیں ہے اور نہ شریعت نے اس کے استعمال سے منع کیا

ہے بلکہ وہ انسان کی کھیتی بھی ہے جس کے استعمال کا خدائے تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ (پ ۲ ع ۱۲) اور بیشک میاں بیوی کو ایک دوسرے سے جدا رکھنے والا اور بلا وجہ شرعی دوسرے کے گھر کو خراب کرنے والا گنہگار اور مستحق عذاب نار ہے۔ اور میاں بیوی کی شرعی حد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں۔ لہٰذا جو شخص ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے سے روکے گا وہ لائق عذاب قہار ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ ہندہ کے باپ نے اگر بغیر کسی وجہ معقول کے اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے یہاں جانے سے روکا تو گنہگار مستحق ملامت ہوا۔ اس پر لازم ہے کہ اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے یہاں بھیجے یا عذر معقول بیان کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۰ھ

چند اصول فقہ

۱۔ الضرورات تبیح المحظورات	۱۔ شرعی ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔
۲۔ الیقین لا یزول بالشک	۲۔ یقین شک سے زائل نہیں ہوگا۔
۳۔ ماثبت بیقین لا یرتفع الا بالیقین	۳۔ جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ یقین ہی سے مرتفع ہوگی۔
۴۔ ماحرم فعلہ حرم طلبہ	۴۔ جس کام کا کرنا حرام اس کی طلب بھی حرام۔
۵۔ التابع یسقط بسقوط المتبوع	۵۔ متبوع کے سقوط سے تابع بھی ساقط ہو جاتا ہے۔
۶۔ یسقط الفرع اذا سقط الاصل	۶۔ جب اصل ساقط ہو جائے تو فرع بھی ساقط ہو جائے گی۔
۷۔ مجرد الخبر لا یصلح حجۃ	۷۔ خبر محض حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔
۸۔ المعلق بالشرط یثبت بوجود الشرط	۸۔ کسی شرط پر معلق چیز اس وقت ثابت ہوگی جبکہ شرط پائی جائے۔
۹۔ خیر الامور اوسطہا	۹۔ ہر چیز میں بہتر وہی ہے جو درمیانی ہو۔
۱۰۔ السکران فی الحکم کالصاحی	۱۰۔ نشہ والا حکم میں ہوش والے کی طرح ہے۔
۱۱۔ لا یجوز ترک الواجب للاستحباب	۱۱۔ مستحب کی وجہ سے واجب کا ترک جائز نہیں۔

(الاشباہ والنظائر، شرح السیر الکبیر)

فصل فی المحرمات

محرمات کا بیان

مسئلہ از برکت علی خاں پوسٹ ومقام پچپیا ضلع گورکھپور

زید کی بیوی ہندہ ہے زید کے پاس ایک لڑکا ہے اب زید کی بیوی مرگئی اس کے بعد زید نے دوسری شادی کی اور دوسری بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کی طلاق دیدی۔ اب زید کا لڑکا اپنی اس سوتیلی ماں سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب سوتیلی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے خواہ باپ نے اس سے ہمبستری کی ہو یا نہ کی ہو قرآن کریم پارہ چہارم رکوع تیرہ[۱۳] میں ہے وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ اور ردالمحتار جلد دوم ص۲۷۹ میں ہے تحرم زوجة الاصل والفرع بمجرد العقد دخل بها اولا۔ وهو تعالٰی اعلم

جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از برخوردار احسن خورد ضلع فیض آباد

زید نے اپنی سگی بہو کے ساتھ لڑکا کے انتقال کے بعد نکاح کرلیا جب کہ زید کی برادری نے اس پر بہت دباؤ ڈالا لیکن اس کے باوجود وہ اس حرکت قبیحہ سے باز نہ آیا اور اس کے نکاح کے بعد بہو کے دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ اور جب اس کی بہو بچوں کی ماں بن گئی تو نہ معلوم کس بنا پر اس نے بہو کو گھر سے نکال دیا ایسی صورت میں ارشاد فرمائیں کہ زید اور اس کی بہو کا کیا حکم ہے؟ اور عام مسلمانوں کو اب کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب زید اور اس کی بہو کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں؟ سوال واضح نہیں ہے۔

بہو کے ساتھ نکاح کرنا قطعی حرام ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں پارۂ چہارم کی آخری آیت کریمہ میں ہے وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم۔ یعنی تمہارے نسبی بیٹوں کی بیویاں تمہارے لئے حرام ہیں۔ لہذا زید اور اس کی بہو کو ایک دوسرے سے الگ ہوجانا ضروری تھا۔ بہتر ہوا کہ اس نے خود ہی بہو کو الگ کردیا اب ہرگز ہرگز ایک دوسرے کو اکٹھا نہ ہونے دیا جائے بلکہ بہو کو توبہ کرانے کے بعد کسی دوسرے سے عقد کردیا جائے اور زید حرام کار کا مکمل سخت بائیکاٹ کیا جائے اگر مسلمان ایسا نہیں کریں گے تو وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ رجمادی الاخری ۱۳۹۶ھ

مسئلہ ۷۴۹

از سید اعجاز احمد قادری ۱۱/۲۴۲ متصل پوسٹ آفس ٹانڈہ بیری ضلع انت پور۔ (اے پی)

زید کی دو بیویاں پہلی بیوی کی خاص نواسی ہندہ کے ساتھ دوسری بیوی کے لڑکے بکر کے ساتھ نکاح کیا ہے۔ ہندہ کی ماں اور بکر دونوں زید ہی کے نطفہ سے ہوئے ہیں یہاں کے علماء و مشائخین کے منع کرنے پر بھی زید خون بدلنے سے نکاح درست ہے کہکر نکاح کیا ہے۔ (الف) زید کو خدا کا حکم حرمت علیکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بنت الاخت سنانے پر بھی نکاح کیا۔ کیا خدا کے حکم کو ٹھکرانے والے پر کفر لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ (ب) ایسے کے ساتھ ترک تعلق کرنا مسلمانوں کو ضروری ہے یا نہیں؟ (ج) زید اور ہندہ بکر کو اب اسلامی اصول سے کیا کرنا ضروری ہے۔

(س) ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا درست ہے یا نہیں؟ (ص) ایسے کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (ط) ایک صاحب کہتے ہیں کہ ایسے نکاح میں جاکر نکاح سنے ہوئے لوگوں کا بھی نکاح فاسد ہوتا ہے یہ کہنا صحیح نہیں؟ اگر ان کا قول صحیح رہا تو نکاح میں شریک ہوئے لوگوں کو اب کیا کرنا چاہیئے۔ بینوا توجروا

الجواب بہن خواہ عینی ہو یا علاتی یا اخیافی اس کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے قال اللہ حرمت علیکم امھتکم الی ان قال وبنت الاخت اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص ۲۵۶ میں ہے۔ اما الاخوات فالاخت لاب وام والاخت لاب والاخت لام وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن ھ (الف) زید نے اگر اس بنیاد پر نکاح کردیا کہ علماء و مشائخ نے قرآن کی آیت کریمہ کا مطلب نہیں سمجھا ہے اس لئے نکاح کی مذکورہ صورت کو ناجائز بتاتے ہیں یا اس نے نکاح مذکورہ کو حرام مانتے ہوئے نکاح کردیا جیسے کہ شرابی نے شراب کو حرام مانتے ہوئے پیا تو وہ فاسق، گنہگار، ظالم، جفا کار، مستحق عذاب نار ہے اور اگر جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے نکاح کی مذکورہ صورت کو حرام فرمایا ہے مگر اپنی سرکشی سے اس کی حرمت کو تسلیم نہیں کرتا تو وہ کافر و مرتد ہے۔ (ب) بہرحال زید کا اسلامی

بائیکاٹ کرنا مسلمان پر ضروری ہے ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع قوم الظلمین (پ ۷ ع ۱۴) (ج) زید پر اس نکاح کے باطل ہونے کا اعلان عام کرنا اور علانیہ توبہ واستغفار کرنا لازم ہے ہندہ وبکر نے اگر آپس میں میاں بیوی کا تعلق قائم کیا ہو تو اس سے توبہ واستغفار کرنا اور آئندہ ایک دوسرے سے آپس میں اس قسم کا تعلق قائم نہ کرنا ان دونوں پر واجب ہے (س) جو لوگ جانتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے نکاح کی اس صورت کو حرام فرمایا ہے اس کے باوجود وہ اس کی حرمت کو نہیں تسلیم کرتے ان لوگوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا درست نہیں (ص) ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں، (ط) بے شک ایسے نکاح میں شرکت کرنے والے نکاح خواں اور گواہ وغیرہ کا نکاح فاسد نہ ہوا البتہ ان سب پر علانیہ توبہ واستغفار کرنا لازم ہے اور نکاح خواں پر نکاحانہ پیسہ واپس کرنا ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ

از قاضی محمد امام الحق پوسٹ دیورا بازار رودیا نتری بازار ضلع بستی

بکر کا حقیقی لڑکا زید نے ہندہ عورت سے نکاح کیا کچھ عرصہ تک ہندہ زید کی زوجیت میں رہی یہاں تک کہ ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی۔ ماحصل یہ کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدیا۔ بکر جو ہندہ کا خسر رشتہ میں ہوتا تھا اب بکر اپنی بہو یعنی ہندہ کو اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے۔ حضرت سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر اپنی بہو سے بعد طلاق وانقضائے عدت نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ عند الشرع جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب

بکر کا اپنے حقیقی بیٹا کی بیوی سے بعد طلاق وانقضائے عدت بھی نکاح کرنا حرام ہے ہرگز جائز نہیں جیسا کہ پارہ چہارم کی آخری آیت کریمہ میں ہے وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم یعنی تمہاری نسلی بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ اور شامی جلد دوم ص۲۷۷ میں ہے حرم زوجة الاصل والفرع بمجرد العقد دخل بھا اولا اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ

از عبد اللہ سبحانی عرف بندھو پردھان پھلواپور بستی

زید کے نکاح میں ہندہ ہے۔ اب زید اپنے بیٹے بکر جو اس کی پہلی بیوی زبیدہ سے ہے اس کا نکاح ہندہ

کی باپ شریکی بہن سے کرنا چاہتا ہے تو یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں زید کا اپنی بیوی کی باپ شریکی بہن سے اپنی پہلی بیوی کے لڑکے کا نکاح کرنا جائز ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذلکم (پ ۵ ع ۱) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از رمضان علی محلہ قاضی پورہ متصل مسجد بندہ سادات شہر بہرائچ شریف

زید کی پہلی بیوی سے ایک پوتا یعنی لڑکے کا لڑکا موجود ہے اور اس کے بعد زید نے دوسری عورت سے نکاح کیا پانچ چھ ماہ آتا جاتا رہا پھر اس کو طلاق دیدیا اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی پھر اس مطلقہ نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا۔ اس دوسرے مرد سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی مطلقہ عورت سے جو لڑکی دوسرے مرد سے پیدا ہوئی اس کا نکاح زید کی پہلی بیوی کے پوتے سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مستفسرہ میں مذکورہ لڑکی کا نکاح زید کے پوتے سے کرنا جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع شرع نہ ہو لانہ لم یثبت فی الشرع حرمۃ کذالک واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۲ ذی الحجہ ۸۵ھ

مسئلہ از حسن رضا ساکن شیوہروا پوسٹ اٹوا ضلع بستی

زید کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے کچھ دنوں کے بعد زید نے ہندہ سے نکاح کیا تو ہندہ اپنے ساتھ ایک لڑکی لائی جو شوہر اول سے ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید ہندہ کی اس لڑکی سے اپنے لڑکے کا نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مستفسرہ میں زید کے لڑکے کا نکاح ہندہ کی اس لڑکی سے کرنا جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو لانہ لم یثبت فی الشرع حرمۃ کذالک واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ

مسئلہ مسئولہ غلام رسول ساکن بچیا پوسٹ میاں بازار ضلع گورکھپور

زید کے حقیقی ماموں کا انتقال ہو گیا۔ عدت گذر جانے کے بعد زید نے ممانی سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح شرعاً جائز

ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ زید کے دوسرے ماموں کی لڑکی زید کے چھوٹے بھائی کے عقد میں ہے؟

الجواب صورت مستفسرہ میں ماموں کے انتقال ہو جانے اور عدت گذر جانے کے بعد ہندہ کا اپنی حقیقی بھانجی سے نکاح کر لینا شرعاً جائز ہے کوئی قباحت نہیں اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو۔ زید کے دوسرے ماموں کی لڑکی کا زید کے چھوٹے بھائی کے عقد میں ہونا نکاح کے لئے رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۴ جمادی الاخری ۱۳۸۴ھ

مسئلہ از حشمت علی خاں نندی محلہ للت پور (یوپی)

عمرو نے فہمیدہ سے نکاح کیا دو چار سال فہمیدہ عمرو کے ساتھ رہی مگر اس سے عمرو کی کوئی اولاد نہیں ہوئی جس کی وجہ سے عمرو نے اسے طلاق دیدی۔ بعد ازاں عمرو نے دوسرا نکاح رشیدہ سے کیا جس سے اولادیں ہوئیں اور فہمیدہ جو عمرو کی سابق بیوی رہ چکی ہے اس کا بھی نکاح خالد سے کر دیا گیا بفضل خدا خالد کے وہاں اس سے اولادیں ہوئیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا خالد کی لڑکیوں اور عمرو کے لڑکوں یا عمرو کی لڑکیوں اور خالد کے لڑکوں سے نکاح کر دینا بحکم شرع جائز ہے؟ بیان فرمائیں عین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا

الجواب خالد کے لڑکوں اور عمرو کی لڑکیوں یا عمرو کے لڑکوں اور خالد کی لڑکیوں کا ایک دوسرے سے نکاح کرنا عند الشرع جائز ہے بشرطیکہ رضاعت وغیرہ کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو اس لئے کہ مدخولہ بیوی کی اولاد جو دوسرے شوہر سے ہو ان سے اپنی اولاد کے نکاح کرنے میں شرعاً کوئی خرابی نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص ۲۲۱ کی اس عبارت سے ظاہر ہے الاخ لاب اذا کانت نہ اخت من امہ یحل لاخیہ من ابیہ ان یتزوجھا کذا فی الکافی۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ جمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ مرسلہ مولوی عبد الرزاق چھاونی ضلع بستی

زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ ہوا اور ہندہ کے پاس پہلے شوہر سے ایک لڑکا خالد ہے اب ہندہ کا دوسرا شوہر خالد کی بیوی سے عقد کر سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں زید ہندہ کے لڑکے خالد کی بیوی سے طلاق یا خالد کی

موت کے بعد عدت گذرنے پر نکاح کرسکتا ہے اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو لانہ لم یثبت فی الشرع حرمۃ کذالک۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ رجب المرجب ۱۳۷۹ھ

مسئلہ از محمد نصیر موضع دفالی کا پوروہ۔ ضلع گونڈہ

زید کے دو بیٹے ہیں عمر اور فاروق۔ پھر عمر کا ایک لڑکا ہاشم ہے اور فاروق کا لڑکا جعفر۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ جعفر کی لڑکی فاطمہ کا نکاح ہاشم کے ساتھ کرنا شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب اگر کوئی اور وجہ مانع نکاح نہ ہو تو صورت مسئولہ میں جعفر کی لڑکی فاطمہ کا نکاح ہاشم کے ساتھ کرنا جائز ہے۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ شوال ۱۳۸۰ھ

مسئلہ از فاروق احمد ساکن سرسیا چودھری۔ ضلع بستی

زید اپنے باپ کی چچازاد بہن سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب اپنے باپ کی چچازاد بہن سے زید نکاح کرسکتا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذالکم۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ رجب المرجب ۱۳۷۷ھ

مسئلہ مرسلہ مولوی محمد عبد الحکیم برہ پور ضلع بستی

حمینہ بانو کے بعد دیگرے دو شوہروں سے عقد کیا۔ اول سے سعید ہے اور دوسرے سے رافع ہے چند دنوں بعد سعید کی منکوحہ تھی بعد ازاں رافع کا انتقال ہوگیا۔ سوال یہ ہے کہ رافع کی منکوحہ سے سعید کا عقد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب رافع کی منکوحہ سے سعید کا نکاح عدت پوری ہونے کے بعد جائز ہے بشرطیکہ کوئی دوسرا مانع جواز نکاح نہ ہو قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذالکم۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ بدر الدین احمد رضوی

مسئلہ مرسلہ مولانا علاء الدین صابر اوجھا گنج ضلع بستی

زید کی بہن ہندہ جس کا لڑکا عمرو ہے اور عمرو کا لڑکا خالد ہے۔ زید اپنی لڑکی عابدہ کی شادی خالد کے ساتھ کرنا چاہتا ہے کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب صورت مسئولہ میں عابدہ کی شادی خالد کے ساتھ جائز ہے بشرطیکہ رضاعت وغیرہ کوئی دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو۔ اس لئے کہ عمرو عابدہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے اور پھوپھی زاد بھائی سے عقد جائز ہے تو اس کے لڑکے سے بدرجۂ اولیٰ جائز ہے قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذالکم۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ رجمادی الاخریٰ سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از سلیمان پپیا کیمپ گورکھپور

رمضان وعبدالرحمٰن دونوں حقیقی بھائی ہیں اور ان دونوں کے بھانجے غلام رسول ومحمد رفیق ہیں۔ رمضان کی لڑکی کا عقد محمد رفیق کے ساتھ ہوا تو عبدالرحمٰن کے انتقال کے بعد اس کی بیوی سے غلام رسول کا عقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مستفسرہ میں غلام رسول کا عبدالرحمٰن کی بیوی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو کہ قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذالکم۔ ھذا ما عندی وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۸ صفر المظفر سنہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ از شہزاد علی متعلم مدرسہ عربیہ اہلسنت غوث العلوم بھولا پور شنکر پور ہلور ضلع بستی

خالدہ کا عقد اول زید کے سگے چچا عمرو کے ساتھ ہوا تھا خالدہ کو عمرو نے بغیر رخصتی کرائے اور بغیر خلوت صحیحہ کے طلاق دیدیا پھر خالدہ کی دوسری شادی بکر کے ساتھ ہوئی بکر کے یہاں خالدہ کچھ دنوں رہی بکر نے بھی خالدہ کو طلاق دیدیا پھر خالدہ نے اپنا عقد ثالث خالد کے ساتھ کیا خالد نے بھی کچھ دنوں رکھنے کے بعد خالدہ کو طلاق دیدیا اب زید جو کہ عمرو کا سگا بھتیجا ہے خالدہ کو اپنے عقد میں لانا چاہتا ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید خالدہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ خالدہ زید کی سگی چچی تھی اور اگر نکاح زید کے ساتھ جائز ہے تو کب نکاح کرے۔

الجواب بعد انقضائے عدت زید خالدہ سے نکاح کر سکتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ یعنی حرام عورتوں کو شمار کرنے کے بعد ارشاد فرمایا ان کے سوا سب عورتیں

تمہارے لئے حلال ہیں۔ اور حرام عورتوں میں چچی کو شمار نہ فرمایا نہ حدیث و فقہ میں کہیں چچی کی حرمت بیان ہوئی لہذا وہ ضرور حلال عورتوں میں سے ہے۔ وهو سبحانه تعالیٰ اعلم کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۸ رجب المرجب ۱۳۹۹ھ

مسئلہ خواجہ غلام محمد قادری سرنکوٹ۔ پونچھ (جموں و کشمیر)

عبدالغنی نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں۔ زوجۂ اول سماۃ سعیدہ بیگم۔ زوجۂ ثانی سماۃ ساجدہ بیگم۔ زوجۂ اول سے ایک لڑکی بھی ہوئی بعدہٗ عبدالغنی نے زوجۂ اول کو طلاق دیدی۔ اب سماۃ مذکورہ مطلقہ کا عقد غلام احمد سے ہوا۔ اور غلام احمد کا سماۃ مذکورہ مطلقہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام خلیل احمد ہے۔ اب عبدالغنی کی زوجۂ ثانیہ سماۃ ساجدہ بیگم کے بطن سے عائشہ بیگم پیدا ہوئی۔ اب عائشہ بیگم کی دختر مجیدہ بیگم ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ خلیل احمد کا عقد مجیدہ بیگم سے درست ہے یا نہیں جب کہ مجیدہ بیگم کے نانا حقیقی سعیدہ بیگم خلیل احمد کی والدہ مدخولہ مطلقہ ہے۔

شجرۂ نسب

عبدالغنی

زوجۂ ثانی ساجدہ بیگم	زوجۂ اول سعیدہ بیگم مطلقہ
عائشہ بیگم	غلام احمد مطلقہ کا زوج ثانی
مجیدہ بیگم	خلیل احمد
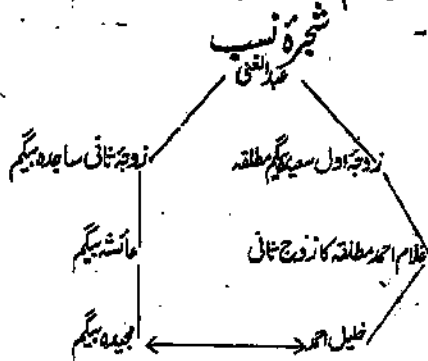
ایک دوسرے سے ان دونوں کا عقد درست ہے یا نہیں؟

الجواب خلیل احمد جب کہ دوسرے شوہر کا لڑکا ہے تو اگرچہ وہ عبدالغنی کی مدخولہ مطلقہ کے بطن سے ہے اس کا نکاح عبدالغنی کی نواسی سے جائز ہے بشرطیکہ رشتۂ رضاعت وغیرہ کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو اس لئے کہ مدخولہ بیوی کی اولاد کا نکاح جو دوسرے شوہر سے ہوں ان سے اپنی اولاد یا اپنی اولاد کی اولاد کے نکاح میں شرعاً کوئی حرج نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صـ۲۲۱ کی اس عبارت سے ظاہر ہے۔ الاخ لاب اذا كانت له اخت من امه يحل لاخيه من ابيه ان يتزوجها كذا في

فی الکافی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۷؍ شوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از حبیب اللہ جونیر ہائی اسکول بعدری بازار گورکھپور

زید کے پاس دو بیویاں ہیں اور دونوں سے ایک ایک لڑکی پیدا ہوئیں ایک لڑکی کی شادی بکر کے ساتھ کر دیا اور دوسری لڑکی کی شادی بکر کی پہلی بیوی سے جو لڑکا ہے اس کے ساتھ کرنا چاہتا ہے تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو لانہ لم یثبت فی الشرع حرمۃ کذلک قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذلکم ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹؍ ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ از میاں عباس علی کٹھوتیہ۔ بھیرہوا (نیپال)

ایک شخص کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی ہے۔ اور اسی شخص نے اپنی بیوی کی بہن کو بلا نکاح رکھ لیا ہے جس سے ایک لڑکا بھی ہے جس عورت کو اس نے بلا نکاح رکھا ہے وہ بیوہ ہو گئی ہے اب سوال یہ ہے کہ پہلی بیوی جو نکاح میں ہے اس کی لڑکی سے اس لڑکے کا نکاح کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر نکاح درست بھی ہے تو ایسے شخص کے یہاں کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب لڑکا مذکور اگر پہلے شوہر سے ہے تو شخص مذکور کی لڑکی سے اس کا عقد کرنا جائز ہے اور اگر وہ لڑکا اسی شخص کی حرام کاری سے پیدا ہے تو اس لڑکے کا نکاح شخص مذکور کی لڑکی سے کرنا جائز نہیں نکاح کرنا جائز ہو یا نا جائز بہر صورت شخص مذکور تا وقتیکہ حرام کاری سے الگ ہو کر توبہ و استغفار نہ کرے تمام مسلمان اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور سلام و کلام ہر قسم کے اسلامی تعلقات ختم کر دیں۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲؍ ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ از تعلقدار ساکن بھولا پور۔ ڈومریا گنج بستی

زید نے اپنی حقیقی لڑکی شاہدہ کا نکاح عمرو کے ساتھ کیا ہے اور اب وہ اپنی دوسری حقیقی لڑکی زینب کا نکاح عمرو

کے حقیقی بھتیجے احمد کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں اگر اور کوئی وجہ شرعی مانع جواز نکاح نہ ہو تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ محمد محسن
۱۹ رجمادی الاخری سنہ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ از محمد رئیس القادری متعلم مدرسہ مدینۃ العلوم بلبھریا دھانے پور گونڈہ

زید اپنے لڑکے کا عقد اپنی سگی پھوپھی کی لڑکی نواسی کے ساتھ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب اپنی سگی پھوپھی کی لڑکی نواسی کے ساتھ اپنے لڑکے کا عقد کر سکتا ہے بشرطیکہ رضاعت وغیرہ کوئی اور وجہ مانع نکاح نہ ہو۔ قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذالکم۔ وھو اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۳ رصفر المظفر سنہ ۱۴۰۳ھ

مسئلہ از رمضان علی محلہ قاضی پورہ شہر بہرائچ

زید کی پہلی بیوی سے ایک پوتا یعنی لڑکے کا لڑکا موجود ہے اس کے بعد زید نے دوسری عورت سے نکاح کر لیا پانچ چھ ماہ آتا جاتا رہا پھر اس کو طلاق دیدی اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی پھر اس مطلقہ نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا اس دوسرے مرد سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کی مطلقہ عورت سے جو لڑکی دوسرے مرد سے ہے اس کا نکاح زید کی پہلی بیوی کے پوتے سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب مذکورہ لڑکی کا نکاح زید کے پوتے سے کرنا جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو۔ قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذالکم (پ۵ ع اول) ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از غلام رسول گورکھپور

خالد کے حقیقی ماموں کا انتقال ہو گیا عدت گذر جانے کے بعد خالد نے اپنی ممانی سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ واضح ہے کہ خالد کے دوسرے ماموں کی لڑکی خالد کے چھوٹے بھائی کے عقد میں ہے۔

الجواب ماموں کے انتقال ہو جانے اور عدت گذر جانے کے بعد خالد کا اپنی سگی ممانی

سے نکاح کرلینا شرعاً جائز ہے کوئی قباحت نہیں اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو۔ اور خالد کے دوسرے ماموں کی لڑکی کا خالد کے چھوٹے بھائی کے عقد میں ہونا اس نکاح کے لئے رکاوٹ نہیں بن سکتا قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذالکم واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ

از محمد نذیر کمانی پورہ۔ بمبئی ۸

سوتیلی ماں کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جائز ہے قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذالکم ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ

از اختر جمال صدیقی چرکھوا۔ ضلع بستی

زید وبکر دونوں بھائی ہیں تو زید کی نواسی فاطمہ کا نکاح بکر کے لڑکے خالد کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئولہ میں زید خالد کا چچا ہوا تو خالد کا نکاح زید کی لڑکی سے جائز ہے تو اس کی نواسی فاطمہ سے بدرجہ اولیٰ جائز ہے لانہ لم یثبت فی الشرع حرمۃ کذالک۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ

از محمد نصیر متعلم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف

زید کے دو بیٹے ہیں عمر اور فاروق۔ پھر عمر کا ایک لڑکا ہاشم ہے اور فاروق کا لڑکا جعفر دریافت طلب یہ امر ہے کہ جعفر کی لڑکی فاطمہ کا نکاح ہاشم کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ کیا لانہ قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذالکم۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از ابوالکلام احمد کسم کھوڑ ضلع فرخ آباد

خالد کے نکاح اول سے ایک لڑکا پیدا ہوا اس کے بعد بیوی کا انتقال ہو گیا تو اس نے نکاح ثانی کیا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زوجۂ ثانی کی حقیقی بہن سے خالد کے نکاح اول سے جو لڑکا ہے اس سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح ہو سکتا ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ رضاعت وغیرہ مانع نکاح نہ ہو قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذلکم۔ ھذا ما ظھر لی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۷ر جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از علی امام موشی خانہ باتا ضلع دیوریا

(۱) ایک عورت جو چچی لگتی ہے مگر خاص چچی نہیں ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) بڑا بھائی مر گیا ہے تو اس کی بیوی سے چھوٹے بھائی کا نکاح کرنا کیسا ہے؟

الجواب (۱) مذکورہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اگر رضاعت وغیرہ کوئی دوسری مانع نکاح نہ ہو قال اللہ تعالیٰ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب (۲) بھائی کی موت کے بعد اگر اس کی بیوی کی عدت ختم ہو گئی ہے تو چھوٹے بھائی سے اس کا نکاح کرنا جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم صفر المظفر سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از شوکت علی ساکن ٹرینہ پوسٹ دیواکلپور ضلع بستی

زید و بکر حقیقی دو بھائی ہیں زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح اپنے بھانجہ کے ساتھ کر دیا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے بھانجے کے لڑکے کے ساتھ بکر کی لڑکی کا عقد درست ہے یا نہیں؟ اس کا جواب مرحمت فرما کر آخرت میں ماجور ہوں۔

الجواب صورت مستفسرہ میں بر صدق مستفتی بکر کی لڑکی کا زید کے بھانجے کے لڑکے کے ساتھ عقد کرنا جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو۔ لانہ لم یثبت فی الشرع حرمۃ کذالک۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۴ر ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۸ھ

وغیرہ کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو اس لئے کہ خالدہ بیگم سروری بیگم کی خالہ زاد بہن ہے اور خالہ زاد بہن سے نکاح کرنا جائز ہے تو ماں کی خالہ زاد بہن سے نکاح کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے کہ یہ اور دور کا رشتہ ہے قال اللہ تعالیٰ واحل لکم ماوراء ذالکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ محرم الحرام ۹۹ھ

مسئلہ از شوکت علی پورینوی۔ ممبر مدرسہ فیض المصطفیٰ قصبہ ہریا بازار بستی

زید کی مدخولہ بیوی ہندہ کو حمل رہ گیا جب کہ اس کا شوہر پردیش میں تھا لوگوں کو شک ہوا یہاں تک کہ تحقیق پر ہندہ نے بیان دیا کہ یہ حمل میرے خسر کا ہے انھوں نے مجھ سے غلط کام کیا اب ایسی صورت میں لوگ خسر کے درپے ہوئے کہ وہ بتائے کہ اس سے غلط کام ہوا کہ نہیں۔ ہندہ کے خسر نے بیان دیا کہ مجھ سے غلط کام ہو گیا ہے اور ہندہ برابر بیان دیتی رہی کہ یہ حمل میرے خسر ہی کا ہے اور لوگوں نے دو ماہ بیشتر ہندہ کو رات کے تاریکی میں چارپائی پر پیر خسر کا دابتے ہوئے بھی دیکھا قرآن حدیث کی روشنی میں بیان فرمائیں کہ ہندہ اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی ہے یا نہیں؟ اور خسر پر اور ہندہ پر کیا عائد ہو رہا ہے اور پورے برادری کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب اگر شوہر کو غالب گمان ہو کہ ایسا واقعہ ہوا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی وہ طلاق دے کر اس کو آزاد کردے کہ بعد عدت وہ جس سے چاہے نکاح کرے اور اگر شوہر تصدیق نہ کرے تو عورت اور اس کے خسر کے بیان سے حرمت مصاہرت نہیں ثابت ہوگی جیسا کہ بحر الرائق جلد سوم ص۱۰۱ میں فتح القدیر سے ہے ثبوت الحرمة بلمسها مشروط بان یصدقها ویقع فی اکبر رایه صدقها وعلی هذا ینبغی ان یقال فی مسه ایاها لا تحرم علی ابیه وابنه الا ان یصدقها او یغلب علی ظنه صدقها ثم رأیت عن ابی یوسف ما یفید ذالک اھ۔ اور فتاوی رضویہ جلد پنجم ص۲۸۰ میں ہے اگر پدر شوہر بھی اقرار کرے جب بھی شوہر پر حجت نہیں لانه یرید ان التملک ثابت بشهادة واحد لا سیما وهی علی نفسه وشهادة المرء علی فعل نفسه لا تقبل کما نصوا علیه قاطبة اھ۔ ہاں اگر دو عادل گواہوں سے ثابت ہو جائے اگرچہ صرف اسی قدر کہ باپ نے بہو کو شہوت کے ساتھ چھوا یا بوسہ لیا تو اس صورت میں شوہر کی تصدیق کے بغیر حرمت ثابت ہو جائے گی جیسا کہ تنویر الابصار میں ہے تقبل الشهادة علی اللمس والتقبیل عن شهوة فی المختار۔ عورت اور خسر کو اگر زنا کا اقرار ہے تو وہ دونوں سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں دونوں کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے، نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے اور میلاد شریف و قرآن خوانی کرنے، غربا و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ اعمال صالحہ

قبول توبہ میں معاون ہوتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ ومن تاب وعمل صالحا فانہ یتوب الی اللہ متابا (پ۱۹ ع ۴) وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ

از محمد شفیع موضع سگانگر۔ ضلع گونڈہ

زید کی بیوی ہندہ نے زید کے باپ یعنی اپنے خسر کے ساتھ زنا کیا جب کہ زید کو معلوم ہوا تو اس نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق مغلظہ دیدی تحریر لکھدی اور کہا اب بجائے عورت کے میری ماں ہوگئی۔ ہندہ نے تین سال تک اپنے میکے میں گذر کیا تین سال کے بعد ہندہ پھر زید کے یہاں چلی آئی زید نے حلالہ کر کے پھر اپنے نکاح میں لے لیا تو یہ نکاح منعقد ہوا کہ نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جب کہ زید کے باپ نے زید کی بیوی ہندہ سے زنا کیا اور زید نے اس کی تصدیق کی تو اس کی بیوی ہندہ زید کے لئے محرمات ابدیہ میں سے ہوگئی کہ زید کبھی اس کے ساتھ نکاح کر ہی نہیں سکتا اس لئے بعد حلالہ بھی ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ جائز نہ ہوا زید و ہندہ پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں علانیہ توبہ و استغفار کریں اگر وہ دونوں ایسا نہ کریں تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص ۲۷۵ میں فتح القدیر سے ہے حرم المزنی بہا علی آباء الزانی واجدادہ وان علوا وابنائہ وان سفلوا۔ اھ ملخصا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ

از عبدالقدوس موضع پڑولی پوسٹ جھنگی ضلع گورکھپور

عمرو باہر تھا اس کی بیوی ہندہ مکان پر تھی عمرو کے باپ نے اس کی بیوی ہندہ سے زنا کیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب ہندہ عمرو کے لائق رہ گئی یا نہیں؟ عمرو اب بھی ہندہ کے ساتھ میاں بیوی جیسا تعلق رکھتا ہے تو کیا اس کے یہاں کھانا پینا درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

برصدق مستفتی صورت مستفسرہ میں عمرو پر ہندہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی عمرو اور ہندہ دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے فوراً الگ ہوجائیں اور آپس میں زن و شوہر کے تعلقات ہرگز ہرگز نہ رکھیں عمرو اگر ہندہ کو الگ نہ کردے تو مسلمان اس کے یہاں کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا اور ہر قسم کے اسلامی

تعلقات بند کردیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۸ رشعبان ۱۳۸۳ھ

مسئلہ از علی احمد موضع سیہری۔ بڑھنی بازار۔ ضلع گونڈہ

زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی ہندہ کی ماں شاکرہ ہے شاکرہ بیوہ ہے زید اور شاکرہ سے تعلقات ہوئے اور زید نے اپنی خوشدامن شاکرہ کے ساتھ زنا کیا ایسی صورت میں زید کے بارے میں کیا حکم ہے تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب اگر یہ واقعہ صحیح ہے کہ زید نے اپنی خوشدامن شاکرہ سے زنا کیا (معاذ اللہ رب العالمین) تو زید پر اس کی لڑکی ہندہ حرام ہوگئی فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۲۵۵ میں ہے من زنیٰ بامرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت کذا فی فتح القدیر۔ اور اپنی خوشدامن شاکرہ سے بھی نکاح نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ بیوی کی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے جیسا کہ قرآن کریم پارۂ چہارم آیت محرمات میں ہے وامہات نساءکم۔ زید پر علانیہ توبہ واستغفار لازم ہے اور واجب ہے کہ ماں اور بیٹی دونوں کو اپنے گھر سے الگ کردے۔ اگر دونوں میں کسی ایک کو رکھے یا علانیہ توبہ واستغفار نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کردیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ر شوال ۱۳۹۵ھ

مسئلہ از محمد اسلام خاں قادری رضوی بھلکول میگھول مٹھیا ضلع چمپارن (بہار)

زید کہتا ہے کہ جو شخص اپنی ساس سے زنا کرے یا غلط نگاہ سے اس کو دیکھے یا بری نیت سے اس کو بوسہ لے تو اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی، اور طلاق پڑ جائے گی تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب آئندہ کبھی کارڈ پر فتویٰ نہ طلب کریں ورنہ جواب نہیں دیا جائے گا۔ جو شخص کہ اپنی ساس سے زنا کرے یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لے تو اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوجائے گی۔ اور اگر منھ کا بوسہ لے اور یہ کہے کہ شہوت نہ تھی تب بھی یہی حکم ہے لیکن بوسہ میں یہ شرط ہے کہ انزال نہ ہو مگر بیوی بہرحال نکاح سے نہیں نکلے گی اور نہ طلاق پڑے گی بلکہ شوہر پر فرض ہوگا کہ اس کی لڑکی کو چھوڑ دے۔ جب تک کہ وہ نہیں چھوڑے گا یا حاکم شرع تفریق نہیں کردے گا نکاح باقی رہے گا ھکذا فی الخراج المتاب من الفتاوی الرضویۃ۔ اور ساس کو غلط نگاہ سے دیکھنا اگرچہ بڑا گناہ ہے لیکن ایسا کرنے سے بیوی حرام بھی

نہیں ہوئی۔ ھذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۱؍صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ

از تقریعیدی موضع جمعی پوروہ پوسٹ ناپارہ ضلع بہرائچ شریف

ایک عورت کی ایک جگہ شادی ہوئی اور اس کے بطن سے ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی پھر اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا عورت نے دوسرے جگہ محمد بخش کے ساتھ عقد کرلیا اور اپنے لڑکی کا دوسرے مقام پر احمد کے ساتھ عقد کردیا پھر اس عورت کا انتقال ہوگیا اور اس لڑکی کے شوہر احمد نے بھی طلاق دیدی تب محمد بخش نے اس لڑکی کو اپنے عقد میں لے لیا جس کے نطفے سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح مذکورہ حق ہے کہ باطل اور ایسے شخص کے ساتھ ہم سب کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے؟ بحکم شریعت مطہرہ قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب

محمد بخش اگر اپنی بیوی سے ہمبستری کرچکا تھا تو اب اس لڑکی سے نکاح کرنا حرام اور سخت حرام ہے قرآن پاک پارہ چہارم کی آخری آیت میں ہے وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرد کو اپنی بیوی مدخولہ کی لڑکی سے نکاح کرنا حرام ہے حدیث شریف میں ہے اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ایما رجل نکح امرأۃ فدخل بہا فلا یحل لہ نکاح ابنتہا۔ رواہ الترمذی یعنی بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے پھر اس کے ساتھ ہمبستر ہو تو اس کے لئے اس کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے (ترمذی شریف) فتاوٰی عالمگیری میں ہے بنات الزوجۃ وبنات اولادہا وان سفلن بشرط الدخول بالام کذا فی الحاوی القدسی سواء کانت الابنۃ فی حجرہ او لم تکن کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں۔ یعنی مرد اگر اپنی بیوی سے ہمبستری کرچکا ہے تو اس پر اپنی اس مدخولہ بیوی کی لڑکیاں اور اس کے اولاد کی لڑکیاں پوتیاں اور نواسیاں حرام ہیں حاوی قدسی میں اسی طرح ہے خواہ وہ لڑکی مرد کی پرورش میں ہو یا نہ ہو جیسا کہ قاضی خان کی شرح جامع صغیر میں ہے لہٰذا محمد بخش پر لازم ہے کہ اسے فوراً الگ کرکے صدق دل سے علانیہ توبہ کرے اور محمد بخش ایسا نہ کرے تو مسلمانوں کو اس سے قطع تعلق کرنا واجب ہے۔ واللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷؍جمادی الاولٰی ۱۳۷۹ھ

مسئلہ از جاوید اختر کرلا۔ بمبئی ۷۰

زید کے داد محمود نے زینب سے زنا کیا اب زید اپنے لڑکے خالد کی شادی زینب کی لڑکی فاطمہ سے کرنا چاہتا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ خالد و فاطمہ کے مابین نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں خالد و فاطمہ کے مابین نکاح جائز ہے اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو جیسا کہ بحر الرائق جلد دوم صفلا اور ردالمحتار جلد دوم ص۲۷۹ میں ہے یحل لاصول الزانی وفروعہ اصول المزنی بہا و فروعہا اھ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

جلال الدین احمد الامجدی کتبہ

۲۵؍ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ از محمد اسلام محلہ بیگم گنج مقبرہ فیض آباد

ہندہ کا شوہر پردیس ہے۔ ہندہ کا بیان ہے کہ اس کا حقیقی خسر بُری نیت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کوٹھری میں زبردستی لے گیا اور برائی کرنا چاہا مگر میں راضی نہ ہوئی اور برائی نہ ہوئی تو اس کے بارے میں شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب ہندہ کے شوہر کو مطلع کیا جائے کہ تمہارے باپ کے بارے میں تمہاری بیوی کا ایسا بیان ہے۔ اگر شوہر تسلیم کرے کہ ہاں ایسا ہوا تو ہندہ اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ اب اس صورت میں شوہر پر فرض ہے کہ ہندہ سے متارکہ کرے مثلاً کہدے کہ میں نے اسے چھوڑا۔ اس کے بعد ہندہ عدت گذار کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر شوہر ہندہ کی تصدیق نہ کرے تو اس کا بیان شرعاً کوئی چیز نہیں (در مختار۔ فتاوٰی رضویہ) وھو تعالٰی اعلم۔

جلال الدین احمد الامجدی کتبہ

مسئلہ از مولانا حافظ ریاض الدین صاحب دریاپور مالدہ (بنگال)

(۱) باپ نے اپنے بیٹے زید کی بیوی سے زنا کیا تو کیا حکم ہے؟ (۲) اور اگر زنا نہ کیا بلکہ صرف شہوت سے بوسہ لیا یا چھوا تو کیا حکم ہے؟

الجواب (۱) اگر ہندہ نو برس یا اس سے زیادہ عمر کی ہو اور اس کے خسر نے اس کے ساتھ زنا کیا تو ہندہ زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی (۲) اور اگر ہندۂ مذکورہ کے خسر (زید کے باپ) نے اس کو شہوت کے ساتھ چھوا یا بوسہ لیا تو اس صورت میں بھی ہندہ زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی حرمت کی ان دونوں صورتوں

کو حرمت مصاہرت کہتے ہیں یہاں شہوت سے مراد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے انتشار آلہ ہو جائے اور اگر پہلے سے انتشار موجود تھا تو اب زیادہ ہو جائے اور یہ صورت جوان کے لئے ہے بوڑھے اور عورت کے لئے شہوت یہ ہے کہ دل میں حرکت پیدا ہو اور پہلے سے ہو تو زیادہ ہو جائے۔ واضح ہو کہ ہندہ جب اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی تو زید پر فرض ہے کہ اس سے شوہری تعلقات ختم کر دے اور اس کو طلاق دیدے۔ وھو سبحانہ و تعالیٰ اعلم جل جلالہ و صلی اللہ علیہ الصلوۃ والسلام۔

کتبہ
بدر الدین احمد رضوی
۲۱ ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ

مسئلہ از عبدالرشید کپتان گنج ضلع بستی (یوپی)

(۱) زید کو ہندہ جو کہ زید کی بیوی ہے اپنے لڑکے عمرو کی بیوی خالدہ کے ساتھ زنا کا الزام لگا چکی ہے تو اس معاملہ میں زید کی بیوی پر کیا حکم شرعی ہے؟ (۲) سوال مذکورہ نمبر ۱ کو جیسا کہ ہندہ نے بیان کیا ہے ہندہ کا لڑکا عمرو کو صحیح غالب گمان ہو خواہ یہ قول صدق ہو یا کذب عمرو کی بیوی عمرو کے لئے حرام ابدیہ ہو جائے گی یا کیا صورت ہوگی؟ (۳) اگر زید نے اپنے لڑکے کی بیوی کے ساتھ معاذ اللہ زنا کر لیا تو مزنیہ عورت زید کے لڑکے کے لئے جائز رہے گی یا نہیں؟ اور زید کو مزنیہ عورت سے عدت گذارنے کے بعد نکاح کرنا پڑے گا یا کوئی اور صورت ہوگی؟ بیان فرمائیں۔

الجواب

ہندہ نے اگر اپنے شوہر زید پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے اس پر توبہ و استغفار لازم ہے (۲) اگر شوہر تسلیم کر لے کہ ہماری ماں کا بیان صحیح ہے تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی اور اگر شوہر تصدیق نہ کرے تو اس کی ماں کا بیان بلکہ خود اس کی عورت کا بیان بھی کوئی چیز نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم (۳) اگر واقعہ مذکور کو شوہر تسلیم کر لے تو اس پر فرض ہے کہ اپنی بیوی سے متارکہ کرے مثلاً کہہ دے کہ میں نے اسے چھوڑا۔ پھر وہ عدت طلاق گذار کر کسی دوسرے سنی صحیح العقیدہ سے نکاح کر سکتی ہے۔

وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ذی القعدہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ از ماسٹر نذیر احمد مقام بھنڈوا۔ پوسٹ ہرپور تیواری۔ ضلع گورکھپور

ہندہ کی رخصتی ہوئی (یعنی گونا) اور وہ اپنے میکے سے اپنے گھر گئی چند روز گذرنے کے بعد اس کا سسر خالد نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کرنا چاہا لیکن ہندہ ایک شریف لڑکی ہے جو اپنی عصمت کو بچاتے ہوئے اپنے میکے چلی آئی تو چند روز گذرنے کے بعد گاؤں والوں نے ہندہ کے بھائی بکر کو بھیجا کہ کیا واقعی اس نے ایسا کرنے پر ہندہ کو مجبور کیا تھا

تو زید اور زید کا باپ دونوں مل کر بکر کو گالی وغیرہ دینے لگے بعد میں یہی پتہ چلا کہ زنا کار وہ پہلے ہی سے ہے تو اب ہندہ کہتی ہے کہ میں کس طرح اس کے گھر جاؤں جبکہ عزت پر حملہ کیا جاتا ہے تو طلاق لینے کے لئے گاؤں والوں نے کوشش کیا تو اس نے کہا یعنی زید اور اس کے باپ نے کہ ہم نہ طلاق دیں گے اور نہ رکھیں گے تو ہندہ کو اب کیا کرنا چاہئے از روئے شرع کیا ہندہ یوں ہی بیٹھی رہے یا دوسری شادی کرے ؟

الجواب

ہوسکتا ہے کہ ہندہ اپنے اس بیان میں صحیح ہو کہ اس کے خسر نے اس کے ساتھ زنا کرنا چاہا۔ لیکن جب تک کہ اس کا شوہر اس بات کی تصدیق نہ کرے فقط الشرع عورت کا بیان کوئی چیز نہیں۔ اگر شوہر کم سے کم اتنا ہی تسلیم کرلے کہ میرے باپ نے میری بیوی کا ہاتھ شہوت سے پکڑا ہے تو اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی مگر نکاح نہیں زائل ہوا لہٰذا اس صورت میں شوہر پر فرض ہے کہ ہندہ سے متارکہ کرے مثلاً کہہ دے کہ میں نے اسے چھوڑا اس کے بعد ہندہ عدت گذار کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر شوہر اتنی بات کی تصدیق نہ کرے تو ہندہ بدستور اس کی بیوی ہے اگر شوہر اول کے ساتھ رہنے میں اس کو اپنی عصمت کا خطرہ ہے تو اس صورت میں بھی وہ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ گاؤں کی پنچایت اور حکام وغیرہ کے دباؤ سے جس طرح بھی ہوسکے طلاق حاصل کرے پھر بعد عدت اگر چاہے تو دوسرے سے نکاح کرے۔ ھکذا فی الکتب الفقہیۃ وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۹ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ

از شان اللہ موضع ذہرا پوسٹ بشیر گنج ضلع سلطان پور

زید ایک شادی شدہ عورت کو بھگا لایا اس کے شوہر نے اسے طلاق نہیں دی تھی زید نے کچھ دنوں تک اس عورت کو اپنے پاس رکھا پھر زید کا انتقال ہوگیا تو اس کا بیٹا بکر جو پہلی بیوی سے ہے طلاق حاصل کرنے کے بعد اس عورت کو رکھ لیا تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب

جب کہ عورت مذکور کو زید نے رکھا تو وہ اس کے لڑکے پر حرام ہوگئی۔ طلاق کے بعد بھی زید کے لڑکے بکر کا نکاح اس عورت کے ساتھ حرام ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوسکتا فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۲۵۶ میں ہے «وتحرم المزني بها على آباء الزاني واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا كذا في فتح القدير» لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کریں اور دونوں کو علانیہ توبہ و استغفار کرائیں اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ

بھی گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲؍ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ از سعید احمد وارثی موضع گجادھرپور۔ پوسٹ اٹیا تھوک۔ گونڈہ

ایک شخص نے اپنی سالی سے زنا کیا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی یا نہیں؟

الجواب سالی سے زنا کرنے کے سبب شخص مذکور کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوئی جیسا درمختار مع ردالمحتار جلد دوم ص۲۸۱ میں ہے فی الخلاصۃ وطئی اخت امرأتہ لاتحرم علیہ امرأتہ ۱ھ۔ البتہ شخص مذکور اور اس کی سالی پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ ہاں اگر سالی کے ساتھ دیدہ و دانستہ زنا نہ کیا بلکہ بیوی سمجھ کر دھوکے میں ہمبستری کرلی تو اس صورت میں سالی پر وطی بالشبہہ کی عدت لازم ہے اور تاوقتیکہ سالی کی عدت نہ گذر جائے شخص مذکور پر اس کی بیوی حرام۔ شامی جلد دوم ص۲۸۱ پر تحریر ہے لو وطی اخت امرأتہ بشبھۃ تحرم امرأتہ مالم تنقض عدۃ ذات الشبھۃ۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۹؍شوال ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از محمد انتخاب اشرفی نانپارہ ضلع بہرائچ

زید نے اپنے بیٹے بکر کی بیوی سے زنا کیا تو بکر اپنی اس بیوی کو رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ثبوت زنا کے لئے از روئے شرع زانی کا اقرار یا چار عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے۔ لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر زید اپنی بہو سے زنا کرنے یا شہوت کے ساتھ چھونے کا اقرار کرے یا اس کی بیوی اقرار کرے اور بکر اقرار کی تصدیق کرے یا شہادت شرعیہ سے زنا یا دو شاہد عادل سے بشہوت چھونا ثابت ہو تو بکر کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی بکر پر لازم ہے کہ اسے طلاق دے کر اپنے سے الگ کر دے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ بحر الرائق جلد ثالث ص۱۰۰ میں ہے فی فتح القدیر وثبوت الحرمۃ بلمسھا مشروط بان یصدقھا ویقع فی اکبر رأیہ صدقھا وعلی ھذا ینبغی ان یقال فی مسہ ایاھا لاتحرم علی ابیہ و ابنہ الا ان یصدقھا او یغلب علی ظنہ صدقھا ثم رأیت عن ابی یوسف ما یفید ذالک ۱ھ۔ وقال اللہ تعالٰی واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔ (پ ۷ ع ۱۴) اور زید کا زنا اگر واقعی ثابت ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ وھو اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۳؍ربیع الاول ۱۴۰۰ھ

مسئلہ از رضوان علی موضع بھاسٹ پوسٹ پورندر پور ضلع گورکھپور (یوپی)

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی نابالغی کی حالت میں اور زید ہندہ کی ماں سے محبت کیا اور اس سے زنا بھی کیا اور حمل بھی رہ گیا اب زید نے ہندہ کو طلاق دیدیا اور اس کی ماں سے شادی کرنا چاہتا ہے کر سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب جب کہ زید کی شادی ہندہ سے ہوئی تو ہندہ کی ماں زید پر حرام ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پارۂ چہارم کی آخری آیت کریمہ میں فرمایا وامہات نسائکم۔ یعنی تمہاری عورتوں کی مائیں تمہارے لئے حرام ہیں۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں بیویوں کی مائیں صرف عقد نکاح سے حرام ہو جاتی ہیں خواہ وہ بیویاں مدخولہ ہوں یا غیر مدخولہ یعنی ان سے صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور درمختار مع شامی جلد دوم صـ۲۷۸ میں ہے نکاح البنات یحرم الامہات۔ لہٰذا زید کا نکاح ہندہ کی ماں سے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہو سکتا اس پر لازم ہے کہ اس عورت سے قطع تعلق کرے اور علانیہ توبہ و استغفار کرے نماز کی پابندی کرے اور قرآن خوانی و میلاد شریف کرے اور غرباء و مساکین کو کھانا کھلائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی۔ اگر زید ہندہ کی ماں سے قطع تعلق نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (پ۷ ع۱۴) اور اگر زید نے ہندہ کی ماں سے واقعی زنا کیا تو ہندہ بھی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی اب زید ہندہ سے کبھی نکاح نہیں کر سکتا جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری جلد اول مصری صـ۲۵۶ میں ہے من زنی بامرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت کذا فی فتح القدیر۔ وھو تعالیٰ اعلم

جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از محمد وارث متعلم مدرسہ غوثیہ فیض العلوم بڑھیا ضلع بستی

(الف) زید نے اپنے حقیقی لڑکے بکر کی بیوی ہندہ کے ساتھ جماع کیا یا شہوت کے ساتھ اس کے ہاتھ کو پکڑا تو ہندہ بکر کے لئے حلال رہ گئی یا نہیں؟ (ب) اگر ہندہ بکر کے لئے حرام ہو گئی تو کس مدت معینہ تک یا ہمیشہ کے لئے کیا حلال ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟ (ج) مذکورہ بالا فعل شنیعہ کے مرتکب زید پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کے حوالہ سے جواب مرحمت فرمایا جائے؟

الجواب بعون الملک الوہاب۔ (الف) اگر زید نے ہندہ کے ساتھ جماع کیا یا شہوت کے ساتھ اس کے ہاتھ کو پکڑا۔ بہر صورت ہندہ بکر پر حرام ہو گئی فتاوٰی عالمگیری جلد اول صـ۲۵۶ میں ہے

تحریم المزنی بہا علی اباء الزانی و ان علوا و ابنائہ و ان سفلوا کذا فی فتح القدیر اور اسی میں ہے: کما تثبت ھذہ الحرمۃ بالوطئ تثبت باللمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشہوۃ کذا فی الذخیرۃ۔ واعلم ان اللمس بشہوۃ انما یوجب حرمۃ المصاھرۃ اذا لم یکن بینہما ثوب صفیق ھکذا قال العلماء الاعلام واللہ تعالٰی و رسولہ الاعلٰی اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (ب) ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی اب بکر پر حلال ہونے کی کوئی صورت نہیں ھکذا فی الکتب الفقھیۃ لہٰذا بکر ہندہ کو طلاق دیکر اپنے سے فوراً الگ کردے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ واللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم (ج) اگر زید سے یہ فعل سرزد ہوا تو وہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے علانیہ توبہ و استغفار کرے اور آئندہ اس قسم کے گناہ کے قریب نہ جانے کا عہد کرے نیز اسے نیک کام کرنے مثلاً پابندی نماز باجماعت قرآن خوانی اور میلاد شریف کرنے کی تلقین کریں کہ یہ چیزیں مقبولیت توبہ میں معاون و مددگار ہوں گی۔ قال اللہ تعالٰی ان الحسنٰت یذھبن السیاٰت ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی و رسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۱؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ

مسئلہ

از محمد عبدالعزیز قادری مدرسہ اہلسنت صدیقیہ اشاعت العلوم بھنان ضلع بستی

(۱) بکر نے اپنے بیٹے زید کی بیوی یعنی اپنی بہو بنام خالدہ کے ساتھ بدفعلی کا ارادہ کیا اور اپنی خواہش کا اظہار بھی خالدہ سے کیا تو اس صورت میں خالدہ زید کے نکاح میں رہی یا نکل گئی؟ (۲) مسئلہ میں جو بات درج ہے اس کا اظہار خالدہ کی زبانی ہو رہا ہے تو کیا یہ معتبر ہے یا بکر کے اقرار کرنے پر اعتماد کیا جائے گا؟

الجواب

(۱) بکر اگر واقعی اپنے بیٹے زید کی بیوی کو شہوت کے ساتھ چھوا اور انزال نہ ہوا تو زید کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی اس صورت میں زید پر فرض ہے کہ اپنی بیوی سے متارکہ کرے مثلاً کہہ دے کہ میں نے اسے چھوڑا۔ اس کے بعد خالدہ عدت گذار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے درمختار میں ہے: بحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لھا التزوج باٰخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ۔ وھو تعالٰی اعلم۔ (۲) خالدہ کا بیان یا بکر کا اقرار عند الشرع کوئی چیز نہیں جب تک کہ شوہر تصدیق نہ کرے لہٰذا اگر خالدہ کا شوہر یقین کرے کہ میرے باپ نے میری بیوی کو شہوت کے ساتھ چھوا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی۔ ورنہ نہیں

هٰکذا فی الجزء الخامس من الفتاوی الرضویۃ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۰ جمادی الاولٰی ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از محمد ادریس خاں پارک سائٹ وکرولی بمبئی ۷۹

زید کی منکوحہ ہندہ مکان پر تھی اور خود زید روزی کی تلاش میں نکل گیا۔ دوران سفر ایک سال کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس کی بیوی ہندہ حمل سے ہے۔ یہ خبر سن کر وہ مکان آیا اور اپنی بیوی سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ یہ حمل تمہارے چھوٹے بھائی کا ہے جب اس پر دوسختی کی گئی تو اس نے کہا یہ تمہارے باپ کا ہے اور جب اس سے یہ کہا گیا کہ چھوٹے بھائی کو کیوں کہا تھا؟ تو اس نے کہا اصلیت کو چھپانے کے لئے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ یہ حمل تمہارے باپ کا ہے۔ باپ سے دریافت کرنے پر باپ لڑکے کو مارنے دوڑتا ہے اور قسم کھانے کو تیار ہے مگر سارے ثبوت اس کے خلاف ہیں یہاں تک کہ گاؤں والے بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ حمل اس کے باپ ہی کا ہے۔ اس کے بارے میں شریعت کا جو حکم ہو آگاہ فرمائیں۔

الجواب اگر زید کو قرائن و علامات سے ظن غالب ہو کہ اس کی بیوی ہندہ سچ کہتی ہے کہ شوہر کے باپ نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی یعنی یہ پردہ عورت حرام ہوگئی۔ اس صورت میں شوہر پر واجب ہے کہ عورت کو طلاق دے کر اپنے سے الگ کر دے پھر وہ عورت عدت گذرنے کے بعد جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے نکاح کر سکتی ہے فتح القدیر جلد سوم صـ ۱۳۰ میں ہے ثبوت الحرمۃ بمسہا مشروط بان یصدقہا ویقع فی اکبر رایہ صدقہا وعلی ھذا ینبغی ان یقال فی مسہ ایاہا لاتحرم علی ابیہ وابنہ الا ان یصدقاہ او یغلب علی ظنہما صدقہ ثم رأیت عن ابی یوسف انہ ذکر فی الامالی ما یفید ذلک قال امرأۃ قبلت ابن زوجہا وقالت کان عن شھوۃ ان کذبہا الزوج لا یفرق بینہما ولو صدقہا وقعت الفرقۃ۔ ھذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۸ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ

مسئلہ از حکیم بدیع الزماں التفات گنج ضلع فیض آباد

ہندہ کی دو لڑکیاں ہیں زید ہندہ اور اس کی ایک لڑکی سے زنا کرتا ہے اور بعد میں دوسری لڑکی سے عقد کر لیا تو کیا زید کا ہندہ کی دوسری لڑکی سے عقد کرنا جائز ہے؟ ہندہ کی اس دوسری لڑکی سے عقد کرنے کے بعد بھی زید ہندہ

سے برابر زنا کرتا ہے لہٰذا زید اور ہندہ کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے مفصل تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب صورت مستفسرہ میں اگر واقعی زید نے ہندہ سے زنا کیا العیاذ باللہ تعالیٰ تو اس کی سب لڑکیاں زید پر حرام ہوگئیں۔ ہندہ کی کسی لڑکی سے اس کا نکاح کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اس کی لڑکی سے جو زید نے نکاح کیا وہ ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۵۶ میں فتح القدیر سے ہے من زنی بامرأۃ حرمت علیہ امہاتہا وان علت وابنتہا وان سفلت اھ۔ زید پر فرض ہے کہ ہندہ کی لڑکی کو اپنے سے الگ کر دے میاں بیوی کا تعلق اس سے ہرگز ہرگز قائم نہ کرے اور ہندہ اور اس کی دوسری لڑکی سے ناجائز تعلق ختم کرے اور علانیہ توبہ و استغفار کرے اگر زید ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، کھانا پینا سلام و کلام اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات ختم کر دیں اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو وہ بھی گنہگار رہیں گے قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (پ۷ ع۱۴) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ ۸۸/۹۸۷ از الحاج حفیظ اللہ انصاری حفیظ منزل پوسٹ و مقام شہرت گڑھ ضلع بستی

زید کی شادی محمود کی لڑکی فاطمہ سے ہوئی تھی محمود کی اوّل زوجہ سے بکر پیدا ہوا زوجۂ اوّل کے انتقال کے بعد محمود نے نکاح ثانی کیا دوسری بیوی سے فاطمہ پیدا ہوئی زید کی بیوی فاطمہ کا انتقال ہوگیا محمود کی اول زوجہ کے لڑکے بکر کی لڑکی زینب جو کہ بیوہ ہے تو زینب بیوہ سے زید کا نکاح درست ہے کہ نہیں؟

الجواب صورت مستفسرہ میں فاطمہ زینب کی پھوپھی ہوئی اور جب کہ فاطمہ کا انتقال ہوگیا تو زینب کا اپنے پھوپھا سے نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ رضاعت وغیرہ کوئی اور وجہ مانع نکاح نہ ہو اس لئے کہ عورت اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور یہ صورت جمع کی نہیں ہے فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۲۵۹ میں ہے لا یجوز الجمع بین امرأۃ وعمتہا نسبا او رضاعا اھ۔ وھو سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ذی الحجہ ۹۹ھ

مسئلہ از شوکت علی پورینہ پوسٹ دیوا کل پور ضلع بستی

زید کے لڑکے بکر کی بیوی ہندہ نے اپنے حمل کے متعلق بیان دیا کہ یہ حمل زید کا ہے۔ زید انکار کرتا رہا لیکن ہندہ

نے پھر بیان دیا تو زید نے خاموشی اختیار کرلی۔ البتہ لوگوں کے زیادہ اصرار پر زید نے محض اتنی بات کا اقرار کیا کہ ہم نے ہندہ کے ساتھ برائی نہیں کی ہے صرف ہاتھ پیر سر کی خدمت لیا ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ کے بیان سے زید پر شرعاً زنا کا حکم ہوتا ہے یا نہیں؟ بر تقدیر اول ہندہ بکر کے نکاح میں رہ گئی یا الگ ہوگئی؟ اور بکر ہندہ کو شرعاً اپنی بیوی تصور کرے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ہندہ کا حمل شرعاً اس کے شوہر بکر کا ہے حدیث شریف میں ہے الولد للفراش اور صرف ہندہ کے بیان سے اس کے خسر زید کو زانی نہیں قرار دیا جا سکتا کما فی الکتب الفقہیۃ اور اگر شوہر کو ظن غالب ہو کہ میرے باپ نے میری بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوگئی شوہر کہے کہ میں نے اپنی بیوی ہندہ کو چھوڑ دیا اور عملاً بھی اس سے متارکہ کرے تو ہندہ عدت گزارنے کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ بحر الرائق جلد سوم ص۱۰۱ میں ہے فی فتح القدیر وثبوت الحرمۃ بلمسہا مشروط بان یصدقہا ویقع فی اکبر رایہ صدقہا وعلی ھذا ینبغی ان یقال فی مسہ ایاہا لا تحرم علی ابیہ وابنہ الا ان یصدقہا او یغلب علی ظنہ صدقہا ثم رأیت عن ابی یوسف ما یفید ذالک اھ۔ اور فتاوی رضویہ ج۵ ص۱۶۵ میں ہے کہ عورت کا بیان کوئی چیز نہیں جب تک کہ شوہر اس کی تصدیق نہ کرے اھ۔ اور درمختار میں ہے بحرمۃ المصاہرۃ لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لہا التزوج بآخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ اھ۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلی اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ رجمادی الاولی سنہ ۹۹ھ

مسئلہ از حقیق اللہ یار علوی دیبا پور ضلع بستی

ہندہ بکر کی لڑکی ہے اور زید ہندہ سے شادی کرنا چاہتا ہے جب کہ زید نے ہندہ کی ماں سے زنا کر لیا تھا آیا زید ہندہ کو اپنے نکاح میں لا سکتا ہے؟

الجواب جب کہ زید نے ہندہ کی والدہ سے زنا کیا ہے العیاذ باللہ تعالیٰ تو ہندہ زید پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی زید ہندہ کو اپنے نکاح میں ہرگز نہیں لا سکتا۔ فتاوی عالمگیری میں ہے من زنی بامرأۃ حرمت علیہ امہا وان علت وابنتہا وان سفلت اھ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ رجمادی الاخری سنہ ۹۹ھ

مسئلہ از محمد لطیف اسٹینڈرڈ واچ سروس مہنداول بستی

ہندہ جو تقریباً چودہ سال سے اپنے شوہر زید کے ساتھ رہتی ہے اور اس کی عمر لگ بھگ تیس سال ہے مگر اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی اب اس کا شوہر زید ہندہ کی حقیقی بہن زبیدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے کہ ہندہ کو تاحیات اپنے گھر ہی میں رکھوں اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ایک مرد کا دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے کما قال اللہ وان تجمعوا بین الاختین (پ۴ ر کوع آخر) اور حدیث شریف میں ہے عن الضحاک بن فیروز الدیلمی عن ابیہ قال قلت یا رسول اللہ انی اسلمت وتحتی اختان قال اختر ایتھما شئت۔ یعنی حضرت ضحاک بن فیروز دیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ حضور نے فرمایا دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرلے (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، مشکوٰۃ ص۲۷۴) یہاں تک کہ اگر ایک بہن کو طلاق دیدی تو جب تک کہ اس کی عدت نہ گذر جائے دوسری بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ چاہے طلاق رجعی دی ہو یا بائن یا مغلظہ۔ جیساکہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۶۹ میں ہے لا یجوز ان یتزوج اخت معتدۃ سواء کانت العدۃ عن طلاق رجعی او بائن او ثلاث کذا فی الکافی او ملخصاً۔ لہٰذا اگر زید اپنی بیوی ہندہ کی حقیقی بہن زبیدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو ہندہ کو طلاق دے پھر جب اس کی عدت گذر جائے تو اس کی بہن زبیدہ سے نکاح کرے۔ اس سے پہلے زبیدہ سے نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اور ہندہ کی عدت صورت مسئولہ میں تین حیض ہوگی جبکہ وہ پچپن سالہ نہ ہوجائے۔ خواہ تین حیض تین ماہ تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء (پ۲ ع۱۲) اور طلاق کے بعد جب ہندہ کی عدت گذر جائے تو اُسے اپنے گھر میں نہ رہنے دے اگرچہ اس سے میاں بیوی جیسا تعلق نہ رکھے۔ اس لئے کہ طلاق و عدت کے بعد ہندہ کو اپنے گھر میں رکھے گا تو وہ متہم و مطعون ہوگا اور اس کی غیبت کا دروازہ کھلے گا جس سے مسلمان فتنہ میں پڑیں گے اور مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالنا حرام ہے جیساکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں جس بات میں آدمی متہم ہو مطعون ہو انگشت نما ہو شرعاً منع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث ہے من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یقف مواقف التھم جو بات مسلمانوں پر فتح باب غیبت کرے انھیں فتنے میں ڈالے گی اور انھیں فتنے میں ڈالنا حرام ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنٰت

ثم لم یتوبوا فلھم عذاب جھنم ولھم عذاب الحریق (فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص۲۲۷) وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲ر ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ از عبدالرحمٰن مدرس منظر اسلام التفات گنج ضلع فیض آباد

دو سگی بہنیں دو سگے بھائیوں کو بیاہی تھیں بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا اور چھوٹا بھائی دونوں عورتوں کو لئے ہوئے ہے اس کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ایک مرد کا دو سگی بہنوں کو بیک وقت رکھنا سخت ناجائز و حرام ہے آیت کریمہ میں ہے وان تجمعوا بین الاختین۔ لہٰذا چھوٹے بھائی پر واجب ہے کہ فوراً بڑے بھائی کی بیوہ عورت کو اپنے سے الگ کردے اور علانیہ توبہ و استغفار کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سلام و کلام اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات ختم کر دیں۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۱ر ذوالقعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ از اسرار احمد اعظمی سکینہ بی طیب عطار منگڑی والا کمپاؤنڈ قریش نگر کرلا بمبئی ۷۰

میری بیوی کی بہن بیوہ ہوگئی ہے۔ میری بیوی کہتی ہے کہ میری بہن سے بھی نکاح کرلیجئے تو اس صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا بیوی کی بہن سے بھی نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بیوی کی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے جیسا کہ پارۂ چہارم کی آخری آیت کریمہ میں ہے وان تجمعوا بین الاختین یعنی دو بہنوں کو اکٹھا کرنا حرام ہے اور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یجمعن ماءہ فی رحم اختین یہاں تک کہ اگر بیوی کو طلاق دیدے تو جب تک کہ عدت ختم نہ ہوجائے اس کی بہن سے نکاح نہیں کرسکتا جیسا کہ شرح وقایہ جلد ثانی ص۱۲ میں ہے کون المرأۃ فی نکاح رجل اوفی عدتہ ولو من طلاق بائن یحرم نکاح امرأۃ ایتھما فرضت ذکرا لم تحل لہ الاخری۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ر جمادی الاخریٰ ۹۵ھ

مسئلہ از منشی رضا ئیلر مقام و پوسٹ گورا ڈانٹر ضلع گونڈہ

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی جس کے چار بچے ہیں۔ پھر اس نے بیوی کی چھوٹی بہن سے نکاح کر لیا اور پہلی بیوی جس کو طلاق دی ہے اس کو کھانا خرچہ دیتا ہے اور اپنے مکان کے برابر مکان بنوا کر رکھنا چاہتا ہے جس بیوی کو طلاق دی ہے وہ اپنے میکے میں رہتی ہے اور اس شخص کا اس کے میکہ بھی آنا جانا رہتا ہے دونوں سے بات چیت بھی رہتی ہے دونوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ اس کی نسبت علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب مطلقہ بیوی کی عدت گذرنے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۶۱ میں ہے لا یجوز ان یتزوج اخت معتدتہ سواء کانت العدۃ عن طلاق رجعی او بائن او ثلاث او عن نکاح فاسد او من شبھۃ۔ لہٰذا اگر شخص مذکور نے بیوی کی عدت گزرنے سے پہلے اس کی بہن سے نکاح کیا تو وہ سخت گنہگار ہوا اس صورت میں اس پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور اس سے الگ رہے پھر پہلی بیوی کی عدت گذرنے کے بعد اگر اس کی بہن کو رکھنا چاہے تو دوبارہ نکاح کرے اور اگر عدت گذرنے کے بعد اس کی بہن سے نکاح کیا تو شرعاً کوئی قباحت نہیں لیکن طلاق دینے کے باوجود اگر وہ پہلی بیوی سے کسی قسم کا ناجائز تعلق رکھتا ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ سختی کے ساتھ اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (پ۷ ع۱۴) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۶ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

مسئلہ خالد کی دو عورتیں ہیں ان دونوں سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں خالد نے دونوں لڑکیوں کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ پھر ان میں سے کوئی عورت زید کے لئے جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب قرآن مجید میں آیت محرمات کی آخری آیت ہے وان تجمعوا بین الاختین یعنی ایک وقت میں دو بہنوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، سخت در سخت گناہ ہے اور اخت کا لفظ یعنی علاتی اخیافی تینوں قسم کی بہنوں کو شامل ہے چنانچہ عالمگیری جلد اول ص۲۵۶ میں ہے اما الاخوات فالاخت لاب وام والاخت لاب والاخت لام اور صورت مسئولہ میں زید کی دونوں بیویاں آپس میں علاتی بہن ہیں لہٰذا جس عورت سے پہلے نکاح کیا وہ صحیح اور درست ہے اور دوسرے سے نکاح فاسد اور ناجائز ہے اس لئے زید کے حق میں پہلی بیوی حلال ہے اور دوسری بیوی حرام ہے۔ اور اگر غلطی سے دونوں سے ہمبستری کر لیا ہے تو دونوں حرام ہو گئیں لہٰذا جس سے

پہلے نکاح کیا تھا اگر اسے نکاح میں رکھنا چاہتا ہے تو دوسری بیوی کی عدت گذر جانے سے قبل پہلی بیوی سے تعلقات ناجائز و گناہ ہے بعد تمام عدت بیوی بنا سکتا ہے اور اگر دوسری کو نکاح میں لانا چاہتا ہے تو پہلی بیوی کو طلاق دے کر عدت پوری کرنے کے بعد نکاح میں لا سکتا ہے، غرض دونوں کو بیوی بنانا کسی طرح جائز نہیں ایسا کرنے والا فاسق دیدہ کار سخت حرام کا مرتکب ہے ایسے شخص سے میل جول رکھنا سخت گناہ ہے لہذا زید بالاعلان توبہ کرکے صحیح طریقے سے مطابق شرع بیوی بنائے وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد نعیم الدین احمد صدیقی رضوی

مسئلہ از عبد السلام نعمانی شہر بنارس

اپنی بیوی کی بہن کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

بیوی اور اس کی بہن کی لڑکی کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے لیکن اگر بیوی فوت ہو چکی ہو یا اسے طلاق دیدی ہو اور عدت گذر گئی ہو تو اب اس کی بہن کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے لا یجمع بین المرأۃ وعمتها ولا بین المرأۃ وخالتها متفق علیہ۔ و فی الدر المختار حرم الجمع بین المحارم نکاحا و عدۃ ولو من طلاق بائن بین امرأتین ایتهما فرضت ذکرا لم تحل للاخری رد المحتار میں ہے کالجمع بین المرأۃ وعمتها او خالتها۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ و صلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ مسئولہ دین محمد متوطن پالی نیپال

زینب اور ہندہ دو بہنیں ہیں۔ زینب زید کے نکاح میں ہے۔ اور ہندہ کا نکاح بھی ایک مولوی صاحب نے زید سے کر دیا تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے تو کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب

صورت مستفسرہ میں زید کا ہندہ سے نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ وہ جمع بین الاختین ہے جس کا حرام ہونا قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ سے ثابت ہے پارہ چہارم کی آخری آیت محرمات میں ہے وان تجمعوا بین الاختین یعنی دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور حدیث شریف میں ہے من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یجمعن ماءہ فی رحم اختین یعنی جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے نطفہ کو ہرگز دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ کرے یعنی دو بہنوں سے عقد نہ کرے اور

فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۵۹ میں ہے لا یجمع بین الاختین بنکاح یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع نہ کرے هکذا فی السراج الوهاج خواہ وہ بہنیں حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی خلاصہ یہ ہے کہ نکاح مذکور حرام ہے زید وہندہ آپس میں ہرگز ہرگز میاں بیوی کے تعلقات قائم نہ کریں ورنہ دونوں سخت حرام کار نہایت بدکار، لائق عذاب قہار، دین ودنیا میں روسیاہ اور شرمسار ہوں گے نکاح خواں مولوی پر علانیہ توبہ کرنا اور نکاح مذکور کے بطلان کا اعلان کرنا واجب ولازم ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۶ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ

مسئلہ

از مستان علی۔ پرسونا پوسٹ شہرت گڈھ ضلع بستی

زید نے ہندہ سے نکاح کیا زید کے نطفہ سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نکاح بکر سے کر دیا گیا پھر بعد وفات زید ہندہ نے عمر سے شادی کی اور چند دن کے بعد عمر کے نطفہ سے بھی بشکم ہندہ لڑکی پیدا ہوئی عمر نے اپنی لڑکی کی شادی ریاض سے کر دی۔ کچھ دنوں بعد بکر جو کہ ہندہ کی دختر اول کا شوہر اول ہے انتقال کر گیا۔ اب ہندہ کی پہلی لڑکی چاہتی ہے کہ میں ریاض سے جو کہ ہندہ کی دوسری لڑکی کا شوہر ہے نکاح کر لوں دراں حالیکہ اس کی ماں شریکی بہن ابھی ریاض کے عقد میں موجود ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ریاض ماں شریکی دو بہنوں کو رکھ سکتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر ریاض چاہے کہ زوجہ اول کے خورد ونوش کا دوسری جگہ انتظام کر دے یا طلاق دیدے تو ان صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب

جب کہ ہندہ کی ایک لڑکی ریاض کے نکاح میں ہے تو ہندہ کی دوسری لڑکی کا نکاح ریاض کے ساتھ کسی طرح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوگا۔ ہاں اگر پہلی بیوی مر جائے یا اس کو طلاق دیدے اور عدت گذر جائے تو اس کی دوسری بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔ عدت گذرنے سے پہلے دوسری بہن سے نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ قرآن مجید پارہ چہارم کی آخری آیت کریمہ میں ہے وان تجمعوا بین الاختین اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۲۶۱ میں ہے لا یجوز ان یتزوج اخت معتدتہ سواء کانت العدۃ من طلاق رجعی او بائن او ثلاث اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ

از فتح محمد شاہ پوسٹ ومقام دودھیا بازار ضلع بستی

زید کا لڑکا خالد ہے۔ زید کی موت کے بعد خالد کی ماں زینب نے بکر سے نکاح کر لیا کچھ دن کے بعد خالد

کی بیوی سے بھی نکاح کر لیا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب اگر خالد فوت ہو گیا یا اس نے طلاق دی پھر عدت گذرنے کے بعد بکر نے اس کی بیوی سے بھی نکاح کر لیا تو جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اس کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں کہ ان میں سے جس ایک کو مرد فرض کریں دوسری اس کے لئے حرام ہو جیسے دو بہنیں کہ ایک کو مرد فرض کریں تو بھائی بہن کا رشتہ ہوا۔ یا پھوپھی بھتیجی کہ پھوپھی کو مرد فرض کریں تو چچا بھتیجی کا رشتہ ہوا اور بھتیجی کو مرد فرض کیا جائے تو پھوپھی بھتیجے کا رشتہ ہوا۔ یا خالہ بھانجی کہ خالہ کو مرد فرض کیا جائے تو ماموں بھانجی کا رشتہ ہوا اور بھانجی کو مرد فرض کیا جائے تو بھانجے خالہ کا رشتہ ہوا تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر ایک کو مرد فرض کریں دوسری اس کے لئے حرام ہو اور دوسری کو مرد فرض کریں تو پہلی اس پر حرام نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے جیسے کہ صورت مسئولہ کہ اگر زینب کو مرد فرض کیا جائے تو خالد کی بیوی اس پر حرام ہو کہ اس کی ماں ہے اور خالد کی بیوی کو مرد فرض کریں تو زینب سے کوئی رشتہ پیدا نہ ہوگا لہٰذا ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص۲۵۹ میں ہے والاصل ان کل امرأتین لو صورنا احداھما من ای جانب ذکرا لم یجز النکاح بینھما برضاع او نسب لم یجز الجمع بینھما ھکذا فی المحیط فلا یجوز الجمع بین امرأۃ وعمتھا نسبا او رضاعا وخالتھا کذلک ونحوھا ویجوز بین امرأۃ وبنت زوجھا فان المرأۃ لو فرضت ذکرا حلت لہ تلک البنت بخلاف العکس اھ۔ درمختار میں ہے جاز الجمع بین امرأۃ وبنت زوجھا او امرأۃ ابنھا اھ۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ از محمد شفیع چھیتوا ضلع بستی

زید کی دو بیویاں ہیں ہندہ اور زینب ہندہ سے ایک لڑکی اور زینب سے ایک لڑکی اب دونوں لڑکیوں کو بکر اپنے نکاح میں لا سکتا ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب بکر ان دونوں لڑکیوں کو اپنے نکاح میں ہرگز نہیں لا سکتا ہے اس لئے کہ وہ جمع بین الاختین ہے جس کا حرام ہونا قرآن مجید حدیث شریف اور فقہ سے ثابت ہے پارہ چہارم کی آخری آیت محرمات میں ہے۔ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَجْمَعَنَّ مَاءَہٗ فِیْ رَحِمِ اُخْتَیْنِ۔ یعنی جو اللہ اور قیامت

پرایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے نطفہ کو ہرگز دو بہنوں کے رحم میں جمع نہ کرے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو بہنوں سے عقد نہ کرے اور فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۵۹ میں ہے لَا یَجْمَعُ بَیْنَ اُخْتَیْنِ بِنِکَاحٍ یعنی دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع نہ کرے ھکذا فی السراج الوہاج خواہ دونوں بہنیں عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی لہذا بکر ایسی شادی ہرگز ہرگز نہ کرے ورنہ سخت حرام کار نہایت بدکار، لائق عذاب قہار اور دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوگا واللہ تعالی اعلم و رسولہ الاعلی اعلم جل جلالہ و صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ
مسئولہ سد محو خاں اموڑھا ڈاکخانہ چھاؤنی ضلع بستی

ایک مسلمان اپنی بیوی کی ہمشیرہ سے حرام انجام کیا اور اس کے حمل حرام رہ گیا اور بچہ پیدا ہوا اب اس کے لئے کیا حکم ہے اور مسلمان کی بیوی موجود ہے تو دونوں سگی بہن ہیں تو دوسری کے ساتھ بھی اس مسلمان سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں صادر فرمایا جاوے اور اس مسلمان مرد اور اس عورت کے لئے کیا حکم ہے اس مسلمان کو مسلمانوں نے ترک کر دیا ہے اب وہ کس طرح مسلمانوں میں شریک ہو سکتا ہے؟

الجواب
صورت مسئولہ میں اس مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے اس حرام فعل سے توبہ کرے اور اپنی بیوی کی ہمشیرہ سے اپنے تعلقات کو ختم کر دے یوں ہی وہ عورت بھی اپنے فعل بد سے توبہ کرے اور اس مرد سے پردہ اختیار کرے۔ بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی ہمشیرہ سے نکاح حرام ہے بقولہ تعالی اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ پھر اگر وہ بیوی کی ہمشیرہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اپنی بیوی کو طلاق دے بیوی کی عدت گذر جانے کے بعد اس کی ہمشیرہ سے نکاح کر سکتا ہے جب وہ مسلمان توبہ کر کے صحیح راستہ پر آجائے تو اب دوسرے مسلمان حضرات اس سے تعلقات وابستہ کر لیں قال اللہ تعالی من تاب و امن و عمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات و کان اللہ غفورا رحیما (پ۱۹ ع۴)

کتبہ عبدہ العاصی جمیل احمد الیار علوی غفرلہ الباری

مسئلہ
از نصیب دار احمد قادری سگانگر ضلع گونڈہ

زینب کی حقیقی پھوپھی ہندہ کا نکاح زید سے ہوا پھر چند سال کے بعد ہندہ کا انتقال ہو گیا اب زینب اپنے پھوپھا زید سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا زینب کا نکاح زید کے ساتھ صحیح ہو جائے گا؟ شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب اگر زینب کی پھوپھی کا انتقال ہوگیا تو زینب اپنے پھوپھا سے نکاح کر سکتی ہے بشرطیکہ کوئی اور وجہ یعنی رضاعت وغیرہ مانع نکاح نہ ہو۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲؍ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ

از صابر حسین نوری بارہ امام مسجد ۹۳۳ شکروار پیٹھ پونہ ۲

زید کی پہلی بیوی سے پانچ بچے ہیں۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں اور دونوں لڑکیاں شادی کے لائق ہیں اسی سال زید حج کو گیا اور اثنائے حج میں بذریعہ خط پہلی بیوی کو طلاق دیدیا اور مع پانچ بچوں کے گھر سے نکال دیا واقعہ یوں ہے کہ پانچویں بچے کے زچگی کے وقت پہلی بیوی کی بہن یعنی زید کی سگی سالی زید کے گھر آئی تو پہلی بیوی کی موجودگی میں سالی سے نکاح کرلیا لوگوں نے منع کیا تو کہنے لگا کہ اگر تم سالی سے نکاح کرتے ہو تو میں دونوں کو نبھاؤں گا نہیں تو پہلی بیوی کو بھی چھوڑ دوں گا اس خوف سے سالی کے ماں باپ مجبور ہو کر نکاح کی اجازت دیئے۔ اور کسی اناڑی یعنی کم پڑھے لکھے نے نکاح پڑھا دیا۔ آٹھ سال تک تو دونوں کو نبھایا اس سال جب حج کو گیا تو وہاں پہونچ کر خط کے ذریعہ پہلی بیوی کو طلاق دیدیا بیوی اپنے پانچ بچوں کے ساتھ علیحدہ رہتی ہے اور تقاضا کرتی ہے کہ میرا کچھ بندوبست کیا جائے۔ تو ارشاد فرمائیں کہ طلاق پڑی یا نہیں؟ اور نکاح ہوا کہ نہیں؟ اور پہلی بیوی کے لئے کیا راستہ نکل سکتا ہے؟ جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

الجواب بعون الملک الوھاب ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح حرام ہے جیسا کہ پارہ چہارم کی آخری آیت محرمات میں ہے وان تجمعوا بین الاختین یعنی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ لہٰذا نکاح کرنے والا زید، لڑکی کے ماں باپ، نکاح خواں، گواہ اور ہر وہ شخص جو اس نکاح سے راضی ہوا سب پر علانیہ توبہ و استغفار واجب ہے اور زید پر یہ بھی لازم ہے کہ دوسری بہن کو اپنے سے الگ رکھے ہرگز ہرگز اس سے میاں بیوی کے تعلقات نہ قائم رکھے پھر اگر واقعی اس نے طلاق دیدی ہے تو جب پہلی بیوی کی عدت گذر جائے تو اس کے بعد دوسری سے نکاح کر سکتا ہے۔ اگر بہ تا انقضائے عدت دوسری بہن کو اپنے سے الگ نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (پ ۷ رکوع ۱۴) اور تحریر سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے کہ تحریر مثل کلام کے ہے جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ہے الکتاب کالخطاب۔ اگر

عورت کو غالب گمان ہو کہ یہ تحریر اس کے شوہر کی ہے تو اس پر طلاق واقع ہو گئی۔ عورت اپنے بندوبست کا تقاضا کرتی ہے تو وقوع طلاق کی صورت میں اگر ابھی مہر باقی ہے تو شوہر سے پورا مہر وصول کرے اور عدت گذارنے کے لئے مکان اور عدت کے پورے اخراجات بھی وصول کرے اور بچوں کی پرورش کا حق طلاق و عدت کے بعد بھی ماں کے لئے ہے۔ تاوقتیکہ وہ بچوں کے غیر محرم سے نکاح نہ کرلے اور ہر لڑکا ماں کے پاس سات برس کی عمر تک رہے گا اور ہر لڑکی نو سال کی عمر تک۔ لہذا ہر لڑکے کا کھانا، خرچ کپڑا، تیل صابن اور رہنے کا مکان وغیرہ جب تک کہ اس کے پاس رہیں عورت زید سے وصول کرتی رہے۔ اور چھوٹے بچہ کی دو برس عمر ہونے تک دودھ پلانے کی اجرت عدت گذرنے کے بعد سے وصول کرے۔ اور اگر طلاق بائن یا مغلظہ دی ہو تو عدت کے زمانہ میں بھی دودھ پلانے کی اجرت وصول کرے بلکہ پرورش کا معاوضہ اور بچہ کا نفقہ یہاں تک کہ مکان نہ ہو تو رہنے کے لئے مکان بھی وصول کر سکتی ہے ایسا ہی بہار شریعت حصہ ہشتم بچہ کی پرورش اور نفقہ کے بیان میں درمختار کے حوالہ سے ہے اور جیسا کہ پارہ ۲۸ سورۂ طلاق میں ہے فان ارضعن لکم فاتوھن اجورھن۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ عورت کے حقوق اور لڑکوں کا نفقہ وغیرہ اس کے شوہر سے دلوانے کی حتی الامکان کوشش کریں جس طرح بھی ہو سکے دباؤ ڈال کر اس سے وصول کریں۔ اگر وہ نہ دے تو سب مسلمان اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سلام و کلام وغیرہ سب بند کر دیں۔ جو لوگ ایسا نہ کریں گے اور ظالم شوہر کا ساتھ دیں گے تو اس کے ساتھ وہ لوگ بھی گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے یہاں تک کہ بیہقی شریف کی حدیث ہے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من مشی ظالم لیقویہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام یعنی جو شخص ظالم کو تقویت دینے کے لئے اس کا ساتھ دے یہ جانتے ہوئے کہ وہ ظالم ہے تو وہ (کمال) اسلام سے خارج ہو جاتا ہے (مشکوۃ شریف صفحہ ۴۳۶) وھو تعالیٰ اعلم۔

الانتباہ شوہر نے بچہ پیدا ہونے کے بعد طلاق دی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے چاہے تین ماہ یا تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں تاوقتیکہ تین حیض نہ آئیں اس کی عدت ختم نہ ہوگی اور اگر حالت حمل میں طلاق دی ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور عوام میں جو مشہور ہے کہ طلاق والی عورت کی عدت تین مہینہ تیرہ دن ہے تو یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں پارۂ دوم رکوع ۱۲ میں ہے والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

جلال الدین احمد الامجدی
۱۵ر صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ از عبد العزیز انصاری متعلم مدرسہ منظر اسلام التفات گنج ضلع فیض آباد

زید کی ایک لڑکی ہندہ خالدہ کے بطن سے ہے اور دوسری لڑکی زینب فاطمہ کے بطن سے ہے ہندہ کی شادی بکر کے ساتھ ہوئی جب ہندہ سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو بکر نے ہندہ کو طلاق دیدی اور عدت گذرنے سے پہلے ہندہ کی بہن زینب سے نکاح کر لیا پھر ہندہ اور زینب بکر کے ساتھ رہ رہی ہیں تو دریافت طلب یہ امور ہیں کہ ہندہ کی عدت گذرنے سے پہلے زینب کے ساتھ بکر کا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو زینب، بکر، نکاح خواں اور گواہ کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز ہندہ کا بکر کے ساتھ رہنا کیسا ہے؟

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مستفسرہ میں ہندہ کی عدت گذرنے سے پہلے زینب کے ساتھ بکر کا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا زینب و بکر پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور نکاح خواں اور گواہ پر لازم ہے کہ نکاح مذکور کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کریں نیز زینب و بکر اور نکاح خواں و گواہ سب علانیہ توبہ و استغفار کریں۔ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ بکر نے اگر ہندہ کو طلاق رجعی دی تھی اور قبل انقضائے عدت بکر نے رجعت کر لی تو ہندہ بکر کی بدستور بیوی ہے اس کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات قائم کر سکتی ہے۔ اور اگر طلاق بائن دی تھی تو عدت گذرنے کے پہلے یا بعد بکر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے رہ سکتی ہے۔ اور اگر طلاق مغلظہ دی تھی تو ہندہ کا بکر کی زوجیت میں رہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تا وقتیکہ حلالہ کے بعد بکر کے ساتھ دوبارہ نکاح نہ کرے۔ ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ر جمادی الاخریٰ سنہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ ۔ از محمد شمیم موضع بڑھیا پوسٹ کھڈ سری بازار ۔ ضلع بستی

زید نے اپنی سسرال والوں کو مطمئن کرنے کے لئے ۹ نومبر ۱۹۸۰ کو یہ تحریر لکھ کر دی کہ مجھ سے متعدد بار شدید غلطیاں ہوئیں جس سے میری بیوی ہندہ کے والدین اور بھائیوں کی شدید دل آزاری ہوئی جس کی میں معذرت چاہتا ہوں ۔ آئندہ اگر مجھ سے کوئی ایسی غلطی سرزد ہوئی جس سے کہ دل آزاری ہو تو میری بیوی ہندہ کو اختیار ہے وہ جب چاہے طلاق اپنے اوپر واقع کر لے گی ـــــ زید نے اس تحریر معاہدہ کے بعد اپنی سابقہ عادات کے مطابق اپنے قول وعمل سے ایسے سرزد کئے جس سے ہندہ کے ماں باپ کو شدید دکھ پہنچا تو ہندہ نے ۲۴ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۹۸۱ء کو دو آدمیوں کی موجودگی میں اپنے اوپر طلاق واقع کر لی ۔ اس سلسلہ میں دار الافتاء فیض الرسول براؤں شریف ، دار الافتاء اشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڈھ اور اور دار الافتاء منظر اسلام بریلی شریف کے مفتیان کرام کی خدمت میں استفتاء بھیجا گیا کہ ہندہ نے اس بنیاد پر کہ اس کے شوہر نے اپنے تحریری معاہدہ کی خلاف ورزی کی اپنا حق تفویض استعمال کرتے ہوئے اپنی ذات پر طلاق واقع کر لی ہے ۔ تو ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں ؟ تو مفتیان کرام نے بالاتفاق فتویٰ دیا کہ ہندہ پر طلاق واقع ہو گئی ۔ پھر عرصہ ہوا کہ ہندہ عدت کے ایام گذار چکی ہے ۔ حضرات علماء سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اگر ہندہ اپنا نکاح کسی دوسری جگہ کرے تو شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب جبکہ ہندہ طلاق واقع کرنے کے بعد ایام عدت بھی گذار چکی ہے تو اب اگر وہ اپنا نکاح کسی دوسرے سنی صحیح العقیدہ سے کرے تو جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم عز شانہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از عین اللہ خاں سہنیاں کلاں ضلع گونڈہ

زینب کی شادی دیوبندی سے ہوئی اور زینب یہ چاہتی ہے کہ میں ایک سنی سے شادی کروں اور دیوبندی شوہر نے اسے طلاق نہیں دی ۔ ایسی صورت میں دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً کیا حکم ہے ؟ کیا طلاق کی ضرورت پڑے گی یا نہیں ؟

الجواب زینب کی شادی اگر ایسے شخص سے ہوئی جو مولوی اشرف علی ۔ مولوی قاسم نانوتوی ۔ مولوی

رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھی کے کفریات پر مطلع ہوتے ہوئے انھیں کافر و مرتد نہیں کہتا تو وہ شرعاً کافر و مرتد ہے کما فی الفتاوی حسام الحرمین اور مرتد کا نکاح کسی سے شرعاً منعقد ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ کتب فقہیہ میں مذکور ہے لا یجوز نکاح المرتد مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا کافرۃ (قدوری ص۱۸۱) یعنی مرتد کا نکاح نہ کسی مسلمان عورت سے نہ مرتد عورت سے اور نہ کسی کافر عورت سے ہوسکتا ہے لہٰذا زینب بغیر دوسرے سے طلاق حاصل کئے ہوئے دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم

کتبہ بدر الدین احمد رضوی

۱۹ ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ

مسئلہ۔ از صدر الدین گورکھپوری متعلم دار العلوم لطفا

وہابیوں، دیوبندیوں، تبلیغی جماعت والوں، مودودی جماعت والوں اور رافضیوں سے نکاح بیاہ کرنا۔ ان سے میل جول رکھنا اور ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب مذکورہ بالا جماعتیں اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے بحکم شرع بدمذہب گمراہ ہیں اور بدمذہبوں کے بارے میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلا تشھدوھم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم ولا تجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم ولا تصلوا علیھم ولا تصلوا معھم ——— یعنی بدمذہب اگر بیمار پڑیں تو پوچھنے مت جاؤ اور اگر وہ مرجائیں تو جنازے پر حاضر نہ ہو اور جب ان سے ملو تو سلام نہ کرو۔ اور ان کے پاس نہ بیٹھو۔ ان کے ساتھ پانی نہ پیو۔ کھانا نہ کھاؤ ان سے شادی بیاہ نہ کرو ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو اور ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ وابوداؤد عن ابن عمر وابن ماجۃ عن جابر والعقیلی وابن حبان عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں روی محمد عن ابی حنیفۃ وابی یوسف ان الصلوۃ خلف اھل الاھواء لا تجوز یعنی امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات شیخین سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ وسیدنا قاضی امام ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ بدمذہبوں کے پیچھے نماز جائز نہیں لہٰذا احدیث شریف اور فقہ کے ارشاد سے واضح ہوگیا کہ وہابیوں اور دیوبندیوں مودودی جماعت والوں تبلیغی جماعت والوں اور رافضیوں سے

شادی بیاہ کرنا ان سے میل جول رکھنا ناجائز و حرام ہے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۳ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

مسئلہ ۔ از غلام محی الدین سبحانی مدرسہ مخدومیہ علاء الدین پور نگر ہوا پوسٹ دولت پور گرنٹ ضلع گونڈہ

دیوبندی مولوی نے سرکار اعلیٰ حضرت کی کتاب الملفوظ پر اعتراض کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت سے کسی نے پوچھا کہ حضور وہابی کا پڑھایا نکاح ہوجاتا ہے جواب دیا نکاح تو ہو ہی جائے گا اگرچہ برہمن پڑھائے عرض یہ ہے کہ کیا یہ مسئلہ صحیح ہے اثبات کی صورت میں کیا کوئی دلیل ہے کہ برہمن کا پڑھایا نکاح ہو جائے گا ؟

الجواب بیشک نکاح ہوجائے گا اگرچہ برہمن پڑھائے۔ اس لئے کہ ایجاب و قبول کا نام نکاح ہے اور نکاح پڑھانے والا وکیل ہوتا ہے اور وکیل کا مسلمان ہونا شرط نہیں بلکہ کافر بھی نکاح کا وکیل ہوسکتا ہے یہاں تک کہ مرتد جو واجب القتل ہوتا ہے وہ بھی مسلمان کا وکیل ہو سکتا ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد ثالث ص۵۶۹ میں ہے تجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لو کان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فھو علی وکالتہ الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالتہ۔ اور بدائع الصنائع جلد سادس ص۲۰ میں ہے ردۃ الوکیل لا تمنع صحۃ الوکالۃ۔ لھذا دیوبندی مولوی کا الملفوظ کی اس عبارت پر اعتراض کرنا اس کی نری جہالت ہے۔ اگر اس کے نزدیک کافر کو وکیل بنانا غلط ہے تو وہ دلائل سے مبرھن کرے اور قیامت تک وہ ایسا نہیں کرسکتا۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۳ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از حافظ محمد ہاشم رضا ساحل مدرسہ فیض القرآن نیو سوسائٹی چونا بھٹی شانتا کروز بمبئی نمبر۵۵

ایک سنی صحیح العقیدہ لڑکی کی شادی اس کے بھائی نے ناواقفیت کی بنا پر شیعہ کے ساتھ کردی کافی عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شیعہ مذہب رکھتا ہے اس اثنا میں اولادیں بھی ہوئیں اور نکاح سنی صحیح العقیدہ مولوی نے پڑھائی تھی تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ نکاح درست ہوا یا نہیں ؟ کیا اس سے علیحدگی کی صورت میں طلاق کی ضرورت پڑے گی ؟ نیز جو اولادیں ہوئیں ان کے متعلق

کیا حکم ہے؟

الجواب تبرائی رافضی کافر و مرتد ہیں فتاویٰ ہندیہ میں ہے الرافضی اذا کان یسب الشیخین ویلعنهما والعیاذ باللہ فھو کافر اور مرتد کے ساتھ نکاح باطل محض ہے عالمگیری میں ہے ومنھا ما ھو باطل بالاتفاق نحو النکاح فلا یجوز له ان یتزوج امرأة مسلمة ولا مرتدة ولا ذمیة لہٰذا اس صورت میں بغیر طلاق لئے دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے ــــ اور اگر تفضیلی رافضی ہے تو بدمذہب اور گمراہ ہے فتاویٰ ہندیہ میں ہے وان کان یفضل علیا کرم اللہ تعالیٰ وجهه علی ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه لا یکون کافرا الا انه مبتدع اس صورت میں نکاح درست ہوگیا مگر عورت کا اس گمراہ شوہر کے ساتھ رہنا اور شوہری تعلقات قائم کرنا سخت حرام ہے لہٰذا جس طرح ممکن ہو اس سے طلاق حاصل کرے مرد کے تبرائی رافضی ہونے کی صورت میں جو اولادیں ہوئیں شرعاً سب ولد الزنا (حرامی) ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ ربیع الآخر ۱۳۸۵ھ

مسئلہ ـ از عبد الجبار چرکھوی متعلم دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی

زید سنی ہے اور زینب وہابیہ ہے اور ان دونوں کی شادی ہوئی اور نکاح پڑھنے والا بھی وہابی ہے رخصتی ہونے کے بعد زینب کو بچہ پیدا ہوا اور پھر بھی حمل سے ہے بوقت حمل زید نے زینب کو تین طلاقیں دیں طلاق دینے کے بعد بھی زینب زید ہی پر رہنا چاہتی ہے اور زید زینب کو اس شرط پر رکھنے کے لئے تیار ہے کہ اگر حلالہ کی صورت ہوگی تو نہیں رکھوں گا اور اگر بغیر حلالہ کئے صرف نکاح کر لینے سے جائز ہو جائے تو میں رکھ سکتا ہوں اب اس صورت میں زید کے رکھنے کے لئے جو راہ ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں زید کا نکاح زینب وہابیہ سے منعقد ہی نہیں ہوا عالمگیری جلد اول ص ۲۶۳ میں ہے لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا کافرة اصلیة وکذلک لا یجوز نکاح المرتدة مع احد کذا فی المبسوط ـ یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ اور مسلمہ اور کافرہ اصلیہ سے جائز نہیں اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح مرتد اور مسلم و کافر اصلی سے جائز نہیں ایسے ہی مبسوط میں مرقوم ہے اور وہابیت خالص ارتداد ہے لہٰذا اگر زینب واقعی وہابیہ ہی تھی کہ اشرف علی تھانوی اور رشید احمد گنگوہی وغیرہا

دیوبندی وہابی مولویان کو مسلمان جانتی تھی یا انہیں کافر سمجھنے والوں کو مشرک سمجھتی تھی جیسے اس زمانہ کا ہر وہابی کم از کم ہر سنیوں کو مشرک اعتقاد کرتا ہے تو سنی کا نکاح نکاح نہیں اور اس مصنوعی نکاح کے تحت جو کچھ بھی تعلقات زوجیت قائم رہے یہاں تک کہ زینب حاملہ بھی ہوئی یہ سب حرام اور ناجائز ہوا اور اس کو طلاق کی حاجت ہی نہیں کہ اس سے حلالہ کی ضرورت پڑے بلکہ اس کو سنیہ صحیحہ العقیدہ بنالینا نکاح جائز ہونے کے لئے کافی ہے لیکن اگر زینب کا وہابیہ ہونا ثابت نہ ہو بلکہ صرف اس کے والدین کے وہابیہ ہونے کی باعث اس کو وہابیہ سمجھا گیا ہو تو وہ نکاح صحیح تھا اور بغیر حلالہ کئے ہرگز زید کے لئے جائز نہ ہوگی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد نعیم الدین احمد صدیقی رضوی
۳ جمادی الاول سنہ ھ

مسئلہ۔ از محمد حنیف۔ کٹھیلا بستی

ھندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا کچھ دن کے بعد معلوم ہوا کہ زید وہابی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کا نکاح باقی ہے یا ختم ہوگیا تو ہندہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب صورت مسئولہ میں برصدق بیان مستفتی اگر زید وہابیوں دیوبندیوں کے عقائد کفریہ پر مطلع ہونے کے بعد بھی ان کو مسلمان اور اپنا پیشوا مانتا ہے تو وہ یقیناً مرتد کافر ہے اور مرتد سے کسی مسلمان سنیہ کا سرے سے نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا لہٰذا ہندہ زید سے بغیر طلاق حاصل کئے دوسرے مسلمان سنی سے جب چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ عدت گذارنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ عدت نکاح کی ہوتی ہے اور یہاں جب نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تو عدت کس طرح ہوگی فتاویٰ عالمگیری جلد اول ص ۲۶۳ میں ہے ولا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلک لا یجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط اگر زید نکاح کے وقت سنی مسلمان رہا اور بعد میں مرتد ہوگیا تو وہ نکاح باطل ہوگیا۔ لہٰذا ہندہ عدت گذارنے کے بعد دوسرے سنی مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے واللہ ورسولہ اعلم

کتبہ محمد صابر القادری نسیم بستوی
۲۰ فروری سنہ ۵۹ء

مسئلہ۔ از محمد سمیع اللہ ہنداول ضلع بستی

زید نے اپنی لڑکی کا نکاح بکر سے کیا بوقت نکاح اس کو علم نہیں تھا کہ بکر غیر مقلد ہے بلکہ وہ سمجھ رہا

تھا اور یقین کئے ہوئے تھا کہ بکر سنی صحیح العقیدہ ہے۔ لڑکی دو تین مرتبہ بکر کے یہاں جا چکی ہے تب معلوم ہوا کہ وہ غیر مقلد ہے۔ اب زید اپنی لڑکی کا نکاح ایک سنی لڑکے سے کرنا چاہتا ہے۔ زید کو شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ آیا نکاح اول کا انعقاد ہوا یا نہیں؟ زید اپنی لڑکی کا دوسرا نکاح بغیر طلاق کے کر سکتا ہے یا نہیں؟ نیز لڑکی وہاں جانے کے لئے راضی نہیں ہے۔ احکام قطعیہ سے آگاہ فرمایا جائے۔

الجواب نکاح کے وقت اگر بکر غیر مقلد تھا تو نکاح منعقد ہی نہ ہوا۔ اور اگر بعد نکاح وہابی ہوا تو اب نکاح باطل ہو گیا۔ لہٰذا زید اپنی لڑکی کا نکاح بلا حصول طلاق دوسرے سے کر سکتا ہے۔ وہابیت غیر مقلدیت ارتداد ہے اس لئے کہ کوئی وہابی اس زمانے میں ایسا نہیں ملے گا جو خود کو موحد اور سنیوں کو مشرک اعتقاد نہ کرتا ہو۔ جامع الفصولین میں ہے: والمختار للفتوی فی جنس هذه المسائل ان القائل بمثل هذه المقالات لو اراد الشتم ولا یعتقد کافرا لا یکفر وان اعتقده کافرا کفر والمولی تعالی سبحانه ورسوله اعلم

کتبہ بدر الدین احمد رضوی

مسئلہ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں کہ (۱) کافرہ عورت کو مسلمان کر کے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲) کافرہ کو مسلمان کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب (۱) کافرہ عورت کو مسلمان کر کے اس سے نکاح کرنا جائز ہے (۲) کافرہ کو کفر سے توبہ کرا کے فوراً کلمہ طیبہ پڑھایا جاوے وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ بدر الدین احمد رضوی
۸ رجولائی ۱۹..ء

مسئلہ ۔ کمال احمد مدرس مکتب اسلامیہ مٹو پوسٹ کرہی ضلع بستی

کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ زید جو حاجی ہے اس نے اپنی پوتی کی شادی وہابی لڑکے سے طے کی اور نکاح پڑھانے کے لئے ایک سنی مولوی کو لڑکا کے گھر لے گئے۔ مولوی صاحب کو پہلے سے نہیں معلوم تھا کہ لڑکا وہابی ہے۔ بعد میں پتہ چلا تو اس صورت میں مولوی صاحب کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب جب کہ وہابیت عام ہو رہی ہے مولوی صاحب مذکور پر تحقیق لازم تھی۔ بلا تحقیق نکاح پڑھ دینے کے سبب جبکہ بعد میں لڑکے کا وہابی ہونا ان پر ظاہر ہوا تو مولوی صاحب پر توبہ واستغفار کریں اور بالغ لڑکا

وہابی بستی مرتد ہو یا نابالغ ہو مگر اس کا ولی وہابی ہو تو ان صورتوں میں نکاح کے باطل ہونے کا اعلان عام کریں اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از محمد اسرائیل مقام بڑھیا پوسٹ مڑلا ضلع بستی

زید کی لڑکی ہندہ سنی صحیح العقیدہ ہے اس کی شادی زید نے ایک وہابی غیر مقلد کے ساتھ کر دی تھی اب ہندہ اپنے گھر سے چلی آئی ہے اور اس کے گھر بھیجنا بھی نہیں چاہتا بلکہ اس ہندہ مذکور کی شادی ایک سنی صحیح العقیدہ کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اب ایسی صورت میں ہندہ کو طلاق کی ضرورت ہے یا نہیں بغیر طلاق لئے اس کا نکاح کر دیا جائے؟

الجواب زید نے اپنی لڑکی سنی صحیح العقیدہ کا نکاح اگر جان بوجھ کر وہابی غیر مقلد کے ساتھ کیا تو زید کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے بیوی والا ہو تو اس کا نکاح پھر سے پڑھایا جائے کسی سے مرید تھا تو تجدید بیعت کرائی جائے پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے اور قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کو کہا جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی قال اللہ تعالیٰ من تاب وعمل صالحا فانہ یتوب الی اللہ متابا (پ ۱۹ ع ۴) جب یہ کام سب ہو جائے پھر اس کے بعد زید کی لڑکی کے بارے میں پوچھا جائے کہ بغیر طلاق اس کا دوسرا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تب جواب دیا جائیگا۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از محمد صابر القادری جامعہ اہلسنت انوار العلوم رہرا بازار گونڈہ

زید سنی صحیح العقیدہ ہے زید نے سنی صحیح العقیدہ لڑکی اور اس کے خاندان کے لوگ سب سنی ہیں اس کا نکاح انجان میں دیوبندی لڑکے سے پڑھ دیا۔ نکاح پڑھنے کے بعد کچھ ایسی گفتگو ہوئی جس سے صاف ظاہر ہوا کہ دولہا اور براتی سب دیوبندی عقائد کے ہیں۔ ایسی صورت میں نکاح خواں زید سنی رہ گیا یا مرتد ہو گیا اور اس کی بیوی اس کی نکاح میں رہی یا خارج ہو گئی اور وکیل اور گواہان کے بارے میں جو نکاح میں شامل تھے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔ مگر زید دولہا کو سنی سمجھ کر پڑھا ہے حکم شرع کیا ہے؟

الجواب جب کہ دیوبندیت عام ہورہی ہے اور سنی عوام مذہب کی تحقیق کے بغیر رشتہ طے کر دیتے ہیں تو نکاح خواں پر لازم ہے قبل از عقد کلمہ وغیرہ پڑھانے کے بعد وہابیوں دیوبندیوں سے دور رہنے کا دولھا سے عہد لے کر یا کسی دوسرے مناسب طریقہ سے اس کا عقیدہ معلوم کرے۔ اگر زید نے ایسا نہیں کیا اور دیوبندی کو سنی سمجھ کر نکاح پڑھ دیا تو وہ مرتد نہیں ہوا نہ اس کے نکاح سے اس کی بیوی نکلی۔ مگر زید علانیہ توبہ واستغفار کرے نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ اور وکیل وگواہان بھی توبہ کریں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں۔ اور لڑکی والے اگر رشتہ کو باقی رکھیں تو ان کا بھی بائیکاٹ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از شہادت علی سکندر پور

زید کا باپ کٹر وہابی دیوبندی ہے بلکہ حضرت شیر بیشۂ اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اوپر جب بعد رسہ کے دیوبندیوں نے مقدمہ فیض آباد میں دائر کیا تھا تو زید کے والد نے دیوبندیوں کی بڑی مدد کی تھی بلکہ چندہ جمع کر کے مقدمہ میں دیوبندیوں کو دیا تھا زید جاہل ہے بکر اپنی لڑکی زید سے بیاہنا چاہتا ہے۔ زید اپنے والد کے ہمراہ رہتا ہے زید خود کو سنی بتاتا ہے۔ آیا بکر اپنی لڑکی زید کے ساتھ کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب دین وایمان اسلام وسنیت کی حفاظت ہر فرض سے بڑھکر فرض ہے۔ زید جبکہ اپنے متعصب دیوبندی باپ کے ساتھ رہتا ہے اور جاہل بھی ہے تو ایسی صورت میں اس کی سنیت خطرے میں ہے تو بیچاری لڑکی کی سنیت کے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی۔ لہذا بکر کو از روئے شرع اسلامی سخت ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنی سنی لڑکی کا نکاح زید کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ کرے۔ ایسے گھرانے میں اپنی لڑکی کو بیاہنا جس کا اگوا دیوبندی ہو شرعاً درست نہیں۔ بکر اپنی لڑکی کا نکاح اس گھرانے میں کرے جہاں سنیت کی سلامتی اور حفاظت پر اطمینان ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ بدر الدین احمد الرضوی

۱۱ ذی القعدہ ۱۳۸۷ھ

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ۔ از واحد علی صدیقی موضع پیرا تال بھرت کنڈ ضلع فیض آباد

زید نے دیدہ دانستہ اپنی لڑکی شاہدہ کا عقد ایک دیوبندی کے ساتھ کر دیا آبادی کے لوگ بحیثیت عقائد دیوبند سے باخبر ہونے پر سخت نالاں ہوئے۔ اور رشتہ قائم کرنے کے سلسلے میں اظہار ناپسندیدگی کرتے رہے۔ مگر زید بدطینت نے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ عقد کر ہی دیا اور حال میں ابھی رخصت بھی کر دیا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ عقد شرعاً ہوا یا نہیں؟ زید سے آبادی کے لوگ نشست و برخاست سلام و کلام میل جول قائم رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں۔ دیوبندیوں وہابیوں پر حکم شرع کیا ہے بالتفصیل تحریر کریں۔ اور اجر جزیل کے مستحق بنیں۔

الجواب صورت مسئولہ میں زید سخت فاسق وفاجر ہوگیا۔ آبادی کے لوگوں پر بحکم شریعت اسلامیہ فرض ہے کہ زید جب تک راہ راست پر نہ آجائے اس وقت تک اس کا بالکل بائیکاٹ رکھیں اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا سلام وکلام کھانا پینا بند کر دیں جس دیوبندی مرد کے ساتھ شاہدہ کا عقد کیا گیا وہ اگر پیشوایان وہابیہ مولوی اشرف علی تھانوی؛ مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی محمد قاسم نانوتوی وغیرہ کے عقائد باطلہ کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص۸ و براہین قاطعہ ص۵۱ وتحذیر الناس ص۳،۱۴،۲۸ پر اطلاع رکھتے ہوئے ان کو کافر و مرتد نہیں مانتا بلکہ مسلمان سمجھتا ہے تو خود وہ بھی شرعاً کافر ومرتد ہے جیسا کہ فتاوی حسام الحرمین میں ہے۔ ومن شك فى كفره و عذابه فقد كفر اور شاہدہ مذکورہ کا عقد اس کے ساتھ شرعاً منعقد ہوا ہی نہیں۔ فتاوی عالمگیری جلد اول ص۲۸۲ میں ہے لا يجوز للمرتد ان يتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا كافرة اصلية وكذلك نكاح المرتدة مع احد۔ یعنی مرتد مرد کا نکاح مرتدہ عورت یا مسلمہ عورت یا کافرہ اصلیہ عورت سے جائز نہیں اور یونہی مرتدہ عورت کا نکاح کسی سے جائز نہیں۔ پھر ایسی صورت میں اس دیوبندی کے ساتھ شاہدہ کی قربت زنائے خالص ہوگی۔ لہٰذا زید پر فرض ہے کہ وہ علی الاعلان گاؤں والوں کے سامنے توبہ واستغفار کرے اور اس دیوبندی سے طلاق حاصل کیے بغیر اپنی بیٹی شاہدہ کا نکاح کسی صحیح العقیدہ سنی مرد کے ساتھ کر دے۔ اور اگر وہ دیوبندی اس معنی میں دیوبندی کہا جاتا ہو کہ نیاز وفاتحہ، میلاد شریف، قیام تعظیمی کو ناجائز مانتا ہے اور اور اہل سنت کے دیگر معمولات کو بدعت سمجھتا ہے اور وہابی ملاؤں مثلاً مولوی تھانوی، مولوی گنگوہی وغیرہ کو سنی عالموں کی طرح اپنا دینی عالم سمجھتا ہے لیکن ان وہابی ملاؤں کے عقائد کفریہ کی اسے مطلق خبر نہیں تب وہ گمراہ اور بدمذہب ہے چونکہ اس صورت میں بھی شاہدہ کا اس کے یہاں رخصت ہوکر جانا حرام سخت حرام

اور سنیت کے لئے زہر قاتل ہے اس لئے زید پر فرض ہے کہ وہ علی الاعلان لوگوں کے سامنے توبہ واستغفار بجالائے۔ اور ہر امکانی کوشش کرکے اس دیوبندی سے طلاق حاصل کرے اور شاہدہ کی عدت پوری ہونے کے بعد اس کا کسی سنی صحیح العقیدہ مرد کے ساتھ نکاح کردے۔ حاصل یہ کہ وہ دیوبندی جس کے ساتھ شاہدہ کا نکاح پڑھایا گیا ہے وہ دیوبندی یعنی مرتد ہویا دیوبندی یعنی گمراہ بدمذہب ہو ہر صورت میں شاہدہ کا اس کے یہاں جانا حرام۔ اس سے میاں بیوی جیسے تعلقات رکھنا حرام۔ اس کی طرف محبت سے دیکھنا حرام۔ اور شاہدہ کا باپ فاسق ظالم جفا کار مستحق عذاب نار ہے اس پر توبہ استغفار فرض ہے اسے اپنی بیٹی کو جہنم کے عذاب سے بچانا فرض ہے۔ گاؤں کے لوگ پنچایت کرکے زید کو اس شرعی فتوی پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں۔ ورنہ وہ خدائے تعالی کی بارگاہ میں پکڑے جائیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالی۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالی رب العلمین ثم عند رسولہ رحمۃ اللعلمین جل جلالہ وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

کتبہ غلام غوث قادری
۱۵ صفر المظفر ۱۲۹۳ھ

الجواب صحیح
بدر الدین احمد

مسئلہ۔ از الہی بخش ساکن دیوکھال پوسٹ روپ گڈھ ضلع بستی

زید جس گاؤں کا رہنے والا ہے وہاں کے لوگوں کا وہابی ہونا عرصۂ دراز سے ظاہر ہے۔ جن کے بارے میں ان لوگوں کا قول اور عمل گواہ ہے خود زید بھی انھیں لوگوں میں بسے ہے۔ زید کی لڑکی سے ایک دوسری آبادی کے سنی آدمی بکر نے اپنے لڑکے کے ساتھ رشتہ طے کیا حالانکہ بکر بھی جانتا ہے کہ زید وہابی ہے بکر کے اس طریقہ کار پر برادریوں نے وہابی کے گھر رشتہ قائم کرنے سے بکر کو روکا مگر بکر نے جواب دیا کہ ہم اگر وہاں رشتہ نہ کریں تو پانچ گاؤں کے سنیوں میں سے کون ہمارے لڑکے کو اپنے گھر بیاہ کرے گا برادریوں کے منع کرنے کے باوجود بکر نے رشتہ کردیا۔ عین نکاح کے دن بکر کے گھر زید آیا۔ برادریوں نے زید سے سوال کیا کہ تمہارا کیا مذہب ہے۔ اس پر زید نے جواب دیا کہ تمہارے پانچ گاؤں کے لوگ جو جو کام کرتے ہیں وہ کیا ہمارے گھر نہیں ہوتا؟ دریافت طلب بات یہ ہے کہ زید وہابی کے اس بیان کے دینے سے زید کو سنی تسلیم کیا جائے یا وہابی مانا جائے۔ اور جن برادریوں نے اس نکاح میں شرکت کیا ان برادریوں پر شرعاً کیا حکم ہے اور بکر پر شریعت کا کیا حکم ہے۔ نکاح ہوجانے کے بعد کچھ دن کے بعد زید نے یہ کہا ہے کہ ہم نے رشتہ طے ہونے سے پہلے ہی بکر سے کہہ دیا تھا کہ ہم وہابی ہیں شادی کردیا نہ کرو؟

الجواب جب زید کو اپنے وہابی ہونے کا اقرار ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو بحکم شریعت مطہرہ زید وہابی ہے حدیث شریف میں ہے۔ المرء یوخذ باقرارہ اھ پھر اگر مولوی اشرف علی تھانوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور قاسم نانوتوی کی عبارات کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص۸، براہین قاطعہ ص۵۱ اور تحذیر الناس ۳، ۱۴، ۲۸ پر یقینی اطلاع پاکر انھیں مسلمان سمجھتا ہے کافر نہیں جانتا ہے تو بمطابق فتوی حسام الحرمین زید کافر و مرتد ہے اور اگر ان کفری عبارتوں پر اسے اطلاع نہیں اور اس کا طریقہ مرتد وہابیوں جیسا ہے تو زید گمراہ ہے اور دونوں صورتوں میں اس سے رشتہ کرنا جائز نہیں۔ بمادریوں نے اگر زید کو وہابی جانتے ہوئے نکاح مذکورہ میں شرکت کی ہے تو سب علانیہ توبہ کریں۔ اور بکر پر بھی لازم ہے کہ علانیہ توبہ و استغفار کرے، اور زید کی لڑکی پر مذہب حق اہل سنت و جماعت پیش کرے۔ اگر وہ قبول کرے توبہ اور تجدید نکاح کے بعد اپنے گھر رکھے۔ میکہ ہرگز نہ جانے دے۔ خود بکر اور اس کے گھر والے زید کے یہاں ہرگز آمد و رفت نہ رکھیں۔ اور اگر لڑکی مذہب اہل سنت و جماعت نہ قبول کرے تو اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ واللہ تعالی ورسولہ الاعلی اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ رجب المرجب ۱۴۰۴ھ

مسئلہ۔ از شبیر احمد انصاری موضع دسوا شمالی پوسٹ نگھسری تھانہ پچپروا گونڈہ۔

زید سنی کا لڑکا ہے لیکن باپ کے انتقال کے بعد اس کی ماں ایک وہابی کے گھر چلی گئی ساتھ میں لڑکا بھی گیا۔ زید کی پرورش وہابی کے گھر ہوئی اب یہ کہ زید کا عقد ایک سنی لڑکی سے ہوا نکاح پڑھانے والا وہابی تھا اب دریافت یہ کرنا ہے کہ جس کی لڑکی ہے وہ سنی ہے لڑکی کا نام زینب اور اس کے والد کا نام عبداللہ ہے عبداللہ کا کہنا ہے کہ اگر نامعلوم ہونے کی وجہ سے نکاح کر دیا ہے تو نکاح ہوا یا نہیں؟ اور اس کے گھر بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب اگر زید وہابی ہے اس طرح کہ وہ اپنے بڑوں قاسم نانوتوی، رشید گنگوہی، خلیل انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی کے کفریات قطعیہ یقینیہ (جو تحذیر الناس، براہین قاطعہ اور حفظ الایمان میں مذکور ہیں) پر آگاہ ہوتے ہوئے ان کو کافر و مرتد نہ سمجھے یا ان کے کفر میں شک کرے

تو وہ کافر و مرتد ہے۔ سنی کا بیٹا ہونا اسے کچھ نفع نہ دے گا۔ اور حسب تصریح فقہائے کرام مرتد کا نکاح کسی سے اصلاً منعقد ہی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فتاوی رضویہ شریف جلد پنجم صـ۱۲۳ (مطبوعہ پاکستان) میں فرمایا کہ ولا نکاح لمرتد مع احد ولو مرتدۃ مثلہ کما فی الدر المختار والفتاوی العالمگیری وغیرھما۔ اور اس کے حاشیہ پر صـ۱۲۴ میں فرمایا کہ مرتد اور مرتدہ کا نکاح عالم میں کسی سے نہیں ہوسکتا نہ آپس میں نہ کافر یا کافرہ سے، تو جب ان کا آپس میں بھی نکاح نہیں ہوسکتا تو ثابت ہوا کہ کافر و مرتد کا نکاح مومنہ سے منعقد ہی نہیں ہوتا بلکہ باطل محض ہے۔ اور ایسی صورت میں اس کے گھر بھیجنا شدید ترین گناہ اور حرام ہے ھذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ و رسولہ

کتبہ محمد قدرت اللہ رضوی غفر لہ القوی
۴ ؍ جمادی الاولی ۹۵ھ

مسئلہ۔ از شمس الحق مٹیار عرف بھوتھوا۔ بستی

ایک شخص نے قیم النساء کو لا کر ایک وہابی کے بدست بیچ دیا اور قیمت پانچ سو روپے وصول بھی کر لیا وہابی نے اس کے ساتھ نکاح کیا پھر تیس ۳۰ دن کے بعد اس نے طلاق دے کر آٹھ سو ۸۰۰ روپے میں جن کے بدست فروخت کر دیا۔ جن نے پندرہ ۱۵ روز کے بعد اپنے لڑکے جیش محمد کے ساتھ قیم النساء کا نکاح کر دیا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ نکاح مذکور ہوا کہ نہیں نیز نکاح خواں اور گواہان کے لئے شرعاً کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب صورت مستفسرہ میں وہابی سے پہلے اگر قیم النساء کسی اور کے نکاح میں یا عدت میں نہ تھی تو جیش کے ساتھ نکاح منعقد ہوگیا اور اگر پہلے کسی کے نکاح یا عدت میں تھی تو جیش محمد کے ساتھ نکاح منعقد نہ ہوا اس صورت میں نکاح خواں اور گواہان پر توبہ و استغفار لازم اور نکاح نہ ہونے کا اعلان واجب ہے

رہا وہابی عقیدہ رکھنے والے کے ساتھ نکاح تو چونکہ بطابق فتوی حسام الحرمین وہابی عقیدہ والا مرتد ہے اور مرتد کا نکاح کسی سے منعقد ہی نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے لہذا قیم النساء کا نکاح وہابی کے ساتھ منعقد نہ ہوا تھا اور جب وہابی کے ساتھ نکاح ہی نہ ہوا تھا تو طلاق اور عدت کی ضرورت نہیں کہ زنا کے لئے عدت نہیں فتاوی عالمگیریہ میں ہے لاعدۃ علی الزانیۃ۔ وھو سبحانہ تعالی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۵ ؍ رجب ۹۵ھ

مسئلہ۔ از جواد علی دھنکھر پوری پوکھر بھٹوا پوسٹ لبکوہر باز ار ضلع بستی۔

ایک لڑکی کا عقد ایک وہابی کے ساتھ ہوا کچھ دنوں کے بعد اس نے طلاق دیدی، بعد عدت اس کا نکاح کچھ لوگوں نے دباؤ ڈال کر دوسرے وہابی کے ساتھ کر دیا جس کے ساتھ لڑکی رہنا نہیں چاہتی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا لڑکی بغیر طلاق حاصل کئے دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب جو شخص مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی کی عبارات کفریہ مندرجہ حفظ الایمان صث تحذیر الناس ص۳،۱۴،۲۸ اور براہین قاطعہ صاث پر یقینی اطلاع پاتے ہوئے مذکورہ بالا مولویوں کے کافر ہونے کا قائل نہیں ہے یا مسلمانان اہلسنت کو کافر سمجھتا ہے تو وہ بطابق فتاوی حسام الحرمین وہابی مرتد ہے اور جسے ان کتابوں کی کفری عبارتوں پر یقینی اطلاع نہیں ہے اور نہ مسلمانان اہلسنت کو کافر سمجھتا ہے لیکن وہابیوں کے طور و طریقے پر چلتا ہے تو وہابی گمراہ ہے ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں۔ اور اگر کر دیا تو مرتد وہابی کیساتھ نکاح منعقد ہی نہ ہوا۔ اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہابی گمراہ کے ساتھ نکاح ہوا تو منعقد ہو گیا لیکن عورت کا اس کے ساتھ ازدواجی تعلقات رکھنا حرام ہے۔

اس صورت میں جس طرح بھی ہو سکے طلاق حاصل کی جائے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں۔ ھذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ خلیق اللہ خلیق فیضی
۱۷ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ
دار العلوم اہلسنت فیض الرسول براؤں شریف بستی

مسئلہ۔ از نظام الدین موضع بوراہی پوسٹ دھانے پور گونڈہ۔

زید نے اپنی دختر کا نکاح دانستہ طور پر ایک دیوبندی کے ساتھ کر دیا وہ لڑکا تبلیغی جماعت کا حامی اکثر تبلیغی دورے پر رہتا ہے آیا یہ نکاح منعقد ہوا کہ نہیں اور بغیر طلاق حاصل کئے ہوئے اس لڑکی کا نکاح دوسرے سنی صحیح العقیدہ شخص سے ہو سکتا ہے کہ نہیں؟

۲۔ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ کو کہہ دیا کہ میں نہیں لاؤں گا کیا ایسا کہنے سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب لڑکا مذکور جو تبلیغی جماعت کا حامی ہے دیابنہ کے کفریات قطعیہ مندرجہ حفظ الایمان صث تحذیر الناس

صـ۲۱۱۳۱۲ اور براہین قاطعہ صـ۵۱ کی بنا پر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ نیز ہندوستان، پاکستان، برما اور بنگال وغیرہ کے سیکڑوں مفتیان کرام وعلمائے عظام نے جو مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھی کو کافر مرتد قرار دیا گیا ہے جس کی تفصیل حسام الحرمین اور الصوارم الھندیہ میں ہے لڑکی کے باپ کے ایسے فتوی تسلیم ہے یا نہیں ؟ یعنی وہ مولویان مذکور کو کافر و مرتد کہتا ہے یا نہیں اگر نہیں کہتا یا ان کے کافر مرتد ہونے میں شک کرتا ہے تو بمطابق فتویٰ حسام الحرمین کافر و مرتد ہے اور مرتد کا نکاح کسی سے منعقد نہیں ہو سکتا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ و کذالک المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ مسلمہ اور کافرہ اصلیہ کسی سے نہیں ہو سکتا اور ایسا ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا ایسا ہی مبسوط میں ہے لہٰذا اس صورت میں لڑکی مذکور طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کسی سنی صحیح العقیدہ سے کر سکتی ہے اور اگر لڑکا مذکور کو دیابنہ کے کفریات قطعیہ پر یقینی اطلاع نہیں ہے مگر اس طریقہ کا رہا ہوں جیسا ہے تو وہ گمراہ بدمذہب ہے اس صورت میں لڑکی مذکورہ کا نکاح منعقد ہو گیا لیکن لڑکی کو اس سے میاں بیوی کے تعلقات قائم کرنا جائز نہیں بلکہ جس طرح بھی ہو سکے اس سے طلاق حاصل کرے۔ خلاصہ یہ کہ پہلی صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور دوسری صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نہیں کر سکتی اور گمراہ شوہر کے ساتھ میاں بیوی کے تعلقات بھی نہیں قائم کر سکتی ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

۲۔ نہیں واقع ہوگی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۱ صفر المظفر ۹۰ھ

مسئلہ۔ از محمد عرفان رضا اپلیٹ (گجرات)

ایک شہر میں چند افراد وہابی، تبلیغی خیالات کے ہیں اور اکثریت سنی حضرات کی ہے ان لوگوں کا سنی حضرات سے لڑکیوں کا لین دین ہوتا ہے لیکن ان لڑکوں اور لڑکیوں کے خیالات نامعلوم جیسے ہوتے ہیں بلکہ اکثر قائل سنیت ہوتے ہیں۔ تو ان حالات میں کسی امام کا ان کے عقد میں شریک ہونا اور پڑھانا از روئے شرع کیسا ہے ؟ نیز ایسے امام کی اقتدا صحیح ہے یا نہیں ؟ بغیر تحقیق کسی کو وہابی، دیوبندی بنا دینے والے کے بارے میں کیا حکم ہے ؟

الجواب چند افراد جو وہابی تبلیغی خیالات کے ہیں اگر وہ لوگ مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھی کی عبارات کفریہ مندرجہ حفظ الایمان ص۸ تحذیر الناس ص۳، ۱۴، ۲۸ اور براہین قاطعہ ص۵۱ پر یقینی اطلاع کے باوجود مولویان مذکور کو کافر و مرتد نہیں کہتے تو وہ فتاویٰ حسام الحرمین کے مطابق کافر و مرتد ہیں ان سے رشتہ کرنا حرام و ناجائز ہے کہ مرتد کا نکاح کسی سے منعقد ہی نہیں ہو سکتا جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۲۶۳ میں ہے لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ و لامسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذا لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط یعنی مرتد کا نکاح مرتدہ، مسلمہ اور کافرہ اصلیہ کسی سے جائز نہیں۔ اور ایسے ہی مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں ایسا ہی مبسوط میں ہے۔ اور مرتد والدین کے لڑکے اور لڑکیاں اگر ان کے ساتھ رہتے سہتے ہیں اور قطع تعلق ان سے نہیں کئے ہیں تو اگرچہ ان کے خیالات نامعلوم جیسے ہوں ان سے رشتۂ نکاح پیدا کرنا جائز نہیں کہ اگر وہ مرتد نہیں تو کم از کم گمراہ ضرور ہیں اور گمراہ سے بھی مناکحت جائز نہیں۔ اور پھر ان کے خیالات نامعلوم جیسے کیوں ہوتے ہیں؟ لڑکی لڑکا دینے والے پہلے ان کا عقیدہ کیوں نہیں معلوم کرتے؟ خلاصہ یہ کہ جن کے والدین مرتد یا گمراہ ہوں اور ان کا والدین سے قطع تعلق نہ ہو تو ان کے عقد میں شریک ہونا اور ان کا نکاح پڑھانا جائز نہیں۔ اور جو امام کہ پیسے کی لالچ میں جائز ناجائز نہ دیکھے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کہ ایسا امام بے غسل و وضو بھی نماز پڑھا سکتا ہے۔ کسی کو بلا تحقیق وہابی، دیوبندی بنانے والے سخت گنہگار ہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۸ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ - از ریاست علی خاں چپاؤں ضلع بستی۔

زید نے بذریعہ سول میرج کورٹ میں ایک عیسائی عورت سے شادی کیا ہے زید کہتا ہے کہ میں اپنے مذہب اسلام پر قائم ہوں اور وہ اپنے مذہب عیسائیت پر قائم ہے تو ایسی عورت سے شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز زید سے اور اس کے گھر والوں سے اسلامی تعلقات قائم رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب اسلامی قانون یہ ہے کہ جو کتابیہ عورت نیچری لا مذہب نہ ہو بلکہ اپنے مذہب عیسائیت یا مذہب یہودیت پر قائم ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح ہو سکتا ہے لیکن مسلمانوں کو اس قسم کے نکاح سے قطعی پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ اس میں بہت سے مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے عالمگیری جلد ثانی ص۴ میں ہے ویجوز

للمسلم نکاح الکتابیۃ الحربیۃ والذمیۃ حرۃ کانت او امۃ صورت مسئولہ میں جس عیسائی عورت کا ذکر ہے اگر وہ نیچری اور لامذہب نہ ہو بلکہ اپنے دین عیسائیت پر قائم ہو اور زید نے اس کے ساتھ اسلامی قانون کے مطابق یعنی دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کے ساتھ نکاح کیا ہے تو یہ نکاح ہو گیا لہٰذا اگر زید کا سوال میرج نکاح کے شکل میں ہوا ہے تو زید سے اور اس کے گھر والوں سے اسلامی تعلقات رکھنا جائز ہے واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ بدرالدین احمد الرضوی

مسئلہ ۔ از مقبول احمد سوئٹر والے کالپی شریف ضلع جالون

عیسائیوں کی عورتوں سے مسلمان بغیر کلمہ پڑھائے ہوئے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب عیسائی عورت کو مسلمان کئے بغیر اس سے نکاح کرنا جائز ہے فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۲۶۳ میں ہے یجوز للمسلم نکاح الکتابیۃ الحربیۃ والذمیۃ حرۃ کانت او امۃ کذا فی محیط السرخسی۔ لیکن عیسائی عورت سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے کہ اس میں بہت سے مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے فتاوی عالمگیری کے اسی صفحہ مذکور پر ہے والاولی ان لا یفعل ولا تؤکل ذبیحتھم الا للضرورۃ کذا فی فتح القدیر۔ اور عیسائی عورت سے نکاح اسی وقت جائز ہے جبکہ اپنے اسی مذہب عیسائیت پر ہو اور اگر صرف نام کی عیسائی ہو اور حقیقت میں نیچری اور دہریہ ہو جیسے کہ آجکل کے عام عیسائیوں کا حال ہے تو ان سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ ھذا ما عندی وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ ۔ از حکیم عبدالغفور مکان ۱۲ اعظم منزل تاڑ بیڑی اننت پور

۱۔ زید کا تعلق ایک غیر مسلم عورت سے ہوا جو شادی شدہ اور ایک لڑکے کی ماں تھی زید نے اس پر اسلام پیش کیا تو اس نے چند ذمہ دار مسلمانوں کے سامنے اسلام قبول کیا تو اس مجلس میں زید نے اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا جس سے اب تک سات بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں اب دریافت طلب یہ امور ہیں کہ نکاح مذکور شرعاً صحیح ہوا یا نہیں؟

۲۔ جو لڑکا کہ غیر مسلم کے نطفہ سے ہے اپنی ماں کے ساتھ اسلامی طور و طریقہ سے رہتا ہے اور مسلمان ہے اس کا نکاح کسی مسلمان لڑکی سے جائز ہے یا نہیں؟

۳۔ عورت مذکورہ بعد موت کے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب (۱) اگر شوہر والی کافرہ عورت مسلمان ہو جائے تو حکم ہے کہ اس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے اگر وہ اسلام لے آئے تو عورت بدستور اس کی بیوی اور اگر شوہر اسلام سے انکار کرے تو تین حیض کے بعد عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اس سے پہلے نکاح کرنا صحیح نہیں امام ابن ہمام فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۲۸۸ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ولید ابن مغیرہ کی صاحبزادی صفوان بن امیہ کے عقد میں تھیں جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئیں مگر ان کا شوہر صفوان بھاگ گیا مسلمان نہ ہوا تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق نہ کی یہاں تک کہ صفوان بھی مسلمان ہو گئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نصرانیہ کے مسلمان ہونے پر اس وقت تفریق کی جبکہ اس کے شوہر نے اسلام لانے سے انکار کر دیا جیسا کہ فتح القدیر کی اسی جلد اور اسی صفحہ پر ہے۔ اور بہار شریعت حصہ ہفتم بیان حرمت بالشرک صفحہ ۲۷ پر ہے اگر عورت پہلے مسلمان ہوئی تو مرد پر اسلام پیش کریں اگر تین حیض آنے سے پہلے مسلمان ہو گیا تو نکاح باقی ہے ورنہ بعد کو جس سے چاہے نکاح کرے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کافرہ عورت مسلمان ہوئی تو اس وقت سے اسے تین حیض آنے سے پہلے اگر اس کا شوہر مسلمان ہو گیا تو وہ بدستور اس کی بیوی ہے۔ طلاق یا اس کی موت کے بغیر اس کی بیوی سے نکاح کرنا صحیح نہیں۔ اور اگر وہ مسلمان نہ ہوا تو تین حیض آنے کے بعد وہ کسی مسلمان سنی صحیح العقیدہ سے نکاح کر سکتی ہے اگر تین حیض آنے سے پہلے نکاح کیا تو صحیح نہ ہوا مدت مذکورہ کے بعد دوبارہ نکاح کریں۔ اور نکاح صحیح نہ ہونے کے سبب جو گناہ ہوئے اس لئے دونوں علانیہ توبہ استغفار کریں۔ وھو اعلم

۲۔ وہ لڑکا جو غیر مسلم کے نطفہ سے ہے اور مسلمان ہے اس کا نکاح مسلمان لڑکی سے جائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

۳۔ عورت مذکورہ جبکہ مسلمان ہو چکی ہے تو بعد موت اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے اگر اسے کافروں کے طریقہ پر دفن کریں گے یا پھونکیں گے تو مسلمان سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ر شوال ۱۴۰۰ھ

مسئلہ - از مولوی شیر محمد معرفت عبد المنان ۔ بلرام پور ضلع گونڈہ

مسمی محمد حلیم انصاری نے ایک مشرک عورت کو مسلمان کر کے نکاح کر لیا برادری والوں نے عبد الحلیم سے سزا کے طور پر جرمانہ وصول کیا اور توبہ کرایا تقریباً دو مہینے کے بعد معلوم ہوا کہ عبد الحلیم کی نو مسلمہ منکوحہ کو نکاح سے قبل کا حمل ہے ۔ برادری والوں نے قطع برادری کر دیا ۔ صورت مسئولہ میں یہ نکاح صحیح ہوا کہ نہیں ؟ اور عبد الحلیم کے یہاں کھانا اور انھیں اپنے یہاں کھلانا حلال ہے یا حرام ۔ نیز یہ کہ انھیں برادری سے علیحدہ کرنا چاہئے کہ نہیں ؟

الجواب کسی گنہگار کو صدقہ کرنے کی تلقین کرنا تو ضرور بہتر ہے لیکن سزا کے طور پر جرمانہ وصول کرنا حرام و ناجائز ہے لان التعزیر بالمال منسوخ والعمل علی المنسوخ حرام ۔ لھذا برادری والوں پر جرمانہ کی رقم واپس کرنا لازم ہے اگر نہیں واپس کریں گے تو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے ۔ اگر مشرکہ عورت شوہر والی تھی اور مسلمان ہو گئی تو حکم یہ ہے کہ اس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے اگر تین حیض آنے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی ہے ورنہ عورت جس سے چاہے نکاح کرے ۔ ھکذا فی الجزء السابع من بہار شریعت علی صـ۲۷ ـ اور در مختار میں ہے لو اسلم احدھما ثمہ لم تبن حتی تحیض ثلاثا او تمضی ثلاثۃ اشھر قبل اسلام الآخر اھ ۔ ملخصاً ۔ اگر شوہر والی نہیں تو بعد اسلام فوراً نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔ رہا حالت حمل میں نکاح تو ظاہر الروایہ میں اگر حمل کافر شوہر کا ہے تو نکاح جائز ہوا عمدۃ الرعایہ میں ہے لا یجوز لھا النکاح قبل وضع الحمل وذلک لان حملھا ثابت النسب فیؤثر فی منع النکاح احتیاطاً وھو ظاہر الروایۃ اور اگر زنا کا حمل ہے تو نکاح منعقد ہو گیا ۔ فتاوی رضویہ جلد پنجم مطبوعہ پاکستان صـ۱۶۱ میں ہے جو عورت معاذ اللہ زنا سے حاملہ ہوا اس سے نکاح صحیح ہے خواہ اس زانی سے ہو یا اس کے غیر سے فرق اتنا ہے کہ زانی جس کا حمل ہے وہ اس سے قربت کر سکتا ہے اور غیر زانی اگر نکاح کرے تو تا وضع حمل قربت ہی نہیں کر سکتا ۔ لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ وھکذا فی الجزء السابع من بہار شریعت علی صـ۱۹ ۔ اگر محمد حلیم عورت مذکورہ کو جائز صورت کے ساتھ رکھے ہوئے ہے تو اس کے ساتھ کھانے پینے کے تعلقات رکھنا بلا شبہ جائز ہے اور برادری سے علیحدہ کرنا جائز نہیں اور اگر ناجائز صورت کے ساتھ رکھے ہوئے ہے تو اس کا بائیکاٹ کرنا لازم ہے ۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

مسئولہ۔ از قاسم علی ساکن بنہرا پوسٹ کپتان گنج ضلع بستی

سوال۔ زید نے ایک مشرکہ کو رکھ لیا اب معلوم نہیں کہ اس کو مسلمان کرکے عقد کیا یا یونہی بغیر عقد کے رکھا کچھ دنوں کے بعد اس عورت کے شکم سے چار اولاد تولد ہوئے جس میں دو مذکر ہیں اور دو مؤنث ہیں۔ ان دونوں لڑکیوں کی شادی مسلمان کے گھر ہوئی۔ اب دونوں لڑکیوں سے جو نسل چل رہی ہے کیا ان سے شادی بیاہ کرنا جائز ہے یا نہیں جب کہ ان لڑکیوں سے جو نسل چلی ہے مسلمان کے نطفہ سے ہے ہمارے برادری کے لوگوں نے ہم کو برادری سے الگ کر دیا ہے کہتے ہیں تم نے مشرکہ (چمائن) کی لڑکی سے رشتہ جوڑ لیا (تھی) اس لئے ہم لوگ تمہارے یہاں نہیں کھائیں گے۔ صورت مستفسرہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکا مسلمان کے نطفہ سے ہے باں اس کے دوسری پشت میں اس کی جدۂ فاسدہ (نانی) ضرور چمائن تھی جس کے لئے معلوم نہیں کہ اسلام لائی یا نہیں۔ اب جبکہ ہم نے رشتہ کر لیا ہے تو کیا شرعاً ہم پر کچھ سزا واقع ہوتی ہے اگر شرعاً کوئی جرم واقع ہوتا ہو تو مطلع فرمائیں گے یا اگر کوئی سزا کے مستحق نہ ہوں تو ان لوگوں کے لئے اسلام کے اندر کیا قانون ہے جن لوگوں نے ہم کو برادری سے الگ کر دیا ہے جیسا حکم شرع ہو مطلع فرما کر عنداللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

جواب صورت مستفسرہ میں جبکہ لڑکی مسلمان ہے تو اس کی نانی کا چمارن ہونا مضر نہیں اس سے نکاح کرنا بلاشبہ جائز ہے نکاح کرنے والوں پر کوئی جرم نہیں۔ اس بنیاد پر جن لوگوں نے بائیکاٹ کیا ہے وہ غلطی پر ہیں ان پر لازم ہے کہ حکم شرع معلوم ہونے کے بعد بائیکاٹ ختم کر دیں ورنہ سخت گنہگار مستحق عذابِ نار ہوں گے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۰ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ

مسئلہ۔ از محمد صدیق ماسٹر محلہ دیوپور گلی نمبر ۵ دھولیا (مہاراشٹر)

یہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی جو قریب البلوغ ہیں اور غیر شادی شدہ ہیں ان دونوں سے زناکاری کا فعل سرزد ہو گیا ہے اور بات مشتہر ہو گئی جو اقعہ کے فیصلہ کے لئے محلہ کے لوگوں کی پنچایت بیٹھی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ان دونوں کا آپس میں نکاح کر دیا جائے۔ لڑکے کے سرپرستوں نے اس کو منظور نہیں کیا۔ دوسری نشست میں بھی اس فیصلہ کو منظور نہیں کیا۔ تیسری نشست میں لڑکے کے سرپرستوں کو جماعت سے نکال دیا گیا مطلب یہ ہے کہ برادری سے قطع کر دیا۔ واقعہ محرم ۹۹ھ کے دوسرے نصف کا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل

امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) زانی اور زانیہ کا آپس میں نکاح ہونا ہی ضروری ہے شرعی احکام سے نوازیں (اگرچہ یہ آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ ایسی گنہگار لڑکی یا عورت کی شادی دوسری جگہ ہونے میں مشکل پیش آتی ہے)
پھر بھی شرعی حکم معلوم ہو جائے تو بہتر ہے۔

(۲) جماعت سے نکال دینے کی ذلت آمیز سزا کی کوئی میعاد بھی ہونی چاہئے یا نہیں یا غیر معینہ مدت تک ایسا کیا جاسکتا ہے؟

(۳) یا ایسی سزا غیر مختتم میعاد کی ہوتی ہے؟
عرض یہ ہے کہ واقعہ سے متعلق سوالات کے جوابات کی زحمت فرمائیں نیز جو گوشے میری نگاہ سے اوجھل ہیں ان سے بھی آگہی فرمائیں بیحد ممنون ہوں گا۔ بینوا توجروا

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب خدائے تعالیٰ نے زانی اور زانیہ کے بارے میں ارشاد فرمایا الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رأفۃ فی دین اللہ ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر۔ یعنی جو عورت بدکار ہو اور جو مرد۔ تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ کے دین میں اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو (پ ۱۸ رکوع ۷) اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا البکر بالبکر جلد مائۃ رواہ مسلم۔ یعنی کنواری عورت کے کنوارے مرد سے زنا کرنے کی سزا سو درّے ہیں (مسلم مشکوٰۃ ص۳۰۹) اسی حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ الباری تحریر فرماتے ہیں ای ضرب مائۃ جلدۃ لکل واحد منھما یعنی کنواری عورت اور کنوارے مرد دونوں کو سو سو کوڑے مارے جائیں (مرقاۃ جلد چہارم ص۱۲۳) مگر قرآن و حدیث کا یہ حکم بادشاہ اسلام کے ساتھ خاص ہے۔ اگر بادشاہ اسلام نہ ہو تو دوسرے لوگوں کو شرعی حد قائم کرنے کا اختیار نہیں۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر جلد ششم ص۲۵۶ میں فرماتے ہیں اذا فقد الامام فلیس لاحاد الناس اقامۃ ھذہ الحدود بل الاولی ان یعینوا واحدا من الصالحین لیقوم بہ۔ یعنی جب بادشاہ اسلام نہ ہو تو حدود شرعیہ قائم کرنا لوگوں کو جائز نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی نیک آدمی کو مقرر کریں جو حدود شرعیہ کو قائم کرے۔ لہٰذا اگر ممکن ہو تو اس طرح دونوں پر شرعی حد قائم کی جائے۔ اور اگر اس طرح

کبھی شرعی حد قائم کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم زانی اور زانیہ اور ان کے ہر حمایتی کا بائیکاٹ کیا جائے قال اللہ تعالٰی واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین (پ۷ رکوع ۱۴) اس آیت کریمہ کے تحت ملا جیون رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحریر فرماتے ہیں ان القوم الظّٰلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع اھ۔ تفسیرات احمدیہ ص۲۵۵ لہٰذا پنچایت پر لازم ہے کہ زنا جیسے گناہ عظیم میں مبتلا ہونے والوں کا بائیکاٹ کریں خصوصاً عورت کا۔ اس لئے کہ اس گناہ کبیرہ کی زیادہ ذمہ دار عورت ہے اسی لئے خدائے تعالٰی نے زنا کی حد بیان کرنے میں پہلے الزّانیۃ اور بعد میں الزّانی فرمایا حضرت ملا جیون رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ آیت کریمہ میں لفظ الزانیۃ کے مقدم ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں فی باب الزنا المرأۃ کاملۃ لانھا لولم تمکن الرجل علیھا لم یتمکن علیھا ھکذا فی المدارک (تفسیرات احمدیہ ص۲۳) اور اسی تفسیر کے صفحہ ۲۰ پر تحریر فرماتے ہیں کہ المرأۃ الیق فی الزنا اذ ھی السارۃ التی لولم تطمع الرجال لما امکنھم ذٰلک اھ اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحریر فرماتے ہیں المرأۃ ھی المادۃ فی الزنا (تفسیر کبیر جلد ۶ ص۲۶) اسی طرح دیگر مفسرین کرام و فقہائے عظام نے زنا کی زیادہ ذمہ دار عورت ہی کو ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا پنچایت اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے یعنی زنا کی ذمہ دار زیادہ عورت کو ٹھہرائے اور اس گناہ عظیم کے سبب دونوں کا بائیکاٹ کرے اور عورت کے سرپرستوں نے اسے آزاد رکھا، بے پردہ باہر نکلنے سے نہ روکا اور غیر محرم کی مخالطت سے منع نہ کیا تو وہ بھی سخت گنہگار ہیں ان سب کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اور مرد کے سرپرستوں کو اس کی غلط روی کا علم نہ تھا یا علم تھا مگر اسے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تو وہ بری الذمہ ہیں قال اللہ تعالٰی لا تزر وازرۃ وزر اخرٰی یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتی (پ۲۷ سورۃ النجم) اور اگر علم ہوتے ہوئے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش نہ کی تو وہ بھی سخت گنہگار مستحق سزا ہیں قال اللہ تعالٰی یاایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا یعنی اے ایمان والو اپنے آپ کو اپنے اہل کو جہنم سے بچاؤ (پارہ ۲۸ رکوع ۱۹) وھو تعالٰی اعلم والیہ المرجع والمآب

(۱) زانی اور زانیہ کا آپس میں نکاح ہونا ازروئے شرع ضروری نہیں لیکن صورت مستفسرہ میں زانی اگر زانیہ کے ساتھ نکاح کرلے تو بہتر ہے بشرطیکہ ان میں سے کوئی گمراہ و بدمذہب نہ ہو کہ ان سے مناکحت جائز نہیں وھو تعالٰی اعلم۔

(۲۰۲) جماعت سے نکال دینے کی ذلت آمیز سزا کی میعاد ہے کہ جس گناہ کے سبب بائیکاٹ کیا گیا ہو

اگر وہ گناہ مشتہر ہو گیا ہو تو جب تک کہ اس سے علانیہ توبہ و استغفار نہ کرے اور اپنے گناہ پر نادم و شرمندہ نہ ہو اس کا بائیکاٹ کیا جائے جیسے کہ صورت مسئولہ میں تاوقتیکہ زانی، زانیہ اور ہر وہ شخص جو اس گناہ میں ماخوذ ہے علانیہ توبہ و استغفار نہ کرے اس کا بائیکاٹ نہ کھا جائے۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ الباری

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ رجب المرجب ۹۹ھ

مسئلہ۔ از محمد عمر صدیقی مقام پھلواپور ضلع بستی

خالد کی لڑکی ھندہ سے زنا کا بچہ پیدا ہوا چار چھ ماہ گذرنے کے بعد گاؤں والوں نے ھندہ پر سختی کیا تو اس نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور توبہ کیا کہ ہم سے غلطی ہوئی اب میں ایسا نہیں کروں گی۔ کل دن میں خلوت میں زانی و زانیہ کو بات کرنے کی وجہ سے گاؤں والوں نے اسے (ھندہ) زانی مارا پیٹا۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو اس پر سو درے لگائے جاتے اس وجہ سے مار پیٹ کر چھوڑ دیا۔ مارنے پیٹنے کے بعد جب اس کی حالت ٹھیک ہوئی تو اس نے اپنے باپ خالد سے کہا کہ میرا نکاح دوسرے شخص سے کر دو اب اس کا باپ خالد بکر کے پاس آیا (بکر ایک عالم دین اور گاؤں کا امام ہے) اور کہا کہ میری لڑکی کا توبہ کرا کے نکاح پڑھ دیجئے بکر کو ایک عالم اور امام کی وجہ سے گاؤں والے کھانا بھی کھلا رہے ہیں امام ھندہ کے یہاں پہلے کھانا کھا رہا تھا لیکن بچہ پیدا ہونے کے سال بھر کے پہلے سے اپنا کھانا پینا بند کئے ہوئے ہے۔ جب نکاح کے لئے اس کے باپ نے کہا تو امام نے قبول توبہ کے لئے میلاد شریف سننے اور فقیر کو کھانا کھلانے کی تلقین کی تو اس نے میلاد شریف سنا فقیروں کو کھانا کھلایا اس کے بعد بکر جو امام ہے اس نے ہندہ کو توبہ کرا کے نکاح پڑھ دیا۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ کفارہ کے بغیر ہندہ کا دوسرا نکاح پڑھنا کیسا ہے۔ اور امام صاحب پر شرعاً کوئی جرم عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مستفسرہ میں کفارہ کے بغیر ھندہ کا دوسرا نکاح پڑھنا جائز ہے امام پر شرعاً کوئی جرم نہیں اس لئے کہ زانی اور زانیہ کے لئے شرع نے کوئی کفارہ نہیں مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو زانی اور زانیہ کو یا تو سنگسار کیا جاتا یا سو کوڑے مارے جاتے موجودہ صورت حال میں وہی حکم ہے جو امام نے کیا یعنی اس کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے اور انھیں نماز وغیرہ احکام شرعیہ پر عمل کی تاکید کی جائے نیز فقیروں کو کھانا کھلانے اور میلاد شریف وغیرہ کرنے کی تلقین کی جائے کہ نیک اعمال قبول توبہ میں معاون ہوتے ہیں۔ قرآن مجید پارہ ۱۹، رکوع ۴ میں ہے مَنْ تَابَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ

حسنات اھ۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۵ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ

مسئلہ۔ از ماسٹر عباس علی مہتمم مدرسہ برکاتیہ سراج العلوم ساکن اکھلیا ضلع گورکھپور

ہندہ غیر مسلمہ مسلمان ہوکر بکر کے ساتھ عقد میں آئی ہندہ اور بکر قریب دو سال تک عیش کی زندگی گذارا ہندہ بکر سے بدظن ہوکر زید کے ساتھ نامعلوم جگہ پر بھاگ گئی قریب قریب پانچ سال تک ہندہ زید کے ساتھ رہی زید سے ایک بچہ بھی ہوا جو تقریباً تین سال کا ہوگا کچھ ہی مدت ہوا زید کا انتقال ہوگیا اور ہندہ اپنے اصلی شوہر بکر کے گھر واپس آگئی لیکن بکر کی برادری والے ہندہ کو بکر کے پاس رہنے سے روکتے ہیں لہٰذا اب مسئلہ دریافت طلب ہے کہ بکر ہندہ کو اپنے ساتھ رکھے تو ہندہ یا بکر پر کفارہ کیا لازم ہے؟

الجواب: اس کے بارے میں شرع نے کوئی کفارہ نہیں مقرر کیا ہے ہاں اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو ہندہ کو زید کے ساتھ چار پانچ سال رہنے کے سبب سخت سزا دی جاتی موجودہ صورت حال میں ہندہ کو بکر کے ساتھ رہنے سے روکنا غلط ہے کہ وہ اب بھی بکر کی بیوی ہے اس کو بکر کے ساتھ رہنے دیا جائے اور اس سے علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے۔ اور قرآن خوانی کرنے، میلاد شریف سننے اور غرباء و مساکین کو کھانا کھلانے کی تلقین کی جائے کہ اس قسم کی چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے من تاب وعمل عملا صالحاً فاولئك يبدل الله سيأتهم حسنٰت۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ

مسئلہ۔ از شبیر احمد یار پوسٹ و مقام سکنوا بازار ضلع گونڈہ۔

ایک بیوہ عورت تھی اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا کافی عرصہ ہوگیا اس عورت کو کوئی سہارا نہیں تھا مزدوری کرتی تھی پھر بھی پریشان تھی اس نے اپنی زندگی گذارنے کے لئے ایک شخص سے محبت کرلی اور نکاح کر لیا نکاح کے پہلے عورت سے غلط کام اسی مرد سے ہوگیا تھا جس نکاح کر لیا ہے نکاح کے بعد حمل ظاہر ہوا تو اس پر کیا کرنا چاہئے آپ سب جیسا جواب میں لکھ کر ہمارے پاس بھیجیں گے ویسا کروں گا نکاح جائز ہے کہ نہیں یا پھر

سے کرنا چاہئے دو ماہ بعد حمل اپنے آپ گر گیا۔

الجواب صورت مسئولہ میں اگر واقعی عدت گذارنے کے بعد حمل ہوا اور بحالت حمل میں نکاح ہوا تو صحیح ہو گیا نکاح کی دوبارہ ضرورت نہیں البتہ نکاح سے پہلے اس عورت اور جس مرد کے درمیان غلط کام ہوا وہ دونوں سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے ان دونوں کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور دونوں کو پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے اور قرآن خوانی ومیلاد شریف کرنے غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھنے کی ان لوگوں کو تلقین کی جائے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ از رحمت اللہ سبزی فروش پوسٹ ومقام پوکھرا ضلع بستی

زید نے ایک چار سالہ بیوہ سے نکاح کیا بعد نکاح قریب دس روز پر معلوم ہوا کہ منکوحہ کو تقریباً تین چار ماہ کا حمل ہے۔ تو اس صورت میں زید کا نکاح درست ہوا کہ نہیں؟ اگر نکاح درست ہے تو شریعت مطہرہ میں منکوحہ کے لئے کیا حکم ہے؟ زید اس ایام حمل میں طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟ زید پر عدت کا خرچ اور مہر دین واجب ہے یا نہیں؟ اگر زید کا نکاح نہیں ہوا تو جو لوگ اسے جائز قرار دیتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب اگر عقد کے وقت حاملہ عورت کسی کے نکاح یا عدت میں نہیں تھی تو زید کے ساتھ نکاح صحیح ہو گیا۔ پھر اگر ناجائز حمل زید ہی سے ہے تو زید کا اس سے ہمبستری کرنا حالت حمل میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ زید ایام حمل میں طلاق دے سکتا ہے اور ایسی عورت کو اگر خلوت صحیحہ یا ہمبستری کے بعد طلاق دی تو پورے مہر کے ساتھ عدت کے زمانہ کا نان ونفقہ بھی واجب ہوگا۔ اور اگر خلوت صحیحہ وہمبستری کے پہلے طلاق دی تو صرف مقررہ مہر کا نصف واجب ہوگا فتاوی عالمگیری جلد اول میں ہے فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأھا عند الکل کذا فی الذخیرۃ۔ اور پارہ دوم رکوع ۱۵ میں ہے وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم۔ اور عورت مذکورہ اپنے گناہ سے علانیہ توبہ واستغفار کرے۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر ذوالقعدہ ۱۳۹۹ھ

مسئلہ۔ از سلامت علی جملا پور ۔ ضلع گونڈہ (یوپی)

ہندہ نے خالد کے ساتھ نکاح کیا خالد نے طلاق دے دیا اس کے بعد زید سے نکاح کیا زید مر گیا بعدہٗ بغیر نکاح کے ہندہ بکر سے ساتھ رہنے لگی اور اس سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا۔ اب ہندہ بکر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی ہے بلکہ بکر سے قطع تعلق کر لیا ہے اور دوسرا شوہر تلاش رہی ہے۔ آیا ہندہ دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے؟ نیز ہندہ کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں جب کہ پہلے شوہر نے طلاق دیدی اور دوسرا شوہر مر گیا اور اب وہ کسی کے نکاح میں نہیں ہے تو بکر کے ساتھ بغیر نکاح رہنے سے جو گناہ ہوا ہندہ کو اس سے علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے، میلاد شریف اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے غربا و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے۔ اور اسے تیسرا نکاح کرنے سے روکا نہ جائے کہ جب اس نے بکر کے ساتھ نکاح نہیں کیا ہے تو وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر ثابت ہو کہ بکر سے نکاح کر چکی ہے تو اس سے طلاق حاصل کرے اور عدت گذارنے سے پہلے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۶ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ۔ از حافظ محمد حنیف پکورہ ضلع بستی۔

زانیہ عورت جبکہ حاملہ ہو تو اس کا نکاح کسی مرد سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب زانیہ حاملہ اگر کسی کے نکاح اور عدت میں نہ ہو تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ پھر اگر اسی شخص نے نکاح کیا کہ جس کا وہ حمل ہے تو بعد نکاح حالت حمل میں وہ مرد اس سے ہمبستری بھی کر سکتا ہے ورنہ نہیں درمختار فصل فی المحرمات میں ہے صح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ ای الزنا لثبوت نسبہ وان حرم وطؤھا حتی تضع ولو نکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا اھ ملخصاً اور فتاویٰ عالمگیری جلد اوّل ص۲۶۲ میں ہے قال ابو حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملا من الزنا ولا یطأھا حتی تضع وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لا یصح والفتوی علی قولھما کذا فی المحیط وکما لا یباح وطأھا لا تباح دواعیہ کذا فی فتح القدیر۔ وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ

قد زنیٰ ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأھا عند الکل وتستحق النفقۃ عند الکل کذا فی الذخیرۃ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ زید نے ھندہ سے نکاح کیا ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس درمیان میں زید کے بڑے بھائی نے وفات پائی زید نے عدت گذرنے کے بعد اپنی بھاوج سے نکاح کیا پھر زید کی پہلی بیوی ھندہ کی رخصتی ہوئی۔ لیکن دونوں عورتوں میں جھگڑا رہنے کے باعث زید نے اپنی بھاوج کو طلاق دیدی بعدہٗ ھندہ کا انتقال ہوگیا عرصہ چار سال کا ہو رہا ہے پھر زید نے اپنی بھاوج سے تعلق پیدا کرلی ہے جس سے بھاوج کو حمل ٹھہر گیا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زمانہ حمل میں زید کا دوبارہ نکاح اس کی بھاوج ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب اگر زید نے اپنی بھاوج کو طلاق مغلظہ یعنی تین طلاق دی ہے تو اب زید کا نکاح اپنی مذکورہ بھاوج سے بغیر حلالہ درست نہیں ہے اور اگر زید نے اپنی بھاوج کو ایک طلاق یا دو طلاق دی ہے تو اس کا نکاح اپنی بھاوج سے زمانہ حمل میں بھی درست ہے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی درست ہے لیکن جب زمانہ حمل میں نکاح ہو تو اگر وہ حمل زید ہی کا ہو تب تو زید اپنی بھاوج سے ہمبستری کرسکتا ہے اور اگر وہ حمل کسی دوسرے کا ہے تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنی بھاوج سے ہمبستری نہیں کرسکتا اور اگر پتہ نہ چلے کہ حمل کس کا ہے تو اس صورت میں بھی تا پیدائش حمل ہمبستری سے پرہیز کرنا پڑے گا واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ رحیم الدین احمد رضوی

مسئلہ۔ از محمد اسلام الدین مدرسہ عربیہ انوار العلوم اُسکا بازار ضلع بستی

ایک لڑکی کا نکاح ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ نکاح حالتِ حمل میں ہوا تو ایسی صورت میں وہ نکاح شرعاً ہوا یا نہیں؟ نیز نکاح خواں پر کیا حکم عائد ہوگا؟

الجواب جس لڑکی کا نکاح ہونا حالتِ حمل میں بتایا جاتا ہے اگر وہ لڑکی بوقت نکاح کسی کے نکاح یا عدت میں تھی تو اس کا نکاح جائز نہ ہوا۔ اس صورت میں نکاح خواں اس عقد کے ناجائز ہونے کا اعلان کرے اور جان بوجھ کر ایسا نکاح پڑھایا تو علانیہ توبہ واستغفار کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ اور اگر وہ لڑکی

بوقتِ نکاح کسی کے نکاح یا عدت میں نہیں تھی تو اگرچہ وہ لڑکی حاملہ تھی اس کا نکاح ہوگیا۔ مگر اس صورت میں جس کے ساتھ نکاح ہوا اگر اسی کا حمل ہے تو وضع حمل سے پہلے اس سے وطی بھی کرسکتا ہے اور اگر دوسرے کا حمل ہے تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے شوہر کا اس سے ہمبستری کرنا جائز نہیں ھٰکذا فی الکتب الفقھیۃ۔ وھو تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۸ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از گلو مقام اُسکا بازار ضلع بستی۔

تجمل حسین نے اپنی بیوی عزیز النساء کو حالت حمل میں طلاق دے دی تو عزیز النساء کچھ دنوں میکہ میں رہ کر ایک دوسرے شخص کے پاس چلی گئی۔ وہیں اس کو بچہ پیدا ہوا۔ پھر جب دوسرا حمل ہوا تو اسی شخص مذکور کے ساتھ عزیز النساء نے نکاح کر لیا۔ اب عزیز النساء پھر تجمل حسین کے پاس رہنا چاہتی ہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا بالدلیل۔

الجواب: تجمل حسین نے جو حالت حمل میں عزیز النساء کو طلاق دی تو وہ واقع ہوگئی اور بچہ پیدا ہونے پر اس کی عدت بھی ختم ہوگئی۔ کما قال اللہ تعالٰی واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (پارہ ۲۸ رکوع ۱۷) لہٰذا ناجائز حمل ہونے کی صورت میں اس نے جو دوسرے شخص سے نکاح کیا وہ صحیح ہوگیا۔ فتاوی عالمگیری جلد اول ص۲۶۲ میں ہے فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حمل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأھا عند الکل کذا فی الذخیرۃ۔ لہٰذا اب عزیز النساء دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر شوہر اول کے پاس ہرگز نہیں رہ سکتی۔ اگر شوہر ثانی سے طلاق حاصل کئے بغیر تجمل حسین عزیز النساء کو رکھے تو سب مسلمان ان دونوں کا بائیکاٹ کریں۔ قال اللہ تعالٰی واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظّٰلمین (پارہ ہفتم ع ۱۴) ھٰذا ما ظھر لی والعلم عند اللہ تعالٰی ورسولہ

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از حافظ عبد الوحید سبحانی مدرسہ سبحانیہ فرینده بزرگ۔ سیتارام پور گرنٹ۔ ضلع گونڈہ

ہندہ کی شادی ہوئی رخصتی سے پہلے ہندہ کو شوہر نے طلاق دیدی خلوت صحیحہ نہیں ہے۔ ہندہ اپنے ایک

رشتہ دار کے یہاں رہنے لگی۔ چار پانچ ماہ کے بعد ہندہ کا تعلق ایک غیر آدمی سے ہوگیا اور ہندہ حاملہ ہوگئی۔ جب گاؤں والوں نے یہ معاملہ دیکھا تو ہندہ سے پوچھا کہ یہ حمل کس کا ہے۔ ہندہ نے پورے گاؤں والوں کے سامنے ایک مولوی صاحب کو بتایا کہ انھیں کا ہے۔ پھر گاؤں والوں نے مولوی صاحب سے پوچھا تو انھوں نے اقرار کرلیا۔ تب گاؤں والوں نے کہا کہ آپ اسی وقت نکاح پڑھوالیں اور یہاں سے لے جائیں۔ فوراً ایک مولوی صاحب نے نکاح پڑھ دیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو پڑھنے اور پڑھوانے والوں کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب ایسی حاملہ عورت کہ جو کسی کے نکاح اور عدت میں نہ ہو اس سے نکاح کرنا جائز ہے پھر اگر حمل اسی شخص کا ہو کہ جس سے نکاح ہوا تو وہ بعد نکاح اس سے ہمبستری بھی کرسکتا ہے ورنہ نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۲ میں ہے فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأھا عند الکل کذا فی الذخیرۃ۔ اور درمختار مع شامی جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے صح النکاح حبلی من زنا لا من غیرہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع ولو نکح الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا اھ ملخصا۔ لہٰذا اگر ہندہ بوقت حمل کسی کے نکاح اور عدت میں نہ تھی تو حالت حمل میں مولوی کا اس سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اور جبکہ حمل مذکور مولوی کا تھا تو ہے اور مولوی کو اس کا اقرار بھی ہے تو وہ بعد نکاح اس سے ہمبستری بھی کرسکتا ہے۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۶ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از زیارت علی موضع چتیوا، ضلع بستی۔

ایک بیوہ عورت کو عدت گذرنے کے کئی ماہ بعد ناجائز حمل ہوگیا تو اس حاملہ عورت کا حالت حمل میں نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب عورت مذکورہ کا حالت حمل میں نکاح کرنا جائز ہے لیکن جس مرد کا ناجائز حمل ہے اگر اسی کے ساتھ نکاح کیا تو وہ حالت حمل میں ہمبستری بھی کرسکتا ہے۔ اور اگر دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کیا تو بچہ پیدا ہونے سے پہلے عورت مذکورہ کے ساتھ ہمبستری کرنا جائز نہیں ھکذا فی الکتب الفقھیۃ۔ وھو

حاملاً من الزنا ولا يطأها حتی تضع وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی لا یصح والفتوی علی قولہما کذا فی المحیط وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بہا وظہر بہا حبل فالنکاح جائز عند الکل ولہ ان یطأھا عند الکل کذا فی الذخیرۃ اھ ملخصاً عورت اور مرد دونوں اپنے گناہوں کے سبب علانیہ توبہ و استغفار کریں۔ وھو تعالی اعلم

(۲) ایک عورت کا دو مرد کو رکھنا حرام حرام اشد حرام۔ اگر کوئی عورت ایسا کرے تو سب مسلمان اس عورت اور ان دو مردوں کا بائیکاٹ کریں۔ قال تعالی واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین ۰ (پ ۷ ع ۱۴) وھو تعالی اعلم

(۳) زید کی بیوی سے اگر واقعی اس کے بھائی نے ہمبستری کی ہے تو حکومت اسلامیہ ہونے کی صورت میں انہیں سخت سزا دی جاتی۔ موجودہ حال میں یہ حکم ہے کہ ان دونوں کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے اور نماز کو پابندی کے ساتھ پڑھنے کی تاکید کی جائے۔ اور قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے اور غربا و مساکین کو کھانا کھلانے کی تلقین کی جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہونگی قال اللہ تعالی ومن تاب وعمل صالحاً فانہ یتوب الی اللہ متاباً (پ ۱۹ ع ۴) وھو تعالی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ ذی القعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ۔ از محمد موصل خاں موضع برگدوا امام سہائے پوسٹ پورندر پور ضلع گورکھپور

زید کی بیوی کے دو بچے تھے زید نے ہندہ کو بغیر طلاق دئے اس کے میکے میں پانچ سال تک چھوڑ دیا اور کہا کہ ہم ایک بار اٹھارہ سو روپیہ لیں گے تو طلاق دیں گے اب جبکہ ہندہ رقم مذکور کے ادا کرنے پر قادر نہیں تھی تو بغیر شوہر اول سے طلاق حاصل کئے اس نے دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر لیا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا عقد شوہر ثانی سے درست ہے یا نہیں اور اگر شوہر ثانی سے اس کا عقد درست نہیں ہے تو اس کا گذر اوقات کیسے ہو؟

الجواب شوہر اول سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے شخص سے نکاح ہرگز جائز نہ ہوا۔ جس نے نکاح پڑھایا ہے اس پر لازم ہے کہ اس نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے، علانیہ توبہ و استغفار کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور اگر ان دونوں نے آپس میں میاں بیوی جیسا تعلق رکھا تو وہ سخت گنہگار مستحق

عذاب نار ہوئے۔ ان دونوں پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں اور علانیہ توبہ واستغفار کریں اگر وہ لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ و امایُنسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظّٰلمین (پ ع ۱۴) جس طرح بھی ہو سکے ہندہ شوہر اول سے طلاق حاصل کرے اس کے بعد عدت گذار کر کسی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ اگر وہ طلاق نہیں دیتا تو گاؤں کی پنچائت اور مقامی حکام کے دباؤ سے جس طرح بھی ہوسکے طلاق حاصل کرے۔ اگر بغیر روپیہ کے طلاق نہ دے اور عورت روپیہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو جو شخص اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے وہ روپیہ ادا کرے۔ بہر حال شوہر ثانی سے اس وقت تک نکاح نہیں ہوسکتا جب تک کہ شوہر اول طلاق نہ دے یا مر نہ جائے۔ رہا سوال اس عورت کے گذر اوقات کا تو اگر اس کا شوہر بیخ ہوجاتا یا کسی دوسرے مرض میں ایسا گرفتار ہوجاتا کہ عورت کا نان ونفقہ وغیرہ نہ ادا کر پاتا تو اس صورت میں عورت جو کرتی وہی طلاق نہ دینے کی صورت میں بدرجۂ مجبوری کرے محنت ومزدوری کرکے گذر اوقات کرے اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے ڈرے اور حرام کاری سے باز آئے۔ وھو تعالیٰ ورسولہ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۴ ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ از حافظ شہاب الدین صاحب موضع پھلا جوت پوسٹ مہراج گنج گونڈہ

زید نے ہندہ منکوحہ کا نکاح بغیر طلاق کے خالد کے ساتھ کردیا اور نکاح مذکور پر اکتفا کرلیا۔ حالانکہ ہندہ کے شوہر اول نے ابھی تک طلاق نہیں دی ہے۔ ایسی صورت میں زید قاضی اور ہندہ کے بارے میں حکم شرع کیا ہے؟

الجواب ہندہ منکوحہ کا عقد جو خالد کے ساتھ بغیر طلاق کیا گیا وہ حرام حرام اشد حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ والمحصنٰت من النساء یعنی شوہر والی عورتیں حرام ہیں (پ۵ ع۱) لہٰذا ہندہ اور خالد پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں۔ اور زید قاضی نکاح مذکور کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور یہ سب علانیہ توبہ واستغفار کریں۔ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ وامایُنسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظّٰلمین (پ ع ۱۴) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از محمد حنیف۔ لہرا بازار گورکھپور۔
بکر کی بیوی سلمہ عرصۂ تین سال سے میکے میں بیٹھی ہے۔ بکر سلمہ کو اپنے یہاں لے جانا نہیں چاہتا ہے اور طلاق بھی نہیں دے رہا ہے۔ والدین سلمہ کے نان و نفقہ کے کفیل نہیں بن سکتے۔ لہٰذا ایسی صورت میں سلمہ دوسرا عقد کر سکتی ہے یا نہیں؟ شریعت کے رُو سے آگاہ فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب بکر اگر سلمہ کو پریشان کرنا چاہتا ہے نہ اسے طلاق دیتا ہے اور نہ لے جاتا ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اسے طلاق دینے یا لے جانے پر مجبور کریں۔ اگر وہ نہ مانے اور کوئی وجہ معقول بھی نہ بیان کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ اور سلمہ بہر صورت طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر سکتی۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از شعبان علی گورڈیہہ بازار ضلع بستی۔
ہندہ کا عقد بکر سے ہوا اور ایک عرصہ تک ہندہ بکر کے ساتھ رہی اس کے بعد بکر نے ہندہ کو طلاق دے دی۔ بکر کے طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے سے پہلے ہندہ سے زید نے نکاح کر لیا چند ماہ ہندہ زید کے پاس رہی۔ پھر ہندہ بغیر زید کے طلاق دئے ہوئے ایک کافر غیر مسلم کے یہاں جا کر رہنے لگی تقریباً ۱۵ یوم اس کافر کے ساتھ رہنے کے بعد اب ایک مسلمان کے یہاں آگئی ہے۔ اور ہندہ نے اس کافر کے یہاں کوئی کفری کام نہیں کیا ہے۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کا نکاح اس مسلمان سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب اگر زید نے یہ جانتے ہوئے کہ ہندہ ابھی عدت میں ہے اس سے نکاح کیا تو وہ عقد باطل ہے لہٰذا اس صورت میں بکر کے طلاق دینے کے بعد سے اگر ہندہ کو تین حیض آگئے یا حمل تھا اور بچہ پیدا ہو گیا تو اب مسلمان مذکور سے اس کا نکاح جائز ہے اور اگر لاعلمی میں زید نے عدت گزرنے سے پہلے ہندہ سے نکاح کیا تو عقد فاسد ہوا۔ اس صورت میں اگر زید نے عقد کے بعد اس سے ہمبستری کی تو جس روز وہ زید سے الگ ہوئی اس وقت سے عدت گزرنے کے بعد مسلمان مذکور سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے کہ نکاح فاسد کے لئے بھی تفریق

یا متارکہ کے بعد عدّت لازم ہے جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم صـ۳۵۱ پر نکاح فاسد کے احکام میں ہے۔
تجب العدة بعد الوطئ لا الخلوة من وقت التفریق او متارکۃ الخ وج اھ ملخصاً۔ اور ہندہ سخت گنہگار ہے اس کو بہرحال علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے۔ پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے۔ اور قرآن خوانی ومیلاد شریف کرتے غربا ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے۔ قال اللہ تعالیٰ ومن تاب وعمل صالحا فانہ یتوب الی اللہ متابا (پ۱۹ ع ۴) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
یکم صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ: از محمد سلیم موضع بکر پوسٹ نگر بازار ضلع بستی۔

زید نے ہندہ کو بغیر نکاح کے بیوی بنا کر رکھ لیا ہے جس کو تقریباً تیس ۳۰ سال کا عرصہ گزر گیا ہے۔ ہندہ کا شوہر بکر زمانہ تک بمبئی غائب رہا عرصہ کے بعد جب گھر آیا تو زید نے بکر سے کہا کہ تم مجھ سے روپیہ پیسہ لے کر ہندہ کو طلاق دے دو تاکہ عدت گزر جانے کے بعد میں نکاح کر لوں۔ ویسے میں نے بڑا پاپ کیا بہت جرم کیا۔ سات اولادیں ہوئیں مگر اب خدا معاف کرے وہ عورت ہندہ جب تمہارے لائق نہیں ہے تو تم اس کو آزاد کر دو۔ مجھے اور اسے دونوں کو گناہ سے بچا لو جو روپیہ کہو میں دیدوں برادری نے مجھے آج تیس ۳۰ سال سے آزاد کر رکھا ہے میرے بچوں کی شادیاں نہیں ہو پا رہی ہیں سارے پیغامات جو آتے ہیں یہ سن کر فوری واپس ہو جاتے ہیں کہ زید برادری سے خارج ہے۔ بکر نے ۲ سو روپیہ طلب کیا زید نے فوراً پیش کر دیا بکر نے روپیہ صبح لینے کا اور طلاق دینے کا وعدہ کیا۔ اور بغیر طلاق دئے ہوئے پھر بمبئی بھاگ گیا۔ اب بکر کا پتہ نہیں۔ ایسی صورت میں زید کہتا ہے کہ ہم کسی بھی طرح طلاق حاصل کریں گے جب بھی بکر مل جائے گا۔ مگر بروقت میرے بچوں کی شادیاں درپیش ہیں۔ وقتی طور پر پنچائت یعنی برادری کے لوگ میرے بچوں کی شادیوں میں شریک ہو جائیں۔ آگے پیچھے جب بھی بکر آ گیا کسی بھی طرح ہم طلاق لیں گے اور عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر کے صحیح کریں گے۔ اگر مجرم ہوں تو میں ہوں مرے بچے بے قصور ہیں۔ برادری نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے کہ تمہارے بچے بے قصور ہیں اگر ہم لوگ شریک ہوں اور تمہارا کام نکلوا دیں۔ تم بعد میں اس معاملہ کو حل کر لینا۔ مگر ہم پر کوئی جرم عائد نہ ہو ہم گنہگار نہ ہوں تو تمہارے بچوں کے کام میں شریک ہو جائیں گے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ سرکار کوئی ایسا راستہ

نکال دیں کہ بے قصور بچوں کی شادیاں ہوجائیں جب تک برادری کے لوگ شامل نہ ہوں گے اس وقت تک شادیاں نہ ہوں گی۔ لہٰذا برادری کی شرکت کا کوئی راستہ نکل جاتا اور بغیر جرم کے تو برادری شرکت کرکے زید کے بچوں کی شادیاں کرا دے۔

الجواب وہ عورت اس کی بیوی ہے نہ لڑکے اس کی اولاد۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ لہٰذا شخص مذکور ان سب کو اپنے گھر سے نکال دے ان سے کوئی تعلق نہ رکھے۔ اور بمبئی جاکر اس کے شوہر سے ملاقات کرے۔ اگر وہ اپنی بیوی کو نہ رکھنا چاہے تو اس سے سفارش، دھمکی، پیسہ وغیرہ دے کر یا زبردستی جس طرح بھی ہوسکے طلاق حاصل کرے پھر بعد عدت اس سے نکاح کرے۔ اور برسہا برس جو حرام کاریاں کی ہیں۔ العیاذ باللہ ان سے علانیہ توبہ واستغفار کرے۔ نماز کی پابندی کا عہد کرے اور میلاد شریف وقرآن خوانی کرے غربا ومساکین کو کھانا کھلائے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہونگی قال اللہ تعالیٰ ومن تاب وعمل صالحا فانہ یتوب الی اللہ متابا (پ ۱۹ ع ۴) عورت کو گھر سے نکالنے اور توبہ کرنے کے بعد مسلمان اس کے ساتھ کھانا پینا جاری کریں۔ اگر وہ شخص شرعی طور پر نکاح کے بغیر اس عورت کو رکھے تو سب مسلمان اس سے دور رہیں اس کے کسی کام میں شریک نہ ہوں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظّٰلمین (پ ۷ ع ۱۴) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ذی القعدہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از عبد الغنی موضع ہتھیوا ضلع گورکھپور

ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی اور ہندہ اپنے شوہر زید کے گھر گئی یہاں تک کہ ہندہ اپنے شوہر زید کے ساتھ تقریباً تین یا چار ماہ تک رہی بعد اس کے ہندہ اپنے شوہر زید سے ناراض ہوکر اپنے میکے میں چلی گئی اور اپنے میکے میں تقریباً ایک سال تک رہی بعد اس کے ہندہ کا باپ یعنی خالد اپنی بیٹی ہندہ کا بغیر طلاق لئے ہوئے ہندہ کو دوسرے لڑکے یعنی بکر کے سپرد کر دیا اور خالد نے بکر سے یہ بھی کہہ دیا کہ اب میں ہندہ کو زید کے گھر کبھی نہیں بھیجوں گا۔ ہندہ اب تمہاری ہے اور اب تم زید سے ہندہ کا طلاق لے لو۔ لہٰذا بکر نے ہندہ کا طلاق زید سے لے لیا اور بکر نے زید کو کچھ روپے وغیرہ بھی دئے۔ بعد طلاق کے ہندہ بکر کے گھر اسی کے

ساتھ اٹھتی بیٹھتی اور رہتی ہے۔ اور ہندہ کا طلاق لئے ہوئے تقریباً چار ماہ سے زائد ہو گیا اور یہ بھی تصدیق ہے کہ ہندہ کو چار حیض بھی آچکا۔ اب بکر کہتا ہے حامد سے کہ اے حامد! تم ہمارا نکاح ہندہ کے ساتھ پڑھا دو اور ہندہ بھی کہتی ہے کہ ہاں ہمارا نکاح بکر سے پڑھا دو اور ابھی تک ہندہ بکر ہی کے ساتھ ہے جب سے طلاق حاصل کی گئی ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں حضرت مفتی صاحب قبلہ واضح فرما دیں کہ کیا ہندہ کا نکاح بکر سے فی الوقت صحیح ہو گا اور اس کا نکاح بکر کے ساتھ پڑھا دیا جائے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب زید نے اگر واقعی ہندہ کو طلاق دی ہے اور بعد طلاق اسے چار حیض بھی آگئے ہیں تو اس صورت میں ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ پڑھانا جائز ہے قال اللہ تعالیٰ وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (پ۲ ع۱۲) اور خالد نے جو اپنی لڑکی ہندہ کو بکر ساتھ بغیر طلاق کے کر دیا اور بکر نے بغیر نکاح ہندہ کو اپنے ساتھ رکھا تو یہ سب سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے۔ ان تینوں کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے۔ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے۔ اور قرآن خوانی و میلاد شریف کرنے، غربا و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ مرسلہ مولوی پیر محمد مدرسہ مسعود العلوم روضہ شریف ضلع گونڈہ

زید نے ہندہ کو بغیر نکاح کے اپنی بیوی بنا لیا عرصہ ڈھائی سال ہو گیا۔ زید اور ہندہ کے ناجائز تعلق سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔ اب زید ہندہ کو بمبئی سے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے آیا ہے۔ زید اور ہندہ دونوں اپنے فعل قبیح پر نادم ہیں، توبہ و استغفار کر رہے ہیں، دونوں ناجائز تعلق ختم کر کے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اب اس کی کیا صورت ہو گی؟

الجواب زید کے ساتھ رہنے سے پہلے اگر ہندہ کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ ہوا تھا اور ابھی تک یہ اس کے نکاح میں ہے تو اس صورت میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ نہیں ہو سکتا ورنہ ہو سکتا ہے۔ مگر اس سلسلے میں زید و ہندہ کا بیان ہرگز معتبر نہ ہو گا اس لئے کہ جو اتنے جری ہیں کہ بغیر نکاح کئی سال سے میاں بیوی کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں یہاں تک کہ بچہ بھی پیدا ہو گیا تو ایسے عورت و مرد بڑے سے بڑا جھوٹ بھی بول سکتے ہیں۔ اور ڈھائی سال تک بلا نکاح بمبئی میں رہنے سے ظاہر یہی ہے کہ وہ کسی کے نکاح میں ہے ورنہ

کیا وجہ ہے کہ اتنے زمانہ تک بمبئی میں رہنے کے باوجود وہاں نکاح کرنے کی بجائے یہاں لاکر کرنا چاہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایسی عورت کے بارے میں تاوقتیکہ تحقیق نہ ہوجائے کہ وہ کسی کے نکاح میں نہیں ہے زید کے ساتھ اس کے نکاح کے جواز کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۷ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

مسئلہ۔ از محمد یعقوب خاں پڑولی ضلع گورکھپور

ایک شخص نے اپنی شادی شدہ لڑکی کو بغیر طلاق حاصل کئے دوسرے کے ساتھ کردیا۔ اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب معاذ اللہ رب العٰلمین شادی شدہ لڑکی کو طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے کے ساتھ کرنا لڑکی کو حرام کاری کے لئے دینا ہے جو حرام سخت حرام ہے شخص مذکور پر واجب ہے کہ اس لڑکی کو واپس لائے اور علانیہ توبہ واستغفار کرے۔ پھر اگر چاہے تو اس کے شوہر سے طلاق حاصل کرے اور عدت گزر جانے کے بعد جہاں چاہے شادی کردے اور یا تو لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ کردے۔ شخص مذکور اگر اپنی لڑکی کو غیر مرد کے یہاں سے واپس نہ لائے اور توبہ نہ کرے تو تمام مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالٰی ورسولہ

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از آس محمد مقام و پوسٹ شنکر پور ضلع بستی

ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی تھی۔ زید کا انتقال ہوگیا۔ ہندہ نے دوسری شادی کرلی۔ پھر ہندہ نے بغیر طلاق لئے ہوئے تیسری شادی کرلی کسی نے اس کا نکاح پڑھ دیا ایسی صورت میں اس کا نکاح ہوا یا نہیں؟ نکاح تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اور ہندہ نے جس کے ساتھ شادی کی ہے اس کے گھر کھانا پینا اس سے میل جول اور رسم وراہ اختیار کرنا کیسا ہے؟

الجواب ہندہ نے اگر دوسرے شوہر کی موت یا طلاق کے بغیر تیسری شادی کی ہے تو وہ نکاح صحیح

نہ ہوا۔ نکاح خواں پر لازم ہے کہ اس عقد کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے، علانیہ توبہ و استغفار کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ اور ہندہ نے جس کے ساتھ تیری شادی کی ہے تاوقتیکہ وہ ہندہ کو اپنے گھر سے نکال کر لوگوں کے سامنے توبہ و استغفار نہ کرے اس کے گھر کھانا پینا اور اس سے میل جول رکھنا جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین (پ ۷ ع ۱۴) وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ

مسئلہ۔ از محمد ابراہیم ۱۲/۱۴۴ چوڑی محلہ کرنیل گنج کانپور

زید پاکستانی باشندہ ہے اس نے ہندوستان میں آکر ہندہ سے عقد کیا۔ بعد عقد جب وہ پاکستان جانے لگا تو اس نے ہندہ کے گھر والوں سے وعدہ کیا کہ ایک سال کے بعد ہندہ کو اپنے ہمراہ لے جائے گا۔ لیکن عرصہ تقریباً چار سال ہوا زید اپنی بیوی ہندہ کو رخصت کرانے نہیں آیا۔ معلوم ہوا کہ زید نے پاکستان پہنچنے کے چار ماہ بعد دوسرا عقد کر لیا اور ہندہ سے پہلے بھی تین عورتوں سے عقد کر چکا تھا اور ان عورتوں کو طلاق بھی دیتا رہا۔ اس وقت ہندہ کی عمر ۲۲ سال ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا ہندہ اپنا عقد فسخ کر کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟ اور اگر ہندہ کو عقد فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے تو پھر اس کے دوسرا عقد کرنے کی کیا صورت ہے؟ غیر ملک میں قانونی چارہ جوئی بھی نہیں ہو سکتی۔ جواب عطا فرمائیں عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب ہندہ کو غیر ملکی کے ساتھ عقد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور اگر کیا تھا تو اس سے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار لے لینا چاہیے تھا۔ یا جب وہ پاکستان جانے لگا تھا تو اس سے دو معتبر گواہوں کے ساتھ اس قسم کی تحریر لے لینی چاہیے تھی کہ اگر میں ڈیڑھ سال کے اندر اپنی بیوی ہندہ کو لینے کے لئے نہ آؤں تو اسے طلاق۔ اس طرح معاملہ آسان ہو جاتا۔ صورت مسئولہ میں ہندہ کو اپنے عقد کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے قال اللہ تعالیٰ بیدہ عقدۃ النکاح (پ ۲ ع ۱۵) اور حدیث شریف میں ہے الطلاق لمن اخذ بالساق۔ ہندہ کسی طرح پاکستان اپنے شوہر کے پاس چلی جائے۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ہندہ کے گھر والے پاکستان جا کر یا خط کے ذریعہ اس سے طلاق حاصل کریں کہ اس کے بغیر شوہر کی موت سے پہلے ہندہ کا دوسرا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

عزّ اسمہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۹ ذوالقعدہ ۱۴۰۳ھ

مسئلہ۔ از منگرے میاں ساکن پکھر بھنڈا عرف بندہوا پوسٹ آفس جارا ضلع گورکھپور

زید کی بیوی ھندہ رخصت ہوکر میکے سے سسرال آئی زید کے یہاں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا زید نے اپنی بیوی ھندہ کو اپنے مکان سے نکال دیا وہ میکہ میں آئی قریب قریب سال بھر رہی اس ایک سال کے عرصہ میں ہندہ اپنے شوہر زید کے یہاں بار بار گئی مگر زید نے اپنے مکان سے نکال ہی دیا اس کو رکھنے پر راضی نہ ہوا۔ ہندہ کے میکہ میں ذریعہ معاش کا کوئی انتظام نہ رہا ہندہ محنت مزدوری کرکے اپنی زندگی کا گزارہ کرنے لگی کچھ دنوں کے بعد وہ ناجائز تعلق کرکے بکر کے یہاں چلی گئی قریب ۵ سال کے رہی اس عرصہ میں دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ حسن اتفاق کچھ لوگ بکر کے یہاں گئے اور بکر سے کہا کہ تم ناجائز کر رہے ہو اس لئے تمہارے ساتھ کھانا پینا کوئی نہیں کھائے گا۔ اس کے بعد ہندہ کو لوگوں نے سمجھایا کہ جب تک اپنے شوہر زید سے تم طلاق نہیں لوگی اس وقت تک تم بکر کے یہاں نہیں رہ سکتی ہو۔ ایسی صورت میں ہندہ وہاں سے اپنے میکہ میں آئی میکہ والوں نے اسے اپنے گھر سے نکال دیا ہندہ کیا کرے اندیشہ ہے کہ وہ پھر ناجائز کام کرنہ بیٹھے لکھنے کا اصل یہ ہے کہ زید نہ تو طلاق دے رہا ہے نہ تو رکھنے پر راضی ہے اور کہتا ہے کہ زندگی بھر نہ طلاق دوں گا ایسی صورت میں ہندہ کیا کرے۔ دو بچے جو ناجائز پیدا ہوئے وہ بھی ہندہ کے ساتھ میں ہیں اپنی زندگی گزارے کہ بچوں کی اس کا وارث کوئی نہیں ہو رہا ہے۔ ازراہ کرم شرع میں اس کا کیا حکم ہے ایسی حالت میں ہندہ اپنی دوسری شادی یعنی عقد کر سکتی ہے کہ نہیں جواب جلد عنایت فرما کر اس جھگڑے کو دور فرمائیں۔

الجواب گاؤں کی پنچایت یا حکام وغیرہ کے دباؤ سے جس طرح بھی ہوسکے ہندہ زید سے طلاق حاصل کرے بغیر طلاق دوسرے سے نکاح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوگا اور زید پر لازم ہے کہ وہ ھندہ کو رکھے یا اسے طلاق دے۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ

مسئلہ۔ از محمد ضمیر اوراں تال ضلع بستی۔

زید نے ہندہ سے نکاح کیا یہاں تک کہ اس کے ایک بچہ بھی پیدا ہوا۔ بعدہٗ بکر نے اسے رکھ لیا حال یہ ہے کہ بکر کے یہاں اس کے تین بچے پیدا ہوئے اور زید نے ابھی طلاق نہیں دی تو بکر کے یہاں جو بچے پیدا ہوئے ان سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب بکر کے یہاں جو بچے پیدا ہوئے ان سے نکاح کرنا جائز ہے۔ البتہ بکر و ہندہ پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور تا وقتیکہ زید سے طلاق حاصل کرکے یا اس کی موت کے بعد عدت گزار کر جائز طریقہ سے نکاح نہ کرلیں آپس میں میاں بیوی کا تعلق ہرگز نہ قائم کریں۔ اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۴؍ ذوالقعدہ ۱۳۸۱ھ

مسئلہ۔ از محمد اسحٰق گورکھپور

ہندہ اپنے شوہر زید کے یہاں سے بکر کے ساتھ چلی گئی اور اس کے یہاں چار یا چھ مہینہ تھی پھر زید کے یہاں واپس آئی۔ پھر بھاگ گئی بعدہٗ پھر آنا چاہتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید اسے رکھنے سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب زید اپنی بیوی ہندہ کو توبہ کرانے کے بعد اگر پھر رکھے تو اس پر شرعاً کوئی گناہ نہ ہوگا واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۳؍ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

مسئلہ۔ از احسان علی سبحانی موضع پرساڈ کنا نہ کوٹ خاص ضلع گونڈہ

زید نے ایک عورت خریدا وہ عورت بدیسی ہے۔ یعنی دوسرے ملک کی ہے اس کے ساتھ ایک بچہ بھی ہے اور وہ کہتی ہے کہ میرا شوہر مرگیا اور میں مسلمان ہوں اس نے اپنا نکاح کرنا چاہا تو نکاح خواں کے دریافت پر اس نے کہا کہ میں قسم کھاتی ہوں اپنے بچے کی اور اللہ رسول کی۔ کہ میرا شوہر مرگیا لہٰذا اس کے قسم

کھانے پر نکاح خواں نے نکاح پڑھ دیا۔ تو وہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور پڑھانے والے پر کیا حکم ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب آجکل بہت سی عورتوں کو لوگ دوسرے صوبوں اور ملکوں سے لاتے ہیں۔ اور روپیہ لے کر کسی شخص کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہ بغیر نکاح یا نکاح کے ساتھ اس عورت کو اپنی بیوی لیتا ہے۔ پھر اس قسم کی عورتیں عموماً بھاگ کر کسی دوسرے شخص کے گھر پہونچ جاتی ہیں پھر وہ شخص عورت کے جھوٹ اور بیان کے مطابق یا تو اسے اپنی بیوی بنا لیتا ہے یا پیسہ لیکر دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔ پھر وہاں سے کبھی اس قسم کی عورتیں فرار ہو جاتی ہیں۔ اور ایسے ہی متعدد مقامات پر نکاح کرتی اور بھاگتی رہتی ہیں۔ لہٰذا تاوقتیکہ یقینی طور پر نہ معلوم ہو جائے کہ عورت کسی کے نکاح اور عدت میں نہیں ہے۔ صرف عورت کے بیان اور اس کی قسم پر اس طرح عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ نکاح خواں پر لازم ہے کہ نکاح مذکور کے غلط ہونے کا اعلان عام کرے اور اس کا نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ اور جس نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے فوراً اس کو اپنے سے الگ کر دے اور ہرگز ہرگز اس کے ساتھ میاں بیوی جیسا تعلق نہ قائم کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بھی بائیکاٹ کریں وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۲ ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ - از حاجی ولی محمد خاں شنکر پور ضلع بستی

زید بمبئی چلا گیا اس کی بیوی ہندہ اس کے گھر کچھ دن رہی جب زید نے خرچہ وغیرہ نہیں بھیجا تو ہندہ بکر کے گھر چلی گئی جو غیر محرم تھا لیکن جب زید بمبئی سے آیا تو ہندہ اپنے شوہر یعنی زید کے پاس چلی آئی تو وہ دونوں رہنے لگے لیکن پھر جب زید بمبئی چلا گیا تو ہندہ پھر بکر کے پاس چلی گئی ایسے تین مرتبہ ہوا یعنی جب زید بمبئی سے آتا تو وہ زید کے پاس آجاتی۔ تیسری یا چوتھی بار بکر نے ہندہ سے نکاح پڑھا لیا تو اس کے بعد بمبئی سے طلاق ایک خط میں آیا کئی دن گذر جانے کے بعد تو گاؤں والے اور اس کے گھر والے ان دونوں پر بڑی سختی کرتے ہیں اور نکاح خواں و گواہان پر سختیاں کرتے کو کہتے ہیں۔ دریافت طلب یہ امور ہیں۔

۱۔ ہندہ جو دونوں شوہروں پر رہتی تھی اس کے لئے کیا حکم ہے؟

۲۔ ھندہ کا نکاح قبل طلاق ہوا کہ نہیں؟
۳۔ وہ طلاق جو نکاح کے بعد خط کے ذریعہ آیا وہ معتبر ہوگا یا نہیں؟
۴۔ گاؤں والوں اور گھر والوں کو بکر، ہندہ، نکاح خواں اور گواہان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟
۵۔ اب بکر کا ہندہ کے ساتھ نکاح پڑھانے کی کیا صورت ہوگی؟

بالتفصیل جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں تحریر کیا جائے تاکہ صحیح طور پر شریعت پر چلنے کا راستہ معلوم ہو جائے۔

الجواب (۱) بکر غیر محرم کے ساتھ رہنے کے سبب ہندہ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۲) ہندہ کا نکاح جو قبل طلاق بکر کے ساتھ کیا گیا وہ ہرگز ہرگز منعقد نہ ہوا۔

(۳) اگر واقعی وہ خط ہندہ کے شوہر زید نے لکھ کر بھیجا ہے یا دوسرے سے لکھا کر روانہ کیا ہے تو اس کی بیوی ہندہ پر طلاق واقع ہوگئی۔ وھو تعالیٰ اعلم

(۴) گاؤں والوں پر لازم ہے کہ ہندہ کو فوراً بکر سے الگ کر دیں اور ہرگز ہرگز ان دونوں کو آپس میں میاں بیوی کا تعلق قائم کرنے نہ دیں اور دونوں کو علانیہ توبہ و استغفار کرائیں تاوقتیکہ وہ دونوں ایسا نہ کریں مسلمان ان کا بائیکاٹ جاری رکھیں۔ اور جان بوجھ کر نکاح پڑھانے والے نیز گواہان پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے اور نکاح خواں کو چاہئے کہ وہ نکاحانہ پیسہ بھی واپس کر دے اور نکاح مذکور کے باطل ہونے کا اعلان عام کرے اگر وہ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بھی بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

(۵) ہندہ بکر سے الگ ہو کر عدت گزارے۔ اگر طلاق کے وقت وہ حاملہ تھی تو بچہ پیدا ہونے پر عدت ختم ہوگی جیسا کہ پارہ ۲۸، سورۂ طلاق میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ اور اگر بوقت طلاق وہ حاملہ نہ تھی تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ تین حیض تین ماہ یا تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں جیسا کہ پارۂ دوم میں ہے والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء۔ اور اگر بعد طلاق تین حیض آنے سے پہلے اسے حمل ظاہر ہوا تو اس صورت میں بھی اس کی عدت وضع حمل ہے۔ عدت گزارنے کے بعد بکر یا جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے نکاح کر سکتی ہے

وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ

مسئلہ - از منشی رضا موضع گوراڈانڈہ ضلع پرتاب گڈھ۔

زید اپنی لڑکی کو عمرو کے یہاں نکاح کیا تھا کچھ دن اپنے گھر آئی گئی بعد میں کچھ دن زید اپنی لڑکی کو دوسری جگہ یعنی اختر کے یہاں بلا طلاق کے بھیج دیا اب وہیں اختر کے یہاں موجود ہے لہٰذا ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب زید پر لازم ہے کہ اختر کے یہاں سے اپنی لڑکی واپس لائے اور زید اس کی لڑکی نیز اختر اور ہر وہ شخص جو ناجائز طریقے سے لڑکی بھیجنے پر راضی تھا سب علانیہ توبہ و استغفار کریں اگر یہ سب ایسا نہ کریں تو مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ زید کو چاہئے کہ اپنی لڑکی عمرو کے یہاں بھیجے اور اگر کسی معقول وجہ سے عمرو کے یہاں نہ بھیجنا چاہے تو کسی طرح سے طلاق حاصل کرے پھر بعد عدت اختر یا کسی دوسرے سنی صحیح العقیدہ سے نکاح کرے۔ بغیر طلاق دوسرے کے یہاں بھیجنا لڑکی کو (معاذاللہ) زنا کرانے کے لئے سپرد کرنا ہے جو حرام، حرام، سخت حرام ہے۔ زید اللہ واحد قہار کے عذاب سے ڈرے، حرام کاری کو بند کرے، دل سے توبہ کرے اور آئندہ ہرگز ہرگز حرام کا اقدام نہ کرے۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ

مسئلہ - از محمد صابر کواپریٹیو سپروائزر کالپی محلہ ڈنگنج ضلع جالون۔

ایک شخص نے ایک ایسی عورت کو اپنے گھر رکھ لیا جس کا شوہر موجود ہے اور اس نے اس کو طلاق بھی نہیں دی ہے شخص مذکور نے اس عورت کو بطور بیوی رکھا اور کلی طور سے بیوی کے حقوق دیئے اور عرصہ قریب آٹھ سال ہوگئے اور اس کے اولادیں بھی پیدا ہوئیں اور اسکا شوہر اول اب بھی موجود ہے اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے۔ تفصیل کے واسطے نمبر وار سوال تحریر ہے امید کہ آپ اپنا قیمتی وقت صرف کرکے مفصل جواب قرآن و حدیث کی روشنی میں نمبر وار عنایت فرمائیے تاکہ برادری کی کشمکش دور کی جاسکے۔

۱۔ کیا ایسے مرد و عورت سے سلام کلام ملنا جلنا جائز ہے؟
۲۔ کیا ان لوگوں کو برادری سے خارج نہ کیا جائے اور ان سے ترک موالات نہ کیا جاوے؟
۳۔ ایسے لوگوں کو اپنے یہاں تقاریب کے موقعوں پر بلانا اور خود ان کی تقاریب میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟
۴۔ جو لوگ ایسے لوگوں سے خلط ملط رکھیں اور ملیں اور ان سے نہ کوئی اجتناب کریں اور نہ ان کی غلطی کو شرع کے خلاف سمجھیں ان کے متعلق کیا شرعی حکم ہے؟
۵۔ اگر یہ لوگ برادری کے غریب طبقہ کو اپنے اثر اور تمول سے اپنا ہم خیال بنائیں ایسے لوگوں کی مدد اعانت کریں اور ان کی ہاں میں ہاں ملانا کیسا ہے اور ایسے لوگوں کے لئے برادری کا کیا فرض ہے؟
۶۔ مزید برآں لڑکی کے باپ نے اس بات پر پردہ ڈالنے کے لئے کہ میری لڑکی کی طلاق نہیں ہوئی ہے دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر دیا لھذا باپ لڑکی کا کس سزا کا مستحق ہے اور اس کے ازالہ کی کیا صورت ہے جبکہ لڑکی کا شوہر اول زندہ ہے اور بغیر طلاق دوسرے شخص سے لڑکی کا نکاح کر دیا۔

الجواب ۱ تا ۴ شخص مذکور غیر منکوحہ عورت کو بطور بیوی رکھنے والا سخت گنہگار لائق عذاب قہار دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوگا اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو ایسے بدبخت کو سزا دی جاتی۔ موجودہ صورت میں یہ ہے کہ کوئی مسلمان اس سے سلام و کلام نہ کرے نہ اس کے یہاں کھائے نہ اسے اپنے یہاں کھلائے یعنی برادری سے خارج قرار دے کر مکمل بائیکاٹ کیا جائے جو مسلمان اس سے قطع تعلق نہیں کرے گا اس کی تائید میں ہوگا اور اس سے میل جول رکھے گا وہ بھی بمصداق آیت کریمہ لا تعاونوا علی الاثم والعدوان سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوگا۔ وھو تعالٰی اعلم۔
۵۔ اگر شخص مذکور اور اس کے ہنوا غریب طبقہ کو پیسہ وغیرہ کی لالچ دے کر اپنا ہم خیال بنانا چاہیں تو غریب پر لازم ہے کہ ہرگز کسی بھی قیمت پر ان کے ساتھی نہ بنیں ورنہ وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔
۶۔ منکوحہ لڑکی کا طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح کرنا حرام ہے، باپ، نکاح خواں، گواہان اور ہر وہ شخص جو اس نکاح سے راضی رہا سب پر علانیہ توبہ و استغفار لازم ہے۔ اور اور نکاح خواں پر یہ بھی لازم ہے کہ نکاح مذکور کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو مسلمان اس کا بھی بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

وھو تعالٰی اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ جمادی الاخریٰ ۹۶ھ

مسئلہ ۔ از عبد الستار موضع پڑولی پوسٹ جھنگئی ضلع گورکھپور

(۱) ہندہ کا نکاح زید سے ہوا تھا کچھ دن کے بعد ہندہ مدخول بہا بغیر طلاق لئے بکر کے گھر چلی گئی بلا نکاح دو سال سے زائد گزر گئے ناجائز بچے بھی جنم لے لئے تو کیا ہندہ اور بکر کو بائیکاٹ کر دیا جائے بائیکاٹ کرنے کی حالت میں اگر کسی نے اس کے گھر کھا پی لیا اس مصلحت سے کہ سنیت میں کچھ مدد ملے گی کیا اس کا کھا پی لینا بکر کے گھر بالکل حرام ہے گنہگار ہوگا۔ اور بائیکاٹ کیوں کیا جائیگا کیا مصلحت ہے!

(۲) کیا ہندہ کا نکاح بغیر طلاق حاصل کئے بکر کے ساتھ ہوسکتی ہے دو چار سال کے بعد اور کچھ لوگ جو کہ مسئلہ کی تھوڑا تھوڑا واقفیت رکھتے ہیں ان لوگوں کا کہنا ہے کہ بغیر شوہر اول کے طلاق کے بکر سے نکاح نہیں ہوسکتا ناجائز ہے کیا یہ لوگ صحیح راستے پر ہیں؟ اور کچھ لوگ جن کو مسئلہ کی بالکل جانکاری نہیں شریعت طاہرہ سے کوسوں دور ہیں صرف دعا تعویز کرتے ہیں اردو کی کتابوں کو بھی پڑھ لیتے ہیں لیکن کچھ سمجھ نہیں پاتے ہیں ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ہندہ کا نکاح بکر سے بغیر شوہر اول کے طلاق کے ہو جائیگا دلیل پیش کرتے ہیں کہ اب اگر شوہر کے سامنے اس قسم کی بات چیت کیا تو وہ کہہ دے گا کہ اب ہم سے کوئی ضرورت اور واسطہ نہیں حالانکہ یہ دلیل صرف خالی ہے کسی نے اس شوہر سے بات چیت نہیں کیا۔ تو اتنے سے طلاق ہو گیا؟ تو کیا اس نکاح کو جائز سمجھ کر پڑھنے والے صحیح راستہ پر ہیں ان کا خیال صحیح ہے ان لوگوں کے حق میں کیا کیا وعیدیں ہیں کیا ایسے لوگ قوم کے پیشوا بن سکتے ہیں ان کے باتوں پر عمل کیا جاسکتا ہے ہر ہر گوشہ سے مفصل اور مدلل جواب مطلوب ہے عین کرم ہوگا۔

(۳) بہشتی زیور جو وہابی مولانا اشرف علی تھانوی کی تصنیف کردہ ہے کیا مسائل شرعیہ اس کتاب سے اخذ کیا جاسکتا ہے اس کتاب کو معتبر ماننا کیسا ہے مانا جائے یا نہیں معتبر مان کر عمل کیا جائے تو کیوں اور اگر غیر معتبر مان کر نہ عمل کیا جائے تو کیوں کیا کیا خرابیاں اور غلطیاں ہیں کچھ لوگ اس کتاب کو مردود کر دیتے ہیں تو برا کہے جاتے ہیں واضح جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب ہندہ اور بکر سخت گنہگار، لائق عذاب قہار مستحق عذاب نار ہیں۔ بیشک ان کا بائیکاٹ کرنا

مسلمانوں پر لازم ہے ان کے ساتھ اسلامی تعلقات رکھنا گناہ ہے سنیت میں کچھ مدد ملنے کا بہانہ کر اس کے گھر کھانے والے گنہگار ہوئے توبہ کریں اگر حکومت اسلامیہ ہوتی تو ہندہ اور بکر زنا کاری کی صورت میں سو کوڑے مارے جاتے یا سنگسار کئے جاتے موجودہ صورت حال میں زجرو توبیخ کے لئے ان کا بائیکاٹ کرنا مسلمانوں پر لازم ہے اگر مسلمان ایسا نہ کریں تو وہ بھی سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوں گے۔

(۲) طلاق حاصل کرنے اور عدت گزارنے سے پہلے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہرگز ہرگز جائز نہیں ہو سکتا جو لوگ طلاق و عدت سے پہلے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ جائز بتاتے ہیں سخت غلطی پر ہیں توبہ کریں۔

(۳) بہشتی زیور معتبر کتاب نہیں ہے اس میں بے شمار غلطیاں ہیں ان غلطیوں کو جاننے کے لئے اصلاح بہشتی زیور کے تینوں حصوں کا مطالعہ کریں۔ ھذا ما عندی وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ر صفر المظفر ۱۳۹۰ھ

مسئلہ ۔ از شریف محمد پوسٹ و مقام شاہ پور ضلع بستی

زید ایک عورت کو کہیں سے لے آیا مگر اس کے بارے میں یہ نہیں معلوم کہ وہ عورت بلا نکاحی ہے یا نکاح شدہ ہے اس کا طلاق ہو اہے یا نہیں ہوا ہے اس کی شہادت یا ثبوت کہیں سے نہیں مل رہا ہے صرف اسی عورت کا کہنا ہے کہ ابھی میرا نکاح کہیں نہیں ہوا تھا تو اس کا کہنا معتبر ہے اور شرعی اصول سے اس کا نکاح زید پڑھا سکتا ہے شرعاً جیسا ہو ویسا جواب سے مطلع فرمائیں؟

الجواب سائل نے ظاہر کیا کہ عورت مذکورہ بمبئی سے لائی گئی ہے اور لاوارث ہے تو آجکل بمبئی کی لاوارث عورتیں چونکہ بغیر طلاق کئی کئی نکاح اکثر کیا کرتی ہیں اس لئے تاوقتیکہ یقینی طور پر ثابت نہ ہو جائے کہ عورت مذکور کسی کے نکاح میں نہیں ہے اس سے نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا اور اس سلسلے میں اس قسم کی عورت کا بیان معتبر نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ر ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۔ از عبد اللطیف مقام کسم کھور ضلع فرخ آباد۔

ہندہ کی شادی خالد کے ساتھ ہوئی تھی جس کو عرصہ ہوگیا آپس کے تعلقات خراب ہونے کی وجہ سے ہندہ کے گھر والوں نے بلا طلاق کے اس کا نکاح بکر کے ساتھ کردیا۔ عرصہ ڈیڑھ دو سال ہوئے بکر کا انتقال ہوگیا۔ اب ہندہ پریشان ہے اور خطرہ ہے کہ گناہ میں آلودہ ہوجائے خالد سے طلاق حاصل کرنے کی کوششیں کی گئیں مگر وہ کسی طرح طلاق دینے پر رضا مند نہیں ہے حالانکہ ہندہ کو اس کے پاس جانے سے انکار ہے۔ ہندہ کا کوئی سہارا بھی نہیں ہے حالات مذکورہ میں ہندہ کے لئے کیا صورت ہوسکتی ہے جس سے کہ وہ گناہ سے بھی بچ جائے اور زندگی گذارنے کے لئے کسی کے ساتھ نکاح کرلے۔ ایک صاحب نے یہ کہا کہ اب اس کے لئے ایک صورت یہ ہے کہ وہ کلمہ کفر کہہ دے پھر اس کے بعد توبہ کرکے از سر نو کلمہ پڑھ کر پھر نکاح کسی کے ساتھ کرلے کیا یہ صورت ہوسکتی ہے؟ اگر یہ ہوسکتا ہے تو کیا الفاظ ان سے کہلوا دیا جائے تاکہ نکاح کے جواز کی صورت پیدا ہوسکے مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب خالد سے طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کا نکاح اس کے گھر والوں نے بکر کے ساتھ کردیا تھا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اس نکاح کا پڑھانے والا، گواہان نیز ہندہ اور ہر وہ شخص جو اس نکاح سے راضی ہوا سب لوگ علانیہ توبہ و استغفار کریں اور جبکہ خالد طلاق نہیں دیتا تو اب ہندہ کے لئے گناہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ خالد کے ساتھ زندگی گذارے اور خدائے ذو الجلال کے قہر و جلال سے ڈرے۔ اور بغیر طلاق دوسرا نکاح ہرگز نہ کرے اور جس نے ہندہ کو کافر ہونے کا مشورہ دیا وہ اور آپ دونوں توبہ و تجدید ایمان کریں اور بیوی والے ہوں تو پھر سے نکاح کریں اس لئے کہ اس نے کافر ہونے کا مشورہ دیا اور آپ کافر بنانے پر راضی ہو کر مجھ سے اس کا طریقہ پوچھتے ہیں۔ اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں فقہ کا مشہور مسئلہ ہے الرضا بالکفر کفر یعنی کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے اور مسلم عورت اگر کافر ہوجائے تو کسی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی۔ اور اگر پھر مسلمہ ہوجائے تو پہلے شوہر کو چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتی۔ ھکذا فی الکتب الفقھیۃ وھو تعالٰی سبحانہ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از یزدان حجام موضع کرطھیا۔ رُدھولی ضلع بستی

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی ہندہ رخصت ہوکر زید کے وہاں گئی کچھ دنوں کے بعد زید نے اپنی

بیوی ھندہ سے منہ موڑ لیا اور اس کے کھانے کپڑے اور دیگر ضروریات زندگی کی خبر نہیں لیتا اور نہ طلاق دیتا ہے۔ اس کے بعد ہندہ اپنے میکے چلی آئی اور تین سال یہیں رہ گئی اس درمیان میں بھی زید نے ہندہ کی کچھ خبرگیری نہیں کی اور وہ پردیس چلا گیا ادھر ہندہ کے والدین کی رضا سے بکر ہندہ کو اپنے یہاں رخصت کرا لایا اور پانچ مہینہ سے ویسی ہی رکھے ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ غیر مطلقہ کو بکر جو رکھے ہوئے ہے اس پر شریعت کا کیا حکم نافذ ہوگا؟ اور ان دونوں کے لئے کیا صورت ہے کہ از روئے شرع صحیح طور پر زندگی گزار سکیں نیز ہندہ زید سے طلاق نہ لے سکے یا زید طلاق نہ دے تو ہندہ اپنی زندگی کس طرح گذارے؟

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب ہندہ اور بکر پر واجب ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور اپنے گناہوں سے علانیہ توبہ و استغفار کریں اگر وہ دونوں ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سلام و کلام اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات نہ رکھیں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

ہندہ کو چاہئے کہ جس طرح بھی ہو سکے اپنے شوہر زید سے طلاق حاصل کرے پھر عدت گزار کر جس کے ساتھ چاہے نکاح کر سکتی ہے اگر زید طلاق نہ دے تو ہندہ صبر کرے اور نفس کشی کے لئے اکثر روزہ رکھے ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۴ رجاد الاخری ۱۳۸۰ھ

مسئلہ از حقیق اللہ موضع دسیا پوسٹ چتیا ضلع بستی

زید کا زینب سے نکاح ہوا کچھ دنوں کے بعد زید نے زینب کے ساتھ ہمبستری و تنہائی ہونے سے پہلے زینب کو ان الفاظ سے طلاق دی۔ میں زینب کو طلاق دیتا ہوں، میں زینب کو طلاق دیتا ہوں، میں زینب کو طلاق دیتا ہوں۔ اس طلاق کے بعد زینب نے دوسرے سے نکاح کیا دوسرے شوہر نے بھی ہمبستری و تنہائی سے پہلے طلاق دے دی۔ پھر زینب نے پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہا تو لوگوں نے کہا کہ بغیر حلالہ نکاح نہیں ہوگا۔ تو زینب نے تیسرے آدمی سے نکاح کیا اور ایک رات گذرنے کے بعد اس نے بھی طلاق دے دی، تو اب عورت مذکورہ پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب اگر شوہر اول نے واقعی دخول سے پہلے مذکورہ الفاظ کے ساتھ زینب کو طلاق دی تھی تو اب پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن تیسرے شوہر نے اگر ہمبستری یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی ہو تو عدت گذرنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے اور اگر تیسرے شوہر نے ہمبستری یا خلوت صحیحہ نہیں کی تھی اور طلاق دے دی تو اس صورت میں چونکہ عدت نہیں اس لئے شوہر سے فوراً نکاح کر سکتی ہے اگر کوئی اور وجہ مانع جواز نہ ہو۔ هذا ما ظهر لی والعلم عند الله تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ر جمادی الاولٰی ۹۸ھ

مسئلہ۔ از سبحان علی محلہ ہدی پور بنگلہ ۱۱ گورکھپور

رستم علی کا نکاح قمرالنساء کے ساتھ ہوا رستم علی نے ابھی قمرالنساء سے ہمبستری نہیں کی تھی اور نہ دونوں میں تنہائی ہوئی تھی کہ قمرالنساء ایک دوسرے کے ساتھ فرار ہو گئی تو رستم علی نے دوسرا نکاح کر لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ قمرالنساء اگر دوسرا نکاح کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہوگی۔ رستم علی اسے نہ تو رکھنا چاہتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب صورت مسئولہ میں قمرالنساء رستم علی سے طلاق حاصل کرنے کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح ہرگز نہیں کر سکتی پھر اگر رستم علی نے طلاق دیدی اور طلاق کے وقت قمرالنساء حاملہ نہیں تو بعد طلاق فوراً نکاح کر سکتی ہے کہ اس صورت میں عدت نہیں اور اگر بوقت طلاق حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ رستم علی پر لازم ہے کہ یا تو قمرالنساء کا نان ونفقہ وغیرہ ادا کرے اور یا تو اسے طلاق دیدے۔ اور اگر رستم علی اسے رکھنا نہیں چاہتا اور نہ طلاق دیتا ہے تو مسلمان اس پر ہر طرح کا دباؤ ڈال کر دونوں باتوں میں سے ایک بات کرنے پر مجبور کریں۔ اور قمرالنساء جو دوسرے کے ساتھ فرار ہو گئی تھی تو یہ گناہ عظیم ہے قمرالنساء اپنے اس گناہ سے علانیہ توبہ واستغفار کرے اور نماز کی پابندی کرے۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از عاشق علی شاہ روضہ شریف پوسٹ انچپور ضلع گونڈہ

خالد نے ہندہ کے ساتھ شادی کی اس کے بعد لڑکے کا فعل خراب یعنی جواڑی اور شرابی ہوگیا جس وقت شادی ہوئی لڑکی بالغ تھی۔ شادی ہوئے عرصہ ایک سال ہوگیا خالد گونا نہیں لے گیا ابھی تک اور نہ لے جانے کا ارادہ ہے اور نہ طلاق دیتا ہے ـــــ ہندہ لڑکی کی شادی دوسری نہیں کی جاتی ہے تو لڑکی خودکشی کرنے پر آمادہ ہے اب ایسی صورت میں ہندہ کے گھر والے کیا کریں؟

الجواب گاؤں کی پنچایت یا حکام کی دباؤ سے یا پیسہ دے کر جس طرح بھی ہوسکے طلاق حاصل کی جائے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرنا حرام ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اگر لڑکی خودکشی کرے گی تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑے گی حرام موت مرے گی جہنم کا ایندھن بنے گی اور اپنی دنیا و دین برباد کرے گی۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۔ از محمد صدیق پرتاپگڈھی کرمت ابیبی سخت چال ہے سائز گراؤنڈ فلور۔ بھائی کھڈا اسٹیشن روڈ بمبئی ۱۱

زید نے اپنی منکوحہ ہندہ کو طلاق دیا اور اسے اس کے رشتہ داروں کے یہاں پہونچا دیا۔ زید نے اور اس کے احباب نے طلاق کی وجہ اور طلاق کی تاریخ اس کے یعنی ہندہ کے رشتہ داروں کو بتایا مگر ہندہ کے رشتہ داروں نے ہندہ کی عدت پوری ہونے سے قبل ہی ہندہ کا نکاح ایک شخص سے کردیا۔ نکاح کے وقت بھی کچھ لوگوں نے عدت کے متعلق توجہ دلائی مگر وہ لوگ نہ مانے اور نکاح کردیا۔ اب جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا شریعت مطہرہ کی رو سے وہ نکاح قابل قبول ہے؟ برائے کرم حضور والا قرآن کریم و احادیث مبارکہ کی روشنی میں شرعی حکم سے مطلع فرما کر شکریہ کا موقعہ مرحمت فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب بعون الملک الوھاب: طلاق والی عورت اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ پارہ ۲۸ سورۂ طلاق میں ہے وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اور طلاق والی مدخولہ عورت اگر آئسہ یعنی پچپن ۵۵ سالہ یا نابالغہ ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے جیسا کہ پارہ ۲۸ سورۂ طلاق میں ہے وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ۔ اور طلاق والی مدخولہ عورت اگر حاملہ نابالغہ یا پچپن ۵۵ سالہ نہ ہو یعنی حیض والی ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ یہ تین حیض تین ماہ یا تین ۳ سال یا اس سے زیادہ میں آئیں کما قال اللہ تعالیٰ والمطلّقٰت یتربصن بانفسهن

ثلثۃ قروء (پارہ ۲ رکوع ۱۲) اور طلاق والی غیر مدخولہ عورت کے لئے کوئی عدت نہیں جیسا کہ (پارہ ۲۲ رکوع ۳) میں ہے) اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا اعوام میں جو مشہور ہے کہ طلاق والی عورت کی عدت تین مہینہ تیرہ دن ہے تو یہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ صورت مستفسرہ میں اگر عورت مدخولہ تھی اور قبل انقضائے عدت نکاح کیا گیا تو شرعاً وہ نکاح ناجائز ہے ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں۔ عورت اور مرد نیز نکاح کرنے والے عورت کے رشتہ دار، نکاح خواں، گواہ، حاضرین مجلس نکاح اور ہر وہ آدمی جو اس نکاح سے راضی تھا سب کے سب گنہگار لائق عذاب قہار ہوئے۔ سب پر علانیہ توبہ واستغفار کرنا اور نکاح مذکور کے ناجائز ہونے کا اعلان کرنا اور عورت و مرد کو ایک دوسرے سے الگ ہو جانا واجب ہے اگر وہ لوگ ایسا نہ کریں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۰ر جمادی الاُخریٰ ۱۳۸۷ھ

مسئلہ۔ مرسلہ مولوی محمد الیاس مہرونا بھاٹ پاررانی بازار۔ ضلع دیوریا۔

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

دریں مسئلہ علمائے دین ومفتیان شرع متین چہ می فرمایند کہ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو ایک بار طلاق دیا پھر بیس سال کے بعد زید نے ہندہ کو راضی کرکے نکاح کیا اور پھر دوسرا طلاق دیا۔ پھر تقریباً پانچ سال کے بعد زید نے ہندہ سے نکاح کیا پھر تیسرا طلاق دینے کے بعد ہی بغیر حلالہ کے زید نے ہندہ سے نکاح کر لیا آیا یہ سب نکاح درست ہوئے یا ناجائز ہوئے اور زید کے لئے ہندہ حرام ہے یا حلال؟

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مسئولہ میں زید نے اگر پہلی اور دوسری مرتبہ ایک ایک طلاق دی تھی تو طلاق کے بعد پہلا اور دوسرا نکاح شرعاً درست ہو گیا تھا پھر تیسری طلاق کے بعد ہندہ زید پر ایسی حرام ہو گئی کہ بغیر حلالہ زید سے نکاح ہرگز ہرگز منعقد نہ ہوا۔ زید و ہندہ پر واجب ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور علانیہ توبہ کریں نیز آپس میں میاں بیوی کے تعلقات ہرگز ہرگز قائم

رکھیں اگر وہ دونوں ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ اور اگر شوہر اوّل کی پہلی یا دوسری طلاق کے بعد ہندہ نے کسی دوسرے سے نکاح کیا ہو اور شوہر ثانی نے ہمبستری کے بعد طلاق دی ہو اور بعد عدت شوہر اول سے نکاح کیا ہو تو تیسرا نکاح بھی شرعاً منعقد ہوگیا۔ ھٰذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی المولیٰ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۸ ذی القعدہ ۱۳۸۶ھ

مسئلہ۔ از محمد سعید ساغر صدیقی مقام ترری پوسٹ بھروٹیا ضلع بستی

زید کی بیوی کو بکر لے آیا بغیر طلاق کے اسے اپنی بیوی کی طرح رکھتا ہے۔ عرصہ تین ماہ کے بعد زید نے طلاق دی اور بکر نے صرف بارہ تیرہ دن کے بعد اس سے عقد کرلیا۔ عمرو نے نکاح پڑھا شریعت کی نظر میں کہاں تک یہ مسئلہ جاتا ہے۔ اور عمرو پر بھی کوئی خمیازہ ہوتا ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی صاف صاف جواب سے نوازیں کیا نکاح واقع ہوا یا نہیں اور اگر پھر دوبارہ نکاح کرے تو کتنے دنوں کی عدت پر؟ بینوا توجروا

الجواب مطلقہ اگر نابالغہ یا آئسہ یعنی (پچپن سالہ) ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور اگر نابالغہ حاملہ اور آئسہ نہ ہو یعنی حیض والی ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ تین حیض تین ماہ یا تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں۔ ھذا خلاصۃ ما فی الکتب الفقھیۃ۔ صورت مستفسرہ میں اگر وہ عورت زید کی مدخولہ نہیں تھی تو بکر کے ساتھ نکاح منعقد ہوگیا اور اگر مدخولہ تھی اور قبل انقضائے عدت بکر نے نکاح کیا تو وہ نکاح منعقد نہ ہوا اس صورت میں عورت مرد کا ایک دوسرے سے الگ ہوجانا اور دونوں کا علانیہ توبہ واستغفار کرنا واجب ہے اگر وہ ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ اور نکاح خواں عمرو کو اگر اس بات کا علم تھا کہ ابھی عدت نہیں ختم ہوئی ہے اس کے باوجود اس نے بکر کے ساتھ نکاح پڑھا تو عمرو سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہے عمرو پر بھی علانیہ توبہ واستغفار کرنا اور نکاح مذکور کے باطل ہونے کا اعلان کرنا واجب ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بھی بائیکاٹ کریں بکر بعد ختم عدت دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از سید محمد قادری جامع مسجد دبھوئی ضلع بڑودہ (گجرات)

۱۔ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو تین طلاقیں مع مہر کے تحریر لکھ کر دی اور جانے کی اجازت دیدی چونکہ ہندہ کا والد وغیرہ نہیں ہے اس لئے ہندہ کسی اپنے رشتہ دار کے گھر رہنے چلی گئی ابھی صرف نو دن یا پندرہ دن طلاق کو گذرے تھے کہ کچھ لوگوں نے مل کر ہندہ کے مرضی کے مطابق اس کا دوسرا نکاح کر دیا چونکہ نکاح عدت میں ہوا ہے اس لئے دریافت طلب یہ ہے کہ وکیل گواہ وقاضی دیگر جو لوگ اس شادی میں شریک ہوئے ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے چونکہ قاضی ایک مسجد کا امام ہے ایسے کے پیچھے نماز درست ہے کہ نہیں ؟ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

۲۔ ایک گاؤں کا امام نسبندی کرا چکا ہے آج عرصہ دو سال کا ہوا اور امامت کرتا ہے اور نکاح وغیرہ بھی پڑھتا ہے لہٰذا از روئے شرع ایسے کے پیچھے نماز درست ہے کہ نہیں ؟ اور آج تک جو نماز پڑھی گئی اس کے پیچھے اور نکاح پڑھایا جائز ہے کہ نہیں ؟ پڑھی گئی نماز و نکاح کا دوبارہ لوٹانا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب:- اگر طلاق کے بعد عورت کو بچہ نہ پیدا ہو تو نو دن میں عدت ختم ہو جانے کی کوئی صورت نہیں لہٰذا اگر جان بوجھ کر عورتِ مذکورہ کا نکاح عدت کے اندر دوسرے سے ہوا تو وہ نکاح باطل ہے ہرگز ہرگز منعقد نہ ہوا قال اللہ تعالیٰ والمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء (پ۲ ع۱۲)

عورت مرد میاں بیوی بننے والے، گواہ، وکیل، نکاح خواں اور ہر وہ شخص کہ جس کی رائے سے عدت میں نکاح ہوا یا شادی میں شریک ہوا سب لوگ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے ان سب پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا واجب ہے اور میاں بیوی بننے والوں پر لازم ہے حرام کاری نہ کریں فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور قاضی جس نے زنا کاری و حرام کاری کا دروازہ کھولا ہے وہ لوگوں کے سامنے علانیہ توبہ و استغفار کرنے کے ساتھ نکاح مذکورہ کے باطل ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاح کا پیسہ بھی واپس کرے اگر یہ سب لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں اور قاضی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھیں قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (پ۷ ع۱۴) وھو تعالیٰ اعلم۔

۲۔ امام مذکور نے اگر نسبندی کے بعد توبہ کر لی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ نہیں ورنہ ہے۔ اور نکاح کا دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں خواہ توبہ کے بعد پڑھایا ہو یا پہلے

اس لئے کہ کافر بھی نکاح پڑھائے تو ہوجاتا ہے اگرچہ اس سے پڑھوانا گناہ ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۴ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

مسئلہ۔ از عبد الحق عرف کلو بنگو اپوسٹ مہدیا ضلع گونڈہ۔

زید کا ہندہ سے عقد ہوا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ زید کو نو سال گزر گئے بغیر طلاق دئے ہوئے ممبئی چلا گیا نہ ہندہ کو لے جاتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے۔ اور ہندہ اپنے میکہ میں رہتی ہے۔ اب ہندہ بغیر طلاق حاصل کئے ہوئے دوسرا عقد کرسکتی ہے یا نہیں؟ بکر کا کہنا ہے کہ زید کے والدین اگر زید کی بیوی ہندہ کو دوسرا عقد کرنے کی اجازت دیدیں تو وہ کرسکتی ہے؟

الجواب ہندہ زید سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ہرگز نہیں کرسکتی۔ بکر کا قول باطل ہے اس لئے کہ شریعت نے طلاق دینے کا اختیار شوہر کو دیا ہے نہ کہ شوہر کے والدین کو قرآن مجید پارہ دوم میں ہے بیدہ عقدۃ النکاح وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۶ رجب المرجب ۱۳۹۰ھ

مسئلہ۔ از رئیس الزماں ساکن بیبیا پور پوسٹ پڑھی ضلع رائے بریلی

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی اور تقریباً پانچ سال تک زید کے ساتھ گزاری اس کے بعد کسی شناسا کے ساتھ زید کے گھر بیت سے زیورات لے کر فرار ہوگئی۔ اور اس نے زید کے متعلق عنینیت کا الزام لگایا لیکن ایک سال کے بعد زید نے دوسری شادی کی اور اس سے اولاد بھی ہوگئی۔ زید کی شادی ہوجانے کے بعد اس کے بھائی زید سے طلاق لینے کے لئے آئے اس پر زید نے کہا کہ میں طلاق دینے کو تیار ہوں جب کہ آپ لوگ ہمارے زیورات واپس کردیں۔ اور ہم سے مہر کی رقم لے جائیں لیکن وہ لوگ زیورات دینے پر راضی نہ ہوئے اور اس ہندہ لڑکی کی شادی دوسری جگہ کردی جب برادری نے ان کا بائیکاٹ کیا تو انھوں نے ایک عذر لنگ پیش کیا کہ چونکہ زید وہابی شخص ہے۔ لہذا اس کے ساتھ کبھی نکاح صحیح ہی نہیں ہوا تھا۔ تو کیا ایسی صورت میں ان کی یہ دلیل صحیح ہے؟ اور ہندہ کا نکاح ثانی صحیح ہے اور زید کے زیورات کا ناجائز ہڑپ کرجانا کیسا ہے؟ جب کہ زید ہندہ کو پورا پورا مہر دینے پر تیار ہے۔ برائے مہربانی جواب مفصل

تحریر فرمائیں؟

الجواب زید اگر واقعی بوقت نکاح وہابی مرتد تھا تو نکاح نہ ہوا۔ اور اگر بعد نکاح مرتد ہوا تو نکاح جاتا رہا۔ اور اگر مرتد نہیں تھا بلکہ وہابی گمراہ تھا اور ہندہ کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی غیر نے حالت نابالغی میں گمراہ وہابی کے ساتھ کر دیا تھا۔ یا باپ دادا نے ہی حالت نابالغی میں ہندہ کا نکاح گمراہ وہابی کے ساتھ کیا تھا۔ اور ان کا سوء اختیار معلوم تھا تو ان صورتوں میں نکاح نہ ہوا۔ طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن اگر زید وہابی نہیں تھا اور سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ لڑکی والوں کی طرف سے یہ غلط الزام ہے۔ تو دوسرا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا۔ ہندہ اور اس کے بھائی وغیرہ اللہ واحد قہار کے عذاب سے ڈریں۔ اور زناکاری وحرام کاری کا دروازہ بند کریں یعنی ہندہ نئے شوہر سے میاں بیوی جیسا تعلق نہ پیدا کرے اس سے دور رہے طلاق حاصل کرنے اور عدت گزارنے کے بعد اگر چاہے تو اس سے نکاح کرے۔ سب مسلمان ہندہ اور اس کے بھائی کو ایسا کرنے پر مجبور کریں۔ اگر وہ نہ مانیں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (پ۷ ع۱۴) اور زید کے زیورات کو ہندہ اور اس کے بھائی پر لازم ہے کہ اس کے سپرد کریں اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو حق العبد میں گرفتار، سخت گنہگار اور مستحق عذاب نار ہوں گے۔ قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الیٰ اھلھا (سورۂ مائدہ رکوع اول)

وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۴ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ ۔ از شمشاد احمد مدرس مدرسہ احسان العلوم کھرہوا پوسٹ کوٹھوی ضلع گورکھپور

ہندہ کی شادی زید کے ساتھ ہوئی بعدہٗ زید بمبئی چلا گیا اور دو سال تک وہیں رہا ہندہ کے گھر والوں کو معلوم ہے کہ زید بمبئی میں ہے اس کے باوجود ان لوگوں نے ہندہ کی شادی بکر کے ساتھ کر دی پھر زید دو سال بعد بمبئی سے آیا تو بکر نے کوشش کر کے زید سے طلاق حاصل کیا اور اب بھی ہندہ کو بکر بغیر دوسرے نکاح کے رکھے ہوئے ہے زید کے طلاق دینے سے پہلے جو نکاح کیا تھا اسی پر آباد کئے ہوئے ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا دوسرا نکاح جو بکر کے ساتھ ہوا وہ منعقد ہوا یا نہیں اور بغیر زید سے طلاق حاصل کئے ہوئے

جو ہندہ کے گھر والوں نے اس کی شادی بکر کے ساتھ کر دی ان پر از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب ہندہ کا نکاح جبکہ زید کے ساتھ ہوا تھا تو زید سے طلاق حاصل کرنے کے پہلے جو نکاح بکر کے ساتھ ہوا وہ ہرگز جائز نہ ہوا۔ ہندہ بکر اور ان دونوں کے گھر والوں کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے اور ان سب سے پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کا عہد لیا جائے نیز میلاد شریف و قرآن خوانی کرنے غرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا وچٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے بلکہ ہر وہ شخص جو اس غلط نکاح سے راضی ہوا یا ایسے لوگوں کے ساتھ کھاتا پیتا رہا ان سب کو توبہ کرائی جائے اور اس غلط نکاح کے گواہ و نکاح خواں کو بھی علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے۔ اور نکاح پڑھنے والے پر لازم ہے کہ وہ نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور ہندہ و بکر پر واجب ہے کہ ایک دوسرے سے الگ رہیں پھر ہندہ بعد عدت جس سنی صحیح العقیدہ سے چاہے نکاح کرے ہندہ اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے پر ختم ہوگی قال اللہ تعالیٰ واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (پ ۲۸ سورۂ طلاق) اور اگر حمل والی نہیں ہے بلکہ حیض والی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ تین حیض تین ماہ یا تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں اور عوام میں جو مشہور ہے طلاق والی عورت کی عدت تین مہینہ تیرہ دن ہے تو یہ بالکل غلط ہے بے بنیاد ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ ہندہ و بکر اگر نکاح صحیح سے پہلے میاں بیوی کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ رہیں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ وَاِمَّا ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین (پ ۷ ع ۱۴) وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ر جمادی الاخریٰ ۱۴۰۰ھ

مسئلہ۔ مشتاق احمد ساکن کرنیا ڈاکخانہ شنکر پور رسیا باذار ضلع بہرائچ شریف

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی۔ ہندہ کے والد نے بغیر طلاق دوسرے سے ہندہ کا نکاح کر دیا از روئے شرع نکاح خواں و شرکاء نکاح اور ان کے یہاں کھانا پینا یا کھلانا پلانا کیسا ہے مفصل جواب بحوالۂ کتب معتبرہ نوازیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں ہندہ، اس کا بننے والا شوہر اور باپ سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں

ہندہ پر لازم ہے کہ نئے بنتے والے شوہر سے فوراً الگ ہوجائے اور اس کے باپ کو چاہئے کہ اپنی لڑکی کو واپس لاکر یا تو زید شوہر اول کے پاس بھیجے اور یا تو باقاعدہ طلاق لیکر شرعی طریقہ سے دوسری جگہ شادی کرے اور تینوں علانیہ توبہ واستغفار کریں۔ اگر یہ سب ایسا نہ کریں تو مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں۔ اور نکاح خواں وغیرہ جتنے لوگ بھی جان بوجھ کر اس ناجائز نکاح میں شریک ہوئے سب توبہ واستغفار کریں۔ اور نکاح خواں وگواہ نکاح کا پیسہ بھی واپس کریں اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کے ساتھ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا اور سلام وکلام بند کریں ورنہ وہ بھی گنہگار رہوں گے قال اللہ تعالیٰ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پ ۷ ع ۱۴) وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۹ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۔ از گورکھپور

ایک عورت ہے جو کہ لاوارث ہے اور وہ کہتی ہے کہ میرا طلاق ہو چکا ہے۔ یہاں تک وہ حلف بھی اٹھانے کو تیار ہے لہٰذا کس صورت میں اس کا نکاح درست ہے۔ اور وہ مسلمان ہے بہت پریشان ہے جواب سے مطلع کریں۔

الجواب آجکل بہت سے لوگ دوسرے علاقوں سے عورتیں لے آتے ہیں اور پیسے لے کر کسی کے سپرد کر دیتے ہیں۔ وہ شخص اپنی بیوی بنالیتا ہے۔ پھر اس قسم کی عورتیں عموماً ایک جگہ سے دوسری اور تیسری جگہ بھاگتی رہتی ہیں۔ اور غلط بیان وجھوٹی قسم کھاکر نکاح بیاہ کرتی رہتی ہیں لہٰذا تاوقتیکہ یقینی طور پر ثابت نہ ہوجائے کہ یہ عورت کسی کے نکاح یا عدت میں نہیں ہے۔ اس وقت تک صرف عورت کے بیان پر اس کے ساتھ نکاح کے جواز کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۲ ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از محمد یوسف۔ موضع الرباش خاص پوسٹ نہری بازار گورکھپور

ہندہ کی شادی نابالغی کی حالت میں ہوئی۔ اور بالغ ہونے کے بعد ایک بار رخصتی ہوئی پھر اس کی خالہ اس کو بھگا کر کلکتہ لے گئی۔ اور اپنے لڑکے کے ساتھ اس کا نکاح کردیا۔ کئی سال کے بعد ہندہ اپنے

میکہ آئی۔ تو اس کے پہلے شوہر نے طلاق دی۔ طلاق کے بعد تین سال وہ بیٹھی رہی۔ پھر اس نے اپنی شادی کرنی چاہی۔ تو اس کی خالہ نے مخالفت کی۔ مگر حافظ صاحب نے نکاح پڑھ دیا۔ تو اس کی خالہ کی حمایت کرنے والے حافظ صاحب کو مجرم ٹھہراتے ہیں۔ تو حافظ صاحب کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب اگر شوہر اول کے طلاق دینے سے پہلے ہندہ کی خالہ نے اس کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ کیا تو وہ نکاح ہرگز نہ ہوا۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کے لڑکے سے طلاق لینے کی ضرورت نہیں۔ اور پھر ثانیاً نکاح اگر پہلے شوہر کے طلاق دینے کے بعد ہوا اور عدت گزر گئی تھی۔ تو نکاح جائز ہو گیا۔ اور اس صورت میں نکاح پڑھنے والے پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا ہے۔ وھو سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از غلام دستگیر موضع مٹھیاں پوسٹ ہریا ضلع بستی۔

۱۔ زید ہندہ کو اپنی بیوی بنانے کے لئے ایک غیر معروف مقام سے لایا تو لوگوں نے اس سے طلاق نامہ مانگا۔ تو ہندہ نے یہ بیان دیا کہ میرا شوہر مر گیا ہے اسی بات پر ہندہ کا نکاح زید سے کر دیا گیا۔ پھر ہندہ کے دو بھائی آئے تو ان لوگوں نے بتایا کہ اس کا شوہر زندہ ہے لیکن طلاق دے دیا تھا۔ ایسی صورت میں ہندہ کا جو نکاح زید کے ساتھ پڑھا گیا اس کا کیا حکم ہے؟ اور ہندہ پر جھوٹ بولنے کے سبب کیا جرم عائد ہوتا ہے

۲۔ نکاح کے موقع پر ایک آدمی نے ولی بن کر گواہی دیا تھا کہ ہندہ کا شوہر مر گیا ہے اس کے اوپر شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب آج کل عام طور پر لوگوں کو اللہ و رسول جل مجدہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خوف نہیں رہ گیا ہے اور بلا کھٹک جھوٹ بولا جا رہا ہے لہٰذا صرف عورت کے بیان پر زید کے ساتھ جو اس کا نکاح کر دیا گیا۔ یا بعد میں ہندہ کے بھائیوں کے بیان پر کہ اس کے شوہر نے طلاق دے دی ہے اس نکاح کے صحیح ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا۔ لہٰذا نکاح خواں پر لازم ہے کہ وہ نکاحانہ پیسہ واپس کریں کیونکہ پیسہ ہی کے لئے لوگ بلا تحقیق نکاح پڑھا دیا کرتے ہیں۔ اور جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے وہ عورت سے میاں بیوی کے تعلقات نہ قائم کرے۔ اور دو عادل شخص جا کر اس کے شوہر سے بیان لیں۔ اگر واقعی اس نے طلاق دی ہے۔ اور بعد عدت نکاح ہوا ہے تو اس کے صحیح ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ اور اگر طلاق نہیں دی ہے

یادی ہے مگر عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح ہوا ہے تو نکاح صحیح نہ ہوا۔ طلاق نہ دینے کی صورت میں شوہر کے پاس عورت کو واپس کرے۔ اور عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح ہوا تو بعد عدت دوبارہ نکاح کرے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۔ جس شخص نے گواہی دی تھی کہ ہندہ کا شوہر مرگیا ہے۔ اگر اس کی گواہی بعد تحقیق جھوٹی ثابت ہوا تو اس پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے وھو سبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۲ ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ ہمکو رئیس النساء دختر حیدر خاں موضع گاڑے گھاٹ تھانہ کلواری تحصیل ضلع بستی کی ہوں میرے باپ حیدر خاں کا انتقال ہوگیا میری ماں جوان ہے عدت پورا کرنے کے بعد دوسرا نکاح اپنا کرلیا اور اس کے گھر چلی گئیں مجھے میرے چچا وغیرہ نے اپنے گھر میں رکھا سال بھر کے بعد جب میں بالغ ہوگئی تو میری شادی نعیم الدین ولد سعید موضع گنیش پور کر دیا اور رخصت کر دیا میں اپنے گھر سسرال میں رہنے لگی سال بھر خیریت سے بسر ہوا اس کے بعد میرے شوہر اور جیٹھ میرے ساتھ ظلم و ستم کرنے لگے مارنے پیٹنے لگے ایک ایک ہفتہ مجھے کھانا نہیں دیا جب بھوک سے نہیں رہا جاتا تھا تو گھاس نوچ کر کھا کر پانی پیتی تھی تین سال اس طرح بسر ہوگیا جب اور ظلم کرنے لگے تو میں اپنی جان دینے پر تیار ہوئی میرے چچا وغیرہ نے میری خبر نہیں لیا میری پھوپھی پہونچ گئیں مجھے اپنے گھر لائیں اور سال بھر اپنے گھر رکھا اس کے بعد اپنے گاؤں میں عظیم الدین کے ساتھ نکاح کر دیا طلاق ہم کو ہوا نہیں ہے اس گاؤں گوبند اپور میں ایک مولوی صاحب مکتب پڑھانے آئے ہیں کہتے ہیں کہ تمہارا نکاح درست نہیں ہے تو میں نے طلاق لینے کے لئے دو آدمی اور عظیم الدین کو گنیش پور بھیجا تو نعیم الدین کے بڑے بھائی نے منع کر دیا کہ طلاق نہ دو طلاق نہیں دیا نعیم الدین نے تو آپ علماء دین سے استدعا ہے کہ مجھ کم نصیب گنہگار کو خلع دینے کا راستہ طریقہ لکھئے کہ میں خلع دے کر اپنا نکاح کروں توبہ کروں اس لفافہ کے اندر لفافہ رکھتی ہوں کہ آپ لوگ جلد خبر دو اور نعیم الدین اپنی دوسری شادی کر لیا ہے اس وقت بمبئی میں ہے نعیم الدین تو خلع کیسے ہو اور نہ دیا جاوے تو کس طرح میں گنہگار رہتی ہوں مصیبت میں۔

الجواب بیشک مولوی صاحب نے صحیح کہا پہلے شوہر نعیم الدین سے طلاق حاصل کئے بغیر عظیم الدین کے ساتھ نکاح ہرگز نہ ہوا رئیس النساء اور عظیم الدین پر لازم ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور علانیہ

توبہ واستغفار کریں اور اس نکاح کا پڑھانے والا قاضی، گواہ اور ہر وہ شخص جو اس نکاح سے راضی رہا سب توبہ کریں اور قاضی پر یہ بھی لازم ہے کہ اس نکاح کے باطل ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اگر رئیس النساء و عظیم الدین ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے شوہر کو روپیہ دے کر طلاق حاصل کرنے کو خلع کہتے ہیں عظیم الدین کو چاہئے کہ نعیم الدین سے بیبی بی طے روپیہ پیسہ دے کر یا ڈرا دھمکا کر جس طرح بھی ہوسکے اس سے طلاق حاصل کرے پھر بعد عدت رئیس النساء سے نکاح کرے اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے ڈرے رئیس النساء کے ساتھ حرام کاری نہ کرے۔ وھو اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ ۔ از محمد ادریس قصبہ اچولی ضلع بارہ بنکی (یوپی)

زید کی بیوی ہندہ غیر مطلقہ اپنے میکے میں عرصے سے رہ رہی تھی زید کئی بار لینے گیا لیکن ہندہ کے والدین بھیجنے کے لئے رضامند نہ ہوئے۔ اسی اثنا میں ہندہ کے والدین نے یہ کہہ کر کہ ہم نے طلاق کا فتویٰ لے لیا اور اس کا نکاح دوسرے کے ساتھ کر دیا جبکہ زید نے طلاق نہیں دیا ہے۔ لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ نکاح درست ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں تو اس میں دیدہ و دانستہ شرکت کرنے والوں اور ناکح جس نے جان بوجھ کر یہ نکاح پڑھایا ان سب کے لئے شریعت نے کیا حکم کیا ہے؟ نیز ناکح کی امامت کیسی ہے؟ اور جتنی نمازیں اب تک اس کے پیچھے پڑھی گئی ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے آگاہ فرمائیں؟ بینوا توجروا

الجواب حدیث شریف میں ہے الطلاق لمن اخذ بالساق لہٰذا اگر شوہر نے طلاق نہیں دی ہے تو کسی کے فتویٰ لکھ دینے سے طلاق نہیں واقع ہوئی طلاق شوہر سے حاصل کئے بغیر جو نکاح کیا گیا وہ ہرگز ہرگز درست نہ ہوا۔ جس نے دیدہ و دانستہ نکاح مذکور پڑھا اور جو لوگ جان بوجھ کر اس نکاح میں شریک ہوئے وہ سب کے سب زنا کا دروازہ کھولنے والے سخت گنہگار مستحق عذاب نار ہیں ان سب پر علانیہ توبہ و استغفار لازم ہے۔ اور نکاح خواں پر لازم ہے کہ نکاح مذکور کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے۔ اس کی امامت ناجائز ہے قبل توبہ جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان سب کا اعادہ لازم ہے وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ۔ از محمد رفیق روضہ ضلع گونڈہ

ہندہ کی شادی زید سے ہوئی تھی عرصہ قریب ۱۵ سال ہوا زید کا انتقال ہوگیا۔ ہندہ کا ناجائز تعلق بکر سے ہوگیا۔ اور اسی سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ قریب ۱۲ سال کا ہے۔ کیا ہندہ کا نکاح بکر سے کیا جا سکتا ہے؟

الجواب جبکہ ہندہ کسی کے نکاح اور عدت میں نہیں ہے اور بکر سے اس کا ناجائز تعلق بھی ہے۔ تو فوراً اس کا نکاح بکر سے کردیا جائے۔ تاکہ دونوں حرام کاری سے بچ جائیں۔ اور بغیر نکاح جو ہندہ اور بکر کے درمیان ناجائز تعلق رہے تو دونوں سخت گنہگار ہوئے۔ ان کو علانیہ توبہ واستغفار کرایا جائے۔ پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے۔ اور میلاد شریف وقرآن خوانی وغرباء ومساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے۔ کہ اعمال صالحہ قبول توبہ میں معاون ہوتے ہیں قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا (پ۱۹ ع۴) وھو سبحانہ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲ر صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از منشی رضا۔ مدرسہ اہلسنت نداء الاسلام کندھئی بڑہرا پوسٹ پورندر پور۔ گورکھپور

ایک عورت چھپرا سے آئی ہے اور اس نے آنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو یہ خبر دی کہ میرا شوہر زندہ ہے اور چونکہ یہاں بکر سے دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے اپنے قول کی تاویل میں یہ کہتی ہے کہ جب میں نے یہ کہا تھا کہ میرا شوہر زندہ ہے۔ تو اس وقت میرا دماغ صحیح نہیں تھا اور حق یہ ہے کہ میرے شوہر کو انتقال ہوئے تین سال ہوگئے اور کچھ لوگ غیر معلوم طور پر اس کے مرنے کی شہادت دینے کو تیار ہیں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کے اس تاویل پر اور غلط شہادت کی وجہ سے ہندہ کا دوسرا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ظاہر یہ ہے کہ عورت مکر وفریب سے کام لے رہی ہے۔ اس لئے جب تک کہ یقینی طور پر اس کے شوہر کے مرنے اور عدت گزارنے کا علم نہ ہوجائے۔ صرف اس عورت کے بیان پر دوسرے نکاح کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اور جو لوگ غیر معلوم طور پر اس کے مرنے کی شہادت دینے کو تیار ہیں۔

ان کی شہادت لغو ہوگی۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۶ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از شان اللہ ڈہرہ پوسٹ بشیر گنج ضلع سلطانپور

زید نے اپنی بیوی کو بمبئی سے طلاق لکھ کر بھیجی۔ طلاق کے تین چار ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا۔ زید ایک سال کے بعد گھر آیا۔ بیوی اس کے گھر میں ہے۔ زید کہتا ہے کہ میں اب اپنی عورت سے راضی ہوں۔ تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب طلاق کے تین چار ماہ بعد جبکہ لڑکا پیدا ہوا تو عورت کی عدت ختم ہوگئی۔ اب اگر زید اس عورت سے راضی ہے اور تین طلاق نہیں دی تھی تو عورت کی مرضی سے نئے مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے حلالہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر تین طلاق دی تھی تو بغیر حلالہ اس سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں اگر زید بغیر حلالہ اس کو دوبارہ رکھے تو سب مسلمان سختی کے ساتھ اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از نظام الدین موضع بھتیجوا پوسٹ نیو تنواں بازار ضلع گورکھپور

خالد نے اپنی بیوی جعدہ کو تین سال تک رکھا اس کے بعد جعدہ کو طلاق دے دیا پھر خالد شادی شدہ لڑکی دوسری جگہ سے بھگا کر لایا جس کا نام ہندہ ہے اس کو سال بھر رکھا جب ہندہ حاملہ ہوچکی تو اس کو اپنے گھر سے نکال دیا پھر خالد نے تیسری لڑکی شادی شدہ دوسری جگہ سے بھگا کر لایا جس کا نام ساجدہ ہے اس اس کو تین سال تک رکھا اس سے بھی تین سال تک حرامکاری کرتا رہا ساجدہ کے شوہر کا نام عمرو ہے اس نے بھی طلاق نہیں دیا تھا تین سال کے بعد خالد نے طلاق لینے کے لئے عمرو کے پاس گیا تو عمرو نے کہا کہ مجھے چار سو روپیہ اور ایک عدد میرا زیور لیکر گئی ہے اس کو دے دو میں طلاق دے دوں گا جب خالد نے اس بات کو سنا تو وہاں سے اپنے گھر چلا آیا تو یہ بات مشہور کر دی اپنے گاؤں میں کہ وہ دیوبندی ہے ایسی پر خالد نے فتویٰ منگایا اور جب فتویٰ آیا تو حامد نے سب حرکتوں کو جانتے ہوئے خالد کا نکاح پڑھ دیا اور خالد مسجد کا امام بھی

ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں ایسی صورت میں از روئے شرع خالد پر کیا حکم ہے اور حامد جسانے نکاح پڑھا دیا اور جو اس نکاح کے گواہ ہوئے اس پر کیا حکم ہے نیز کتب معتبرہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں مع حوالہ تحریر فرمائیں؟

الجواب: خالد سخت گنہگار، ظالم جفا کار اور مستحق عذاب نار ہے اس پر علانیہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے پھر ساجدہ کا شوہر عمرو اگر واقعی وہابی ہے یعنی مولوی اشرف علی تھانوی، قاسم نانوتوی اور خلیل احمد انبیٹھی کی عبارات کفریہ قطعیہ مندرجہ حفظ الایمان ص۸ تحذیر الناس ص۳، ۱۴، ۲۸ اور براہین قاطعہ ص۵۱ پر یقینی اطلاع پاتے ہوئے مولویان مذکور کو کافر و مرتد نہیں کہتا یا مسلمانان اہلسنت کو کافر و مرتد جانتا ہے تو بمطابق فتاوی حسام الحرمین وہ وہابی مرتد ہے اس صورت میں خالد کا نکاح ساجدہ کے ساتھ ہوگیا کسی پر کوئی گناہ نہیں کہ مرتد ہونے کی وجہ سے ساجدہ کا نکاح عمرو کے ساتھ ہوا ہی نہیں تھا فتاوی عالمگیری میں ہے لا یجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذلک لا یجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط اور اگر ساجدہ کے شوہر عمرو کو وہابیوں کے کفریات قطعیہ کی خبر نہیں صرف اس کا طریقہ کار وہابیوں جیسا ہے تو وہ وہابی گمراہ ہے اس صورت میں ساجدہ کا نکاح خالد کے ساتھ نہیں جائز ہوا اور اگر عمرو سنی ہے تو اس صورت میں بھی نکاح نہیں ہوا۔ لہذا ان دونوں صورتوں میں خالد پر لازم ہے کہ فوراً ساجدہ کو اپنے سے الگ کردے اور علانیہ توبہ و استغفار کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اسکا بائیکاٹ کریں نہ اس کے پاس بیٹھیں اور نہ اس کو اپنے پاس بیٹھنے دیں قرآن مجید پارہ ہفتم رکوع ۱۴ میں ہے واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین۔ اور ان دونوں صورتوں میں مسجد کے امام حامد پر لازم ہے کہ نکاح کے جائز نہ ہونے کا اعلان عام کرے یا مسلمان توبہ و استغفار کرے اور نکاحانہ بھی واپس کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کا بھی مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور جو لوگ اس نکاح کے گواہ بنے بلکہ ہر وہ شخص جو اس نکاح سے راضی رہا سب بالاعلان توبہ و استغفار کریں۔ وھو تعالٰی اعلم

جلال الدین احمد الامجدی

۲۸ ربیع النور ۱۳۹۰ھ

مسئلہ۔ از عبدالقادر مقام سکھایارہ۔ ڈاکخانہ گادی بھرکر ضلع گریڈیہ (بہار)

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو اس وقت طلاق دی جبکہ وہ چار ماہ کی حاملہ تھی۔ بکر نے ہندہ سے عقد کر لیا۔ پانچ ماہ کے بعد جب ہندہ کو لڑکی پیدا ہوئی تو بکر نے اسے گھر سے نکال دیا۔ اور بکر اسے نہ کھانا وغیرہ دیتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ہندہ کو بکر سے طلاق حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ ہندہ کا نکاح مجھ سے حالت حمل میں ہوا اس لئے وہ از روئے شرع ہماری بیوی نہیں ہوئی۔ طلاق دینے کی ضرورت نہیں؟

الجواب جبکہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو حالت حمل میں طلاق دی تو اس کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ پارہ ۲۸ سورۂ طلاق میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ پھر بکر نے اگر یہ جانتے ہوئے کہ عورت عدت میں ہے اس سے نکاح کیا تو وہ نکاح ہی نہ ہوا۔ اس صورت میں نہ طلاق کی ضرورت ہے نہ عدت کی۔ عورت فوراً دوسرا کر سکتی ہے۔ اور اگر بکر یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ عورت عدت میں ہے اس طرح اس سے نکاح ہوا تو نکاح فاسد ہوا۔ اس صورت میں بھی طلاق کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر بکر نے بعد نکاح فاسد اس سے وطی کی ہو تو جس دن بکر نے ہندہ کو گھر سے نکالا اس دن سے عورت پر عدت واجب ہوئی۔ عدت گذارے بغیر وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی مگر نکاح فاسد کی عدت میں شوہر پر نفقہ واجب نہیں جیسا کہ جوہرہ نیرہ جلد دوم ص۱۱۸ کتاب النفقات میں ہے انما تجب فی النکاح الصحیح وعدتہ اما الفاسد وعدتہ فلا نفقۃ لھا فیہ۔ اور بکر نے اگر اسے بچہ پیدا ہونے کے بعد نکالا تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ خواہ تین حیض تین ماہ، تین سال یا اس سے زیادہ میں آئیں۔ قال اللہ تعالیٰ والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء (پ۲ ع۱۲) اور ایسی عورت مطلقہ کے حکم میں ہے۔ ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از عبد الغنی ساکن چیتیوا ضلع بستی

سنبل حسن عرف غریب اللہ ساکن چیتیوا ضلع بستی کا نکاح نشلی بنت برساتی ساکن مدھواپور ضلع بستی کے ساتھ ہوا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد غریب اللہ کے گھر والوں نے لڑکی والوں سے رخصتی کا مطالبہ کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ لڑکی ابھی بچہ ہے چھ برس کے بعد گونا دیا جائے گا۔ اس پر غریب اللہ گھر سے باہر چلے

گئے پھر لڑکی والوں نے غریب اللہ سے طلاق حاصل کئے بغیر ستلی مذکورہ کا نکاح مقام سہنیاں میں ایک دوسرے شخص سے کر دیا۔ پھر غریب اللہ چھ برس کے بعد گھر واپس ہوئے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ستلی کا نکاح جو دوسرے شخص سے ہوا وہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور ستلی کا شوہر شرعی نقطۂ نگاہ سے کون ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں ستلی مذکورہ کا جو نکاح دوسرے شخص سے کر دیا گیا وہ ناجائز و باطل ہے لقولہ تعالیٰ والمحصنٰت من النساء۔ جس طرح اس باطل نکاح سے پہلے ستلی کا شوہر غریب اللہ تھا ویسے ہی اب بھی غریب اللہ ہی ستلی کا شوہر ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ بدرالدین احمد رضوی

مسئلہ ۔ از محمد صفت پارک پار ضلع بستی

ایک عورت جس کا نکاح ایک شخص کے ساتھ ہوا تھا وہ عورت اپنے اس شوہر کے پاس نہیں گئی اور نہ تو طلاق ہوئی مگر اس عورت نے دوسرا شوہر کر لیا۔ پھر اس کو ناپسند کر کے تیسرا شوہر دوسری جگہ کر لیا۔ پھر اس کو ناپسند کر دیا۔ چوتھی دفعہ ایک اور شخص کے یہاں آئی وہ اپنے لڑکے کے ساتھ منسوب کرنا چاہتا ہے ایک نکاح پڑھنے والے صاحب جو کہ اس موضع کے امام ہیں اس شخص سے جو کہ اس عورت کو اپنی بہو بنانا چاہتا ہے کہا کہ ہمیں شبہ ہے کہ یہ عورت بلا طلاق ہے۔ اس کا نکاح پڑھنا ناجائز ہے وہ شخص اس عورت کے تیسرے شوہر کے پاس گیا اور کچھ رقم خرچ کر کے دو آدمیوں کے سامنے طلاق نامہ لکھوا لیا۔ اب اس نے اسی نکاح پڑھنے والے صاحب سے کہا کہ ہم طلاق نامہ لکھوا لائے ہیں! آپ نکاح پڑھ دیجئے۔ ان نکاح پڑھنے والے امام نے کہا کہ بھائی عدت گزر جانے دو اس کی عدت تین ماہ ہے بعد عدت نکاح ہو گی حالانکہ وہ صاحب اس واقعہ سے بخوبی واقف ہیں دیدہ و دانستہ صاف جواب نہیں دیتے ہیں۔ وہ عورت اسی نئے شوہر کے پاس ہے تو کیا یہ نکاح جائز ہے اور جو نکاح پڑھنے والے صاحب نے ایسا ہی جواب دیا اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں اس عورت کا شوہر اول کے بغیر طلاق یا موت دوسرے سے نکاح کر لینا قطعاً ناجائز و حرام ہوا۔ چہ جائیکہ تیسرا اور چوتھا نکاح۔ لہٰذا تیسرا شوہر اگر ہزار بار طلاق دے تو کچھ نہیں

جب تک کہ پہلے شوہر سے طلاق یا اسکی موت پر اس کی عدت نہ گزر جائے دوسرا اور تیسرا اور چوتھا کوئی بھی نکاح درست نہیں ہوا اور اسی فرضی نکاح کے ذریعہ جو کچھ بھی زن و شوہری تعلقات قائم ہوئے سب حرام سخت حرام ہوئے اگر ہمبستری بھی ہوئی تو خالص زنا ہوا عورت اور مرد دونوں سخت حرامکار لائق عذاب نار باعث عتاب جبار و قہار ہیں۔ دونوں پر فرض ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات ختم کرکے فوراً الگ ہو جائیں اور ان پر نکاح پڑھانے والے اور واقعہ سے باخبر ہو کر شریک نکاح ہونے والوں پر توبہ فرض ہے جب تک یہ لوگ توبہ و بیزاری ظاہر نہ کر دیں دوسرے مسلمانوں کا ان سب سے قطع تعلق کرنا واجب ہے اور جن امام صاحب نے واقعہ کو جان کر مسئلہ گول مول کر رکھا ہے ان پر بھی توبہ لازم ہے توبہ اور اس ناجائز عمل پر بیزاری ظاہر کر دینے پر بشرائط امامت نماز پڑھا سکتے ہیں ورنہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں اور مدت عدت مطلقاً تین ماہ سمجھنا غلط ہے ایسا سمجھنے والے اور سمجھانے والے توبہ کریں مسئلہ شرعاً یوں ہے کہ اگر مطلقہ آئسہ ہو چکی ہے یعنی پچپن سال میں جا کر حیض سے بالکل ناامید ہو چکی ہے تو اس کی عدت صرف تین ماہ ہے اور اگر نابالغہ ہے یعنی ابھی حیض شروع ہی نہیں ہوا تو بھی یہی تین ماہ اور مطلقہ اگر حاملہ ہو تو وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہو جانا عدت ہے اور ان کے علاوہ کی مطلقہ عورت مکمل تین حیض سے عدت پوری کرے۔ وہ چاہے ساٹھ دن میں ہو یا چھ برس میں یا اس سے زیادہ لگ جائے قال اللہ تعالیٰ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ یعنی طلاق شدہ عورتیں مکمل تین حیض تک انتظار کریں ہاں جس کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے ھکذا فی الکتب والسنۃ واللہ ورسولہ الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم۔

کتبہ العبد نعیم الدین احمد غفی عنہ سعد نقی رضوی گورکھپوری

۱۵ رجب المرجب ۱۳۸۰ھ

مسئلہ۔ مرسلہ حبیب جمعدار ریلوے اسپتال گورکھپور

زید نے اپنی بیوی محمودہ کو طلاق دے دی عدت کے اکیسویں دن باہر سے مولوی بلا کر لوگوں نے محمودہ کا نکاح بکر سے کر دیا۔ جب پنچایت نے یہ کہا کہ محمودہ کا نکاح ناجائز ہے تو لوگوں نے کہا کہ اس مرتبہ ہم نے اس نکاح کو جائز قرار دے دیا ہے اب ناجائز نہیں قرار دیں گے اور آئندہ ایسا نہ کریں گے۔ تو شرعی حکم کیا ہے؟ مطلع فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب اگر زید نے خلوت صحیحہ اور ہمبستری کے پہلے طلاق دی ہے تو محمودہ پر عدت نہیں اور بکر سے نکاح

کرنا صحیح ہے۔ لیکن اگر زید نے خلوت صحیحہ یا ہمبستری کے بعد طلاق دی ہے تو عدت گزارنے سے پہلے شرعاً محمودہ سے بکر کا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ خواہ کوئی مولوی نکاح پڑھے یا مفتی۔ لہٰذا اگر اس مولوی نے اور گواہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ محمودہ کی عدت ختم نہیں ہوئی اور نکاح پڑھ دیا تو وہ مولوی اور گواہ سب علانیہ توبہ کریں اور نکاح مذکور کے غلط ہونے کا اعلان عام کریں۔ اور جن لوگوں نے یہ کہا کہ اس مرتبہ ہم نے اس نکاح کو جائز قرار دیدیا ہے اب ناجائز نہیں قرار دیں گے۔ یہ لوگ سخت گنہگار لائق عذاب قہار اور دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوں گے۔ ان لوگوں پر علانیہ توبہ کرنا اور محمودہ کو بکر سے علیحدہ کر دینا واجب اور لازم ہے تاکہ وہ دونوں میاں بیوی کے تعلقات قائم نہ رکھیں۔ اور شرعی حکم معلوم ہو جانے کے بعد اگر ان دونوں نے آپس میں ازدواجی تعلقات کو قائم رکھا تو وہ دونوں سخت حرام کار، زنا کار اور نہایت بدکار ہیں۔ مسلمانوں پر ایسے لوگوں سے قطع تعلق کرنا واجب۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالیٰ و اما ینسینك الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۹ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ

مسئلہ۔ از جمعراتی ساکن خلیل آباد ضلع بستی

زینب کا نکاح ہوا کچھ دنوں بعد شوہر کا انتقال ہو گیا عدت گذرنے کے بعد زینب نے دوسرا نکاح کیا کچھ دن اس دوسرے شوہر کے ساتھ رہی پھر بغیر طلاق لئے صوبئی چودھری اور نبی بخش نے اس کا نکاح تیسرے کے ساتھ کر دیا حالانکہ ان دونوں کو معلوم تھا کہ دوسرے شوہر نے اسے طلاق نہیں دی ہے۔ اب زینب، صوبئی اور چودھری کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب صورت مسئولہ میں زینب کا نکاح تیسرے مرد کے ساتھ ہرگز جائز نہیں ہوا صوبئی چودھری اور نبی بخش علانیہ توبہ کریں۔ اور زینب کو اس تیسرے مرد سے جدا کرائیں۔ اگر صوبئی چودھری اور نبی بخش علانیہ توبہ نہ کریں اور زینب کو اس تیسرے مرد سے جدا کرتے میں حتی الامکان زور نہ لگائیں تو تمام مسلمان ان کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سلام و کلام کرنا ہر قسم کے اسلامی تعلقات ختم کر دیں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ نکاح خواں، گواہ اور دیگر حاضرین مجلس نکاح جو اس نکاح سے راضی رہے سب توبہ کریں۔ زینب پر بھی واجب ہے کہ فوراً ہی تیسرے مرد سے الگ ہو کر علانیہ توبہ کرے اور شوہری تعلقات ہرگز قائم نہ کرے ورنہ سخت گنہگار

لائق عذاب قہار اور دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوگی اور توبہ نہ کرنے اور اپنے تیسرے مرد سے جدا نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں پر لازم ہے کہ زینب کا بھی بائیکاٹ کریں وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۴ رجمادی الاخری ۱۳۸۰ھ

مسئلہ ۔ از عبد الرشید متعلم مدرسہ علیمیہ انوار العلوم ملحقہ خانقاہ آبادانیہ سرکا نہی شریف مظفر پور

(۱) زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا عقد بکر سے کر دیا (درحالت صحت دماغ بکر) کچھ دنوں کے بعد بکر کا دماغی توازن بگڑ گیا جنونی کیفیت طاری ہوگئی زید نے بہت دنوں بکر کا علاج کرایا لیکن دماغی توازن درست نہ ہو سکا بعد ازیں زید نے بکر کے گاؤں والوں سے ہندہ کے لئے کسی دوسرے سے نکاح کر دینے کی تحریری اجازت حاصل کر لی اور ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بکر کے دماغی خلل کی وجہ سے اس کی بیوی کا نکاح بلا اس کے طلاق دلے ہوئے خالد سے صحیح ہو سکتا ہے؟

(۲) بعد درستگی دماغ بکر گاؤں کے چند اشخاص کے ساتھ ہندہ کے گھر آیا اور کہا کہ میرا دماغی توازن ٹھیک ہوگیا ہے لہذا اپنی لڑکی ہندہ کو میرے گھر جانے دو تو زید نے کہا کہ جن لوگوں نے ہمیں ہندہ کا عقد ثانی کرنیکی تحریری اجازت دی ہے اگر وہی لوگ میرے یہاں آکر تحریری اجازت دیدیں تو میں لڑکی کو تمہارے یہاں جانے دونگا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا زید کا عذر صحیح ہے؟

الجواب (۱) صورت مسئولہ میں ہندہ شرعاً بکر کی بیوی ہے ہرگز ہرگز کسی دوسرے سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ بکر مر جائے یا جنون سے صحتیاب ہو کر ہندہ کو طلاق نہ دیدے محض گاؤں والوں کی اجازت پر خالد سے نکاح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا اس لئے کہ انھیں یہ حق حاصل نہیں حتی کہ بکر کا ولی بھی دوسرے سے نکاح کی اجازت نہیں دے سکتا۔ لہذا ہندہ کے لئے کسی دوسرے سے نکاح کر دینے کی اجازت حاصل کرنے والے، اجازت دینے والے، ہندہ کا خالد سے نکاح پڑھنے والے، گواہ، جملہ حاضرین مجلس نکاح اور جو لوگ بھی اس نئے نکاح سے راضی رہے سب علانیہ توبہ کریں۔

(۲) زید پر اپنی لڑکی ہندہ کو بکر کے گھر بھیج دینا واجب اور لازم ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ صفر المظفر ۱۳۸۵ھ

مسئلہ ۔ از رمضان علی مقام راج منڈل خرد عرف برگدہی پوسٹ پوندر پور ضلع گورکھپور

ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہوا بکر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی بکر ماں اور اس کی بیوی سے برابر جھگڑا ہوتا رہا بکر کی ماں نے بکر سے کہا اگر تمھاری بیوی رہے گی تو میں نہیں رہوں گی بنا بریں بکر نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا کہ میں تم کو نہیں رکھوں گا۔ ہندہ نے مسلمانوں کی پنچایت میں معاملہ پیش کیا بکر سے پنچان نے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو گھر سے کیوں نکال دیا اس نے جواب دیا کہ اگر یہ رہے گی تو میری ماں نہیں رہے گی اس صورت میں یہ رہے یا نہ رہے مگر میں اپنی ماں کو نہیں چھوڑوں گا بکر نہ تو ہندہ کو صاف صاف طلاق دیتا ہے اور نہ ہی رکھتا ہے اور لڑکی اپنے ماموں کے یہاں رہتی ہے ہندہ نے دو سال تک انتظار کیا اس کے بعد ہندہ نے بغیر طلاق لئے زید سے نکاح کرلی اس سے تین بچے پیدا ہوئے گاؤں والے کھانا وغیرہ نہیں کھلاتے زید بکر سے باربار تقاضا کرتا ہے کہ تم طلاق دے دو مگر بکر طلاق نہیں دیتا ہے ہاں اس بات پر طلاق دینے کو تیار ہے کہ اگر ہماری لڑکی مل جائے تو میں طلاق دے دوں گا لیکن لڑکی کا ماموں لڑکی دینے کو تیار نہیں ہے۔ زید بکر کو روپیہ بھی دیتا ہے کہ جو کہو روپیہ دے دیں مگر طلاق دے دو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کیا کرے؟ اور از روئے شرع بکر پر کیا حکم ہے؛

الجواب صورت مسئولہ میں چونکہ ہندہ نے بکر سے طلاق حاصل کئے بغیر زید سے نکاح کیا اس لئے یہ نکاح جائز نہ ہوا لہٰذا ہندہ فوراً زید سے الگ ہوجائے اور ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ پڑھنے والے، گواہان جملہ حاضرین مجلس نکاح اور زید و ہندہ علانیہ توبہ کریں۔ چونکہ ہندہ کے مبتلائے فسق کے بعد بکر کی لڑکی کی پرورش کا حق لڑکی کی نانی کو ہے لہٰذا اگر لڑکی نانی کی پرورش میں ہے اور لڑکی کی عمر نو سال سے کم ہے اور ماموں لڑکی کو بکر کے سپرد کرنے سے انکار کرتا ہے اور بکر اس بنیاد پر طلاق نہیں دیتا ہے تو بکر سخت گنہگار ہے اس صورت میں تاوقتیکہ بکر طلاق نہ دے تمام مسلمان بکر کا بائیکاٹ کریں اور اگر لڑکی کی نانی نہیں ہے اور لڑکی اپنے ماموں کی پرورش میں ہے یا لڑکی اپنی نانی کی پرورش میں ہے لیکن اس کی عمر نو سال ہوچکی ہے تو ایسی صورت میں ماموں پر ضروری ہے کہ لڑکی بکر کے سپرد کردے ان دونوں صورتوں میں اگر لڑکی بکر کے سپرد نہ کرنے کے سبب بکر طلاق نہ دے گا تو ماموں گنہگار ہوگا خلاصہ یہ کہ جس طرح بھی ہوسکے بکر سے طلاق حاصل کی جائے طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کسی سے ہرگز نکاح نہیں کرسکتی لہٰذا زید و ہندہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں ورنہ تمام مسلمان ان دونوں کا بائیکاٹ کریں یعنی ان کے ساتھ کھانا پینا

اٹھنا، بیٹھنا، سلام وکلام کرنا اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات بند کردیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ شوال ۱۳۸۵ھ

مسئلہ۔ از کلو مقام گورا پوسٹ اسکار بازار ضلع بستی

تجمل حسین نے اپنی بیوی عزیز النساء کو حالت حمل میں طلاق دے دی تو عزیز النساء کچھ دنوں میکہ میں رہ کر ایک دوسرے کے پاس چلی گئی وہیں اس کو بچہ پیدا ہوا پھر جب دوسرا حمل ہوا تو اسی شخص مذکور کے ساتھ نکاح کرلیا اب عزیز النساء تجمل حسین کے پاس رہنا چاہتی ہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب تجمل حسین نے جو حالت حمل میں عزیز النساء کو طلاق دی تو وہ طلاق واقع ہوگئی اور بچہ پیدا ہونے پر اس کی عدت بھی ختم ہوگئی لہٰذا ناجائز حمل ہونے کی صورت میں اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا وہ صحیح ہوگیا اب دوسرے شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر شوہر اول کے پاس وہ ہرگز ہرگز نہیں رہ سکتی۔ اگر شوہر ثانی سے طلاق حاصل کئے بغیر تجمل حسین عزیز النساء کو رکھے تو تمام مسلمان تجمل حسین کا بائیکاٹ کردیں یعنی اس کے ساتھ کھانا، پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سلام وکلام ہر قسم کے اسلامی تعلقات بند کردیں واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ

مسئلہ۔ از محمد علی جیتی پور ضلع بستی

ایک غریب لڑکی دو سال سے میکہ میں بیٹھی ہے شوہر نہ اس کو لے جاتا ہے اور نہ ہی طلاق دیتا ہے تو کیا اس صورت میں دوسرے سے اس کا نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب جس طرح بھی ہوسکے طلاق حاصل کی جائے یا شوہر کو رخصت کرانے پر مجبور کیا جائے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرے سے نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۵ جمادی الآخری ۱۳۸۵ھ

مسئلہ۔ از محمد حسین ڈھوا بڑھنی بازار ضلع بستی

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کئی سال رکھا اور اس سے ایک لڑکی بھی ہے قریب تین دفعہ ہوا کہ زید نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا پنچایت کرنے پر لوگوں نے بھیجنے پر مجبور کیا اور میں نے بھیج دیا اس کے بعد پھر نکال دیا اور مسلسل تین سال ہوگیا نہ تو لے جارہا ہے اور نہ کھانا کپڑا دیتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے آپ سے گذارش ہے کہ اسلام کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب صورت مستفسرہ میں زید کو اپنی بیوی ہندہ کا نان ونفقہ دینے پر مجبور کیا جائے یا گاؤں کی پنچائت وغیرہ کا دباؤ ڈال کر کسی طرح اس سے طلاق حاصل کی جائے۔ ھذا ما ظھرلی واللہ اعلم عنداللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۱۵ ربیع الآخر ۱۴۰۰ھ

مسئلہ ۔ از اقبال احمد۔ محمد حسین ہر یا چندرسی ننگھسری ضلع گونڈہ

ہندہ شادی شدہ ہے کسی خانگی کشیدگی کی بنا پر زید بمبئی چلا گیا۔ ہندہ میکے ہی ہے عرصہ چار سال ہونے کو ہوا زید گھر نہیں آیا البتہ خطوط کے ذریعہ ہندہ کو بلایا کہ تم بمبئی چلی آؤ۔ ہندہ مذکورہ بمبئی جانے سے انکار کیا ہندہ منکوحہ کے والدین بدرجہ مجبوری علمائے فرنگی محل کے نام استفتاء بھیجا علمائے فرنگی محل نے فتوی دیا کہ ہندہ دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے ــــ صورت مذکورہ میں کیا یہ فرنگی محل کا فتوی درست ہے؟ اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اور ہندہ کا نیا شوہر سنی صحیح العقیدہ بریلوی بھی ہے یہ بھی علمائے حق اہلسنت سے معلوم ہوا ہے کہ موجودہ دور کے علمائے فرنگی محل دیوبند سے کم نہیں ہیں۔ اب قاضی اور گواہان نکاح پر کیا شرعی کوئی حکم عائد تو نہیں ہے؟ اگر کوئی جرم عائد ہوتا ہے تو اس کی سزا کیا ہے۔ قاضی گواہان اور ہندہ، نیز نیا شوہر، بکر کیسے صاف ستھرا ہوں گے۔ علمائے حق زحمت کرکے صحیح فتوی دے کر ہم لوگوں پر احسان عظیم کرکے جزائے خیر کے مستحق ہوں۔

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مسئولہ میں اگر علمائے فرنگی محل نے یہ فتوی دیا ہے کہ عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے تو وہ فتوی سراسر غلط ہے ہرگز قابل عمل نہیں، ہندہ اب بھی اپنے شوہر کی بدستور سابق بیوی ہے۔ دوسرا نکاح ہرگز جائز نہیں ہوا۔ نکاح خواں اور گواہوں پر علانیہ توبہ واستغفار واجب ہے۔ اور قاضی دوسرے نکاح کے باطل ہونے کا اعلان عام کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس

کرنے۔ اور ہندہ دبکر فوراً ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں اور یہ دونوں بھی علانیہ توبہ واستغفار کریں اور آپس میں ہرگز میاں بیوی کے تعلقات قائم نہ کریں کہ حرام اشد حرام ہے۔ اگر ہندہ کو بکر اپنے سے الگ نہ کرے اور میاں بیوی جیسا تعلق اس کے ساتھ باقی رکھے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ پارہ ۷ رکوع ۱۴ میں ہے واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۔ از محمد امین موضع کنو پوسٹ سنگرام پور ضلع سلطان پور

زید نے اپنے بھائی کے انتقال کے عرصہ پانچ ماہ بعد اس کی بیوی کو بالاعلان اپنی زوجہ بنا کر بغیر نکاح کئے اپنے پاس رکھ لیا۔ شرعاً زید پر کیا حکم ہے نیز زید اگر اس سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب صورت مسئولہ میں زید فاسق معلن ہے اس پر بالاعلان توبہ کرنا اور اس بیوہ عورت سے فوراً علیحدہ ہوجانا تاوقتیکہ نکاح نہ ہوجائے فرض ہے ۔ بیوہ عورت اگر حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت ۴ ماہ ۱۰ دن ہے اور اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے اگر اس بیوہ عورت کی عدت ختم ہوچکی ہو تو زید اس سے نکاح کرسکتا ہے وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ رحیم الدین احمد القادری الرضوی

۲۵ ذی القعدہ ۱۴۰۰ھ

ارشادگرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ

علم دین فقہ وحدیث ہے۔ منطق وفلسفہ کے جاننے والے علماء نہیں۔ یہ امور متعلق بہ فقہ ہیں۔ تو جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالم دین ہے اگرچہ دوسرا حدیث وتفسیر سے زیادہ اشتغال رکھتا ہو۔

(فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص۵۱۷)

بَابُ الوَلیِ وَالکفوٴ

ولی اور کفو کا بیان

مسئلہ: شوکت علی موضع پلیا ایک دھرڈاکخانہ اودے رات گنج ضلع بستی۔

زید نے اپنی پہلی لڑکی کا نکاح حالت نابالغی میں ایک نابالغ لڑکے کے ساتھ کئی سال پہلے کر دیا تھا لڑکا ابھی تک نابالغ ہی ہے اور لڑکی بالغ ہوگئی ہے جو اپنے شوہر کے پاس جانے کو تیار نہیں ہے۔ اب دریافت یہ کرنا ہے کہ زید اس کا دوسرا نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حالت نابالغی میں باپ یا دادا کا کیا ہوا نکاح اس طرح لازم ہوجاتا ہے کہ لڑکی کسی طرح فسخ نہیں کر سکتی۔ لہذا صورت مسئولہ میں لڑکی کا دوسرا نکاح کرنا حرام ہے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ ہاں اگر شوہر مرجائے یا بالغ ہونے کے بعد طلاق دے تو دوسرا نکاح کر سکتی ہے کہ نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۶۵ میں ہے ان زوجہما الاب اوالجد فلاخیار لہما بعد بلوغہما۔ اور ردالمحتار مع شامی جلد دوم ص۳۰۰ میں ہے لزم النکاح ولو بغبن فاحش اوبغیر کفوٴان کان الولی ابا اوجدا لم یعرف منہما سوء الاختیار۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۳۳۰ میں ہے لایقع طلاق الصبی وان کان یعقل ھکذا فی فتح القدیر۔ وھو اعلم

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۱ رجمادی الاولی ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از محمد ادریس ساکن دھوبہی پوسٹ کنڈسری بازار ضلع بستی۔

ہندہ بالغہ کی شادی اس کے باپ نے بغیر اجازت بکر کے ساتھ اپنے گھر پر ۱۱ بجے رات میں کی۔ جب سویرا ہوا اور لوگوں

کو معلوم ہوا کہ بکر کو ٹی۔ بی کی بیماری ہے۔ یہ خبر جس وقت ہندہ کو معلوم ہوئی کہ بکر کو ٹی۔ بی کی بیماری ہے۔ اس پر اپنے ناپسندی کا اظہار کرتے ہوئے۔ ہندہ نے کہا جس وقت میری شادی کی گئی تھی تو کیا مجھ سے پوچھا گیا تھا میں نے کس سے کہا کہ میری شادی بکر سے کر دو۔؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ ہوا کہ نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب بکر کے مبتلائے ٹی۔ بی کی خبر سے پہلے ہندہ کو نکاح کی خبر پہونچی یا نہیں؟ اگر پہونچی تو کس نے پہونچائی؟ پھر خبر پہونچنے پر اس نے سکوت اختیار کیا یا کچھ کہا یا نہیں یا روئی؟ اور عقد کے وقت ہندہ کنواری تھی یا ثیبہ؟

اگر ہندہ کو بکر کے مبتلائے ٹی۔ بی کے ساتھ نکاح کی خبر ملی اور اس نے مذکورہ بالا جملے کہے تو نکاح باطل ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے لایجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبًا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل۔ کذا فی السراج الوهاج۔ اور اگر بیماری کی خبر سے پہلے ہندہ کو بکر کے ساتھ نکاح کی خبر دی گئی اور خبر دینے والا خود باپ یا اس کا قاصد یا کوئی فضولی عادل تھا اور وہ کنواری تھی پھر اس نے سکوت اختیار کیا یا ہنسی (جبکہ استہزاً نہ ہو) یا مسکرائی یا بغیر آواز کے روئی۔ تو ان سب صورتوں میں اذن سمجھا جائیگا یعنی عقد ہو گیا۔ اور اگر عقد ہونے کے وقت ہندہ کنواری نہیں تھی بلکہ ثیبہ تھی اور اس نے سکوت اختیار کیا تو نکاح نہ ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ لو استأذن الثیب فلابد من رضاها بالقول وکذا اذا بلغها الخبر هکذا فی الکافی۔ هذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالٰی و رسوله جل جلاله وصلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔

کتبــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

مسئلہ از شان اللہ مقام ڈیہرہ ضلع سلطان پور۔

ہندہ دو بچے والی ہے ہندہ کے والد نے اپنی مرضی سے اس کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا زید کے گھر جانے پر ہندہ کو معلوم ہوا کہ وہ نشہ باز ہے اس لئے ہندہ نے ہمبستری سے انکار کر دیا اور تیسرے دن زید سے طلاق لے لی۔ پھر ایک ماہ بعد بکر سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اور اس نکاح میں شریک ہونے والے گواہ اور قاضی کے لئے شرعًا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ہندہ اگر کسی کے نکاح یا عدت میں نہ تھی تو اس کے والد کا اپنی مرضی سے کیا ہوا نکاح

فضولی ہوا کہ ہندہ کی اجازت پر موقوف تھا۔ پھر وہ بلا جبر و اکراہ شوہر کے یہاں رخصت ہو گئی تو اجازت فعلی پائی گئی نکاح صحیح ہو گیا اب اگر زید نے ولی نہیں کی مگر خلوت صحیحہ (عورت و مرد کی ایسی تنہائی کہ کوئی چیز مانع ہمبستری نہ ہو) پائی گئی اور اس کے بعد زید نے طلاق دی تو ہندہ پر عدت گذارنا واجب ہے قبل انقضاء عدت بکر سے نکاح جائز نہ ہوا فتاوی عالمگیری جلد اول ص۳۸۲ میں ہے رجل تزوج امرأة نکاحا جائزا فطلقها بعد الدخول او بعد الخلوة الصحيحة كان عليها العدة كذا في فتاوى قاضی خان۔ لہٰذا ایسی صورت میں ہندہ و بکر ایک دوسرے سے الگ رہیں اور میاں بیوی کے تعلقات آپس میں ہرگز نہ قائم کریں ورنہ دونوں سخت گنہگار و حرام کار ہونگے اور اس نکاح سے راضی رہنے والے، شریک ہونے والے، گواہ اور نکاح خواں سب علانیہ توبہ کریں اور نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کریں۔ اور اگر خلوت صحیحہ بھی نہیں پائی گئی تو عدت واجب نہیں۔ اس صورت میں بکر کے ساتھ نکاح صحیح ہو گیا اگر کوئی اور دوسری وجہ مانع جواز نہ ہو۔ هذا ما عندي وهو تعالى اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ:۔ از جلال الدین خاں موضع بنڈریا مرزا پور اترولہ۔ گونڈہ

بکر نے اپنی بیٹی ہندہ کا عقد بغیر اس کی رضامندی کے زید کے ساتھ کر دیا تھا دراں حالیکہ ہندہ بالغہ تھی اس واقعہ کو بھی تقریباً آٹھ سال گزر گئے اور ہندہ ابھی تک نہ اپنے سسرال گئی اور نہ ہی خلوت ہوئی ایسی صورت میں عقد مذکور ہوا کہ نہیں۔ اور لڑکی اپنا دوسرا عقد کرنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب: اللهم هداية الحق والصواب۔ عاقلہ بالغہ عورت کا نکاح بغیر اسکی اجازت کے نہیں ہو سکتا اور اگر کسی نے کر دیا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۲۵۹ میں ہے لا يجوز نكاح احد على بالغة صحيحة العقل من اب او سلطان بغير اذنها بكرا كانت او ثيبا فان فعل ذلك فالنكاح موقوف على اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل كذا في السراج الوهاج۔ لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر باپ کے کئے ہوئے نکاح کو ہندہ نے رد کر دیا تھا تو اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر پہلے رضامند نہ تھی مگر باپ کے کئے ہوئے نکاح کو جائز کر دیا تھا تو اس صورت میں بغیر طلاق دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔

وهو تعالى اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۲۹ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ

مسئلہ: از عبدالرشید خان موضع سنگاؤں فتح پور۔

ماموں نے اپنی نابالغ بھانجی کا نکاح اپنی اجازت سے کردیا حالانکہ اس وقت باپ دبھائی بھی موجود تھے جس وقت لڑکی بالغ ہوئی تو اس وقت لڑکی نے کہا کہ میں اس شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور لڑکی نے عدالت منصفی میں ایک دعویٰ بھی دائر کیا جس میں لڑکی نے یہ دکھلایا کہ میرا نکاح نابالغی میں ہوا تھا اور اب میں بالغ ہوگئی ہوں اور مجھے اختیار ہے کہ میں اپنا نکاح فسخ کردوں اور عدالت منصفی نے لڑکی کا نکاح فسخ کردیا اس صورت میں لڑکی اپنا دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب: صورت مسئولہ میں نابالغ بھانجی کا نکاح باپ کی اجازت کے بغیر اگر ماموں نے غیر کفو سے کیا یا مہر میں فاحش کمی کے ساتھ کیا تو نکاح باطل ہوا درمختار مع شامی جلد اول ص۳۰۵ میں ہے ان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ لا یصح النکاح من غیر کفوٍ او بغبن فاحش اصلاً اور اگر باپ کی اجازت کے بغیر صرف ماموں نے کفو کے ساتھ مہر مثل کے بدلے کیا تو نکاح فضولی ہوا اس صورت میں باپ کی اجازت پر موقوف تھا اگر اس نے نکاح کی خبر سن کر رد کردیا مثلاً کہا کہ میں اس نکاح کو جائز نہیں ٹھہراتا یا رد کرتا ہوں یا میں راضی نہیں ہوں یا ان کے مثل اور کوئی لفظ کہا تو رد ہوگیا اس صورت میں لڑکی طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرسکتی ہے اور اگر باپ نے اس نکاح کی اجازت پہلے دیدی تھی یا ماموں نے کفو سے مہر مثل کے ساتھ نکاح کیا تو باپ نے بعد میں صراحۃً اجازت دیدی مثلاً کہا کہ بہتر ہوا یا میں نے پسند کیا یا مجھے منظور ہے یا ان کے مثل اور کوئی کلمہ کہا۔ یا بعد نکاح باپ نے دلالۃً اجازت دیدی مثلاً اس نے شوہر کی جانب سے لڑکی کے لئے عیدی کپڑا وغیرہ قبول کیا یا باپ نے اسی قسم کا اور کوئی کام کیا کہ جس سے رضامندی سمجھی جائے تو نکاح لازم ہوگیا درمختار میں ہے لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ ان تمام صورتوں میں لڑکی شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ہرگز نہیں کرسکتی کہ کفو سے مہر مثل کے ساتھ کیا ہوا ماموں کا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف تھا جب اس نے نافذ کردیا لازم ہوگیا بشرطیکہ باپ معروف بسوء اختیار نہ ہو۔ لہٰذا اس صورت میں لڑکی کو بعد بلوغ اختیار فسخ نہ رہا اور جب اختیار فسخ نہ رہا تو بالغ ہوتے ہی لڑکی کا یہ کہنا کہ میں اس شوہر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ فضول ہے اور موجودہ زمانہ کی نام نہاد عدالت منصفی سے نکاح فسخ کرانا بہر صورت بے کار ہے کہ یہ دارالقضاء شرعی نہیں اور نہ یہ حاکم شرعی لہٰذا ان کے فسخ کرنے سے نکاح ہرگز فسخ نہ ہوگا۔ ھٰکذا فی الجزء الخامس من الفتاویٰ الرضویہ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۹ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از محمد بشیر احمد رضوی پوسٹ و مقام گودھنا ضلع گونڈہ۔

(۱) زید نے اپنے باپ کو اجازت دی کہ اس کی نابالغہ لڑکی رقیہ کا نکاح بکر سے کر دے مگر لڑکی کے دادا نے بکر سے خود نکاح نہیں پڑھایا بلکہ دوسرے کو نکاح کرنے کا وکیل بنایا جب رقیہ بالغ ہوئی تو باپ نے اسے بکر کے یہاں رخصت کیا پھر لڑکی باپ کے گھر واپس آئی اور اب جانے سے انکار کرتی ہے تو تحصیل سے طلاق حاصل کی گئی اب دریافت طلب یہ ہے کہ نکاح مذکور فضولی ہوا یا نہیں اور تحصیل سے طلاق حاصل کرنے کے بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایک نابالغہ لڑکی کے باپ کا انتقال ہو گیا تو اس کے نانا نے ایک غیر کفو نا چنے والے سے نکاح کر دیا تو یہ نکاح ہوا یا نہیں۔ اور لڑکی طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: (۱) بیشک صورت مستفسرہ میں نکاح فضولی ہوا جو حالت نابالغی میں رقیہ کے باپ کی اجازت پر موقوف تھا اگر اس نے جائز کر دیا تو نافذ ہو گیا اور بالغ ہونے کے بعد رقیہ کا رخصت کرنا فضولی کے جائز ٹھہرانے کی کھلی ہوئی دلیل ہے لہذا اب رقیہ شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر سکتی اور تحصیل سے طلاق حاصل کرنا فضول ہے کہ شوہر کے علاوہ دوسرے کو طلاق دینے کا اختیار نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے الطلاق لمن اخذ بالساق شوہر سے طلاق حاصل کئے بغیر اگر رقیہ کے گھر والے اس کا دوسرا نکاح کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے قال اللہ تعالٰی واما ینسینك الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (پ۷ ع۱۴) وھو اعلم بالصواب

(۲) صورت مسؤلہ میں اگر باپ کے انتقال کے بعد دادا موجود تھا اور اس کی اجازت سے نانا نے نکاح کیا یا نانا کے نکاح کے بعد دادا نے جائز کر دیا تو نکاح صحیح ہو گیا اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر لڑکی کا دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا ہاں اگر دادا کا سوء اختیار معلوم ہو چکا ہے مثلاً اس سے پہلے وہ اپنی لڑکی یا پوتی کا نکاح غیر کفو سے کر چکا ہے پھر یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے جائز ٹھہرایا یا دادا ابھی نکاح سے پہلے انتقال کر چکا تھا اور نانا نے غیر کفو سے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوا ان دونوں صورتوں میں لڑکی طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے درمختار میں ہے لزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفو ان کان الولی المزوج بنفسہ ابا او جدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ لا یصح النکاح من غیر کفو اصلا اھ ملخصا۔ وھو اعلم

کتبہ: جلال الدین احمد امجدی
۲۶ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ:۔ از کرامت علی پرتاب گڈھ۔

بکر نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اس کی گود میں تین ماہ کی لڑکی بھی تھی بیوی اپنے میکہ میں گذر کر رہی ہے۔ لڑکی تقریباً سات سال کی ہوگئی۔ تو کیا اس لڑکی کا نکاح کرتے میں بکر سے اجازت ضروری ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ جب تک لڑکی نابالغ ہے اس کا نکاح کرنے کے لئے بکر کی اجازت ضروری ہے اور بالغ ہونے کے بعد کفو کے ساتھ شادی کرنے کے لئے بکر کی اجازت ضروری نہیں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ رجمادی الاولی سنہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ:۔ از زین العابدین اوجھا گنج ضلع بستی۔

زید کی بیوی ہندہ نے زید کی بیٹی کی شادی بغیر زید کی اجازت کے خالد کے ساتھ کردیا اور نکاح کرنے کے بعد ہندہ نے زید کو بذریعۂ خط اطلاع کیا زید نے اس عقد کو خط کے ذریعہ انکار کردیا۔ زید کی بیٹی عقد کے وقت نابالغ تھی جس کی عمر تیرہ ۱۳ چودہ ۱۴ سال کی تھی۔ ایسی صورت میں عقد ہوا کہ نہیں؟

زید اپنی لڑکی کا عقد خالد سے طلاق لئے بغیر دوسری جگہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر زید نے اپنی بیوی کو نابالغہ لڑکی کے نکاح کا اختیار نہیں دیا تھا اور بیوی نے بغیر اس کی اجازت کے نکاح کردیا پھر اطلاع پانے پر باپ نے مسترد کردیا تو وہ نکاح باطل ہوگیا۔ ایسی صورت میں خالد سے طلاق لئے بغیر لڑکی کا دوسرے سے نکاح کرنا جائز ہے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱ ازذوالقعدہ سنہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ:۔ از محمد قدیر بیڑی دوکان گنڈی بازار بھیلواڑہ (راجستھان)

زید کی شادی ہندہ سے ۵ سال کی عمر میں ہوئی اب ہندہ بالغہ ہے اور اپنے شوہر کے پاس ابھی تک نہ گئی اور نہ جانا ہی چاہتی ہے تو اس کے بارے میں شرعی احکام سے مطلع فرمائیں؟

الجواب:۔ اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ صورت مسئولہ میں ہندہ کا عقد

پانچ سال کی عمر میں اگر اس کے باپ یا دادا نے کیا تھا یا ان میں سے کسی کی اجازت سے دوسرے نے کیا تھا یا دوسرے نے بغیر اجازت کر دیا تھا مگر بعد میں باپ یا دادا نے اسے جائز کر دیا تھا تو ان تمام صورتوں میں نکاح لازم ہوگیا۔ ہندہ کا انکار فضول ہے زید اس کا شوہر ہے اس سے طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر سکتی فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۲۷۵ میں ہے ان زوجهما الاب او الجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما كذا في الهداية یہاں تک باپ یا دادا نے اگر مہر میں بہت زیادہ کمی کے ساتھ یا غیر کفو کے ساتھ عقد کیا تو بھی نکاح لازم ہوگیا۔ ہاں اگر ہندہ کے نکاح سے پہلے اس کا باپ یا دادا دوسری لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو کے ساتھ کر چکا تھا پھر ہندہ کا نکاح غیر کفو سے کیا تو جائز نہ ہوا درمختار میں ہے لزم النكاح بغير كفو ان كان الولي ابا او جدا لم يعرف منهما سوء الاختيار وان عرف لا يصح النكاح اتفاقا اھ ملخصا۔ اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے ہندہ کا نکاح حالت نابالغی میں غیر کفو یا مہر مثل میں بہت زیادہ کمی کے ساتھ کیا تھا تو اس صورت میں بھی نکاح جائز نہ ہوا درمختار میں ہے ان كان المزوج غيرهما اي غير الاب وابيه لا يصح النكاح من غير كفو اصلا اور اگر باپ دادا کے غیر نے کفو سے مہر مثل کے ساتھ کیا تو نکاح جائز ہوگیا مگر اس صورت میں بالغ ہوتے ہی ہندہ فوراً فسخ نکاح کر سکتی تھی اور اگر کچھ بھی وقفہ ہوا تو اختیار فسخ جاتا رہا یہاں تک کہ آخری مجلس تک اختیار نہیں اور اس مسئلہ کو نہ جاننے کا عذر عند الشرع مسموع نہیں درمختار جلد دوم ص۳۱۰ میں ہے اذا بلغت وهي عالمة بالنكاح او علمت به بعد بلوغها فلا بد من الفسخ في حال البلوغ او العلم فلو سكتت ولو قليلا بطل خيارها ولو قبل تبدل المجلس۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ

جلال الدین احمد الامجدی

۱۶ر صفر المظفر سنہ ۱۴۰۶ھ

مسئلہ: از نواب علی کولدہ پور ندر پور گورکھپور۔ یوپی

زید کی بیوی ہندہ ہے اس کا شوہر انتقال کر گیا ہے زید کے دو لڑکیاں نابالغ موجود ہیں عدت ختم ہونے پر زید کی بیوی اسی گھر میں اپنے سسر کے چھوٹے بھائی کے چھوٹے لڑکے عمر سے دوسرا عقد کر لیتی ہے کچھ دنوں بعد ہندہ کے پہلے شوہر کی زمین ہندہ کو مل گئی اور کاغذات میں ہندہ کا نام درج ہوگیا نصف کھیت ہندہ کے نام سے ہوگیا ابھی زید کی لڑکیاں نابالغ ہیں اور ان کی ماں ہندہ ان نابالغ لڑکیوں کا عقد کرنا چاہتی ہے جبراً اس کے سسر اور شوہر کی رائے نہیں ہے جو

ہندہ کا دوسرا شوہر ہے۔ ہندہ کہتی ہے میری لڑکیاں ہیں اور ان لڑکیوں کا اصلی باپ مرگیا ہے ان لڑکیوں کا ولی میں ہوں جہاں میری طبیعت چاہے گی وہاں میں کروں گی اس معاملے میں کسی کا کوئی روکنے کا حق نہیں ہے نہ میں شوہر کا نہ سسر کا نہ ساس کا کہنا مانوں گی لڑکیوں کا وارث اور ولی میں ہوں مسئلہ ہذا میں حضور والا سے یہ دریافت کرنا ہے کہ شریعت میں ان دونوں لڑکیوں کا ولی اقرب ماں ہوگی یا دوسرا باپ اگر نابالغ لڑکیوں کی ماں اذن دے کر عقد کردے ان لوگوں کو چھوڑ کر تو عقد صحیح ہوگا یا باطل جبکہ اس کا نیا شوہر زندہ ہے اور لڑکیاں ابھی نابالغ ہیں اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ لڑکیوں کو پکڑ کر جبراً ہندہ اور ہندہ کی ماں باپ ہندہ کے میکے عقد کے لئے لے گئے ہیں میکے ہی میں اذن دے کر عقد کرنا چاہتی ہے ایسی صورت میں از روئے شرع مطلع فرمائیں ان لڑکیوں کا ولی اقرب کون ہے اگر ماں ہے تو تحریر فرمائیں یا دوسرا شوہر جو زندہ ہے اگر ماں نکاح کردے تو نکاح منعقد ہوجائے گا یا نہیں ؟

الجواب ـــــــ صورت مسئولہ میں جبکہ باپ مرگیا ہے تو نابالغ لڑکیوں کا ولی ان کا دادا ہے پھر پردادا وغیرہ اصول اگرچہ کئی پشت اوپر کا ہو۔ پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلا بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا پھر حقیقی چچا پھر سوتیلا چچا۔ خلاصہ یہ کہ اس خاندان میں سب سے زیادہ قریب کا رشتہ دار جو مرد ہو وہ ولی ہے جب لڑکیوں کے خاندان میں کوئی نہ ہوگا تو ان کی ماں کے ولی ہونے کا درجہ ہے۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۲۶۵ میں ہے

اقرب الاولیاء الی المرأۃ الابن ثم ابن الابن وان سفل ثم الاب ثم الجد ابو الاب وان علا کذا فی المحیط۔ ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم ابن الاخ لاب وام ثم ابن الاخ لاب وان سفلوا ثم العم لاب وام ثم العم لاب الخ وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیرۃ من ذوی الارحام یملک تزویجھما فی ظاھر الروایۃ۔ لہٰذا اگر دادا پردادا وغیرہ اصول میں کوئی زندہ ہے تو ان کی اجازت کے بغیر نکاح نہ ہوگا۔ اور اگر دادا وغیرہ نہیں ہیں کوئی بھائی بالغ ہے تو ان کی اجازت کے بغیر ماں کا کیا ہوا نکاح جائز نہ ہوگا۔ اور اگر بھائی یا بھائی کا بیٹا نہیں ہے تو چچا کی اجازت کے بغیر ماں کا کیا ہوا نکاح نہ ہوگا جب لڑکیوں کے خاندان میں کوئی مرد نہ ہو تو البتہ ماں کا کیا ہوا نکاح ہوجائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۹ جمادی الاولی ۱۳..ھ

مسئلہ :- از علی احمد عرف بتن چوڑی فروش ساکن زہریا پوسٹ بھیرانی بستی

زید اور خالد نے اپنے لڑکے اور لڑکی کی شادی طے کی جب لڑکی سے اجازت لینے گئے تو لڑکی نے اپنا دین مہر ایک سو پینتیس ۱۳۵ روپئے ساڑھے دس ۱۰ آنہ بتایا۔ جب لڑکے سے ایجاب وقبول کرایا گیا تو لڑکے نے انکار کر دیا اس کے بعد زید اور خالد نے آپس میں طے کر کے مبلغ پینتیس ۳۵ روپئے ساڑھے دس ۱۰ آنہ دین مہر پر نکاح پڑھوایا لڑکی کو اسکی کوئی خبر نہیں، وہ تو یہی سمجھ رہی تھی۔ کہ ایک سو پینتیس روپیہ ساڑھے دس آنہ پر ہی نکاح پڑھایا گیا ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہیں۔ تو نکاح ہوا کہ نہیں شرع کے مطابق جیسا کہ حکم ہو صادر فرمایا جاوے۔

الجواب :- صورت مستفسرہ میں نکاح فضولی ہوا یعنی جس وقت لڑکی کو ۳۵ مہر پر نکاح ہونے کا علم ہوا اس وقت اگر لڑکی نے اس نکاح کو نامنظور کر دیا تو نکاح باطل ہو گیا۔ اور اگر منظور کر لیا تو ہو گیا۔ ھذا ما ظہر لی والعلم عند اللہ تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۲ / محرم الحرام ۱۳۹۳ھ

مسئلہ :- محمد ابراہیم ساکن مینہوال تحصیل ڈومریا گنج ضلع بستی۔

جھنکو ساکن ٹینوال خالصہ نے اپنی نابالغ لڑکی مہر النساء کا نکاح اپنے بھانجے محمد صابر کے ساتھ کر دیا۔ مہر النساء اب بالغ ہو چکی ہے وہ اپنے نکاح کو فسخ کرنا چاہتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرع محمدی کے رو سے کیا مہر النساء اپنے باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ کر سکتی ہے؟ اور اگر مہر النساء اپنا یہ نکاح فسخ کر کے دوسرا نکاح کرے تو یہ دوسرا نکاح حلال ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب :- فتاوٰی عالمگیری مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۷۶ میں ہے فان زوجھما الاب والجد فلا خیار لھما بعد بلوغھما وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ یعنی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے کر دیا تو بالغ ہونے کے بعد ان دونوں کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی نے نکاح کیا ہے تو بالغ ہونے کے بعد لڑکے اور لڑکی کو اس بات کا اختیار ہے کہ چاہیں نکاح باقی رکھیں اور اگر چاہیں تو نکاح فسخ کر دیں۔ صورت مسئولہ میں چونکہ مہر النساء کا نکاح اس کے باپ نے کیا ہے اس لئے مہر النساء بالغ ہونے کے

بعد اس نکاح کو فسخ نہیں کر سکتی اور اگر مہر النسا اپنے باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ کرکے دوسرا نکاح کرے تو یہ نکاح باطل اور حرام ہوگا۔ واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ
رحیم الدین احمد القادری الرضوی
لسبعۃ عشر من ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۰ھ

مسئلہ: از عاشق علی موضع بڑھیا ڈاکخانہ مڑلا ضلع بستی۔

ہندہ کے گھر والے سنی ہیں اس کے باپ دادا فوت ہوگئے ایک نابالغ بھائی اور چچا تھے تو ہندہ کی ماں نے حالت نابالغی میں ہندہ کا نکاح ایک وہابی سے کردیا تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ ہندہ بالغ ہونے کے بعد تین چار بار اپنے شوہر کے یہاں آئی گئی۔ پھر بھاگ کر شفیع محمد کے یہاں چلی گئی۔ شخص مذکور ہندہ کو بیوی کی طرح رکھے ہوئے ہے۔ اور اب اسی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب قطع نظر اس سے کہ آج کل عام وہابی ضروریات دین کے منکر اور دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہیں جن سے کسی کا نکاح ہرگز منعقد نہیں ہوسکتا۔ بالفرض جس کے ساتھ ہندہ کی ماں نے اس کا نکاح کیا اگر وہ اس درجہ کا نہ بھی ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ سنی کی لڑکی کا وہابی کفو نہیں ہوسکتا۔ درمختار مع شامی جلد دوم ص۳۲۳ میں ہے و تعتبر ای الکفاءۃ فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوا الصالحۃ اور علامہ حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ غنیہ ص۴۷۹ میں تحریر فرماتے ہیں المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئاً علی خلاف ما یعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ۔ اور باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی نابالغ کا نکاح غیر کفو سے کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص۳۰۵ میں ہے ان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ لا یصح النکاح من غیر کفو اصلا اھ ملخصاً۔ لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر سنی کی لڑکی کا نکاح اس کی ماں نے وہابی سے کیا تو نہ ہوا۔ لڑکی کو وہابی کے یہاں جانا ہرگز جائز نہ تھا۔ شفیع محمد اگر اس لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو کرسکتا ہے طلاق کی ضرورت نہیں لیکن شفیع محمد نے جو اسے بغیر نکاح بیوی کی طرح رکھا تو سخت گنہگار ہوا۔ اسے اور لڑکی کو علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے پابندی نماز کی تاکید کی جائے اور میلاد شریف و قرآن خوانی

کرنے، غربا و مساکین کو کھانا کھلانے اور مسجد میں لوٹا چٹائی رکھنے کی تلقین کی جائے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہوں گی
قال اللہ تعالیٰ من تاب و امن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت و
کان اللہ غفورا رحیما (پ ۱۹ ع ۴) وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۱۸ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ : از عبد الجبار مدرسہ اہلسنت وجہ العلوم ڈاکٹر گنج ضلع بستی۔

کیا فرماتے ہیں حضرت مفتی صاحب قبلہ اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح اس کے والدین نے حالت نابالغی میں کیا لڑکی بالغ ہوگئی البتہ شوہر ابھی تک نابالغ ہے مگر لڑکی رخصت ہوکر اپنے شوہر کے گھر گئی۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی۔ دریافت طلب امور یہ ہیں کیا حالت نابالغی کا نکاح لازم ہوجاتا ہے لڑکی بالغ ہونے پر اگر کہہ دے کہ میں نہیں جانتی کہ میرا نکاح ہوا تھا یا نہیں تو ایسا کہنے کے باوجود لڑکی عقد کی قید میں رہے گی یا الگ ہوجائے گی؟ اور صورت مذکورہ میں اگر شوہر طلاق دے تو عدت ہے کہ نہیں؟

الجواب : حالت نابالغی میں باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہوجاتا ہے۔ لڑکی کا بعد بلوغ اس سے انکار کرنا فضول ہے۔ ہاں اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہوچکا ہو مثلاً اس سے پہلے اس نے اپنی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے کیا تھا پھر یہ دوسرا نکاح اگر غیر کفو سے کیا تو صحیح نہ ہوا درمختار میں ہے لزم النکاح ولو بغبن فاحش او من غیر کفو ان کان المزوج ابا او جدا لم یعرف منھما سوء الاختیار۔ اور جبکہ باپ کا سوء اختیار نہ معلوم ہو تو اس صورت میں لڑکی کا بعد بلوغ یہ کہنا بے کار ہے کہ میں نہیں جانتی کہ میرا نکاح ہوا تھا یا نہیں۔ لڑکی بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں رہے گی۔ اور لڑکا اگر نابالغ ہے تو وہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا اور اگر طلاق دے تو واقع نہ ہوگی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صفحہ ۳۳۳ میں ہے لا یقع طلاق الصبی و ان کان یعقل۔ اور اگر واقعی شوہر سے خلوت نہ ہوئی اور بعد بلوغ اس نے طلاق دی تو اس صورت میں عدت نہیں جیسا کہ پ ۲۲ رکوع ۳ میں ہے۔ اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ۔ اور اگر نابالغی میں خلوت ہوئی ہے اور بالغ ہونے کے بعد طلاق دی تو عدت لازم ہے بغیر عدت دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ ھکذا فی بہار شریعت عن رد المحتار۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از حاجی محمد حنیف منیجر مدرسہ اہلسنت بڑہر اشتیپور پوسٹ تلوکپور تھانہ بستی۔

ایک بیوہ عورت ہے۔ اس کی صرف ایک نابالغہ لڑکی ہے جس کا نکاح وہ عورت اپنی ولایت سے کرنا چاہتی ہے حالانکہ لڑکی کا چچا اور اس کے چچا کا بیٹا موجود ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ چچا اور چچا کے بیٹے کی اجازت کے بغیر وہ نکاح ہوگا یا نہیں اور بیوہ مذکورہ ایک غیر مسلم سے تعلق رکھتی ہے تو مسلمانوں کو اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیئے۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں نابالغہ لڑکی کا ولی اس کا چچا ہے اس کے ہوتے ہوئے ماں کوئی چیز نہیں۔ لہٰذا لڑکی جب تک کہ نابالغہ ہے چچا کی اجازت کے بغیر لڑکی مذکورہ کا نکاح نہیں ہوگا۔ درمختار مع شامی جلد دوم ص۳۱۱ میں ہے الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ۔ اور ص۳۱۵ میں ہے لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ اور عورت جو غیر مسلم سے تعلق رکھتی ہے (العیاذ باللہ) اسے غیر مسلم سے قطع تعلق پر مجبور کیا جائے اور اسے علانیہ توبہ و استغفار کرایا جائے۔ اگر وہ غیر مسلم سے قطع تعلق نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں اس کے یہاں کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے سے سخت پرہیز کریں۔ جو لوگ اس کا اسلامی بائیکاٹ نہ کریں گے وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۶ر جمادی الاخریٰ سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از چودھری ممتاز علی چودھری ڈیہہ۔ گنوڈیہہ ضلع بستی۔

زبیدہ کی شادی حالت نابالغی میں اس کے والدین نے محمود سے کر دی۔ کچھ دنوں بعد محمود نے اپنے گھر ایک خنزیر باندھا اور بیچا تو زبیدہ کو شوہر کی اس حرکت کے سبب اس کے یہاں جانے سے انکار ہے۔ ایسی صورت میں نکاح ختم ہو گیا یا طلاق کی ضرورت ہے؟

الجواب: حالت نابالغی میں باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے البتہ اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہو مثلاً اس سے پہلے باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے کیا تھا پھر یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے کیا تو نہ ہوا۔ ھکذا فی الدر المختار۔ اور جبکہ باپ کا سوء اختیار نہ معلوم ہو تو لڑکی کا نکاح لازم ہو گیا۔ اور اس کا شوہر محمود اپنے گھر خنزیر باندھنے اور بیچنے کے سبب سخت گنہگار ضرور ہوا مگر اس کی بیوی اس کے نکاح سے نہیں نکلی۔ لہٰذا اگر لڑکی کو اس کے یہاں جانے سے انکار ہے تو جس طرح بھی ہو سکے طلاق حاصل کرے۔ طلاق یا شوہر کی موت کے بغیر لڑکی دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر سکتی۔ وھو اعلم بالصواب۔

کتبــــــــہ جلال الدین احمد امجدی
۲۹ جمادی الاخری سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ:۔ از محمد ارشد موضع سوربا۔ رائے ڈیہا ضلع بستی۔ یوپی

ہندہ کا نکاح اس کے والدین نے کم سنی ہی میں زید کے ساتھ کر دیا۔ جب ہندہ باشعور ہوئی۔ تو زید سے نکاح کرنا ناپسند قرار دیا اور قبل بلوغ ہی سے زید کے گھر جانے سے مسلسل انکار کرتی رہتی ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا یا نہیں۔

الجـــواب:۔ اگر لڑکی مذکورہ کے نکاح سے پہلے باپ کا سوء اختیار معلوم ہو چکا ہو مثلاً اس سے پہلے اس نے اپنی کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو سے یا مہر مثل میں فاحش کمی کے ساتھ کیا تھا۔ اور پھر اس لڑکی کا نکاح غیر کفو سے یا مہر مثل میں فاحش کمی کے ساتھ کیا تو نکاح نہ ہوا۔ اس صورت میں لڑکی طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر باپ کا سوء اختیار نہ معلوم ہو تو اس کا کیا ہوا نکاح نابالغہ لڑکی کے لئے لازم ہو جاتا ہے۔ بالغ ہونے کے بعد اس کا انکار کرنا لغو ہے۔ اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر لڑکی دوسرا نکاح ہرگز نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم ص۳۰۲ میں ہے۔ لزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفؤ ان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منہما سوء الاختیار، وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا اھ۔ وھو سبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۳ ربیع الآخر سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ:۔ از عبد الغفور نفر اسے۔ سی بی۔ کپوڑ ضلع جبل پور (ایم۔ پی)

مسماۃ رفیق بنت سعادت الدین عمر تقریباً ۱۱½ سال اور مسمی نثار احمد بن اظہار محمد عمر تقریباً ۱۴½ سال جہالت کی محبت کی بنا پر لڑکے اور لڑکی کے والدین نے بڑی خوشی کے ساتھ ولی اور شاہدوں کی شہادت سے باقاعدہ شادی کر دی لیکن لڑکی کے سن بلوغ کو پہونچنے کے قبل ہی لڑکے کے والدین نے اپنے لڑکے کی شادی دوسری لڑکی کے ساتھ کر دی۔ اب چونکہ لڑکی بھی بالغ ہو چکی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مجھے اپنی شادی کا کچھ ہوش و پتہ نہیں ہے۔ اور ایسی حالت میں نہ میں اس رشتہ کو پسند کرتی ہوں اور نہ ہی اس رشتہ کو ماننے کو تیار ہوں ایسی حالت میں لڑکی کے والدین

بھی دوسری جگہ شادی کرنا چاہتے ہیں نکاح نامہ میں صرف نکاح ہونے کی تاریخ ۱۰رجون ۱۹۶۵ء تحریر ہے دولہا اور دولہن کے نام مع ولدیت درج ہے لیکن عمر کسی کی بھی درج نہیں ہے۔ مہر ۲۲۵ روپیہ درج ہے۔ نکاح پڑھانے والا قاضی انتقال ہو چکا ہے۔ باقی اشخاص زندہ اور موجود ہیں۔

(۱) کیا شریعت اسلام کے تحت اس قسم کی شادی جائز ہے؟ اور ارکان واصول کی پابندیاں کہاں تک درست اور ضروری ہے؟

(۲) نابالغ لڑکی کو سن بلوغ کے پہونچنے کے بعد اگر اسی شادی جو والدین کے مرضی پر ہوئی تھی پسند نہ ہو تو اپنا نکاح فسخ کرنے کا حق کن وجوہات پر ہے۔

(۳) کیا بغیر خلع یا طلاق کے لڑکی کے والدین اس کی دوسری جگہ شادی کر سکتے ہیں؟ اس کیلئے کیا سبیل کیا جائے؟

الجواب ـــــ (۱) نابالغ لڑکی کے نکاح پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے۔ یعنی اگرچہ لڑکی نہ چاہے ولی نے جب نکاح کر دیا تو ہو گیا۔ پھر اگر باپ دادا نے نکاح کر دیا ہے تو اگرچہ مہر مثل سے بہت کم پر نکاح کیا یا غیر کفو سے کیا جب بھی ہو گیا۔ بلکہ لازم ہو گیا۔ اس کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کے توڑنے کا اختیار نہیں رہا۔ ہاں اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہو چکا ہو مثلاً اس سے بیشتر اس نے اپنی کسی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے کر دیا اور پھر یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے کیا تو صحیح نہ ہوا۔ (بہار شریعت حصہ ہفتم ص۲۳)

(۲) جبکہ باپ کا سوء اختیار نہ معلوم ہو چکا ہو تو اس کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے۔ بالغ ہو جانے کے بعد لڑکی اسے فسخ نہیں کر سکتی۔ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۶۷ میں ہے ان زوجهما الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما كذا فى الهداية۔ وهو تعالٰى اعلم بالصواب

(۳) اگر باپ کا سوء اختیار نہ معلوم ہو چکا ہو تو لڑکی کو اس کے شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا جائے۔ اور اگر لڑکی کسی طرح اس کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہو تو پھر جس طرح بھی ہو سکے طلاق حاصل کی جائے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۶رذی القعدہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ:۔ از سید عبد الصمد شیو پوری۔ شیو تری بازار ضلع گورکھپور۔

خالد ذات کا سید ہے ان کے پاس ایک لڑکی ہے اور عمرو ذات کا پٹھان ہے اس کے پاس ایک لڑکا ہے خالد جو ہے اپنی حقیقی لڑکی کی شادی عمرو کے لڑکے کے ساتھ کر رہا ہے جو ذات کا پٹھان ہے تمام لوگ منع کرتے ہیں کہ یہ شادی درست نہیں ہے سید اور پٹھان کی شادی نہیں درست ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں جب اسکے ماں باپ شادی کر رہے ہیں تو درست ہے اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ شادی درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ـــــ اگر لڑکی نابالغ ہے اور باپ کا سوء اختیار معلوم ہے یعنی اس سے پہلے اپنی کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کر چکا ہے تو یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے صحیح نہ ہوگا اور اگر اس سے پہلے کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو سے نہیں کیا ہے تو ہو جائیگا جیسا کہ درمختار میں ہے لزم النکاح بغیر کفوء ان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا اھ ملخصا اور اگر لڑکی بالغ ہے اور باپ بیٹی دونوں کو اس کا پٹھان ہونا معلوم ہے اور دونوں اس عقد پر راضی ہیں تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جائے گا۔ ھکذا فی الفتاوی الرضویۃ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبـــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۷ ذی القعدہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ ۱۔ از محمد داؤد پوسٹ ومقام بینوا اینٹی ضلع گورکھپور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے حق اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی شادی اس کے نانا نے طے کی اور پھر حالت نابالغی میں اپنی ولایت سے نکاح کر دیا۔ باپ بمبئی تھا جب اسکو معلوم ہوا تو اس نے نانا کے کئے ہوئے نکاح کو قبول نہ کیا بلکہ ناراض ہوا۔ سوال یہ ہے کہ نانا کا کیا ہوا نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب ـــــ نانا نے جس کے ساتھ ہندہ نابالغہ کی شادی طے کی اگر وہ ہندہ کا کفو تھا اور باپ سے نکاح کی اجازت لینے تک اس رشتہ کے فوت ہونے کا اندیشہ تھا اور پھر اس قسم کا اچھا رشتہ ملنا مشکل تھا اور نانا سے اقرب ہندہ کا کوئی ولی موجود نہ تھا تو نکاح ہو گیا لیکن اگر لڑکا ہندہ کا کفو نہ تھا۔ یا باپ سے اجازت لیتے تک رشتہ کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ تھا یا اس رشتہ کے فوت ہونے پر اس قسم کا اچھا رشتہ ملنا مشکل نہ تھا۔ یا ہندہ کے خاندان میں اس کے دادا پر دادا وغیرہ کی اولاد میں سے کوئی مرد نانا سے ولی اقرب موجود تھا یا ہندہ کی

ماں دادی یا نانی موجود تھی اور نانا نے اپنی ولایت سے نکاح کیا اور ولی اقرب نے صراحۃً یا دلالۃً اسے جائز نہ کیا تو ان تمام صورتوں میں نکاح نہ ہوا درمختار میں ہے ان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ لا یصح النکاح من غیر کفو اصلا۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۲۶۹ میں ہے ان کان الاقرب غائبا غیبۃ منقطعۃ جاز نکاح الابعد کذا فی المحیط۔ اور غیبت منقطعہ کی تعریف میں اختلاف ہے رد المحتار جلد دوم ص۳۱۵ میں ہے قال فی البدائع الاصح انہ اذا کان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع رایہ فات کفو الذی حضر فالغیبۃ منقطعۃ وفی البحر عن المجتبی والمبسوط انہ الاصح وفی النھایۃ واختارہ اکثر المشائخ وصححہ ابن الفضل وفی الھدایۃ انہ اقرب الی الفقہ وفی الفتح انہ الاشبہ بالفقہ۔ ھذا ما عندی وھو اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۷ رجب المرجب ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از شمس الحق مقام کول پور ضلع گورکھپور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے ملت اسلامیہ اس مسئلہ میں کہ ہندہ جو شریف خاندان کی لڑکی ہے اور خود بھی شریف ہے اس کے ددھیال اور ننھیال میں کوئی اس کا ولی نہیں ہے صرف اس کی خالہ ہے ہندہ اپنے خالہ کے یہاں گئی تو زید جو چور بدمعاش اور ڈاکو ہے اس نے ہندہ کو ایک مکان میں بند کرکے مار ڈالنے کی دھمکی دی رسی سے باندھ دیا یہاں تک کہ گلے پر گنڈاسا رکھ کر اپنے ساتھ نکاح کا اقرار کرایا اور نکاح پڑھالیا ہندہ اور اس کی خالہ اس نکاح سے راضی نہ رہے ہندہ تین چار روز کے بعد موقع پاکر زید کے یہاں سے بھاگ گئی اور اس کے گھر سے نکلنے کے بعد ہندہ نے کہا کہ میں اس ڈاکو کے یہاں کبھی نہیں جاؤں گی اور دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس کیلئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: دھمکی دے کر بھی نکاح کے قبول کرانے سے نکاح ہو جاتا ہے جیسا کہ بہار شریعت حصہ پانزدہم ص۹ میں ہے کہ "نکاح و طلاق و عتاق پر اکراہ ہوا یعنی دھمکی دے کر ایجاب یا قبول کرالیا یا طلاق کے الفاظ کہلوائے یا غلام کو آزاد کرایا تو یہ سب ہو جائیں گے اور فتاوی عالمگیری جلد پنجم ص۳۱ میں ہے ان تصرفات المکرہ کلھا قولا منعقدۃ عندنا الطلاق والعتاق والنکاح والتدبیر والاستیلاد

والتن رفرهو لازم کن اف الکافی اھ تلخیصاً اور درمختار مع شامی جلد پنجم صـ۸۷ کتاب الاکراہ میں ہے صح نکاحه وطلاقه وعتقه بالقول لا بالفعل۔ لیکن اگر ہندہ شریف خاندان کی لڑکی ہے اور خود بھی شریف ہے جیسا کہ سوال میں ظاہر کیا گیا ہے تو زید جو چور، بدمعاش اور ڈاکو ہے اس کا کفو نہیں جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم صـ۳۲۰ میں ہے تعتبر فی العرب والعجم دیانة ای تقوی فلیس فاسق کفوًا الصالحة او فاسقة بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاهر نهر اھ۔ اور ولی والی عورت کا نکاح صحیح ہونے کے لئے کفاءت شرط ہے یا ولی اقرب کا عقد سے پہلے جان بوجھ کر غیر کفو پر نکاح پر اظہار رضا ضروری ہے۔ لہٰذا صورت مستفسرہ میں ہندہ کی خالہ جو اسکی ولیہ ہے اگر نکاح سے پہلے اس بدمعاش کے ساتھ عقد پر اپنی رضا کو ظاہر نہ کیا تو نکاح نہ ہوا۔ عورت طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے فتاویٰ رضویہ جلد پنجم صـ۲۹۱ میں ہے "روایت مفتی بہا پر ولی والی عورت کیلئے کفاءت شرط صحت نکاح ہے یا ولی اقرب پیش از عقد عدم کفاءت پر دانستہ اپنی رضا ظاہر کر دے بعد عقد راضی ہو جانا کچھ نفع نہیں دیتا فی رد المحتار تحت قوله الکفاءة للزوم النکاح علی ظاهر الروایة ولصحته علی روایة الحسن المختارة للفتوی اھ وفی الدر المختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوی فلا تحل بلا رضی ولی بعد معرفته ایاه فلیحفظ اھ مختصراً۔ اور اگر اس بدمعاش کے ساتھ نکاح ہونا ہندہ کی خالہ کے لئے ننگ و عار کا باعث نہ ہو تو اس صورت میں نکاح ہو گیا۔ طلاق حاصل کئے بغیر وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ هٰذا ما ظهر لی والعلم بالحق عند الله تعالٰی ورسوله جل جلاله وصلی الله تعالٰی علیه وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۳۰ رجمادی الاخری ۱۴۰۱ھ

مسئلہ :- شمشاد علی، نرکٹہا، بانسی، بستی (یوپی)

زید و ہندہ دونوں سے محبت ہو گئی اور زید شادی شدہ ہے اور ہندہ بغیر شادی شدہ۔ زید اور ہندہ دونوں فرار ہو گئے بعدہ ہندہ کے والد اس کو پکڑ کر اپنے گھر لائے اور کچھ دنوں ہندہ اپنے والد کے پاس رہی اس کے بعد پھر زید و ہندہ فرار ہو گئے اور کچھ دنوں بعد زید ہندہ کو اپنے گھر لایا زید نے علانیہ توبہ کی اور ہندہ سے نکاح پڑھا لیا تو کیا زید کے گھر کھانا پینا جائز ہے؟ اور ہندہ کے والد کے گھر کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا

توجروا۔

الجواب ـــــ صورت مستفسرہ میں اگر ہندہ بالغہ ہے اور زید اس کا کفو ہے تو اگرچہ باپ اس نکاح سے راضی نہ رہا ہو نکاح مذکور منعقد ہوگیا اور اگر زید ہندہ کا کفو نہیں تو باپ اگرچہ نکاح کے وقت چپ رہا ہو مگر اگرچہ بعد نکاح اپنی رضامندی صاف صاف ظاہر کردی ہو لیکن قبل از نکاح باپ نے صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر نہ کی تو غیر کفو کی صورت میں نکاح ہرگز جائز نہ ہوا اسی طرح فتاوی رضویہ میں ہے اور درمختار میں ہے یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان اور ردالمحتار میں ہے ھذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وھذا اذا کان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ اور اسی طرح ردالمحتار میں ہے السکوت منہ لا یکون رضی کما ذکرنا اھ۔ اور زید نے جبکہ علانیہ توبہ کرلی تو اس کے یہاں کھا پی سکتے ہیں لیکن چونکہ اس نے گناہ عظیم کیا ہے اس لئے اسکو چاہئے کہ میلاد شریف و قرآن خوانی کرے غرباء و مساکین کو کھانا کھلائے اور مسجد میں لوٹا و چٹائی رکھے کہ یہ چیزیں قبول توبہ میں معاون ہونگی۔ اور ہندہ کا فرار اگر اس کے باپ کی لاپروائی سے ہوا تو اس کے باپ پر بھی علانیہ توبہ و استغفار لازم ہے اور بعد توبہ اس کے یہاں کھا پی سکتے ہیں۔ اور ہندہ پر بھی توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ

مسئلہ:۔ از حافظ عثمان۔ نوتنواں بازار۔ گورکھپور۔ یوپی

زید کی لڑکی آمنہ جس کا نکاح چھ سال کی عمر میں گھر والوں نے کردیا۔ اور ایک شخص جو عقیدہ کا گندہ وہابی تھا۔ اس نے لڑکی کا عقد پڑھا دیا۔ اب لڑکی بالغہ ہوگئی۔ اور اس عقد سے انکار کرتی ہے۔ لڑکی کے والدین سنی اور صحیح العقیدہ ہیں بہت پریشان ہیں لہٰذا فتوی مع اسناد مرحمت فرمائیں۔

الجواب ـــــ وہابی سے نکاح پڑھوانا سخت ناجائز و گناہ ہے کہ اس میں اس کی تعظیم ہے لیکن اگر وہابی نے پڑھا دیا تو منعقد ہوجائے گا اس کے لئے اسلام شرط نہیں۔ بدائع الصنائع اور فتاوی رضویہ میں ہے۔ تجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لو کان الوکیل مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فھو علی وکالتہ الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالتہ

لہٰذا صورت مستفسرہ میں عقد مذکور لازم ہوگیا۔ تاوقتیکہ شوہر طلاق نہ دے آمنہ کو اس کے ساتھ زندگی گزارنا ضروری ہے

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۸ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از سکریٹری انجمن معین الاسلام، پرانی بستی بشہر بستی۔

ہندہ جبکہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھی تو اس کا باپ مرگیا بعد عدت ہندہ کی ماں نے دوسرے گاؤں پر شادی کرلی جب ہندہ کی عمر پانچ برس کی ہوئی جو اپنی ماں کے پاس تھی تو اس کے حقیقی چچا عبدالغفار نے ہندہ کا نکاح غریب اللہ سے کر دیا اس نکاح سے ہندہ کی ماں راضی نہیں تھی۔ ہندہ ابھی کنواری ہے غریب اللہ کی اس سے ابھی تک تنہائی نہیں ہوئی اب غریب اللہ نے پھر دوسرا نکاح کرلیا اور وہ ہندہ کو رکھنا نہیں چاہتا اور نہ طلاق ہی دیتا ہے۔ اب ہندہ کی عمر ۱۹ سال ہے۔ ہندہ کی ماں اس کا دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کا دوسرا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب — اگر باپ نہ ہو تو دادا پھر پردادا وغیرہ پھر بھائی کو حق ولایت حاصل ہے اگر ان میں سے کوئی نہ تھا تو حقیقی چچا عبدالغفار کو حق ولایت حاصل تھا اگر اس نے اپنی بھتیجی کا نکاح غیر کفو یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ کیا تو نکاح نہ ہوا۔ اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ درمختار میں ہے۔ ان کان المزوج غیرھما ای غیر الاب وابیہ لا یصح النکاح من غیر کفوٴ او بغبن فاحش اصلا اھ ملخصا اور اگر کفو و مہر مثل کے ساتھ کیا تھا تو منعقد ہوگیا تھا لیکن اس صورت میں اگر لڑکی کو نکاح ہونا پہلے سے معلوم تھا تو بالغ ہوتے ہی فوراً نکاح فسخ کرسکتی تھی اگر فوراً اس نے فسخ نہ کیا تو اب اختیار فسخ جاتا رہا اور اس کے بارے میں مسئلہ معلوم نہ ہونے کا عذر شرعاً مسموع نہیں، اس صورت میں لڑکی غریب اللہ کی بیوی ہے اگر وہ رکھنا نہیں چاہتا تو جس طرح بھی ہوسکے طلاق حاصل کی جائے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری صـ۲۷۶ میں ہے ان زوجھا غیر الاب والجد فلکل واحد منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ۔ پھر اسی صفحہ پر چند سطر کے بعد ہے یبطل ھذا الخیار فی جانبھا بالسکوت اذا کانت بکرا ولا یمتد الی اخر المجلس حتی لو سکتت کما بلغت وھی بکر بطل الخیار اھ اور شرح وقایہ

جلد دوم مجیدی صـ۲۲ میں ہے ان البکر اذا سکتت بعد البلوغ او العلم بناء علی انھا لم تعلم ان لھا الخیار بطل خیارھا فان سکوتھا رضاء ولا تعذر بالجھل اھ۔
واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۷ ذی القعدہ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از مظہر حسین نوری۔ بڑا بازار بانس ڈیہہ ضلع بلیا۔

ہندہ کی شادی نابالغی میں ہوئی۔ ہندہ کا باپ بیمار تھا۔ ولی نکاح دوسرے کو منتخب کیا۔ اب ہندہ کی شادی دوسرے سے ہوگئی۔ شومئی قسمت سے زید برص زدہ ہوگیا۔ علاج کافی ہوا مگر اچھا نہ ہوا۔ ہندہ کو خوف ہے اس کی بیماری کا۔ اب دو سال بعد جب ہندہ بالغ ہوتے کو ہوئی کہ پہلا حیض آتے ہی ہندہ نے اپنے نکاح کو فسخ کردیا۔ اور اپنے والدین سے زید کے گھر جانے سے انکار کردیا۔ کیا ہندہ زید کے نکاح میں ہے کہ نہیں۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں جبکہ باپ کی اجازت سے نکاح ہوا تو وہ لازم ہوگیا۔ بالغ ہونے کے بعد لڑکی کا اس نکاح کو فسخ کرنا بیکار ہے وہ بدستور اپنے شوہر کی بیوی ہے بغیر طلاق وہ دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی ہاں باپ اگر اپنی کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح پہلے کسی غیر کفو یا مہر مثل میں فاحش کمی کے ساتھ کیا تھا اور پھر اس لڑکی کا نکاح بھی غیر کفو یا مہر مثل میں فاحش کمی کے ساتھ کیا تو نہ ہوا۔ تو اس صورت میں لڑکی بغیر طلاق کے دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ درمختار جلد دوم مع شامی صـ۳۰۳ میں ہے لزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفو ان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا اھ ملتقطا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۹ ربیع النور ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از جلیل احمد موضع قصبہ پوسٹ دلاسی گنج ضلع فیض آباد۔

(۱) جلیل احمد کا کہنا ہے کہ محمد رفیق نے ہم کو اعلیٰ مالک بنادیا اور یہ کہہ دیا کہ جاؤ میری لڑکی کا نکاح کہیں طے کرکے کردیجئے میں نے اس کی شادی طے کیا اور رفیق کو بلوایا تو رفیق آئے کہا کہ میرے پیر میں چوٹ آگئی

ہے میں پریشان ہوں میں نے آپ کو مالک بنا دیا ہے آپ جا کر کر دیجئے۔ شادی ہوئے قریب تین سال ہوئے اب رفیق انکار کر رہے ہیں کہ میں نے جلیل کو اعلیٰ مالک نہیں بنایا تھا جلیل اپنی مرضی سے میرے لڑکی کا نکاح کر دئے ہیں۔ میں اس نکاح سے راضی نہیں ہوں آج تین سال بعد گاؤں میں پنچائت کیا گیا۔ گاؤں کے سامنے جلیل نے گواہ پیش کیا (۱) رمضان علی موضع قصبہ (۲) جنت النساء موضع قصبہ (۳) سعید النساء موضع قصبہ۔ گاؤں والوں کے سامنے یہ تینوں آدمیوں نے کہا کہ ہم سے رفیق نے کہا تھا کہ ہمارے لڑکی کا نکاح ہے تمہارے یہاں سے کون جائیگا پھر رمضان کے یہاں جن گئے اور جنت النساء کے یہاں سے اس کا لڑکا ناج محمد گیا اور سعید النساء کے گھر سے کوئی نہیں گیا۔ جلیل نے رفیق کے لڑکی کا نکاح کر دیا لیکن لڑکی کی رخصتی نہیں کیا۔ ابھی تک اپنے والد کے یہاں رہ رہی ہے اور نکاح ہوئے تین سال کے قریب ہوگیا آج قریب ایک ماہ گے ہوا رفیق نے اپنی اسی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کسی دوسرے لڑکے کے ساتھ کر دیا پہلے والی نکاح میں لڑکی نابالغ تھی اب اس وقت لڑکی بالغ ہوچکی ہے۔ ایسی حالت میں دوسرا نکاح ہوا کہ نہیں؟

الجواب ـــــ محمد رفیق نے اگر واقعی محمد جلیل سے کہا تھا کہ تم میری لڑکی کا نکاح کہیں طے کر کے کر دو اور جلیل نے محمد رفیق کی لڑکی کا نکاح کر دیا تو وہ لازم ہوگیا۔ پھر محمد رفیق نے اپنی اسی لڑکی کا نکاح جو دوسرے کے ساتھ کیا وہ نکاح باطل ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اپنی لڑکی کو شوہر اول کے پاس بھیجے یا اس سے طلاق حاصل کرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں۔ واما ینسینك الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین (پ ۱۴)۔ وھو تعالٰی سبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
یکم صفر المظفر سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ ۔ از عبد الستار موضع بسڈیلہ پوسٹ مروٹیا بازار ضلع بستی۔

ہندہ جو کہ بالغہ ہے اپنے ننہال جا رہی تھی راستہ میں اس کا بہنوئی ملا تو اپنے گاؤں پر لے گیا اور بغیر ہندہ کی اجازت کے اس کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا جو کہ نابالغ ہے۔ ہندہ برابر اس نکاح کا انکار کرتی رہی اور بکر کے ساتھ ہندہ کی تنہائی بھی نہیں ہوئی۔ صبح کے وقت جب ہندہ کے باپ کو معلوم ہوا تو اس نکاح کا اس نے بھی انکار کیا اور اپنی لڑکی ہندہ کو اس کے بہنوئی کے یہاں سے لے آیا اب سوال یہ ہے کہ نکاح مذکور منعقد ہوا یا نہیں اور طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ

دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب ـــــــ صورت مستفسرہ میں ہندہ کا نکاح مذکور منعقد نہیں ہوا۔ طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۷ ربیع الآخر ۱۳۹۸ھ

مسئلہ: از عزیز احمد بیگ رضوی

زید کی لڑکی ہندہ ہے اور ہندہ نابالغہ ہے اور بلا اجازت زید کے بکر ہندہ کا حقیقی بھائی ہندہ کا عقد کر دیتا ہے اور زید انکار کر رہا ہے کہ میں اپنی لڑکی ہندہ کا عقد عمرو کے ساتھ منظور نہیں کرتا ہوں۔ اور عقد ہو جانے کے بعد بکر بھی بری الذمہ ہو رہا ہے اب اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں اور زید بلا طلاق ہندہ کا عقد کرسکتا ہے کہ نہیں ؟۔

الجواب ـــــــ باپ کی موجودگی میں بھائی ولی ابعد ہے اور ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح ولی اقرب کی موجودگی میں اس کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے لہٰذا صورت مستفسرہ میں اگر نابالغہ کا نکاح اس کے بھائی نے باپ کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کیا تو وہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف تھا جب اس نے نامنظور کر دیا تو نکاح نہ ہوا طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کا دوسرا عقد کرنا جائز ہے فتاویٰ عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۷۶ میں ہے

ان زوج الصغیر والصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضراً وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ کذا فی المحیط۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از تاج محمد ایشٹی رامپور پورہ پنہوان ضلع گونڈہ (یوپی)

فاطمہ کا نکاح اس کے باپ نے قبل بلوغ کر دیا تھا بلوغ کے بعد لڑکی نے فسخ نکاح کا اعلان کر دیا تو کیا فاطمہ کا نکاح فسخ ہوگیا اور وہ دوسرے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــ فاطمہ کے باپ تاج محمد نے زبانی بیان دیا کہ اس سے پیشتر اس نے اپنی بڑی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے نہیں کیا ہے یعنی وہ معروف بسوء اختیار نہیں ہے تو صورت مستفسرہ میں دوسری لڑکی فاطمہ کا نکاح باپ نے اگرچہ غیر کفو فاسق وغیرہ سے کیا لازم ہوگیا کہ بعد بلوغ فاطمہ کو اسے توڑنے کا اختیار نہیں لہٰذا طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کرسکتی فتاویٰ عالمگیری اول مطبوعہ مصر ص۲۶۷ میں ہے ان

زوجهما الاب والجد فلاخیار لهما بعد بلوغهما کن اف الهدایۃ اھ۔ درمختار میں ہے لزم النکاح ولو بغبن فاحش بزیادۃ مهرها اوبغیر کفؤ ان کان الولی ابا اوجدا لم یعرف منهما سوء الاختیار اھ تلخیصًا۔ وھو تعالٰی وسبحانہ اعلم

کتبـــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۲؍ شعبان المعظم ۹۹ھ

مسئلہ: از علی احمد قاضی پور خورد شہر گورکھپور۔
ہندہ کی گود میں اس کی چھوٹی لڑکی زینب تھی ہندہ اس کو اپنے ہمراہ اپنے شوہر زید کو چھوڑ کر بکر کے ساتھ چلی گئی۔ جب زینب کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو بکر نے اس کو اپنی بیٹی قرار دیکر اس کا ایک شخص سے نکاح کر دیا پھر زینب نکاح کے بعد اپنے سسرال چلی گئی اور تقریبًا تین برس سسرال رہ کر اپنے اصل باپ زید کے گھر چلی آئی اس وقت زینب کی عمر قریب دس سال یا گیارہ سال ہے وہ اپنے سسرال قطعی نہیں جانا چاہتی دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا بغیر طلاق دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: اگر زید کو نکاح کی اطلاع ملی اور اس نے انکار کر دیا تو نکاح جائز نہ ہوا اس صورت میں زینب بغیر طلاق حاصل کئے دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر اطلاع پانے پر زید نے منظور کر لیا تھا تو نکاح صحیح ہو گیا اس صورت میں زینب بغیر طلاق حاصل کئے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کر سکتی ہے۔ اور اگر زید کو نکاح کی اطلاع نہ ملی یہاں تک کہ زینب بالغ ہو گئی تو اگر اس نے بلوغ کی مجلس میں حق خیار بلوغ کو استعمال کرتے ہوئے اپنے نکاح کو رد کر دیا تو ایسی صورت میں وہ دوسرا نکاح بغیر طلاق حاصل کئے ہوئے کر سکتی ہے۔ اور اگر مجلس بلوغ میں اس نے حق خیار بلوغ کو استعمال نہ کیا تو نکاح برقرار رہے گا۔ اس صورت میں بغیر حصول طلاق دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ ھٰذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبـــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۴؍ جمادی الاخری ۸۹ھ

مسئلہ: از سید عبدالمنان ہاشمی وشاہ محمد قادری ہاشمی بکٹھ پور بڑھنی بازار ضلع بستی۔
شمس النساء بنت ابرار حسین کا عقد بچپن کی حالت میں ایک شخص کے ساتھ عقد کر دیا گیا تھا۔ اب جب کہ عرصہ

چند سال کا گذرا اور شمس النساء عالمِ شباب میں قدم رکھ رہی ہے جس جگہ اس کا عقد ہوا تھا جانے سے انکار کرتی ہے اب ایسی حالت میں کیا شمس النساء حسبِ منشا بغیر طلاق حاصل کئے دوسری جگہ کر سکتی ہے یا نہیں از روئے شرع مفصل جواب سے نوازیں۔

الجواب ــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ صورتِ مستفسرہ میں شمس النساء کا عقد اگر اس کے باپ دادا نے کیا تھا یا ان کی اجازت سے کسی دوسرے نے کیا تھا یا ان کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے نے عقد کر دیا تھا مگر علم ہونے پر باپ نے یا اس کے نہ ہونے کی صورت میں دادا نے اسے جائز ٹھہرا دیا تھا تو ان تمام صورتوں میں شمس النساء طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ اور اگر حالتِ نابالغی میں باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے نے نکاح کیا تھا اور باپ دادا زندہ نہ تھے یا زندہ تھے مگر ان کو نکاح کا علم نہ ہوا اور مر گئے تو ان صورتوں میں لڑکی کو بالغ ہوتے ہی فوراً فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ اگر کچھ بھی وقفہ ہوا تو اختیارِ فسخ جاتا رہے گا۔ مگر فسخ نکاح کے لئے قضائے قاضی شرط ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۲۶۹ میں ہے: ان زوجھما الاب والجد فلاخیار لھما بعد بلوغھما وان زوجھما غیر الاب والجد فلکل منھما الخیار اذا بلغ ان شاء اقام علی النکاح وان شاء فسخ وھذا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللّٰہ تعالٰی ویشترط فیہ القضاء کذا فی الھدایہ اور جس ملک میں قاضی نہ ہو تو ضلع کا سب سے بڑا سنی صحیح العقیدہ عالم اس کے قائم مقام ہوگا ایسا ہی فتاوی رضویہ جلد چہارم اور حدیقہ ندیہ میں ہے۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲ ربیع الآخر ۹۵ھ

مسئلہ: از ابوالکلام مقام و پوسٹ کشم کھور ضلع فرخ آباد۔

خالدہ نابالغہ کے نکاح کا ولی کون ہو سکتا ہے۔ جبکہ خالدہ کے نہ تو والد نہ بھائی نہ حقیقی چچا موجود ہیں۔ ہاں خاندان کے لوگ موجود ہیں۔ کیا خالدہ کی ماں ولی ہو سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ خالدہ نابالغہ کی ولایت کا حق بالترتیب حسبِ ذیل لوگوں کو حاصل ہے۔ سب میں مقدم باپ پھر دادا پھر پردادا وغیرہم اصول اگرچہ کئی پشت اوپر کا ہو۔ پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلا بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا پھر حقیقی چچا پھر سوتیلا چچا پھر حقیقی چچا کا بیٹا پھر سوتیلے چچا کا بیٹا پھر باپ کا حقیقی چچا پھر سوتیلا چچا پھر باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا پھر سوتیلے چچا کا بیٹا پھر دادا کا حقیقی چچا پھر سوتیلے چچا پھر دادا

کے حقیقی چچا کا بیٹا پھر سوتیلے چچا کا بیٹا خلاصہ یہ کہ اس خاندان میں سب سے زیادہ قریب کا رشتہ دار جو مرد ہو "ولی ہے" بہار شریعت ہفتم ص۳۵۔ اگر عصبہ (وہ مرد جس کو اس سے قرابت کسی عورت کی وساطت سے نہ ہو یا یوں سمجھو کہ وہ وارث کہ ذوی الفروض کے بعد جو کچھ بچے سب لیلے اور اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو سارا مال لے لے) نہ ہو تو ماں ولی ہو سکتی ہے وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد الیاس خان

مسئلہ ۱۰۔ از۔ محمد شفیع موضع نواری قصبہ جہانگیر گنج ضلع فیض آباد (یوپی)۔

زبیدہ خاتون کی شادی بعمر دس سال تجمل حسین کے ساتھ ہوئی اب زبیدہ خاتون کی عمر اکیس سال کی ہوگئی ہے اور اس کا شوہر مختلف شہروں میں ادھر اُدھر گھوم رہا ہے بار بار اس کے پاس آدمی اور خط بھیجا گیا مگر نہ تو وہ آتا ہے اور نہ طلاق ہی دیتا ہے اور اگر خط کا جواب بھی دیتا ہے تو صرف آنے کا وعدہ کرتا ہے آتا نہیں ہے چونکہ لڑکی کے رخسار پر گلٹی ہے اس لئے وہ اسے لینا پسند نہیں کرتا ہے گیارہ سال سے انتظار کرتے کرتے اب لڑکی بھی چاہتی ہے کہ ایسے شوہر سے رخصت مل جائے تو اچھا ہے اور لڑکی کے والدین بھی سخت حیران ہیں اور چونکہ تجمل حسین جواری ہونے کے باوجود اور بھی دوسرے غلط افعال میں بھی مبتلا ہے اسے اپنے گھر کی فکر نہیں ہے لہٰذا اس سے یہ قطعی امید نہیں کہ وہ اپنی بیوی زبیدہ خاتون کو لیجائے گا تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں زبیدہ اور اس کے والدین کیا کریں؟

الجواب زبیدہ خاتون اگر بوقت نکاح نابالغہ تھی تو حالت نابالغی میں باپ یا اس کے حکم سے دوسرے کا کیا ہوا نکاح لازم ہوگیا اس صورت میں جس طرح بھی ہو سکے طلاق حاصل کی جائے۔ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہو چکا تھا مثلاً اس سے پہلے اس نے اپنی کسی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے کر دیا تھا اور پھر یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے کیا تو صحیح نہ ہوا درمختار میں ہے لزم النکاح ولو بغبن فاحش بزیادۃ مھرہ او بغیر کفؤ ان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منھما سوء الاختیار اھ۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۴ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ

مسئلہ ۱۱۔ از محمد رفیق احمد قصبہ ولاسی گنج فیض آباد (یوپی)

جمن اور جبراتی دو حقیقی بھائی ہیں لیکن ان دونوں کے مابین اتفاق نہیں رہتا ہے جمن کے پاس ایک نابالغ لڑکی ہے جس کی شادی جبراتی نے ایک عمر لڑکے سے کر دی اس کے نکاح کے بارے میں جمن اور جمن کی اہلیہ دونوں

بے خبر ہیں البتہ نکاح کے وقت جن کا ایک نابالغ لڑکا موجود تھا اس نے آکر اپنے والدین کو مطلع کیا کہ چچا صاحب نے میری بہن کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا ہے جو عمر دراز ہے۔ ایسی صورت میں نکاح ہوا یا نہیں؟ بغیر اس کے باپ کی اجازت و اقرار کے اگر نکاح ہوگیا تو اس کے فسخ کا کونسا طریقہ ہے۔ جبکہ اس بات سے بہت ناراض ہے اور وہ کسی طرح اپنی لڑکی اس کے گھر بھیجنے کو تیار نہیں ہے۔ لہٰذا حضور کرم فرمائیں اور جواب باصواب سے نوازیں۔

الجواب باپ کی موجودگی میں چچا کوئی چیز نہیں۔ اگر باپ کی اجازت کے بغیر نابالغہ لڑکی کا نکاح چچا نے کر دیا تو وہ باپ کی اجازت پر موقوف تھا اگر باپ نے جائز نہ کیا اور رد کر دیا تو وہ نکاح باطل ہے۔ طلاق و فسخ کی کوئی ضرورت نہیں باپ جس سنی صحیح العقیدہ مسلمان سے چاہے دوسرا نکاح کر سکتا ہے۔ درمختار میں ہے لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ وھو تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۸ ربیع الغوث ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: محمد شفیع شہرت گڈھ ضلع بستی۔

(۱) ہندہ کی شادی ہندہ کے والد نے نابالغ حالت میں بچپن ہی میں خالد کے ساتھ کر دیا اور خالد کی عمر کافی تھی اسکی شادی ہی کے وقت جب ہندہ بالغ ہوئی تو اس نے اپنے والد سے کہا کہ میں خالد کے گھر نہیں جاؤں گی تو ایسی صورت میں ہندہ بغیر خالد کے طلاق کے بکر سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اسے نکاح توڑنے کا حق ہے یا نہیں؟

(۲) ہندہ کی شادی بالغ حالت میں اس کا باپ بلا اجازت ہندہ کی شادی ایک بوڑھے سے دوسرے گاؤں جاکر کر دیا اور جب اسے بھیجنے کا ارادہ کیا تو ہندہ کو پتہ چل گیا کہ وہ بوڑھا ہے اور میں اس کے یہاں نہیں جاؤں گی اور ہندہ دوسری جگہ اب اپنی شادی کرنا چاہتی ہے اور ایسی صورت میں وہ طلاق لینا چاہتی ہے اور وہ طلاق دینا نہیں چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں ہندہ کو نکاح توڑنے کا حق ہے یا نہیں؟ اور وہ بغیر طلاق کے اپنا نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب (۱) حالت نابالغی میں باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے۔ لڑکی طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہے مثلاً اس سے پہلے اس نے اپنی کسی لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو سے کر دیا تھا اور پھر یہ دوسرا نکاح غیر کفو سے کیا تو صحیح نہ ہوا درمختار میں ہے لزم النکاح

ولو بغبن فاحش بزیادة مهرها او بغیر کفوان کان الولی ابا او جدا لم یعرف منهما سوء الاختیار اھ وھو اعلم بالصواب۔

(۲) ہندہ بالغہ عاقلہ کا نکاح اگر اس کے باپ نے اس کی اجازت کے بغیر کیا تو وہ نکاح فضولی ہوا جو ہندہ کی اجازت پر موقوف تھا۔ اگر ہندہ کنواری ہے تو جس مجلس میں اسے نکاح کی خبر پہنچی اس مجلس میں وہ نکاح سے انکار کر سکتی تھی۔ اگر اس مجلس میں اس نے باپ کے کئے ہوئے نکاح سے انکار نہ کیا تو بعد میں انکار کرنا بیکار ہے نکاح لازم ہو گیا طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ البتہ ثیبہ کو صراحۃً یا دلالۃً قبول کرنے سے پہلے فضولی نکاح کے رد کرنے کا اختیار ہوتا ہے اگرچہ مجلس بدل جائے ھکذا فی الکتب الفقھیۃ۔ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
یکم جمادی الاولی ۱۴۰۱ھ

مسئلہ:۔ از محمد ادریس موضع دیوریا ڈاکخانہ رام پور بستی۔

ایک بیوہ عورت کو نصیب علی ناجائز طور پر رکھے ہوئے ہے جس سے کئی بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ اس عورت کے پاس پہلے شوہر سے ایک نابالغہ لڑکی تھی جس کا کوئی ولی نہ تھا نہ باپ نہ دادا نہ چچا۔ ہاں اس کے تین بھائی چچازاد تھے جس میں سے ایک بالغ تھا اور دو نابالغ۔ لڑکی مذکور کی ماں نے لڑکی کی شادی نصیب علی کے لڑکے سے کر دی۔ لڑکی مذکورہ کے چچازاد بھائی اس نکاح سے نہ پہلے راضی تھے اور نہ نکاح کے بعد بھی کبھی راضی ہوئے۔ نیز وہ لڑکی اس نکاح کا حالت نابالغی میں انکار کرتی رہی اور بالغ ہونے کے بعد بھی انکار کیا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ماں کا کیا ہوا نکاح مذکور منعقد ہوا تھا یا نہیں؟ اور لڑکی کے انکار سے وہ ختم ہو گیا کہ نہیں؟ اور اب وہ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور نصیب علی و بیوہ عورت جو ناجائز تعلق آپس میں رکھتے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نابالغہ لڑکی کا ولی باپ پھر دادا پھر پردادا وغیرہ ہیں اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو حقیقی بھائی پھر سوتیلا بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا۔ پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا اگر ان میں سے بھی کوئی نہ ہو تو پھر حقیقی چچا پھر سوتیلا چچا پھر حقیقی چچا کا بیٹا پھر سوتیلے چچا کا بیٹا ھکذا فی الکتب الفقھیۃ۔ صورت مسئولہ میں جبکہ نابالغہ کے چچازاد بھائی کی رضا حاصل کئے بغیر نکاح کیا گیا اور پھر بعد نکاح بھی وہ راضی نہ ہوا تو نکاح مذکور باطل ہے لہٰذا طلاق کی ہرگز ضرورت نہیں لڑکی مذکورہ طلاق حاصل کئے بغیر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

نصیب علی اور بیوہ عورت جو آپس میں ناجائز تعلق رکھتے ہیں ان پر واجب ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے

الگ ہو جائیں اور ہرگز ہرگز آپس میں ناجائز تعلق نہ رکھیں اور علانیہ توبہ و استغفار بھی کریں۔ اگر وہ دونوں ایسا نہ کریں تو تمام مسلمان ان کے ساتھ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سلام وکلام اور ہر قسم کے اسلامی تعلقات بند کر دیں یعنی ان دونوں کا بائیکاٹ کریں۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ و رسولہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی
۱۰ رشعبان المعظم ۱۳۸۶ھ

مسئلہ: از سجاد علی کھوٹہنہ ضلع گورکھپور۔

باپ سے اجازت لئے بغیر ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کے نانی نانا نے زید کے ساتھ کر دیا حالانکہ زید جو کفو ہے اس کے فوت کا اندیشہ نہ تھا۔ باپ بمبئی تھا اس خبر کو سن کر وہاں سے آیا اور نانا نانی کے کئے ہوئے نکاح کو نامنظور کر کے طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا تو شرعاً عقد اول درست ہوا یا عقد ثانی؟

الجواب: جبکہ ہندہ کے باپ دادا پردادا وغیرہ کی اولاد کا کوئی مرد عاقل بالغ خواہ کتنے ہی دور کا ہو موجود نہ ہو۔ بلکہ اس کی ماں اور دادی بھی موجود نہ ہوں تو نانی ولی العقد ہوتی ہے اور نانا تو نانی کے بعد کئی درجہ بعد ولی العقد ہوتا ہے علاوہ ازیں باپ کی غیبت۔ غیبت منقطعہ نہ تھی اس لئے کہ کفو کے فوت کا اندیشہ نہیں تھا لہٰذا نانی نانا کا کیا ہوا عقد نہ ہوا اور باپ کا کیا ہوا نکاح ہو گیا درمختار باب الولی میں ہے الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لام الاب ثم للبنت ثم لبنت الابن وھکذا ثم للجد الفاسد اھ ملخصاً۔ اور بدائع الصنائع جلد دوم ص۲۵۱ میں ہے عن الشیخ الامام ابی بکر محمد بن فضل البخاری انہ قال ان کان الاقرب فی موضع یفوت الکفو الخاطب باستطلاع رأیہ فھو غیبۃ منقطعۃ و ان کان لا یفوت فلیست بمنقطعۃ وھذا اقرب الی الفقہ۔ وفی الدر المختار لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ و رسولہ۔

کتبہ: جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: از مسماۃ نوادہ گونڈہ۔

میری شادی میرے خالو نے اپنے لڑکے کے ساتھ زبردستی کر دی میں نابالغ تھی اور میرے والدین کا انتقال

پہلے ہو چکا تھا اور میں ننھال میں تھی مگر میرے ماموں نہ تھے آئے اور جب انھیں معلوم ہوا تو انھوں نے نکاح کی چوڑی توڑ دی اور کپڑا نکاح کا جلا دیا اب جبکہ ماموں اور خالو میں شادی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا تو اسی دن سے خالو نے مجھے جبرًا اپنے گھر رکھ لیا اور ان کا لڑکا بمبئی چلا گیا جس کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی اور تقریبًا سات آٹھ سال ہو گئے گھر پر نہیں آیا اور مجھے بھی اس کے گھر سے نکلے تین سال ہو گئے میرا کوئی پرسان حال نہیں اور مجھ سے ناجائز حرکت بھی ہوئی میں ادھر ادھر مزدوری سے بسر اوقات کرتی رہی لیکن اب بسر نہیں ہو رہا ہے اور نہ تو وہ مجھے کسی قسم کا خرچ اخراجات دیتا ہے اور نہ تو طلاق ہی دیتا ہے میرے لئے شرع سے کیا حکم ہے میں کسی دوسرے سے شادی کر سکتی ہوں یا نہیں ؟

الجواب ـــــ اگر ماموں سے ولی اقرب کوئی نہ تھا تو صورت مسئولہ میں خالو کے نکاح کو اگر ماموں صحیح کر دیتا تو نکاح درست تھا لیکن ماموں چونکہ نکاح سے راضی نہ ہوا اسلئے وہ نکاح درست نہیں لہٰذا طلاق کی کوئی ضرورت نہیں لڑکی بالغ ہونے کے بعد جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ بدر الدین احمد رضوی
۲۳ رمحرم الحرام ۱۳۷۸ھ

مسئلہ :۔ از پرتاب گڈھ مرسلہ عبد القوی

زید بمبئی تھا اس کی نابالغہ لڑکی کتاب النساء کا نکاح زید کے لڑکے اور اس کی بیوی نے بغیر زید سے اجازت لئے رحم اللہ بن عبد الشکور کے ساتھ کر دیا تو یہ نکاح شرعًا صحیح ہوا یا نہیں ؟ جبکہ زید نہ پہلے راضی تھا اور نہ اب راضی ہے۔

الجواب ـــــ صورت مستفسرہ میں زید کے لڑکے اور اس کی بیوی کو اگر پہلے سے اس بات کا علم تھا کہ کتاب النساء کا نکاح رحم اللہ کے ساتھ کرنے کے لئے زید راضی نہیں اس کے باوجود رحم اللہ کے ساتھ کر دیا یا زید کی رضا و عدم رضا کا انھیں علم نہ تھا اور زید سے اجازت لینے تک کفو خاطب کے فوت کا اندیشہ بھی نہ تھا تو شرعًا نکاح منعقد نہیں ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۴ رمن شعبان ۱۳۸۳ھ

مسئلہ :۔ از محمد سلیمان چیف انجینئر آفس این، ای ریلوے گورکھپور۔

ہماری بستی میں نکاح کے بارے میں انجمن اسلامیہ کی طرف سے یہ اصول بنا دیا گیا ہے کہ اگر کسی کا نکاح ہو تو انجمن اسلامیہ کے رجسٹر میں لڑکے اور لڑکی گواہ اور وکیل وغیرہ سے دستخط لی جائے بعدہ مولوی صاحب برادری کے

سامنے نکاح پڑھیں۔ لیکن ابھی حال ہی میں ایک ایسا واقعہ درپیش ہوا کہ زید نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے پڑھوا دیا جس میں نہ تو برادری و محلہ کے لوگ شریک ہیں اور نہ انھیں کچھ علم ہوا لڑکی کی عمر ۱۲ یا ۱۳ سال ہے اس کو بھی کچھ اپنے نکاح کا علم نہیں صبح جب لڑکی کے والد زید نے نکاح کا چھوہارہ لڑکی کو دیا تو اس نے پھینک دیا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح ہوا یا نہیں ؟

الجواب ـــــ صورت مسئولہ میں اگر بوقت نکاح لڑکی بالغہ تھی تو نکاح جائز نہ ہوا اور اگر نابالغہ تھی تو نکاح جائز ہو گیا۔ اس لئے کہ نابالغہ لڑکی کے نکاح پر باپ کو ولایت اجبار حاصل ہے اس طرح کہ بالغ ہونے کے بعد وہ توڑ نہیں سکتی ہاں اگر باپ کا سوء اختیار معلوم ہو چکا ہو مثلاً اس سے پیشتر وہ اپنی کسی اور دوسری لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو فاسق وغیرہ سے کر چکا ہو اور اب یہ دوسرا نکاح اگر کسی غیر کفو سے کیا تو جائز نہ ہوا۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ ـــــ جلال الدین احمد الامجدی

۲۶ / من ذی القعدہ ۱۳۸۳ھ

مسئلہ:۔ از موضع کھوجھہ پوسٹ کھجنی ضلع گورکھپور مرسلہ سجاد علی ۔

باپ سے اجازت لئے بغیر ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کے نانا نانی نے زید کے ساتھ کر دیا حالانکہ زید کفو ہے اس کے فوت کا اندیشہ نہ تھا۔ باپ بمبئی تھا اس خبر کو سن کر وہاں سے آیا اور نانا نانی کے کئے ہوئے نکاح کو نامنظور کر کے طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ کر دیا تو شرعاً عقد اول درست ہوا یا عقد ثانی ؟

الجواب ـــــ ولی اقرب اگر حاضر ہو یا غائب ہو مگر غیبت منقطعہ نہ ہو تو ولی ابعد کی ولایت سے کیا ہوا نکاح صحیح نہیں۔ بدائع الصنائع جلد دوم صفحہ ۲۵۰ میں ہے یتقدم الاقرب علی الابعد اذا کان الاقرب حاضرًا او غائبًا غیبۃ غیر منقطعۃ یعنی ولی اقرب ولی ابعد پر مقدم ہوگا اگر ولی اقرب حاضر ہو یا غائب ہو مگر غیبت منقطعہ نہ ہو۔ اور ولی اقرب کی غیبت اگر غیبت منقطعہ ہو تو ولی ابعد کا کیا ہوا نکاح جائز ہے عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۹ میں ہے ان کان الاقرب غائبًا غیبۃ منقطعۃ جاز نکاح الابعد کذا فی المحیط۔ اور صورت مستفسرہ میں ولی اقرب کی غیبت غیبت منقطعہ نہیں۔ بدائع الصنائع مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۱ میں ہے ان کان الاقرب فی موضع یفوت الکفو الخاطب باستطلاع رأیہ فھو غیبۃ منقطعۃ وان لا یفوت فلیست بمنقطعۃ۔

یعنی اگر ولی اقرب ایسی جگہ ہے کہ اس کی رائے معلوم کرنے سے کفو خاطب فوت ہوجائے گا تو ایسی حالت میں ولی کی غیبت غیبت منقطعہ ہے اور اگر کفو خاطب فوت نہ ہوتا ہو تو اس کی غیبت غیبت منقطعہ نہیں۔ بہار شریعت کتاب النکاح مطبوعہ لاہور ص۹۵ میں ہے۔ ولی کے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کا انتظار کیا جائے تو وہ جس نے پیغام دیا ہے اور کفو بھی ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوگیا کہ ہندہ کے باپ کی غیبت چونکہ غیبت منقطعہ نہیں اس لئے نانا یا نانی کا کیا ہوا نکاح ناجائز ہے لہٰذا بغیر طلاق حاصل کئے ہوئے ہندہ کا جو نکاح اس کے باپ نے کیا وہ شرعاً درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۱؍صفر ۱۳۸۳ھ

مسئلہ:۔ از محمد رفیق خطیب مسجد سبھا کمر ضلع پرتاب گڈھ۔

سکینہ کا نکاح اس کی والدہ اور ماموں نے سکینہ کے دادا اور چچا کی اجازت کے بغیر کر دیا اس وقت دادا اور چچا کہتے ہیں کہ یہ نکاح میری راضی اور خوشی سے نہیں ہوا تو نکاح مذکور شرعاً صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب: اگر سکینہ بوقت نکاح بالغہ تھی اور کفو کے ساتھ اس کی اجازت سے نکاح ہوا تو صحیح ہوگیا اور اگر نابالغہ تھی اور دادا غائب تھا اس طرح کہ اس کی اجازت حاصل کرنے میں کفو خاطب کے فوت کا اندیشہ تھا تو صحیح ہوگیا اور اگر اندیشہ نہ تھا تو دادا کی اجازت پر موقوف تھا نکاح کا علم ہونے کے بعد اگر دادا نے والدہ کا نکاح کیا ہوا تسلیم نہیں کیا بلکہ رد کر دیا تو رد ہوگیا۔ اور اگر اس وقت تسلیم کر لیا اگرچہ ناپسندیدگی سے تو نکاح صحیح ہوگیا بعد میں رد نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۴؍صفر المظفر ۱۳۸۵ھ

مسئلہ:۔ از سمیع اللہ موضع لہری ضلع سلطان پور۔

شوہر کے انتقال کے ایک سال بعد مساۃ بیوہ نے دوسرا شوہر کر لیا اس وقت اس کی گود میں شوہر اول سے چھ ماہ کی ایک لڑکی تھی جسے اپنے ساتھ رکھا جب اس کی عمر ڈیڑھ سال کی ہوئی تو لڑکی کا چچا اسے اپنے گھر لے آیا لڑکی تقریباً ایک سال تک اس کی پرورش میں رہی پھر مساۃ بیوہ جاکر دھوکہ دیکر اپنے ساتھ لے آئی اور چند ہی دن میں مساۃ بیوہ نے لڑکی کا نکاح اپنی راضی، خوشی، ہوش و حواس کے ساتھ کر دیا جب لڑکی کے چچا کو معلوم ہوا تو اس کے گھر جاکر کسی طرح اپنے گھر لے آیا نکاح ہوئے عرصہ دس سال ہوئے چچا ابھی تک اس کی پرورش کر رہا ہے اور وہ

اسی کے پاس ہے۔ جس لڑکے سے اس کا نکاح ہوا تھا تقریباً ۸ سال ہو گئے اس نے دوسرا نکاح کرلیا۔

لڑکی کا چچا لڑکی کی دوسری شادی کرنا چاہتا ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شوہر اول سے طلاق لئے بغیر یہ دوسری شادی کرسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب باپ کے انتقال کے بعد نابالغ لڑکی کا ولی دادا ہے پھر پردادا وغیرہ ہیں اگرچہ کئی پشت اوپر کا ہو۔ پھر حقیقی بھائی۔ پھر سوتیلا بھائی۔ پھر حقیقی بھائی کا بیٹا۔ پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا اگر ان میں سے کوئی نہ تھا تو نابالغ لڑکی کا ولی اس کا حقیقی چچا تھا ان میں سے کسی ایک کی موجودگی میں ماں ہرگز ولی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ماں نے اگر لڑکی کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تھا تو وہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف تھا۔ نکاح کی اطلاع کے بعد اگر ولی نے ماں کے کئے ہوئے نکاح کو منظور کرلیا تھا تو وہ نکاح لازم ہوگیا تھا۔ اس صورت میں طلاق حاصل کئے بغیر لڑکی کا دوسرا نکاح نہیں ہوسکتا اور اگر ولی نے ماں کے کئے ہوئے نکاح کو منظور نہیں کیا تھا بلکہ رد کردیا تھا تو طلاق حاصل کئے بغیر لڑکی کا دوسرا نکاح کرنا شرعاً جائز ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۶ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ

مسئلہ: از نصیر خاں مسٹر فراش والے۔ ڈونگر پور (راجستھان)

ہندہ جو قوم سے پٹھان ہے اور لڑکا جو قوم سے گھانچی (مسلم تیلی) ہے وہ ہندہ کے لئے کفو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہندہ کو فرار کر کے لے گیا اور دوسرے شہر میں دونوں نے اپنا نکاح کرلیا۔ اب ہندہ کے والدین اس نکاح کو غیر کفو سمجھ کر اپنے لئے عار تصور کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں نکاح فسخ کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔

الجواب کفاءت کا دار و مدار عرف پر ہے۔ اگر وہاں کے عرف میں پٹھان کی لڑکی کا گھانچی یعنی مسلم تیلی سے نکاح کرنا والدین کے لئے باعثِ عار ہو تو فسخ نکاح کی ضرورت نہیں کہ مذہب مفتی بہ پر وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں یہاں تک کہ بعد نکاح اگر ولی راضی ہو جائے تو اس صورت میں بھی نکاح نہیں ہوگا کہ غیر کفو سے نکاح صحیح ہونے کے لئے عقد سے پہلے ولی کا جان بوجھ کر اپنی رضا کا اظہار ضروری ہے۔ درمختار میں ہے یفتیٰ فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلاً وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان فلا تحل بلا رضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ اھ تلخیصاً۔ اسی کے تحت ردالمحتار جلد دوم ص۲۹۷ میں ہے ھذا اذا کان لہا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضیٰ بعدہ بحر اھ

وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۱۷؍ ذوالقعدہ ۱۳۰۲ھ

مسئلہ ۱۰۔ از محمد نذیر۔ گینڈھوا تلسی پور ضلع گونڈہ

ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ نابالغیت ہی میں ہندہ کے نانا جان نے پڑھوا دیا۔ بعد چند یوم بلوغیت میں ہندہ کا تعلق بکر سے ناجائز طور پر ہوگیا جسکی وجہ سے ہندہ کے حمل قرار ہوگیا۔ جب زید کے باپ وغیرہ نے مذکورہ واقعہ سنا اور دیکھا تو ہندہ کو لے جانے سے انکار کر دیا۔ اب ہندہ بکر ہی کے ساتھ رہتی ہے اور بچہ بھی پیدا ہوگیا لیکن اب تک زید نے طلاق نہیں دیا۔ اب ایسی صورت میں از روئے شرع زید، ہندہ اور بکر کے بارے میں کیا حکم ہے؟ چونکہ زید طلاق دینے سے بھی انکار کر رہا ہے اور لے جانے سے بھی انکار کر رہا ہے۔ اور ہندہ بغیر نکاح کے بکر کے ساتھ رہتی ہے۔ لہٰذا کرم فرما کر از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں کرم ہوگا۔ **نوٹ**۔ ہندہ کا نکاح جب سے زید کے ساتھ ہوا اس وقت سے لیکر اب تک تقریباً سات سال کا عرصہ گزر گیا لیکن ہندہ اب تک زید کے پاس نہیں گئی۔

الجواب اگر نانا نے ہندہ کا نکاح کفو کے ساتھ کیا اور اس سے اقرب ہندہ کا کوئی ولی نہیں تھا۔ یا تھا مگر نانا کے کئے ہوئے نکاح کو جائز کر دیا تھا تو وہ صحیح ہوگیا۔ طلاق حاصل کئے بغیر ہندہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ اگر زید ہندہ کو نہیں لے جانا چاہتا ہے اور کسی حالت میں اس کو طلاق دینے کو بھی تیار نہیں تو وہ سخت گنہگار ہے۔ لیکن اگر وہ کسی معقول وجہ سے طلاق نہیں دیتا مثلاً لڑکی کے پاس اس کا زیور وغیرہ ہے جسے واپس مانگتا ہے یا شادی کا مناسب خرچ طلب کرتا ہے۔ تو اس صورت میں زید پر کوئی گناہ نہیں۔ بکر اور ہندہ پر لازم ہے کہ وہ فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور اب تک جو حرام کاریاں کی ہیں ان سے علانیہ توبہ و استغفار کریں۔ پھر ہندہ کا شوہر زید اگر اسے نہ لے جانا چاہے تو جس طرح بھی ہو سکے پیسہ وغیرہ دے کر اس سے طلاق حاصل کی جائے اس کے بعد ہندہ اگر بکر کے ساتھ رہنا چاہے تو عدت گزار کر اس سے نکاح کرے۔ اور اگر وہ دونوں شرعی طور پر نکاح کئے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ رہیں تو سب مسلمان ان سے قطع تعلق کریں ورنہ وہ بھی گنہگار ہونگے۔ قال اللہ تعالٰی

وما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین (پ ۷ ع ۱۴)

وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۹؍ ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ

مسئلہ:۔ از ہرلا پور ضلع بستی مرسلہ علاقت حسین۔

سوال کی وضاحت کے لئے شجرہ حسب ذیل ہے۔
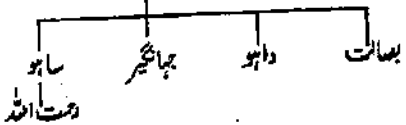
ساہو اور رحمت اللہ دونوں ہیضہ کی بیماری میں ایک ہی سال میں فوت ہوگئے رحمت اللہ کے صرف دو بہنیں تھیں اور رحمت اللہ کے کوئی بھائی نہیں تھا یہ اپنے باپ کا تنہا بیٹا تھا رحمت اللہ کی وفات کے بعد اس کی بیوی تین سال تک موضع پیرا ہیں اسی کے مکان میں رہی۔ رحمت اللہ کے دو لڑکیاں تھیں ایک بچی تین سال کی اور ایک دو سال کی۔ رحمت اللہ کے فوت کے تین سال بعد وہ عورت موضع ڈبرا چلی گئی اور وہاں پر صدیق نام کے ایک شخص کے ساتھ اپنا عقد کرلیا رحمت اللہ کی بیوی اپنے دونوں لڑکیوں کے ساتھ اپنا گھر چھوڑ کر ڈبرا میں آکر مقیم ہوگئی اس عقد ثانی کے دو سال بعد اپنی بڑی لڑکی کی شادی اپنی اور صدیق کی رائے سے خود (ماں نے) ولی بن کر ایک جگہ کردی۔ اس لڑکی کے عقد کے تین سال بعد ماں فوت کرگئی اب صدیق نے اس لڑکی کے نکاح کے چھ سال بعد اپنی رائے سے دوسری جگہ اسی لڑکی کا نکاح کردیا صدیق یہ کہتا ہے کہ پہلی شادی ناجائز ہے کیونکہ اس لڑکی کا ولی نہ تو میں ہوں اور نہ اس کی ماں۔ اس لڑکی کے ولی اس کے چچا ہیں۔ بصالت، جہانگیر اور داہو رحمت اللہ کے فوت ہونے کے بعد ان لڑکیوں سے ایکدم کنارہ کش تھے ان لوگوں نے کبھی بھی ان لڑکیوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جن صاحب نے نکاح پڑھا وہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی ماں نے جو نکاح کیا تھا وہ جائز نہیں تھا اس لئے نکاح پڑھ دیا۔ اب ایسی صورت میں اس لڑکی اور نئے شوہر اور نکاح پڑھنے والے اور نکاح میں شامل ہونے والے صاحبان کے لئے شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے تحریر فرمائیں۔

الجواب ——— صورت مسئولہ میں اس لڑکی کے ولی شرعًا ساہو کے بھائی ہیں خواہ انھوں نے پرورش کی ہو یا نہ کی ہو تو صدیق اور اس کی بیوی کا کیا ہوا نکاح برادران ساہو کی اجازت پر موقوف تھا اگر ان لوگوں نے بعد اطلاع نکاح اجازت دیدی تھی تو نکاح اول صحیح ہوگیا تھا ورنہ نہیں مگر ان لوگوں کی اجازت پر صحیح شدہ نکاح کو لڑکی بعد بلوغ فورًا فسخ یعنی نکاح سے انکار کرسکتی ہے اور اگر کچھ بھی وقفہ ہوا تو اختیار فسخ جاتا رہا تو اس صورت میں اگر لڑکی نے

بعد بلوغ فوراً نکاح فسخ کر دیا تو نکاح اول باطل ہوگیا ہندہ اپنی رضا اور خوشنودی سے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے پھر نکاح ثانی قبل بلوغ ہوا تو سابق کے بھائیوں کی اجازت پر موقوف ہے اور اگر بالغ ہونے کے بعد لڑکی کی اجازت سے ہوا تو وہ نکاح شرعاً جائز ہوا اور اس میں شرکت کرنے والے گنہگار نہ ہوئے۔ اور اگر لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد فوراً نکاح فسخ نہ کیا تو نکاح اول قائم ہوگیا اور نکاح ثانی باطل ہے تو اس صورت میں نکاح ثانی کے اندر شرکت کرنے والے اور پڑھنے والے گنہگار ہوئے سب توبہ کریں۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۵ محرم الحرام سنہ ۱۳۸۱ھ

مسئلہ :۔ از بارک پار ضلع بستی مرسلہ قاضی نہال الدین۔

ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کے سوتیلے باپ اور حقیقی ماں نے زید سے کر دیا حالانکہ لڑکی کا چچا دوسری جگہ موجود تھا بعد میں علماء سے فتویٰ لینے پر معلوم ہوا کہ یہ دونوں ہندہ نابالغہ کے ولی نہیں ہو سکتے لہٰذا ان دونوں کا کیا ہوا نکاح فاسد ہے اگر موجودہ ولی اس نکاح سے راضی ہو جائے اور اس کی اجازت ثابت ہو جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن ہندہ اگر بالغ ہو کر فوراً اس نکاح سے بیزاری ظاہر کر دے اور راضی نہ ہو تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ چنانچہ ہندہ کے رخصتی کی بات چیت ہونے پر ہندہ نے زید کے یہاں جانے سے انکار کر دیا اور نکاح سے راضی نہ ہوئی اس پر کچھ ایام گذر گئے کہ سوتیلے باپ نے ہندہ کا دوسرا نکاح بکر سے کر دیا اور قاضی نہال الدین صاحب مقیم بارک پار نے لڑکی سے سب حال پوچھ کر نکاح پڑھا دیا چنانچہ لڑکی نے کہا کہ میں جب سمجھ والی ہوئی جبھی اس نکاح سے راضی نہیں تھی اس نکاح پڑھانے کی وجہ سے لوگ قاضی صاحب کو برا بھلا کہنے لگے اور امامت سے معزول کر دیا ایسی صورت میں قاضی صاحب مجرم ہیں یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں برصدق سوال نکاح خواں قاضی پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ نکاح اول موقوف فاسد تھا لڑکی کے موجودہ ولی سے صراحۃً یا دلالۃً اجازت ثابت ہوتی تو وہ نکاح شرعاً نافذ ہو جاتا مگر اجازت ثابت نہ ہوئی کہ لڑکی نے بالغ ہو کر (بلکہ اس سے پہلے جیسا کہ سائل نے بیان کیا) اس نکاح سے انکار کر کے فسخ کر دیا تو اب نکاح ثانی شرعاً صحیح ہوگیا۔ کما ھو مبین فی الکتب الفقہیۃ اور اس گمان اور امکان سے کہ لڑکی کے ولی نے اجازت دیدی ہو یا لڑکی نے بالغ ہو کر علی الفور انکار نہ کیا ہو نکاح پڑھانے والے قاضی نہال الدین صاحب پر الزام قائم کرنا شرعاً بیجا اور ممنوع ہے نکاح خواں سائل قاضی صاحب کا خود بیان ہے کہ میں نے لڑکی سے تفتیش حال کرلی ہے جس میں لڑکی نے بتایا کہ میں نکاح اول سے راضی نہیں ہوں اور اپنی عدم رضا بلوغ کے قریب

ہی ظاہر کر چکی ہوں گھر اور پڑوس کے لوگ جانتے ہیں۔ تو اب ایسی صورت میں بلا وجہ شرعی نکاح خواں قاضی نہال الدین صاحب کو ملزم قرار دینا اور انھیں امامت سے معزول کر دینا شرعًا درست نہیں۔ الزام سے رجوع کرنا اور ان پر طعن و تشنیع سے باز آنا لازم ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے امام مسلم نے حدیث روایت کی ہے کہ ایک شخص نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ای المسلم خیر قال من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ (مشکوٰۃ شریف) ترجمہ:۔ کون مسلمان بہتر ہیں فرمایا جس کی زبان و ہاتھ سے مسلمان امن میں رہیں یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے نہ طعن و تشنیع، سخن چینی، سب و شتم سے اذیت پائے نہ مار پیٹ سے دکھ پائے اسی طرح اور بہت سی احادیث کریمہ حقوق مسلم میں وارد ہیں لہٰذا نکاح خواں قاضی نہال الدین کو امامت پر بحال رکھتے ہوئے ان پر طعن و تشنیع اور قیل و قال سے باز آئیں۔ واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم۔

کتبہ محمد نعیم الدین احمد الرضوی
۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۸۱ھ

مسئلہ: از عقران احمد نئی سڑک کان پور۔

اگر سیدہ بالغہ کا ولی راضی نہ ہو اور وہ خود اپنا نکاح کسی پٹھان سے کر لے تو ہوگا یا نہیں؟ اور اگر نابالغہ سیدزادی کا نکاح اس کا ولی کسی پٹھان سے کر دے تو یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ اگر بالغہ سیدانی خود اپنا نکاح اپنی خوشی و مرضی سے کسی مغل پٹھان یا انصاری شیخ غیر عالم دین سے کرے گی تو نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں جب تک کہ اس کا ولی پیش از نکاح مرد کے نسب پر مطلع ہو کر صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر نہ کر دے۔ اور اگر نابالغہ ہے اور اس کا نکاح باپ دادا کے سوا کوئی ولی اگرچہ حقیقی بھائی یا چچا یا ماں ایسے شخص سے کر دے تو وہ بھی محض باطل و مردود ہوگا۔ اور باپ دادا بھی ایک ہی بار ایسا نکاح کر سکتے ہیں دوبارہ اگر کسی دختر کا نکاح ایسے شخص سے کریں گے تو ان کا کیا ہوا بھی باطل ہوگا کل ذٰلک معروف فی کتب الفقہ کالدر المختار وغیرہ من الاسفار (فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۱۹۳) وھو تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ ۱: غلام احمد یار علوی، ساکن بکورہ پوسٹ بھن جوت ضلع گونڈہ

(۱) بندہ پیشہ ور طائفہ ہے جو برسہا برس سے ناچنے گانے نیز دوسرے افعال بد کا ارتکاب کرتی چلی آرہی ہے، بندہ مذکورہ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ولد الزنا ہے اس ولد الزنا کا ولی کون ہوگا۔؟

(۲) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ولد الزنا کا ولی کوئی بھی ہوسکتا ہے تو اس کا کہنا درست ہے کہ نہیں؟

(۳) بندہ پیشہ ور طائفہ ہے اس کا باپ اس سے اور اس کی بہن سے جسم فروشی کراتا ہے تو ایسے شخص کے یہاں تقریبات شادی و غمی میں شرکت کرنا کیسا ہے۔

الجواب: ۱۔ ولایت کے چار اسباب ہیں، قرابت، ملک، ولاء، امامت درمختار میں ہے (الولایۃ) تثبت باربع قرابۃ، ملک، ولاء، امامت۔ قرابت کی وجہ سے ولایت عصبہ بنفسہ کے لئے ہے اور یہاں بھی وہی ترتیب ملحوظ ہے جو وراثت میں معتبر ہے یعنی سب میں مقدم بیٹا ہے پھر پوتا پھر پرپوتا اگرچہ کئی پشت کا فاصلہ ہو یہ نہ ہوں تو باپ پھر دادا پھر پردادا وغیرہم اصول اگرچہ کئی پشت اوپر کا ہو پھر حقیقی بھائی پھر سوتیلا بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا پھر سوتیلا بھائی کا بیٹا، پھر حقیقی چچا پھر سوتیلا چچا، پھر حقیقی چچا کا بیٹا پھر سوتیلے چچا کا بیٹا پھر باپ کا حقیقی چچا پھر باپ کا سوتیلا چچا۔ پھر باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا، پھر باپ کے سوتیلے چچا کا بیٹا، پھر دادا کا حقیقی چچا پھر دادا کا سوتیلا چچا، پھر دادا کے حقیقی چچا کا بیٹا پھر دادا کے سوتیلے چچا کا بیٹا۔ خلاصہ یہ کہ اس خاندان میں سب سے زیادہ قریب کا رشتہ دار جو ہو ولی ہے، عصبہ نہ ہو تو ماں ولی ہے پھر دادی پھر نانی پھر بیٹی پھر پوتی پھر نواسی پھر پرپوتی، پھر نواسی کی بیٹی پھر نانا پھر حقیقی بہن، پھر سوتیلی بہن پھر اخیافی بہن، ان کے بہن وغیرہ کی اولاد، اسی ترتیب سے پھر پھوپھی پھر ماموں، پھر خالہ، پھر چچا زاد بہن۔ پھر اسی ترتیب سے ان کی اولاد۔ جب رشتہ دار موجود نہ ہوں تو ولی مولی الموالات ہے یعنی وہ جس کے ہاتھ پر اس کا باپ مشرف با سلام ہوا ہو اور یہ عہد کیا ہو کہ اس کے بعد یہ اس کا وارث ہوگا یا دونوں نے ایک دوسرے کا وارث ہونا ٹھہرالیا ہو، ان

سب کے بعد بادشاہ اسلام ولی ہے۔ پھر قاضی جب کہ سلطان کی طرف سے اسے نابالغوں کے نکاح کا اختیار دیا گیا ہو (ملخص از بہار شریعت جلد ہفتم بحوالہ درمختار، ورد المحتار، عالمگیری وغیرہ)
اس تفصیل کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ صورت مسئولہ میں ہندہ ہی اپنے اس نابالغ ولد الزنا غیر ثابت النسب بچے کی ولی ہوگی۔

(۲) جواب نمبر(۱) سے یہ بات بخوبی واضح ہے کہ یہ کہنا کہ مطلقاً ولد الزنا کا کوئی بھی ولی ہو سکتا ہے درست نہیں۔

(۳) ایسا شخص سخت خبیث و مردود و دیوث ہے۔ بحکم حدیث اس پر جنت حرام ہے اور بحکم قرآن اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ اما ینسینك الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔ مسلمان اس کا یک لخت تعلق چھوڑ دیں اس کی تقریبات شادی و غمی میں ہرگز ہرگز شریک نہ ہوں۔ اس سے سلام کلام میل جول سب ترک کر دیں جب تک صدق دل سے توبہ نہ کرے اس سے زیادہ یہاں کیا سزا ہو سکتی ہے۔

کتبہ غلام عبد القادر العلوی
۲۴، شوال المکرم ۱۴۰۳ھ

ھکذا الجواب واللہ اعلم بالصواب
حکیم ابو البرکات العبد محمد نعیم الدین احمد عفی عنہ

بَابُ المھر

مہر کا بیان

مسئلہ ۔ از عبدالرحمٰن مرسٹھوا پوسٹ گنیش پور ضلع بستی۔

مہر کم سے کم کتنے کا ہو سکتا ہے ؟

الجواب — مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم چاندی ہے۔ حدیث شریف میں ہے لا مھر اقل من عشرۃ دراھم۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۲۸۳ میں ہے اقل المھر عشرۃ دراھم۔ اور دس درہم چاندی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ کے برابر ہوتی ہے۔ لہٰذا اتنی چاندی نکاح کے وقت بازار میں جتنی کی ملے کم سے کم اُتنے روپئے کا مہر ہو سکتا ہے۔ اس سے کم کا نہیں ہو سکتا۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ ۔ از منشی امام علی مقام کونڈ بازار پوسٹ راج محل ضلع سنتھال پرگنہ (بہار)

(۱) لڑکا بالغ ہے اور لڑکی نابالغ تو لڑکے نے لڑکی کو خط کے ذریعہ طلاق دیدیا تو اس کے مہر کا کیا حکم ہے ؟

(۲) لڑکا بھی بالغ اور لڑکی بھی بالغ لیکن دونوں میں تنہائی نہیں ہوئی اور خط کے ذریعہ طلاق دیدیا تو اس کے مہر کا کیا حکم ہے ؟

الجواب — (۱) بالغ لڑکے نے اگر اپنی نابالغ بیوی کو ہمبستری یا خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دی ہے تو پورا مہر دینا واجب ہے۔ اور اگر ہمبستری و خلوت صحیحہ کے پہلے طلاق دی ہے تو مقررہ مہر میں سے نصف دینا واجب ہے۔ جیسا کہ پارۂ دوم رکوع ۱۵ میں ہے۔ وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم۔

(۲) اگر ہمبستری و خلوت صحیحہ ہونے سے پہلے طلاق دی ہے تو مقررہ مہر میں سے نصف دینا واجب ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ سے واضح ہے۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۹؍رمضان شوال ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از منشی امام علی مقام کوئلہ بازار۔ راج محل ضلع سنتھال پرگنہ (بہار)

کوئی عورت اپنے شوہر کے خلاف کوئی کام کرے یا بغیر اجازت کہیں چلی جائے تو وہ عورت مہر پائے گی یا نہیں؟

الجواب: اگر عورت شوہر کی نافرمانی کرے یا اسے اذیت پہنچائے یا اس کے حکم کے بغیر ادھر ادھر چلی جائے تو بھی شوہر پر پورا مہر دینا واجب ہے گا۔ ضبط مہر شرعاً و قانوناً ہرگز جائز نہیں۔ البتہ بیوی اپنے شوہر کی نافرمانی کے سبب سخت گنہگار ہوئی توبہ کرے۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ نور محمد قادری یارعلوی
۱۵؍ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ: از کرامت علی پرتاب گڈھ

زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دیدی لیکن مہر اور عدت کا خرچہ نہیں دیا۔ ہندہ مہر اور عدت کا روپیہ پانے کے لئے برادری میں عذر دار ہوئی۔ لوگوں نے کہا بہت سے لوگوں نے نہیں دیا ہے جب سب لوگ دیں گے تو زید بھی دیں گے۔ ایسی حالت میں زید اور جن لوگوں نے کہا کہ جب سب دیں گے تو وہ بھی دیں گے ان کے یہاں کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: پارۂ چہارم سورۂ نساء کے رکوع اول میں ہے وآتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ۔ یعنی عورتوں کا مہر خوشی کے ساتھ ادا کرو۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص نکاح کرے اور نیت یہ ہو کہ عورت کو مہر میں سے کچھ نہ دے گا تو جس روز مرے گا زانی مرے گا۔ لہٰذا زید پر اپنی مطلقہ بیوی کی عدت کا خرچہ اور مہر ادا کرنا لازم ہے۔ اگر نہیں ادا کرے گا تو حق العبد میں گرفتار اور دین و دنیا میں روسیاہ و شرمسار ہوگا۔ نہ ادا کرنے کی صورت میں زید اور اس کی غلط حمایت کرنے والوں کا مسلمانوں پر بائیکاٹ کرنا لازم ہے قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین (پ ۷ ع ۱۴)۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ

مسئلہ : مسئولہ عبدالرشید خاں پیش امام مسجد مہریا ضلع بستی ۔

زید کی بیوی عارفہ ناراض ہوکر اپنے میکے چلی گئی عارفہ کے والدین بضد ہیں کہ زید طلاق دیدے لیکن وہ طلاق دینا نہیں چاہتا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر زید عارفہ کے والدین کے اصرار پر اس کو طلاق دیدے تو کیا مہر کی ادائیگی زید پر واجب ہوگی ؟ اور جہیز جسے عارفہ کے والدین نے دیا تھا کیا اس کی واپسی لازم ہے ؟ نیز عارفہ کے گود میں ایک ماہ کا بچہ ہے طلاق کے بعد بچے کی پرورش و اخراجات کا حق کس پر ہے ؟ اور عارفہ کا نان نفقہ زید پر واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب طلاق ابغض مباحات سے ہے بلا وجہ شرعی طلاق لینا دینا اللہ تبارک وتعالی کو سخت ناپسند ہے چنانچہ ابوداؤد سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ابغض الحلال الی اللہ الطلاق (مشکوٰۃ شریف) یعنی خدائے تعالی کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے نیز دارقطنی سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی ہیں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں یا معاذ ما خلق اللہ شیئا علی وجہ الارض احب الیہ من العتاق ولا خلق اللہ شیئا علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق (مشکوٰۃ شریف) یعنی اللہ تعالی نے روئے زمین پر کوئی چیز غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ نہ پیدا فرمائی اور کوئی چیز روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ نہ پیدا فرمائی نیز امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، دارمی سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی ہیں کہ فخر کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ایما امرأۃ سئلت زوجہا طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیہا رائحۃ الجنۃ (مشکوٰۃ شریف) یعنی جس عورت نے بغیر کسی سخت تکلیف ومجبوری کے شوہر سے طلاق کا سوال کیا تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے ۔ بہرحال اگر طلاق دینا ہی پڑے تو طلاق احسن دے یعنی طہر (پاکی) کے ایام میں صرف ایک طلاق رجعی دے کہ اگر دوران عدت طرفین میں مصالحت ہوجائے اور شوہر رجعت کرے تو بہتر ہے ورنہ عدت پوری ہوجانے پر عورت آزاد اور مختار ہے اور صورت مسئولہ میں چونکہ عارفہ زید کی مدخولہ ہے لہذا طلاق ہوجانے پر عارفہ زید سے مقررہ مہر لے سکتی ہے زید کو ادا کرنا واجب ہے نیز زمانہ عدت کا خرچہ بھی زید کو دینا ہوگا ۔ اور عارفہ کی عدت مکمل تین حیض ہے وہ چاہے کتنے ہی دن میں پورا ہو ۔ عارفہ کی گود میں جو زید کا بچہ ہے وہ زید ہی کا ہے لیکن پرورش کا حق ماں کو ہے لہذا وہ بچہ تقریبا سات برس تک ماں کی پرورش میں رہے گا اور پرورش کے اخراجات زید کو دینے ہونگے ۔ جہیز میں دیا ہوا سامان

اب عارفہ کے والدین کا ہے نہ شوہر کا بلکہ وہ عارفہ کا ہے عارفہ اس کی مالک ہے چنانچہ احکام شریعت ص۲۰ میں ہے "جہیز عورت کی ملک ہے اس کے مرنے پر حسب شرائط ورثہ پر تقسیم ہوگا" انتھیٰ بقدر الحاجۃ ھکذا فی کتب الفقہ۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

کتبہ محمد نعیم الدین احمد صدیقی رضوی
۱۳؍رجب المرجب ۱۳۸۳ھ

مسئلہ:۔ از محمد حنیف مقام پچورہ ضلع گونڈہ۔

زید نے اپنی بیوی زینب کو رخصتی کے پہلے طلاق دیدی تو زید کو کتنی مہر ادا کرنی پڑے گی؟

الجواب صورت مسئولہ میں اگر زید مذکور نے اپنی بیوی زینب کو خلوت صحیحہ اور وطی کے پہلے طلاق دیدی ہے تو زید پر نصف مہر کی ادائیگی واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم پ۲ رکوع ۱۴ یعنی اور اگر تم نے عورتوں کو خلوت صحیحہ اور مباشرت کے پہلے طلاق دیدی اور ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا مقرر تھا اس کا آدھا واجب ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۷؍رجب المرجب ۱۳۸۰ھ

مسئلہ:۔ از قاضی اطیع الحق عشاق رضوی علاء الدین پور سعد اللہ نگر ضلع گونڈہ

آپ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر شریف چار سو درہم یعنی ایک سو ساڑھے سولہ تولہ چاندی بحوالہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور اشعۃ اللمعات تحریر فرمایا ہے (انوار الحدیث ص۲۹۸) اور حکیم الامۃ مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی علیہ الرحمہ نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر شریف چار سو مثقال چاندی یعنی ڈیڑھ سو تولہ تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں چار سو مثقال چاندی مہر تھا وزن جس کا ڈیڑھ سو ہوا (اسلامی زندگی ص۱۵)۔ تو یہاں صرف سوال یہ ہے کہ سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تحقیق حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مہر کریم کی مقدار کے بارے میں کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیق یہ ہے کہ

حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھا جس کا وزن ایک سو ساٹھ روپئے کے برابر ہوا جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص۳۱۸ میں ہے "حضرت بتول زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر اقدس چار سو مثقال چاندی۔ اور چار سو مثقال ایک سو ساٹھ روپئے۔ اور اسی کتاب اسی جلد کے ص۳۲۱ میں ہے "حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھا جس کے ایک سو ساٹھ روپئے بھر چاندی ہوئی"

یہ مسئلہ ائمہ محققین کے نزدیک مختلف فیہ ہے انوار الحدیث کے پچھلے اڈیشن سے ہم نے بھی حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا مہر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیق کے مطابق کر دیا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

۶ ر ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ۔ از محمد حنیف میاں بسنیاں کلاں ضلع گونڈہ۔

عورت سے اگر مہر معاف کرائے اور وہ معاف کردے۔ تو اس طرح مہر معاف ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ــــــ عورت اگر ہوش و حواس کی درستگی میں ذاتی خوشی سے مہر معاف کردے تو معاف ہو جائے گا۔ ہاں اگر مارنے کی دھمکی دیکر معاف کرایا اور عورت نے مار کے خوف سے معاف کر دیا تو اس صورت میں معاف نہیں ہوگا۔ اور اگر مرض الموت میں معاف کرایا جیسا کہ عوام میں رائج ہے کہ جب عورت مرنے لگتی ہے تو اس سے مہر معاف کراتے ہیں تو اس صورت میں ورثہ کی اجازت کے بغیر معاف نہیں ہوگا درمختار مع شامی جلد دوم ص۳۳۳ میں ہے صح حطہا۔ اور اسی کے تحت ردالمحتار میں ہے لابد من رضاها ففی هبة الخلاصة خوفها بضرب حتی وهبت مهرها لم يصح لو قادرا على الضرب۔ وان لا تكون مريضة مرض الموت اھ ملخصاً۔ اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۲۹۳ میں ہے لابد فی صحة حطها من الرضى حتى لو كانت مكرهة لم يصح ومن ان لا تكون مريضة مرض الموت۔ هكذا فی البحر الرائق۔ هذا ما عندی وهو تعالى اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

کتاب الرّضاع

دودھ کے رشتہ کا بیان

مسئلہ :- از برکت اللہ مقام و پوسٹ چوکھڑہ ضلع بستی۔

ایک ماں کی دو لڑکیاں ہیں بڑی لڑکی کا نام ہاجرہ ہے اور چھوٹی کا نام آمنہ ان دونوں کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ آمنہ گود میں تھی تو ہاجرہ نے اپنی بہن کو دودھ پلایا اب آمنہ بالغ ہو گئی اور اسکی شادی بھی ہو گئی اور ایک لڑکی پیدا ہوئی تو آمنہ کی اس لڑکی کا نکاح ہاجرہ کے لڑکے کے ساتھ کرنا کیسا ہے۔

الجواب :- صورت مستفسرہ میں آمنہ کی لڑکی کا نکاح ہاجرہ کے لڑکے سے کرنا حرام ہے ہرگز جائز نہیں اسلئے کہ وہ ایک دوسرے کے رضاعی ماموں بھانجی ہیں اور ماموں بھانجی کا نکاح جیسا کہ نسبًا حرام ہے رضاعًا بھی حرام ہے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالٰی و رسولہ جل جلالہ وصلی المولٰی تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
١٢ شعبان المعظم ١٣٩٠ھ

مسئلہ :- مسئولہ جعدار نداف پوسٹ و مقام چتراشیخ بستی۔

زید نے تقریبًا ایک سال کی عمر میں اپنی دادی کا دودھ پیا تو زید کا نکاح اپنے حقیقی چچا کی بیٹی سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مستفسرہ میں زید کا اس لڑکی سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے اس لئے کہ دودھ پینے والے پر رضاعی ماں کے نسبی اور رضاعی اصول و فروع سب حرام ہو جاتے ہیں فتاوی

عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صــ۳۲۱ میں ہے۔ یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا۔ لہٰذا اگر زید کا اس لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو تو اسے روکا جائے اور اگر ہو چکا ہو تو اس نکاح کے حرام ہونے کا اعلان کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
یکم محرم الحرام ۱۳۸۶ھ

مسئلہ:۔ از جمیل احمد منیجر اردو بک اسٹال اینڈ نیوز ایجنسی اسلام پیٹ دبے واڑہ

حفیظ النساء اور حسین بی دونوں بہنیں ایک ہی ماں باپ سے ہیں حفیظ النساء کے دو لڑکے لطیف اور رحمت اور حسین بی کے ایک لڑکی فرحت النساء۔ رحمت کو زمانہ شیرخواری میں حسین بی نے چند دنوں تک دودھ پلایا ہے تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ فرحت النساء کا نکاح رحمت کے بھائی لطیف کے ساتھ درست ہے یا نہیں؟

الجــوابــــــ حسین بی نے رحمت کو دودھ پلایا تو رحمت کے بھائی لطیف کو حسین بی کی لڑکی فرحت النساء کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اگر کوئی دوسری وجہ مانع نکاح نہ ہو کنز الدقائق اور بحر الرائق جلد ثالث صــ۲۲۷ میں ہے تحل اخت اخیہ رضاعًا۔ واللہ تعالٰی اعلم

کتبــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۰ ماہ صفر المظفر ۱۳۸۵ھ

مسئلہ:۔ از عبدالرسول قادری متعلم جامعہ برکاتیہ سید العلوم کاسگنج۔

عادلہ کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے اس کو کسی نے بتایا کہ تو اپنے بچے کو کسی دیگر عورت کا دودھ پلوا دے۔ عادلہ نے اپنی بہن سے کہا کہ تم اس کو دودھ پلا دو۔ بہن نے دودھ پلانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس سے رضاعت لازم آئے گی اس نے اپنی پستان سے دودھ نکالا اور پلا دیا۔ تو سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں رضاعت لازم آئی کہ نہیں؟ عادلہ اپنے اس لڑکے کا نکاح اپنی بہن کی لڑکی سے کرنا چاہتی ہے یہ نکاح عند الشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجــوابــــــ عادلہ کے اس لڑکے کا نکاح اس کی بہن کی کسی بھی لڑکی سے کرنا حرام ہے ہرگز جائز نہیں کہ پستان سے دودھ نکال کر پلانے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر صــ۳۲۲ میں ہے کما یحصل الرضاع بالمص من الثدی یحصل بالصب

والسعوط والوجور کذا فی فتاوی قاضی خان۔ یہاں تک کہ عورت مرجائے اور اس کی پستان سے دودھ نکال کر پلایا جائے تو اس صورت میں بھی رضاعت ثابت ہو جائے گی جیسا کہ درمختار مع شامی جلد دوم صفحہ ۴۰۳ میں ہے یحرم لبن میتة ولو محلوبا اھ وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۲ھ

مسئلہ: از محمد مقیم ساکن گورا کلاں ضلع بستی۔

دو عورتیں تھیں ایک عورت کا لڑکا تھا اور دوسری عورت کی لڑکی تھی۔ لڑکی والی کی ماں نے اس عورت کے لڑکے کو اپنا دودھ پلا دیا۔ اب مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اس لڑکے کی شادی اس عورت کی دوسری لڑکی سے ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ دونوں دو ماں دو باپ کے لڑکا لڑکی ہیں۔

الجواب: جس عورت نے لڑکے کو دودھ پلایا ہے اس عورت کی کسی لڑکی سے اس لڑکے کا نکاح کرنا حرام حرام سخت حرام ہے۔ شرح وقایہ میں ہے از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند۔ واز جانب شیر خوارہ زوجان وفروع۔ وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

کتبہ
جلال الدین احمد امجدی
۱۱ صفر المظفر سنہ ۱۳۹۷ھ

مسئلہ: مسئولہ الطاف حسین صدیقی ہائر سکنڈری اسکول اجیار پوسٹ دودھارا ضلع بستی۔

زید شوہر ہے جس کی دو بیویاں ہندہ اور حنظلہ ہیں۔ ہندہ سے تین اولاد عمر بکر اور سائرہ بانو ہیں حنظلہ سے پانچ اولاد رحمانی، کریمن، سبحانی، نوشانی اور سالم ہیں۔ عمر کے ایک لڑکا غلام رسول ہے سائرہ بانو کی لڑکی رحمن ہے حنظلہ بی بی نے عمر کے لڑکے غلام رسول کو دو سال یا دو سال کے اندر دودھ پلایا ہے جیسا کہ حنظلہ بتلاتی ہے حنظلہ کے ایک لڑکا سالم پیدا ہوا تھا جس کی عمر اس وقت ۷۔ سات سال کی تھی جب غلام رسول کو دودھ پلایا ہے۔ دودھ پلانے کی مدت ٹھیک سے حنظلہ نہیں بتلاتی ہے اور نہ ہی غلام رسول کی ماں ہی مدت کو صاف بتلاتی ہے کہ کب اور کس عمر میں پلایا ہے۔ مسئلہ کا خاکہ مندرجہ ذیل ہے۔

زید شوہر

ہندہ (بیوی) | حنظلہ (بیوی)
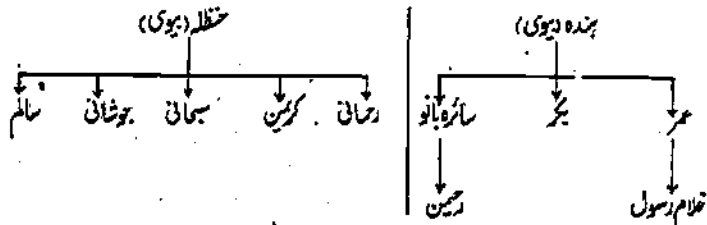
غلام رسول اور رحیمن میں شادی ہونے کے بارے میں کیا مسئلہ علماء دین فرماتے ہیں جب کہ بچپن سے دونوں میں رشتہ کی بات چیت تھی۔

الجواب ـــــ صورت مستفسرہ میں غلام رسول نے اگر واقعی ڈھائی سال کی عمر ہونے سے پہلے حنظلہ کا دودھ پیا ہے تو اس کا عقد رحیمن کے ساتھ حرام سخت حرام ہے فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۳۴۱ میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعا اھ اگر ظن غالب ہو کہ ڈھائی سال کی عمر ہونے سے پہلے دودھ پیا ہے تو اس صورت میں بھی نکاح مذکور حرام ہے اور اگر شبہ ہو کہ ڈھائی سال کی عمر ہونے سے پہلے دودھ پیا ہے یا بعد میں تو اس صورت میں بھی احتیاطاً عقد نہ کرنے کا حکم دیا جائیگا کہ حرام کے شبہ سے بچنا چاہئے خصوصاً زندگی بھر کی زناکاری کے شبہ سے۔ ھذا ما ظہر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۸ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ

مسئلہ: از محمد عمر موضع بھربندی ضلع گونڈہ۔

ہندہ نے اپنے ناتی کو جبکہ اس کی عمر تقریباً دو سال تھی دودھ پلایا تو ہندہ کی پوتی کے ساتھ اس ناتی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــ جبکہ ہندہ نے اپنے ناتی کو دودھ پلایا تو ہندہ کی پوتیاں اس ناتی پر حرام ہو گئیں لہٰذا ہندہ کی کسی پوتی سے اس کا نکاح ہرگز نہیں ہو سکتا حدیث شریف میں ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۳۴۱ میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعا اھ

وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی
۲۹ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ

مسئلہ: از جوہر علی موضع کسیا پوسٹ مہدوپار ضلع بستی۔

مدت رضاع کتنی ہے ائمہ کے اختلاف دلائل کے ساتھ بیان فرمائیں؟ کرم ہوگا۔

الجواب: ثبوت حرمت کے لئے مدت رضاع حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک ڈھائی سال یعنی تیس ۳۰ ماہ ہے اور حضرت امام ابو یوسف وامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے نزدیک دو ۲ برس ہے جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری جلد اول مصری ص۳۲۱ میں ہے وقت الرضاع فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی علیہ مقدر بثلاثین شہرًا وقالا مقدر بحولین ھٰکذا فی فتاوٰی قاضی خان ائمہ کے اختلافات کی تفصیل ودلائل کے لئے مطولات کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۴ جمادی الاولٰی ۱۴۰۰ھ

مسئلہ: از عبد الرؤف ساکن بجٹوا پوسٹ ڈبرا ضلع بستی۔

زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی شادی ہوئے ایک عرصہ دراز ہوگیا اس سے چار بچے بھی پیدا ہوئے۔ ہندہ رشتہ میں زید کی رضاعی پھوپھی ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ درست ہے یا نہیں اگر درست ہونے کی کوئی شرعی صورت ہو تو اس سے مطلع فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب: اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ صورت مسئولہ میں زید کا نکاح ہندہ سے صحیح نہیں کیونکہ ہندہ زید کے لئے محرمات ابدیہ سے ہے اور محرمات ابدیہ سے نکاح کرنا درست نہیں بلکہ حرام حرام ہے زید اور ہندہ دونوں پر فرض ہے کہ ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں اور میاں بیوی کے تعلقات منقطع کردیں۔ ان دونوں کے درمیان نکاح درست ہونے کی کوئی شرعی صورت نہیں قرآن عظیم چوتھا پارہ سورۂ النساء میں ہے حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم الآیۃ بخاری شریف جلد دوم ص۷۶۴ میں ہے الرضاعۃ تحرم ما تحرم الولادۃ اور مسلم شریف جلد اول ص۴۶۶ میں ہے یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب اور مشکوٰۃ شریف ص۲۷۳ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یحرم من الرضاعۃ

مایحرم من الولادۃ۔ اور نووی شریف شرح مسلم شریف ص ۴۶۶ پر ہے واجمعوا ایضاً علی انتشار الحرمۃ بین المرضعۃ واولاد الرضیع واولاد المرضعۃ وانہ فی ذٰلک کولدھا من النسب لھٰذہ الاحادیث اور درمختار ص ۲۰۸ پر ہے والاحل (بین الرضیعۃ وولد مرضعتھا) ای التی ارضعتھا (وولد ولدھا) لانہ ولد الاخ بہار شریعت حصہ ہفتم ص ۳۲ پر ہے مسئلہ دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح پلانے والی کے بیٹوں پوتوں سے نہیں ہوسکتا کہ یہ اس کی بہن یا پھوپھی ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ عبد الجبار القادری الاشرفی

بیشک جس عورت نے ہندہ کو دودھ پلایا اس کے پوتے زید سے ہندہ کا نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہندہ زید کی رضاعی پھوپھی ہے اور رضاعی پھوپھی سے نکاح حرام اشد حرام ہے۔ زید اور ہندہ پر ایک دوسرے سے الگ ہوجانا اور علانیہ توبہ و استغفار کرنا لازم ہے اگر وہ دونوں ایسا نہ کریں تو سب مسلمان ان کا بائیکاٹ کریں۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جلال الدین احمد الامجدی

۲۹ صفر المظفر سنہ ۱۴۰۱ھ

مسئلہ:۔ از معین الحق صدیقی معرفت عبد المعین صدیقی تتری بازار بستی۔

ہندہ نے اپنے بھائی زید کی لڑکی مریم کو دودھ پلایا اور اپنی بہن زینب النساء کے لڑکے بکر کو ایک بار جبکہ وہ لیٹی ہوئی اپنی بچی عرفانہ کو دودھ پلا رہی تھی۔ پاس میں بکر بھی لیٹا ہوا تھا۔ حالت غنودگی میں بکر نے ہندہ کی پستان اپنے منہ میں لے لیا۔ ہندہ نے فوراً بکر کو چھڑا دیا۔ ہوسکتا ہے کہ چونکہ بچی ہندہ کی دودھ پی رہی تھی کوئی قطرہ بکر کے منہ کو لگ گیا ہو۔ اب ایسی صورت میں بکر کی رضاعت ثابت ہوجاتی ہے کہ نہیں جبکہ ہندہ کا بیان ہے کہ بچے (بکر نے) دودھ نہیں پی پایا۔ اب زید کی لڑکی مریم جس کو کہ ہندہ دودھ پلاتی رہی ہے اس کی شادی زینب النساء کے لڑکے بکر سے ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ بکر نے ہندہ کا دودھ پیا ہے بلکہ پینے اور نہ پینے میں شک ہے اور شک کی صورت میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ لہٰذا شرعاً بکر اور مریم کا باہم عقد ہوسکتا ہے۔ البحر الرائق میں ہے۔ لو ادخلت امرأۃ حلمۃ ثدیھا فی فم رضیع ولا یدری ادخل اللبن فی حلقہ ام لا لا یحرم النکاح لان فی المانع شکا۔

البحر الرائق ص۲۲۳ ج ۳ لیکن چونکہ ہندہ نیند کی حالت میں تھی اس لیے ہوسکتا ہے کہ بکر نے دودھ پینا شروع کر دیا ہو پھر ہندہ نے چونک کر الگ کیا ہو ایسی صورت میں ممکن ہے کہ دو چار قطرے بکر کے پیٹ میں پہونچ گئے ہوں بہر حال شک اور ایسے قوی شک کی بنیاد پر شریعت مطہرہ کا احتیاطی حکم یہ ہے کہ رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ لہذا اگرچہ بکر اور مریم کا باہم عقد درست و جائز ہے مگر اولیٰ یہ ہے کہ دونوں کا باہم عقد نہ کیا جائے۔ عالمگیری میں ہے۔ اذا جعلت ثدیها فی فم الصبی ولا تعرف امص اللبن ام لا ففی القضاء لا تثبت الحرمة بالشك وفی الاحتیاط تثبت عالمگیری۔ کتاب الرضاع ص۳۲۲ ج ۱۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد الیاس خان سالک بارہ بنکوی
۱۷ ربیع النور شریف ۱۳۹۱ھ

الجواب صحیح
بدر الدین احمد

مسئلہ:۔ از محمد اسحٰق چیدی گورا کلاں ضلع بستی۔

رقیب النساء نے زید کو ایام رضاعت میں اپنی لڑکی ہندہ کے ساتھ دودھ پلایا اب ہندہ کی بہن یعنی رقیب النساء کی دوسری لڑکی کے ساتھ زید کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مستفسرہ میں زید کا نکاح ہندہ کی بہن سے ناجائز و حرام ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری ص۳۲۱ میں ہے یحرم علی الرضیع ابواه من الرضاع واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جمیعا۔ وهو تعالیٰ اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۴ ربیع الآخر ۹۶ھ

مسئلہ:۔ از محمد علی قریشی ایکن مرچنٹ پرانی بستی ضلع بستی (یوپی)

ایک ماں کی دو لڑکیاں ہیں اور دونوں لڑکیاں شادی شدہ ہیں اب ایک بہن کے ایک لڑکا ہے اور دوسری بہن کی ایک لڑکی ہے دونوں بہنیں آپس میں اپنے لڑکے اور لڑکی کی شادی کرنا چاہتی ہیں۔ مگر لڑکے نے کسی مجبوری کی بنا پر اپنی نانی کا دودھ چھ ماہ تک پیا ہے تو کیا ایسی صورت میں شرع شادی کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب —— اللهم هداية الحق والصواب۔ صورت مستفسرہ میں مذکورہ لڑکی و لڑکے کے مابین عقد جائز نہیں حرام ہے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صـ۳۲۱ میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا۔ ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ و رسولہ۔

کتبــــــــہ جلال الدین احمد امجدی
۱۷ ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ

مسئلہ :۔ از صاحبزادہ شیخ بنکے گاؤں ضلع بستی۔

ایک عورت نے ایک لڑکی کو دودھ پلایا پھر اس لڑکی کا نکاح ایک مولوی نے عورت مذکورہ کے لڑکے کے ساتھ پڑھ دیا۔ تو یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب —— عورت مذکورہ نے اگر قبل اختتام مدت رضاعت یعنی ڈھائی سال عمر ہونے سے پہلے لڑکی کو دودھ پلایا تو نکاح مذکور ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا۔ حدیث شریف میں ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول مصری صـ۳۲۱ میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعًا۔ یعنی لڑکا ہو یا لڑکی ان پر رضاعی ماں باپ اور ان کے نسبی و رضاعی اصول و فروع سب حرام ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا مولوی مذکور نکاح کے ناجائز ہونے کا اعلان عام کرے۔ اور اگر لڑکا لڑکی کو رضاعی بھائی بہن جانتے ہوئے نکاح پڑھا ہے تو علانیہ توبہ و استغفار کرے۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبــــــــہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۱ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ

مسئلہ :۔ از محمد حسن علی پوسٹ و مقام کپتان گنج ضلع بستی۔

زید نے اپنی حقیقی دادی زینب کا دودھ تقریبًا ڈیڑھ سال کی عمر میں پیا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زینب کی حقیقی نواسی کے ساتھ زید کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

الجواب —— اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ یا بچی

نے ایام رضاعت میں کسی عورت کا دودھ پی لیا تو اس دودھ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان دونوں کے (رضاعی ماں و باپ کے) نسبی اور رضاعی اصول یعنی آباء و اجداد والدہ و جدات وغیرہ الی الاعلی اور فروع یعنی لڑکے لڑکیاں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں الی الاسفل سب حرام ہو جاتے ہیں۔ صورت مستفسرہ میں جبکہ زید نے اپنی حقیقی دادی زینب کا دودھ ایام رضاعت میں پی لیا ہے تو زینب زید کی حقیقی دادی کے علاوہ اس کی رضاعی ماں بھی ٹھہری لہٰذا زینب کے اصول و فروع سب کے سب زید پر حرام ہیں اور زینب کی کسی بھی پوتی یا نواسی کے ساتھ زید کا نکاح کرنا ناجائز و حرام ہے۔ فتاوی عالمگیری مطبوعہ مصر جلد اول ص ۳۲۱ میں ہے ویحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولہما وفروعہما من النسب والرضاع جمیعاً ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلی جل جلالہ وصلی المولی تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ نور محمد القادری الاوجھا گنجوی البستوی
۱۲ رجادی الاخری ۸۷ھ

مسئلہ: از جوہر علی موضع کسیا۔ بہدوپار ضلع بستی۔

ساجدہ نے ڈیڑھ سال کی عمر میں ہندہ کا دودھ پیا ہے ساجدہ کے والدین نے ہندہ کے لڑکے زید کے ساتھ ساجدہ کا نکاح کر دیا تو یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ واضح رہے کہ ساجدہ نے زید کے ساتھ دودھ نہیں پیا ہے؟

الجواب بعون الملک الوھاب۔ صورت مستفسرہ میں برصدق مستفتی ساجدہ نے جبکہ ڈیڑھ سال کی عمر میں ہندہ کا دودھ پیا تو ہندہ ساجدہ کی رضاعی ماں ہو گئی اس کے سب لڑکے ساجدہ پر حرام ہو گئے خواہ ساجدہ کے دودھ پینے کے بعد پیدا ہوئے ہوں یا پہلے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب اور فتاوی عالمگیری مصری ص ۳۲۱ ج اول میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولہما وفروعہما من النسب والرضاع جمیعاً لہٰذا ہندہ کے لڑکے زید کا نکاح جو ساجدہ کے ساتھ کیا گیا وہ ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوا۔ ھذا ما عندی والعلم بالحق عند اللہ تعالیٰ ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۴ رجادی الاولیٰ ۸۸ھ

مسئلہ :- از اصغر علی موضع موسوا چک پوسٹ لچھمی پور ضلع گورکھپور۔ یوپی

حلیم النساء نے چھ ماہ کی عمر میں شیر علی کی ماں کا دودھ پیا تو حلیم النساء کا نکاح شیر علی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر لوگوں نے ان دونوں کا نکاح ایک دوسرے کے ساتھ کر دیا تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- حلیم النساء کا نکاح شیر علی کے ساتھ حرام و ناجائز ہے قال اللہ تعالیٰ وامھٰتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ پ۴ ع۱ آخر) اور حدیث شریف میں ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ اگر لوگوں نے حلیم النساء کا نکاح شیر علی کیساتھ کیا تو وہ نکاح ہرگز ہرگز جائز نہ ہوا۔ ان دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے الگ رہیں اور ہرگز آپس میں میاں بیوی کا تعلق نہ قائم کریں کہ زنا ہے حرام ہے۔ اور گھر والوں پر لازم ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ رکھیں ورنہ وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے۔ اگر قدرت کے باوجود ان کے گھر والے ایسا نہ کریں تو مسلمانوں پر ان سب کا بائیکاٹ کرنا لازم ہے۔ وھو اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۲۱ رجب المرجب ۱۴۰۰ھ

مسئلہ :- از ابو النعیم قادری۔ موضع پورینہ بلند رام دین ڈیہہ ضلع گونڈہ۔

رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یعنی زید نے اپنی ممانی ہندہ کا دودھ پیا تو ہندہ کے لڑکے بکر کے ساتھ زید کی بہن سلمیٰ کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- صورت مستفسرہ میں بکر کے ساتھ سلمیٰ کا عقد کرنا جائز ہے درمختار میں ہے۔ تحل اخت اخیہ رضاعا کان یکون لاخیہ رضاعا اخت نسبا اھ ملخصاً۔ وھو تعالیٰ وسبحانہ اعلم بالصواب۔

کتبہ
جلال الدین احمد الامجدی
۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ

مسئلہ :- از محمد سمیع الدین عرف صلاح الدین لڈن راوت پار شاہ پور گورکھپور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ادام ظلکم المولیٰ المعین اس مسئلہ میں کہ خالدہ نے ہندہ کو دودھ پلایا تو خالدہ کے لڑکے کا نکاح ہندہ کی لڑکی سے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب صورت مسئولہ میں اگر مدت رضاعت متعلق حرمت یعنی ڈھائی سال کی مدت میں دودھ پلایا گیا تو خالدہ نے لڑکے ہندہ کے بھائی اور ہندہ کی لڑکی خالدہ کے لڑکے کی بھانجی ہوئی تو جیسے حقیقی نسبی بھانجی حرام ہے ایسے ہی رضاعی بھانجی سے نکاح حرام وباطل ہے اس مسئلہ میں اصل وہ حدیث شریف ہے جسے شیخین نے روایت کی چنانچہ مشکوٰۃ شریف کتاب النکاح باب المحرمات میں ہیں عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ رواہ البخاری حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو نسب سے حرام ہے رضاعت سے حرام ہے روایت کیا اس کو بخاری نے۔ نیز اسی میں ہے عن علی قال یا رسول اللہ ھل لک فی بنت حمزۃ فانہا اجمل فتاۃ فی قریش فقال لہ اما علمت ان حمزۃ اخی من الرضاعۃ وان اللہ حرم من الرضاعۃ ما حرم من النسب رواہ مسلم یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے عرض کیا یا رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا آپ کو جائز ہے کہ اپنے چچا حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی صاحبزادی کو نکاح میں لائیں؟ اس لئے کہ وہ قبیلہ قریش میں نوجوان ہونے میں زیادہ خوبصورت ہیں تو سرکار نے حضرت علی سے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میرے رضاعی بھائی ہیں اور بیشک اللہ نے جنھیں نسب سے حرام فرمایا رضاعت سے حرام فرمایا (روایت کیا اس کو مسلم نے) ہاں اس میں چند صورتیں مستثنیٰ ہیں جو ظاہر ہونے کی وجہ سے حدیث میں ذکر نہ ہوئیں چنانچہ شرح وقایہ جلد ثانی باب الرضاعۃ میں ہے "فیحرم منہ ما یحرم من النسب الا ام اختہ واخت ابنہ وجدۃ ابنہ وام عمہ وعمتہ وام خالہ وخالتہ" (الخ انتھی بقدر الحاجۃ) یعنی جو رشتے نسب سے حرام ہیں رضاع سے حرام ہیں مگر بہن کی ماں۔ بھائی کی ماں۔ لڑکے کی بہن۔ لڑکے کی دادی۔ نانی۔ چچا۔ اور پھوپھی کی ماں۔ ماموں خالہ کی ماں یہ سب رضاع کی صورت میں حلال اور نسب میں حرام ہیں ایسے ہی درمختار، عالمگیری، بحرالرائق میں ہے تو فقہا نے اس اصل مذکور سے جہاں چند صورتیں مستثنیٰ کی ہیں وہاں بنت الاخت یعنی بھانجی کو حرمت سے جدا نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ جس طرح نسبی بھانجی حرام ہے ویسے ہی رضاعی بھانجی بھی حرام ہے اور اس مسئلہ پر مزید روشنی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے پڑتی ہے اور بیان کردہ مسئلہ کی تائید بھی ہوتی ہے۔ الحاصل رضاعی بھانجی سے نکاح درست نہیں اور جو ہو گیا ہو تو تفریق ضروری ہے میاں، بیوی کے تعلق ختم کر دینا فرض ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

کتبہ نعیم الدین احمد الصدیقی
۱۶ رمضان ۱۳۷۹ھ

مسئلہ:۔ از گوہر اللہ قادری رضوی پرسیا پوسٹ بانسی بستی۔

ایک لڑکے نے اپنی چچی کا دودھ پیا ہے اس کی چچی کی دو لڑکیاں ہیں ایک وہ لڑکی ہے کہ جس کے ساتھ دودھ پیا ہے اور ایک چھوٹی لڑکی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکے کا نکاح ان دونوں لڑکیوں میں کسی ایک سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مذکورہ میں اس لڑکے کا نکاح اپنی چچی کی کسی لڑکی سے نہیں ہو سکتا اگر اس لڑکے نے اپنی چچی کا دودھ اپنی ڈھائی سال کی عمر یا اس سے کم میں پیا ہو فقط واللہ ورسولہ اعلم

کتبہ بدر الدین احمد
۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ

مسئلہ:۔ از مولوی عبد الجبار قادری متعلم دار العلوم ہذا

ہندہ اپنے بھائی زید کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: ہندہ اپنے بھائی کو زمانۂ رضاعت میں دودھ پلا سکتی ہے لانہ لم یثبت فی الشرع حرمۃ کذلک۔ واللہ اعلم

کتبہ امام بخش قادری
۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۹ھ

مسئلہ:۔ از محمد اسلام موضع سرسیا ضلع بستی۔

ہندہ اور سلمہ دونوں عینی بہن ہیں۔ ہندہ کے لڑکے خالد نے جس کی عمر تقریباً ڈیڑھ سال ہے سلمہ کا دودھ ایک چسکی پیا یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ سلمہ سو رہی تھی آنکھ کھلنے پر فوراً خالد کو الگ کر دیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ خالد کی شادی سلمہ کی لڑکی سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور ایک چسکی پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایک چسکی سے حرمت رضاعت نہیں ثابت ہوتی۔ دلیل کے ساتھ جواب تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب: ایک چسکی پینے سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا صورت مستفسرہ میں خالد کا نکاح سلمہ کی کسی لڑکی سے کرنا حرام ہے۔ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اسلئے کہ قرآن مجید پارہ چہارم کی آخری

آیت کریمہ وامہاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ اور حدیث شریف یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب میں حرمت کا حکم مطلق ہے اور حکم مطلق کو کسی تعداد وغیرہ کے ساتھ مقید کرنا جائز نہیں لان المطلق یجری علی اطلاقہ اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ ایک چسکی سے حرمت رضاعت نہیں ثابت ہوتی وہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ بعض حدیثوں میں جو ہے کہ ایک دو چسکی سے حرمت رضاعت نہیں ثابت ہوتی تو وہ مذکورہ بالا آیت کریمہ کے اطلاق سے رد یا منسوخ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے عن ابن عباس انہ قیل لہ ان الناس یقولون ان الرضعۃ لاتحرم فقال کان ذلک ثم نسخ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بعض لوگوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ پینے سے حرمت رضاعت نہیں ثابت ہوتی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حکم پہلے تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ وروی عن ابن عمر ان القلیل یحرم وعنہ انہ قیل لہ ان ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول لاباس بالرضعۃ والرضعتین فقال قضاء اللہ خیر من قضاء ابن الزبیر قال تعالیٰ وامہاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ تھوڑا بھی حرمت رضاعت ثابت کرتا ہے اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ کسی نے ان سے کہا کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دو مرتبہ پینے سے کوئی حرج نہیں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ابن زبیر کے فیصلے سے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وامہاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ اور شرح وقایہ میں ہے یثبت بمصۃ یعنی رشتۂ رضاع ایک چسکی سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ اور ہدایہ، عنایہ، کفایہ نیز فتح القدیر وغیرہ میں ہے قلیل الرضاع وکثیرہ سواء یعنی تھوڑا اور زیادہ پینے کا حکم یکساں ہے۔ اور فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۳۲۱ میں ہے قلیل الرضاع وکثیرہ اذا حصل فی مدۃ الرضاع تعلق بہ التحریم یعنی دودھ پینا مدت رضاع میں تھوڑا ہو یا زیادہ اس سے تحریم متعلق ہوتی ہے۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد امجدی

مسئلہ: از رمضان علی متصل جامع مسجد مسکنواں ضلع گونڈہ۔

زینب نے ہندہ کو دودھ پلایا تو ہندہ کی بہن خالدہ کے ساتھ زینب کے لڑکے عابد کا نکاح جائز

ہے یا نہیں؟

الجواب خالدہ کا نکاح عابد کے ساتھ جائز ہے فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۲۳۱ میں ہے تحل اخت اخیہ رضاعاً کما تحل نسباً مثل الاخ لاب اذا کانت لہ اخت من امہ یحل لاخیہ من ابیہ ان یتزوجہا کذا فی الکافی۔ وھو تعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ: مسئولہ مولوی عبد المبین خاں جمراشاہی ضلع بستی۔

زید کی بیوی ہندہ نے حالت حمل میں اپنی پستان کو خالد کے بچے کے منہ میں ڈالدیا تھا جو ڈیڑھ ماہ کا تھا۔ اب ہندہ کی ایک لڑکی ہے جس کا نکاح اسی بچے سے کرنا چاہتی ہے۔ تو یہ نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب اگر ہندہ کی پستان سے دودھ نکل کر ولد مذکور کی حلق سے نہیں اترا ہے تو ہندہ کی لڑکی کا نکاح اس بچہ سے کرنا جائز ہے لان المعتبر فی ھذا الباب وصول اللبن الی الجوف اور اگر ہندہ کی پستان کا دودھ بچہ کی حلق سے اترا ہو تو نکاح مذکور جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ وامہاتکم اللاتی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ۔ وھو سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۲۵ رجادی الاولی ۱۴۰۱ھ

مسئلہ: از جمعدار منصوری موضع چتراشیخ ضلع بستی۔

زید نے تقریباً ایک سال کی عمر میں اپنی دادی کا دودھ پیا تو زید کا نکاح اپنی کے حقیقی چچا کی بیٹی سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب زید کا نکاح اس کے حقیقی چچا کی لڑکی سے کرنا حرام ہے اس لئے کہ دودھ پینے والے پر رضاعی ماں کے نسبی اور رضاعی اصول وفروع سب حرام ہوجاتے ہیں فتاوی عالمگیری جلد اول مصری ص۳۲۱ میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولہما وفروعہما من النسب والرضاع جمیعاً اھ۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ :- از جمیل احمد اسلام پیٹ۔ دھجے واڑہ۔

رحمت علی نے حسین بی کا دودھ پی لیا تو رحمت علی کے بھائی لطیف کا نکاح حسین بی کی لڑکی فرحت النساء کے ساتھ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- لطیف کا نکاح فرحت النساء کے ساتھ کرنا جائز ہے درمختار میں ہے تحل اخت اخیہ رضاعا کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ اھ ملخصا۔ وھو تعالٰی اعلم

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ :- از محمد مستقیم موضع گوراکلاں ضلع بستی۔

رقیب النساء نے زید کو ایام رضاعت میں اپنی لڑکی ہندہ کے ساتھ دودھ پلایا تو ہندہ کی بہن یعنی رقیب النساء کی دوسری لڑکی کے ساتھ زید کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالتحقیق۔

الجواب :- زید کا نکاح ہندہ کی بہن سے ناجائز و حرام ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیری جلد اول مطبوعہ مصر ص۳۲۱ میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع جمیعا اھ۔ شرح وقایہ میں ہے ضابطہ ما فی ھذا البیت الفارسی

بیت :- از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند۔ وز جانب شیر خوارہ زوجان و فروع۔ ھذا ما عندی والعلم عند اللہ تعالٰی ورسولہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی

مسئلہ :- از عبد الغفار قادری موضع شکرولی پوسٹ علی پور ضلع گونڈہ۔

ایک شخص نے جوش کی حالت میں اپنی بیوی کا پستان منہ میں ڈال لیا، دودھ منہ میں اتر گیا اور اسے پی لیا تو کیا اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی اور نکاح ٹوٹ گیا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب :- مرد اپنی بیوی کا دودھ پی جائے تو اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوتی اور نہ نکاح میں کوئی خلل پیدا ہوتا ہے درمختار مع شامی جلد دوم ص۴۱۳ میں ہے مص رجل ثدی زوجتہ لم تحرم اھ لیکن بیوی کا دودھ پینا گناہ ہے لہذا شخص مذکور توبہ کرے۔ ھذا ما عندی وھو تعالٰی اعلم بالصواب۔

کتبہ جلال الدین احمد الامجدی
۱۳ر شوال ۱۴۰۲ھ